

# تحفۃ الکرام

تالیف

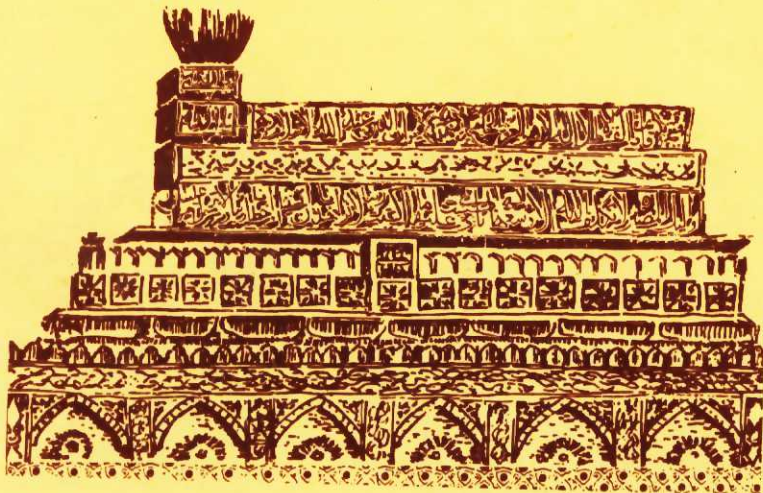
میر علی شیر قانع ٹھٹوی

به تصحیح و حواشی مخدوم امیر احمد

ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ

مترجم

اختر رضوی



سندھی ادبی بورڈ



# تحفۃ الکرام

تالیف

میر علی شیر قانع ٹھٹوی

بہ تصحیح و حواشی مخدوم امیر احمد

ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ

مترجم

اختر رضوی



سندھی ادبی بورڈ  
جام شورو

2006ء

[All rights Reserved with the Board]

تعداد ایک ہزار	سال 1959ء	اشاعت اول
تعداد پانچ سو	سال 2002ء	اشاعت دوم
تعداد ایک ہزار	سال 2006ء	اشاعت سوئم

قیمت: تین سو روپے

[Price Rs. 300-00]

رابطہ خریداری

سندھی ادبی بورڈ کتاب گھر

تلک چاڑھی، حیدر آباد سندھ

(فون: 022-2633679 فیکس: 022-2771602)

Email Address: [sindhiab@yahoo.com](mailto:sindhiab@yahoo.com)

Website: [www.sindhiab.com](http://www.sindhiab.com)

---

یہ کتاب سندھی ادبی بورڈ پرنٹنگ پریس جام شورو میں منیجر سید سکندر علی شاہ نے چھاپی اور  
انعام اللہ شیخ سیکریٹری سندھی ادبی بورڈ، نے اسے شائع کیا۔

## پبلشر نوٹ

کلمہ پڑا دور حکومت کو سندھ کی تاریخ میں سنہری دور کی حیثیت حاصل ہے۔ اس دور میں سندھ نے اپنی ٹوٹی ہوئی وحدت اور تشخص کو بحال کیا، لوگ خوشحال ہوئے اور مغل تاجداروں کے تسلط سے آزاد ہو کر اپنی خود مختارانہ صلاحیتوں کو استعمال کرنے لگے۔ یہ حقیقت ہے کہ مغل تاجداروں نے اپنے عہد میں سندھ کو مختلف حصوں اور یونٹوں میں بانٹا تھا اور ہر حصے اور یونٹ پر اپنا مراعات یافتہ آدمی ناظم مقرر کر لیا تھا اور اسی طرح سندھ کی جغرافیائی وحدت کو ریزہ ریزہ کر لیا گیا تھا، لیکن کلمہ پڑا حکمران کے اقتدار میں آنے کے بعد سندھ کے ان ٹکڑوں اور یونٹوں کی علیحدہ حیثیت ختم ہو گئی اور وہ ایک مضبوط ریاست اور حکومت میں مدغم ہو گئے۔ دراز عرصے سے غلاموں والی زندگی بسر کرنے والی چھوٹی چھوٹی ریاستوں نے بالآخر 'سندھ' کے نام سے ایک بار پھر نیا اور تاریخی جنم لیا۔

**تحفۃ الکرام** 'سندھ کی تاریخ میں ایک منفرد ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے، جو سندھ کے کلمہ پڑا عہد میں نامور مؤرخ سید میر علی شیر "قانع" نے فارسی زبان میں رقم کی تھی۔ حالانکہ یہ کتاب میاں غلام شاہ کلمہ پڑا کی سنہری عہد میں لکھی گئی تھیں، لیکن اس کے بعد یعنی تالیفوں کے عہد میں بھی مصنف، حسب ضرورت کتاب کے دستی نسخے میں ترمیم و اضافہ کرتا رہتا تھا، یہ سلسلہ اُن کی وفات تک جاری رہا۔

**تحفۃ الکرام** 'میں رائے گھرانے سے لے کر کلمہ پڑا گھرانے تک سندھ کی حالات کا تذکرہ نہایت عرق ریزی سے کیا گیا ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ سندھ اور سندھ کے وارثوں کو مختلف ادوار میں کس قسم کے مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ سید میر علی شیر "قانع" نے یہ کتاب لکھ کر حقیقی معنوں میں سندھ اور سندھ والوں پر بڑا حسان کیا ہے۔



آپ کو یہ حقیقت بتانے میں کوئی مذاقہ نہیں کہ اس تاریخی کتاب کا سندھی نسخہ مخدوم امیر احمد نے تیار کیا، جبکہ اردو ترجمہ اختر رضوی صاحب نے کیا تھا۔ اس نادر اور قیمتی کتاب پر ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ صاحب نے اپنی گرانقدر عالمانہ حواشی لکھے اور ساتھ میں متن کی تصحیح بھی کی۔ کتاب ہذا کی پہلی اشاعت 1959ء میں اور دوسری اشاعت 2002ء میں ہوئی تھی۔ یہ تیسری اشاعت ہے جو آپ کے مبارک ہاتھوں میں پہنچی ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ یہ کتاب نہ صرف ملک بلکہ برصغیر کے اردو بولنے والے دانشوروں، عالموں اور محققوں کیلئے سندھ سے ایک ”منفرد تعارف“ ثابت ہوگی۔

انعام اللہ شیخ

سیکرٹری

سندھی ادبی بورڈ

جام شورو، سندھ

بدھ ۲- محرم الحرام ۱۴۲۷ھ

برطانیق 1- فروری 2006ء

## فہرست عنوانات

- پیش لفظ — ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ - صدر شعبہ تعلیم،  
(۱) سندھ یونیورسٹی - حیدرآباد  
(۴) دیباچہ — مخدوم امیر احمد - پرنسپل اورینٹل کالج - حیدرآباد  
مصنف میر علی شیر قانع کے سوانح حیات  
[۱]

### حصہ اول

۱	دیباچہ : از مصنف
۳	مقدمہ : از مصنف
۱۲	پہلا باب رائے خاندان
۱۷	دوسرا باب برہمن حکمرانوں کا طبقہ
۷۱	تیسرا باب خلفائے بنو امیہ کے گورنروں کا طبقہ
۸۳	چوتھا باب خلفائے بنو عباس کے گورنروں کا طبقہ
۸۸	پانچواں باب غزنوی، غوری اور شہنشاہان دہلی کے گورنروں کا طبقہ
۱۱۵	چھٹا باب سومرہ حکمرانوں کا طبقہ
۱۵۱	ساتواں باب جامان سمہ کا طبقہ
۱۷۸	آٹھواں باب ارغون خاندان
۲۰۹	نواں باب ترخان خاندان
۲۳۳	دسواں باب مغل سلطنت اور اس کے گورنر
۲۸۹	گیارہواں باب تیموری [مغل] شہنشاہوں کے اسرا کا طبقہ
۳۱۷	بارہواں باب عباسی کلہوڑا خاندان کا عہد حکومت

### حصہ دوم

۳۵۵	تیرہواں باب ملتان، آج، مٹو، ماتھیلہ، سیتپور اور وہاں کے بزرگ
-----	--

چودھواں باب	شہر بکھر ، بکھر ہر گنہ کے قصبات	
۳۸۴	اور وہاں کے بزرگ	
پندرہواں باب	سیوستان اور دشت باران ہر گنوں کے قصبے	
۴۲۷	اور وہاں کے بزرگ	
سولہواں باب	ہر گنہ ہالا کنڈی کے قصبات	
۴۶۲	اور وہاں کے بزرگ	
سترہواں باب	بدین ، تلہار ، ونکی اور ولہار وغیرہ شہروں	
۴۸۰	اور ہران [ندی] کے کنارے کے قصبات کے بزرگ	
۴۹۲	اٹھارہواں باب	بٹھورہ اور ککراالہ ہر گنوں کے بزرگ
انیسواں باب	مٹھاری ، نیروں کوٹ ، گنجہ ٹیلہ	
۵۱۲	اور وہاں کے بزرگ	
یسواں باب	مٹیار اور پلیجار ہر گنوں کے مواضع	
۵۲۳	اور وہاں کے بزرگ	
اکیسواں باب	دریائے ساگرہ کے کنارے کے متفرق	
۵۲۹	مواضع کے بزرگ	
بائیسواں باب	سندھ کے غیر معلوم شہروں	
۵۵۳	اور قصبات کے بزرگ	
تیسواں باب	سونڈا ، کینجھر ، ساموٹی مکلی کی	
۵۵۷	پھاڑی اور مکلی ہر مدفون بزرگ	
چوبیسواں باب	شہر ٹھٹھہ اور یہاں کے خاندان ۔	
۵۶۸	بزرگ ، عالم اور شاعر	
پچیسواں باب	شہر ٹھٹھہ کے اہل اللہ اور گرد و نواح کے	
۷۳۱	اویا ، سالکین اور مجذوبوں کا طبقہ	
چھبیسواں باب	خاتمہ : ٹھٹھہ اور سند کا مغربی کوہستانی	
۷۷۹	علاقہ اور وہاں کے بزرگ	
۷۸۵	۱۔ مصنف کی کتب ساختہ کے نام	فہرست
	۲۔ اقوام ، قبائل اور افراد کے نام	فہرست
	۳۔ مقامات اور ہستوں کے نام	فہرست

## پیش لفظ

سندھی ادبی بورڈ نے اپنی پہلی نشست مورخہ ۲۰ - اکتوبر سنہ ۱۹۵۱ ع میں فیصلہ کیا تھا کہ سرزمین سندھ کے تاریخی سلسلے کی تین اہم کتابیں (۱) فتحنامہ سندھ [عرف چچنامہ]، (۲) تاریخ معصومی اور (۳) تحفۃ الکرام (جلد سوم) فارسی سے سندھی میں ترجمہ کرائی جائیں تاکہ اہل وطن اپنی تاریخ کو اپنی ہی زبان میں پڑھ اور سمجھ سکیں، چنانچہ بورڈ کی جانب سے ان تینوں کتابوں کے ترجمے کی خدمت مخدوم امیر احمد صاحب پرنسپل اورینٹل کالج حیدرآباد کے سپرد کی گئی اور اس اسکیم کی نگرانی اور ذمہ داری بحیثیت ڈائریکٹر، راقم الحروف کے حوالے کی گئی۔ اس کام کو ایک قومی خدمت تصور کرتے ہوئے جلد از جلد اسے پایہ تکمیل کو پہنچانے کی کوشش کی گئی۔ چنانچہ سنہ ۱۹۵۳ ع میں تاریخ معصومی اور سنہ ۱۹۵۴ ع میں فتحنامہ سندھ [عرف چچنامہ] اور سنہ ۱۹۵۷ ع میں تحفۃ الکرام کا سندھی ترجمہ شایع کیا گیا۔

اس کے بعد سنہ ۱۹۵۷ء کے آخر میں سندھی ادبی بورڈ نے ”قومی تاریخ اور ادب کی ترقی“ کی منصوبہ بندی کے تحت ان تینوں کتابوں کے اردو ترجمے کے شایع کرنے کی طرف توجہ کی۔ چنانچہ اس تجویز کے مطابق ”تحفۃ الکرام“ (جلد سوم) کا اردو ترجمہ ناظرین کے سامنے ہے۔

یہ ترجمہ محترم اختر رضوی نے راقم الحروف کی نگرانی اور ہدایات کے مطابق کیا ہے اور بورڈ کی طرف سے شایع کئے ہوئے مخدوم امیر احمد کے سندھی ترجمہ کا ہو بہو چربہ ہے جو مصنف (میر علی شیر قانع) کے اصل متن کا من و عن عکس ہے۔

تاریخی اعتبار سے اپنی اہمیت و قدامت کے پیش نظر فتحنامہ سندھ [چچنامہ] اور میر معصوم بکھری کی ”تاریخ معصومی“ کے بعد میر علی شیر قانع لٹھوی کی ”تحفۃ الکرام“ تواریخ سندھ میں ایک ممتاز، بنیادی اور جامع حیثیت کی حامل ہے۔

فتحنامہ [چچنامہ] میں سندھ کے رائے خاندان کے عہد حکومت سے لے کر محمد بن قاسم کی جملہ فتوحات اور اس کے واپسی تک کے کل تفصیلی حالات کا ذکر ہے اور تاریخ معصومی میں ان واقعات کی اجمالی جہد کیوں کے علاوہ بعد کے، عہد اکبری میں نواب خانخانان کے ہاتھوں ٹوٹے فتح ہونے تک کے مفصل حالات ہیں۔ تحفۃ الکرام کی جلد سوم جو اس وقت پیش نظر ہے، یہ نہ صرف مذکورہ دونوں کتابوں کے تاریخی مواد کا انتخاب محفوظ کئے ہوئے ہے بلکہ اس میں عہد اکبری سے لے کر محمد شاہ بادشاہ اور عہد نادری و احمد شاہ ابدالی تک کے مفصل حالات کا ذخیرہ ہے۔ اس کے علاوہ تحفۃ الکرام

اس اعتبار سے اور بھی ممتاز ہے کہ اس میں صرف بادشاہوں، فرمانرواؤں اور نوابوں ہی کے حالات نہیں ہیں بلکہ یہ اپنے دور کے مقامی رسم و رواج، رومانی داستانوں، مقامات، بستیوں، قبیلوں، دانشوروں، فنکاروں اور اہل اللہ بزرگوں کے حالات کو بھی اس منظر سے محیط کرتے ہوئے ہے۔

یہ جملہ خصوصیات تحفۃ الکرام کی یہی نظر جلد سوم کی ہیں جو صرف سندھ سے متعلق ہے۔ باقی ماندہ دو جلدیں، اول و دوم، تاریخ عالم اور تاریخ اسلام سے متعلق ہیں اور ان میں گزشتہ خلفاء و سلاطین کے مفصل حالات بیان کئے گئے ہیں۔ جلد اول و دوم کا خلاصہ دیباچہ میں دیا گیا ہے جس کے مطالعے سے تحفۃ الکرام کی ترتیب اور مباحث کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

اس ترجمے میں جلد سوم کے کل مواد کو سہولت کے خیال سے دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا حصہ سندھ کی تاریخ سے متعلق ہے جسے مصنف (میر قانع) نے بارہ ”طبقات“ میں تقسیم کیا ہے۔ ترجمے میں ہر ”طبقہ“ ایک مستقل ”باب“ کی صورت میں پیش کیا گیا ہے چنانچہ پہلے طبقے کا پہلا ”باب“ صفحہ ۱۲ ”رائے خاندان“ سے شروع ہوتا ہے اور بارہویں ”طبقہ“ کا بارہواں ”باب“ صفحہ ۳۵۱ پر ”عباسی کلہوڑا خاندان کے عہد حکومت کے بیان“ پر ختم ہوتا ہے۔

اس کے بعد مصنف نے سندھ کے مشہور شہروں اور وہاں کی شخصیتوں کا ذکر کیا ہے۔ اس ترجمہ میں اس مواد کو کتاب کا دوسرا حصہ قرار دیا گیا ہے جو صفحہ ۳۵۳ سے شروع

موتی ہے۔ اس حصہ میں مصنف نے بعض مشہور واقعات و افراد کا ذکر شہروں اور پرگنوں کے زیر عنوان کیا ہے۔ اس ترجمے میں بھی ابواب کا تسلسل قائم رکھا گیا ہے اور پہلے حصے کے آخری باب (بارہویں) کے بعد دوسرے حصے کی ابتدا تیرہویں باب سے کی گئی ہے۔

مصنف نے اس حصے کی ابتدا، سندھ کی شمالی سرحد سے، یعنی سب سے پہلے ملتان اور وہاں کے بزرگوں کے حالات سے کی ہے اور پھر آج، مٹو اور ماتھیلہ کے ترتیب وار بیان کے بعد بکھر اور سیوستان کے پرگنوں کے مشہور شہروں اور بزرگوں کا ذکر کیا ہے۔ یعنی شمالی سرحد سے شروع کر کے پھر درجہ بدرجہ نیچے جنوب کے شہروں کا ذکر کرتا چلا آیا ہے۔ البتہ نیچے جا کر بعض مقامات کے سلسلے میں مصنف سے یہ جغرافیائی ترتیب قائم نہ رہ سکی۔ اس ترجمے میں اس جغرافیائی ترتیب کو آخر تک قائم رکھا گیا ہے چنانچہ ابواب ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱ اور ۲۲ اس ترتیب کے لحاظ سے رکھے گئے ہیں ورنہ اصل متن کے مطابق ہم ان کو ۱۸، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۱۷ اور ۱۹ کی ترتیب سے پاتے۔

مصنف علی شیر قانع کے سوانح حیات، محترم سید حسام الدین راشدی کی تحقیق کا نتیجہ ہے جسے موصوف ”مکلی نامہ“ کے مقدمہ کے طور پر سندھی ادبی بورڈ کے سہ ماہی سندھی رسالہ ”بہران“ کے شمارہ ۱۲، ۱۹۵۶ ع میں شائع کرا چکے ہیں۔

ترجمے میں متن کے نیچے سندھی مترجم مخدوم امیر احمد کے حواشی شامل ہیں۔ کتاب کے آخر میں افراد اور مقامات

کے ناموں کی فہارس دے دی گئی ہیں۔

ان اہتمامات کے ساتھ زیر نظر ترجمے کو سر دست کافی کارآمد بنایا گیا ہے۔ اس کے باوجود اکثر مقامات پر اب بھی متعدد حوالہ جات اور حواشی کی ضرورت باقی ہے اور کتاب کا ایک حتمی مستند ایڈیشن ترتیب دینے کے لئے کافی وقت اور سہنت درکار ہے۔ امید کہ ”تحفة الکرام“ کا اصل فارسی متن، بورڈ مذکور کی طرف سے ان ہی اہتمامات کے ساتھ شائع کیا جائے گا۔

خادم العلم

سندھ یونیورسٹی

نبی بخش

حیدرآباد سندھ

سندھ یونیورسٹی - حیدرآباد

۲۸ جولائی، ۱۹۵۹ ع

—\*○❖○\*—





## دیباچہ

(سندھی مترجم مخدوم اسیر احمد صاحب کے دیباچہ کا خلاصہ)

میر علی شیر قانع ٹھٹھی نے میاں غلام شاہ کلہوڑا کے عہد حکومت میں سنہ ۱۱۸۰ھ میں ”تحفۃ الکرام“ کی تصنیف کا آغاز کیا۔ کتاب کے نام سے سنہ آغاز تالیف برآمد ہوتا ہے۔ حالانکہ مصنف نے یہ کتاب سنہ ۱۱۸۱ھ میں مکمل کر لی تھی لیکن خود اس کے دستی نسخے کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ اختتام کے بعد بھی، جب اسے کوئی بات مزید معلوم ہوتی تھی یا کسی تحریر اور واقعے کے متعلق اصلاح کی ضرورت محسوس ہوتی تھی تو وہ اپنے ذاتی نسخے میں گاہے گاہے مطلوبہ اضافہ و ترمیم کرتا رہتا تھا۔ یہ سلسلہ اس کی وفات سنہ ۱۲۰۳ھ تک جاری رہا۔ غالباً یہی سب سے بڑی وجہ ہے کہ ”تحفۃ الکرام“ کے مختلف نسخوں میں عبارات کا فرق پایا جاتا ہے۔

”تحفۃ الکرام“ کے فارسی متن کا ایک لیتھو ایڈیشن سنہ ۱۳۰۴ھ میں شائع ہوا تھا، لیکن یہ مطبوعہ نسخہ نڈ

صرف ناقص ہے بلکہ اغلاط سے بھرا ہوا ہے۔ حیدرآباد (سندھ) میں سرکار میر نور محمد مرحوم کے شاہی کتب خانہ میں تحفۃ الکرام کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے جو سرکار میر مراد علی خان فرمانروائے سندھ کے حکم پر ۱۲۔ محرم سنہ ۱۲۳۳ھ کو نقل کیا گیا تھا۔ ہر چند کہ اس میں صحت کا التزام خاطر خواہ نہیں ہے تاہم یہ دوسرے قلمی نسخوں سے بہتر ہے۔ خود میر علی شبر قانع کا دستی نسخہ ڈاکٹر مولوی محمد شفیع صاحب، سابق پرنسپل اورینٹل کالج لاہور کے پاس محفوظ ہے اور یہ نسخہ ہی سب سے زیادہ قابل اعتماد اور بنیادی نوعیت کا ہے۔ موجودہ متن کا مدار مصنف کے اسی دستی نسخے پر ہے۔ سرکار میر نور محمد خان کے کتب خانہ والے قلمی نسخے میں جو اہم اختلافات پائے جاتے ہیں ان کو حاشیہ میں ”ن“ کے حوالے سے ظاہر کیا گیا ہے۔

مصنف نے ”تحفۃ الکرام“ کو بالترتیب تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے دو حصے تاریخ اور جغرافیائے عالم سے متعلق ہیں اور صرف تیسرے حصے کا تعلق سندھ سے ہے۔ یہیں نظر متن صرف اس تیسرے حصے کا ترجمہ ہے۔ کتاب کی پوری ترتیب اور تسلسل کو سمجھنے کے لئے، مصنف کے دستی نسخے سے، پہلے دو حصوں کے مضامین کا خلاصہ یہاں یہیں کیا جاتا ہے :

حصہ اول : اس جلد میں ایک مقدمہ اور تین ”دفترا“ ہیں۔ مقدمے کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ہر حصے کا نام ”ذکر“ رکھا گیا ہے۔ پہلے ”ذکر“ میں مخلوقات کی ابتدا اور دوسرے

”ذکر“ میں جنوں کی پیدائش کا بیان ہے۔

مذکورہ تین ”دفتروں“ میں پہلے ”دفتر“ کے تین حصے ہیں۔ ایسے ہر حصے کو ”طبقہ“ کا نام دیا گیا ہے۔ پہلے طبقے میں انبیا کا بیان ہے۔ دوسرے طبقے میں قبل از اسلام کے بادشاہوں کا، اور تیسرے طبقے میں اس دور کے حکماء، زاہدین اور مشہور شعرا کا ذکر ہے۔

دوسرے دفتر کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا ہے اور ہر حصے کو ”مجلس“ کا نام دیا ہے۔ پہلی ”مجلس“ میں حضور پاک کی ولادت کا آغاز، دوسری ”مجلس“ میں ان کے حالات، تیسری مجلس میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے واقعات، چوتھی ”مجلس“ میں ائمہ معصومین اور پانچویں ”مجلس“ میں اہل بیت کرام کی مشہور ہستیوں کا ذکر کیا ہے۔

دفتر سوم تین حصوں میں تقسیم ہے اور ہر حصے کا نام ”طبقہ“ رکھا گیا ہے۔ پھر ان میں سے بھی پہلے ”طبقہ“ کے تین حصے کر کے ہر ایک کا نام ”مقصد“ رکھا ہے۔ پہلے ”مقصد“ میں خاندان بنو امیہ کے خلفاء کا بیان ہے۔ دوسرے مقصد میں تین ”مقالات“ ہیں۔ ان میں سے پہلا ”مقالہ“ خاص خاندان بنی امیہ کے ان امرا کے بیان میں ہے جو عراق عرب اور عراق عجم کی حکومتوں سے سرفراز تھے۔ دوسرے ”مقالہ“ میں بنو امیہ کے امراء خراسان اور تیسرے ”مقالہ“ میں خاندان بنو امیہ کے بعض ممتاز افراد کا ذکر ہے۔ تیسرے ”مقصد“ میں خاص طور پر ان لوگوں کے حالات بیان کئے گئے ہیں جنہوں نے بنو امیہ کے عہد حکومت میں بغاوتیں کیں۔

دوسرا ”طبقہ“ پانچ حصوں میں تقسیم ہے اور ہر حصہ کو ”مذکور“ کا لقب دیا گیا ہے۔ پہلے ”مذکور“ میں خلفائے عباسیہ کا ذکر ہے۔ دوسرے میں ان عباسی افراد کا ذکر ہے جنہوں نے مستر میں لقب خلافت اختیار کیا۔ تیسرے ”مذکور“ میں عباسی امرا، وزرا اور سرکردہ افراد کے حالات بیان کئے گئے ہیں، چوتھے میں ان افراد کا ذکر ہے جنہوں نے عباسی حکمرانوں کے خلاف بغاوتیں کیں اور پانچویں ”مذکور“ میں قرامطہ کا ذکر کیا گیا ہے۔

تیسرے ”طبقہ“ کے کل نو حصے کئے گئے ہیں اور ہر حصے کا نام ”اساس“ رکھا گیا ہے۔ پہلے ”اساس“ میں ان مسلمان بادشاہوں کا ذکر ہے جو خلفائے بنو عباس کے زمانے میں دنیا کے کسی نہ کسی حصے کے بادشاہ تھے۔ ایسے گیارہ خاندانوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ پہلا طاہری خاندان، دوسرا صفاری خاندان، تیسرا سامانی گھرانہ، چوتھا غزنوی خاندان، پانچواں غوری گھرانہ، چھٹا آل بویہ یعنی دہلی گھرانہ، ساتواں سلجوقی خاندان، آٹھواں خوارزم شاہی خاندان، نواں اتابک گھرانہ، دسواں اسماعیلی خاندان اور گیارہواں کرمان کا، فراختائی خاندان۔

دوسرے ”اساس“ میں صرف ان شاہی خاندانوں کا ذکر ہے جنہوں نے روم پر حکمرانی کی ایسے آٹھ خاندان بیان کئے گئے ہیں۔ پہلا قیصر خاندان، دوسرا سلجوقی خاندان، تیسرا دانشمندی خاندان، چوتھا سلجوقی بادشاہوں کا گھرانہ، پانچواں منکرجکی امرا کا گھرانہ، چھٹا قرمان خاندان، ساتواں ذوالقدر

گہرانہ اور آٹھوان سلاطین عثمانیہ کا خاندان -

تیسرے ”اساس“ میں حرمین شریفین زادہما اللہ شرفا و تعظیما کے شرفا کا ذکر ہے۔ چوتھے ”اساس“ میں خوانین ترکستان یعنی چنگیز خان اور اس کی اولاد کا ذکر ہے۔ پانچویں ”اساس“ میں ابو سعید خان بہادر کے بعد ایران میں جو چھوٹے چھوٹے بادشاہ ہوئے ان کا ذکر ہے اور ایسے پانچ خاندان بیان کئے گئے ہیں۔ چھٹے ”اساس“ میں قرا قوینلو خاندان کے بادشاہوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ساتویں ”اساس“ میں دیار بکر (روسی ترکستان) کے آق قوینلو بادشاہوں کے حالات ہیں۔ آٹھویں ”اساس“ میں ایران کے صفوی خاندان کا اور نویں ”اساس“ میں صاحبقران امیر تیمور گورگان اور ان کی اولاد کا ذکر ہے جس نے ایران و توران پر حکومت کی۔

حصہ دوم: اس حصے میں کل سات مقالات اور ایک تتمہ ہے۔ ساتوں مقالات میں ساتوں ولایات کا ترتیب وار ذکر، ان کا جغرافیہ اور وعان کے سلاطین، امراء، ورزا، اہل اللہ اولیا، علما اور دیگر صاحبان کمال کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔

تتمے کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ہر ایک کا نام ”نمود“ رکھا گیا ہے۔ پہلی ”نمود“ میں مشہور اور اہم شہروں کا درمیانی فاصلہ بیان کیا گیا ہے اور دوسری ”نمود“ میں ان ممالک کا مختصر بیان ہے جو ساتوں ولایتوں کی حدود سے باہر ہیں۔

تحفۃ الکرام کے پہلے دو حصوں کے مضامین کی سندرجہ بالا فہرست سے صاف طور پر واضح ہوتا ہے کہ مطبوعہ نسخے میں صرف احمد آباد اور گجرات کے بزرگوں کے مختصر حالات

شامل کر کے اسے ”تحفة الکرام“ کی جلد اول کہا گیا ہے اس کا  
تحفة الکرام کی حقیقی جلد اول سے کوئی تعلق نہیں ہے۔  
فی الواقع اس کی پہلی جلد ایک ضخیم کتاب ہے جو فل اسکیپ  
سائز سے بھی بڑے اوراق کے ۳۲ صفحات پر نہایت گنجان  
اور باریک حروف سے مرقوم ہے۔



## مصنف میر علی شیر قانع کی سوانح حیات\*

خاندانی پس منظر

میر علی شیر نے اپنا سلسلہ نسب اسطرح بیان کیا ہے :

میر علی شیر ، بن سید عزت اللہ ، بن سید محمد کاظم ، بن سید محمد مقیم ، بن سید ظہیر الدین ثانی ، بن سید شکر اللہ ثانی ، بن سید ظہیر الدین والاسلام المعروف بہ سید جادم اول ، بن سید قاضی شکر اللہ شیرازی ، بن سید وجہ الدین ، بن سید نعمت اللہ ، بن سید عرب شاہ ، بن امیر سید نسیم الدین محمد المعروف بہ میر شیرک شاہ ، بن امیر سید عطاء اللہ جمال الدین محدث ، بن امیر سید فضل اللہ المحدث الحسینی الدشتکی (۱) شیرازی ۔

میر موصوف نے اپنے مذکورہ بالا بزرگوں کا ”تحفۃ الکرام“ کی جلد دوم اور مقالات الشعرا میں اپنی سوانح کے ضمن میں ذکر کیا ہے اور ”تحفۃ الکرام“ کی جلد سوم میں قاضی شکر اللہ اول نے لے کر اپنے آپ تک خاندان کے جملہ سندھی افراد کا حال تحریر کیا ہے ۔

\* از سید حسام الدین راشدی ۔

(۱) دشتک ، شیراز کے اس محلہ کا نام ہے کہ جسمیں یہ بزرگ رہا کرتے تھے آجکل شہر کے اس حصہ کو ”لب آب“ یکارا جاتا ہے ۔



اپنے ایرانی بزرگوں کے سلسلہ میں میر صاحب موصوف کا  
 ساخذ، تواریخ "حبیب السیر"، "هفت اقلیم" اور "مجالس  
 المومنین" ہیں جن سے انہوں نے اپنے خاندانی حالات نقل  
 کئے ہیں۔

مناسب ہے کہ میر صاحب کی سوانح حیات انکے بزرگوں  
 کے مختصر حالات سے شروع کی جائے، تاکہ ناظرین میر موصوف کے  
 حالات کے مطالعہ سے پیشتر انکے خانوادہ کے علمی پس منظر کو  
 ذہن میں [محفوظ] رکھیں۔

۱۔ السید الجلیل امیر اصیل الدین عبد اللہ

(بن سید عبد الرحمان، بن سید عبد اللطیف، بن سید جلال الدین  
 یحییٰ محمد الحسینی): یہ تفسیر، حدیث اور فن انشا کے جید عالم  
 اور اپنے زمانے کے فاضل ترین بزرگ تھے۔ مصنف "حبیب السیر"  
 نے جس ادب اور احترام کے ساتھ ان بزرگوں کا ذکر کیا ہے وہ  
 اسکے اپنے ہی لفظوں میں قابل مطالعہ ہے۔ [وہ لکھتا ہے کہ: ]  
 "بصفت اصالت و وفور جلال و نباہت شان، و قدم  
 دودمان موصوف و معروف بود، و بوفور زہد و تقویٰ و دینداری  
 و غایت دیانت و پرهیزگاری، از اکثر علما و سادات بنی آدم  
 ممتاز و مستثنیٰ می نمود۔ زبان گہر افشانی مفسر حقایق صحف  
 آسمانی، و بیان بلاغت نشانہ بین دقایق کتب سبحانی،  
 باطن خجستہ میامنہی مظہر آثار ولایت و رشاد، و خاطر فرخندہ  
 متأثرش مہبط انوار ہدایت و ارشاد، و بے شائبہ مدح گستری  
 آن مہر شریعت پروری، در علم تفسیر و حدیث و انشا و تالیف  
 شبیہ و نظیر نداشت" (۱)

سید صاحب ، سلطان ابو سعید کے زمانے (۸۵۵-۸۷۳ھ) میں شیراز سے ہجرت کر کے ہرات میں آکر مقیم ہوئے اور بادشاہ کی تحریک پر ہفتہ میں ایک بار مدرسہ گوہر شاد آغا میں وقف فرمایا کرتے تھے۔ اسی طرح ہر سال ماہ ربیع الاول میں محفل میلاد منعقد کر کے حضور انور کی سیرت پاک ایسے دلنشیں انداز میں بیان فرمایا کرتے تھے کہ سامعین کی کیفیت تاثر قابل دہد ہوا کرتی (۱)۔ انکی تصنیفات میں مندرجہ ذیل ۵ و کتب نے شہرت دوام حاصل کی :

۱۔ ”شرح درج الدر“ ( پر ”سیر سنیہ خیر البشر“ )

۲۔ ”کتاب مزارات ہرات“

ثانی الذکر کتاب کے لئے صاحب ”حبیب السیر“ کا قول ہے کہ :  
”درمیان افاضل اقطار جہان مشہور است ، و صحت روایت و بلاغت عبارت آن نسخہ بر السنہ و افواہ خلایق مذکور۔“

سید موصوف کا انتقال سلطان بایقرا کے دور میں ۸۸۳ھ جمادی الاخریٰ (۲) ۸۸۳ھ کو ہوا۔ سلطان بایقرا نے انکی اولاد کے لئے جاگیریں مقرر کردی تھیں۔ میر علی شیر نے انکے دو فرزندوں سید صفی الدین محمد اور سید برہان الدین محمد کا ذکر کیا ہے۔

۲۔ سید العکماء المدققین امیر صدر الدین محمد شیرازی

(”ابوالمعالی“ کنیت اور ”صدر العلما“ و ”صدرالحقیقہ“ لقب ہے) : انکے والد کا نام امیر غیاث الدین منصور تھا جنکے متعلق صاحب ”حبیب السیر“ کہتا ہے کہ :

۱۔ ”حبیب السیر“ ج ۳ - جز ۳ ، ص ۳۲۵ - ”ہفت اقلیم“

ص ۲۶۱ ، مطبوعہ بنگال ایشیائیک سوسائٹی ، کلکتہ ۔

۲۔ ”مجالس المومنین“ میں ربیع الاول ۸۰۳ھ مرقوم ہے

(ص ۲۲۶) جو غلط ہے اور قانع نے اسی کو نقل کیا ہے۔ ہم

نے حبیب السیر کے بیان کو دوسرے مأخذ پر ترجیح دی ہے۔

”درسلک سادات عالی نسب مملکت فارس انتظام داشت ، و مرجع اشراف و اعیان بودہ ، ہیوستہ نقش خیر خواہی ہر الواح خواطر آدمیان می نگاشت۔“

امیر صدر الدین نے مولانا قوام الدین گلمباری کے پاس تحصیل علم کیا (۱) جس کے بعد شیراز میں ایک عظیم الشان درسگاہ ”مدرسہ منصوریہ“ تعمیر کرا کے اس میں سلسلہٴ درس شروع کیا ۔ ”حبیب السیر“ میں ہے کہ :

”صفت بالا عزاز بنشر علوم محسوس و مفہوم قیام و اقدام می نمود ، و بحدودت طبع و دقت ذہن از جمیع علمائے متبحرین و فضلائے متاخرین ممتاز و مستثنیٰ بود۔ (۲)“

اس مدرسہ میں ہزاروں طلبا اور سیکڑوں صاحبان ذوق نے علم حاصل کر کے دین و دنیا میں سرخروئی حاصل کی ۔ ”مجالس المومنین“ کا مصنف ان بزرگ کے لئے لکھتا ہے کہ ”حدیث کے وہ جید عالم اور حافظ تھے ۔ علوم حکمیہ و شمسہ میں وہ دنیا کے عظیم ترین حکما کے مدارج تک پہنچے ہوئے تھے ۔ جن بزرگوں سے انہوں نے علم و فیض حاصل کیا تھا وہ سب اپنے دور کے بے نظیر عالم تھے جن کے اساتذہ کے سلسلے بوعلی سینا ، ملا قطب الدین ، علامہ شیرازی ،

۱۔ صاحب ”مجالس المومنین“ نے لکھا ہے کہ میر صاحب نے دینی علوم کی تعلیم اپنے والد اور چچا زاد بھائی میر نظام الدین احمد سے حاصل کی اور عربی علوم و ادب کی تعلیم اپنے دوسرے چچا زاد بھائی میر حبیب اللہ سے پائی ۔ دیکھئے ص ۳۵۰ ۔

[۵] سوانح حیات میر قانع

سلطان المحققین خواجہ نصیر الدین طوسی، امام غزالی، امام فخر الدین رازی اور علامہ شیخ جمال الدین حسن جیسے بزرگوں سے جا ملتے تھے۔ (۱)

مولانا جلال الدین دوانی اور سید موصوف کے درمیان علمی نکات پر اختلافات رہا کرتے تھے لیکن محقق دوانی نے ان سے رو برو مباحثہ کی کبھی جسارت نہ کی۔ البتہ اختلافی مسئلوں پر ان صاحب نے کئی رسالے تحریر کئے جن میں ”حواشی تجرید“ اور ”حواشی مطالع“ مشہور ہیں (۲)۔ اسی طرح وقت کے دیگر علما نے بھی سید موصوف سے کبھی مناظرہ نہ کیا۔

”حبیب السیر“ میں مندرجہ ذیل کتب ان کی تصانیف بیان کی گئی ہیں :

۱۔ رسالہ ”تحقیق علم در اثبات واجب“

۲۔ ”حاشیہ شرح شمسہ“

۳۔ ”حاشیہ مطالع“

۴۔ ”حاشیہ تجرید“

میر قانع نے ان چار کتابوں کے علاوہ مندرجہ ذیل تصانیف کا بھی ذکر کیا ہے۔ (۳)

۵۔ ”حاشیہ بر اوائل شرح مختصر اصول ابن حاجب“

۶۔ ”حاشیہ بر کشف“

۱۔ ”مقالات الشعراء“ ص ۲۰۸، ”مجالس المومنین“ ص ۳۵۰۔

۲۔ مقالات ص ۲۰۹۔

۳۔ یہ فہرست میر قانع نے ”مجالس المومنین“ سے نقل کی ہے

دیکھئے ص ۳۵۰۔

۷۔ ”رسالہ در حل مغالطہ“

۸۔ ”رسالہ در علم فلاحت“

۹۔ ”رسالہ در علم معرفت قوس قزح“

۱۰۔ ”تعلیقات بر فقہ شامی“

سید موصوف نے ۲ شعبان سنہ ۸۲۸ھ منگل کے دن ولادت پائی اور ۱۲ رمضان سنہ ۹۰۳ھ کو بروز جمعہ دیار بکو کے توکمانوں کے ہاتھوں شہید ہوئے (۱)۔

۳۔ خاتم الحکما امیر غیاث الدین ثانی:

یہ بزرگ، امیر صدر الدین کے فرزند تھے۔ ان کی ولادت سنہ ۹۰۰ھ میں ہوئی۔ انہوں نے والد کی خدمت میں رہ کر علوم حاصل کئے اور بیس برس کی عمر میں فارغ ہو کر سلسلہ درس شروع کیا۔ ان کے مرتبہ علمی اور وجاہت کا ذکر کرتے ہوئے صاحب ”حبيب السیر“ نے لکھا ہے کہ:

”آنجناب حالا بونور علم و دانش در اطراف و اکناف

عالم بغایت مشہور است، و مهارتش در فنون

حکمی و ریاضی ضرب المثل جمہور علمائے نزدیک

و دور“ (۲)۔

سید موصوف کی ریاضی دانی اور طبی صلاحیتوں کا ذکر کرتے ہوئے نور اللہ شوستری تحریر کرتے ہیں کہ ”اگر ارسطو اور افلاطون بلکہ ساری دنیا کے حکما و طبیب بھی ان کے زمانے میں ہوتے تو وہ بھی ان کے معتقد اور نیاز مند ہوتے!“

شوستری کے اپنے الفاظ یہ ہیں:

۱۔ ”شرح اثبات واجب“ از امیر غیاث الدین منصور ثانی، رجال

”حبيب السیر“ ص ۲۴۱، ”مجالس المومنین“ ص ۳۵۰۔

۲۔ ”حبيب السیر“ ج ۳، جز ۴، ص ۱۱۱۔

[۷]

لغزاتِ حیات مہر قانع

”ارسطو والاطون بلکہ حکمائے دہر و ثرون اگر  
در زمان آن قبلہ اہل اہقان بودندے، مفاخرت  
و مباہات در سلک مستفیدان و ملازمان مجلس  
عالیہ نمودندے (۱)“

”حبیب السیر“ کا مصنف سید موصوف کا معاصر اور ان  
سے واقف تھا۔ اگر نور اللہ شوستری کے قول کو مبالغہ آمیز  
تصور کیا جائے تب بھی ”حبیب السیر“ کے مصنف کی رائے  
سید صاحب کی علمی بلندی اور برتری کے لئے کافی وزن دار ہے۔  
سید صاحب ایک مدت تک بادشاہ مغفور کے صدارت  
کے بلند مرتبہ ہر فائز رہے۔ پھر جب عراق عرب سے مجتہد الزمان  
شیخ علی بن عبدالعالی دارالسلطنت آئے اس وقت بادشاہ کے روبرو  
مسئلہ عدم تقلید پر شیخ اور سید موصوف کا مناظرہ ہوا۔ جس  
میں جان بوجھ کر بادشاہ نے مجتہد کی پاسداری کی، چنانچہ  
سید موصوف ناراض ہو کر اور منصب صدارت سے استعفا دے  
کر شیراز چلے آئے۔

”حبیب السیر“ کی تصنیف کے وقت سید موصوف اپنے  
والد کے مدرسہ میں درس دیا کرتے تھے۔ بقول مصنف:  
”بہ افادہ قیام می نماید، و گوشت و هوش طلبہ  
علوم را از نتائج دریائے طبع نقاد خود می آراید“

۳۸ برس کی جوان عمر میں سنہ ۱۲۴۸ھ میں سید موصوف  
نے انتقال کیا۔ صاحب ”حبیب السیر“ نے ان کی تصانیف کا  
کوئی ذکر نہیں کیا۔ البتہ مہر قانع نے ”مجالس المومنین“

ہے ان تیس کتابوں (۱) کے نام نقل کئے ہیں جنہیں کہ نور اللہ

۱۔ ان کتابوں کے نام یہ ہیں: ۱ کتاب صبحۃ الکلام (در

رد "حجۃ الاسلام" امام غزالی)، ۲۔ ہزار بیت، ۳۔

"محاکات" اول۔ ثانی۔ ثالث، ۴۔ شرح بر کتاب اثبات

واجب، ۵۔ کتاب تعدیل المیزان بر منطقی، (خلاصہ

"منطقی شفا")، ۶۔ معیار الافکار (خلاصہ "تعدیل المیزان")،

۷۔ کتاب لوامع و معارج (علم ہیئت)، ۸۔ تحفۃ شاہی

(۱۷ برس کی عمر میں تحریر کی)، ۹۔ تجرید در حکمت

(جامع مسائل حکمت طبیعی و السہی)، ۱۰۔ رسالہ در

مغربت قبلہ، ۱۱۔ کتاب معالم الشفا (طب)، ۱۲۔ شافیہ،

۱۳۔ سفروید ہیئت، ۱۴۔ حاشیہ بر الشہادت شفا، ۱۵۔

حاشیہ بر شرح حکمت العین، ۱۶۔ رسالہ در باب خلافت

فرزند خود، ۱۷۔ رد بر حاشیہ شمسیہ۔ علامہ دوانی،

۱۸۔ رد بر حاشیہ محمد، ۱۹۔ خلاصۃ تلخیص (اختصار

رسالہ تلخیص معانی و بیان)، ۲۰۔ رد بر حاشیہ

تمہذیب، ۲۱۔ رد النموذج، ۲۲۔ رسالہ تحقیق جہات،

۲۳۔ رد بر رسالہ وزراء، ۲۴۔ رسالہ مشارق در اثبات

واجب، ۲۵۔ کتاب اخلاق منصوری، ۲۶۔ حاشیہ بر اوائل

کشف تفسیر سورۃ الانسان۔ ۲۷۔ مقالات العارفین (تصوف

و اخلاق۔ اپنے فرزند میر شرف الدین علی کے لئے لکھی)،

۲۸۔ رسالہ قانون السلطنت دین، ۲۹۔ شرح کتاب ہیاکل

انوار اور ۳۰۔ حاشیہ بر اشارات۔

میر علی شیر نے مندرجہ ذیل دو اور کتب کے نام سنے:

۳۱۔ کتاب ریاض الرضوان، ۳۲۔ کتاب اساس در علم

ہندسہ۔

(مقالات الشعراء ص ۲۱۱، اور "مجالس المومنین" ص ۳۵۱)۔

[۱]

سوانح حیات میر قانع

شوستری نے دیکھا اور پڑھا تھا۔ اس کتاب کا مصنف مزید لکھتا ہے کہ اس کے علاوہ سید موصوف کی اور بھی تصانیف ہیں جو اس تک نہیں پہنچ سکیں (۱)۔

میر موصوف شعر و سخن میں بھی دسترس رکھتے تھے۔ ”مجالس المومنین“ میں مثال کے طور پر ان کا یہ شعر مرقوم ہے :

ہر کجا ہے غری ہست بدو می بخشند

بیشتر زانکہ ز ایام تمنّا دارد

میر علی شیر نے ان کے دو فرزندوں کے نام رقم کئے

ہیں ایک میر شرف الدین اور دوسرے میر صدرالدین محمد۔

۴۔ السید الاجل امیر جمال الدین عطا اللہ (بن سید فضل اللہ محدث) :

سید موصوف میر اصیل الدین کے بھتیجے اور میر علی شیر

کے دسویں پشت میں دادا تھے۔ صاحب ”حبیب السیر“ حسب

سابق ان بزرگوار کی توصیف میں بھی رطب اللسان نظر آتا ہے۔

ایک مقام پر وہ لکھتا ہے کہ :

”آنحضرت، مانند عم بزرگوار خویش امیر سید

اصیل الدین، در علم حدیث بے نظیر آفاق گشتہ

اند، و در سایر اقسام علوم دینیہ و انواع فنون

یقینیہ از محدثان باستحقاق درگذشتہ اند۔“

پھر ایک اور مقام پر وہ جس طرح ان کی تعریف کرتا

ہے وہ بھی اسی کے لفظوں میں لایق مطالعہ ہے :

”سدہ“ سینہ اش، ملاذ طوایف اکابر و اشراف

انام، و عتبہ“ عالیہ اش منجمع اعظام اولاد امجاد

خیر الانام بود۔ لوح ضمیر سنیر مہر تنویرش مطرح



اشعہ، انوار اسرار کتب السہی و صحیفہ، خاطر  
عالی مآثرش مبہط لوامع حقایق اخبار حضرت  
رسالت پناہی۔ ”گنجینہ“ سینہ اش ببجواہر زواہر  
علوم شرع مشحون، و عقود دُرّ کلمات در، مخزن  
باطن خجستہ میامنش مخزون۔ نیّر شمایل نبوی  
از مشارق جمال خجستہ مآلش طالع، و شمعہ  
آثار فضائل مرتضوی از مطالع خصایص علم و  
کمالش لامع۔ رای عالم آرائش کشف اسرار  
معالم تنزیل، و طبع مشکل کشایش حلال  
معضلات مواقف تاویل۔

زبانش مظهر اسرار تحقیق ضمیرش منظر انوار توفیق  
ز توضیح بیانش گشتہ روشن بر اہل عام ہر مشکل ز ہرفن  
جمال دین مزین ز اہتمامش علوم شرع واضح از کلامش (۱)  
سید صاحب کا مشغلہ بھی اپنے بزرگوں کی مانند درس  
و تدریس تھا۔ ان کا مدرسہ، مدرسہ سلطانیہ ہرات کے اس  
گنبد میں تھا جس میں کہ بعد میں سلطان حسین بایقرا مدفون  
ہوا۔ کچھ برسوں کے بعد وہ خاتقاہ اخلاصیہ میں درس دیا  
کرتے تھے اور ہفتہ میں ایک دن وہ اپنے چچا امیر امین الدین  
کی مسند پر جامع مسجد ہرات میں وعظ و نصیحت کی محفل بھی  
منعقد کیا کرتے تھے۔

صاحب ”حبيب السیر“ (۸۸۰-۸۹۰ء) کا قول ہے کہ  
”اس وقت وہ گوشہ نشینی میں وقت گزارتے ہیں۔ مجلس  
وعظ بھی انہوں نے بند کردی ہے اور اب ان کا وقت زیادہ تر

طاقت و عبادتِ الہی میں گذرتا ہے :  
 ”سلاطین ایام ، و حکام اسلام ، باقدام ارادت  
 و اعتقاد و ملازمت آنحضرت را بر ذمہ ہمت  
 واجب میدانند ، و در توفیہ حال و فراغ بال  
 خدام عالی مقامش طریقہ اشفاق مبذول میدارند  
 بر آنچه میتوانند ۔“

مصنف ”حبیب السیر“ نے ان کی ایک تصنیف ”روضة  
 الاحباب فی سيرة النبی والال والاصحاب“ کا ذکر کیا ہے جس  
 کے متعلق اس کا کہنا ہے کہ وہ آفاق میں مشہور ہے اور اس  
 کی مثال ملنی مشکل ہے :

”در اقطار آفاق اشتہار تمام دارد ، و بے شائبہ  
 شبہ عقل و ادراک نظیر آن کتاب افادت مآب را  
 در آئینہ خیال امر محال می شمارد“ ۔

”تحفة الکرام“ میں ان کی دو تصنیفات ”تحفة الاحبار“  
 اور ”ریاض السیر“ کا بھی ذکر ہے (۱)

ان کا سال انتقال معلوم نہیں ہو سکا۔ جن دنوں  
 ”حبیب السیر“ زیر تصنیف تھی ان دنوں وہ گوشہ نشینی کی  
 زندگی بسر کر رہے تھے ۔ (۲) ۔

۱ ۔ تحفة الکرام ج ۲، ص ۷۱ ۔ مجالس المومنین ص ۲۲۲ ۔

۲ ۔ ”حبیب السیر“ کے مصنف کا نام غیاث الدین بن ہمام الدین  
 محمد خوند میر تھا ۔ وہ سنہ ۵۸۸ھ کے قریب ہرات میں  
 پیدا ہوا اور سنہ ۹۴۱ھ میں گجرات میں فوت ہوا اور  
 نظام الدین اولیا کے مقبرہ کے ایوان میں امیر خسرو کے  
 قریب مدفون ہے ۔ ”حبیب السیر“ کو اس نے سنہ ۹۳۰ھ  
 میں مکمل کیا ۔

۸۔ امیر نسیم الدین محمد معروف بہ میرک شاہ ۔

یہ میر جمال الدین کے فرزند رشید اور علم و عمل میں ان ہی جیسے یگانہ روزگار تھے ۔ حدیث میں خاص طور پر انہیں کمال حاصل تھا ۔ ”حبیب السیر“ میں ہے کہ :  
”در تکمیل علوم و فنون سیما علم حدیث یگانہ“  
زمانہ اند

اپنے والد بزرگوار کی مسند پر یہ مدرسہ سلطانیہ میں دوس دیا کرتے تھے اور ہزارہا طلبا ان سے فیضیاب اور بہرہ مند ہوئے (۱)۔

۹۔ سید عوب شاہ ، ۷۔ سید نعمت اللہ ، ۸۔ سید وجہ الدین

سید عوب شاہ ، امیر نسیم الدین کے فرزند تھے ، ان کے فرزند سید نعمت اللہ اور ان کے فرزند سید وجہ الدین تھے ۔ یہ تینوں بزرگ بھی ہرات اور شیراز میں اپنے بزرگوں کی مانند علوم کی نشر و اشاعت میں زندگی بسر کیا کرتے تھے ۔  
۹۔ قاضی سید شکر اللہ شیرازی (بن سید وجہ الدین) :

یہ بزرگ ترین شخص ہرات سے قندھار آئے اور وہاں سے سید شاہ مبین ، سید کمال اور سید عبد اللہ کی رفاقت میں سنہ ۵۹۲ میں ٹھہر آئے ۔

یہ چاروں بزرگ علم و ایقان اور دین و ایمان کے روشن چراغ تھے جنہوں نے نہ صرف شہر ٹھہرے کو بلکہ سارے سندھ کو اپنے علم و عمل کی ضیا پاشیوں سے منور کیا آج انہیں صدیاں گزر چکی ہیں لیکن ان کے مقابر آج بھی رنجیدہ اور پریشان انسانوں کی حاجت روائی اور مشکل کشائی

کے مرجع و مراکز ہیں (۱)۔

سید شکر اللہ ہی وہ بزرگ ہیں جن کی نسل سے ٹھٹھے کے سادات شکر اللہی کا سلسلہ جاری ہوا اور یہ وہی موتیوں کی لڑی ہے کہ جس کا ایک در شاہوار سند کا لافانی مورخ، بے مثل تذکرہ نگار اور بے بدل شاعر ”میر علی شیر قانع“ تھا۔

سید موصوف کے مواسم شاہ بیگ ارغون کے خاندان سے غالباً ہرات میں پیدا ہوئے اور جب باپقرا کی وفات کے بعد ہرات کی محفل درہم برہم ہو گئی اور شیبانی، شاہ اسماعیل صفوی اور باہر کی معرکہ آرائیوں نے ملک کا وہ حصہ تہ و بالا کر دیا تب اسی تعلق کی وجہ سے سید موصوف شاہ بیگ کے پاس قندھار چلے آئے۔ اس کے بعد جب شاہ بیگ نے سندھ فتح کر لیا اور سندھ میں ہی مستقل دود و باہن اختیار کرنے کا فیصلہ کیا تو سید موصوف بھی اپنے تینوں رفیقوں اور فرزند سید میر ظہیر الدین کے ساتھ آکر ارغونوں کے پایہ تخت ٹھٹھے میں قیام پذیر ہو گئے۔

۱۔ ”تحفۃ الکرام“ کا مصنف لکھتا ہے کہ ”سید شکر اللہ نے اپنے فرزند کو وصیت کی تھی کہ اگر تمہاری اولاد کو کوئی مشکل درپیش آئے تو انہیں میرے ان ہی تینوں رفقا سے رجوع کرنا چاہئے۔ آج تک اس وصیت پر عمل کیا جاتا ہے اور محمد حسین و سید ظہیر الدین ثانی بن سید شکر اللہ کی اولاد سید منبہ سے رجوع کرتی ہے اور سید نظام الدین کی اولاد سید کمال کے دامن سے منسلک رہتی ہے اور اسی طرح سید عبدالرحمان کی اولاد سید عبد اللہ سے قربت رکھتی ہے (تحفۃ الکرام ج ۲ ص ۱۹۵)۔

شاہ بیگ نو [یہاں آکر] چند ماہ بعد فوت ہو گیا لیکن اس کا بجا نشین [فرزند] شاہ حسن بھی بدستور سید موصوف کا معتقد رہا۔ اس نے سید موصوف کے علم و فضل اور دینی عظمت و بزرگی کے پیش نظر انہیں اپنی حکومت کا پہلا شیخ الاسلام مامور کر کے سارے سندھ کا منصب لیا ان کے سپرد کیا۔ ہر چند کہ سید موصوف اس منصب کے لئے مناسب اور لائق تھے بلکہ یہ کہنا بھی بے جا نہ ہوگا کہ سید موصوف کی ذات سے ہی اس منصب نے اعزاز و افتخار پایا۔ لیکن منصب اور اس کے فرائض کی پابندیاں سید صاحب کی طبع آزاد کو پسند نہ آئیں چنانچہ کچھ عرصہ بعد سید صاحب اس سے علیحدگی اختیار کر کے ریاضت و عبادت میں زندگی گزارنے لگے (۱)۔

ٹھٹھے میں آ کر جس محلہ میں سید صاحب نے قیام کیا وہ ان انصاروں کا محلہ تھا جو شیخ عیسیٰ لنگوٹی کے ساتھ برہان پور سے ہجرت کر کے ٹھٹھے آئے تھے۔ سید صاحب نے اپنے فرزند سید میر ظہیر الدین و الاسلام عرف میر جادم کی انہیں انصاروں میں شادی کرائی جن سے ٹھٹھے کے سادات شکر اللہی کی نسل قائم ہوئی۔ آگے چل کر انصاروں کے اس قبیلہ کی نسل مفقود ہو گئی اور اس محلہ کا نام سادات شکر اللہی

---

۱۔ سید صاحب موصوف کے بعد شاہ حسن نے حضرت قاضی محمد آجوی کو بکھر سے بلا کر اس عہدہ پر مامور کیا، جس کے بعد یہ منصب پشت بہ پشت قاضی موصوف کے خاندان میں رہتا آیا اور اس کا سلسلہ انگریزوں کے ابتدائی دور تک قائم رہا۔ قاضی علی محمد ٹھٹوی اس وقت اس خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔

کے نام سے مشہور ہو گیا۔ اس خاندان کے بسامندگان آج تک اسی محلہ میں سکونت پذیر ہیں۔

سید ظہیر الدین جادم کے بارے میں میر علی شیر لکھتا ہے کہ ”بظاہر ان کا مشغلہ درس و تدریس تھا لیکن باطن میں ان کی فقر و سلوک سے لو لگی ہوئی تھی“۔

”ظاہر شبتقویٰ و تشرع و تدریس، و باطن بسلوک

راہ فقر و سبیل سنت اجداد مصروف بود“ (۱)۔

سید ظہیر الدین نے دو فرزند اپنی یادگار چھوڑے۔ ایک سید شکر اللہ ثانی اور دوسرے سید عبدالرحمان۔ میر علی شیر قانع، سید ظہیر الدین کے فرزند اکبر، سید شکر اللہ ثانی کی اولاد میں سے ہیں جیسا کہ ابتدا میں سلسلہ نسب میں بیان کیا جا چکا ہے۔

میر علی شیر قانع

ولادت:

میر عزت اللہ، بن سید محمد کاظم، بن سید محمد مقیم، بن سید ظہیر الدین ثانی، بن سید شکر اللہ ثانی کے چھ فرزند ہوئے:

۱۔ سید فخر الدین، ۲۔ سید یار محمد،

۳۔ سید محمد امین، ۴۔ سید محمد صلاح،

۵۔ سید میر ضیا الدین ضیا، ۶۔ میر علی شیر قانع

میر علی شیر قانع نے سنہ ۱۱۳۵ھ میں [اس دنیا میں] آنکھیں کھولیں۔ ”خلق انسانا من السلالة“ سے تاریخ ولادت برآمد ہوتی ہے۔

وہ زمانہ میاں نور محمد کی حکومت کا تھا اسے اپنے

والد کی مسند پر متمکن ہوئے دس سال گزرے تھے کہ میر قانع نے ولادت پائی۔

عالمگیر کی وفات کے بعد مغل شاہزادوں کی باہمی خونریزی اور جنگ و جدال نے سلطنت مغلیہ کا شیرازہ منتشر کر دیا تھا جس کی وجہ سے مرکزی حکومت کا کوئی وقار باقی نہ رہا تھا اور ہندوستان کی متحدہ سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو کر [متعدد] خود مختار ریاستوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔

سندھ چونکہ تقریباً ڈیڑھ سو سال سے دہلی کے مغلیہ مرکز سے وابستہ رہا تھا اس لئے گیارہویں صدی کی ابتدا سے یہاں کے حالات بھی کافی بدل چکے تھے۔ سندھ کے دہلی سے آنے والے گورنر، مرکزی اقتدار کی روزانہ تبدیلیوں کی وجہ سے اپنی قوت اور اقتدار، جس کے بل بوتہ پر سندھ ان کے زیر تصرف رہتا آیا تھا، کھو چکے تھے۔ چنانچہ اس کا یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ سندھ میں مرکز سے آزاد ہونے کی تحریک زور پکڑ گئی۔ کلمپوڑوں کے ایک خاندان نے، جس کی پشت پر نہ صرف اس کی زمینداری اور قبیلہ کی قوت تھی بلکہ پیری مرشدی اور روحانی رہبری کی وجہ سے بھی اس کو سارے سندھ پر تسلط حاصل تھا، آزادی کی اس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

[چنانچہ] سلطان معینہ کی کمزوری اور انتظامی ابتری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے میاں یار محمد نے سب سے پہلے بالائی (اہر) سندھ کا علاقہ مرکز سے سالانہ محصول پر لے کر اپنے قبضہ میں کیا جس کے بعد فوراً ہی اس کے جانشین میاں نور محمد نے زیرین

سوانح حیات میر قانع [۱۷]

(لوئر) سندھ بھی انہی شرائط پر حاصل کر کے ملکی آزادی کے خواب کو حقیقت کا لباس پہنا دیا ۔

میر علی شہر کی عمر گیارہ برس کی تھی جب کہ سنہ ۱۱۵۱ھ میں میاں نور محمد نے یہ تاریخی قدم اٹھایا تھا ۔ اس کے بعد مغلوں کا سندھ سے براہ راست تعلق ختم ہو گیا ۔

لیکن آزادی کے دوسرے ہی سال سندھ کو اچانک ایک ناگہانی مصیبت کا سامنا کرنا پڑا اور ہندوستان کی مغل سلطنت پر تو جیسے قیامت ہی ٹوٹ پڑی ۔

[ہوا یہ کہ] محمد شاہ بادشاہ ، جسے تاریخ میں عام طور پر ”رنگیلے“ کے مناسب اور موزوں لقب سے یاد کیا جاتا ہے ، شہنشاہ شاہ جہاں کے تخت طاؤس پر جلوہ گر تھا کہ ایران کا نو دولت ، جابر اور قہار فرماں روا نادر شاہ لشکر عظیم کے ساتھ دہلی آ پہونچا ۔ بادشاہ ناتوان ، ریاستیں ٹکڑے ٹکڑے ، حفاظتی لشکر مفقود ، تاب مقابلہ نہ بادشاہ میں نہ ملک میں [نتیجہ یہ ہوا کہ] دہلی کو نادر شاہ نے نہ صرف تاخت و تاراج کیا بلکہ ایسی زبردست خونریزی کی کہ نسل انسانی کے منقطع ہوجانے کا احتمال پیدا ہو گیا تھا ۔ [ایسی حالت میں] نظام الملک آصف جاہ نے ہمت کر کے نادر کے سامنے یہ شعر پڑھا :

کسے نمائد کہ اورا بہ تیغ ناز کشی

مگر کہ زندہ کنی خاق را و باز کشی

یہ شعر سن کر ایران کے اس خونخوار حملہ آور کو رحم آ گیا اور باقی ماندہ لوگوں کی جان بخشی کا حکم دے کر اس نے اپنی گلواریاں میں رکھی ۔



## تعنۃ الکرام

دہلی سے واپس ہوتے ہوئے نادر شاہ سندھ بھی آیا۔  
دہلی کی [لرزہ خیز] خبروں نے سارے ملک کو دہشت زدہ  
کر دیا تھا چنانچہ سندھ پر بھی لرزہ طاری تھا۔ پھر جب نادر  
شاہ آکر لاڑکانہ میں منزل انداز ہوا تو سارے سندھ میں  
سنسنی پھیل گئی۔

”کہیں نادر تو تعاقب میں نہیں ہے“، ”نادر بھی  
نادر ہے لیکن قادر بھی قادر ہے“ [اور] ”نادری حکم“  
[وغیرہ]، یہ اور ایسی ہی بہت سی عام کہاوتیں آج تک سندھ  
میں مشہور ہیں اور اسی دہشت انگیز دور کی طوف حافظہ کے  
اوراق الٹتی ہیں۔ ”باد باد زمانے کہ قیامت است“ بھی  
کسی شاعر نے اسی دور کا مادہ تاریخ کہا ہے۔

[سندھ آنے سے] نادر شاہ کا مقصد لوٹ مار اور ملک کی  
املاک پر قبضہ کرنا تھا اور انسانی خونریزی سے تو اس کا  
دہلی ہی میں جی بھر گیا تھا [اس موقع پر] میاں نور محمد  
عمر کوٹ میں تھا [چنانچہ] نادر شاہ نے خود وہاں جا کر اس  
سے ایک کروڑ نقد وصول کیا اور بیس لاکھ سالانہ کا خراج  
بھی اس پر مقرر کیا اور واپسی پر اس کا عظیم الشان کتب خانہ  
بھی لیتا گیا اس کے علاوہ اس کے دو بیٹوں کو بھی  
یرغمال کے طور پر ساتھ لے گیا (۱)۔

تازہ حاصل کردہ آزادی کے بعد سندھ کے گلے میں جو  
ایران کی غلامی کا نیا طوق پڑا اس سے ملک کو سخت  
ذہنی اذیت پہونچی اور ساری سرتیں خاک میں مل گئیں۔  
ایران پہونچنے کے بعد جب نادر شاہ قتل ہوا تو کسی بیرونی

۱۔ نادر شاہ ۱ محرم سنہ ۱۱۵۳ھ کو لاڑکانہ سے کوچ کر کے  
ایران واپس چلا گیا۔

شاعر نے کہا :

بیک گردش چرخ نیلوفری نہ نادر بجا ماند نے نادری  
سندھی شعرا نے اس موقع پر اپنے جذبات کا اس طرح  
اظہار کیا :

لتنہ نادر چو برون شد زمین راحت آمد به همه عالمیان  
خوش خبر هاتق فرمود ز غیب "محو شد آفت نادر ز جهان"

۱۱۶۰ھ

یہ تاریخ آخوند عبدالقادر ٹھٹوی نے کہی اور ادھا رام  
ٹھٹوی نے کہا :

شاه شاه نادر ایران دیار داشت باغ دولتیں خرم بہار  
تا کہ از حکم قضاہیک اجل نیز بگرفتیں عنان اقتدار  
بہر تاریخ وفاتیں عقل گفت "رخت بست از تخت ہستی شہریار"

یہ تھا ملک کا وہ سیاسی ماحول جس میں کہ میر علی  
شیر نے سفر زندگی شروع کر کے بارہویں منزل میں قدم رکھا ۔

تعلیم

ٹھٹہ ، جسے مورخین سند تمدنی عروج ، ثقافتی  
عظمت اور علمی برتری کے پیر نظر قرطبہ ، دمشق اور  
بغداد سے تشبیہ دیا کرتے تھے وہ ہر چند اپنے  
دارالسلطنت ہونے کی حیثیت سے محروم ہو چکا تھا لیکن پھر  
بھی وہ اب تک اپنی صدیوں کی سابقہ علمی روایتوں کو  
برقرار رکھتا چلا آیا تھا اور اس میں سیکڑوں دارالعلوم ، بے شمار  
کتاب خانے لاتعداد مدارس و مکتب ، علوم دینی ، دنیوی  
کے نشر و اشاعت کے لئے شب و روز روشن اور آباد تھے ۔

میر علی شیر کی ولادت سے تیس سال قبل ، سنہ ۱۱۱۱ھ

(سنہ ۱۶۹۹ء) میں ایک انگریز سیاح مسٹر ہیملٹن ٹھٹھہ آیا تھا، جس نے ٹھٹھے کی علمی عظمت کا ذکر کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ ٹھٹھے میں چار سو دارالعلوم موجد ہیں جن میں ہزاروں طلبہ رات دن تحصیل علم میں مشغول ہیں۔

اسی زمانہ میں میر علی شیر نے ٹھٹھے میں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ خود انہوں نے اپنی تعلیم کی کوئی روئداد تحریر نہیں کی ہے۔ البتہ ضمنی طور پر جن چند اساتذہ کا ذکر کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے زمانہ کے جید علما سے اسباق حاصل کئے۔

میاں نعمت (۱) اور میاں محمد صادق (۲)، میاں عبدالجمیل

۱۔ یہ بزرگ مخدوم ضیاء الدین کے نواسہ تھے۔ بیس برس کی عمر میں تکمیل علم کے بعد انہوں نے درس شروع کیا میر صاحب نے لکھا ہے کہ ان کا مدرسہ اس قدر عظیم الشان اور مشہور تھا کہ شہر میں دوسرا کوئی اس کا ثانی نہ تھا۔ وہ ”منقول“ میں اپنے نانا ضیاء الدین اور ”معقول“ میں مولانا محمد صادق کے شاگرد تھے۔ سنہ ۱۱۷۹ھ میں وہ حج کو گئے جہاں ۱۸ ذیقعد کو انتقال کیا۔ [تحفة الکرام ص ۲۲۵، مقالات الشہداء ص ۲۹۵]

۲۔ یہ میاں نعمت اللہ کے بڑے بھائی تھے۔ عالم باعمل اور نہایت پاک باطن اور نیک سیرت بزرگ تھے۔ ایک سال حرمین شریفین میں رہ کر انہوں نے سند حدیث حاصل کی۔ کچھ عرصہ جونا گڑھ میں بھی رہے ہیں۔ دوسری مرتبہ بھی جونا گڑھ جا رہے تھے کہ راستہ میں کچھ میں وفات پا گئے۔

(تحفة الکرام ص ۲۲۶۔ مقالات لشعرا ۱۳۲)

(۱) کے فرزند تھے اور اپنے دور کے دینی و دنیوی علوم کے کامل اور مقتدر عالم تھے۔ دونوں بزرگوں کا مشغلہ درس و تدریس تھا مہر موصوف نے ان دونوں کے مدارس میں علم حاصل کیا۔ "مقالات الشعرا" میں ایک مقام پر وہ خود لکھتے ہیں کہ :

"فقیر بخدمت ہر دو صاحبان نسبت تلمیذی دارد" (۲)

محمد صادق کے بارے میں رقم کرتے ہیں کہ :

"فقیر کہ کمین تلامذہ ایشان است" (۳)

میاں نعمت اللہ کے پاس انہوں نے "میزان صرف" سے لے کر "شرح ملا" تک کی تعلیم حاصل کی (۴) ، لیکن میاں محمد صادق کے پاس انہوں نے کن کتب کی تعلیم پائی اس کے بارے میں کچھ تحریر نہیں کیا ہے۔ ان بزرگوں کے مدارس "مقالات الشعرا" کے سال تصنیف تک نہایت عمدگی کے ساتھ جاری تھے :

"اکنون (۱۱۷۴ھ) مدرسہ علمی بوجود فایض الجود ایشان گرم است" (۵)

۱۔ یہ میاں رحمت اللہ کے فرزند اور مخدوم علی احمد عرف قمری (برادر مخدوم آدم) کی اولاد میں سے تھے۔ یہ صاحب نسبت اور بڑے پایہ کے بزرگ تھے۔ سنہ ۱۱۵۴ھ میں فوت ہوئے۔

(تحفة الکرام ص ۲۲۶ مقالات الشعرا ص ۷۵)۔

۲۔ مقالات الشعرا ص ۷۵۔

۳۔ مقالات الشعرا ص ۱۴۳۔

۴۔ مقالات الشعرا ص ۲۹۵۔

۵۔ مقالات الشعرا ص ۷۵۔

ان دو اساتذہ کے علاوہ میر علی شیر نے آخوند محمد شفیع کا بھی اپنے استادوں میں ذکر کیا ہے :

”فقیر، ایام پیریش دیدہ، از جوانان زمانہ درخویش  
 باشی صد قدم در پیش داشته، این قلیل البضاعت  
 از قصائد عرفی و عروض سیفی و چند سبق بخدمت  
 ایشان استماع نموده“ (۱)

وہ بزرگ سنہ ۱۱۵۶ھ میں فوت ہوئے۔ گویا میر موصوف کی عمر ان کے انتقال کے وقت سولہ برس تھی اور انہوں نے ۱۳ یا ۱۴ برس کی عمر میں ان کے پاس عرفی کے قصیدے اور سیفی کے عروض کی تعلیم حاصل کی ہوگی۔

[اس کے علاوہ] آخوند ابوالحسن ”بے تکلف“ لٹھروی

بھی فارسی میں ان کے استاد تھے۔ خود لکھتے ہیں کہ :

”بسیار طباع و ہر استعداد است۔ در مکتب وے

جمعے از ہندو و مسلمین بھرہ بردند۔ فقیر در

فارسی شاگرد خدمت ایشانست“ (۲)

۱۔ مقالات الشعرا ص ۱۳۵۔ میر صاحب رقمطراز ہیں کہ

”(یہ بزرگ) بڑے با وقار اور با تمکین تھے۔ طبیعت کے

بڑے زندہ دل اور رنگین مزاج اور خوراک و ہوساک کے

شوقین تھے۔ میر عبدالقدوس شیرازی ان کے دوست تھے۔

تاریخ کوئی میں انہیں کمال حاصل تھا اور اہل شہر اور

محکم کے نزدیک ان کا بڑا بلند مرتبہ تھا (تحفۃ الکرام

ص ۲۴۴) ”مقالات الشعرا“ میں میر صاحب نے ان کی تاریخ

کوئی کی دو مثالیں بھی درج کی ہیں۔

۲۔ مقالات الشعرا ص ۵۸ : آخوند موصوف کافی عرصہ تک

[بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳ پر]

[ایک اور بزرگ] مولوی مرزا جعفر شیرازی سیر و تقریح کے لئے ٹھٹھے آئے تھے اور کم دھاراجہ کے زمیندار رانا اجمل کے پاس کچھ عرصہ رہے تھے۔ مخدوم محمد معین ان کے علم، ذاتی جوہر اور وسیع قابلیت سے متاثر ہو کر ان کے گہرے دوست بن گئے۔ میر علی شیر سے بھی انہیں تعلق خاطر پیدا ہو گیا تھا چنانچہ میر موصوف نے ان بزرگ سے بھی کچھ فیض حاصل کیا۔ خود لکھتے ہیں کہ :

”فقر در خدمت ایشان چند ایام بسر بردہ و از

دست و دل شان ممنون ابد است“ (۱)

جہانگارا باजार کے سادات کے پاس رہے۔ تاریخ گوئی اور شعر و سخن کا بھی شوق تھا۔ میر فتح الدین شیرازی برادر میر علی شیر قانع کے یہاں جب علی اکبر نامی فرزند تولد (بقیہ) ہوا تو انہوں نے یہ قطعہ تاریخ کہا تھا :

بہار ہمایون بہ عالم رسید	صنوبر بہ بستان احمد چمید
گل گلشن باغ آل رسول	در روشن از درج شاہ شہید
بفر ہمایون و فرخندہ نام	بروز سعید از عدم سر کشید
چگویم صفاتش کہ ناید بعد	حسب و نقیب و حسیم و سعید
ہنازم بدرگاہ حق صبح و شام	کہ نامش علی اکبر آید ہدید
ہسال تولد شریفش فتاد	چو فکرم بغاظر ز احصی البعید
در انداخت ناگاہ ہاتف ندا	”گل اندر گلستان حیدر دمید“

\* ۱۱۳۶

۱۔ مرزا محمد جعفر کے علم و فضل کی شہرت سن کر بیان خداداد خان بن میان نور محمد نے انہیں اپنے پاس بلا کر اپنا معتمد خاص بنا لیا۔ میر قانع ’ مقالات الشعرا (ص ۷۲) میں لکھتے ہیں کہ ”کچھ عرصہ بعد انہوں نے وہ مرتبہ حاصل [بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴ پر]

میر موصوف شعر و سخن کی صلاحیت، بقولے شکم مادر  
 ہی سے لیے کر آئے تھے۔ چنانچہ بارہ سال کی عمر میں جبکہ  
 وہ مکتب و مدرسہ کی سبق آموزی میں منہمک تھے، اشعار  
 کہنے لگے تھے۔ وہ لکھتے ہیں ۴۷ :

”بقیض صحبت بزرگان لی الجملة آشنا بسفید و سیاہ

(بقیہ) کیا کہ جس سے زیادہ کا تصور ناممکن ہے۔“  
 صاحبزادہ مذکور جب ہندوستان چلے گئے تو  
 میان نور محمد نے انہیں اپنے دربار سے وابستہ کر لیا اور یہاں  
 ان کی صاحبزادہ سے بھی زیادہ قدر و منزلت ہوئی۔  
 [اس کے بعد] جب محمد مراد باب تخت نشین ہوا  
 (۱۱۶۷ھ) تو اس نے انہیں اپنے پاس رکھا۔ کچھ  
 عرصہ بعد کسی سبب سے وہ معزول ہو گئے اور عراق کی  
 زہارتوں سے مشرف ہونے کے لئے ککراہ بندر پہنچے  
 لیکن ککراہ کے جام نے انہیں وہاں سے سوار ہونے کی  
 اجازت نہ دی جس پر انہوں نے کراچی بندر سے سوار  
 ہونے کا ارادہ کیا، لیکن روانہ ہونے سے پیشتر ہی انتقال  
 پا گئے۔ میر علی شیر نے یہ تاریخ کہی :

زروے تعبہ تاریخیں افتاد

”غریب از دام دنیا گشتہ آزاد“

۱۲۱۲-۳۵=۱۱۶۷ھ

وہ علم جفر اور تکتیر میں بھی عامل و کامل تھے۔ میان  
 نور محمد کے لئے انہوں نے ”جفر جامع“ نامی ایک کتاب  
 کی تصنیف شروع کی تھی لیکن وہ میان موصوف کے انتقال  
 کر جانے کی وجہ سے مکمل نہ ہو سکی۔

گشت۔ ہر چند در خود ایاقا آن نمی بیند کہ  
در جنب عزیزان جا داشته باشد، اما چون  
کہان را با مہان آمیزش قدیم است۔ بارے  
بوسیلہٗ توسل بزرگان اگر در صفِ نعال آن  
صدر نشینان مقیم شود، جا دارد“

اور پھر کسر نفسی کی اس تمہید کے بعد رقم کرتے ہیں کہ :  
”در قریب پایام امتیاز کہ نیّر عمر باختتام سیر  
بروج دوازده گانہ از سنین مطلع شوارق ہوش  
بر فلک تبیین وقوع یافتہ ، سر سودائے سخن در  
سر پیچیدہ“ (۱)

اسی عمر میں انہوں نے آٹھ ہزار اشعار کا دیوان مرتب  
کیا۔ جس میں جملہ اصناف سخن موجود تھے لیکن معلوم نہیں  
کہ کس وجہ سے وہ سارا دیوان انہوں نے دریا برد کر دیا۔  
تقریباً دو سال وہ خاموش رہے۔ گویا سنہ ۱۱۰۲ھ میں جب کہ  
ان کی عمر بارہ سال تھی انہوں نے شعر کہنے شروع کئے اور  
سنہ ۱۱۰۳ھ تک آٹھ ہزار اشعار کہہ کر اور دیوان کو،  
جس میں نام بطور تخلص استعمال کیا تھا، تلف کر کے  
۱۱۰۵-۱۱۰۴ھ [دو سال] خاموش رہے تا آنکہ سنہ ۱۱۰۵ھ  
میں ان کے دل میں نئے سرے سے شعرو سخن کا شوق  
جاگ اٹھا۔

اسی زمانہ میں ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے میر موصوف  
لکھتے ہیں کہ : ”مظفر علی خان نادری عہد میں ٹھٹھے آئے۔  
ان کی دی ہوئی زمین ”مردمک در آب“، ”نمک در آب“



## تحفة الکرام

ٹھٹھے کے شعرا میں بڑی مشہور ہوئی اور تقریباً جملہ شعرا نے اس پر طبع آزمائی کی۔ میر موصوف ان دنوں طفل مکتب تھے، لیکن انھیں بھی شوق پیدا ہوا اور اسی زمین پر استادوں کے مقابلہ میں انھوں نے بھی ایک غزل کہی جس کے بارے میں خود لکھتے ہیں کہ اس کا ایک یہ شعر یاد رہا ہے :

با صاف مشربان چہ زنی لاف سوکشی

صد بار دیدہ ایم تو اے فلک در آب (۱)

سنہ ۱۱۵۵ھ میں میر حیدر الدین ابو تراب ”کامل“ (۲) جیسے استاد کامل سے ان کی ملاقات ہوئی اور انھی بزرگ کی صحبت فیض اثر سے ان کے چھوٹے ہوئے شوق اور بچھڑے ہوئے ذوق میں پھر جولانی آئی (۳) اور ان کی شاگردی اختیار کر کے نئے سرے سے انھوں نے مشق سخن شروع کر دی۔ میر کامل نے ان کا تخلص ”مظہری“ رکھا جس سے ان کی تجدید شاعری کا سال سنہ ۱۱۵۵ھ برآمد ہوتا ہے۔

### ۱۔ ”مقالات الشعرا“ ص ۶۶۔

۲۔ میر حیدر الدین ابو تراب ”کامل“، بن میر رضی الدین فدائی، بن میر ابوالکرم شہود، بن میر ابوالبقا امیر خان، بن میر ابوالقاسم نمکین، ایک مجید عالم، بلند پایہ شاعر اور درویش صفت انسان تھے۔ انھوں نے سندھی، ہندی اور فارسی میں عظیمہ عظیمہ دیوان مرتب کئے۔ محمد پناہ رجا، میر ابوالبقا، بہرور علی اور اس دور کے کتنے ہی دوسرے شعرا ان کے شاگرد تھے۔ انھوں نے سنہ ۱۱۶۲ھ میں انتقال کیا (دیکھئے مقالات الشعرا، تحفة الکرام اور تذکرہ امیر خانی)۔

۳۔ مقالات الشعرا ص ۲۱۳، ۲۵۲۔ اور ۲۵۴۔

کچھ مدت تک میر موصوف ”مظہری“ تخلص اختیار کئے رہے لیکن اس کے بعد ”قانع“ تخلص اختیار کیا جو آخر وقت تک ان کے نام کے ساتھ وابستہ رہا۔

### ملازمت

سنہ ۱۱۹۷ھ میں سندھ کے آزاد حکمران میاں نور محمد کلہوڑا نے وفات پائی اور اس کا فرزند میاں مراد باب تخت نشین ہوا۔ میاں مذکور کی وفات کے بعد تخت و تاج کی حرص و طمع نے حکمران خاندان میں باہمی آویزش کی ابتدا کردی [چنانچہ] میاں مراد باب نے چار سال بھی پورے نہ کئے تھے کہ معزول ہو کر قید خانہ میں جا پہنچا اور اس کا دوسرا بھائی میاں غلام شاہ، جو کہ ”گلاں“ نامی طوائف کے بطن سے تھا، تخت نشین ہوا۔ اسی حکمران کے بارے میں کسی سندھی شاعر کا یہ شعر مشہور ہے :

”گلاں وچاں جو گل کھلیوسی

کچھ کھلیا ہی کچھ کھلسی“ (۱)

[”گلاں کے بطن سے جو گل پیدا ہوا ہے وہ کچھ تو کھل گیا ہے لیکن ابھی کچھ اور کھلے گا]۔

میاں غلام شاہ بے حد سمجھ دار اور حکمرانی کے لئے ہر طرح موزوں اور مناسب تھا (۲)۔ اپنے دور میں اس نے

۱۔ ”مقالات الشعراء“ ص ۲۱۴۔

۲۔ میاں مراد باب کی معزولی اور غلام شاہ کی تخت نشینی کے

موقع پر بالچند ”آزاد“ نے یہ تاریخ کسی :

نشست ”غلام شاہ“ پر ”مسند جاہ“ برخاست ”مراد باب نا مید“ بہ ”آہ“

۱۱۷۰ھ = (۱۵۴۰ = ۱۶۳ + ۱۳۷۷) :۔ (۳۶۴ + ۳۷۰ = ۷۳۴) = ۱۱۷۰ھ

ملک میں نہ صرف اسے وامن قائم کیا بلکہ کتنے ہی سرحدی علاقے بھی حاصل کر کے سندھ میں شامل کر دیئے۔ کچھ کے راجہ سے اس نے بست اور لکھپت کی بندر گاہیں حاصل کیں، بھاول پور کے نواب کے قبضہ سے آج اور سبز کوٹ کو واپس لیا اور خان قلات سے کراچی کی بندرگاہ واپس لے لی۔ حیدرآباد کا شہر آباد کیا اور سنہ ۱۱۸۲ھ میں حیدرآباد کا [مشہور اور موجود] قلعہ تعمیر کرا کے اسے پایہ تخت مقرر کیا۔ انگریزوں نے اسی کے زمانہ میں ٹیٹے میں اپنی تجارتی کوٹھی قائم کی۔ اس طرح اس کے عہد میں ملک بڑا آباد، خوش حال اور پرسکون رہا۔ لیکن افسوس کہ یہ سولہ سال حکمران رہنے کے بعد سنہ ۱۱۸۶ھ میں لقوہ، فالج اور غشی کا شکار ہو کر فوت ہو گیا جس کے بعد کالہوڑہ خاندان کی حکومت کا شیرازہ روز بروز درہم برہم ہوتا گیا۔

اسی روشن دماغ بادشاہ نے میر علی شیر کو اپنے خاندان کی تاریخ لکھنے کے لئے ملازم رکھا اور میر صاحب نے ”شاہنامہ“ کی طرز پر [ایک تاریخ] نظم میں اور دوسری مفصل تاریخ نثر میں لکھنی شروع کی۔ تاریخ نویسی کے عہد پر ان کا تقریباً سنہ ۱۱۷۵ھ میں ہوا (۱) چنانچہ میر موصوف ٹیٹہ سے خدا آباد چلے گئے۔ یہ نہ معلوم ہوسکا کہ میر موصوف کتنی مدت تک میاں غلام شاہ کے دربار سے وابستہ رہے۔ لیکن چونکہ میر موصوف اپنی دونوں تصنیفات مکمل نہ کر سکتے اس لئے خیال ہوتا ہے کہ شاید چند سال یا کچھ عرصہ غلام شاہ کے دربار میں رہنے کے بعد ٹیٹے واپس چلے آئے۔

سنہ ۱۱۸۰ھ میں میر موصوف نے "تحفۃ الکرام" کی تالیف کا آغاز کیا اس میں کلہوڑوں کے عہد حکومت کا ذکر شروع کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ :

"ذکر اہشان در طبقہٴ علیحدہ میگردد و بنا بر

مزید فائدہ و ادائے حقوق نمک ذکر از اصل

مع بیان بزرگان این سلسلہ مجملہ گزارش

میکند" (۱)

[اس میں] "ادائے حقوق نمک" کے اشارہ سے مترشح

ہوتا ہے کہ سنہ ۱۱۸۰ھ سے قبل مستقل ملازمت سے آزاد

ہو کر وہ ٹھٹھہ چلے آئے تھے لیکن حق نمک کی ادائیگی کے

بارے میں سنہ ۱۱۸۰ھ میں بھی انہیں یہ خیال تھا کہ

وہ کلہوڑا خاندان کی وہ دونوں تواریخ ضرور مکمل کریں گے۔

بہر حال وہ ملازمت قائم رہی یا نہ رہی لیکن اس حکمران

خاندان سے ان کے تعلقات جس طرح پہلے خوش گوار تھے

اسی طرح بدستور قائم رہے۔ جن کی تصدیق ہمیں ان فرامین

اور اسناد سے ہوتی ہے جو وقتاً فوقتاً وظائف، مشاہروں اور

مزروعہ زمینوں کے سلسلہ میں میر صاحب کو اس خاندان کی

جانب سے ملتے رہے ہیں۔

میر صاحب کا [ذریعہ] معاش

قدیم خاندانی دستاویزات سے (۲) معلوم ہوتا ہے کہ

۱۔ تحفۃ الکرام ص ۱۰۲۔

۲۔ قاضی علی محمد ٹھٹھوی کے پاس ان فرامین اور اسناد کا

ایک مجموعہ ہے جو کہ ٹھٹھے کے کسی بزرگ نے انگریزوں

کی آمد کے بعد مرتب کیا ہے۔ ٹھٹھے کے مختلف خاندانوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۰ پر)

## تحفۃ الکرام

میر صاحب کا سارا خاندان قدیم الایام سے لے کر ان کے زمانہ تک ہمیشہ خوش حال رہا ہے اور اس کے بعد بھی حسب سابق یہ گھرانہ جاگیریں، وظائف، تنخواہیں، خلعتیں اور انعام و اکرام حاصل و وصول کرتا رہا ہے۔

میر سید شکر اللہ جیسے ہی سنہ ۵۹۲ء میں ٹھٹھہ آئے ویسے ہی ارغون فرمانروا کی سرکار سے ان کا وظیفہ جاری ہوا۔ ہمایوں بادشاہ کے فراسین سے پتہ چلتا ہے کہ میر صاحب کے گھرانہ کو اس کی جانب سے بھی بطور "سیورغال" وظیفہ اور ہر گنہ ساکرہ کی کچھ اراضی وجہ معاش مقرر تھی۔ اسی طرح ترخانی دور کی بھی دستاویزات ملتی ہیں جن میں نہ صرف سابقہ بادشاہوں کے عطا کردہ وظائف اور جاگیروں کی تصدیق ملتی ہے بلکہ [یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ] ان میں ان کی جانب سے بھی وقتاً فوقتاً اضافے ہوتے رہے ہیں۔ مرزا جانی کے ایک فرمان (مرقومہ سنہ ۱۰۰۷ھ) سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر گنہ جون کے بھی چند مواضع اس خاندان کو بطور وجہ معاش ملے ہوئے تھے۔ [پڑ] سندھ جب سلطنت مغلیہ کا ایک حصہ بنا تو اس وقت بھی اس خاندان کے جملہ وظائف، تنخواہیں اور اراضیات بحال کی گئیں۔ سنہ ۱۰۲۹ھ کے ایک فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ [شہنشاہ] جہانگیر نے سید ظہیر الدین ثانی خلف سید شکر اللہ ثانی کے لئے دو سو خروار دھان، بطور وظیفہ، سالانہ مقرر کئے تھے۔ جس کی وصوی کے لئے خطہ ہنگورا اور خطہ ہالہ کے پرگنوں پر فرامین جاری ہوئے۔ کچھ عرصہ

(بقیہ) کے سلسلہ میں اس میں شاہی فراسین اس لئے نقل کئے گئے ہیں کہ یہ مجموعہ انگریزوں کو دکھا کر ان اسناد کی ان کے عہد حکومت میں بھی تجدید کرائی جاسکے۔

بعد خطہ عنکورا کی جاگیر میں سے بائیس ہزار دام (۱) انہیں بطور سالانہ تنخواہ کے مقرر ہو کر ملنے لگے۔ سنہ ۱۰۳۷ھ میں سید شکر اللہ نے وفات پائی۔ [اس کے بعد] سنہ ۱۰۳۹ھ اور سنہ ۱۰۴۰ھ کے فرامین سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہجہاں نے یہ تنخواہ سید مرحوم کی اولاد کے لئے بھی بحال کی۔ پھر جیسے جیسے خاندان بڑھتا گیا اور قبیلے علیحدہ علیحدہ ہوتے گئے ویسے ویسے یہ تنخواہیں بھی تقسیم اور مختلف افراد کے نام بحال ہوتی گئیں۔ سنہ ۱۱۳۸ھ کے ایک فرمان سے پتہ چلتا ہے کہ یہ خاندان [مجموعی طور پر] پچاس ہزار دام (۲) سالانہ تنخواہ وصول کرتا تھا۔ سنہ ۱۱۳۳ھ میں خان خانان معظم خاں نے ایک سند جاری کی جس کی بنا پر میر علی شیر قانع کے والد بزرگوار سید عزت اللہ کو پانسو چالیس بیگھے زمین ملی۔ سنہ ۱۱۵۵ھ میں میاں نور محمد نے سید عبداللطیف بن سید عبدالمجید کو پرگنہ پلیجہ سے ستر خوار دہاں کی سند جاری کی (۳)۔ سید موصوف سنہ ۱۱۵۸ھ میں وفات پا گئے جن کے بعد ان کے فرزند عبدالمجید ثانی کے نام پر وہ وظیفہ بحال کیا گیا۔ بالآخر منتقل ہوتے ہوتے وہ وظیفہ سید عبداللطیف ثانی تک پہنچا اور اس کے بعد میر علی شیر کی والدہ کے نام پر بحال ہوا کیونکہ اس خاندان میں کوئی اولاد نرینہ باقی نہیں رہی تھی اور میر موصوف کی والدہ

۱۔ ایک روپے میں چالیس دام ہوا کرتے تھے اس حساب سے

بائیس ہزار داموں کے ۵۵۰ روپے ہوئے۔

۲۔ ساڑھے بارہ سو روپے۔

۳۔ ایک خور کی قیمت پانچ روپے تھی اور مجموعی قیمت

۳۵۰ روپے۔

تنہا اس خاندان کی وارث تھیں۔ بی بی مرحومہ کے بعد میر علی شیر اور ان کے بھائی میر ضیا الدین "ضیا" اس حصہ پر متصرف ہوئے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ میر علی شیر اور میر ضیا الدین آپس میں حقیقی بھائی اور انہی بی بی کے بطن سے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ چھ بھائیوں میں سے یہ صرف دو بھائی اس وظیفہ کے وارث قرار دیئے گئے تھے۔ ان کے تیسرے بھائی سید فخر الدین کو اپنے نانا کے حصہ میں سے سو بیگھے زمین علیحدہ ملی۔

میاں نور محمد کا ایک پروانہ ملتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ میر علی شیر کے والد سید عزت اللہ کو جگت پور اور سکراہ دیوہ میں بنی کچھ مواضعت بطور جاگیر ملے تھے۔ جن کی آمدنی سے انہوں نے حسب ذیل حساب سے اپنے فرزندوں کے نام تنخواہیں جاری کرائیں :

سید فخر الدین اور سید یار محمد ۷۸ روپیہ ۱۴ آنہ اور

سید علی شیر و سید ضیا الدین ۷۲ روپیہ۔

کلہوڑوں کے بعد ٹالپروں نے بھی اس خاندان کی جاگیریں، تنخواہیں، وظائف اور دیگر انعام و اکرام بحال رکھے۔ میاں نور محمد کے زمانہ سے لے کر ٹالپروں کے ابتدائی زمانہ تک کے کچھ ایسے فرائین بھی ملتے ہیں جن میں روزانہ وظائف کا بھی ذکر ہے۔

میاں غلام شاہ کے ایک فرمان (مرقومہ سنہ ۱۱۷۲ھ)

سے پتہ چلتا ہے کہ میاں نور محمد کے وقت سے لے کر سید عزت اللہ کا روزینہ جاری تھا جو غلام شاہ کی تخت نشینی کے بعد میر علی شیر کے نام منتقل ہو گیا۔ سنہ ۱۱۸۸ھ میں

میاں سرفراز خاں کے فرمان سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ اسی طرح سنہ ۱۱۹۱ھ میں میاں عبدالنبی نے بھی یہ روزینہ جاری رکھا۔ اسی سال کے ایک دوسرے پروانہ سے معلوم ہوتا ہے کہ میاں عبدالنبی نے میر علی شیر کے فزوند میر غلام علی ”مائل“ کا بارہ روپیہ ماہانہ مقرر کیا تھا۔

سنہ ۱۱۹۷ھ میں میر فتح علی خاں فاتح سندھ نے میر علی شیر قانع کے نام ایک پروانہ جاری کیا جس میں ۴۲ روپے ”بمدر اجارہ“ میر بھوی (۹)“ عنایت کئے جانے کا ذکر ہے اور یہ وظیفہ کلمھوڑا حکمرانوں کے زمانہ سے میر موصوف کے نام جاری رہتا آیا۔ سنہ ۱۱۹۸ھ میں میر فتح علی خاں نے ایک فرمان جاری کیا جس کے مطابق میر علی شیر کو ہدایت کی گئی کہ چونکہ حیدرآباد کی سوکار کے حصہ میں سندھ کا نصف ملک آیا ہے اس لئے یہ سرکار آئندہ اس کے مقررہ وظائف کا نصف دیا کرے گی، باقی نصف اسے میر سہراب، میرٹھارو اور میر ہاگا سے حاصل کرنا چاہئے۔

کلمھوڑوں کے زمانہ سے میر علی شیر اور میر ضیاءالدین کو جو ستر روپے کا وظیفہ [مشتکہ طور پر] ملا کرتا تھا وہ میر فتح علی خاں کے دور میں دونوں بھائیوں نے الگ الگ اپنے ناموں پر کرا کے پروانے حاصل کئے۔ چنانچہ ستر سے ۴۲ روپے میر علی شیر کو اور باقی میر ضیاءالدین کو ملتے رہے۔ سنہ ۱۲۵۳ھ کے ایک فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ میر نور محمد خاں کے زمانہ میں اسی وظیفہ کا ایک حصہ میر علی شیر کے پوتے میر صابر علی بن میر غلام علی ”مائل“ کو ۶-۵-۷ روپے کی مقدار میں ماہانہ ملا کرتا تھا۔ سنہ ۱۲۵۵ھ میں۔



میر محمد خان نے [اس میں] ڈھائی آنوں کا اضافہ شامل کر کے  
 [انہیں] پورے ساڑھے سات روپے ماہوار دیئے جانے کا پروانہ  
 جاری کیا اور [یہ رقم] انہیں کورائی ضرب کی بجائے سووٹی  
 خوب یعنی انگریزی سکوں میں ادا کئے جانے کا حکم دیا۔

یہ عین میر صاحب اور ان کے خاندان کے معاشی پہلو  
 کی منتشر معلومات جنہیں ہم نے مختلف اسناد کے ذریعہ یکجا  
 کر کے ناظرین کے سامنے پیش کیا ہے۔ حالانکہ مذکورہ اعداد  
 و شمار میر صاحب کی مکمل آمدنی کا خاکہ پیش کرنے سے  
 قاصر ہیں۔ تاہم، ہم اس نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں کہ میر  
 صاحب کا خاندان فارغ البال اور نہایت خوشحال تھا۔ ان کی  
 بسر اوقات بڑی کشادگی اور عزت و آبرو کے ساتھ ہوا کرتی  
 تھی۔ جملہ فرمانرواؤں نے اس خاندان کا احترام کیا، وظیفے  
 دیئے، جاگیریں بخشیں اور ماہانہ و روزینہ عطا کئے۔ [اس  
 کے علاوہ] وقتاً فوقتاً انہیں جو انعام و اکرام اور خلعتیں و  
 نوازشیں عطا ہوتی رہیں وہ ان کے علاوہ تھیں (۱)۔

میر صاحب کے زمانہ کا سیاسی پس منظر

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے میر قانع، میاں نور محمد

۱۔ ان کی یہ خوشحالی اور عزت و آبرو، انگریزوں کے زمانہ

تک قائم رہتی آئی۔ چودھویں صدی ہجری کی ابتدا میں

میر علی شیر قانع کے پوتے میر صابر علی شاہ ثانی حیات

تھے جن کی لہ صرف شہر میں توقیر تھی بلکہ سرکار انگلشیہ

کے نزدیک بھی اعزاز حاصل تھا۔ انگریزوں نے ہندوستان

کے ممتاز افراد کے بارے میں آٹھ جلدوں میں جو ضخیم

کتاب شایع کی تھی اس میں سید موصوف کا بھی فوٹو شایع

کیا ہے۔

کے عہد حکومت میں پیدا ہوئے۔ [اس زمانہ میں] سندھ اور سندھ کے لوگ دہلی کی بالا دستی سے تو آزاد ہو گئے تھے لیکن نادر شاہ کی آمد، اس کی لوٹ مار اور آخر میں افغانستان کا باجگذار بن جانے کی وجہ سے سندھیوں کو آزادی کی مسرتیں میسر نہ آسکیں۔ گویا سندھ کی زیر دستی کی قطب نما کا رخ دہلی سے ہٹ کر افغانستان کی جانب ہو گیا اور فرق صرف یہ ہوا کہ پہلے دہلی کی، سندھ پر اپنے گورنروں کے ذریعہ براہ راست حکومت رہا کرتی تھی لیکن اب اندرونی طور پر آزاد رہتے ہوئے یہ افغانستان کا ایک باجگذار صوبہ بن گیا اور گورنروں کی بجائے [وہاں سے] خراج کی وصولی اور عام نگہداشت کے لئے افغانی وکیل آنے لگے۔

میاں نور محمد کی وفات (سنہ ۱۱۶۷ھ) تک تو سندھ کے حکمران خاندان کی [آپس میں] اچھی طرح نبھتی رہی لیکن اس کی آنکھیں بند ہونے کے بعد تخت و تاج کے سلسلے میں رفتہ رفتہ آویزشوں کا سلسلہ شروع ہو گیا [چنانچہ] میاں غلام شاہ کے دور (۱۱۷۰-۱۱۸۶ھ) میں تو کوئی خاص خرابی پیدا نہ ہوئی اور میر علی شیر قانع نے تاریخ نویسی کے منصب پر چند سال اپنا اچھا وقت گزارا۔ لیکن سنہ ۱۱۸۹ھ کے بعد حکمران خاندان میں جو خونریزی اور ملک میں جو انتشار پیدا ہوا ہے وہ سنہ ۱۱۹۸ھ تک سندھ کو مسلسل تاخت و تاراج کرتا رہا ہے۔ ان بارہ تیرہ سالوں کے عرصہ میں سندھ کے تخت و تاج نے کتنے ہی حکمرانوں کی مسند آرائی دیکھی، کتنے ہی شاہزادوں کے سر قلم ہوتے اور کتنے ہی ٹالپور سرداروں کی لاشوں کو تڑپتا دیکھا۔ [غرض] میاں سرفراز خاں نے تین سال

حکومت کی، محمد خاں نے صرف چند ماہ تخت نشینی کا لطف اٹھایا، غلام نبی ڈیڑھ سال حکمران رہا، عبدالنبی نے تقریباً ساڑھے تین سال تک عنائِ اقتدار سنبھالی اور صادق علی نے صرف چند ماہ۔ اس کے بعد میاں عبدالنبی نے دوبارہ ملک پر قبضہ حاصل کیا اور پانچ سال تک اس نے ایسا زبردست کشت و خون کیا کہ سندھ کی بربادی پر نہ صرف اپنوں نے خون کے آنسو بہائے بلکہ غیروں کی آنکھوں سے بھی آنسو بہہ نکلے۔

ٹالپر سردار جو حقیقی طور پر حکومت کے دست و بازو تھے ان میں سے کتنے ہی سردار بے گناہ مارے گئے۔ میر بہرام اور ان کے فرزند میر صوبدار خاں میاں سرفراز کی شہ پر بغیر کسی خطا کے قتل کئے گئے، میاں عبدالنبی نے اپنے خاندان کے بھی پانچ شہزادے قتل کرا دیئے، محمد سرفراز، محمد خان، محمود خان اور باقی دوسرے۔ اس درد ناک واقعہ پر کسی شاعر نے یہ نادر تاریخ کہی:

از گل باغ عباسی پنج کم (۱)

ٹالپر امرا کے قتل کا سلسلہ بھی ساتھ ہی ساتھ جاری رہا [چنانچہ] میر بجار کو دھوکا دے کر قتل کرا دیا گیا (۲)۔ اور میر عبداللہ و میر فتح خاں کو بھی اسی طرح سنہ

۱۔ یہ لہایت نادر تعمیم ہے۔ مصرع کے اعداد کا مجموعہ

۱۱۹۱ (بمطابق سال ہجری) ہے۔

۲۔ میر بجار وزیراعظم تھا۔ اس کا مادہ تاریخ حسب ذیل ہے

از سر افسوس گفتا ہاتھم "میر شہد از جمدن ہندو شہید"

۱۱۹۳ + ۱۱۹۰ =

"بمقتل شہدا جلوہ کرد میر بجار" = ۱۱۹۳

۱۱۹۷ء میں اتھانی بیدردی کے ساتھ قتل کر دیا گیا۔  
 لالپوروں کے لاقوں قتل و خون نے نہ صرف بلوچ قوم  
 کو بناوٹ پر آسادہ کر دیا بلکہ سارے سندھ میں کلہوڑا  
 خاندان کے اس ظالم حکمران کے خلاف آگ بھڑک اٹھی چنانچہ  
 سنہ ۱۱۹۸ء میں حالانی کے میدان میں حاکموں اور محکوموں  
 کے درمیان معرکہ کارزار گرم ہوا جس میں حکمرانوں کو  
 شکست اور محکوموں کو فتح حاصل ہوئی۔ سندھ کی عنان اقتدار  
 لالپوروں کے ہاتھ میں آئی اور کلہوڑا خاندان ہمیشہ ہمیشہ  
 کے لئے ختم ہو گیا۔

خانہ جنگی [میں شکست کھا جانے] کی وجہ سے میاں  
 عبدالنبی نے افغان حکومت سے مدد طلب کی اور اس حکومت  
 کا ظالم ترین سردار مدد خاں افغان سندھ بھیجا گیا جس نے  
 سنہ ۱۱۹۴ء میں یہاں پہنچ کر سارے سندھ کو تہ و بالا اور  
 نیست و نابود کر دیا۔ مدد خاں کی اس فوج کشی نے اہل  
 سندھ کو اس قدر متاثر کیا کہ آج تک اس دور کی یاد گار کے  
 طور پر کتنی ہی سندھی کہاوتیں اور مثالیں رائج ہیں۔  
 [مثال کے طور پر:]

”گھوڑا لے گھوڑا ا“ (بے داد ہے بے دادا، فریاد ہے

فریاد ا)

”گھل لے گھل ا“ (دھاوا ہے دھاوا ا)

”مدد تہ پٹھیاں کو نہ اٹھئی ا“ (”کہیں مدد تو

تعاقب میں نہیں ہے ا“)

فارسی شعرا نے کہا کہ :

”اے داد ، از ظالم بیدادی منہوس“ سنہ ۱۱۹۴ء

”چنان ہول در ملک سند اوفتاد کہ ہول قیامت بدادہ زیاد“

کسی شاعر نے اس ظالم کے واہس جانے کی تاریخ کہی :

”بشر بود رفت“ سنہ ۵۱۱۹ھ -

[غرض] سندھ میں اسقدر لوٹ مار ہوئی ، اتنی دہشت

انگیزی پھیلی اور اتنے گھرائے ، خاندان اور گاؤں تباہ و برباد

ہوئے کہ چنگیز و ہلاکو کی خون آشامیوں اور تیمور کی عالم

سوز ہلاکت آفرینیوں کی یاد پھر سے تازہ ہو گئی ۔ ایسی

ہولناک بربادی سندھ نے اس سے پیشتر کبھی نہ دیکھی تھی

[یعنی] دہلی پر نادر اور بغداد پر ہلاکو بھی ایسی تباہیاں نہ

لائے جیسی کہ میان عبدالنبی مدد خاں کے ذریعہ سندھ پر لایا

بھی زمانہ تھا کہ جب عمادالملک، غازیالدین ”نظام“

(۱) سندھ میں آئے اور [یہاں کی] تباہی اور بربادی کے روح

فرسا مناظر بچشم خود دیکھ کر اسقدر متاثر ہوئے کہ انہوں نے

ایسا ہی ایک دردناک مرثیہ کہا جیسا حضرت سعدی نے

بغداد کی بربادی پر کہا تھا :

در سند چہ فتنہ و بلا شد گوئی کہ قیامتے بپا شد

چون سند کہ مامن جہان بود اے آہ اچہ گویمت چہا شد

۱ - میر شہاب الدین (خان بہادر ، وزیر الممالک ، عمادالملک ،

عمادالدولہ ، نصرت جنگ ، غازیالدین خان ثالث) ، بن

امیرالامرا حافظ محمد پناہ (عمادالملک ، فیروز جنگ ،

غازیالدین خان ثانی) ، بن میر قمرالدین (خان بہادر ،

نظامالملک ، آصف جاہ اول ، بانی ”سلطنت آصفیہ) - ان کا

تخلص ”نظام“ تھا ۔ سنہ ۵۱۱۹ھ میں سندھ آئے اور ۷۶

سال کی عمر میں سنہ ۵۱۲۱ھ میں انتقال کیا ۔

## سوانح حیات میر قانع

[۳۹]

ہر خانہ بھاگ شد برابر  
 ہر تاجورے برہنہ برگشت  
 تا ناموران بہ بند افتند  
 مادر ز ہسر، ہسر ز مادر  
 منعم پئے مشت آرد یک سیر  
 گل رویان را ز خارِ صحرا  
 ہر پردہ نشین کنج عصمت  
 زرہا بہ نثار حفظ جان رفت  
 رفت از ہمہ ہر چہ در گرہ بود  
 یک ظلم نہ شد کہ شد دو صد ظلم  
 بر اہل زمین عجب ہلائے  
 دل خون شد زین ستھگری چند  
 بے ستی طرفہ آہ آہ آہ  
 از امت مصطفوی چہ ظلمے  
 امروز ہس از ہزار و صد سال  
 جستم جو "نظام" سال تاریخ

ہر صاحب دولتی گدا شد  
 ہر ماہ سرے برہنہ پا شد  
 سر رشتہ صبر دل رہا شد  
 سر از تن و تن ز سر جدا شد  
 سر گردان ہم چو آسیا شد  
 خون کف پائے خود حنا شد  
 بے برقعہ و معجر و ردا شد  
 جہان ہا بر آبرو فدا شد  
 زین گونه لعل گرہ کشا شد  
 یک کار نہ شد کہ کارہا شد  
 یک سوتبہ نازل از سما شد  
 ہر چند کہ جملہ از قضا شد  
 ہر سیدہا و ہارسا شد  
 امروز ہر آل مصطفیٰ شد  
 احوال عراق رو نما شد  
 از ہاتف غیبی ام ندا شد

کامے بندہ اہل بیت بشنو

"..... کہ سند کربلا شد"

یہ سارا ملکی اور سیاسی ہس منظر ہے اس ہون صدی کا  
 جس میں مہر علی شیر قانع نے آنکھیں کھولیں، پرورش پائی  
 اور پروان چڑھے۔ تحصیل علم مکمل کرنے کے بعد وہ  
 اوج کمال پر فایز ہوئے۔ شعر و سخن کا شغل جاری رکھا  
 اور تصنیف و تالیف کو انہوں نے اپنا اور ہنا بچھونا بنایا۔  
 سوائے ان چند سالوں کے جو انہوں نے میان غلام شاہ کے پاس

## تعفہ الکرام

تاریخ نویسی کے عہدے پر کڈا دیے، باقی ساری زندگی یہ آزادی کے ساتھ بسر کرتے رہے اس طوائف الملوکی کے دور میں کس کا حوصہ تھا کہ وہ درباری ملازمت کا ہار گراں اپنے سر پر رکھتا، سازشوں اور منصوبوں میں حصہ لیتا اور کشت و خون کے بیج بو کر ان کا تماشا دیکھا کرتا۔

میر صاحب کی غیر معمولی شخصیت اور بے پناہ صلاحیت کا اسی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس افراتفری کے دور میں جملہ ہلاؤں، آفتوں اور مصیبتوں کے باوجود ان کا سکون قلب منتشر اور اطمینان دل متزلزل نہ ہوا اور ان بزرگ نے دنیا جہان کے بکھیڑوں، ملکی تباہیوں اور ہلاکت خیزیوں کے طوفان میں گھرے ہوئے، تمام مصیبتوں کو پس پشت ڈال کر، ان کی طرف سے آنکھیں بند کئے اور کانوں میں روٹی دے کر تصنیف و تالیف کا مشغلہ جاری رکھا، اور اپنی خالص علمی و ادبی زندگی پر آنچ نہ آنے دی۔ بارہ سال کی عمر سے لے کر دنیا سے رخصت ہونے کے ایک سال قبل تک برابر قلم و دماغ کو حرکت دیتے رہے اور ہزاروں اوراق کا عظیم الشان علمی و ادبی ذخیرہ سندھ کی آہندہ نسلوں کو دے گئے۔

## سیر و سفر

میر موصوف کی ساری زندگی صرف علم و ادب سے وابستہ رہی اس لئے قیاس ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنا وقت دنیا کے دیگر مشاغل میں ضایع نہیں کیا۔ اور زیادہ تر گھر ہی میں رہ کر تصنیف و تالیف میں منہمک رہے۔ سوائے اس معمولی وقفہ کے جس میں نامعلوم اسباب کی بنا پر انہیں سورت، جام نگر اور بھج کا سفر درپیش آیا۔

”تحفۃ الکرام“ (ج ۲، ص ۳۳) اور ”مقالات الشعراء“ سے معلوم ہوتا ہے وہ سنہ ۱۱۶۰ھ میں سورت گئے تھے جہاں انکی مبر سعد اللہ سورتی اور انکی فرزند میر عبدالولی ”عزلت“ سے ملاقات ہوئی تھی۔ اسی سفر میں چند دیگر اہل علم بزرگوں سے بھی انکی صحبتیں اور نشستیں رہیں مثال کے طور پر مشہور شاعر ”رضائی“ سورت سے لاہری ہندر تک کشتی میں انکی ساتھ آیا (مقالات الشعراء ص ۱۰۹)۔ محمد اکرم تھا تو ٹھٹھے ہی کا باشندہ، لیکن اس کی زندگی زیادہ تر دہلی، دکن اور سورت میں مختلف سرکاری عہدوں پر گزری تھی۔ جب میر موصوف سورت سے وطن واپس ہوئے تو اس وقت محمد اکرم بھی انکی ساتھ ہولیا۔ راستہ میں انکا سفینہ تین دن تین رات طوفان میں پھنسا رہا [یہاں تک کہ] صورت حال مایوس کن ہو گئی تھی [چنانچہ] میر صاحب اسے ”حادثہ“ عظیم“ سے تعبیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :

”کہ خلاصی از آن تہلکہ، محض بفضل حقیقی صورت بست“ محمد اکرم نے اس مصیبت کے متعلق یہ حسب حال اشعار کہے :

در میان آب و آتش ہمدجو گل کشتی۔ امید ما دارد شنا  
گر نہ فضل حق نماید رہبری نیست مخلص از چنین جوش بلا  
(مقالات الشعراء ص ۳۳)

سورت میں ان کی ملاقات ”تحفۃ الطاہرین“ کے مصنف شیخ محمد اعظم ٹھٹھوی سے بھی ہوئی تھی وہ بزرگ بھی اس زمانہ میں سورت ہی میں مقیم تھے۔

جام نگر عرف اسلام آباد بھی میر موصوف نے اسی سفر کے دوران دیکھا تھا، جہاں ان کی ملاقات محمد عاتل ”اہلہ“



شعفا الکرام

جونا گڑھی سے ہوئی تھی جو شاعر تھا اور ٹھٹھے کے مخدوم ابوالقاسم کا شاگرد تھا۔ (مقالات الشعراء ص ۲۶)۔  
اسی طرح غالباً اسی سفر میں جب میر موصوف بھیج نگر پہنچے تو وہاں ان کی ملاقات ایک ایرانی شاعر ”ہوشیار“ صفاہانی سے ہوئی جو بعد میں ٹھٹھے بھی آیا تھا اور پھر یہاں سے ہندوستان چلا گیا تھا۔ (مقالات الشعراء ص ۲۱۱)۔ سورت بندر سے واپسی کے وقت شاعر ”مفلّس“ بھی کشتی میں ان کا ہم سفر تھا جو قلندر لعل شہباز کی زیارت کے قصد سے سندھ آ رہا تھا۔ (مقالات الشعراء ص ۲۶۵)۔

اس سفر کے بعد میر موصوف کو گجرات سے کافی دلچسپی ہو گئی اور اس کے بعد جو بھی خاص واقعات وہاں رونما ہوا کرتے ان پر میر صاحب قطعات تاریخ اور اشعار کہا کرتے۔ [چنانچہ] جب نور الدین محمد عرف مومن خاں سنہ ۱۱۷۰ھ میں گجرات پر قابض ہوا تو میر صاحب نے یہ تاریخ کہی: جوشد نواب مومن خاں بگجرات ز کفر کافران گردید خالی (۱) سنہ ۱۱۶۵ھ میں سورت بندر کے حاکم نواب صفدر محمد خان کا فرزند وقار محمد خان فوت ہوا، میر صاحب نے یہ مادہ تاریخ نکالا:

”فلا خوف علیہم ولا ہم یحزنون“ (۲)

۱۔ ”نواب مومن خان“ کے اعداد [ابجد] ۸۳۶ ہوئے اس میں ”گجرات“ کے ۶۲۳ کے اعداد جمع کرنے سے مجموعہ ۱۳۷۰ ہوگا پھر اس میں سے ”کفر“ کے ۳۰۰ عدد نفی کر دیں تو سال ۱۱۷۰ھ برآمد ہوگا۔ (مقالات الشعراء ص ۱۵۳)۔

۲۔ مقالات الشعراء ص ۲۸۷۔

شوق مطالعہ

میر صاحب کا دور سیاسی اور ملکی [ایتیری اور افراقی] کے لحاظ سے جس قدر تاریک اور اندوہناک تھا اسی قدر علمی ثقافتی لحاظ سے روشن اور خوش گوار تھا۔ صدہا مدارس نزویع علم کے لئے جاری تھے۔ صدہا افراد اور خاندان علم کا مرکز اور منبع تھے۔ ہر علم دوست کی بیشک "اکیڈمی" کا کام دیتی تھی۔ ہر عالم، ادیب اور شاعر جدا جدا کتب خانوں کا مالک تھا۔ گھروں اور مہمان خانوں میں، راستوں پر اور بازاروں کے چوراہوں پر غرض ہر مقام پر علم پروروں کی ملاقاتیں، نشستیں، محفلیں اور مشاعرے شب و روز ہوا کرتے تھے۔ ایک ہی وقت میں مخدوم محمد ہاشم (متوفی سنہ ۱۱۷۳ھ) مخدوم محمد معین (متوفی سنہ ۱۱۶۱ھ)، مخدوم ضیاء الدین، میان نعمت اللہ، میان محمد صادق، آخوند محمد شفیع اور آخوند ابوالحسن جیسے یگانہ روزگار علما اور میر "محسن" (متوفی سنہ ۱۱۶۳ھ)، غلام علی "مداح" بالچند "آزاد" شیوک رام "عطارد" شیخ محمد محفوظ "سرخوش" غلام علی "مومن" محمد پناہ "رجا" میر ابوالبقا بہرور علی اور میر ابو تراب "کامل" جیسے نفز گو شعرا شہر ٹھٹھے میں موجود تھے جن میں سے ہر ایک اپنے دور کا "غزالی" و "دوانی" اور "سعدی" و "انوری" تھا۔

یہ تمام بزرگ صاحبان تصانیف و دواوین تھے۔ ان میں سے ہر ایک کے پاس الگ الگ کتب خانہ تھا جن سے نہ صرف وہ خود فائدہ اٹھاتے تھے بلکہ دوست احباب بھی وقتاً فوقتاً استفادہ کرتے رہتے تھے۔ ان میں سے ہر بزرگ کا مہمان خانہ (یا مردانہ) "دارالمصنفین" اور "ندوة المصنفین" ہوا کرتا تھا اور ہر استاد اور عالم کا مدرسہ "دارالعلوم دیوبند"

اور ”ندوة العلوم“ تھا ۔

میر علی شیر کو ایسے علما اور ایسے شعرا کی ہم عصری کا موقع ملا اور ایسی [حوصلہ افزا] علمی فضا اور ادبی ماحول نصیب ہوا، [چنانچہ] انہوں نے [اپنے دور کی] ان علمی صحبتوں اور ادبی مجلسوں سے پورا پورا فائدہ اٹھایا ۔ انہی مدارس میں انہوں نے علم حاصل کیا ، انہی دارالعلوم میں عربی اور فارسی زبانوں پر قدرت کاملہ حاصل کی اور انہی کتب خانوں کی ورق گردانی کر کے کتابوں کی ہر جلد سے مطلب اور مواد اخذ کیا ۔ انہوں نے دوسرے کتب خانوں سے توفیق مطالعہ اٹھایا ہی، لیکن خود ان کا اپنا کتب خانہ اتنا عظیم الشان تھا اور اس میں ایسے نادر مخطوطات موجود تھے کہ آج بھی ان کی فہرست اور باقی ماندہ نسخے دیکھ کر حیرت ہوتی ہے (۱) ۔

میر صاحب کے ذوق مطالعہ اور ٹھٹھے میں کتابوں کی فراوانی اور دستیابی کا اندازہ اس وقت [خاص طور پر] ہوتا ہے کہ جب ان کی اپنی تصنیفات میں ایسی ایسی کتابوں کے حوالے نظر سے گذرتے ہیں جن میں سے بیشتر آج بھی نایاب اور نادر الوجود ہیں ۔

تاریخ فرشتہ ، طبقات اکبری ، منتخب التواریخ ، دہ سالہ عالمگیری ، آئین اکبری ، روضۃ الصفا ، حبیب السیر ، سراۃ احمدی ، مراۃ سکندری ، خزائنہ عامرہ ، بدر بیضا ، تذکرہ

۱ ۔ ٹھٹھے کے کتب خانوں کی فہرستیں ایلیٹ کی فائل میں

برائش مجوزیم میں موجود ہیں اور میر موصوف کے کتب خانہ کی کتنے ہی کتب ”سندھنی ادبی بورڈ“ میں محفوظ ہیں۔

والہ داغستانی ، ہفت اقلیم ابن رازی ، کلمات الشعرا ، مجلس المومنین وغیرہ تواریخ و تذکرے ، تصنیف و تالیف کے دوران میر موصوف کے پیش نظر تھے ۔

ایرانی اور ہندوستانی شعرا میں سے کتنوں ہی کے دواوین میر موصوف کے پاس موجود تھے ۔ اسی طرح سندھ کے تقریباً جملہ مصنفین کی تصنیفات بھی ان کے سامنے تھیں ۔ مثلاً تاریخ معصومی ، تاریخ طاہری ، بیگلار نامہ ، ترخان نامہ ، تذکرۃ المراد ، آداب المریدین ، حدیقۃ الاولیا ، وغیرہم کے علاوہ کتنے ہی دیوان اور زیادہ تر اہل سندھ کی جملہ مذہبی تصانیف ان کے زیر مطالعہ رہی ہیں ۔ ”طومار سلام گزیدہ“ مرتب کرتے وقت بزرگان طریقت کے جملہ ملفوظات اور سلسلہ طریقت کی اسناد ان کے پیش نظر تھیں ۔ ملفوظات ۔ مخدوم جہانیاں ، منہاج العباد ۔ شیخ سعد الدین ، تحفۃ البرہ ۔ شیخ مجدد الدین بغدادی ، بحر الدقائق ۔ شافعی اور کتاب استعداد الآخرۃ بھی اس کتاب کے ماخذوں میں سے ہیں ۔

انہوں نے اپنے ایرانی بزرگوں کی بڑی قریب قریب جملہ تصانیف پڑھی تھیں ۔ مثال کی طور پر امیر غیاث الدین منصور کی جملہ تصنیف کردہ کتب ان کی نظر سے گزر چکی تھیں ۔ طبقات ”ابن سعد“ جیسی نادر اور نایاب کتاب ، جو آج چھاپہ خانوں کے ہوتے ہوئے بھی اس قدر عنقا ہے کہ ہمارے ملک کے جملہ کتب خانے اس سے محروم ہیں ، آج سے دو سو سال قبل ٹھٹھے میں میر موصوف کے مطالعہ سے گزر چکی تھی چنانچہ وہ ایک مقام پر (مقالات الشعرا ص ۲۱۲) فرماتے ہیں کہ ”۲۵ ربیع الاول سنہ ۱۱۶۹ھ کو ”طبقات ابن سعد“ کی جلد

## تحفۃ الکرام

دوم ، مخدوم ضیا الدین ٹھٹوی سے پڑھنے کے لئے مستعار لی۔  
سیر صاحب کا علمی ورثہ

**تصانیف :** سیر علی شیر کی زندگی کا مقصد صرف تالیف و تصنیف تھا اور جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے ۱۲ سال کی عمر سے انہوں نے کاغذ و قلم ہاتھ میں لیا اور مرتبے دم تک انہیں ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ اس بات کا پورا پتہ نہیں چل سکا کہ انہوں نے کل کتنی کتب تصنیف کیں۔ لیکن ”مقالات الشعرا“ ، ”فہرست کتب خانہ ٹھٹہ“ (برٹش میوزیم O.R. 2073) اور ”تحفۃ الکرام“ (مملوکہ خان بہادر مولوی محمد شفیع لاہور) سے جن کتابوں کے نام ملے ہیں ان کی تعداد بیالیس (۲۲) ہے۔ کتنی ہی کتب ایسی بھی تھیں کہ جن کے مسودے نامیکمل رہ گئے ، چنانچہ ایک مقام پر وہ خود تحریر کرتے ہیں کہ : ”اکثر مسودات بہر جا کہ ماندند ، ماندند“ (مقالات الشعرا ص ۲۱۴)

سنہ ۱۱۷۴ھ میں انہوں نے ”مقالات الشعرا“ تصنیف کی اس میں لکھتے ہیں :

”الی الحال اگر بجمع شعر می پرداخت تا سی ہزار

[تیس ہزار] بیت کم و بیش رسیدہ می بود“

گویا مذکورہ سال تک انہوں نے جو اشعار کہے وہ بھی انہوں نے جمع نہ کئے جن کی تعداد کم و بیش تیس ہزار ہوتی۔ اسی طرح انہوں نے سنہ ۱۱۷۴ھ سے لے کر سنہ ۱۲۰۲ھ تک ۲۸ سال بعد میں بھی یہ سلسلہ جاری رکھا۔ معلوم نہیں کہ ان میں سے کتنے ضایع ہوئے اور کتنے باقی بچے۔ بہر حال جن کتب کے نام معلوم ہوئے ہیں یا جو

کتابیں دستیاب ہو سکی ہیں ان کا سنہ تصنیف کی ترتیب کے ساتھ ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے ۔

۱۔ ”دیوان علی شیر“ (سنہ ۱۱۵۲ھ)

یہ دیوان انہوں نے بارہ برس کی عمر میں مرتب کیا تھا جسے نامعلوم اسباب کی بنا پر دریا برد کر دیا اور آئندہ دو سال، سنہ ۳، ۱۱۵۳ھ تک مشق سخن ترک کر دی ۔ اس میں نام بطور تخلص استعمال کرتے تھے ۔

۲۔ ”مثنوی شمس از قدرت حق“ (سنہ ۱۱۶۵ھ)

اس مثنوی کا نام تاویخی ہے جس سے سال تالیف سنہ ۱۱۶۵ھ برآمد ہوتا ہے ۔ اس مثنوی کا کوئی نسخہ موجود نہیں ہے ۔ قیاس ہے کہ اس میں کوئی داستان بیان کی گئی تھی ۔ ”مقالات الشعراء“ میں نمونے کے طور پر اس کے چند اشعار تحریر کئے گئے ہیں جن کی بنیاد پر یہ قیاس قائم ہوتا ہے :

— در تعریف بر دکان نشستن آن جوہری پسر —

پسر چون دکالدار شد در دیار  
چو خورشید اندر حمل بسته بار  
کفش بر ترازو چو گشتی فرو  
قمر در ترازو سکان یافت گو  
— قطعات لعل امانت فقرا را جوہری پسر در  
ستون مخفی ساختہ —

ستون گشتہ کان بدخشان سپس  
برو رشک بردے بسے کان سپس  
چو در راستی بودہ پا استوار  
شدہ زادگان خورش در کنار

۳ - "شہزادی قضا و قدر" (سنہ ۱۱۶۷ھ)

"گل از بہار قضا" سے اس کا سال تصنیف برآمد ہوتا ہے۔ اس کا بھی کوئی نسخہ موجود نہیں ہے۔ "مقالات الشعراء" میں حسب ذیل اقتباس درج ہے :

— در صفت کشمیر —

خور اندر سبزہ زارش شہرہ وار  
نیارست آنکہ بیند رونے انوار  
گر آید بالمثل مہ در زمینش  
کند گلچین غلط با یاسمینش  
بیوئے بوئے شبویش ز ہر باد  
گل خورشید گیرد غنچگی یاد  
گہے تقریر وصف زعفران زار  
لب از خندہ نیابد راہ گفتار  
ز بس سروش با آزادی علم شد  
ثمر در نخلہایش وقف ہم شد  
طلائے آفتاب آنجا بست پر غش  
ز بس در بوته گل دیدہ آتش  
تونگر گردد آن کو بار دارد  
گلستانہی گل دینار دارد

— در صفت خویرویان چین —

ز رونے گل رخاں چشم خورشید  
ز بس گستاخ بین افتاد جوشید  
ز گفتار ملاحات ریز خوبان  
بگیرد عندلیب آتش بدامان

ز فر جبهه' شان حسن آداب  
 نماید همچو در مینا سے' ناب  
 مه' نو تا به ابرو یافت نسبت  
 همی بالذ بخود از فرط بهجت  
 مگر دستِ قضا از صنع ایزد  
 لطافت جمله اندر ساعدش زد  
 ز روئے بیت صدرِ شان توان یافت  
 معانی را که اندر دل همان یافت  
 نهد از پشت بر دیوار چون مست  
 توان دریافت نقشی او چه چیز است  
 گهسے نظاره' خوبی' هر ماه  
 تماشائی بر آرد الله الله  
 — صفت هندو نعمه نوازان هند —

بپا کوئی' رقاصانِ مه و هس  
 فتد نظاره را نعل اندر آتشی  
 صلائے باده نوشی اندرو عام  
 بود خورشید آنجا صورت جام  
 مدام اندر وے از صافی' مهتاب  
 مه' نو هر شب افزاید مئے ناب  
 مگو اختر که رخشانند هر شام  
 خم گردون شراب انداخت در جام  
 بهار نشه' سرشار دارد  
 سرود آنجا عجب بازار دارد  
 هر آنکو بسته آهنگ حجاز است  
 لجام توسنخی از تار سازست



دَف خورشید اندر دست زهره  
 پیش مطربش گمتر ز مهره  
 بهر حفل که نام و نوش دارد

هوس بر سیر پا بر دوش دارد

— در وصف مصر و تعریف عمارت‌هایش —

وزد بادش اگر از جائب آب  
 حباب از یاسمین گیرد فزون تاب  
 هوایش گر بروی بحر آید  
 ز شاخ خشک مرجان گل بر آید  
 به داس مشرق اندر وقت تعمیر  
 فلک می ریخت آهک از تباشیر  
 ازان خورشید بر کف رعشه دارد  
 که خواهد دستی از بامش بر آرد

که گجکاری از خورشید تابان  
 ستاند پنجه رازش دستگردان  
 بهر خشت عمارت‌های خورشید  
 برای اقتباس نور بوسید  
 کمان طاقش از قوس قزح ساخت  
 بدواش را چو بنا منشرح ساخت  
 بود مهتاب آنجا آهک گرم  
 سفید صبح از خاکش کشد شرم

— رسیدن از خشکی بدریا و صفت آن —

دگر راه شتاییدن چو طبع شد  
 بچله احتیاج کشتی شد

ہلے گشتی گدایان را ضرور است  
کہ فاقہ را بدو راہ عبور است  
مسافر را بر طب و یاس است راہ  
ز خشکی باز دریا گشت دلخواہ  
خبار ماندگی بست اہر در دل  
کنار بحر ماندم ہائے در گل  
چہ بحر آن کز کمال پاکئی رنگ  
نہنگ چرک را زو قاہہ تنگ

۴۔ "نوائین خیالات" (سنہ ۱۱۶۹ھ)۔

اس نام سے بھی سال تصنیف برآمد ہوتا ہے۔ یہ کتاب  
نثر میں ہے۔ چون کہ اس کا کوئی نسخہ موجود نہیں ہے اس  
لئے نہیں کہا جاسکتا کہ یہ کتاب کس موضوع پر تھی۔

۵۔ "مثنوی قصہ کاسروپ" (سنہ ۱۱۶۹ھ)

یہ مثنوی بھی عنقا ہے۔ جس کے بارے میں وہ خود  
"مقالات الشعرا" میں لکھتے ہیں کہ اس میں تخمیناً تین ہزار  
اشعار ہیں اور یہ سنہ ۱۱۶۹ھ میں مکمل ہوئی۔ مندرجہ ذیل  
اقتباسات مقالات الشعرا میں دیئے گئے ہیں جن سے نوعیت اور  
انداز معلوم کیا جاسکتا ہے :

تا قدم از ارض رضاعت کشید

ہایہ قدرش بعلیین رسید

قبضہ قدرش چو کمان گیر شد

ناوک دستھی بفلک تیر شد

بخت بلندش نہ شمارد یکے

بلکہ کند سہو کہ جم بود و یکے

بازوے قدرت چو فشرده به تیه  
زهره رستم بزده ژینگ ژینگ

— در صفت چترمن مصور —

کز قلم موجو کشد شکل باغ  
لاله ز شنجرف بر آرد ایام  
آب گهر در صدفش داشت جفا  
تا ورق سبزه نماید طلا  
غنچه تصویر وے از بوئے فرح  
رایحه خلد برین راحت شرح  
بر لب تصویرش حرف نشاط  
گل کند از گوشه صحن بساط  
گر بمثل در کشد او شکل آب  
نقطه سهر قلمش دان حباب

— صفت صید گاه مینو نشان —

آهکش از پرتو مه بیش ناب  
در گچش آمیخته رنگ سحاب  
خشت پزانش پئے حسن نظر  
بسته نمودند خمیر گهر  
مخمل سبزه به هجومی که آب  
راه نمی یافت بیالین خواب  
بر لب هر جدولش از موج آب  
نقش نشاط ابدی داشت تاب  
بلبلش از نغمه سرائی فرح  
از پئے سیپاره گل بسته شرح

ناخته زاهد مشرب دران  
 داشت بلب آید کو کو روان  
 حاجی قمری ز پی طوف سرو  
 خواسته احرام ز بال تذرو  
 پیر عصا در کف زنبق بنام  
 داشت بصحن چمن آنجا خرام  
 سونے دماغش زبس آشفته بود  
 بینی وا کرده سخن می نمود  
 از گل شببوش گل آفتاب  
 گدیه می خواست کند بوئے آب  
 باد صبا داشت درو زر گری  
 سکه می زد بزر جعفری  
 — در شکستن جهازات بطوفان —  
 یوسف مه رفته تہ قعر پناه  
 یونس شب حوت گرفته پناه  
 فتنه پیا خواسته در رنگر باد  
 جوش زده بحر که طوفان فتاد  
 آتشی افروخته منقل حباب  
 سوخته هر خار و خسے را بر آب  
 ماسی موج از اثر برق و باد  
 سینه خود را بشر بر نهاد  
 جابه به تن چاک زده ناخدا  
 رفته ز سکان سکون جمله را  
 در کف ملاح ز بادے چنان  
 پنبه حلاج شده بادبان

دیده گرداب ز بس کور بود  
 در طلب مردم پر شور بود  
 خورد شد آن جمله کشتی بر آب  
 در نفس همچو سفال خراب  
 مردم خشکی همه آبی شدند  
 در چه آن بحر شتابی شدند  
 — در صفت جنگ —

صور سرافیل دمیده چو ناله  
 مغز هژبران بچکیده ز ناله  
 بسکه بپا گشت دم گاؤ دم  
 گاؤ زمین و فلک انداخت سم  
 در کف پر برگ تبیره (۱) زنان  
 خون یلان بسته چو پیره زنان  
 بحر ستیز آنگه طوفان گرفت  
 پنجه خورشید بهجران گرفت  
 تیر فلک ریخت برنگ خدنگ  
 کاهکشان پا زده در نیم لنگ  
 از در شمشیر چو پرداز شد  
 هر طرف از زخم بهم غار شد  
 مغز پراکنده شد از عطسه تیغ  
 در سر پیکار کتان بیدریغ  
 گشت بپا تا که طرید ستیز  
 جان به بر رستم شد ریز ریز

۱ - تبیره = بفتح تا و کسره با ؛ بمعنی طبل و کوس (غیاث)

هر طرفے خامست ترنگا ترنگ  
پنجه خورشید شده پر خدنگ  
شور چقا چاق ٹہنگر خدنگ  
ریخت همی مغز دماغ پلنگ  
بسته بخون بود یلان را کمر  
لاله صفت کرده سپر در سپر

— صفت مبارزت نانک چند جوهری —

تیغ بکف "نانک چند جوهری"  
بود چو الماس پئے جان بری  
تا بزده از سر حصه طرید  
لعل ز فیروز همی شد پدید  
داشته تیغش عمل کھربا  
بهر خسیسان بجان در بلا

— صفت رزم دھتر طیب —

"دھتر" آنجا کہ فشرده قدم  
تیغش می جسته ز کف دم بدم  
شربت مرگ از کف او موجزن  
بوده پئے نوش عدو در زمن

— صفت جنگ رس رنگ کلاونت —

کرده چو "رس رنگ" سوے رزم راه  
جسته ز چنگش اجل آنجا پناه  
گوش مخالف ز طریدش پخت  
تیم دو دستی بزده همچو مست

کردہ بقانون شجاعان نبرد  
از سرمردان چو اجل ریخت گرد  
گوز گران در کفش از پر دلے  
ز سزمہ خوان بود بنقشے یلے  
- صفت نبرد چترمن مصور -

چترمن آنکہ کہ شدے رزم جو  
پائے عدو بود گو اندر فرو  
در کف او ساندہ عدو نقش وار  
بلکہ چو تصویر بدیوار یار  
صفحہ صحرای کفش رنگ بست  
بسکہ سوان سپہ اندر شکست  
- در فتح شاه و هزیمت دشمن -

شیر علم دیدہ چو رویہ شد  
بود ز جان سیر، بلا خواہ شد  
پرچم اقبال شہ از باد فتح  
ترجمہ می بست باسناد فتح

۶۔ "دیوان قال غم" (سنہ ۱۱۷۱ھ)

دیوان کا یہ نام تاریخی ہے اس میں غزلیں، قصائد،  
مخمس اور ترجیع بند وغیرہ جملہ اصناف سخن شامل تھیں۔  
نو ہزار اشعار کا یہ مجموعہ بھی زمانہ کے دستبرد کے ہاتھوں  
ضائع ہو گیا۔

۷۔ "سالی نامہ" (سنہ ۱۱۷۴ھ)

اس کا یہ انداز ہے :  
بیا ساقیا زان مئے ناب دہ  
بلب تشنگان یک دم آب دہ

کہ در آتشم از خمار شراب  
 با آتش ز آتش توان داد آب  
 شب و روز در فکر آنم کہ کئی  
 شود جان این مردہ دل باز حئی  
 گروہی کہ رفتند زین تیرہ خاک  
 ندانم چہ کردند با جانِ پاک  
 وضو را بآب غنہ می کنم  
 نماز سرِ شام و شب می کنم  
 ہمی بینم از دور محراب جام  
 کہ پیشش صراحی ست اندر قیام  
 باین قائم اللیل دارم شروع  
 کہ در سجدہ افتم ز بعد رکوع  
 موزن چو گلبانگ حسی در زند  
 صراحی در جامِ مے در زند  
 در اخلاص مے چار قل بر زبان  
 چو مینا دہم روح گویہ کنان  
 مناجاتیان تا نیابند راہ  
 بکوئے خرابات بردم پناہ  
 مغنی نوائے کہ مستی دہد  
 رہے زن کہ ذوق السستی دہد  
 چو در کا سہ سر نداریم آب  
 لبم تر نمائی ز موج رباب



ہوتا ہے کہ یہ غالباً سنہ ۱۱۷۴ھ سے پہلے کی تصنیف ہے ۔  
اس مثنوی میں بھی تقریباً ایک ہزار اشعار تھے لیکن اس کا  
کوئی نسخہ موجود نہیں ہے ۔ نام اور مندرجہ ذیل اقتباسات  
سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مثنوی واقعات کربلا کے متعلق ہے ۔  
اس میں مختلف بحروں میں اشعار کہے گئے ہیں :

مگو ہلال کہ یک کشتی است طوفانی  
تنورِ فتنہ ز بس جوشِ کردہ عمانی  
دو نیمہ گشتہ دل روزگار روزِ عزا  
یکے بزیں زمین شد دگر بروے سما  
ز بس گریستِ محبانہ زین مصیبتِ خون  
فتاد ناخنہ در چشمِ ارزقِ گردوں  
ہر از ستارہ نباشد بچشمِ اندھناگ  
ز ناوکِ غم گشتہ مشبکِ این افلاک

مگو کہ سہرِ بروے سما نمودہ طلوع  
دریں معاملہ چشمِ مسیح شد نگران

دمِ آہی نبودہ جز دمِ تیغ  
مگر از آسمان بارید این میغ  
لباسِ چرخِ زان گردید نیلی  
کزیں جورِ زمانہ خورد سیلی  
بر اندامِ خور از آن ریشہ افتاد  
کہ روزِ کربلا می باشد یاد

۴۔ ”چهار منزلہ“ - (سنہ ۱۱۷۴ھ)

مصنف نے اس مثنوی کا بھی مقالات الشعرا میں ذکر

کیا ہے چنانچہ یہ مثنوی بھی سنہ ۱۱۷۵ یا اس سے پیشتر کی تخلیق ہے۔ ایک ہزار اشعار کی یہ مثنوی بھی اب عنقا ہے۔ ذیل کے اقتباسات سے کچھ اندازہ کیا جاسکتا ہے :  
— در صفت حلقہ بینی —

بروئے راست بینش حلقہ دیدہ  
دکان حیرتم بر خویش چیدہ  
کدامی ہے ادب پیچیدہ بر راست  
کہ شکی حلقہ بر بینش پیدا ست  
تامل کردہ تا من خوب دیدم  
بروئے راست بینی سر کشیدم  
سنوش گنود دھان یار الحق  
طلوع آفتابست ایہ ز مشرق  
سدر شکایت زمانہ است

موا از پی زری شد آنچه حاصل  
ندیدند عشیران قارون تہر گل  
منراورا گسردہ زر میرودر ایبود  
منم از پی زری در مردمان بد  
ہمے ناز دوستان در پی زری ام  
ہمیں رائند اندر زر گیری ام  
ہمہ اخوان بحق اخ نوایند  
شدم تا بینوا اخ اخ نمایند  
کلیم اللہ بفرض آید اگر باز  
ازیں قارون سرشتان نیستن باز  
کسانے کہ چنین کالا کشیدند  
مگر از خانہ خالا کشیدند

۱۔ "تزیین نامہ حسن و عشق"۔ (۱۱۷۳ھ)؛

یہ کتاب بھی سنہ ۱۱۷۳ھ سے پہلے کی تصنیف ہے لیکن نہ نسخہ موجود ہے نہ اقتباس کہ جس سے اس کے مضامین کا اندازہ لگایا جائے۔ البتہ میر موصوف اس کے بارے میں خود ہی لکھتے ہیں کہ یہ مقفی و مسجع نثر میں تھی۔ عنوان سے اندازہ ہوتا ہے کہ حسن اور عشق کے اتصال اور معاملات پر ادبی انداز میں خیال آرائی کی کئی ہوگی۔

۱۱۔ "اشعار متفرقہ در صنایع و تاریخ"۔ (سنہ ۱۱۷۴ھ)؛

یہ مجموعہ انہوں نے سال مذکورہ تک علیحدہ مرتب کیا تھا جس میں قطعات تاریخ اور صنعت کے تقریباً ایک ہزار اشعار تھے۔ یہ نسخہ بھی عنقا ہے۔

۱۲۔ "بوستان بہار" (سنہ ۱۱۷۴ھ) معروف بہ "مکلی نامہ"؛

"بوستان بہار تازہ دل" سے سال ترتیب برآمد ہوتا ہے۔ مکلی کے مناظر اور مقابر پر اس میں نظم اور مقفی نثر میں شاعرانہ خیال آرائی کی گئی ہے۔ اس کا مسودہ بخط مصنف سندھی ادبی بورڈ میں محفوظ ہے۔

۱۳۔ "مقالات الشعراء" (سنہ ۱۱۷۴ھ)

مصنف لکھتا ہے کہ سنہ ۱۱۶۹ھ میں جب کہ وہ "مثنوی کامروپ" ترتیب دے رہا تھا، اسے یہ پیش بہا تذکرہ لکھنے کا خیال پیدا ہوا اور اسی سال سے اس نے لکھنا شروع کر دیا۔ آخر پانچ سال کی محنت اور دیدہ ریزی کے بعد سنہ ۱۱۷۴ھ میں اس نے اسے مکمل کر لیا۔ نام سے سال تکمیل برآمد ہوتا ہے، اور اگر اس میں سے پانچ (۵) کا عدد نفی کر دیا جائے تو تصنیف کی ابتدا کا سال سنہ ۱۱۶۹ھ نکل آئے گا۔

سندھ کے فارسی گو شعرا پر اس سے قبل کوئی تذکرہ موجود نہ تھا۔ یہ پہلی کتاب ہے کہ جس سے سندھ کے فارسی ادب کی تاریخ معلوم کی جا سکتی ہے۔ میر صاحب نے اہل سندھ کے علاوہ اس میں ان شعرا کا بھی ذکر کیا ہے کہ جو سندھی الاصل نہ تھے بلکہ باہر سے آکر سندھ میں رہنے لگے یا سفر کے دوران سندھ سے ہو کر گزرے۔ مصنف کا اپنے ہاتوں رقم کیا ہوا نسخہ سندھی ادبی بورڈ میں محفوظ ہے۔ ایک اور نسخہ برٹش میوزیم میں (ADD 21,589) بھی موجود ہے جو سنہ ۱۲۴۶ھ میں میر مراد علی خاں نے لکھوایا تھا۔ ان دونوں نسخوں کی نقلیں راقم الحروف کے پاس ہیں ان کے علاوہ اس کتاب کا اور کوئی نسخہ کہیں بھی موجود نہیں۔

۱۴۔ ”تاریخ عباسیہ“ (سنہ ۱۱۷۵ھ):

میاں غلام شاہ نے میر موصوف کو سنہ ۱۱۷۵ھ میں کلہوڑوں کی تاریخ لکھنے پر مامور کیا تھا۔ معلوم نہیں ہوسکا کہ کن وجوہ کی بنا پر میر موصوف اسے مکمل نہیں کرسکے لیکن ٹھٹھہ کے کتب خانوں کی جو فہرست برٹش میوزیم میں (O.R. 2073) ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کا بیشتر حصہ مکمل ہوچکا تھا۔ فہرست نگار لکھتا ہے کہ:

”تاریخ عباسیہ، اعنی در بیان میاں صاحبان کلہوڑہ از ابتدائے آمدن شان در سند، مع تحقیقات نسب اوشان، و تقرر زمینداری آن فرقه در سند و بدست رسیدن ہانہا حکومت سند، و احوال و واقعات آن ایام، سید علی شیر قانع مرحوم در نظم و نثر تالیف و تصنیف کردہ، و مسودہ نا تمام

از ہر دو در کتب خانہ موجود - نسخہ "نظم قریب  
بیست ہزار ابیات"۔

۱۵۔ "تاریخ عباسیہ" (سنہ ۱۱۷۵ھ) :

مذکورہ اقتباس سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا نام مکمل نسخہ  
بھی میر موصوف کے کتب خانہ میں موجود تھا اور اس میں  
بیس ہزار اشعار تھے۔ کمان ہوتا ہے کہ یہ تاریخ بھی دستور  
کے مطابق "شاہ نامہ فردوسی" کی طرز پر اسی بحر میں مرتب  
کی گئی ہوگی۔ افسوس کہ ہر دو کتب کے نسخے تالف ہو گئے  
ورنہ اس دور کی تاریخ پر یہ دونوں تواریخ مستند ماخذ کا  
کام دیتیں۔ چونکہ اس دور کے متعلق میر موصوف علیحدہ مذکورہ  
تواریخ لکھ رہے تھے اس لئے "تحفۃ الکرام" میں کلہوڑوں کا  
ذکر انہوں نے محض سرسری طور پر اس طرح کیا ہے :

"ذکر شان در طبقہ علیحدہ میگردد ، و ہنا ہر مزید  
فائدہ و ادائے حقوق نمک ذکر از اصل مع بیان ہزرگان این  
سلسلہ مجملہ گذارش میکند۔"

۱۶۔ "تحفۃ الکرام" (سنہ ۱۱۸۱ھ) :

"مقالات الشعرا" کے بعد یہ دوسری ضخیم کتاب تصنیف  
کر کے میر موصوف نے سندھ اور تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے  
اہل علم پر ایک عظیم احسان کیا ہے۔ یہ کتاب مندرجہ  
ذیل تین جلدوں میں تقسیم ہے :

جلد اول انبیا ، حکما ، بادشاہ اور خلفائے اسلام کے  
حالات اور تاریخ کے بیان میں۔ چنانچہ جلد دوم کی ابتدا میں  
بیان کرتے ہوئے وہ رقم طراز ہیں کہ :

"از تالیف مجلد اول تحفۃ الکرام شعر حالات

خلاصہ موجودات انبیا و اوصیا و حکما و خلفا و  
سلاطین فراغت یافتہ

مطبوعہ نسخہ میں جو جلد اول شامل ہے وہ درحقیقت  
”تحفۃ الکرام“ کی اصلی پہلی جلد نہیں ہے بلکہ کسی نے  
”مرآۃ احمدی“ کی جلد دوم کے ۸۶ صفحات ”تحفۃ الکرام“ کے  
نام سے شایع کرادئے ہیں۔ ”مرآۃ احمدی“ سنہ ۱۳۰۷ھ میں مطبع  
فتح الکریم بمبئی میں طبع ہوئی تھی، اسی طباعت کے ۸۶ صفحات  
کو علیحدہ کر کے غالباً اسی پریس کے لوگوں نے، ”تحفۃ الکرام“  
کے نام سے بقیہ دو جلدوں کے ساتھ پیوست کر دیا ہے۔  
جلد دوم

اسے سات اقلیم میں تقسیم کیا ہے۔ ہر ایک اقلیم  
کا تاریخی حال بیان کر کے اور اس کے ہر شہر کا ذکر کرنے  
کے بعد، اس شہر کے مشاہیر کا ذکر کیا ہے۔ حالانکہ میر  
صاحب نے لکھا ہے کہ انہوں نے متقدمین و متاخرین کی جملہ  
تصانیف کے مشاہدہ و مطالعہ کے بعد یہ جلد مرتب کی ہے  
لیکن اس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے امین رازی  
کی ”ہفت اقلیم“ کو بنیاد بنایا ہے اور مضامین کے علاوہ  
ترتیب بھی وہی رکھی ہے۔ اسی طرح دوسرے نمبر پر انہوں  
نے ”حبیب السیر“ اور ”مجالس المومنین“ پر مدار رکھا ہے۔  
چنانچہ اپنے بزرگوں کے سلسلہ میں بغیر حوالہ دیئے ہوئے،  
جملہ عبارت لفظ بہ لفظ ”مجالس المومنین“ کی نقل کر گئے  
ہیں جو تقریباً جملہ متوسطین و متاخرین کا دستور تھا۔

یہ دوسری جلد مطبوعہ نسخہ کی حیثیت سے سنہ ۱۳۰۴ھ

میں غالباً بمبئی سے شائع کی گئی ہے۔

فی الواقعہ ”تحفۃ الکرام“ کی یہ جلد نہایت قیمتی ہے اور تاریخ سندھ پر گویا ”انسائیکلو پیڈیا“ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس جلد کی ابتدا میں سندھ کی تاریخ شروع سے لے کر کلہوڑا خاندان کے عہد حکومت تک بیان کی گئی ہے اور اس کے بعد سندھ کے شہروں [اور قصبات] اور ان میں رہنے والے مشاہیر کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں تاریخ کے ضمن میں میر موصوف نے ”چچ نامہ“ ”معصومی“ ”طاہری“ ”بیگلر نامہ“ اور ”ترخان نامہ“ کو ساخذ بنایا ہے۔ البتہ مشاہیر کے تذکروں اور سندھ کے قدیم شہروں کی تاریخ پر موصوف نے جو تحقیق و محنت کی ہے وہ قابل داد اور ناقابل فراموش ہے۔ فی الواقعہ تجسس و تحقیق میں میر موصوف نے کمال کیا ہے۔ اگر آج سے تقریباً پونے دو سو سال قبل میر موصوف یہ مواد فراہم نہ کر جاتے تو مشاہیر کے تذکرے اور شہروں کی تاریخ کے جملہ پہلو آج ہماری آنکھوں سے پوشیدہ رہتے اور ایک علمی و تاریخی حصہ ضایع ہو جاتا۔

مطبوعہ نسخہ کی جلد سوم مطبع ناصری دہلی میں طبع ہوئی ہے، اور تقریباً اسی سال شایع ہوئی ہے جس سال جلد دوم شایع کی گئی۔

سنہ ۱۱۸۱ھ میں ”تحفۃ الکرام“ کی جلد سوم کی تکمیل کے بعد میر موصوف نے مندرجہ ذیل اختتامیہ قطعہ تحریر کیا ہے :

شکر خدا کہ تذکرہ ”تحفۃ الکرام“

اندر سے جلد یافتہ تزئین اختتام

ہر جلد او ست روضہ اخبار دلکشا  
نظارہ کیس مفت شود دیدہ شاد کام  
قانع اگرچہ نیست سزاوار ذکرہ خیر  
لیکن بفیض اہل خبر یافت این مرام  
باشد کنند اہل دلش یاد بعد مرگ  
یعنی کہ یادگار نکو ماند مستہام  
نہال تمامیت چو نمود از خرد سوال  
اینک چہ ”منتخب“ زدل آمد سرا پیام

۱۱۸۱ھ

شکر خدا کہ یافتہ تڑئیں انتخاب  
این ”تحفۃ الکرام“ بائیں انتخاب  
نہال تمامیت چو نمود زدل سوال  
ہاتھ زدہ ندا کہ ”نو آئیں انتخاب“

۱۱۸۱ھ

مصنف کا اپنا دستی نسخہ لاہور کے خان بہادر مولوی  
محمد شفیع صاحب کے پاس موجود ہے اور برٹش میوزیم میں  
مصنف کے اپنے خط کے جو دو نسخے ہیں ان کا فوٹو گراف  
راقم الحروف کے پاس ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف  
ان میں سنہ ۱۱۸۸ھ تک اضافے شامل کرتا رہا ہے۔

۱۔ ”اعلان ضم“ (سنہ ۱۱۹۲ھ)

اس کتاب کا نام ایلیٹ کی فہرست اور لاہور والے  
نسخہ ”تحفۃ الکرام“ کے سرورق پر میر موصوف کی تصنیفات کے  
ذیل میں موجود ہے۔ فہرست نگار نے تفصیل اس طرح بیان  
کی ہے :



۳۵۶ صفحات، ہر صفحہ میں ۴۴ سطریں، ۱۱۲۳۴ اشعار،  
تالیف ۱۱۹۲ھ، بخط مصنف۔ اس مشنوی میں انبیائے کرام کی  
تکالیف اور شہدائے کربلا کے مصائب کا ذکر کیا گیا ہے۔  
تا حال اس کا کوئی نسخہ دستیاب نہیں ہو سکا ہے۔  
۱۸۔ "زبدۃ المناقب" - (۱۱۹۴ھ)

اس میں خلفائے راشدین اور چہارہ مضمومین کے مناقب  
ہیں۔ ایلیٹ کے فہرست نگار نے اس کی اس طرح تفصیل دی  
ہے: صفحات ۳۶۲، فی صفحہ ۱۷ اور ۲۰ سطریں، ۱۲۰۰  
اشعار، تصنیف سنہ ۱۱۹۲ھ، بخط مصنف۔ لاہور والے نسخہ کے  
سرورق پر بھی اس کتاب کا نام موجود ہے۔  
۱۹۔ "مختار نامہ" (سنہ ۱۱۹۳ھ)

یہ مشنوی میر موصوف نے مختار ثقفی کے حالات میں  
رقم کی ہے۔ فہرست نگار نے اس کی یہ تفصیل دی ہے:  
صفحات ۲۰۸، فی صفحہ ۲۴-۳۶ سطریں، کل اشعار سات  
ہزار، سن تالیف ۱۱۹۳ھ۔ جس نسخہ کا ذکر ایلیٹ کے فہرست  
نگار نے کیا ہے وہی نسخہ اس وقت سندھ ادبی بورڈ کے قبضہ میں  
ہے۔ اس کا پہلا شعر یہ ہے:

بنام جہان داور گردگار  
کہ ہر قدرت اوست مختار کار  
آخری شعر تاریخ اختتام کا ہے۔

۲۰۔ "نصاب البلغاء" - (سنہ ۱۱۹۸ھ)

میر موصوف نے "قاموس" کی طرز پر یہ کتاب نہایت  
عجیب و غریب اور انتہائی عنت و تحقیق سے لکھی ہے۔ ذیل  
کے چند عنوانات سے کتاب کے مواد کا اندازہ کیا جاسکتا ہے:

موانع حیات میر قانع

[۹۷]

- ۱ - علم طب و متعلقات او
- ۲ - اسما' اعضا
- ۳ - اسباب غذا
- ۴ - ذکر آب و زمین
- ۵ - اجناس غله
- ۶ - اقسام سبزی و بقول
- ۷ - موسم کاشت
- ۸ - ذکر لحوم
- ۹ - ذکر شیر و متعلقاتش
- ۱۰ - عطریات و عقاقیر
- ۱۱ - طعام
- ۱۲ - اقسام فواکه
- ۱۳ - آلات و ادوات طبخ
- ۱۴ - اقسام پلاو
- ۱۵ - اصناف قلیه
- ۱۶ - بریانی و غیر آن
- ۱۷ - اقسام آش
- ۱۸ - اقسام کشک
- ۱۹ - اقسام آچار
- ۲۰ - اقسام خاکینه
- ۲۱ - اقسام حلویات و مالیده
- ۲۲ - الوان نان
- ۲۳ - اوقات طعام خوردن
- ۲۴ - حیوانات پوستینه
- ۲۵ - چرم دوزی و آلات آن
- ۲۶ - لباس پشمینی
- ۲۷ - لباس نفیس پشمینه
- ۲۸ - آلات ندف
- ۲۹ - آلات جولاهی
- ۳۰ - الوان اقمشه و اجناس آن
- ۳۱ - صباغی و الوان آن
- ۳۲ - اقسام کسوات
- ۳۳ - پاپوشها
- ۳۴ - اقسام متفرق جامها
- ۳۵ - آلات درزی و کشیده کاری
- ۳۶ - در عمارات
- ۳۷ - درود گری
- ۳۸ - الوان عمارات زمستانی و تابستانی
- ۳۹ - لوازم خانه
- ۴۰ - حیوان خانه داری
- ۴۱ - تجملات خانه از فروش و مراکب
- ۴۲ - در بیان طیور
- ۴۳ - لوازم شهریت
- ۴۴ - لوازم ترتیب شهر
- ۴۵ - اهل حرفت
- ۴۶ - تجارت و بیع و شرا'

- ۶۸ - سال عربی  
۶۹ - عدد ایام سال فارسی  
۷۰ - ماہ ہائے بحساب شمس  
۷۱ - ماہ ہائے ہندی و نام ہائے فارسی  
۷۲ - لوازمات سواری  
۷۳ - اسلحہ حرب  
۷۴ - جانوران شکاری  
۷۵ - حیوانات  
۷۶ - طیور خوردنی و غیر آن  
۷۷ - تشرب و اقسام آن  
۷۸ - اوقات تشرب  
۷۹ - تغنی و اوقات آن  
۸۰ - نعمات اہل فرس  
۸۱ - بیان سی لجن  
۸۲ - نام سراینده و سازها  
۸۳ - نعمات اہل ہند  
۸۴ - سیاحت و سیر  
۸۵ - صفت جبال  
۸۶ - لوازم بحار و مراکب  
۸۷ - جانوران آبی و اقسام ماہی  
۸۸ - حشرات موذی و غیر ہم  
۸۹ - اشجار و نباتات  
۹۰ - اوقات و جہات و اماکنہ
- ۴۷ - اسباب حکومت و متعلقات آن  
۴۸ - مناصب و القاب عہدہ داران  
۴۹ - تسجیل و دفاتر  
۵۰ - ضوابط و قواعد در اسمائے اصطلاحات  
۵۱ - الفاظ متعارفہ  
۵۲ - تاہل و تناکح و توالد  
۵۳ - آرایش عروس  
۵۴ - دامادی و صحبت  
۵۵ - لوازم مولود  
۵۶ - ابتدائے حمل  
۵۷ - لوازم طفل  
۵۸ - بازیہائے اطفال  
۵۹ - تعلیم و تعلم اطفال  
۶۰ - اصطلاحات علوم  
۶۱ - شعر و شاعری  
۶۲ - آداب دبیری  
۶۳ - علم لغت  
۶۴ - قواعد مساحت  
۶۵ - ضوابط علم نجوم  
۶۶ - اسمائے منازل ماہ  
۶۷ - تقسیم منازل بر بروج

کتاب کل ۱۸۵ صفحات پر ہے اور باریکی خط شکست میں تحریر ہے۔ آخر میں مصنف لکھتا ہے ”کاتبہ و مولفہ روز خمیس چہار دہم رجب سنہ ۱۱۹۸ھ“۔ کتاب کے مذکورہ عنوانات سے میر موصوف کی ہمہ گیر معلومات اور تحقیق و تجسس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ ان بیان کردہ عنوانات کے تحت نہ صرف متعلقہ معلومات فراہم کی گئی ہیں بلکہ اس سلسلہ کی کل لغت بھی شامل کی گئی ہے جن میں محاورے بھی شامل ہیں جن سے خود سندھی زبان کے بھی کتنے ہی متروکہ لفظوں کا پتہ چلتا ہے۔ اس کتاب کا واحد نسخہ حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب گڑھی یاسینی کے کتب خانہ میں موجود ہے (۱)۔

## ۲۱۔ ”مثنوی ختم السلوک“ (سنہ ۱۱۹۹ھ)

”ختم السلوک“ سے سال توتیب برآمد ہوتا ہے۔ یہ مثنوی تصوف کے سلسلہ میں ہے۔ کل ۲۸۶ صفحات اور فی صفحہ ۱۵ اشعار ہیں۔ پہلا شعر ہے :

من کہ باشم تا زمن دم از ثنا

جون بلا احصلی محمد زد ندا

آخری شعر جس سے سال تخلیق برآمد ہوتا ہے یہ ہے :

ہاتف اینجا دید حوش کا رم چو ....

سال وے گفتا بود ”ختم السلوک“

۱۱۹۹ھ

- 
- ۱۔ مذکورہ فہرست حضرت مولانا موصوف نے مرتب کر کے عزیزم آغا بدر الدین کے ذریعہ راقم الحروف کو عطا کی جس کے لئے ہر دو صاحبان کا ممنون ہوں۔

## نصفہ الگرام

اس مثنوی کا واحد نسخہ جو میر موصوف کے اپنے خط میں ہے اس وقت ادبی بورڈ کی ملکیت ہے۔ میر موصوف نے مثنوی کے پہلے تین صفحات پر مضامین کی جو فہرست درج کی ہے وہ ہم یہاں نقل کرتے ہیں تاکہ ناظرین اس مثنوی کی اہمیت اور افادیت کا اندازہ کر سکیں :

۱۔ مقدمہ در بیان علم قیام ۔

۲۔ مقالہ در بیان معرفت حق سبحانہ : در آنکہ

صحت عقل و رویت آیہ سبب معرفت است نہ علت معرفت ، اقوال شیخ در معنی معرفت ، معنی معرفت ، در خلاف نفس ، معرفت نفس کہ علم بان علم بحق است ، اقوال شیخ ، کیفیتہا ارتباط نفس بمعرفت الہی ، معرفت روح ، وصف روح اعظم ، در بیان آنکہ آدم مظهر روح کلی است ۔

۳۔ مقالہ در بیان توحید باری : اقوال شیخ ، توحید

ایمانی ، توحید علمی ، توحید حالی ، اقوال شیخ ، توحید الہی ۔

۴۔ مقالہ در بیان تصوف : وجہ تسمیہ ، تلقین ، لقب

صوفی ، معنی صوفی و متصوف ، اقوال شیخ در وصف صوفی و متصوف ۔

۵۔ مقالہ در بیان فقر : فقر و غنا ، جواب و سوال

ابن عطار و جنید ، اقوال شیخ ، تقسیم محققان فقر ۔

۶۔ مقالہ در بیان توبہ : معنی توبہ و اقسام آن و

خصوصیہ ، اختلاف اقوال شیخ در وصف و صحت آن ، احوال و مقامات و ارکان توبہ ، چہار مقام

- توبه، پنج ارکان توبه، نتائج توبه و درجات آن -
- ۲- مقاله در بیان توکل؛ مواضع اطلاق توکل،  
انقسام رزق، علو توکل و مشکلات -
- ۳- مقاله در بیان صبر؛ انواع متعلق صبر، انواع  
صبر، اقوال شیخ -
- ۴- مقاله در بیان شکر؛ مواضع شکر، اختلاف شیخ،  
معنی شکر، انواع شکر، تبیین و قسم نعمت، و  
دو قسم شاکران -
- ۱- مقاله در بیان رضا؛ حقیقت رضا و قسمین آن،  
انقسام راضیان -
- ۱- مقاله در بیان حال و مقام؛ فرق بین الحال و  
المقام، اختلاف در دوام حال -
- ۲- مقاله در خوف و رجا؛ بیان قسمین خوف و وصف  
هر یک، وصف رجا و ارتباط آن به خوف -
- ۳- مقاله در بیان جمع و تفرقه؛ تفضیل جمع بر تفرقه -
- ۴- مقاله در سکر و الصحو؛ تبیین مقامات واحدینی،  
اختلافی در فضل سکر و صحو -
- ۵- مقاله فی الفناء و البقا؛ تبیین اقوال دران -
- ۶- مقاله در بیان غیب و شهود -
- ۷- مقاله در بیان تجلی -
- ۸- مقاله در بیان محبت؛ اقوال شیخ -
- ۹- مقاله در بیان سماع و ما متعلق به؛ اباحت سماع  
شعر، اباحت اصوات، فواید چند مخصوصه، اقوال  
شیخ، مراتب اهل سماع، فی الوجد والوجود،

اختلاف شیخ ، در رقص و پاکوبی ، خرق خرقہ ،  
آداب سماع ۔

۲۔ مقالہ در لبس خرقہ ۔

۳۔ مقالہ در بیان اختلاف احوال مردمان و عد اقسام

آن و تبیین مشتبهان ۔

۴۔ مقالہ در بیان اہل ولایت ۔

۵۔ خاتمہ : متضمن تاریخ اختتام ۔

کتاب میں ایک مقدمہ ، اکیس مقالات اور ایک

نظم ہے ۔

۲۲۔ ”طوہار سلاسل گزیدہ“ (سنہ ۱۲۰۲ھ)

اس کتاب میں سندھ کے مشاہیر تصوف کے طریقت کے  
سلسلے بیان کیے گئے ہیں۔ سالہ تالیف مذکورہ نام سے برآمد  
ہوتا ہے۔ سندھ کے تصوف کی تاریخ کی حیثیت سے یہ کتاب  
بے حد کارآمد ہے۔ یہ صرف اسی کتاب سے معلوم ہو سکتا  
ہے کہ سندھ کے بزرگوں اور صوفیائے کرام کی طریقت و بیعت  
کے کیا سلسلے تھے۔ میر موصوف نے یہ کتاب وفات سے ایک  
سال قبل لکھی تھی اور جیسا کہ بیان ہوگا کتاب کا واحد  
نسخہ مصنف کے خط میں اور مہر کے ساتھ سندھی ادبی بورڈ  
کے پاس موجود ہے۔

۲۳۔ ”شجرہ اظہر اہلیت“ (سنہ ۱۲۰۲ھ)

نام سے سالہ تالیف برآمد ہوتا ہے۔ مذکورہ کتاب کی  
مآخذ یہ کتاب لکھ کر بھی میر موصوف نے تاریخ سندھ پر  
بڑا احسان کیا ہے لیکن افسوس کہ اس کے نسخے تلف ہو گئے  
اور کہیں سے بھی دستیاب نہ ہو سکے۔ ”معیار سالکان طریقت“

کے دیباچہ میں میر صاحب لکھتے ہیں :

در سال دویم و دوازده صد هجری که آفتاب  
عمر بر لب بام، و سبق حیات قریب باختتام،  
شصت و سه سال از عمر در رفت، و امراض چند  
طبیعت را تفت، اول شجره اهل بیت سند و غیره  
بقدر دریافت نوشته، ثانیاً طومارے در ذکر اسما  
سلاسل گزیده طریقت ہنگاشت؛ تاریخ اول  
'شجره' - اظہر اہلیت و تاریخ ثانی، 'طومار  
سلاسل گزیده' دست دادہ" (۱)

۲۴ - "معيار سالکان طریقت" (سنہ ۱۲۰۲ھ)

مصنف نے "تحفۃ الکرام" میں سندھ کی سوری تاریخ  
کے بعد سندھ کے بزرگوں، شاہیر اور صوفیائے کرام کا مجملہ  
ذکر کیا ہے۔ اس میں مصنف نے اصحاب تذکرہ کے سال ہائے  
ولادت و وفات یا زمانہ کا تعین نہیں کیا ہے معلوم  
ہوتا ہے کہ اس کمی و کوتاہی کو مصنف خود بھی محسوس  
کرتا رہا ہے۔ اسی وجہ سے وفات سے ایک سال قبل اس  
نے یہ تذکرہ مرتب کیا جس میں سندھ کے پانچ سو بزرگوں  
کے حالات بقید سنہ و سال یا زمانہ قلمبند کر کے "تحفۃ الکرام"  
کی کوتاہیوں کا ازالہ کیا۔ دیباچہ میں مصنف لکھتا ہے :

"بالجملہ عقدہ خاطر آن ماند، کہ مشائخ زمان  
بقید و مکان و انتساب سلاسل و اصحاب بیان  
آرد، این رسالہ موجز حاوی آن مقصد شدہ، و  
تاریخش در اسم "معيار سالکان طریقت" مبراہن



..... آنکہ صریح وے بتحریر سال وفات معلوم  
نشد بہ ہم عصران الحاقی کردہ، و اگر در  
حقیقت مابین زہادتی و کمی دہ بیست سال  
بودہ باشد..... مقصد آنکہ گویند فلانے در  
زمان فلان..... بودہ، یا ہلانے صحبت  
کردہ.....

جن [بزرگوں] کا سال اور زمانہ معلوم نہیں ہو سکا  
ہے انہیں مصنف نے آخر میں بیان کیا ہے۔ کتاب کا اختتام  
اس قطعہ پر ہوتا ہے :

در مرز دل چو تخم ولا نیکی گشتہ شد  
خوش رشتہ ز ریشہ..... رشتہ شد  
آن رشتہ بستہ گل بسر گل ازان نہال  
کز دست آیینار کرامات گشتہ شد  
بودہ ولانے اہل ولایت مراد من  
جز ذکر شان ہر آنچہ بلب بود شستہ شد  
بخشد عروج عرش صفا سیر این سواد  
زان رہ کہ ذکر ہر ولی اینجا فرشتہ شد  
بالفعل آنچہ گشت ز قوتِ ظہور آن  
روز ازل بطینت طبعم سرشتہ شد  
در آتش مجاہدہ جمع این کتاب  
بسیار روزگار روانم برشتہ شد  
تاریخ این رسالہ برائے عیار صبح  
”معیار ساکان طریقت“ نوشتہ شد

خوش قسمتی سے اس قیمتی کتاب کا ایک خوشخط نسخہ برٹش میوزیم (ADD 21,589) میں موجود ہے جسے سنہ ۱۲۴۶ھ میں میر مرحوم مراد علی خاں نے اپنے لئے لکھوایا تھا۔ راقم الحروف نے اس کی ”میکرو فلم“ نقل تیار کرا کے اپنے پاس محفوظ رکھی ہے۔

میر موصوف کے علمی شغف اور انہماک کی بے اختیار داد دینی پڑتی ہے جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ ترشہ برس کی عمر میں مختلف امراض کا شکار ہو کر صحت جسمانی سے محروم ہو جانے کے باوجود انہوں نے قلم ہاتھ سے نہ چھوڑا اور وفات سے صرف ایک سال قبل، ایک ہی سال کی مدت میں مذکورہ بالا تین نہایت قیمتی اور کارآمد کتب تصنیف کیں۔

۲۵۔ ”روضۃ الانبیاء“

اس کتاب کا سال تصنیف نہیں معلوم ہو سکا۔ ٹھٹھے کے فہرست نگار نے یہ کتاب بھی میر موصوف کی تصنیفات میں شمار کی ہے۔ میر مائل نے جو فہرست ”تحفۃ الکرام“ کے سرورق پر لکھی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کتاب نظم میں تھی۔ اس کا کوئی نسخہ موجود نہیں ہے۔

۲۶۔ ”زینت الاخلاق“

اس کتاب کا نام بھی میر مائل نے [فہرست میں] لکھا ہے۔ کتاب منظوم اور نصائح [کے ضمن] میں ہے۔

۲۷۔ ”ضوئید“

یہ سلوک و معرفت پر ایک منظوم کتاب تھی اس کا نام بھی میر مائل نے لکھا ہے۔

۲۸۔ ”قصاب نامہ“

میر مائل کی تحریر کے مطابق یہ کتاب بھی منظوم ہے۔

۲۹۔ ”میزان الافکار“

منظوم، سلوک و معرفت کے بیان میں میر مائل نے

یہ کتاب بھی فہرست میں شامل کی ہے۔

۳۰۔ ”تہذیب طباع“

اس کا نام بھی میر مائل کی فہرست میں آیا ہے۔ سلوک

کے ضمن میں تھی۔

۳۱۔ ”سرفراز نامہ“

ہند و نصائح کا مجموعہ ہے۔ نام سے قیاس ہوتا ہے کہ

یہ کتاب میر موصوف نے میان سرفراز خان کلہوڑا کے نام

معنون کی ہے اور غالباً منظوم ہے۔

۳۲۔ ”حدیقة البلغا“

اس کتاب کے موضوع کے بارے میں میر مائل نے کچھ

نہیں لکھا البتہ نام سے یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ غالباً علمی

کتاب تھی۔

۳۳۔ ”مثنوی کانِ جواہر“

میر مائل نے اس کی بھی کوئی تفصیل نہیں بیان کی۔

۳۴۔ ”میزان فارسی“

گمان ہوتا ہے کہ غالباً یہ تصنیف صرف و نحو پر تھی۔

۳۵۔ ”رسالہ معمارِ شرح“

نظم و نثر۔

۳۶۔ ”لب تاریخ کلہوڑہ“

اس کے بارے میں میر مائل کی فہرست سے معلوم ہوتا

ہے کہ نثر میں یہ کتاب بھی کلہوڑا خاندان کی ایک تاریخ تھی گویا اس موضوع پر یہ تیسری کتاب ہے جس کا نسخہ بھی تلف ہو گیا ہے۔

### ۳۷۔ ”بیاض محک الشعرا“

قدیم دستور کے مطابق میر موصوف نے اس کتاب میں متقدمین سے لے کر اپنے زمانہ تک کے فارسی گو شعرا کی ہم طرح غزلوں کا انتخاب کیا ہے۔ اس ترتیب کا خیال انہیں محسن ٹھٹھوی کے انتخاب کو دیکھ کر آیا۔ معلوم نہیں کہ کتاب کی ضخامت کیا تھی۔ ادبی بورڈ میں اس کے تین نامکمل نسخے خود میر موصوف کے رقم کردہ موجود ہیں جو اس انداز میں ہیں کہ بعض میں غزلیات کا انتخاب ہے اور بعض میں بعض اشارات کا۔ یہ بیاض [مذکورہ] ”محک“ کے مختلف اجزاء ہیں یا ”محک الشعرا“ نامی کوئی اور مکمل کتاب تھی اس کا پتہ نہیں چل سکا۔

### ۳۸۔ ”دیوان اشعار“

میر موصوف کا کوئی مکمل دیوان نہیں ملتا۔ میر مائل نے اپنی فہرست میں جس دیوان کا حوالہ دیا ہے وہ غالباً ضایع ہو چکا ہے۔

### ۳۹۔ ”قصاید و منقبت“

جس بیاض میں ”مکلی نامہ“ ہے، اسی بیاض کے شروع اور آخر میں میر موصوف نے اپنے قصائد اور مناقب وغیرہ شامل کئے ہیں جن کی تعداد ۲۶ تک ہوگی۔ اس میں بڑے بڑے قصائد اور طول طویل مناقب شامل ہیں۔ ایک قصیدہ ”لامیہ“ ۲۶۵ اشعار پر مشتمل ہے چند رباعیاں اور ایک نامکمل مثنوی بھی اس میں شامل ہے۔

(۳-۱۲) [نمبر ہر] سیر مائل کی فہرست میں دو اور کتابوں کے نام بھی دیئے گئے ہیں لیکن وہ پڑھنے میں نہیں آتے۔  
۳۳- "انشائے قانع"

سندھی ادبی بورڈ کی تحویل میں سیر موصوفہ کی انشا کا ایک نامکمل مجموعہ ہے جو بخود انہی کے خط میں ہے اس مجموعہ کے کل ۳۲ صفحات ہیں، سائز عام کتابی (کراؤن) ہے۔ اس میں خوب عبارت آرائی کی گئی ہے اور جا بجا سوزوں اشعار بھی چست کٹخت گئے ہیں۔ بطور نمونہ چند اشعار ذیل میں دیئے جاتے ہیں :

بسیار صبح شد کہ نسیمے نمی وزد  
اے گل مگر تو ہائے صبا را شکستہ ای

\* \* \*

گر بر تن من زبان شود ہر سو  
یک شکر تو از ہزار نتوانم کرد

\* \* \*

نشد کہ از سر ما ہجر دست پر دارد  
بہر دیار کہ رفتیم آسمان پیدا است

\* \* \*

ز تیغ شوق تو ہر عضو بسمل افتاد است  
مرا سفر بر فغان کاہل افتاد است  
زمانہ دشمن و من بی زبان وقت زبون  
اگر نہ رحم کنی کار مشکل افتاد است

\* \* \*

ز دیدہ دوری و از دل نمی روی بیرون  
خدا ہکس نماید وصال ہجر آمیز

قلم شکسته تر است از زبان نمیدانم  
 که شرح غم بکدامی زبان کنم تقریر  
 زبان کس نتواند جهات شکرش را  
 اگر بهر نفسی صد جو من کند تقریر  
 \* \* \*

شکوه نقصان داشته فصل از میان انداختم  
 نرخ ارزان بود کالا در دکان انداختم  
 \* \* \*

جنون بصف شکنی عقل در صف آرائی  
 دل کرانه طلب در میان تماشائی  
 \* \* \*

سوادش نور بخش دیده حور  
 بیاضش از فروغ صدق پر نور  
 عباراتش چو آب زندگانی  
 دور پیدا جواهر از معانی  
 \* \* \*

ما شرمسار مانده ز تقصیرهای خویش  
 لطف تو خود نمی نگرد خوب و زشت ما  
 \* \* \*

گر عظیم است از فرو دستان گناه  
 از بزرگان عفو کردن اعظم است  
 \* \* \*

خواستم تا شرح شوقِ صحبت سازم بیان  
ناشکیبا شد دلم رفت از کفم تاب و توان

\* \* \*

ضرورت است و گرنہ خدای میداند  
کہ ترک صحبت ایشان نہ اختیار من است

\* \* \*

### سلسلہ طریقت

میر صاحب کا خاندان مائل بہ تشیعت تھا۔ چنانچہ اسی وجہ سے نور اللہ شوستری نے ان کے ایرانی بزرگوں کو اپنی کتاب ”مجالس المؤمنین“ میں جگہ دی۔ میر صاحب کے ”مختار نامہ“ ”اعلان ضم“ ”زبدۃ المناقب“ اور دیگر سلام و منقبت کی کثرت تعداد سے بھی یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی اپنی طبیعت بھی مائل تشیعت تھی چنانچہ وہ جا بجا خود کو ”خادم اہلبیت“ لکھتے رہے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ ان کی وسیع المشربی کی یہ حالت تھی کہ کتنے ہی مقامات پر مندرجہ ذیل اقسام کے اشعار سے وہ خود کو تین یاروں سے بھی سرخرو بناتے تھے :

چو رافضی نکم سرد دل بہ بغض کسے  
ز چہار یار درین دہر گرم محفل ما ست

\* \* \*

نبود عجب بما نشد ار صاف رافضی  
کہ دل ز گرد کینہ اصحاب شستہ ایم

نہ صرف یہ بلکہ ان کے والد اور خود ان کی بیعت بھی سلسلہ نقشبندی سے تھی۔ چنانچہ ”طوبار سلاسل گزیدہ“

میں اپنا اور اپنے والد کا یہ سلسلہ بیان کیا ہے :

میر علی شیر مرید شیخ عبدالاحد کے ، وہ مرید اپنے والد حاجی غلام معصوم کے ، وہ مرید شیخ محمد اسماعیل کے ، وہ مرید حضرت قیوم زمان محمد صبغت اللہ کے وہ مرید خواجہ محمد معصوم بن مجدد الف ثانی کے ۔

ان کے والد میر عزت اللہ ، مخدوم آدم (عرف مخدوم آدو) کے نواسہ میاں محمد (۱) کے مرید تھے جو ٹھٹھہ کے مشہور بزرگ مخدوم ابوالقاسم (المتوفی سنہ ۱۱۴۸ھ) نقشبندی کے مرید تھے ، وہ شیخ سیف الدین (برادر محمد معصوم) کے مرید تھے اور وہ اپنے بھائی خواجہ محمد معصوم بن مجدد الف ثانی کے مرید تھے ۔

اسی طرح میر موصوف کے ننہالی خاندان میں سے سید رحمت اللہ عرف سید مٹھو بھی مخدوم ابوالقاسم نقشبندی کے مرید تھے ۔ اس کے علاوہ میر صاحب کے دیگر اعزہ ، سید محمد ناصر اور سید عبداللہ (پسران سید نعمت اللہ شکر اللہی) بھی مخدوم ابوالقاسم نقشبندی کی بیعت میں تھے اور اس طرح اس خاندان کے سلسلہ طریقت کا تعلق نقشبندیوں سے تھا ۔

میر صاحب کے والد عزت اللہ نے سنہ ۱۱۶۱ھ میں رحلت کی ۔ اس وقت میر موصوف کی عمر اکیس برس کی تھی ۔ اس حادثہ پر انہوں نے یہ تاریخ کہی تھی :

خرد گفت تاریخ سال وفات

”کہ پیوست با رحمت ایزدی“ ۱۱۶۱ھ

بعد میں انہیں معلوم ہوا کہ منشی چتر بھج نے قاضی محمد امین

۱ - لواری والے محمد زمان بھی انہی میاں محمد کے مرید اور

میر عزت اللہ کے پیر بھائی تھے ۔



کا مادہ تاریخ وفات ”برحمت ایزدی پیوست“ (سنہ ۱۱۶۰ھ) لکھا ہے چنانچہ انہیں اندیشہ ہوا کہ معاصرین کہیں ان پر سرقہ کا الزام نہ رکھیں چنانچہ ان کے اپنے لفظوں میں ”منعم غیبی، نے انہیں یہ نعم البدل عطا فرمایا:

”لله العزة و للرسول و للمؤمنین“ — ۱۱۶۱ھ

### اولاد

سنہ ۱۱۶۰ھ تک میر صاحب کے کوئی اولاد لرینہ نہیں تھی۔ اسی سال وہ سورت گئے۔ جہاں ان کی ملاقات علامہ سعد اللہ سورتی سے ہوئی۔ وہ بزرگ جید عالم اور معقولات میں بے نظیر تھے۔ ان کے دو فرزند تھے۔ میر عبدالعلی اور میر عبدالولی۔ [والد اور بیٹوں کے] ان تینوں ناموں میں یہ رمز تھا کہ اگر ان اسماء کے آخری الفاظ اکٹھا کئے جائیں تو اس سے ”علی ولی اللہ“ کا فقرہ بنے گا۔ میر موصوف کو یہ ترکیب بے حد پسند آئی اور انہوں نے ارادہ کیا کہ اگر خدا نے ان پر بھی فضل کیا اور ان کے اولاد ہوئی تو وہ بھی اسی ترکیب کے نام رکھیں گے۔ یہ بات انہوں نے خود بھی تحفة الکرام (ج۔ ۲، ص۔ ۲۳) میں لکھی ہے۔ اور ”تحفة الطاہرین“ کے مصنف شیخ محمد اعظم ٹھٹوی سے بھی بیان کی تھی جو اس وقت سورت میں مقیم تھے چنانچہ انہوں نے اس پر یہ نظم کہی تھی:

علی شیر ”قانع“ حسینی کہ او

بود زبده آل خیر البشر

ہمکے روز می گفت با من بہ راز

کہ ایزد بہخشد مرا دو پسر

یکے را بخوانم غلام علی  
 غلام ولی اللہ نام دگر  
 کہ از اسم شان سال میلاد شان  
 بہ پیش سخن گر شود جلوہ گر  
 ”علی، ولی اللہ“ از هر دو اسم  
 برآمد بوضع خوش و خوشتر  
 بخاموش ماندم ازین گفتگو  
 کہ این از کرامات باشد مگر  
 بدل گفتم آخر اگر عمر هست  
 شوم تجربہ را یکے منتظر  
 بسہ سال آن هر دو پور گزین  
 کہ ”قانع“ ازان داد سابق خبر  
 ولادت موافق باعداد نام  
 خدایش عطا کرد با زیب و فر  
 توای ”اعظما“ زین شگفتی مدار

کہ این گفته ز الہام دارد اثر (۱)  
 الغرض اس نیت و ارادہ کے بعد ان کا پہلا فرزند  
 سنہ ۱۱۶۱ھ میں تولد ہوا جس کا نام انہوں نے غلام علی (۲)  
 رکھا۔ نام سے سال ولادت برآمد ہوتا ہے [اس کے بعد]  
 سنہ ۱۱۶۳ھ میں ان کا دوسرا بیٹا پیدا ہوا جس کا نام انہوں نے

۱۔ بیاض حسام الدین، تحفۃ الکرام نسخہ لاہور (سرورق  
 بخط میر مائل)۔

۲۔ میر غلام علی ”مائل“ کے متعلق راقم الحروف کا مضمون  
 ”سہران“ (حیدرآباد ۱۱۵۵ھ) میں ملاحظہ ہو۔

غلام ولی اللہ رکھا۔ اس نام سے بھی سال ولادت برآمد ہوتا ہے۔ [اس طرح] میر صاحب کی تمنا پوری ہوئی اور دلی مراد بر آئی اور ان ناموں سے نہ صرف سال ولادت کی تاریخیں برآمد ہوتی ہیں بلکہ ان کے آخری حصوں کو ملائے سے [میر موصوف کی دلی آرزو کے مطابق] ”علی ولی اللہ“ کا فقرہ بھی بن جاتا ہے۔

سنہ ۱۱۷۱ھ میں میر موصوف کے ایک فرزند ہوا جس کا نام انہوں نے میر امیر علی رکھا۔ میان غلام علی ٹھٹھوی نے اس کی تاریخ ”در چمن جاہ شگفتہ گلے“ کہی اور میان محمد پناہ ”رجا“ نے یہ تاریخی سجع کہا :

”امیر علی بن علی شیر حسینی“ (سنہ ۱۱۷۱ھ)۔

میر موصوف کے خاندان کے موجودہ جانشین ’میر حسن علی شاہ، بن میر صابر علی ’صابر‘، بن میر حسین علی ’حسینا‘، بن میر صابر علی ’سائل‘ بن میر غلام علی ’مائل‘، کے پاس سے راقم الحروف کو جو شجرہ ملا ہے اس میں [میر مائع کے] چوتھے فرزند کا نام سید کالیم تحریر ہے جس کی کسی دوسرے ذریعہ سے تصدیق نہ ہو سکی اس کے علاوہ [مذکورہ] تیسرے فرزند کا نام غلام حسین مرقوم ہے جسے ہم میر امیر علی کی غریب تصور کرتے ہیں۔

شاگرد

میر صاحب نے اپنے شاگردوں کا کوئی [مفصل] ذکر نہیں کیا ہے۔ ”مقالات الشعراء“ میں صرف دو شاگردوں کے نام لائے ہیں۔ ایک ہررام ”مشتی“ تھے جن کے لئے وہ لکھتے ہیں کہ ”ہررام ”مشتی“ بھائیہ بن خواجہ عباس بن سجان سنگھ

(یہ دونوں حضرات میر کمال الدین احمد خان کے پاس میر منشی تھے)۔ ہرنام ہندی میں میر محمود ”صابر“ کا شاگرد تھا۔ وہ فارسی میں ”مشتی“ اور ہندی میں ”پیربل“ تخلص کرتا تھا۔ فارسی میں وہ میر ”قانع“ سے اصلاح لیا کرتا تھا۔ (مقالات الشعراء ص ۲۹)۔

یہ ذکر ”مقالات“ میں ہے اور میر موصوف نے مزید لکھا ہے کہ ”درین وقت نامبرده مشق سخن می کند“۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ ”مقالات“ کی تالیف کے زمانہ (سنہ ۱۱۶۹ تا سنہ ۱۱۸۴) میں ”مشتی“ ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرتا تھا۔ میر موصوف کا دوسرا شاگرد شیخ حسن بغھی ”اظہر“ تھا۔ جو پہلے ہندو تھا لیکن بعد میں اپنے والد جھوڑیل سمیت داخل اسلام ہو گیا تھا اور اس کے والد کا نام عبدالسلام رکھا گیا تھا۔ یہ نوجوان بھی فارسی اشعار کی اصلاح میر موصوف سے لیا کرتا تھا۔ (مقالات ص ۴۰)۔

میر مائل نے ”مجمع البیان“ کے نام سے سندھ کے فارسی گو شعرا کا جو تذکرہ لکھا تھا اس میں اس نے ضرور میر موصوف کے شاگردوں کا مفصل ذکر کیا ہوگا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ تذکرہ تلف ہو گیا جس کے ساتھ میر صاحب کے شاعرانہ فیض کا یہ باب بھی ضایع ہو گیا۔

#### وفات

میر صاحب نے اپنی زندگی کے آخری چند سال مختلف امراض اور نقاہت [کے عالم] میں گزارے جس کا اشارہ انہوں نے ”مہار سالکان طریقت“ کے دیباچہ میں کیا ہے۔ سنہ ۱۲۰۲ھ میں ان کی عمر تریسٹھ برس کی تھی لیکن اس نقاہت اور

مریضانہ حالت میں بھی انہوں نے علمی مشاغل، شعر و سخن اور تصنیف و تالیف کو جاری رکھا۔ اور آخر اسی ایک سال میں انہوں نے تین کتابیں تصنیف کیں جن کا ذکر سطور بالا میں کیا جا چکا ہے۔ آئندہ سال یعنی سنہ ۱۲۰۳ھ میں ۶۴ برس کی عمر میں انہوں نے وفات پائی۔ افسوس کہ ایسے عظیم المرتبت ادیب، مورخ، شاعر [اور تاریخ گو] کی ساعت و تاریخ وفات کسی نے محفوظ نہ کی اور نہ کسی نے اس کے مزار پر کتبہ ہی نصب کیا کہ سادات شکر اللہی کے قبرستان میں سندھ کے اس محسن اعظم کی آخری آرام گاہ پر کوئی عقیدت کیسے آج بھی جا کر عقیدت کے پھول اور سلاموں کے تجھے نذر کر سکتا۔

آخوند غلام محمد ٹھٹھوی نے ”علیہ الرضوان“ سے سال وفات برآمد کیا ہے اور میر مرحوم کے فرزند رشید میر غلام علی ”مائل“ نے ”البشرہ بالجنہ النعیم ابداء“ تجویز کیا ہے۔ یہ زمانہ [سندھ میں] ٹالپروں کی پہلی چہار باری کی فرمانروائی کا تھا۔ جس کا سر براہ میر فتح علی خاں تھا اور باقی تین بھائی میر غلام علی خاں، میر کرم علی خاں اور میر مراد علی خاں اس کے شریک کار تھے۔ اس طرح حکومت کرتے ہوئے انہیں چھ سال گزرے تھے۔

شکر اللہی خاندان

اس خاندان کے بزرگوں نے جس طرح کہ ایران میں علم کا چراغ روشن رکھا اسی طرح سندھ میں آنے کے بعد بھی اس کی بومانند نہ ہوئے دی اس خاندان کا ہر فرد اور اس گھرانہ کا ہر لعل اس کی جلا میں اضافہ کرتا آیا۔ یکم و بیش

ساڑھے تین سو سال تک سندھ کا چہہ چہہ اس خاندان کی روحانی ہولشانی سے منور ہوتا رہا اور اس خاندان کا ہر فرد زمانہ کا فرد فرہنگ ثابت ہوا۔ کسی نے روحانی تعلیم عام کی کسی نے علوم دنیوی کی اشاعت کی۔ کسی نے شعر و ادب کی فضا نکھاری اور کسی نے تصنیف و تالیف کو اپنا وطیرہ بنایا۔ تحفۃ الکرام میں میر موصوف نے اپنے خاندان کا جو اجمالی ذکر کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتنے ہی بزرگوں نے نہ صرف ساوک و طریقت کے سجادے آراستہ کئے بلکہ خود میر صاحب سے بھی پہلے ایسے کتنے ہی بزرگ گذر چکے ہیں کہ جنہوں نے شعر و سخن، ادب و انشا اور علوم مذہبی میں اپنا نام یادگار چھوڑا ہے۔

[مثلاً] سید شاہ ولی، بن سید ابوالقاسم، بن سید علی اکبر، بن سید عبدالواسع، بن سید محمد حسین بن سید شکر اللہ ثانی [اپنے دور کے] جید عالم اور بے مثل انشا پرداز تھے۔ وہ مخدوم رحمت اللہ کے شاگرد اور ”تحفۃ المجالس“ کے مصنف تھے۔ انہی بزرگ کے فرزند، میر سراج الدین ابوالقاسم، صاحب طرز شاعر اور تاریخ گوئی میں ایک خاص مقام کے مالک تھے۔ اسی طرح سید نظام الدین ثانی، بن سید نور محمد ثانی، بن سید نظام الدین، بن سید شکر اللہ ثانی اس پایہ کے صاحب کمال بزرگ تھے کہ انہیں عالمگیر بادشاہ نے بہار سے بلا کر اس ”ایڈیٹوریل بورڈ“ میں شامل کیا جو ”فتاویٰ عالمگیری“ کے مرتب کرنے کے لئے بنایا گیا تھا۔ سید موصوف نے اس میں خود کو ہر طرح اہل بھی ثابت کر دکھایا۔

میر علی شیر کے خود اپنے گھرانے میں بھی کتنے ہی

ادیب، مصنف اور شاعران شیریں بیان پیدا ہوئے۔ ان کے بھائی میر ضیاء الدین ”ضیا“ میر ٹھہارو خساں کے دربار کے ”ملک الشعرا“ تھے۔ وہ کتنے ہی دواوین کے مالک اور مثنوی ”میر رانجھا“ کے مصنف تھے۔ ان کے بھتیجے میر عظیم الدین ”عظیم“ میر فتح علی خاں کے درباری شعرا کے سر تاج اور اپنے دور کے عظیم المرتبت شاعر تھے۔ ایک دیوان، ”مثنوی، میر رانجھا“ اور ”فتح نامہ“ (میر فتح علی خاں سے منسوب) ان کی یادگار ہے۔ میر صاحب کے خود اپنے فرزند میر غلام علی ”مائل“ میر کرم علی خاں کے درباری شاعر اور بڑے فضل و کمال اور اوج و اقبال کے مالک تھے۔ میر ”مائل“ کے بعد بھی ان کی تین پشتوں میں شعر و سخن کا مشغلہ قائم رہا یعنی میر ”مائل“ کے فرزند میر صابر علی ”سائل“ ان کے فرزند میر حسین علی شاہ ”صیا“ اور ان کے فرزند میر صابر علی ”صابر“ اپنے اپنے دور اور زمانے کی مشہور شاعر رہے۔ آخری بزرگ کو تقریباً چالیس سال ہوئے کہ رحلت کی ہے اور ان بزرگ پر نہ صرف شعر و شاعری کا سلسلہ ختم ہوا بلکہ خاندان کی جملہ علمی، ادبی اور روحانی روایتوں اور وراثتوں کے بھی دروازے بند ہو گئے۔

تلک الایام نداولہا بین الناس

## دیباچہ

(از مصنف)

بسم الله الرحمن الرحيم

اس ذات ہے مثال و یگانہ اور ثنا و ستایش سے بلند و  
یگانہ کی حمد کے بعد کہ جس نے اس نادان و مسکین اور  
باخبر حضرات کے خوشہ چین کو ”تحفۃ الکرام“ کی دو جلدوں  
کی تالیف کی توفیق عطا کی، اور سیہ کاروں و خوش اعمالوں  
(ماری دلیا) پر مبعوث کئے گئے اس سید المرسلین کی نعت  
کے بعد جس نے اپنی غلامی کے فیض سے (راقم الحروف کو)  
سابقہ ہرگزیدہ بزرگوں کے خیالات کا متلاشی بنایا، واقف  
حضرات کے علم میں لایا جاتا ہے کہ [راقم الحروف کو]  
مقدمین و متاخرین کی کسی بھی کتاب میں سندہ کا اور  
خاص طور پر ٹھٹھہ کا مفصل ذکر نظر نہیں آیا۔ حالانکہ  
فی الواقعہ یہ خطہٴ مردم خیز اہل علم و معرفت سے آراستہ  
ہے۔ اسی وجہ سے میں اس کوشش میں منہمک ہوا کہ  
مختلف کتابوں سے مطلوبہ مواد حاصل کر کے اور اس میں



تحفة الکرام

کچھ مصدقہ خبریں شامل کر کے ، ایک مفصل جلد محفل احباب میں بطور تحفہ پیش کی جائے تاکہ وہ دعائے خیر سے یاد کریں اور نظر اصلاح سے بہلو تہی نہ فرمائیں ۔

ہر چند کہ ایک زمانہ گزرنے اور اس میدان میں کسی کے قدم نہ رکھنے کی وجہ سے پوری کامیابی کے ساتھ مقصود تک پہنچنا دشوار ہے تاہم نشانی کے لئے انبار میں سے ایک مٹھی ہی کافی ہے ۔ جو ہاتھ آیا وہ آیا اور امی کے بعد جو اس سے زیادہ کرے گا وہ سزاوار احسان ہوگا ۔

”قانع“ ابن تازہ راہ دور دراز

میکند طے بگام عجز و نیاز

ہر کہ گردد دلیل مقصد او

باد در دامن نبی بند او [۱]

—\*○\*○\*—

## مقدمہ

### ولایت (سندھ) کی تعریف اور اس کی خصوصیات کے بیان میں

ملک ”سندھ“ کا یہ نام ”حام“ بن نوح علیہ السلام کے فرزند ”ہند“ کے بھائی ”سند“ کے نام پر مشہور ہوا ہے۔ روئے زمین کے اکسٹھ ممالک میں سے یہ تینتالیسویں ملک کا نام ہے۔ پہلی اقلیم اس کے شمال سے اور دوسری اس کے وسط سے گذرتی ہے۔ یہ ملک پہلی، دوسری، تیسری، چوتھی اور پانچویں اقلیم میں مشترک ہے، جیسا کہ آگے تفصیل سے بیان ہوگا لیکن اس کا زیادہ حصہ دوسری ولایت کے خطے کے نیچے ہے۔ جس کی وجہ سے مکہ مطہرہ اور مدینہ منورہ کی پاک سرزمین سے اس کا حقیقی قرب ثابت ہے۔ کہتے ہیں کہ قدیم زمانہ میں سندھ کے نواح سے ایک اونٹ کم ہو گیا تھا جو تین دن بعد حجاز جا نکلا تھا۔ جس زمانہ میں محمد بن قاسم سندھ کے جہاد پر آیا ہوا تھا اس زمانہ میں قاصد [یہاں سے بغداد] سات دنوں میں آیا جایا کرتے تھے۔ بظاہر ایسا نظر آتا ہے کہ حادثات کے اثرات اور پہاڑوں اور سمندروں کے رد و بدل

کی وجہ سے وہ راستہ بند اور گم ہو گیا ہے۔ سکران کا پہاڑ اس کے مغرب میں اور کیکانان کا پہاڑ اس کی حدود میں داخل ہے۔ بیابان فلیس جو بیس فرسنگ (۶۰ میل) لمبا اور ہانی کی قلت اور پانی کی کمی کے لئے مشہور ہے وہ اسی میں ہے اور بحر محیط کے قریب جسے بحر عمان بھی کہتے ہیں ختم ہوتا ہے۔ دریائے سندھ جو کشمیر کے پہاڑوں سے نکلتا ہے، کابل کے پہاڑوں کے قریب دوسرا دریا بھی اس سے مل جاتا ہے اور نلتان کے قریب دریائے سیحون سے مل کر اور اسک میں شامل ہو کر یہ سمندر میں جا گرتا ہے۔ اس کا ہانی بے حد صاف اور اجلا ہے اور گرمیوں میں بھی کافی ٹھنڈا ہوتا ہے۔ سندھ کی زبان میں اسے ”سہران“ کہتے ہیں۔ مرزا حیدر نے ”رشیدی“ [۲] میں لکھا ہے کہ جنوب والے پہاڑوں میں جو دھارا جنوب کی طرف بہتا ہے، جیسے کہ: نیلاب (نیلم)، بیاس، چناب، لاہور اور سلطان پور والی ندیاں اور باجوارہ ندی وہ بحر ہند میں داخل ہوتا ہے اور اسی کا نام دریائے ”سندھ“ ہے۔ آج کل دریائے سندھ کے نچلے حصہ کے، جو ہندوستان سے گذرتا ہے، اس ملک میں ہر جگہ مختلف نام ہیں اور پنجاب تک اس کے کتنے ہی نام ہیں۔ اس ملک کی زمین، آب و ہوا کی عمدگی اور صبح و شام کی تازگی کی وجہ سے مشہور ہے۔ پنجاب کی طرف والا بالائی حصہ اور سمندر کے نزدیک والا خطہ حالانکہ کئی قدر گرم ہے لیکن سردی بھی مخصوص ہے۔ سندھ کی زمین مردم خیز ہے اور اس کے باشندے ”سکینی“ اور لیاقت میں ممتاز ہیں۔ یہاں اہل علم و یقین اور صاحبانِ حالی و معرفت بکثرت پیدا ہوتے رہتے

ہیں جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

قدیم زمانہ سے سندھ کے باشندوں میں کچھ رسمیں مشہور ہیں جو ہر چند کہ جہالت کی عادتیں ہیں لیکن عجیب ہیں اس لئے ذیل میں ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔

[مثلاً] جب کسی شخص پر کسی بڑے گناہ کا الزام عاید کیا جاتا ہے تو وہ شخص خود کو پاک دامن ثابت کرنے کے لئے بھڑکتی ہوئی آگ میں سے ”سمندر“ (۱) کی طرح صاف اور حضرت خلیل کی طرح بغیر کسی کھٹکنے کے گزرنے کا مظاہرہ کرتا ہے۔ جیسا کہ ”سسئی“ اور ”ماروئی“ کے احوال میں بیان ہوگا۔

[اسی طرح] گرم پھاوڑا ہاتھ پر رکھنے کا رواج بھی جاہلوں میں آج تک پایا جاتا ہے جس کا کچھ ذکر ”ماروئی“ کے بیان میں آئے گا۔ وہ اس طرح کرتے ہیں کہ تھمتی کے ہاتھ کو پہلے درخت کے ہرے پتے [۴] سے لپیٹ کر کچڑے دھاگے سے باندھ دیتے ہیں اس کے بعد پھاوڑہ گرم کر کے اس کے اوپر رکھ دیتے ہیں اور وہ شخص [اسے ہاتھ میں لے کر] دو چار قدم آہستہ آہستہ چلتا ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ پتے یا کچڑے دھاگے کو کوئی ضرر نہیں پہنچا لیکن جب پھاوڑے کو زمین پر پھینکا گیا ہے تو اس نے مٹی کو بھڑ بھونچے کی ریت کی طرح جلا دیا ہے۔ یہ یقیناً سچ کی

---

۱۔ سمندر = نور کا جانور جو آگ میں رہتا ہے لیکن آگ اسے مطلق نہیں جلا سکتی۔ کہتے ہیں کہ اگر کسی مقام پر مسلسل سو سال تک آگ جلتی رہتی ہے تو وہاں ”سمندر“ پیدا ہو جاتا ہے۔

برکت ہوتی ہے ، ورنہ ایسی آگ سے ہاتھ کیوں نہیں جلتا ! حال ہی میں ایک معتبر شخص سے سنا گیا ہے کہ ایک عورت دوسری عورت کا کنگن کا جوڑا چرا کر منکر ہو گئی ۔ جب پہاؤڑا اٹھانے کا وقت آیا تو وہ مکار عورت ان کنگنوں کے جوڑے کو روٹی سے بھری ہوئی ایک ٹوکری میں چھپا کر یہ ظاہر کرتی ہوئی میدان میں آئی کہ جیسے وہ [روٹی کاٹنے کے] کام میں مصروف تھی ۔ [پھر اس نے آتے ہی یہ ٹوکری فریادی عورت کے حوالہ کی کہ ”جب تک میں امتحان سے فارغ ہوں تب تک تو اسے سنبھالے رہ“ ۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ ”اس بات کی صداقت ثابت کرنے کے لئے ، کہ میں نے فلاں عورت کا کنگن کا جوڑا پایا تھا مگر پھر اسی کو دے دیا ہے ، میں پہاؤڑا اٹھاتی ہوں“ چنانچہ ایسا کرنے سے اسے کوئی ضرر نہ پہونچا ۔ لیکن چوں کہ حق ، حق ہے اس لئے فریادی عورت نے یہ دیکھ کر غصہ میں اس کی ٹوکری زمین پر پٹخ دی اور اس مکار عورت کے مکر کا پردہ فاش ہو گیا ۔

گہرے پانی میں ایک لمبی لکڑی گاڑ کر تھمتی سے کہتے ہیں کہ وہ اس لکڑی کو پکڑ کر ڈبکی لگائے اور جا کر تھہ میں بیٹھ جائے ۔ دوسری طرف ایک تیر پھینکتے ہیں جسے ایک آدمی جا کر اٹھا لاتا ہے اس کے بعد وہ پھر اس لکڑی کو جنبش دیتے ہیں اگر تھمتی بے گناہ ہوتا ہے تو اس وقت تک بیٹھا ہوتا ہے اور اشارہ پا کر باہر آ جاتا ہے ورنہ دوسری صورت میں [اٹنی دیر تک پانی میں] ہرگز نہیں رہ سکتا [۴] ۔

اس ملک کے لوگوں میں کتنی ہی حکمتیں، جنتر منتر، جادو ٹونے کے طور پر رائج ہیں۔ مثلاً دوسرے کے مٹھے سے مکٹھن چرا کر اپنے مٹھے میں لانا۔ ایک معتبر نے بیان کیا ہے کہ میں ایک گاؤں میں ایک عورت کا سہمان تھا جسکے پاس ایک گائے کے دودھ کا مٹھا تھا۔ مکٹھن نکالتے وقت وہ آگ لینے کے بہانے سے اپنی پڑوسن کے گھر گئی۔ پڑوسن کے سامنے بھی اس وقت مکٹھن نکالنے کے لئے مٹھے کا بڑا برتن رکھا ہوا تھا۔ چنانچہ وہ عورت ٹونا کر کے وہاں سے آگئی اور اپنے ایک گائے کے دودھ کے مٹھے میں سے اس نے دس گنا مکٹھن نکالا۔

بعض پہاڑی لوگوں میں جنہیں ”مانسنگھ“ کہتے ہیں ”کنگھی“ کا علم (۱) مشہور ہے۔ [یعنی] کنگھی کی تازہ

۱۔ اصل متن کی فارسی عبارت اس طرح ہے: ”دیگر۔ علم شانہ، معروف بعض مردم کوہ است، کہ شان را مانسنگھ، ناسند، از خطوط شانہ تازہ ہرچہ خواہند دریابند، و راست بواقعہ افتد۔“ اصل میں لفظ شانہ ہے جس کے معنی ہیں بالوں کو سنوارنے والی کنگھی، کرگھوں میں استعمال ہونے والی کنگھی، بھیڑ یا بکری کی اگلی ٹانگوں کی سینے سے ملی ہوئی چھٹی دندانی دار ہڈی وغیرہ۔ مذکورہ جملہ میں ”شانہ“ سے مراد غالباً بھیڑ یا بکری کی کنگھی ہے۔ فارسی زبان کی اصطلاح میں بھی ”شانہ بین“ ایسے شخص کو کہتے ہیں جو بکرے کی تازہ کنگھی دیکھ کر کسی بات کے متعلق پیشینگوئی کر سکے (دیکھیے (بقیہ حاشیہ ص ۸ پر)

لکھنؤ، سے وہ جو چاہتے ہیں معلوم کر لیتے ہیں اور وہ صحیح واقعہ کے مطابق ظاہر ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ پہاڑی لوگوں کا ایک گروہ اپنے دشمنوں کے خوف سے ہجرت کر کے کسی دوسرے مقام کی طرف جا رہا تھا۔ تھوڑا فاصلہ طے کرنے کے بعد ایک ”مانسنگھ“ نے [۵] ”کنگھی“ دیکھ کر کہا کہ ہم ہر حملہ کرنے کے لئے ایک فوج ہمارے نعائب میں آرہی ہے اب حیلہ کے سوا کسی طرح [اس مصیبت سے] چھٹکارا نہ ملے گا۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ ”مشکوں میں جتنا بھی ہانی ہے وہ سب زمین پر گرا کر اور اس میں سے ہو کر گزر جاؤ۔“ اتفاقاً دشمن کی فوج میں ایک دوسرا ”مانسنگھ“ کنگھی کے ذریعہ ان کی حالت معلوم کرنے لگا اور اس نے دیکھا کہ وہ دریا پار کر گئے ہیں۔ چنانچہ وہ مایوس ہو کر لوٹ گئے اور یہ حیلہ ان کی آزادی کا وسیلہ بنا۔ یہ تو خیر معمولی بات ہے لیکن ”کنگھی“ کے ذریعہ یہ قوم اور بھی بہت سی خبریں دیا کرتی ہے۔

[بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۵]

فارسی انگریزی ڈکشنری۔ تالیف اسٹیکس۔ مرزا قليچ بیگ نے بھی اپنے مخصوص انداز میں اس عبارت کا یوں ترجمہ کیا ہے ”یہاں کے پہاڑی لوگوں کو پیشینگوئی یا غیب کی باتیں بیان کرنے کا یہ ہنر آتا تھا کہ وہ ایک بکرے کو ذبح کرتے تھے اور پھر اس کا ایک دست یا اگلی ران نکال کر اور اس کی لکڑی اور نشان دیکھ کر غیب کی خبر دیا کرتے تھے“ (دیکھئے ”قدیم سندھ اور اس کے مشہور شہر اور باشندے“ ص ۴)

[کچھ لوگ] دو تین ہاتھ ایک دوسرے سے ملا کر زمین پر کھولتے ہیں اور اس طرح بھی خفیہ باتیں معلوم کر لیا کرتے ہیں ۔

[اس کے علاوہ کچھ] جگر کھانے والی عورتیں (ڈائینیں) بھی غیب کی باتوں سے واقفیت رکھتی ہیں جیسا کہ مرزا باقی کے بیان میں ظاہر ہوگا ۔

”جوکن“ کا علم جو کہ اکثر عورتوں سے ظاہر ہوتا ہے اس کی صداقت بھی راجہ داہر کے قصہ میں ظاہر ہوگی ۔

”ورتیہ“ نامی ایک اور قوم بھی گداگروں کی صورت میں پھرتی رہتی ہے۔ اس قوم کے لوگ ماضی اور دل کی خفیہ باتیں بتا کر لوگوں کو ٹھکا کرتے ہیں اور مستقبل کی بھی باتیں بیان کرتے ہیں جو بہت کم صحیح ثابت ہوتی ہیں ۔

پیروں کے نشانات پہچاننے کے فن میں بعض لوگ تو یہاں اتنے ماہر ہوتے ہیں کہ صرف پیر کے نشانات دیکھ کر ہی وہ مرد عورت اور اپنے پرانے کا فرق شناخت کر لیتے ہیں اور پہاڑ یا میدان میں بھی یہ نشانات گم نہیں ہونے دیتے بلکہ اکثر پانی اور کیچڑ میں بھی انہیں شناخت کر لیتے ہیں۔

سر زمین کتچھ میں ایک ایسی جماعت ہے جو تیر کی آواز سے نیکی یا ہدی کا فال لیتی ہے۔ اسی طرح دوسرے پرندوں اور حیوانوں کے بھی خاص [۶] انداز سمت یا مقامات سے برآمد ہونے پر اچھائی یا برائی کی پیشینگوئی کرتے ہیں۔ ایک شخص نے بیان کیا کہ میں ایک جماعت کے ساتھ چلا جا رہا تھا کہ اچانک ایک [ساتھی] شخص نے کہا کہ تم لوگ بھلے پیچھے آؤ مگر مجھے تیزی سے جانا ہے کیونکہ پرندوں کی



آواز سے گھر میں مسلمانوں کے آنے کی خبر ملتی ہے اور فلاں عزیز اس وقت فوت ہو گیا ہے۔ چنانچہ بالکل ایسا ہی ثابت ہوا جیسا اس نے کہا تھا۔

[اسی طرح] اس ولایت کے بعض عجائبات آئندہ بیانات کے ضمن میں اپنے مقام پر مذکور ہونگے اور خاتمہ پر پہاڑوں کے عجائبات بیان ہونگے۔

چونکہ بڑی [سابقہ] کتب میں صرف ناموں اور واقعات کے بیان پر اکتفا کی گئی ہے اسلئے اس کتاب میں مختصر طور پر بعض مشہور حالات کا اضافہ کیا جاتا ہے تاکہ ان حالات کے مقابلہ میں ایک خاص طرز معلوم ہو۔

مخفی نہ رہے کہ اگلے سندیہ باشندے چونکہ فارسی زبان سے نا واقف تھے اسلئے ملک اور بادشاہوں کے بیان میں کوئی بھی کتاب معرض وجود میں نہ آئی۔ البتہ سنہ ۸۶۱۳ میں آج کا باسی علی بن حامد بن ابو بکر کوفی اس وادی میں گامزن ہو کر بکھر اور الور کے شہر میں آنکلا۔ یہاں آکر اس نے عرب کے باقی ماندہ خاندانوں کے بزرگوں سے ملاقات و جستجو کی تاکہ اسے فتوحات اسلامی کے صحیح حالات معلوم ہو سکیں۔ آخر کار وہ قاضی اسماعیل بن علی بن محمد بن موسیٰ بن طائی تک جا پہونچا، ان بزرگ کے پاس اس نے عربی زبان میں ایک مسودہ دیکھا جو سندھ اور سندھ کی تسخیر کے واقعات پر ان کے بزرگوں کا تحریر کردہ تھا [چنانچہ اس نے] اس کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ اسکے بعد میر محمد معصوم بکھری اور اسکے بعد میر محمد طاہر نسیانی نے اکبر اور جہانگیر کے عہد میں تصنیفات کیں۔ اسی طرح ”ارغون نامہ“ ”ترخان نامہ“ اور

”یگلار نامہ“ بھی لکھی گئی جس کے بعد نئے حالات کسی نے تحریر نہیں کئے ہیں۔ [۷]

اب ان اوراق کو سیاہ کرنیوالا (مصنف) اللہ تعالیٰ کی تائید و توفیق کے ساتھ اپنے وقت تک کی [دریافت شدہ] مختلف کتب کے منتخب ماخذوں کے سہارے [نئے سرے سے اس میدان میں] قدم اٹھاتا ہے اور بعض تازہ حالات کی تحقیق میں تگ و دو کرتا ہے۔ امید کہ ہر عام و خاص شخص کو [بہ کاوش] پسند آئیگی۔ ”رب یسر و تممہ بالخیر“ (اے مولیٰ! آسان کر اور تمت بالخیر کر)۔ [۸]



## پہلا باب

### رائے خاندان

جاننا چاہئے کہ سطور مذکورہ بالا کے مطابق جب ملک سندھ "سند" کے نام پر مشہور اور اس سے منسوب ہوا تو اس کی اولاد یکے بعد دیگرے اس ملک پر حکومت کرتی رہی۔ ان سے بے شمار قومیں پیدا ہوئیں جن کا کتب میں کوئی ذکر نہیں ہے مثلاً "نبیہ" (۱) "تاک" اور "سومید" (۲) اقوام جو باری باری یہاں حکومت کرتی رہی ہیں۔ لیکن ان کی تفصیل نہیں معلوم ہو سکی ہے۔ اس لئے [یہ کتاب] سب کے بعد کے طبقے یعنی رائے خاندان کے بیان سے شروع کی جاتی ہے اس کے بعد دوسری قوموں کا ذکر کیا جائے گا۔ ان کا پایہ تخت شہر الور تھا۔ ملک کی حدود مشرق میں کشمیر و قنوج تک، مغرب میں مکران اور ساحل بحر عرب یعنی دیبل بندر تک، شمال میں سورت بندر اور جنوب میں

۱۔ نسخہ "ن" میں "نبیہ" ہے۔ (نبیہ = باتیہ = بھائیہ ؟)

۲۔ نسخہ "ن" میں "مامید" ہے۔

لندھار، سیستان، کوہ سلیمان، کردان اور کیکانان تک پھیلی ہوئی تھیں۔

چونکہ اس خاندان کی ابتدا کے بارے میں مستند معلومات حاصل نہیں ہیں اس لئے جو نام معلوم ہیں ان کے مختصر بیان پر اکتفا کی جانی ہے۔

”رائے دیوائج“ [اس خاندان کا] بڑا جلیل القدر بادشاہ تھا۔ مذکورہ حدود میں مستقل طور پر اس کی حکمرانی تھی۔ ہندوستان کے بارے بادشاہ اس کے مخلص اور خیر خواہ تھے۔ ہوشیار عمال کے توسط سے ملک کا سارا [۹] کاروبار خاطرخواہ طور پر چلتا رہا۔ اس کے فوت ہونے پر اس کا بیٹا ”رائے سیہرس“ تخت و تاج کا مالک ہوا اور اپنے باپ کی طرح کافی مدت عرصہ و آرام کے ساتھ زندگی گزار کر تخت سے تختہ کو جا پہنچا۔ اس کے بعد اس کا نامور فرزند ”رائے ساہسی“ کتنی ہی مدت تک تخت پر موجیں مارتا رہا اور بزرگوں کی اچھی رسمیں [اس نے] بدستور جاری رکھیں۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ”رائے سیہرس دوم“ اس کا جانشین ہوا۔ اس پر نیمروز کے بادشاہ نے فوج کشی کی۔ جس کی خبر سنتے ہی [اس نے] کیچ کی حدود کے قریب جا کر اس کا مقابلہ کرنے کے لئے میدان جنگ آراستہ کیا۔ صبح سے لے کر دوپہر تک جنگ کی آگ بھڑکتی رہی۔ اچانک اس کے گلے میں ایک تیر لگا اور وہ فوت ہو گیا۔ نیمروز کا بادشاہ اس کے لشکر گاہ کو تاخت و تاراج کر کے واپس چلا گیا۔ [اس کے بعد] سیہرس کے لشکر نے جمع ہو کر اس کے بیٹے ”ساہسی“ کو تخت پر بٹھایا۔ ”رائے ساہسی دوم“ اپنے بزرگوں سے بھی زیادہ پسندیدہ اطوار

کا حامل نکلا۔ اس نے کچھ ہی عرصہ میں سلطنت کی حدود کا بندوبست کر لیا اور پایہ تخت میں سکون و آرام کے ساتھ رہنے لگا۔ لگان کی بجائے اس نے رعایا کو چھ قلعوں — آج، ماتھیلہ، سیورائی، مٹو، الور اور سیوستان کو مٹی سے بھر دینے کا حکم دیا۔

کہتے ہیں کہ اسکے پاس ”رام“ نامی ایک شخص صاحب اور بدھیم نامی ایک وزیر تھا۔ ایک دن سیلائج نامی ایک مشہور برہمن کا بیٹا ”چچ“ صاحب ”رام“ کے پاس حاضر ہوا۔ صاحب اسکی صحبت سے بے حد خوش ہوا اور اسے وزیر تک پہنچا دیا۔ اتفاق سے چچ کے ایک خاص ملازم کی حیثیت سے [دربار میں منسلک] ہو جانے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد وزیر بیمار ہو گیا اور ادھر باہر سے آئے ہوئے کچھ خطوط پڑھنے کے لئے رائے کی جانب سے طلبی ہوئی۔ چونکہ [وزیر] فن انشا میں چچ کی [۱۰] کامل مہارت دیکھ چکا تھا اسلئے اپنی بجائے [اس نے] اسے بھیج دیا۔ راجہ محل سرا میں تھا اس نے چچ کو اندر بلا لیا۔ راجہ کی بیوی رانی ”سوہندی“ نے پردہ میں جانا چاہا لیکن ساہسی نے کہا کہ برہمن سے کیا پردہ ہے (۱)۔ برہمن (چچ) کے اندر آنے کے بعد ساہسی اسکی فصاحت و بلاغت سے بے حد خوش ہوا اور

۱۔ چچ نامہ میں یہ واقعہ اس کے برعکس ہے یعنی جب چچ محل سرا میں داخل ہوا تو رائے نے رانی سے پردہ میں چلے جانے کو کہا لیکن رانی نے اصرار کیا اور کہا کہ برہمن سے کیا پردہ ہے اس رانی کا نام ”سوہندی“ یا ”سوہندی“

اسے جوابات تحریر کرنے کا حکم دیا۔ اور جب راجہ پر اس کی انشا پردازی کا کمال ظاہر ہوا تو اس نے حکم دیا کہ آج کے بعد اسے نائب وزیر کا عہدہ دیا جائے تاکہ محل سرا میں آکر ضروری سوال جواب کرتا رہے۔ اسی عرصہ میں رانی کا دل چچ کی طرف اائل ہو کر بے اختیاری کی حد کو جا پہنچا۔ وصال کے لئے اس نے کتنے ہی پیغامات بھیجے مگر چچ نے قبول نہ کیا۔ چچ کا کاروبار ترقی کرتا رہا اور بالآخر خورد و کلاں سب اسکے احسان اور قابلیت کے ممنون ہو گئے۔ اتفاقاً بخت کی بناوری سے رائے ساہسی مرض الموت میں گرفتار ہو گیا۔ [اس موقع پر] رانی نے چچ کو بلا کر کہا کہ ”دیکھو رائے کا یہ حال ہے۔ اس کا کوئی فرزند نہیں ہے اسکے اعزہ ہی ملک کے وارث ہوں گے۔ اور وہ مجھے اور تجھے ہرگز نہ بخشیں گے۔ [اسلئے اب ارادہ ہے] کہ کوئی حیلہ کروں تاکہ سلطنت تجھے مل جائے۔“ چچ کے قبول کرنے پر رانی نے امرا کو پیغام [۱۱] بھیجا کہ ”رائے ساہسی کو کچھ افاقہ ہوا ہے لیکن ابھی باہر نکلنے کی طاقت نہیں ہے۔ دوسری طرف کتنے دن گذر گئے ہیں کہ مملکت کے معاملات معطل چلے آتے ہیں چنانچہ اس وقت اس نے اپنی سہر چچ کے حوالہ کی ہے تاکہ اسکی طرف سے تخت پر بیٹھ کے نائب کی حیثیت سے وہ کاروبار مملکت سنبھالے، چنانچہ تم سب فی الفور حاضر ہو۔“ اس حکم کی اطاعت کرتے ہوئے جملہ امرا اور سرکردہ افراد نے حاضر ہو کر چچ کو سلامی دی اور اسکے آگے دو زانو ہو گئے۔ اسکے فوراً بعد ساہسی انتقال کر گیا۔ رانی نے پہلے تو یہ ہندوبست کیا کہ اسکے شوہر کی وفات کی خبر

کسی کو نہ ہوا، اسکے بعد [رائے کے] ان قریبی عزیزوں کو جو ملک کے دعویدار تھے ایک ایک کر کے وصیت کے بہانے سے بلا کر قید کر دیا۔ پھر اسکے بعد [رائے کے] مفلوک الحال عزیزوں کو بلا کر اس نے کہا کہ ”میں نے ملک کے دعویدار سرداروں کو تمہارے لئے قید کر دیا ہے۔ اب تم میں سے ہر ایک کو چاہئے کہ قید خانہ میں جا کر جسے اپنا حریف سمجھے قتل کر کے جا کے اسکے گھر بار اور عہدہ پر متصرف ہو اور چیچ کی اطاعت قبول کرے تاکہ پوری مرادیں حاصل ہوں۔“ [رائے کے] قلاش عزیزوں نے اسکو غنیمت جان کر فوراً اس پر عمل کیا۔ چنانچہ اس نے ہر ایک کو بلا کر نوازا اور اسے چیچ کے حوالہ کر دیا۔ اسکے بعد اس نے اپنے شوہر کی لاش کو باہر نکالا اور اسکا کریا کرم کیا۔

مذکورہ بالا جملہ پانچوں راجاؤں کا عرصہ حکومت

ایک سو سینتیس - ۱۳۷ - سال لکھا ہے۔ جسکے بعد برہمنوں

کی حکومت شروع ہوئی۔ - [۱۲]



## دوسرا باب

### برہمن حکمرانوں کا طبقہ

ان میں پہلا ”چچ بن سیلاچ“ تھا۔ مذکورہ بالا طریقہ سے جب چچ ملک کا پہلا [برہمن] وارث ہوا تو رانی کے کہنے کے مطابق خزانوں کے دروازے کھول کے اس نے عام و خاص لوگوں کو اپنے دام احسان میں گرفتار کر لیا۔ چنانچہ رانی نے اس کے کاروبار کو تسلی بخش دیکھ کر خاص برہمنوں اور امیروں کو بلا کر کہا کہ [اب] مجھے چچ کے لئے حلال کرو (۱)۔ چنانچہ دستور کے مطابق انہوں نے اسے چچ کے نکاح میں دے دیا۔ یہ خبر سن کر ساہسی رائے کا ایک عزیز رانا مہرتھ چتوری (۲) بے شمار لشکر کے ساتھ

---

۱۔ یعنی چچ سے میرا نکاح کرو۔ چچ نامہ میں یہ نکاح چچ کے مہرتھ رائے پر فتح پانے کے بعد بیان کیا گیا ہے۔

۲۔ چچ نامہ میں رانا مہرتھ چتوری کو ساہسی رائے کا بھائی بیان کیا گیا ہے۔



جیسلیمیر کے قریب آ پہونچا (۱) اور چیچ کو خط لکھا کہ ”برہمنوں کا حکومت و سلطنت سے کیا واسطہ؟ تجھے خود ہر رحم کرتے ہوئے حکومت سے [۱۳] دست بردار ہو جانا چاہئے۔ ایسا کرنے پر تجھے تیرے سابقہ عہدہ پر بحال رکھا جائے گا۔“ اس پر چیچ تردد میں مبتلا ہو گیا اور رانی سے جا کر کہنے لگا کہ ”طاقتور دشمن آن پہونچا ہے اب تیری کیا رائے ہے؟“ رانی نے جواب دیا ”جنگ کی باتیں مرد ہی جانتے ہیں۔ اگر تو میری جگہ [پردہ میں] بیٹھ رہے اور اپنے کپڑے اتار کر مجھے دے تو میں جا کر دشمن کا مقابلہ کروں“ [یہ سن کر] چیچ بڑا شرمندہ اور متاثر ہوا۔ اس پر رانی نے اس کی دلدھی کرتے ہوئے کہا کہ خزانے تیرے تصرف میں ہیں۔ فتح یاب ہونے کے لئے نئے سرے سے لشکر کا دل قبضہ میں لے۔“ چنانچہ چیچ فی الفور لشکر تیار کرنے میں مصروف ہو گیا اور بے شمار رقم خرچ کر کے جنگ کے لئے مستعد ہو گیا۔ اسی اثنا میں رانا مہرتھ بھی اروڑ کے نواح میں آ پہونچا۔ جب دونوں فریق ایک دوسرے کے مقابل ہوئے تب رانا مہرتھ نے آگے بڑھ کر کہا کہ ”جنگ میرے اور تیرے درمیان ہے۔ اس لئے خلق خدا اس میں کیوں برباد ہو؟ آ کہ۔ صرف ہم دونوں آپس میں زور آزمائی کر لیں۔“ چیچ نے جواب دیا کہ ”میں برہمن ہوں، سوار ہو کر جنگ کرنی مجھے نہیں آتی [تو کھوڑے سے] اتر

---

۱۔ چیچ نامہ کا مولف اس موقع پر جیسلیمیر کا کوئی ذکر نہیں

کرتا بلکہ اس کی بجائے یہ بیان کرتا ہے کہ رانا مہرتھ

اروڑ سے ایک فرسنگ (تین میل) کے فاصلہ پر آ کر

خیمہ زن ہوا۔

کر آتومیں مقابلہ کروں۔“ رانا مہرتھ نے اس پر گھوڑے کو چھوڑ دیا۔ [اس طرف] چچ نے اپنے سائیس کو کہا کہ آہستہ آہستہ گھوڑا سیرے پاس لے آنا۔ رانا مہرتھ اس فریب سے ناواقف تھا چنانچہ پیادہ چل کر وہ اس کے مقابلہ پر آیا۔ [موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے] چچ بھرتی کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہوا اور ایک ہی وار میں دشمن کا کام تمام کر دیا۔ رانا کا لشکر شکست کھا کر اور لٹ پٹ کر واپس لوٹ گیا اور چچ فتح مند ہو کر اروڑ آیا۔ یہ واقعہ ہجرت نبوی علیہ السلام کے پہلے سال کے قریب کا ہے۔

قصہ کوتاہ رانا مہرتھ پر فتح پانے کے بعد چچ، بدھیمین وزیر کے مشورہ پر اپنے بھائی چندر کو نائب کی حیثیت سے اروڑ پر مامور کر کے خود اپنی مملکت کی سرحدیں متعین کرنے کی طرف متوجہ ہوا [۱۴] چنانچہ سیوستان کے حاکم ”متی“ نے [بے جون چرا] اس کی اطاعت قبول کی۔ برہمن آباد کے حاکم ”اگھم“ لوہانہ نے بھی سر تسلیم خم کیا (۱) اور ”سویس“ عرف

۱۔ فتح نامہ میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ سیوہن کے حاکم ”متو“ اور برہمن باد کے حاکم ”اگھم لوہانہ“ نے چچ کی اطاعت قبول نہیں کی تھی بلکہ ”متو“ شکست کھا کر قنوج کی طرف بھاگ گیا تھا اور اگھم جنگ کے ایام ہی میں فوت ہو گیا تھا جس کے بعد اس کے بیٹے نے چچ کی اطاعت قبول کی تھی۔ چچ نامہ میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ سویس کا قلعہ چچ نے جنگ کر کے فتح کیا تھا اور اس کے بعد وہاں کے حاکم کے بیٹے ”وکیہ“

[بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰ پر]

”سبوی“ قلعہ کے حاکم کبہ بن کا کہ چنہ (۱) نے جس کا پایہ تخت ”کا کا راج“ تھا، اس نے بھی سوہس قوم سمیت اس کی اطاعت قبول کر لی۔ اس طرح چالیس سال کامیابی کے ساتھ گزار کر [چچ] انتقال کر گیا۔

اس کے بعد اس کا بھائی ”چندر بن سیلائج“ اس کا قائم مقام ہوا۔ [اس موقع پر] سیوستان کے حاکم ”متو“ نے قنوج کے راجہ کے پاس جا کر کہا کہ ”چچ وفات پا گیا ہے اور اس کا بھائی اس کا جانشین ہوا ہے۔ اگر آپ توجہ کریں گے۔ تو ایسے میں آسانی کے ساتھ ملک قبضہ میں آجائے گا“۔ یہ سن کر اس نے اپنے بھائی ”بسایس“ کو اس کے ساتھ روانہ کیا۔ جب چندر نے یہ خبر سنی تو اس نے فی الفور جنگ کا ضروری بندوبست کیا۔ بسایس اور متو کچھ عرصہ تک ملک میں ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مارتے رہے، اروڑ پر حملہ کرنے کے حیلے کرتے رہے لیکن کوئی چارہ کار نہ دیکھ کر بالآخر صلح کر کے واپس ہو گئے (۲) [۱۵] جس کے بعد چندر کے کاروبار کو تقویت ملی۔ پھر سات سال حکومت کرنے کے بعد آٹھویں سال وہ بھی فوت ہو گیا۔

[بقیہ حاشیہ ص ۱۹]

(۱) ”کبہ“ جیسا کہ اوپر درج کیا گیا ہے) نے آکر اپنے باپ اور رعایا کے لئے امان طلب کی تھی۔ (دیکھئے فتح نامہ ص ۳۹-۴۸)

۱۔ فتح نامہ میں ”کبہ بن کا کہ“ ہے۔

۲۔ فتح نامہ میں قنوج کے راجہ کا نام ”سپیرس“ اور اس کے بھائی کا نا ”برہاس“ دیا گیا ہے۔

اس کے بعد اسکا بھٹیجہ اور چچ کا بیٹا ”داھر“ تخت سلطنت پر رونق افروز ہوا۔ اس نے اپنے بھائی ”دھر سین“ کو اپنی جانب سے برہمنباد پر مامور کیا اور وہ جا کر وہاں رہنے لگا (۱)۔ ایک دن [داھر نے] نجویوں سے اپنی قسمت کا حال دریافت کیا۔ انہوں نے کہا کہ ”آپ کے اور آپکے بھائی کے طالع میں تو کوئی نحوست نہیں ہے البتہ آپ کی ہمشیرہ کا نکاح ایسے شخص سے ہوگا کہ جو اروڑ اور ملک کا وارث ہوگا“ چنانچہ ملک کبر نکل جانے کے خوف سے اس نے اپنی بہن سے نکاح کر لیا لیکن مباشرت سے احتراز کرتا رہا۔ یہ خبر سن کر اس کے بھائی دھر سین نے غصہ میں اس پر چڑھائی کردی لیکن اروڑ کے نزدیک پہونچکر اچانک خسره کے مرض میں مبتلا ہو کر فوت ہو گیا۔ داھر اس کا کریا کرم کر کے برہمن آباد گیا اور اس کی بیوی کو جو اکھم لوہانہ کی بیٹی تھی اپنے نکاح میں لایا۔ پھر ایک سال [۱۶] وہاں رہ کر اور دھر سین کے بیٹے چچ کو وہاں مامور کر کے اروڑ واپس چلا آیا (۲) اور اروڑ کا قلعہ جسے اس کا باپ چچ ادھورا

۱۔ فتحنامہ کے مطابق چندر کے مرنے کے بعد برہمن باد پر پہلے چندر کے بیٹے ”راج“ نے قبضہ کیا اور جب ایک سال بعد وہ مر گیا تو دھر سین بن چچ اسے اپنے تصرف میں لایا۔ چچ کی بیٹی ”بھائی“ بھی دھر سین کے پاس تھی۔ دھر سین داھر سے بڑا تھا اس لئے وہ برہمن باد پر بطور حود حکومت کرتا تھا داھر کی جانب سے نہیں۔ (دیکھئے فتحنامہ

ص ۵۸-۶۳)

۲۔ چچ نامہ کے مطابق داھر برہمن باد سے اروڑ نہیں بلکہ [بقیہ حاشیہ ص ۲۲ پر]

چھوڑ گیا تھا اسے مکمل کرایا اس کے بعد اس نے اپنا ایسا دستور العمل بنایا کہ سردیوں کے چار ماہ برہمنا ہاد میں رہا کرتا اور بہار کے چار ماہ اروڑ میں گزارا کرتا (۱) اس طرح اس نے آٹھ سال گزارے اور رفتہ رفتہ کاروبار مملکت خاطر خواہ طریقہ پر ضابطہ میں آ گیا۔ اس کے بعد وہ مشرقی سرحد کی سیر کر کے اور کشمیر کی سرحد پر نشان کے طور پر سرو کے دو ہودے لگوا کر واپس چلا آیا (۲)۔

### علائی عربوں کے [داہر سے] آملنے کا بیان

راویان اخبار نے اس طرح بیان کیا ہے کہ ”عبدالملک بن مروان“ کے عہد خلافت میں جب ”حجاج“ نے دونوں عراقوں (۳) کی حکومت قبضہ میں کرنے کے بعد سندھ اور ہند پر آنکے جمائی اور ”سعید“ کو مکران بھیجا تو اس نے (سعید نے) [مکران] آ کر ”سفہوی بن لام“ حماسی کو قتل

[بقیہ حاشیہ ص ۲۱]

”راؤر“ گیا تھا اور جا کر اس ناکمل قلعہ کو مکمل کرایا تھا یہاں غالباً کتابت کی غلطی سے ”راؤر“ کو اورڑ لکھا گیا ہے۔

۱۔ چچ نامہ میں مزید لکھا ہے کہ داہر گرمی کے چار ماہ ”راؤر“ میں گزارا کرتا تھا۔

۲۔ چچنامہ میں داہر کی سرحدوں کی سیر کا کوئی ذکر نہیں البتہ چچ کے بیان میں کہا گیا ہے کہ اس نے کشمیر کی سرحد پر صنوبر اور بید کے دو درخت نشان دہی کے لئے لگوائے تھے۔

۳۔ عراقین یعنی عراق، عجم اور عراق عرب۔

کر دیا۔ جس پر ”بنی اسامہ“ (۱) قبیلہ کے غریبوں میں سے ”عبداللہ بن عبدالرحیم“ اور [۱۷] ”محمد بن معاویہ“ نے آپس میں مشورہ کیا کہ سعید نے سفہوی کو جو ہمارے خاندان اور طرف کا تھا بے گناہ قتل کیا ہے لہذا ہمیں متفق ہو کر اس کی پیغ کنی کرنی چاہئے۔ اسی فیصلہ کے مطابق بغاوت کر کے اور سعید کو قتل کر کے وہ مکران پر متصرف ہو گئے لیکن کچھ عرصہ بعد ڈر کر خراسان کی طرف بھاگ گئے۔ جب ”مجاہد بن عمر“ خراسان فتح کرنے کے لئے کرمان آیا اور عبدالرحمان بن اشعث کو [بطور مقدمہ] روانہ کیا تو علانی ایسے راستہ میں قتل کر کے سندھ کی طرف بھاگ آئے اور آکر داہر کے پاس پناہ گزیں ہوئے۔ داہر نے بھی انہیں کاروبار مملکت کے لئے غنیمت سمجھتے ہوئے اپنے پاس رکھ لیا۔ مذکورہ علانی ”محمد بن قاسم“ کی آمد اور سندھ کے فتح ہونے تک یہیں رہے اور آخر کار انان نامہ حاصل کر کے محمد بن قاسم سے آمالے (۲)۔

قصہ مختصر، ہندوستان کے بعض بادشاہوں نے داہر کے استقلال کی خبر سن کر آپس میں مشورہ کیا کہ داہر کے اس طرف رخ کرنے سے پیشتر ہی ہمیں اس پر لشکر کشی کر دینا چاہئے تاکہ اس کی سلطنت پر بھی اپنا قبضہ ہو جائے۔

۱۔ اصل متن میں ”بنی اسامہ“ ہے۔ (غالباً صحیح بنی اسامہ)

۲۔ فتحنامہ میں علانیوں کے فرار ہونے کا بیان زیادہ تفصیل

سے موجود ہے لیکن اس میں عبدالرحمن بن اشعث کے قتل

کا کہیں بھی ذکر نہیں ہے اور نہ علانیوں کو ”بنی اسامہ“

کہا گیا ہے (دیکھئے فتحنامہ ص ۸۵-۸۸)۔

بالآخر راجاؤں کے اتفاق سے والی۔ قنوج راجہ ”رنمل“ نے فوج لے کر داھر پر چڑھائی کردی اور اروڑ کے قریب جا پہونچا۔ راجہ داھر نے غنیم کے مقابلہ سے عاجز ہو کر وزیر بدھین سے مشورہ کیا جس نے کہا کہ ”عرب فنون جنگ کے ماھر ہوتے ہیں اس لئے یہ بار انھیں پر رکھ“ [چنانچہ] داھر سوار ہو کر محمد علاقہ کے پاس آیا اور اس سے مدد طلب کی۔ علاقہ نے جواب دیا کہ ”آپ [۱۸] مطمئن رہیں اور لشکر باھر لے کر ایک فرسنگ (تین میل) [کے فاصلہ پر] ایک گہری خندق کھدوا کر اسے گھاس پھوس سے ڈھانک دینے کا حکم فرمائیں تاکہ میں جو بھی تدبیر کروں اس کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہو“۔ بالآخر جب راجہ داھر نے اس طرح [کام] تیار کیا تو محمد علاقہ نے عربوں اور سندھیوں میں سے پانچسو منتخب سوار لے کر راجہ رنمل کے لشکر پر شب خون مارا۔ سپاہی بے خبری کے عالم میں نیند سے بیدار ہو کر پہلے تو آپس میں ہی گتھ گتھے اور اپنا کام انھوں نے خود ہی تمام کیا مگر پھر صبح صادق کے وقت محمد علاقہ نے خود کو ظاہر کر کے فرار ہونے کی چال چلی۔ انھوں نے سمجھا کہ ہم پر یہ مصیبت یہی مختصر جمعیت لائی ہے چنانچہ وہ [بے تحاشا] ان کے تعاقب میں بھاگے اور جا کر خندق میں گر گئے۔ اب داھر فوج سمیت سوار ہو کر ان کی طرف رجوع ہوا اور مقتولوں کے علاوہ اسی ہزار مرد اور پچاس ہاتھی قید کر کے [واپس ہوا بعد میں] وزیر بدھین کے مشورہ پر اس نے سب کو آزاد کر دیا (۱) [۱۹]

۱۔ اس بیان میں کئی مقامات پر میر علی شیر قانع نے چچ نامہ میں بیان کردہ حقائق کے خلاف واقعات بیان کئے ہیں

[بقیہ حاشیہ ص۔ ۲۵ پر]

چونکہ یہ فتح وزیر بدھیمن کی صحیح رہنمائی کی وجہ سے حاصل ہوئی تھی اس لئے داہر نے اس پر کمال نوازش کی اور اس کی استرعا کے مطابق تنکھ (۱) کے ایک جانب اس کا نام چھاپنے کا حکم دیا۔

اس فتح کے بعد راجہ داہر کا کام بے حد مستحکم ہو گیا اور اسے آس پاس کے جملہ بادشاہوں پر غلبہ حاصل

[بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴]

مثلاً اس حملہ کا سبب ہندوستان کے راجاؤں کا حسد اور خوف بیان کیا ہے حالانکہ چچ نامہ میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ اس کا سبب یہ تھا کہ راجہ داہر کی بہن ”باٹی“ جسے وہ نجومیوں کی پیشینگوئی کے خوف سے اپنے نکاح میں لایا تھا پہلے رمل (جیسل میر) کے راجہ سے منسوب تھی اور یہ نسبت داہر کے بڑے بھائی دھرسین نے طے کی تھی۔ چنانچہ راجہ داہر کی اس حرکت پر ہر افروختہ ہو کر پہلے خود دھرسین نے اس پر فوج کشی کی اور اس کے بعد خود رمل کا راجہ اس پر چڑھ آیا۔ دوسرے یہاں پر رمل کے راجہ کومیر علی شیر قانع نے قنوج کا راجہ بیان کر کے اس کا نام ”رمل“ لکھا ہے لیکن چچ نامہ کے مطابق اس کا نام ”سویہن رائے“ تھا اور وہ ”بھائیہ“ قوم کا تھا اور رمل یعنی جیسل میر کا راجہ تھا قنوج کا نہیں۔ (دیکھئے چچ نامہ ص ۵۴-۷۱)

۱۔ ایک سکد، فتح نامہ میں اس مقام پر ”تنکھ“ کی بجائے

”سہرسیم“ یعنی چاندی کا سکھ بیان کیا گیا ہے۔ (دیکھئے

فتح نامہ ص ۷۲)۔



ہو گیا۔ اسی غرور میں اسکی سرکشی اور غبہ ترقی کرتی رہی اور پچیس سال اور بھی اس نے سرکشی کے ساتھ حکومت کی۔ چنانچہ نتیجہ حکومت کے زوال کی صورت میں ظاہر ہوا۔ جس کا بیان اسباب سمیت مذکور ہوگا۔ [۲۰]

### سراندیپ کی کنیزیوں کے قید ہونے کا ذکر

کہتے ہیں کہ سر اندیپ کے بادشاہ نے جزیرہ یواقیت (۱) سے خلیفہ اور حجاج کے لئے کچھ حبشی غلام اور کنیزیں کثیر قیمتی جواہرات اور اجناس عجیب کے ساتھ [اپنے] معتبر آدمیوں کے ہاتھوں آٹھ کشتیوں میں سوار کرا کے روانہ کی تھیں۔ اتفاق سے بحر عرب میں طوفان آجانے کی وجہ سے یہ کشتیاں دیول بندر پر آنکلیں۔ [یہاں] دیول کے باشندوں [یعنی] قوم نکامروہ کے قزاقوں نے ان سب کو گرفتار کر لیا۔ سراندیپ کے بادشاہ کے خاص آدمیوں نے انہیں کالی سمجھا یا کہ یہ مسلمانوں کے خلیفہ کے تحفے ہیں، مگر انہوں نے ایک نہ سنی اور جواب دیا کہ ”اگر تمہارا کوئی معین ہے تو تم خود کو پھر سے خرید کرو“۔ اس گروہ میں کچھ پاک دامن مسلمان عورتیں بھی حج کرنے اور دارالخلافت اور حجاج کی زیارت کرنے کے خیال سے شامل ہو گئی تھیں ان میں سے ”بنی عزیز“ قبیلہ کی ایک عورت نے [یہ سن کر] تین مرتبہ بلند آواز سے

۱۔ ”سیلون (لنکا) کے جزیرہ کو عربی تواریخ میں جزیرہ

یواقیت کہا گیا ہے کیونکہ وہاں کی عورتوں کے نقوش

بڑے حسین ہوتے ہیں۔ بلاذری کہتا ہے کہ ”وانما

سمیت هذه الجزيرة جزيرة الباقوت لحسن وجوه نسائها“

”اغثنی یتا حجاج“ کہا۔ جب یہ ہات حجاج سے بیان کی گئی کہ اس عورت نے تین مرتبہ ”اغثنی“ پکارا ہے تو جواب میں [فی الفور] ”لبیک“ کہہ کر وہ تدارک میں منہمک ہو گیا (۱) [۲۱]

### ہدیل (۲) کی شہادت کا ذکر

حجاج بن یوسف نے مسلمان قیدیوں کی آزادی کیلئے [ایک طرف] خلیفہ سے درخواست کی اور [دوسری طرف] ایک قاصد داہر کے پاس بھیج کر ایسے تنبیہ اور دھمکی دی۔ خلیفہ نے غفلت برتی اور داہر نے جواب دیا کہ مجھے [اس حادثہ کی] کوئی خبر نہیں ہے۔ انہیں قزاقوں نے لوٹ لیا ہوگا جو میرے حلقہ اطاعت سے باہر ہیں آپ ان سے خود نہٹیے۔ یہ جواب ملنے پر حجاج نے دوبارہ خلیفہ کی خدمت میں عرض کی اور اجازت لے کر عبد اللہ سلیمی کو مکران پر مامور کیا اور ہدیل کو مکران پہنچ کر اور تین ہزار سپاہی لے کر سندھ پر حملہ آور ہونے کا حکم دیا۔ ہدیل نیروں کوٹ

۱۔ یہ سارا بیان فتح نامہ کے مطابق ہے لیکن بلاذری نے بعض مقامات پر اختلاف کیا ہے۔ اس کے کہنے کے مطابق یہ عورتیں ان مسلمانوں کی بیٹیاں تھیں جو تجارت کی غرض سے سرانديہ آئے تھے اور وہیں فوت ہو گئے تھے۔ سرانديہ کے بادشاہ نے دوستی کا رشتہ استوار کرنے کی غرض سے ان عورتوں کو حجاج کے پاس روانہ کیا تھا۔ دوسرے فرہاد کرنے والی عورت ”بنی ربوع“ قبیلہ کی تھی اور تیسرے، قزاق جنہوں نے ان کشتیوں کو لوٹا تھا وہ ہدیل کی قوم ”مید“ میں سے تھے۔ (بلاذری ص ۴۲۳)۔

۲ اصل متن میں ”ہدیل“ ( ”ذ“ سے ) ہے۔

پہونچ کر دیول کی طرف بڑھے۔ یہ خبر سن کر داھر نے اپنے بیٹے جیسہ کو کثیر لشکر دے کر دیول روانہ کیا۔ صبح سے شام تک سخت جنگ ہوئی جس میں شدید حملے کرنے کے بعد بدیل شہید اور باقی ماندہ مسلمان قید ہو گئے۔ (۱) [۲۲] کہتے ہیں کہ نیروں کوٹ کے حاکم کو جس کا نام ”سنی“ تھا (۲) یہ خوف ہوا کہ انہوں (سندھیوں) نے عربوں سے عداوت کی راہ کھول دی ہے۔ میں عربوں کے لشکر کے راستہ پر ہوں مبادا میں مفت میں ہمال ہوجاؤں۔ چنانچہ اس نے یہ سوچ کر اپنے معتبر آدمی حجاج کے پاس بھیج کر اس کی اطاعت قبول کی اور اس سے امان نامہ حاصل کر لیا۔

۱۔ یہ بیان بھی فتح نامہ کے مطابق ہے مگر یہاں ”عبداللہ بن نبھان اسلمی“ جسے مرقانے نے غلطی سے ”عبداللہ“ تحریر کیا ہے اور جو بدیل سے قبل شہید ہوئے انکی شہادت اور فوج کشی کے واقعات کو قطعی نظر انداز کر دیا ہے۔ ہلاذری اس موقع پر کہتا ہے کہ ”فاخری الحجاج عبداللہ بن نبھان الدیل قتل فکتب الی بدیل بن طهفة البعلی وهو بعمان یامرہ ان یسیر الی الدیل“ ص - ۴۲۳۔ (بھر حجاج نے عبداللہ بن نبھان کو دیل پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کیا لیکن وہ وہاں قتل ہو گیا اسکے بعد عمان کے حاکم بدیل طهفة بعلی کو دیل جانے کا حکم دیا)۔

۲۔ یہ بیان بھی فتح نامہ سے اخذ کیا ہوا معلوم ہوتا ہے لیکن یہاں مرقانے کو نیروں کوٹ کے والی کے نام میں مغالطہ ہوا ہے اس نے ”سنی“ کو قلعہ کے والی کا نام (بقیہ حاشیہ ص ۲۸ پر)

[بدیل کی شہادت کے بعد] عامز بن عبد اللہ نے حجاج سے کہا کہ یہ مہم میرے سپرد کر، تا کہ میں سندھ اور ہندوستان جاؤں [حجاج نے] جواب دیا کہ یہ فخر تیرے نصیب میں نہیں ہے۔ میں نے نجومیوں سے معلوم کیا ہے کہ سندھ اور ہند محمد قاسم (۱) کے ہاتھوں ہی تسخیر ہونگے۔

غرض چونکہ کافروں کے ستارہ حکومت کا زوال اور اس سرزمین پر دین محمدی کے سورج کے طلوع ہونیکا وقت آچکا تھا اسلئے واقعہ اول مذکورہ کے بعد یہ واقعہ بھی محمد قاسم کی آمد کا سبب ہوا۔ جسکا بیان چند سطور کے بعد ابتدا سے کیا جائیگا۔ یہاں ”جے سیہ“ کے نام کی مناسبت سے اسکی ولادت کی عجیب کیفیت کا حال بیان کیا جاتا ہے۔ [۲۳]

کہتے ہیں کہ ایک دن راجہ داہر شکار کھیل رہا تھا کہ اچانک جنگل سے ایک شیر برآمد ہوا۔ حالانکہ لوگ [اسے مارنے کے لئے] دوڑے لیکن داہر نے انہیں منع کر دیا اور خود شیر سے لڑنے کے لئے مستعد ہوا۔ اس کی بیوی

[بقیہ حاشیہ ص ۱۹]

سمجھا ہے حالانکہ سنی کے معنی ہیں پروت (PRIEST) کے۔ اس زمانہ میں بدھ دھرم کے پروتوں کو سنی کہا کرتے تھے نیروں کا والی ایک پروت (سنی) تھا اور اسکا نام ”سندر“ تھا۔ فتح نامہ کی عبارت ہوں ہے ”و والی“ نیروں سنی بود سندر نام“ (ص ۹۳)۔

۱ مراد محمد بن قاسم۔ عرب عموماً باپ اور بیٹے کے ناموں کے درمیان ”بن“ استعمال نہیں کرتے اور سہولت کے پیش نظر دونوں نام ملا کر لیتے ہیں۔

نے سب جی کے پیٹ میں ”جیسید“ کو ڈسواں سپینہ تھا اور جو داہر سے بے حد محبت رکھتی تھی، یہ خبر سنی تو بے اختیار چیخ کر زمین پر گر پڑی۔ [ادھر] داہر شہر کو مار کر صحیح سلامت محل کو واپس ہوا تو اس نے بیوی کو مردہ اور اس کے پیٹ میں بچے کو کہلاتے دیکھا۔ چنانچہ اس کے حکم پر اس کا پیٹ نچاک کر کے بچے کو باہر نکالا گیا اور اس کا نام اس نے جیسید رکھا جس کے معنی ہیں ”شیر کا شکاری“ (۱)۔ بے شک بڑا ہونے پر شجاعت میں وہ ایسا ہی ثابت ہوا جیسا کہ اس کا نام تھا۔

### لشکر اسلام کا تسخیر سندھ کے لئے آنا

روایات صحیحہ میں آیا ہے کہ امیر المومنین ”عمر بن الخطاب“ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں جب ”عثمان بن ابی العاص“ ثقفی (۲) بحرین پر مامور ہو کر عمان آہونچا تو اس نے کچھ فوجی جہاز تیار کرا کے اپنے بھائی مغیرہ بن ابی العاص کی معیت میں دیبل پر فوج کشی کے لئے روانہ کئے۔ ان دنوں چچ کی جانب سے اس کا بھائی ”سامہ بن سیلائج“ (۳) وہاں حکومت کرتا تھا۔ وہ اسلامی لشکر سے جنگ کرنے کے لئے باہر آیا۔ بالآخر کافی کشت و خون کے

---

۱ فتح نامہ میں ”جیسید“ کے معنی ”المظفر بالاسد“ یا ”شیر فیروز“ تحریر کئے گئے جس کے معنی ہونگے شیر پر غالب آنے والا“ (ص ۲۳۴)۔

(۲) اصل متن میں ”عثمان بن عاص“ ہے  
(۳) فتح نامہ میں یہ نام ”سامہ بن دیوائج“ تحریر ہے اور اسے چچ کا بھائی نہیں بیان کیا گیا ہے (ص ۷۳)۔

بعد مغیرہ بن ابی العاص شہید اور مسلمانوں کی کثیر جماعت قتل اور قید ہو گئی ۔

”ابو موسیٰ اشعری“ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو کہ مکران پر حکومت کرتے تھے یہ حال خلیفہ کے گوش گزار کیا اور اس طرف توجہ کرنے کا ارادہ کیا لیکن انہیں اس جانب فوج کشی کرنے سے منع کر دیا گیا ۔

امیر المومنین ”عثمان“ [بن عفان] رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں ”عبداللہ بن عامر بن ربیعہ“ مکران کا حاکم مقرر ہوا ۔ جسے حکم ہوا کہ معتمد افراد کو سندھ کی طرف بھیج کر وہاں کے حالات سے آگاہ کرے ۔ چنانچہ اس نے ”حکیم بن جبلیہ“ کو بھیجا جس نے حالات کا مشاہدہ کر کے جا کر خبر دی کہ ”پانی میلا، میوے کھٹے اور کسیلے، زمین پتھریلی اور مٹی شوریدہ ہے“ (۱) خلیفہ نے دریافت کیا کہ ”وہاں کے لوگوں کو وفا داری میں کیسا پایا“ ۔ جواب دیا۔ ”غدار ہیں“ ۔ چنانچہ اس طرف لشکر کشی کرنے کی ممانعت کر دی گئی ۔

”امیر المومنین“ علی“ [ابن ابی طالب] رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں ایک لشکر مکران سے گذر کر کامیابی اور فتح مندی کے ساتھ ”کوہ پایہ“ اور ”کیکانان“ تک جا پہنچا جو سندھ کی سرحد پر واقع ہیں ۔ یہاں بیس ہزار پہاڑی باشندے جنگ کے لئے ان کی راہ میں مزاحم ہوئے ۔ لشکر اسلام

۱ ۔ فتح نامہ میں یہ جملے زائد ہیں کہ ”وہاں کے باشندے

بہادر ہیں ۔ تھوڑا لشکر بھیجا گیا تو ضایع ہو جائے گا

اور اگر کثیر لشکر ہوا تو بھوکوں مرجائے گا“ (ص ۷۵)

نعرہ تکبیر بلند کر کے آگے بڑھا۔ تکبیر کے غلغلہ سے خائف ہو کر کچھ آدمیوں نے آکر امان طلب کی اور باقی بھاگ گئے۔ اس وقت سے لے کر آج تک جنگ کے ایام میں ان پہاڑوں سے تکبیر کی آواز سنائی دیا کرتی ہے۔ [۲۰] اسی اثنا میں خلیفہ کی شہادت کی خبر ملی اور آگے جانا ملتوی کر کے وہ لشکر مکران واپس آ گیا۔

جب امیر ”معاویہ“ [بن ابوسفیان] رضی اللہ تعالیٰ عنہ مستقل خلیفہ ہوئے، تو ”عبد اللہ بن سوار“ کو چار ہزار سوار دے کر [انہوں نے] سندھ پر مامور کیا۔ تقدیراً وہ کیکانان کی پہاڑیوں میں پھنس کر کافروں کے ہاتھوں شہید ہو گیا۔ اسلامی لشکر نے شکست کھائی اور باقی ماندہ لوگ واپس مکران پہنچے۔

ان دنوں امیر معاویہ کی جانب سے ”زیاد“ دونوں عراقوں کا حاکم تھا۔ چنانچہ اسے لکھا گیا کہ ”راشد بن عمرو“ (۱) کو سندھ کی طرف روانہ کر۔ چنانچہ راشد نے جا کر وادی کوہ پر قبضہ کر لیا اور اگلا پچھلا [جملہ] خراج وصول کیا۔ اس طرح وہ پورے انتظام اور بندوبست کے ساتھ کیکانان سے آگے بڑھ کر کوہ ”منذر“ اور ”بھروج“ تک آ پہنچا۔ یہاں تقریباً

۱۔ فتح نامہ کے مطابق (ص۔ ۸۰-۸۱) عبد اللہ بن سوار کی شہادت

کے بعد ”سنان بن سلمہ“ کی تقرری عمل میں آئی اس کے معزول ہونے کے بعد ”راشد بن عمرو“ کو مقرر کیا گیا۔ لیکن ”بلاذری“ میں عبد اللہ بن سوار اور راشد بن عمرو کے درمیان میں سنان بن سلمہ کی تقرری کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

پچاس ہزار پہاڑی باشندوں نے جمع ہو کر ان کی راہ روک لی اور صبح سے ظہر کی نماز تک اس سے شدید جنگ کی جس میں راشد شہید ہو گیا اور اسلامی لشکر کو شکست ہوئی۔ اس شکست کا انتقام لینے کے لئے ”سنان بن سلمہ“ (۱) اس مہم پر مامور ہوا۔ وہ کیکانان فتح کر کے ”بودھیہ“ تک جا پہنچا لیکن وہاں دھوکے سے قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد ”منذر بن جارود بن بشر“ اس علاقہ کا حاکم ہوا جو حدود [۲۶] ہورالی (۲) میں بیمار ہو کر فوت ہو گیا۔ اسی اثنا میں امیر معاویہ نے وفات پائی اور ”مروان“ کی تخت نشینی کے زمانہ میں کوئی شخص بھی اس مہم کو سر کرنے کے لئے مامور نہ کیا گیا (۳)۔ پھر جب ”عبدالملک“ کی باری آئی اور انہوں نے عراقین کی گورنری ”حجاج“ کے سپرد کی تب حجاج نے ”سعید“ [بن اسلم کلای] کو مکران کی جانب روانہ کیا جو تقدیراً

۱۔ اصل متن میں ”راشد بن سلمہ“ ہے لیکن یہ غلط ہے۔

دیکھئے فتح نامہ ص ۸۲، اور ہلاذری ص ۴۲۲۔

۲۔ اصل متن میں ”ہورابی“ ہے جو صحیح نہیں ہے (دیکھئے

فتح نامہ ص ۸۳)۔ ”ہورالی“ مکران میں ایک ندی ہے

جو خلیج سون سیانی میں گرتی ہے۔ ہلاذری (ص ۴۲۲)

کے مطابق منذر بن جارود نے ”نصدار“ میں انتقال کیا

(دیکھئے ہلاذری ص ۴۲۲)۔

۳۔ منذر کے بعد چھ ماہ تک محاذ سندھ کی حکومت اس کے

بیٹے حکم بن منذر کے حوالہ رہی (دیکھئے فتح نامہ ص ۸۴)

لیکن ہلاذری نے حکم بن منذر کی گورنری کا کوئی ذکر

نہیں کیا ہے۔



علافیوں کے ہاتھوں قتل ہوا جیسا کہ پیشتر ذکر آیا ہے۔ حجاج نے علافیوں سے انتقام لینے کے لئے ”مجامعہ“ کو کرمان روانہ کیا۔ وہ ایک سال تک کرمان میں رہنے کے بعد فوت ہو گیا۔ انہی دنوں خلیفہ عبدالملک بھی فوت ہو گیا۔ اور ”ولید“ اس کا جانشین ہوا۔ حجاج نے ہند و سندھ اور علافیوں کی مہم سر انجام دینے کے لئے محمد بن ہارون کو مکران بھیجا۔ محمد نے علافیوں میں سے ایک کو قتل کر کے پانچ ماہ کے اندر مکران اور گرد و نواح کے بعض ممالک کو خاطر خواہ طور پر ضابطہ میں کر لیا۔ اس کے بعد بدیل کی شہادت کا واقعہ جو پیش آچکا تھا وہ حجاج کے اگلے پچھلے انتقام بے باقی کرنے کا باعث بن کر محمد بن قاسم ثقفی کی آمد کا سبب بنا [۲۷]

محمد بن قاسم کی سندھ میں آمد

اور اس کی فتوحات کا ذکر

بدیل کی شہادت کے واقعہ کے بعد حجاج بن یوسف نے خلیفہ سے عرض کیا کہ ”سندھ کے سرکھن لوگ اس طرح پیش آئے ہیں، ان کی تنبیہ کے لئے حکم عالی جاری ہو تاکہ اگلے پچھلے مسلمان قیدیوں کی آزادی کا انتظام ہو اور ان کا لہجہ کو ان کی سرکشی کی وجہی سزا دی جائے اور ملک اپنے قبضہ میں کر لیا جائے۔ خلیفہ نے جواب دیا کہ ”وہ ملک بہت دور اور کم آمدنی والا ہے۔ اس کے لئے کثیر خرچ کی ضرورت ہے۔ کتنے ہی لشکر وہاں جائیں گے۔ اور تلف ہو جائیں گے اس لئے اس جانب سے تغافل اختیار کرنا چاہئے۔“ حجاج نے دوبارہ عرض کیا کہ ”انشاء اللہ تعالیٰ دین محمدی کی تائید و

اعانت سے کافر جلد مطیع۔ ہوں گے اور مسلمان قیدی جنہیں طویل عرصہ گذر چکا ہے آزاد ہوں گے۔ اس لشکر کشی پر جو کچھ بھی خرچ آئے گا اس کے دگنے تکنے کی ادائیگی کے لئے میں ذمہ دار ہوں۔ چنانچہ لاپھار خلیفہ نے اجازت گے دی اور اس مہم پر حجاج کا عم زاد اور نواسہ محمد بن قاسم [بن محمد] بن عقیل ثقفی سترہ برس کی عمر میں مامور ہوا۔ شام و عراق کے چھ ہزار (۱) منتخب رئیس زادے اس کے ساتھ روانہ کئے گئے اور وہ [۲۸] شیراز پہنچ کر تدارک کے لئے سوچنے لگے۔ اس طرف حجاج نے ہانچ منجنیقین اور دیگر قلعہ کشائی کے آلات کشتیوں میں لدوا کر ابن مغیرہ اور خضریم (۲) کے ہاتھوں ایک منتخب جماعت سمیت روانہ کئے تاکہ یہ اسے دیول کے کنارے پہنچنے پر مل جائیں۔

قصہ مختصر، محمد بن قاسم جملہ لشکر، جس میں چھ ہزار گھوڑا سوار، چھ ہزار شتر سوار اور تین ہزار ہختی اونٹ تھے، ساتھ لے کر مکران روانہ ہوا اور حجاج کے اشارہ کے مطابق محمد بن ہارون بھی اپنی علالت کے باوجود اس کے ہمراہ ہو گیا۔ جب وہ ارمن بیلہ کے نزدیک پہنچے تو محمد بن ہارون (۳) قضائے الہی سے وہاں انتقال کر گیا چنانچہ اسے

۱۔ چچ نامہ (ص ۹۶) کے مطابق محمد بن قاسم کے ساتھ صرف

شام کے چھ ہزار منتخب سوار تھے عراق کے اس کے علاوہ

تھے (مزید بلاذری ص ۴۴)۔

۲۔ اصل متن میں ”مغیرہ اور خضریم“ لکھا ہے جو صحیح نہیں۔

(دیکھئے فتح نامہ ص ۹۸)۔

۳۔ اصل متن میں اس مقام پر صرف ”ہارون“ ہے جو میر قائم

[بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۶ پر]

وہیں دفن کی گیا۔ [۲۹]

کہتے ہیں کہ ان دنوں ”جیسیدہ“ بن داہر قلعہ نیروں میں تھا چنانچہ اس نے محمد بن قاسم کے آنے کی خبر اپنے باپ کو لکھ بھیجی۔ داہر نے اس پر علاقہوں سے مشورہ کیا جنہوں نے کہا کہ ”حجاج کا عم زاد زبردست لشکر کے ساتھ پہونچ رہا ہے، خبر دار اس سے ٹکر نہ لینا“۔

ادھر محمد بن قاسم ارمن بیلہ فتح کر کے دیول کی طرف روانہ ہوا دوسری طرف ابن مغیرہ (۱) اور خریم بھی اپنی جماعت سمیت دیول کے کنارے پہونچ کر اس کے ساتھ ہو گئے۔ محمد بن قاسم دیول کے نواح میں خندقیں کھدوا کر منزل انداز ہوا اور حجاج کو اپنے پہونچ جانے کا حال تحریر کیا۔

کہتے ہیں کہ [ان دنوں] خط سات دن میں پہونچ جاتا تھا۔ تیز رفتار افراد کو سندھ سے بغداد تک حجاج اس ترتیب سے ایک دوسرے تک دوڑاتا تھا کہ [یہ فاصلہ] سات دنوں میں طے ہو جاتا تھا اور اس طرح روزانہ وہ

[بقیہ حاشیہ ص ۳۵]

کی غلطی ہے دراصل جیسا کہ اس سے پیشتر کہا جا چکا ہے کہ گاہے گاہے عرب باپ اور بیٹے کا نام ملا دیتے ہیں اور درمیان سے ”بن“ نکال دیا کرتے ہیں۔ چنانچہ اس مقام پر بھی اصل میں محمد ہارون لکھا گیا تھا جسے میر قانع نے سندھ کے رواج کے مطابق ”محمد“ کو تبرکاً جانتے ہوئے صرف ”ہارون“ تصور کیا ہے۔ یہاں آکر میر قانع ہارون کی بجائے محمد لکھتا تو درست ہوتا۔ کیونکہ ہارون تو محمد کے باپ کا نام تھا۔

۱۔ اصل متن میں اس مقام پر بھی ”مغیرہ“ ہے جو غلط ہے۔

ایک دوسرے کو خبریں پہنچاتے رہتے تھے -

کہتے ہیں کہ دیول کے قلعہ میں ایک چالیس گز اونچا بت خانہ تھا جس کے اوپر ایک چالیس گز لمبا گنبد بنا ہوا تھا اور گنبد کے اوپر چار ریشمی بیرقوں والا ایک جھنڈا لگا ہوا تھا -

[محمد بن قاسم کے پہنچنے پر] بغیر کسی خوف و دہشت کے کافروں نے ثابت قدمی کے ساتھ نقارہ جنگ بجایا - اس طرح کئی دن (۱) گذر گئے تو ایک برہمن نے قلعہ سے نکل کر امان طلب کی اور محمد بن قاسم کے پاس حاضر ہو کر بولا کہ ”مجھے اپنی کتابوں سے معلوم ہوا ہے کہ یہ ملک اسلام کے زیرِ نگیں ہوگا اور اس کا وقت یہی ہے - یہ بھی یقین ہے کہ اس فتح کو حاصل کرنے والا بھی [۳۰] تو ہی ہے اس لئے میں تیری رہنمائی کرنے آیا ہوں - بزرگوں نے اس بت خانہ کے جھنڈے میں ایک طلسم رکھا ہے - چنانچہ جب تک یہ نہ ٹوٹے گا اس وقت تک یہ قلعہ ہرگز فتح نہ ہوگا - اس لئے پہلے اسے توڑنے کی تدبیر کر“ ! محمد بن قاسم اس پر غور کرنے لگا - جَعْتُونَه (۲) منجینی نے کہا کہ ”اگر مجھے دس ہزار درم انعام دیں تو میں شرط کرتا ہوں کہ تین نشانوں سے میں اس جھنڈے اور گنبد کو برباد کر دوں گا ورنہ میرے ہاتھ قلم کر ڈالے جائیں -“ محمد بن قاسم نے حجاج سے اجازت لیے کر اسے منجیق سر کرنے کا حکم دیا - قدرت الہی سے اس نے جیسا کہا تھا ویسا ہی ہوا اور تین ہی

۱ - سات دن - (دیکھئے فتح نامہ ص ۱۰۴) -

۲ - اصل متن میں اس مقام پر ”جعوبہ“ ہے جو غلط ہے -

نشانوں سے اس نے یہ کام انجام دے دیا، چنانچہ اب اسلامی لشکر نے صفیں آراستہ کر کے قلعہ پر حملہ کر دیا۔ کافروں نے لاچار و مجبور ہو کر امان طلب کی۔ محمد بن قاسم نے فرمایا کہ ”سپاہیوں کو امان نہ ملے گی۔“ [یہ سن کر قلعہ کا حاکم ”جاہن بدہ“ (۱) فصیل سے کود کر فرار ہو گیا اور اہل قلعہ نے مجبوراً دروازے کھول دیئے۔ تین دن تک جنگ ہوتی رہی اس کے بعد مسلمان قیدیوں کو باہر نکالا گیا۔ کثیر مال اور بے اندازہ خزانہ ہاتھ آیا اور بت خانہ جسے دیول کہتے تھے اسے توڑ کر اس مقام پر مسجد کی بنیاد رکھی گئی۔

”گیلو“ (۲) نامی ایک کافر مسلمان قیدیوں کا محافظ تھا۔ قیدیوں کو آزاد کرنے پر معلوم ہوا کہ انہیں تسلی تشفی دینے میں [۳۱] وہ انتہائی احسن کوششیں کرتا رہا ہے اور انہیں آزادی اور اسلام کی فتح کی بشارتوں سے خوش کرتا رہا ہے۔ چنانچہ محمد بن قاسم نے اسے ہلا کر اسلام پیش کیا اور وہ فی الفور مسلمان ہو گیا۔ اس پر اسے انتہائی اعزاز و نوازش

۱۔ اس کا پورا نام ”جاہن بن برسايد راوت“ تھا (فتح نامہ

ص ۱۰۷) وہ چونکہ بدہ مذہب کا پیرو تھا شاید اسی لئے

میر قانع نے اسے ”بدہ“ لکھا ہے۔ فتح نامہ میں بھی اسے

اسی طرح ”بدہ“ کہا گیا ہے (ص ۱۰۷)۔

۲۔ میر علی شیر قانع نے یہ نام ”کبلہ“ لکھا ہے۔ فتح نامہ میں

یہ نام ”کبلہ“ لکھا گیا ہے (ص ۱۵۳) ”کبلہ“ یقیناً اصل

میں ”کبلہ“ ہے، یعنی ”گیلو“ یا ”گیلو“۔ یہ نام سندھ میں

مشہور ہے (—ہلوچ)۔

سے سرگراز کر کے ”حمید بن وداع“ (۱) نجدی کے ساتھ وہاں کی حکومت کا شریک بنایا۔ اس کے بعد دیول کا خاطر خواہ بندوبست کر کے متجنیقوں کو کشتیوں پر بار کروا کر انہیں تو ”ماکیورہ“ ندی کی راہ سے قلعہ نیروں کی طرف روانہ کیا اور خود خشکی کی راہ سے اس طرف کوچ کیا۔

کہتے ہیں کہ داہر کا بیٹا ”جیسہ“ پہلے نیروں میں موجود تھا۔ چنانچہ دیول کی فتح کی خبر سن کر داہر نے اسے وہاں سے بلا کر برہمنا باد پر متعین کیا اور سمنی (۲) نامی دیول کا سابقہ حاکم جو حجاج سے امان نامہ حاصل کر کے خراج گزار ہو گیا تھا، جیسا کہ بدیل کی شہادت کے بیان میں مذکور ہو چکا ہے، داہر کے دربار میں تھا۔ محمد بن قاسم آہستہ آہستہ سات دن کے عرصہ میں نیروں کے نواح میں پہونچا۔ [یہاں اس نے دیکھا کہ] اہل قلعہ نے دروازے بند کر لئے ہیں۔ افراط آب کا موسم نہ ہونے کی وجہ سے لشکر اسلام ہانی کی قات سے سخت پریشان ہوا۔ محمد بن قاسم نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مناجات کی۔ [چنانچہ] فی الفور حسب طلب بادل اُمنڈ آئے اور اس زمین کے حوض اور چشمے [۳۲] سب ہانی سے لبا لب بھر گئے۔ لیکن ابھی گھاس کی قات بدستور تھی کہ

۱۔ اصل متن میں ”حمید بن دارع“ ہے جو غلط ہے (دیکھئے

فتح نامہ ص ۱۰۹)۔

۲۔ جیسا کہ پہلے وضاحت کی جا چکی ہے اس شخص کا نام ”سمنی“ نہیں بلکہ یہ اس کا لقب تھا جو پڑھتوں کے لئے استعمال ہوتا تھا اس کے علاوہ وہ دیول کا نہیں بلکہ نیروں کوٹ کا حاکم تھا۔

خوفِ قسطنٹی سے سملی بھی پانچ دن کے بعد نیروں میں آ پہونچا [اور آئے ہی] معتمد آدمیوں کو امان کے پروانہ کے ساتھ محمد بن قاسم کی خدمت میں بھیج کر عرض گزار ہوا کہ ”میں اطاعت گزار ہوں۔ میری غیر موجودگی کی وجہ سے اہل قلعہ نے دروازہ بند کرنے کی جو تقصیر کی ہے اس کی معافی کا خواستگار ہوں۔ اگر کرم فرما کر یہ قصور معاف فرمائیں گے اور اس کی یقین دہانی کریں گے تو میں آکر قدم ہوسی کا شرف حاصل کروں گا۔“ محمد بن قاسم نے اس کے قاصدوں کو واجبی ترغیب دے کر فرمایا کہ ”جن قلعہ والوں نے دروازے بند کئے تھے انہیں سزا دینا لازمی تھا لیکن چونکہ تم ان کی سفارش کرتے ہو اس لئے معاف کرتا ہوں۔ حاضر ہو کر ملاقات کرو اور دروازے کھول دو۔“ سمنی نے قلعہ کا دروازہ کھول کر اور کنجیان ہاتھ میں لے کر شایان شان تحفوں کے ساتھ آکر قدم ہوسی کی اور انعامات سے سرفراز ہو کر جملہ ضروری اشیا [لشکر میں] پہونچا دیں۔ اس کے بعد اسلامی لشکر قلعہ میں داخل ہوا۔ بت خانہ کو توڑ کر اس کی جگہ مسجد اور منارہ کی بنیاد رکھی گئی موذن اور امام مقرر کئے گئے اس کے بعد وہاں کی نگرانی کے لئے ایک نائب مامور کر کے اور سمنی کو ساتھ لے کر [محمد بن قاسم] آگے روانہ ہوا جب یہ نیروں سے تیس کوس (۱) کے فاصلہ پر ”موج“ نامی ایک مقام پر جا پہونچے تو سمنی نے سیوستان (سیوہن) کے حاکم [۳۳]

۱۱ فتح نامہ میں اس مقام پر ”سی فرسنگ“ ہے یعنی تیس

فرسنگ جس کے معنی ہوئے ”نوے میل“ کیونکہ ایک

فرسنگ برابر ہے تین میل کے۔

”بجھرا بن چندر“ کے پاس خط بھیجا (۱) کہ ”ہم ناسک (ہجاری) لوگ ہیں ہمارے مشرب میں خونریزی ناجائز ہے۔ تو محلوں میں آرام کر رہا ہے۔ یہ لشکر عرب پر حد طاقتور ہے۔ کسی بھی شخص کو اس کا مقابلہ کرنے کا یارا نہیں ہے۔ [چنانچہ] تجھے اپنی رعایا کے حال پر رحم کھا کر اور اطاعت قبول کر کے باہر آنا چاہئے کیوں کہ محمد بن قاسم قول کا صادق ہے۔ اور ایسا کرنے ہی میں فائدہ ہے۔“

”بجھرا“ نے اطاعت قبول نہ کی اور جنگ کرنے پر آمادہ ہوا جس کی وجہ سے لشکر اسلام وہاں سے یلغار کرتا ہوا سیوستان کے قلعہ کے قریب آ پہونچا۔ جنگ کو ایک ہفتہ بھی مشکل سے گزرا تھا کہ بجھرا عاجز آکر بودھیہ (۲) بن کا کہ بن کوتک کے پاس [۳۴] بھاگ گیا جو سیسم کے قلعہ کا

۱۔ یہاں میر قانع کے بیان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بجھرا کو اس سمنی نے خط لکھا تھا جو محمد بن قاسم کے ہمراہ تھا اور پہلے داہر کی طرف سے قلعہ نیروں کا حاکم تھا۔ لیکن واقعہ یہ نہیں ہے بلکہ یہ خط لکھنے والا ایک دوسرا سمنی تھا جو ”موج“ کا باشندہ تھا اور رعایا پر اسکا کافی اثر تھا۔ (دیکھئے فتح نامہ ص ۱۱۸)۔

۲۔ یہاں میر علی شیر قانع سے سخت غلطی سرزد ہوئی ہے کیونکہ ”بودھیہ“ کسی شخص کا نام نہیں بلکہ سندھ کے ایک ہرگنہ کا نام تھا جس کے والی کا نام ”کا کہ بن کوتک“ اور سمنی کا نام ”بھکو“ تھا۔ وہاں کے قلعہ کا نام ”سیسم“ تھا۔ معلوم نہیں کہ میر علی شیر قانع

(بقیہ حاشیہ ص ۴۲ پر)



نصفۃ الکرام

حاکم تھا۔ محمد بن قاسم نے سیوستان کے قلعہ میں داخل ہو کر اس پر اپنا قبضہ کیا اور جن لوگوں کو سمنی لے کر آیا ان پر نوازشیں فرما کر سیسم کی طرف متوجہ ہوا۔ بودھیہ اور بجھرا کے آدمی جنگ کے لئے مستعد ہو گئے۔ کافروں نے ”بودھیہ“ چنہ (۱) کے باپ ”کاکہ“ سے جا کر کہا کہ ”ہمیں اجازت دو تاکہ ہم جا کر لشکر اسلام پر شبخون ماریں۔“ کاکہ نے جواب دیا کہ ”میں نے نجومیوں سے سنا ہے کہ لشکر اسلام اس ملک کو فتح کرے گا اور اس کا یہی وقت ہے چنانچہ ہرگز ایسا خیال دل میں نہ لانا“ لیکن وہ نہ مانے اور شبخون مارنے چلے۔ اتفاق سے وہ راستہ بھول گئے اور چار گروہوں میں بٹ کر ساری رات [گھوڑے] دوڑاتے رہے لیکن صبح کے وقت خود کو وہیں قلعہ سیسم کے دروازہ

[بقیہ حاشیہ ص ۴۱]

نے کس بنیاد پر ”بودھیہ“ کو بادشاہ یا حکمراں فرض کر کے اسے کاکہ کا بیٹا تحریر کیا ہے۔ اس بارے میں فتح نامہ کی عبارت قطعی واضح ہے (دیکھئے ص ۱۲۰)۔

۱۔ یہاں بھی میر علی شیر قانع نے ”بودھیہ“ کو حاکم کے نام کی حیثیت سے لکھا ہے لیکن جیسا کہ اس سے پیشتر واضح کیا جا چکا ہے یہ غلط ہے اور بودھیہ کسی شخص کا نہیں بلکہ اس علاقہ یا پرگنہ کا نام تھا جہاں کے واقعات بیان کیے جارہے ہیں۔ ”چنوں“ کا مذکورہ واقعہ بھی فتح نامہ میں واضح تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ چنہ اس حاکم کا نام نہیں تھا بلکہ اس قوم کا نام تھا جنہوں نے شب خون مارنے کا پروگرام بنایا تھا اور ناکام رہے تھے۔

ہر پایا - بالآخر حیران و پریشان وہ ”کاکہ“ چنہ کے پاس آئے اور آکر حال بیان کیا - اس نے کہا کہ ”مجھے شجاعت میں اپنے سے کمتر نہ سمجھو لیکن مجھے یقین ہے کہ ان سے (عربوں سے) جنگ کرنے میں ہرگز بہتری نہیں ہے - اس کے بعد ”کاکہ“ خود [محمد بن قاسم کی] خدمت میں حاضر ہو کر نوازشات سے سرفراز ہوا اور اپنی مطیع جماعت کو سایہ امان میں لایا - محمد بن قاسم نے ”عبدالملک بن قیس“ دقتی کو اس کے ساتھ روانہ کیا تاکہ جو اطاعت قبول کرے اسے لا کر حاضر کرے اور جو منہ موڑے اسے سزا دے - خدائے تعالیٰ نے اسے مشرکوں پر فتح دی اور باقی ماندہ لوگ بھلطور، سالج اور قنڈاہیل (۱) [۳۰۰] کی طرف بھاگ گئے اور وہاں سے جا کر امان نامہ حاصل کر کے اور خود ہر جزیہ مقرر کرا کے (۲) ملک میں واپس آ گئے - (۳)

۱ - اصل متن میں ”قنڈاہیل“ ہے جو غلط ہے - (دیکھئے

فتح نامہ ص ۱۲۴) -

۲ - فتح نامہ کے مطابق انہوں نے خود ہر ایک ہزار درم وزن

کی چاندی مقرر کرائی تھی - (تفصیل کے لئے دیکھئے فتح نامہ

ص ۱۲۴) -

۳ - یہ بیان بعض باتوں میں فتح نامہ کے بیان سے مختلف ہے -

مثلاً فتح نامہ میں یہ اضافہ ہے کہ ”جب کاکہ اپنے معتمد

آدمیوں کے ساتھ لشکر عرب کی طرف روانہ ہوا تو راستہ میں

اسے حنظلہ بن بنانہ ملا جو محمد بن قاسم کی جانب سے

طلاہ پر مامور تھا - وہ اسے لے کر محمد بن قاسم کے پاس

[بقیہ حاشیہ ص ۴۴ پر]

اسی اثنا میں حجاج کا حکم ملا کہ ”محمد بن قاسم قلعہ نیروں میں واپس جائے اور وہاں جاکر داہر کے مقابلہ کی تدبیر سوچے اور دریائے مہران عبور کرے۔“

روایت ہے کہ چنہ قوم نے جو اس وقت ایک بڑی جماعت تھی مختلف مقامات سے اکٹھا ہو کر ایک شخص کو [مسلمانوں کے] حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔ وہ شخص ایسے موقع پر پہونچا جب سارا لشکر محمد بن قاسم کی امامت میں نماز ادا کر رہا تھا۔ اس شخص نے قیام و قعود اور رکوع و سجود وغیرہ میں امام کی تابعداری کا منظر دیکھ کر اپنی قوم سے جاکر کہا کہ ”جہاں ہزار ہا افراد ہر حالت میں بغیر کسی چون و چرا اور امتیاز کے ایک شخص کے اس حد تک تابعدار ہوں وہاں جو بھی ان کی مخالفت کرے گا وہ بد بخت کہلائے گا“ [۳۶] اس پر ساری قوم شاہان شان نذرانے لے کر خدمت میں حاضر ہوئی۔ وہ جس وقت [لشکر اسلام میں] پہونچے اس وقت محمد بن قاسم کی مجلس میں دسترخوان بچھایا

(بقیہ حاشیہ ص ۴۳)

آیا۔ دوسرے ”چندر بن سیلائج“ کا بیٹا اور داہر کا چچا زاد بھائی ”بجھرا“ دوسرے ٹھاکروں اور راوتوں کے ساتھ قتل ہو گیا تھا اور باقی کچھ لوگ بودھیہ سے آگے بھاگ گئے تھے۔ یہاں یہ بات واضح ہے کہ وہ لوگ قنذایل اور سالوج کی طرف بھاگ کر نہیں گئے تھے جیسا کہ میر علی شیر قانع نے بیان کیا ہے بلکہ وہ قلعہ بھلطور کی طرف بھاگ گئے تھے جو قنذایل اور سالوج کے درمیان تھا۔ (دیکھئے فتح نامہ ص ۱۲۳-۱۲۴)۔

جا رہا تھا۔ [اس پر محمد بن قاسم نے] فرمایا کہ ”یہ جماعت سرزوق (رزق والی) ہے۔“ چنانچہ چند قوم کو سرزوق کا لقب ملا انہوں نے فی الفور اطاعت اور خراج قبول کیا اوو واپس آگئے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہائے اسلام نے درہا کے اس پار کی زمین کو جو چنوں کے زیر تصرف تھی عشری لکھا ہے۔ اسی طرح نیروں کوٹ کی زمین کا محصول جہاں کے لوگوں نے اپنی خوشی سے اطاعت قبول کی تھی، دوسری زمینوں کی مالکداری کے مقابلہ میں کم ہے (۱) [۳۷]۔

قصہ کوتاہ، حجاج کے اشارہ کے مطابق محمد بن قاسم نے واپس ہو کر اور راور اور جیور کے قلعوں کی حدود میں گھاٹ

۱۔ معاوم ہونا چاہئے کہ اسلامی قانون کے مطابق زمینوں کو دو قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ایک عشری جسکی پیداوار کا دسواں حصہ خدائی حق کے طور پر وصول کیا جاتا ہے اور دوسری خراجی جس پر لگان لیا جاتا ہے۔ اسلامی قانون کے مطابق جو زمین زبردستی اور فتح کے ذریعہ مسلمانوں کے لشکر میں تقسیم کی جاتی ہے یا جس زمین کے مالک اپنی خوشی سے مسلمان ہوتے تھے وہ زمین عشری شمار ہوتی تھی۔ اور جو زمین جنگ کے بعد فتح کی جاتی تھی لیکن پھر سابقہ باشندوں کو ان پر آباد کیا جاتا تھا یا جو زمین صلح سے فتح ہوتی تھی وہ خراجی زمین شمار کی جاتی تھی۔ لگان کی کوئی رقم مقرر نہیں تھی بلکہ فتح کے وقت جو مالکداری عاید کردی جاتی وہ قائم رہتی۔ سر زمین سندھ میں چنوں والا علاقہ تو عشری تھا لیکن

[بقیہ حاشیہ ص ۴۶ پر]

پر پہنچ کر وہاں کے حاکم ”ماکہ ابن وسایہ“ کے پاس حاضر ہونے کا حکم بھیجا۔ اس نے جواب دیا کہ ”اگر میں یونہی چلا آؤں گا تو داہر کے زیر عتاب آؤں گا اس لئے فلاں وقت میں کچھ لوچ ساتھ لے کر فلاں مقام کی طرف نکلوں گا۔ آپ اپنے لشکر کو منجھ پر حملہ کرنے کا حکم دیں میں بظاہر تھوڑی سی جنگ کرنے کے بعد گرفتار ہو جاؤں گا“۔ غرض اس ترکیب سے ”ماکہ“ خدمت میں حاضر ہو کر نوازشات کا حق دار ہوا اور راستہ کا رہبر بنا (۱)۔

روایت ہے کہ راجہ داہر لشکر اسلام کے غلبہ کی خبر سن کر ایک عظیم لشکر ساتھ لے کر دریا کے دوسرے کنارے پر آڈٹا اور کھاٹ پار کرنے میں مزاحمت کرنے لگا۔ لشکر

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۵]

باقی سارا خلافت خراجی تھا۔ علامہ شیخ ابوالحسن ڈاہری کے قول کے مطابق سندھ کی زمینوں کا محصول پیداوار کا پانچواں حصہ تھا۔ (”اراضی السند و الہند فی زمن ”راجا ویر“ الذی کان قبل نبوة عیسیٰ علیہ السلام کانت خراجیة و خراجھا الخمس ای ضعف العشر و بعد الاسلام بقیت ایضا خراجیة علی خمس“۔ انتہی بحوالہ فتاویٰ ہمایون)

۱۔ اس قصہ میں اختصار کی وجہ سے میر قانع بہت سی باتیں نظر انداز کر گیا ہے مثلاً محمد بن قاسم نے ماکہ کو کیا پیغام بھیجا اور وہ کس بہانہ سے قلعہ سے باہر نکلا۔ فتح نامہ میں یہ دونوں باتیں وضاحت سے موجود ہیں۔ اس کے علاوہ فتح نامہ میں یہ نام ”ماکہ“ نہیں بلکہ ”موکہ“ ہے (دیکھئے ص ۱۳۳-۱۳۵)۔

اسلام کے ایک گروہ نے دریا پار کرنا چاہا تو داہر نے آکر خود ایک تیر سے [ایک شخص کو] ہلاک کر دیا۔ اس کے بعد وہ ”جاہین بدھ“ کو اپنی جگہ وہاں پر مقرر کر کے خود کچھ دور جا کر خیمہ زن ہوا۔ جاہین نے کھاٹ کا سخت دلاخ [۳۸] کر کے دریا پار کرنے میں سخت مشکلات حائل کر دیں۔

اسی اثنا میں ”چندیرام“ ہالا نے جو اس سے پیشتر کسی وقت سیوستان کا والی تھا لشکر اسلام کے ان تھوڑے سواروں کو جو سیوستان میں تھے باہر نکال کر قلعہ کو اپنے تصرف میں لے لیا۔ یہ خبر سن کر محمد بن قاسم نے ”مصعب“ بن عبدالرحمان (۱) کو ایک ہزار سوار اور دو ہزار پیادے دے کر سیوستان روانہ کیا۔ ”چندیرام“ جنگ کے لئے باہر نکلا اور شکست کھا کر قلعہ میں واپس جانا چاہا لیکن اہل قلعہ نے دروازے بند کر لئے۔ جس کی وجہ سے وہ اسلامی لشکر کے ہٹنے پڑے کر جہنم رسید ہوا۔ اسلامی لشکر نے دوبارہ قلعہ پر قبضہ کر لیا اور پھر آکر محمد بن قاسم سے مل گیا۔ اس طرف راجہ داہر نے لشکر اسلام کا راستہ روکنے کے لئے اپنے بیٹے جسیہ کو قلعہ بیٹ (۲) کی طرف بھیج دیا اس طرح پچاس دن گذر گئے اور لشکر اسلام کا حال تنگ

۱۔ اصل متن میں بھی ایسا ہی ہے لیکن صحیح ”محمد بن

مصعب بن عبدالرحمان الثقفی“ ہے، جیسا کہ فتوح البلدان

۳۲ پر مرقوم ہے ”وبعث محمد بن قاسم، محمد بن

مصعب بن عبدالرحمان الثقفی الولی سدوسان“۔

۲۔ اصل متن میں بیت ہے۔

ہوئے لگا چنانچہ جو گھوڑا بھی گھاس لٹ ملنے کی وجہ سے بیمار ہوتا وہ اسے ذبح کر کے کھا جاتے۔ اس پر راجہ داہر نے پیغام بھیجا کہ ”تمہارا ایسا برا حال سنا جاتا ہے۔ اگر تم خود ہر رحم کرو گے تو میں بھی تمہارے پیچھے نہ پڑونگا۔ بلکہ خدمت بھی کروں گا تاکہ تم واپس چلے جاؤ۔“ محمد بن قاسم نے کہلا بھیجا کہ ”انشا اللہ تعالیٰ اس ملک پر پرچم اسلام لہرائے گا اور قوجہ تک اطاعت قبول نہ کرے گا [۳۹] اور اتنے برسوں کا خراج ادا نہ کرے گا تب تک تجھے پناہ نہ ملے گی۔“

کہتے ہیں کہ حجاج نے گھوڑوں کے مرجائے کی خبر سن کر دو ہزار گھوڑے اور بھیج دیئے اور تاکید کی کہ ”داہر کی مہم میں [زیادہ] تاخیر نہ کرو اور جلد از جلد دریا پار کر کے پہلے اس کا کام تمام کرو۔“ یہ تاکید آنے پر محمد بن قاسم نے سر زمین ”جہم“ (۱) پر پہونچ کر دریا پار کرنے کے لئے کشتیاں فراہم کیں اور انہیں رات اور ہتھروں سے بھر کر مضبوط میخوں کے ذریعہ آپس میں ایک دوسرے سے جوڑ دیا۔

یہ خبر سن کر داہر نے اپنے بیٹے کو لکھا کہ کسی بھی طرح ”ماکہ“ کو گرفت میں لے، جو ایسی جرات کر رہا ہے۔ اس پر ”ماکہ“ کے بھائی راسل (۲) نے جو داہر کے پاس تھا اور بھائی سے پہلے ہی ناراض تھا، کہا کہ مجھے اس کی اجازت دی جائے تاکہ میں جا کر بھائی کو قابو

۱۔ یعنی موجودہ ”جہم پیر“ کی سر زمین۔

۲۔ نسخہ ”ن“ میں یہ نام ہر جگہ ”رائیل“ لکھا ہے۔

میں لاؤں اور لشکر کے دریا عبور کرنے کی مدافعت کا بھی ذمہ دار بنوں۔“

اسی درمیان میں اللہ تعالیٰ کی تائید سے اسلامی لشکر کشتیاں تیار کر کے سوار ہوا اور تیروں کی بارش سے، کنارے پر مدافعت کرنے والوں کو ہٹا کر ایک بڑا گروہ اس پار پہنچ گیا۔ پھر گھاٹ کو دشمنوں سے صاف کر کے خود اس وقت تک وہاں ڈٹا رہا کہ جب تک باقی ماندہ اسلامی لشکر بھی سلامتی کے ساتھ پار آ گیا۔

روایت ہے کہ کافروں کے لشکر کے کچھ تیز رو سوار ساری رات گھوڑے دوڑاتے صبح صادق کے وقت اطلاع دینے کے لئے داہر کے لشکر گاہ میں جا پہنچے۔ داہر ابھی محو خواب تھا انہوں نے جا کر فریاد کی۔ دربان نے جا کر داہر کو نیند سے بیدار کیا وہ میٹھی نیند سے پریشان ہو کر جاگا اور [۳۰] اس طرح جگانے والے کے منہ پر ایسا سخت طمانچہ رسید کیا کہ وہ فی الفور مر گیا۔ اس کے بعد داہر سخت پریشان ہوا، اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ وہ کیا کرے۔

کہتے ہیں کہ جب محمد بن قاسم کا سارا لشکر دریا عبور کر گیا تو اس نے لشکر میں منادی کرائی کہ ”اب ہماری پشت پر دریا ہے اور سامنے دشمن۔ جو بھی جان قربان کرنے پر مستعد ہو وہ [شامل] رہے اور جہاد کی سعادت حاصل کرے۔ لیکن جس شخص کو آگے بڑھ کر دشمن کا مقابلہ کرنے کی تاب نہ ہو وہ واپس ہو جائے [کیونکہ] جب کوئی راہ فرار نہیں رہی تو یقیناً وہ یا تو کافروں کے ہتے چڑھے گا، یا پھر دریا میں ڈوب مرے گا۔ [چنانچہ] اس ننگ و عار سے بہتر



ہے کہ [جسے واپس جانا ہو] وہ ابھی اجازت لے کر واپس چلا جائے۔ کل صرف سر دینا ہے یا سر لینا ہے۔" اس پر تین آدمی - ایک ماں کے بے سہارا ہونے کے بہانہ سے، دوسرا بیٹی کی یتیمی کے فکر سے اور تیسرا قرض ادا کرنے کے خیال سے، واپس چلے گئے اور باقی سب نے جہاد اور قربانی کے لئے سر ہتیلی ہر رکھ لیا اور کہا کہ جنگ کے سوا ہمارے دل میں دوسرا کوئی خیال نہیں ہے۔

قصہ مختصر، جب محمد بن قاسم نے لشکر کا اتفاق دیکھا تو وہاں سے کوچ کر کے قلعہ بیٹ سے ہو کر "راور" کے قلعہ کا رخ کیا اور اس مقام پر جا پہنچا جسے "جیور" کہتے تھے۔ "راور" اور "جیور" کے درمیان میں ایک خلیج تھی جس کے گھاٹ پر داہر کا لشکر دکھائی دیا۔ [چنانچہ] "حرز بن ثابت" قیسی کو دو ہزار لشکر کے ساتھ اور [۳۱] "محمد بن زیاد" العبیدی (۱) ایک ہزار کے لشکر کے ساتھ اس طرف مامور کیا گیا، جنہوں نے ان سب کو مار بھگایا۔ اس پر داہر نے "محمد بن حارث" غلافی کو بلا کر کہا کہ "میں اسے ہی دن کے لئے تم پر نوازشیں کرتا رہا ہوں۔ [چنانچہ] جاسوسی کے فرائض اپنے ذمہ لے کر تمہیں اپنا فرض ادا کرنا چاہئے"۔ محمد بن حارث نے جواب دیا کہ

۱۔ اصل متن میں "محمد زیاد العبیدی" ہے۔ لیکن چونکہ اس سے نام کی صحت کے بارے میں غلط فہمی پیدا ہونے کا اندیشہ تھا اس لئے یہاں وضاحت کے ساتھ "محمد بن زیاد" لکھا گیا ہے۔ نسبت "العبیدی" بھی غلط ہے۔ "العبیدی" ہی صحیح ہے۔ (دیکھئے فتحنامہ ص ۱۶۰)۔

”بے شک حضور کی خدمت کے لئے سر اور دھڑ کی بازی لگانا ہم پر واجب ہے لیکن دوسری طرف مقابلہ مسلمانوں سے ہے۔ جو مفت میں مرتد ہوئے، دینا پر دین کو فروخت کرے، مسلمانوں کا خون گردن پر لینے اور سر کر جہنم میں داخل ہونے کے مترادف ہے۔ ہمیں اس خدمت سے معاف رکھا جائے۔ البتہ اس کے علاوہ ہر حکم کی تعمیل کرنے کے لئے ہم دل و جان سے حاضر ہیں۔“ داہر رنجیدہ ہو کر خاموش ہو گیا۔ اور زبردست لشکر دے کر ”جسیہ“ کو مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ اس کا لشکر بڑے حصہ کے قتل ہو جانے کے بعد شکست کھا کر واپس آ گیا۔ دوسرے دن اس نے ”ماکہ“ کے بھائی ”راسل“ کو مقرر کیا۔ جس نے [محمد بن قاسم کو] خفیہ پیغام بھیجا کہ مجھے بھی میرے بھائی کی طرح میدان جنگ سے گرفتار کر کے بلوا لیجئے۔“ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

غرض اس طرح دس دن تک کافروں کی فوجیں جنگ کرنے کے لئے آتی اور شکست کھا کر واپس ہوتی رہیں (۱)۔ اس عرصہ میں اسلامی لشکر نے [۳۲] غلبہ پا کر داہر کو قلعہ میں محصور کر دیا۔ گیارہویں دن جو جمعرات کا دن اور دسویں ماہ رمضان سنہ ۵۹۳ تھا۔ داہر اپنے انجوسیوں کے منع کرنے کے باوجود عظیم لشکر ساتھ لے کر جس میں دس ہزار زره پوش سوار، تیس ہزار پیادے اور کچھ جنگی ہاتھی

۱۔ فتحنامہ میں واضح کیا گیا ہے کہ داہر کے لشکر بے جنگ

(براہ راست طور پر) صرف چار دن ہوئی اور ہانچیں دن

داہر خود مقابلہ پر آیا اور جنگ میں مارا گیا (دیکھئے

تھے ، دو خوبصورت کنیزوں کے جلو میں جن میں سے ایک پان بنا کر دیتی اور دوسری جام شراب (۱) پیہن کرتی ، ہودج پر سوار ہو کر مقابلہ کے لئے نکلا ۔ [اس دن] صبح سے شام تک اتنی سخت جنگ ہوئی کہ بیان سے باہر ہے ۔ مسلمانوں نے آتش بازی اور تیر بوسانے میں اس قدر ثابت قدمی دکھائی کہ اس سے زیادہ کا تصور بھی نہیں ہو سکتا تھا ۔ پہلے لشکر اسلام زہر و زہر ہو گیا جس پر محمد بن قاسم پریشان ہو کر بارگاہ خداوندی کی طرف رجوع ہوا آخر کار فضل خداوندی کی اعانت سے فتح کے اسباب پیدا ہو گئے ۔

کہتے ہیں کہ داہر کے پاس لوہے کا ایک پھندہ دار حلقہ تھا اور وہ جس پر بھی اسے پھینکتا تھا اس کا سر کاٹ کر اپنی طرف گھسیٹ لیتا تھا ۔ آخر جب سورج غروب ہونے کو آیا اور فریقین جنگ سے تھک کر آرام کرنے کی سوچ رہے تھے اس وقت مسلمانوں کی آتشبازی سے پریشان ہو کر جنگی ہاتھی بھڑک گئے اور اپنے ہی لشکر کو روندنے لگے جس سے کافر پریشان ہو گئے اور اسی وقت ان کی ایک جماعت امان طلب کرنے آئی اور آکر کہا کہ ” داہر کی فوج بے پروا اور خائف ہے ۔ اپنی کچھ فوج ہمارے ساتھ روانہ کیجئے تاکہ ہم جا کر [۳۳] پشت کی طرف سے ان پر حملہ کریں اور سامنے کی طرف سے لڑنے والوں کے حوصلوں کو ہست

۱ ۔ معلوم نہیں کہ میر قانع کا ماخذ کیا ہے کیونکہ فتح نامہ

میں ان دونوں کنیزوں کے بارے میں یہ ہے کہ ایک

پان پیہن کرتی تھی اور دوسری تیر دیتی تھی ۔ (دیکھئے

صفحہ ۱۷۰) ۔

”کریں“۔ چنانچہ اس منصوبہ پر عمل کر کے ہی دشمنوں کے لشکر نے شکست کھائی۔ یہ حال دیکھ کر محمد بن قاسم نے لشکر کو تیر برسائے کا حکم دیا۔ [اسی اثنا میں] قضائے الہی سے ایک تیر جا کر داہر کے گلے میں پیوست ہو گیا اور وہ [فی الفور] مر گیا (۱)۔ اس کے ہاتھی کو [مہاوت نے] پیچھے ہٹایا تو اچانک وہ ذلزل میں پھنس گیا۔ برہمنوں نے [اس موقع پر داہر کے] حال کو پوشیدہ رکھنے کے لئے اسے کھجڑ میں چھپا دیا۔ کافروں کے سارے لشکر نے شکست کھائی۔ اسلامی لشکر نے ان کے راستے اس طرح مسدود کر دیئے کہ ایک پرندہ بھی [قلعہ میں] نہ جاسکتا تھا۔ برہمن جا کر ”قیس“ کے ہتے چڑھے۔ اور اپنی جان بچانے کے لئے انہوں نے داہر کے قتل ہو جانے کی خبر دی۔ اسی عرصہ میں داہر کی دو بیٹیاں بھی سپاہیوں کے قبضہ میں آ گئیں (۲)۔ [امن نظرف] محمد بن قاسم نے اس اندیشہ سے کہ ممکن ہے داہر یہیں چھپ گیا ہو، اپنے لشکر میں منادی کرائی کہ وہ [کافروں کا] تعاقب نہ کریں، مبادا دشمن کہیں گاہ سے نکل کر حملہ کر دے۔ قیس نے یہ منادی سنی تو تکبیر بلند کی۔ یہ

۱۔ فتح نامہ کے مطابق یہ تیر داہر کے گلے میں نہیں بلکہ دل پر لگا تھا اور اس تیر سے وہ ہلاک نہیں ہوا تھا بلکہ اسکے بعد پیادہ ہو کر اس نے جنگ کی تھی اور ایک عرب سوار نے تلوار کے وار سے اسے سر تا گردن دو نیم کر کے ہلاک کیا تھا۔

۲۔ میدان جنگ سے داہر کی بیٹیاں نہیں بلکہ وہ دو کنیزیں گرفتار ہوئی تھیں کہ جو اسکے ساتھ ہودج پر سوار تھیں۔

تکبیر سن کر سارے لشکر نے تکبیر بلند کی۔ محمد بن قاسم کو جب داہر کے قتل کی خبر معلوم ہوئی تو کچھ بہادروں کو ساتھ لے کر وہ دلدل کے کنارے آیا اور برہمنوں کی لاشان دہی پر اس نے داہر کا [۴۴] ناپاک لاشہ باہر نکالا اور اسکا سر قلم کر کے نوک نیزہ پر بلند کیا اور [تصدیق کیلئے] کنیزوں کو دکھایا جنہوں نے اسے شناخت کیا۔ اس کے بعد اس نے حکم دیا جسکے مطابق [لشکر اسلام] ساری رات تسبیح و تہلیل میں مشغول رہا۔ جمعہ کے دن داہر کا سر کنیزوں سمیت اس نے قلعہ کے دروازہ پر بھیجا لیکن اہل قلعہ نے انہیں جھوٹا قرار دیا۔ البتہ داہر کی بیوی ”لاڈی“ اپنے شوہر کا سر دیکھتے ہی فصیل سے نیچے کود پڑی (۱)۔ اسکے بعد قلعہ

۱۔ فتح نامہ کے بیان کے مطابق رانی لاڈی اور داہر کی دو بیٹیاں برہمن باد کے قلعہ سے گرفتار ہوئی تھیں (دیکھئے صفحہ ۲۰۶-۲۰۷) اس کے ساتھ ہی ساتھ رانی لاڈی کی گرفتاری کے بارے میں فتح نامہ میں یہ بھی تضاد موجود ہے: ایک جگہ رانی لاڈی اپنی گرفتاری کی داستان خود بیان کرتے ہوئے کہتی ہے کہ ”دوران جنگ راجہ داہر نے اپنی ہر بیوی پر ایک چوکیدار مقرر کر کے اسے تاکید کر دی تھی کہ اگر شکست ہو تو ہر محفاظ انہیں قتل کر دے۔ جب کافروں کو شکست ہوئی تو اس موقع پر اس نے خود کو اولٹ سے نیچے گرا کر اور اسلامی لشکر کے نعرہ میں پھنس کر اپنی جان بچائی۔“ (دیکھئے صفحہ ۱۸۶)۔ داہر کی بیٹیوں اور رانی لاڈی کی گرفتاری وغیرہ

والوں نے دروازہ کھول دیا اور اسلامی فوج نے اندر جا کر  
بتخانہ کے وسط میں منبر رکھ کر جمعہ کی نماز ادا کی۔ [اسکے  
بعد] مال و خزانہ اور دھینہ قبضہ میں لے کر [۳۰] قیس کے حوالہ  
کیا اور اسی سال کے ماہ شوال میں جملہ سرحدوں کا مکمل  
انتظام کر کے داہر کا سر، اسکی بیٹیوں، قیدیوں اور مال غنیمت  
سمیت قیس کی نگرانی اور دو سو سواروں کی حفاظت میں  
دارالخلافت کو روانہ کیا (۱)۔

داہر کا عرصہ حکومت تینتیس سال اور برہمن خاندان  
کی حکومت کا کل زمانہ پانچ سو سال کا تھا۔

روایت ہے کہ داہر کے قتل ہو جانے کے بعد  
تھری (۲) کے کرد و نواح کے سہ [قبائل کے] لوگ جمع  
ہو کر ڈھول اور شہنائیاں بجاتے [محمد بن قاسم کی] خدمت

(البیہ حاشیہ ص ۵۶)

کے متعلق واقعات کو بے حد چھان بین کے بعد فاضل ڈاکٹر  
نبی بخش بلوچ نے ضعف روایت اور تضاد بیانات کے پیش نظر،  
غیر مصدقہ، غیر معتبر اور گھبر تاریخی قرار دیا ہے (دیکھئے  
حاشیہ فتح نامہ ص ۱۸۶، ۲۰۶-۲۰۷)۔

۱۔ فتح نامہ کے مطابق داہر کا سر "صارم بن ابی صادم"  
ہمدانی کے حوالہ کیا گیا تھا۔ اور اسکے ساتھ قبیلہ بنی  
قیس کے ذکوان بن علوان بکری، یزید بن مغالد ہمدانی،  
زیاد بن الحواری العبیدی اور دیگر افراد بھیجے گئے تھے۔  
دیکھئے صفحہ ۱۸۷۔

۲۔ فتح نامہ میں یہ نام "ساوندی" تحریر کیا گیا ہے۔ دیکھئے  
صفحہ ۲۱۷-۲۱۸۔

میں حاضر ہو کر رقص کرنے لگے۔ محمد بن قاسم نے دریافت کیا کہ ”یہ کون لوگ ہیں اور کیا کرتے ہیں؟“۔ بتلایا گیا کہ ”ہماری رسم ہے کہ جب کسی بادشاہ کو فتح حاصل ہوتی ہے تو اسکی خوشی ہم اسی طرح مناتے ہیں“ اس کے بعد وہ خود پر محصول مقرر کرا کے واپس ہو گئے۔ علی بن محمد بن عبدالرحمان، سلطی کے مشورہ پر دیگر بھائیہ، لوہانہ، سہتا، چنڈ، ماچھی اور کوریجہ [قبائل کے] لوگ بھی سروپا برہنہ حاضر ہوئے۔ انہیں بھی امان دیکر ان پر [یہ ذمہ] رکھا کہ لشکر اسلام کے لوگ جب بھی دارالسلام (۱) سے آئیں گے یا اس طرف جائیں گے تو یہ لوگ انکی رہبری کریں گے (۲)۔ [۳۶] اس کے بعد محمد بن قاسم، داہر کی بہن کو، جسے اس نے ملک کے زوال کے خوف سے اپنی زوجیت میں لیا تھا، حجاج کی اجازت سے اپنے نکاح میں لایا (۳) اور پھر دوسرے مقامات کی تسخیر

۱۔ وہ ملک جہاں مسلمانوں کی حکومت ہو یہاں مراد ہے شام و عراق ہے۔

۲۔ فتح نامہ میں اس موقع پر لوہانہ اور بھائیہ قبائل کی آمد کا ذکر نہیں ہے۔ البتہ میر معصوم نے تاریخ معصومی ص ۲۷ پر یہ ذکر کیا ہے لیکن اس میں بھی ”بھائیہ“ قبائل کا ذکر نہیں ہے اور ان کی بجائے ہالیر (شاید ”ہالہ“) قوم کا بیان ہے۔ خبر نہیں میر قانع یا میر معصوم کا ماخذ کیا ہے۔

۳۔ فتح نامہ کے مطابق داہر کی بہن ”رانی بائی“ راور کے قلعہ میں سنی ہو گئی تھی۔ (دیکھئے ص ۱۹۳-۱۹۵۔ اس کے

[بقیہ حاشیہ ص ۵۷ پر]

کی طرف متوجہ ہوا۔

اسی زمانہ میں یعنی سنہ ۹۴۷ھ کے اوائل میں خبر ملی کہ داہر کے بیٹے قلعہ ”اسکلندہ“ (۱) میں جمع ہو کر اپنی خود مختاری کا نعرہ بلند کر رہے ہیں (۲)۔ [چنانچہ] محمد بن قاسم اس طرف روانہ ہوا۔ [۹۴۷ھ] اور اس قلعہ کو محصور کر کے جنگ کے بعد پوری طرح قبضہ میں لے کر بتخانہ کو توڑ کر وہاں مسجد کی بنیاد رکھی۔ وہاں کے باشندوں پر جزیہ مقرر کیا اور اسی طرح برہمن آباد بھی فتح کیا۔

[بقیہ حاشیہ ص ۵۶]

علاوہ فتح نامہ میں یہ بھی تضاد موجود ہے کہ محمد بن قاسم نے امیر المومنین کی اجازت سے داہر کی دوسری بیوی ”لاڈی“ سے نکاح کیا تھا۔ اس واقعہ کو بھی روایت کے غیر مصدقہ اور غیر تاریخی ہونے کی وجہ سے ڈاکٹر نبی بخش بلوچ نے غلط قرار دیا ہے۔ (دیکھئے حاشیہ فتح نامہ ص ۱۸۵)۔

۱۔ نسخہ ”ن“ میں ”اسکلندہ“ ہے۔

۲۔ فتح نامہ میں داہر کے صرف تین بیٹوں کا ہتہ چلتا ہے۔ ایک ”جیسیمہ“ جو میدان جنگ میں اپنے باپ کے ساتھ تھا اور پھر وزیر ”جیاگھر“ کے مشورے پر برہمن آباد میں مقیم ہو گیا تھا اور وہاں سے پھر جیسلمیر اور چتور وغیرہ چلا گیا تھا۔ (دیکھئے صفحات ۱۹۳، ۱۹۴، ۲۰۲)۔ دوسرا ”قوی“ یا ”گوی“ جو اروڑ کے قلعہ میں تھا اور وہاں سے فرار ہو کر اپنے بھائی جیسیمہ کے پاس ”چتور“ چلا گیا تھا۔ (دیکھئے ص ۲۲۴)۔ تیسرا داہر کا بیٹا ”وکیہ“ تھا جس

[بقیہ حاشیہ ص ۵۸ پر]



کہتے ہیں کہ ایک دن محمد بن قاسم بیٹھا ہوا تھا کہ تقریباً ایک ہزار برہمنوں کا گروہ سر اور داڑھی مونچھیں منڈوائے ہوئے لشکر گاہ میں آیا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اپنی رسم کے مطابق سردار کے سوگ میں انہوں نے یہ حال

[بقیہ حاشیہ ص ۵۷]

کا سندھ کے کسی بھی میدان جنگ میں ذکر نہیں آیا۔ وہ بھی اپنے بھائی کے ساتھ چنور میں موجود تھا۔ (ص ۲۲۴)۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شاید کمسن تھا اور جنگ کرنے کے قابل نہ تھا۔ رہ گیا قلعہ "اسکلندہ" تو وہ علاقہ بھائیہ" کا (غالباً ریاست بھاو پور کے قریب) ایک اہم اور مضبوط قلعہ تھا۔ محمد بن قاسم نے یہ قلعہ، اروز کی تسخیر کے بعد ملتان جاتے ہوئے راستہ میں فتح کیا تھا۔ (دیکھئے فتح نامہ ص ۲۳۶-۲۳۷)۔ ان حقایق کی بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ یہ بیان صرف سر قانع کی اختراع ہے۔ بلاذری ص ۴۲۸۔ ۴۲۹ پر لکھتا ہے کہ محمد بن قاسم کے مقابلہ پر شکست کھا کر ادھر ادھر بھاگ جانے والے سندھ کے راجے اس کے سندھ سے چلے جانے کے بعد دوبارہ واپس آگئے اور آکر اپنے اپنے ملکوں پر قابض ہو گئے۔ ان میں داہر کا بیٹا "جیسید" بھی شامل تھا جس نے آکر برہمناباد پر قبضہ کیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہد خلافت میں "جیسید" اور آن راجوں نے اسلام قبول کیا اور اپنے نام عربوں جیسے رکھ لئے۔ "ہشام بن عبدالملک" کے عہد میں "جنید بن عبدالرحمان" مری سندھ کا گورنر مقرر ہو کر آیا۔ جس سے "جیسید" کی ان بن ہو گئی۔ فریقین کے درمیان

[بقیہ حاشیہ ص ۵۹ پر]

بنایا ہے۔ [محمد بن قاسم نے] ان سب کو بلا کر داہر کی بیوی لاڈی کے مشورہ پر قدیم دستور کے مطابق ملک کے نواحی علاقوں کا محمول وصول [۴۸] کرنے پر مامور کیا۔ وہ جب مانوس ہوئے تو انہوں نے عرض کی کہ ”ہم بت پوست قوم کے فرد ہیں۔ ہماری قوم کا گذارہ بت خانوں کی مجاوری پر موقوف ہے۔ اب جس صورت میں ہم اطاعت قبول کر کے جزیہ ادا کرنے لگے ہیں اس صورت میں ہمیں دوسرے مقامات پر بت خانے تعمیر کرنے کی اجازت دی جائے (۱) اس کے لئے ہم

[بقیہ حاشیہ ص ۵۸]

زبردست جنگ ہوئی، جس میں ”جسیہ“ قتل ہو گیا۔ ”جسیہ کے بھائی چیچ بن داہر نے چاہا کہ جا کر یہ حال خلیفہ سے بیان کرے۔ لیکن جنید نے اسے گرفتار کر کے قتل کر ڈالا۔ ”جسیہ“ نے واقعی صدق دل سے اسلام قبول کیا تھا یا محض جان بچانے کے لئے، اس پر مورخوں میں اختلاف ہے۔ البتہ اس بیان سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ”چیچ“ نامی داہر کا ایک چوتھا بیٹا بھی تھا۔

۱۔ چیچ لامہ ص ۲۱۲-۲۱۳ پر واضح ہے کہ جب مسلمانوں نے برہمناباد کا قلعہ فتح کیا اور جنگ میں وہاں کا بتخانہ منہدم ہو گیا تو لوگوں نے خوف سے بت پرستی ترک کر دی تھی۔ جس کی وجہ سے برہمنوں کا روزگار بند ہو گیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے محمد بن قاسم کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ وہ لوگوں کو ہدایت کرے کہ وہ قدیم دستور کے مطابق برہمنوں کو خیر خیرات دیتے رہیں اور

[بقیہ حاشیہ ص ۶۰]

خلیفہ کے اقبال کے دعا گو رہیں گے۔" محمد بن قاسم نے حجاج کو مطلع کرنے اور خلیفہ کی اجازت حاصل کرنے کے بعد انہیں پرانی رسموں کو عمل میں لانے کی اجازت دے دی۔ اس کے ساتھ یہ حکم بھی جاری کیا کہ دوسرے ہندوؤں سے امتیاز ظاہر کرنے کے لئے برہمن پیتل کے چھوٹے برتن بنوائیں اور ہر صبح انہیں ہاتھ میں لے کر گداگری کے لئے ہر ایک کے دروازہ کے سامنے سے گذریں۔ اسی دن سے یہ رسم بن چکی ہے کہ برہمن ہاتھ میں پیالہ لے کر خیرات وصول کرنے کے لئے ہر ایک کے دروازہ پر جاتے ہیں اور فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ [۷۹]

روایت ہے کہ جب حجاج، اسکندہ اور برہمن باد کے قلعوں کی فتوحات سے واقف ہوا تو اس نے محمد بن قاسم کو لکھا کہ "جب خدا کے فضل سے داہر اور اس کے ملک پر غلبہ حاصل ہو گیا ہے تو اب اس کے پایہ تخت پر قبضہ حاصل کرنا چاہئے۔ دوسرے صرف اسی پر اکتفا نہ کرنا چاہئے بلکہ مشرق کی طرف متوجہ ہو کر ہندوستان کی طرف رخ کرنا چاہئے۔ دین محمدی کی برکت ہر مقام پر مسلمانوں کی

[بقیہ حاشیہ ص- ۵۹]

دو بارہ بت خانے تعمیر کرنے کی اجازت دی جائے۔ ملک کے عام لوگوں نے بھی اس بات کی تائید کی جس پر محمد بن قاسم نے حجاج کی منظوری حاصل ہو جانے پر انہیں شکستہ بت خانوں کی تعمیر کی اجازت دیدی۔ اس بیان سے ظاہر ہے کہ میر قانع کا یہ لکھنا کہ انہیں "دوسرے مقامات پر نئے بت خانے" تعمیر کرنے کی اجازت دی گئی محض مغالطہ ہے۔

معاون ہوگی۔

اس تحریر کے مطابق محمد بن قاسم نے اروڑ کا قصد کیا۔ اسی اثنا میں خبر ملی کہ ”فوفی“ نامی ذاہر کا ایک بیٹا اروڑ میں استقلال کے ساتھ مقیم ہے۔ اور ذاہر کے قتل ہو جانے پر یقین نہ رکھتے ہوئے کہتا ہے کہ وہ لشکر سے چھپ کر ہندوستان کی طرف چلا گیا ہے اور عنقریب ہی [وہاں سے زبردست] لشکر ساتھ لا کر انتقام لے گا۔ اس پر اسے اس حد تک یقین ہے کہ اس کے سامنے جو بھی ذاہر کے قتل ہو جانے کی خبر بیان کرتا ہے اسے وہ قتل کر دیتا ہے جس کی وجہ سے کوئی بھی شخص اس کے سامنے یہ حقیقت ظاہر نہیں کر سکتا۔ اس کے علاوہ اس نے اپنے دو بھائیوں ”جیسیہ“ اور ”وکیہ“ کو بھی جو اترافری میں ادھر ادھر منتشر ہو گئے تھے اپنے پاس بلا لیا ہے (۱)۔ یہ باتیں معلوم کر کے [محمد بن قاسم] فی الفور اس طرف متوجہ ہوا اور قلعہ اروڑ کا محاصرہ کر کے ذاہر کی بیوی لالہ کو اپنے شوہر کے مرنے کی خبر ظاہر کرنے کے لئے قلعہ کے دروازے پر بھیجا۔ [اہل قلعہ نے] اسے جھوٹا قرار دیتے ہوئے الجٹ اور پتھر مارے اور کہا کہ ”تو ان گائے خوروں سے مل گئی ہے۔“ اس پر محمد بن قاسم نے محاصرے کو تنگ کرنے کی کوشش کی۔ اہل اروڑ کچھ ہی عرصہ میں عاجز آ کر باہر نکلنے کی فکر کرنے لگے۔ [۵۰]

۱۔ یہ بیان بھی مہر قانع کی اختراع معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس کے لئے اس نے کسی سند کا حوالہ نہیں دیا۔ فتح نامہ میں کہیں بھی یہ نہیں لکھا کہ اس نے اپنے دونوں بھائیوں کو بھی اروڑ میں بلا لیا تھا۔ دیکھئے فتح نامہ صفحہ ۲۲۱۔

فوفی کو یہ اندازہ ہو گیا کہ اب اس کا انتظام قابم نہ رہ سکے گا لیکن چونکہ وہ غلط وہم میں مبتلا تھا اس لئے دستبدار ہو جانا بھی مشکل معلوم ہوتا تھا ۔

کہتے ہیں کہ وہاں ایک جادوگر عورت رہا کرتی تھی چنانچہ اس نے اس سے داہر کا حال بیان کرنے کی التجا کی ۔ ساحرہ نے جسے ان دنوں جوگن کہتے تھے اس کے لئے ایک رات کی مہلت طلب کی ۔ یہ رات گزرنے کے بعد اس نے ایک ہاتھ میں اخروٹ اور دوسرے ہاتھ میں مویج کی ہری ٹہنیاں لئے ہوئے فوفی کے پاس آکر کہا کہ ”سراندیپ نک میں نے زمین کا چہہ چہہ تلاش کیا ہے ثبوت کے لئے یہ ٹہنیاں لائی ہوں ۔ اگر داہر زندہ ہوتا تو مجھ سے ضرور نظر آتا ۔ چنانچہ اب اس کے زندہ رہنے کا خیال دل میں نہ لا اور خواہ مخواہ خود کو برباد نہ کر“ ۔ اس ساحرہ سے داہر کے مرجانے کی خبر کی تصدیق حاصل کر کے ”فوفی“ راتوں رات قلعہ سے باہر لکل کر اپنے مذکورہ بھائیوں کے پاس بھاگ گیا ۔ صبح کے وقت علاقوں نے یہ حال محمد بن قاسم کو لکھ کر اپنے لئے امان طلب کی اور اہل قلعہ کو دروازہ کھولنے کی ہدایت کی (۱) ۔ [چنانچہ]

۱ ۔ یہ واقعہ بھی مہر قانع کی اپنی اختراع ہے جس کے لئے

کوئی سند نہیں بیان کی گئی ۔ فتح نامہ جو عربوں کی

فتوحات کے بارے میں مستند ترین ماخذ ہے اس میں صرف

یہ ہے کہ علاقوں میں سے ایک شخص نے جو فوفی کی

رفاقت میں اروڑ میں مقیم تھا، فوفی کے چلے جانے کا حال

لکھ کر تیر کے ذریعہ باہر بھیجا کہ ”فوفی بن داہر

محمد بن قاسم اپنے لشکر ظفر کے ساتھ [۵۱] شہر میں داخل ہوا اور خلقِ کثیر کو ایک مندر کے دروازہ پر سجدہ میں گرا ہوا دیکھ کر دریافت کیا کہ ”یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟“ معلوم ہوا کہ ”بت کو سجدہ کر رہے ہیں۔“ بت خانہ کے اندر جا کر اس نے دیکھا کہ ایک انسانی بت گھوڑے کے مجسمہ پر سوار ہے۔ [وہ سمجھا کہ یہ کوئی سچ مچ کا آدمی ہے چنانچہ] اس نے تلوار نکال کر چاہا کہ اس پر وار کرے کہ مجاور چیخ اٹھے ”یہ زندہ انسان نہیں بت ہے“ [اور یہ کہہ کر] وہ محمد بن قاسم سے دور ہٹ گئے۔ [محمد بن قاسم نے] بت کے قریب جا کر اس کے ایک ہاتھ سے کنگن اتار لیا اور پھر مجاوروں سے کہا کہ ”تمہارے بت کے ایک ہاتھ میں کنگن نہیں ہے اس سے پوچھو کہ وہ کہاں گیا؟“ [مجاوروں نے] جواب دیا کہ بت کو اس کی کیا خبر؟“ اس نے کہا کہ ”تم لوگ بھی عجیب معبود کی پرستش کرتے ہو جو اپنے حال کی بھی خبر نہیں بیان کر سکتا!“ یہ سن کر [مجاوروں نے] شرم سے گردنیں جھکا لیں۔

نقل ہے کہ قیدیوں میں سے ایک شخص نے اپنے قتل کا حکم دیئے جانے پر کہا کہ ”میں ایک ایسا عجوبہ دکھاؤں گا

[بقیہ حاشیہ ص ۹۲]

اروڑ کی حکومت سے دستبردار ہو کر کسی طرف چلا گیا ہے۔“ شاید اسی کی بنیاد پر میر قانع نے ایک علاقہ کو، علاقوں سے تعبیر کر کے ان کے امان طلب کرنے اور اہل قلعہ کو دروازہ کھولنے کی ہدایت دینے کے الفاظ کا اضافہ شامل کر دیا ہے۔

کہ جو تم نے کبھی نہ دیکھا ہوگا لیکن شرط یہ ہے کہ مجھے اور میرے تابعداروں کو امان نامہ لکھ کر دو" [مسلمانوں نے] خیال کیا کہ وہ شاید کوئی مدفون خزانہ دکھائے گا، چنانچہ اس کے کہنے کے مطابق انہوں نے دو سو افراد کو نام بنام امان نامہ لکھ دیا۔ یہ [۵۲] امان نامہ ہاتھ میں لیتے ہی اس نے فوراً داڑھی کو منہ میں دبایا اور سر کے بال کھول کر اور گردن کو توڑ مروڑ کر پیروں کے درمیان میں کر کے زور زور سے ناچنا شروع کیا (۱)۔ پھر منہ سے عجیب عجیب آوازیں نکالنے لگا اور ایسی حالت طاری کی کہ سارے دیکھنے والے تہقہہ مار کر ہنسنے لگے۔ جب یہ [سوانگ اس نے] ختم کیا تو محمد بن قاسم نے کہا کہ "یہ سوانگ کس لئے ہے؟ جس عجیب چیز کا وعدہ کیا ہے اٹھ کر وہ دکھا" اس نے جواب دیا کہ "کہ کیا یہ عجیب شے کم ہے؟ میرے پاس تو یہی عجوبہ تھا جو میں نے دکھایا"۔ [اس پر] محمد بن قاسم کے دوستوں نے کہا کہ یہ مذاق کرتا ہے اس لئے عہد نامہ اس سے واپس لینا چاہیئے۔ [لیکن محمد بن قاسم نے] کہا کہ قول قول ہے۔ جو زبان پر آچکا ہے اس سے گریز نہ ہو گا (۲) [۵۳]

۱ - چچ نامہ صفحہ ۲۲۷ پر ہے کہ اس شخص نے امان نامہ لے کر اپنی داڑھی پر ہاتھ مارا اور داڑھی کے بال کھول کر اسکے سر سے پیر کی انگلیوں میں باندھ کر ناچنے اور یہ بیت گانے لگا:

کس ندیدہ است این عجب کہ مراست  
سوی رہشم ہمی کشان تا ہناست

۲ - چچ نامہ صفحہ ۲۲۸ پر یہ اضافہ بھی شامل ہے کہ اسکے بعد [بقیہ حاشیہ ص ۶۵ پر]

قصہ کوتاہ ، جب [ملک کا] پایہ تخت اروڑ بھی قبضہ میں آگیا اور حالات سے پوری طرح تسلی حاصل ہوئی تو اس نے عام لوگوں کے ساتھ احسان کا سلوک جاری کر کے انہیں اپنے کاروبار اور روزگار میں مشغول ہو جانے کی اجازت دیدی ۔ [اس کے بعد] ”احنف بن قیس بن رواج“ اسدی کو اروڑ کی گورنری (۱) پر ، ”موسیٰ بن یعقوب بن طائی بن محمد بن شیبان بن عثمان“ ثقفی (۲) کو قضا اور خطابت کے عہدہ

[بقیہ حاشیہ ص- ۶۴]

بعد محمد بن قاسم نے اس شخص کو اسکے دو سو عزیزوں سمیت قید کر کے حجاج کو اس واقعہ سے باخبر کیا حجاج نے ایک جانب تو یہ سوال کوفہ اور بصرہ کے عالموں کے سامنے پیش کیا اور دوسری طرف خلیفہ وقت ولید بن عبدالملک کو اطلاع دی ۔ علما اور خلیفہ کا یہی جواب موصول ہوا کہ ایسے معاملات خود اصحاب کرام کے زمانہ میں فیصل ہو چکے ہیں ۔ قرآن پاک کی آیت ہے کہ ”رجال صدقوا ما عاہد واللہ علیہ“ چنانچہ حجاج کے پاس سے اس حکم کے آنے ہی محمد بن قاسم نے اس شخص کو جملہ متعلقین کے ساتھ آزاد کر دیا ۔

۱ ۔ اروڑ کی گورنری پر احنف بن قیس کو نہیں بلکہ اسکی اولاد میں سے ایک شخص ”رواح بن اسد“ کو مامور کیا گیا تھا۔ دیکھئے فتح نامہ صفحہ ۲۳۴-۲۳۵ ۔

۲ ۔ اصل متن میں ”طائی بن شیبان“ لکھا ہے جو غلط ہے صحیح

”طائی بن محمد بن شیبان۔ الخ“ ہے۔ دیکھئے فتح نامہ ص-۲۳۵

[بقیہ حاشیہ ص- ۶۶ پر]



پر، "وداع بن حمید" نجدی کو برہمن آباد کی امارت پر، "نوبہ بن دارس" کو قلعہ راور کی نیابت پر، "ہذیل [۵۴] بن سلیمان" الازدی (۱) کو گویج (۲) کی امارت پر اور "حنظلہ بن اخی بنانہ" کلانی کو دھیلہ کی حکومت پر مامور کیا۔ اس کے بعد خود سلطان کی طرف روانہ ہوا۔ راستہ میں بھائیہ (۳) کا قلعہ بھی

(بقیہ حاشیہ ص ۶۵)

خود تحفة الکرام کے صفحہ ۲۷ پر میر قانع نے بھی مذکورہ قاضی کے پر ہونے کا شجرہ نسب اس طرح لکھا ہے: اسماعیل بن علی بن محمد بن موسیٰ بن طائی بن یعقوب بن طائی بن موسیٰ بن محمد بن شہاب بن عثمان الثقفی۔ یہاں موسیٰ کے بعد لفظ "بن" زائد ہے۔ نسخہ "ک" میں "موسیٰ بن طائی" کی بجائے "موسیٰ طائی" لکھا ہے جو زیادہ درست معلوم ہوتا ہے، کیونکہ "طائی" لفظ "موسیٰ" کی صفت نسبتی ہے لیکن کاتبوں نے شاید غلطی کی وجہ سے طائی اور موسیٰ کو دو مختلف افراد تصور کرنے ہوئے انکے درمیان لفظ "بن" کا اضافہ کر دیا ہے۔ آگے چل کر دوسرے "طائی" کے بعد پھر "بن موسیٰ" کا اضافہ کیا گیا ہے، جسکے متعلق کوئی فیصلہ کن بات نہیں کہی جاسکتی۔ "شیبان" کو بھی اس میں "شہاب" کہا گیا ہے۔ واللہ اعلم کہ اس میں کیا درست اور کیا غلط ہے۔ عثمان الثقفی سے مراد شاید وہی عثمان بن ابی العاص ثقفی ہے کہ جس نے بحرین کی گورنری کے زمانہ میں اپنے بھائی، منیرہ بن ابی العاص کو بحرین کی راہ سے دیہل پر فوج کشی کے لئے بھیجا تھا۔

۱۔ اصل متن میں "ہذیل بن الازدی" جو غلط ہے۔ شاید [بقیہ حاشیہ ص ۶۷ پر]

فتح کیا۔ بھائیہ کے قلعہ کا والی ”ککسہ بن چندر بن سیلائچ“ تھا۔ جو د ر کے پاس سے فرار ہو کر وہاں رہنے لگا تھا۔ چنانچہ وہ آکر خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کے بعد قلعہ ”سکہ“ کو فتح کر کے اور ”عتبہ بن سلمہ“ تمیمی (۱) کو وہاں مامور کر کے ملتان گیا اور اس کو گرد و نواح کے قلعوں سمیت فتح کیا۔ پھر ”خزیمہ بن عبد الملک بن تمیم“ (۲) کو [۵۵] قلعہ برہمپور (۳)

[بقیہ حاشیہ ص ۶۶]

کتابت کی غلطی کی وجہ سے لفظ ”سلیمان“ درمیان سے حذف ہو گیا ہے۔ (دیکھئے فتح نامہ ص ۲۱۸)۔

۲۔ یہ ”گوج“ شاید لفظ ”کیرج“ کی بگڑی ہوئی شکل ہے جو گجرات کے ”کیرہ“ کا معرب سمجھنا چاہئے۔ لیکن محمد بن قاسم نے یہ کیرج فتح نہیں کیا تھا۔ ہذیل بن سلیمان الازدی کو صرف کتچھ کی سرحدوں پر مامور کیا گیا تھا۔ و کیرج کے بادشاہ کے زیر اقتدار تھیں اور مسلمانوں نے بعد میں اسے فتح کر لیا تھا۔ اس بارے میں فتح نامہ کی عبارت قطعی واضح ہے (ملاحظہ ہو فتح نامہ ص ۲۱۸)۔

۳۔ اصل متن میں ”بایہ“ ہے جو غلط ہے۔ یہ بھائیہ غالباً موجودہ رہاست بھاولپور کے قریب واقع تھا۔

۱۔ اصل متن میں ”عتبہ بن تمیمی“ ہے جو غلط ہے۔ (ملاحظہ ہو فتح نامہ ص ۲۳۷)۔ اسی صفحہ پر یہ بھی واضح ہے کہ محمد بن قاسم نے عتبہ کو اسکندہ کے قلعہ کا والی بنایا تھا ”سکہ“ کا نہیں۔

[بقیہ حاشیہ ص ۷۸ پر]

میں اور ”داؤد بن نصر بن ولید“ عمانی کو ملتان میں مقرر کر کے خود دیپالپور (۱) پر حملہ آور ہوا۔ اس موقع پر مذکورہ مقامات پر مامور فوج کے علاوہ تقریباً پچاس ہزار سوار اور پیادے اس کے جھنڈے کے نیچے موجود تھے۔ بالآخر کشمیر اور قنوج کی سرحدوں تک [کے سالک] فتح کر کے اور سرو کے دو درخت لگوا کر اس نے داہر کے ملک (۲) کی حد مقرر کی اور ہر مقام پر معتمد افراد معین کر کے ”ادھے پور“ واپس آیا اور یہاں تقدیر اس کی زندگی کے پیچھے پڑ گئی۔

محمد بن قاسم کی وفات کا ذکر

محمد بن قاسم کے انتقال کے واقعہ کی حقیقت اس طرح ہے کہ جب داہر کی دو بیٹیاں ”ہرمل دیو“ اور ”سورج دیو“ جو ہودج میں اس کے ہمراہ تھیں (۳) خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، [۵۶] تو خلیفہ نے ان کا حسن بے نظیر دیکھ کر

[بقیہ حاشیہ ص ۶۷]

۲۔ فتح نامہ کے ص ۲۴۱ میں ”خریم بن عبدالملک تمیمی“ لکھا ہوا ہے۔ نسخہ ”ر“ اور ”م“ میں ”بن تمیم“ ہے واللہ اعلم۔

۳۔ اصل متن میں ”مہپور“ ہے جو کتابت کی واضح غلطی ہے۔ امیر محمد بن قاسم نے ”خریم بن عبدالملک“ کو ”ہرمہپور“ کے قلعہ پر مامور کیا تھا جو دریائے جہلم کے کنارے واقع تھا اور جیسے ”سوپور“ بھی کہا جاتا ہے۔ (دیکھئے فتح نامہ ص ۲۴۱)۔

۱۔ اصل متن میں ”دیپالپور“ ہے۔ نسخہ ”ن“ میں ”دیپالپور“ ہے۔

(بقیہ حاشیہ ص ۶۹ پر)

انہیں اپنے لئے پسند کیا لیکن ان کی وحشت اور بے دلی رفع کرنے کے لئے انہیں حرم کی ہوشیار دائیوں کے حوالہ کیا گیا۔ کچھ عرصہ بعد [خلیفہ نے] ان میں سے ایک کو بستر پر طلب کیا۔ لیکن چونکہ باپ کے قتل کا ناسور اس کے دل میں اب تک رس رہا تھا اس لئے اس نے [خلیفہ سے] کہا کہ ”ہم خلیفہ کے لائق نہیں ہیں کیونکہ محمد بن قاسم ہمیں تین رات اپنے استعمال میں لاچکا ہے“ یہ سنتے ہی خلیفہ آگ ہو گیا اور فی الفور اس نے اپنے ہاتھوں سے حکم تحریر کیا کہ ”محمد بن قاسم کو یہ حکم ملتے ہی خود کو کچے چمڑے میں بند کرا کے ہمارے حضور میں حاضر ہونا چاہئے“۔ محمد بن قاسم کو یہ حکم ادھرے پور میں ملا۔ تقدیر الہی یہی تھی اس لئے تعمیل حکم میں خود کو چمڑے میں بند کرا کے وہ روانہ ہوا اور تین ہی دن بعد راستہ میں فوت ہو گیا۔ اس کے بعد اس کی لاش کو صندوق میں بند کر کے خلیفہ کے سامنے پیش کیا

[بقیہ حاشیہ ص ۶۸]

۲۔ اصل متن میں ”داہر را حد مشخص نموده“ ہے۔ لیکن اس میں داہر سے پہلے لفظ ”ملک“ غالباً کاتب کی غلطی سے حذف ہو گیا ہے کیونکہ دوسری صورت میں جملہ کا مفہوم سہل ہو جاتا ہے۔

۳۔ ہودج میں راجہ داہر کی بیٹیاں نہیں بلکہ کنیزیں تھیں۔ (ملاحظہ ہو فتح نامہ ص ۱۷۸-۱۷۹) اور یہی دونوں کنیزیں داہر کے قتل ہونے کے وقت میدان جنگ سے گرفتار ہوئی تھیں۔ (دیکھئے فتح نامہ ص ۲۰۷)۔

گیا (۱)۔ جس نے فوراً ان دونوں بہنوں کو ہلا کر [س کی لاش] دکھا کر کہا کہ ”میرا حکم دیکھو“۔ دونوں بہنیں [یہ سن کر] بے اختیار ہنس پڑیں اور کہنے لگیں ”خليفة کے حکم کے جاری ہونے میں تو قطعی کوئی شبہ نہیں لیکن اس کے عدل اور عقل میں بڑا فتور دکھائی دیتا ہے۔ کیونکہ ایسا شخص جو ہمارے بھائی باپ کے برابر تھا محض ہم دشمنوں کے بہتان پر سچ اور جھوٹ کی تحقیق کے بغیر ہی ہلاک کر دیا گیا۔ [۷۰] ہمارا مقصد تو صرف اپنے باپ کا قصاص لینا تھا۔ اس سے محمد بن قاسم کی کم عقلی بھی ظاہر ہوتی ہے کیونکہ اسے چاہئے تھا کہ حکم کے مطابق وہ روانہ ہو جاتا اور جب ایک منزل باقی رہ جاتی تو اس وقت خود کو کچے چمڑے میں بند کراتا تاکہ یہاں تک زندہ پہنچتا اور ہماری سچی شہادت پر اس کی جان بچ جاتی۔ خليفة نے پشیمان ہو کر ان دونوں بہنوں کو زندہ دیوار میں چمڑا دینے کا حکم دیا۔ اور بعضوں کا کہنا ہے کہ انہیں ہاتھی کے پیروں میں بندھا کر بازاروں میں گھسٹوا کر مروا ڈالا۔ [۷۸]



۱۔ اس قصہ کی بنیاد فتح نامہ کی فرضی روایتوں پر ہے جو قطعی غلط اور بے بنیاد ہیں۔ دراصل محمد بن قاسم خليفة ولید کی وفات کے بعد اس کے بھائی سلیمان بن عبدالملک کی سیاسی عداوت کا شکار ہوا تھا تفصیل و تحقیق کے لئے ملاحظہ ہو ڈاکٹر نبی بخش بلوچ کا فتح نامہ کے اردو ترجمہ کے آخر میں شامل کیا ہو نوٹ۔

## تیسرا باب

### خلفائے بنو امیہ کے گورنروں کا طبقہ (۱)

جب محمد بن قاسم نے سندھ فتح کیا تو مذکورہ دستور

- ۱ - محمد بن قاسم کے بعد خلفائے بنی امیہ کے جو گورنر سندھ میں آئے ان کے نام حسب ذیل ہیں :  
۱- یزید بن ابی کبشہ مکہ کی (سلیمان بن عبدالملک کے عہد حکومت میں سنہ ۵۹۶ تا سنہ ۵۹۹) صرف اٹھارہ دنوں کے لئے -
- ۲ - حبیب بن المہلب بن ابی صغره (سلیمان بن عبدالملک کے عہد میں) -
- ۳ - عمرو بن مسلم الباہلی (عمر بن عبدالعزیز سنہ ۵۹۹ تا سنہ ۵۱۰ کے عہد میں) -
- ۴ - ہلال بن احوز تمیمی (یزید بن عبدالملک سنہ ۵۱۰ تا سنہ ۵۱۵ کے زمانہ میں) -

[بقیہ حاشیہ ص ۷۲ پر]

کے مطابق ”احنف بن قیس بن رواج اسدی“ اروڑ کا گورنر رہا اور باقی ماندہ دوسرے عمال بھی [۵۹] بیان کردہ تقریروں کے مطابق اپنے اپنے مقامات پر حکومت کرتے رہے۔ دو سال بعد ہندوستان کے لوگ باغی ہو گئے۔ البتہ دیپالپور کی سرحد سے لے کر ساحل سمندر تک کا ملک اسلامی گورنروں کے قبضہ میں رہا۔

کچھ عرصہ کے بعد ”ابو حفص قتیبہ بن مسلم“ حجاج کی جانب سے مامور ہو کر آیا (۱)، اور جو لوگ اسلام کے شرف

[بقیہ حاشیہ ص ۷۱]

۵۔ جنید بن عبدالرحمان المری (ہشام بن عبدالملک سنہ ۱۰۵ھ تا سنہ ۱۲۵ھ کے زمانہ میں)۔

۶۔ تمیم بن زید العتبی (ہشام بن عبدالملک کے مذکورہ عہد میں)۔

۷۔ حکم بن عوانہ کلبی (ہشام بن عبدالملک کے عہد میں)۔

۸۔ عمرو بن محمد بن القاسم (ہشام بن عبدالملک کے زمانہ میں)۔

۹۔ یزید بن عرار (ولید بن ہشام سنہ ۱۲۵ھ تا سنہ ۱۲۶ھ کے عہد میں)۔

۱۰۔ منصور بن جعفور الکلبی (بنی امیہ کے آخری خلیفہ مروان الحمار سنہ ۱۳۲ھ تا سنہ ۱۳۳ھ کے میں)۔

(ڈاکٹر داؤد ہوتہ کی تاریخ مصوٰی میں سندرہ تعلیقات صفحات ۲۶۶-۲۶۷ میں معمولی رد و بدل کے ساتھ)

۱۔ مہر علی شیر قانع کا یہ کہنا غلط ہے کہ محمد بن قاسم

[بقیہ حاشیہ ص ۷۳ پر]

سے مشرف نہ ہوئے تھے ان پر جزیہ عاید کر کے اور یہاں اپنے نائب مقرر کر کے خراسان چلا گیا۔ اس کے بعد حجاج کی طرف سے فوراً ہی تمیم بن زید آیا۔ اس کے بعد خلیفہ سلیمان کی جانب سے عامر بن عبد اللہ کو سند کی گورنری عطا ہوئی۔ سنہ ۱۰۰ھ میں خلیفہ ”عمر بن عبدالعزیز“ (رضی اللہ عنہ) کی جانب سے عمرو بن مسلم محاذ ہند پر آیا اور اس نے آکر کچھ حصے فتح کر کے سندھ کے بعض بادشاہوں کو مسلمان کیا جو خلیفہ ”ہشام“ کے زمانہ میں دوبارہ مرتد ہو گئے تھے۔ [۶۰]

جیسا کہ پہلی جلد میں بیان کیا جا چکا ہے سلیمان بن ہشام (۱) مروان کے لشکر سے فرار ہو کر سندھ میں آیا اور

[ہقیہ حاشیہ ص ۷۲]

کے بعد حجاج کی جانب سے ابو حفص قتیبہ بن مسلم سندھ کا گورنر ہو کر آیا۔ اسی طرح تمیم بن زید کا حجاج کی جانب سے آنا بھی قطعی غلط ہے، کیونکہ تمیم بن زید ہشام بن عبدالملک کے زمانہ میں سندھ کا گورنر ہوا تھا جیسا کہ صفحہ ۶۰ کے حاشیہ میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ حجاج سنہ ۹۵ھ ہی میں سرچکا تھا، یعنی محمد بن قاسم سے ایک سال پہلے۔ اسی طرح منصور بن جهمور بھی خلفائے بنو امیہ کی جانب سے سندھ پر مامور نہیں کیا گیا تھا بلکہ وہ مروان الحمار کے عہد میں عراق سے بھاگ کر سندھ میں آیا تھا اور سندھ کے حاکم یزید بن عرار کو شکست دے کر سندھ پر قابض ہو گیا تھا۔ (یعقوبی ص ۷۰۷)۔

۱۔ میر قانع نے ہشام بن سلیمان کی ذکر پہلی جلد میں

[ہقیہ حاشیہ ص ۷۷ پر]



نافرمانی کی وجہ سے یہیں رہ گیا لیکن پھر جب سفاح (۲) تخت

[ہقیہ حاشیہ ص ۷۳]

خاندان بنو امیہ کے آخری خلیفہ مروان العمار کے بیان میں کیا ہے جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے: کہتے ہیں کہ اس کے عہد میں بکر بن وائل قبیلہ کے ایک شخص "ضحاک" نے علم بغاوت بلند کیا اور اس کے لشکر کے دس ہزار سپاہیوں نے سلیمان بن هشام کو خلیفہ مقرر کیا۔ سلیمان نے ستر ہزار آدمی اکٹھے کئے۔ سخت جنگ کے بعد مروان فتح یاب ہوا اور اس نے ابراہیم بن سلیمان اور بن هشام مغزومی کو قتل کر دیا۔ اس جنگ میں دونوں طرف کے تیس ہزار آدمی مارے گئے اور سلیمان کے لشکر کے کثیر افراد قید ہوئے۔ مروان نے آزاد لوگوں کو قتل کرنے اور غلاموں کو فروخت کرنے کا حکم دیا۔ یہ حال دیکھ کر کتنے ہی آزاد لوگوں نے بھی خود کو غلام ظاہر کر کے قتل ہونے کی بجائے فروخت ہونے کو ترجیح دی۔ سلیمان نے اس کے بعد دوسری مرتبہ پھر لشکر جمع کر کے جنگ کی۔ مگر پھر شکست کھائی۔ اس کے بعد اس نے جا کر ضحاک خارجی کی بیعت اختیار کی اور کوفہ پر قبضہ کر کے موصل کے قریب جا پہنچا۔ مروان نے ضحاک کو قتل کر ڈالا۔ سلیمان بن هشام اور شیبان خارجی موصل کے نواح میں روپوش ہو گئے اور پھر وہاں سے خراسان بھاگ گئے۔ شیبان سیستان میں جا کر قوت ہو گیا اور سلیمان بن هشام سندھ کی طرف بھاگ آیا اور سفاح کے

[ہقیہ حاشیہ ص ۷۵ پر]

خلافت پر متمکن ہوا تو وہ جا کر اس کی خدمت میں حاضر ہو گیا (۱)۔ [۶۰]

خلفائے بنو امیہ کی حکومت کا دور سنہ ۶۳۴ء تک رہا۔ اس طبقہ کی کل مدت حکومت سنہ ۶۶۱ء کی ابتدا سے مذکورہ بالا انتہا تک چالیس سال ۷ھ۔ جب بنو امیہ کے گورنر اتنی مدت تک سندھ پر حکومت کر چکے تو پھر خاندان بنو عباس کے گورنروں کی باری آئی۔ لیکن ان کے ذکر سے پہلے گذشتہ زمانہ کے کچھ آخری حالات بیان کرنا ضروری ہیں تاکہ یہ نسخہ ادنیٰ و اعلیٰ حالات کا جامع ہو۔

مخفی نہ رہے کہ جب سندھ پر بنو امیہ کے گورنر سلطنت کر رہے تھے تو سندھ کے بعض حکمران محض ظاہر داری کے طور پر وقت کے بادشاہوں کی اطاعت کرتے رہے۔ ان ہی میں ایک دلو رائے بھی تھا۔ وہ رائے خاندان کی نسل سے تھا اور

[بقیہ حاشیہ ص ۷۴]

مہد خلافت تک یہیں رہا۔ اس کے بعد جا کر سفاح کی خدمت میں حاضر ہو گیا، جہاں پہلے تو اس پر نوازشیں کی گئیں لیکن بعد میں قتل کر دیا گیا (تحفة الکرام - تحریر کردہ مصنف - مملوکہ پروٹیسر محمد شفیع لاہوری، ورق ۱۰۸)

۲ - ابو العباس سفاح (۱۳۲-۸۱۳۶ء) پہلا عباسی خلیفہ - اسے سفاح (خونریز) اس لئے کہتے ہیں کہ وہ واقعی بڑا خونخوار تھا۔ خاندان بنو امیہ پر اس نے خاص طور پر بڑے مظالم کئے۔

۱ - نسخہ "ن" میں یہ اضافہ اور شامل ہے کہ مروان الحمار کی جانب سے ابو الخطاب بھی سندھ پر مامور ہو کر آیا تھا۔

شہر ”دلور“ میں رہا کرتا تھا جو اس کے نام کی مناسبت سے مشہور تھا۔ ایک دوسرا ایسا ہی راجہ ”بہنبہور رائے“ شہر بہنبہور میں جسے اس نے خود بسایا تھا، رہا کرتا تھا۔ انہی ایام میں ایک بڑا عجیب واقعہ رونما ہوا جس کا مختصر حال درج کیا جاتا ہے۔

### سسی پنہوں کی داستان

دلورائے کی حکومت میں ”تانیہ“ نامی ایک برہمن اپنی بیوی ”مندھر“ کے ساتھ سکھ آرام کے ساتھ ”بہانبہرواہ“ (برہمنباد) میں رہا کرتا تھا۔ یہ دونوں میاں بیوی ایک مدت سے اولاد کی خواہش رکھتے تھے۔ خدا کی قدرت سے ان کے یہاں ایک ایسی خوبصورت بیٹی پیدا ہوئی کہ چاند بھی اسکے حسن پر رشک کیا کرتا تھا۔ اتفاقاً اسکا طالع قسمت دیکھنے پر معلوم ہوا کہ وہ ایک مسلمان کی بیوی بنے گی چنانچہ مذہب کے عار سے انہوں نے دلوں پر پتھر رکھ کر اس دُرِ بے بہا کو ایک صندوق کے صدف میں بند کر کے دریا کی پُرسور موجوں میں بہا دیا۔ اتفاق سے دریا کا بہاؤ اس صندوق کو شہر بہنبہور کی طرف بہا لایا۔ اس شہر میں [۶۲] ”ننہیہ“ اور بعضوں کے کہنے کے مطابق ”لار“ نامی ایک دھوبی رہتا تھا جس کے ہانجسو شاگرد تھے لیکن اولاد کوئی نہیں تھی۔ جب یہ صندوق بہتا ہوا اس کے شاگردوں کے سامنے سے گذرا تو اسے پکڑ کر وہ استاد کے پاس لے گئے۔ اس نے صندوق کھولا تو دیکھا کہ جیسے برج قدرت پر ایک ماہتاب طلوع ہو گیا ہے۔ [چنانچہ] اس نے اس کا نام سستی (چاند) رکھ کر اسے اپنی اولاد قرار دیا۔ جب خیر سے وہ جوان ہوئی تو ہر گبرو کے دل میں اس کی محبت کا نشتر چبھنے

لگا اور جس کی بھی نظر اس پر پڑتی وہ اس کا خریدار ہو جاتا ۔ اکثر لوگ اس کے عشق میں اپنا دل گنوا بیٹھے اور وہ جہاں بھی جاتی عشاق اس کے گرد حلقہ بنا لیتے اور اس کے شوق میں پروانہ کی طرح اس کے چاروں طرف منڈلاتے رہتے ۔ اس زمانہ میں کیچ اور سکران کے قافلے تجارت کے لئے اس طرف آیا کرتے تھے ۔ انہوں نے جا کر یہ خبر کیچ کے حاکم کے بیٹے پنہوں کو پہونچائی ۔ وہ اس کے حسن کی تعریف سنتے ہی اپنا دل کھو بیٹھا اور قافلے والوں کا بھیس بدل کر بھنبھور آیا اور یہاں سسئی کو دیکھتے ہی اس کا دل قابو سے باہر ہو گیا ۔ لیکن قسم اچھی تھی اس لئے طالب کو بھی اپنے مطلوب کے دل میں جگہ مل گئی اور امید وصال میں اس نے اس کے باپ کی شاگردی اختیار کر کے دھوبی کا بھیس بدلا ۔ (اس عرصہ کے متعدد واقعات ہیں جن کے بیان سے طوالت کے خوف سے احتراز کرتے ہیں) ۔

قصہ کوتاہ ، سسئی بھی پنہوں پر بے حد فریفتہ ہو گئی ۔ لیکن جیسا کہ دستور ہے ایک سنارن ، اپنے مطلب کی خاطر ان دونوں طالب و مطلوب میں جدائی ڈالنے کی فکر میں مبتلا ہو گئی ۔ اس نے پنہوں کو غیرت دلا کر آسے سسئی سے برگشتہ کر دیا ۔ اس طرف سسئی نے جو عشق میں صادق تھی خود کو بھڑکتی ہوئی آگ میں سے خالص سونے کی طرح پاک و صاف نکال کر اپنی صداقت ثابت کر دی جس پر سب کو عبرت ہوئی ۔ کچھ عرصہ کے بعد طالب کی مطلوب کے ساتھ [۶۳] بحسن و خوبی شادی ہو گئی ۔ اس طرف پنہوں کے باپ نے اس حال سے واقف ہو کر اپنے دوسرے بیٹوں کو حکم دیا کہ ”کسی بھی طرح اس دل گم کردہ کو لے آؤ“ انہوں نے آ کر پنہوں سے ملاقات کی اور مہمان ہو کر رات کے وقت سسئی کو بے خبری

نصفۃ الکرام

کے عالم میں [سوتا] جھوڑ کر اور پنہوں کو ایک تیز رفتار اونٹ پر سوار کرا کے اپنے ملک کی طرف روانہ ہو گئے۔ سستی جب رات کے پچھلے پہر بیدار ہوئی تو اس نے اپنے جاگتے نصیب کی دنیا کو نیند کی بے رحم فوج کے ہاتھوں ہامال دیکھا۔ [جس پر] بے ساختہ وہ اپنے کپڑے پھاڑتی اور چیختی چلاتی تنہا اپنے محبوب کے تعاقب میں روانہ ہوئی۔ انشائے شوق میں وہ پا بربھنہ پہاڑوں کی پتھریلی راہوں کو روندتی رہی۔ اس طرح جب مسلسل تقریباً چالیس کوس کا فاصلہ اس نے طے کیا تو ایک مقام پر پیاس سے جاں ہلب ہو کر گر پڑی اور جس طرح کوئی عالم سکرات میں ایڑیاں رگڑتا ہے، اس طرح زمین پر پاؤں مارنے لگی۔ خدا کی قدرت سے اسی وقت وہاں ہانی کا ایک لبریز تالاب نمودار ہو گیا، جس میں سے ہانی ہی کر وہ دوبارہ تازہ دم ہو گئی۔ معتبر لوگوں سے سنا گیا ہے کہ وہ تالاب آج تک ہانی سے بھرا رہتا ہے اور قحط سالی کے کیسے ہی سخت زمانے کیوں نہ آئیں، وہ کبھی خشک نہیں ہوتا۔ اس واقعہ سے قبل سستی نے رات کو مہندی لگائی تھی اور رواج کے مطابق مہندی کی شاخ ہاتھ میں لے کر سوئی تھی۔ جاگتے وقت یہ مہندی کی شاخ اس کے ہاتھ میں تھی اور اسی شاخ کو اس مقام پر اس نے بو دیا تھا۔ قدرت الہی سے وہ شاخ پھل پھول کر درخت بن گئی اور آج تک اس شکستہ دل کی یادگار کے طور پر قائم ہے۔

قصہ مختصر، تازہ دم ہونے کے بعد سستی وہاں سے آگے بڑھی اور تقریباً چھ سات کوس اور بھی پہاڑی راستہ پر چلتی رہی اس کے بعد پھر پیاس کی شدت میں مبتلا ہوئی۔

ایک چرواہے نے اسے دور سے دیکھا تو بری نیت کے ساتھ اس کے قریب آیا اور اسے اپنے ساتھ لے جانا چاہا۔ اس پر سسٹی نے [چیخ کر] کہا کہ ”اے بیدرد! میں پیاس سے جاں بلب ہوں [۶۴] اور تو مجھ پر مفتون ہو رہا ہے! تجھے پہلے تو میری تشنگی دور کرنی چاہئے“ [یہ سن کر] چرواہا تیزی کے ساتھ اپنے گلہ میں گیا تاکہ کچھ دودھ دوہ کر لے آئے۔ اس طرف سسٹی اپنے محبوب کی تلاش سے نا امید ہو چکی تھی [چنانچہ] اس نے خود کو جب اس [نئی] مصیبت میں مبتلا دیکھا تو دکھے دل سے بارگاہ الہی میں، کہ وہی بے چاروں کا چارہ ساز ہے، فریاد کی اور اس غول بیابانی سے پناہ طلب کی۔ خدائے پاک کی قدرت سے ایک پہاڑی چٹان میں شگاف پیدا ہو گیا اور جس طرح لعل پتھر کے اندر ہوتا ہے اسی طرح اس دل گرفتہ کو بھی پتھر کے دل میں جگہ مل گئی۔ البتہ [عام لوگوں کو] عبرت اور محبوب کو ہتہ دینے کے لئے اس کی چادر کا پلو باہر رہ گیا۔ چرواہا جب دودھ لے کر آیا اور آکر قدرت کا یہ تماشا دیکھا تو بے حد پشیمان ہوا اور رسم کے مطابق قبر کی نشان دہی کے لئے اس نے پتھروں کا حصار چن دیا۔

عشق اور محبت کے مارے اس طرح بیان کرتے ہیں کہ جب پنہوں کو اس کے باپ کے پاس لے گئے تو وہاں وہ اس قدر بے چین ہوئے لگا کہ اس کے باپ کو اس کے مر جانے کا خوف لاحق ہو گیا [چنانچہ] مجبوراً اس کے بھائیوں کو اس ساتھ روانہ کر کے ہدایت کی کہ ”کسی بھی طرح اس کے محبوب کو بھی لے آؤ“۔ واپسی میں جب [پنہوں] سسٹی کی

قبر کے قریب پہونچا تو تازہ نشانات دیکھ کر حیران رہ گیا ۔  
دل کی کنشش نے تو اسے اپنے محبوب کا ہتہ دے دیا [لیکن]  
ظاہری ثبوت کے لئے وہ اسباب تلاش کرتا رہا ۔ اتفاقاً مذکورہ  
بالا چرواہا وقت پر ادھر آنکلا اور آکر اس نے مفصل حالات  
سے باخبر کیا ۔ [اس پر وہ] فی الفور اونٹ سے نیچے اترا اور  
بھائیوں سے کہنے لگا کہ ”[آپ لوگ] کچھ توقف کریں میں  
اس قبر کی زیارت کر لوں“ ۔ اس کے بعد اس نے خود کو اس  
قبر پر دیوانہ وار گرا کر خداوند کریم و کار ساز کی بارگاہ میں  
گڑ گڑا کر وصال محبوب کی التجا کی ۔ چنانچہ جیسا کہ بے وسیلوں  
کے وسیلہ کی درگاہ میں کسی بھی امید وار کو نا امیدی کی  
صورت نہیں دیکھنی پڑتی، [۶۵] قادر با کمال کی قدرت  
کاملہ سے وہ چٹان پھر شق ہوئی اور جڑواں بادام کی طرح اسے بھی  
اسی لحد میں جبکہ مل گئی ۔ اس وقت سے یہ عجیب داستان  
عوام کی زبان پر جاری ہے اور صاحبان حال و قال یہ واقعات  
انہی عاشق و معشوق کی زبانی، کہ جن میں سے ہر ایک  
فی الواقعہ عاشق بھی تھا اور معشوق بھی، سر ”حسینی“ میں  
گاتے ہیں اور اس مجاز میں حقیقت کی راہ تلاش کرتے اور  
پاتے ہیں ۔ مقصد یہ کہ ان دونوں واصلین [کے ذکر]  
کی تاثیر سے اہل وجد و سماع پر عجیب کیفیات طاری  
ہوتی ہیں ۔ ”میر معصوم“ بکھری نے اس قصہ کو  
مثنوی ”حسن و ناز“ میں بیان کیا ہے ۔ اس کے علاوہ  
”قاضی مرتضیٰ“ سورٹھی ساکن موضع ”کتیانہ“ نے  
محمد شاہ بادشاہ کے زمانہ میں [اسے] ایک خاص طرز میں نظم

کیا تھا ۔

نقل ہے کہ ”اسماعیل“ نامی ملتان کا ایک درویش ان دونوں عشاق اور اقلیم عشق کے شہنشاہوں کی زیارت کے لئے آیا اور اپنے اونٹ کو دور چھوڑ کر ان دونوں کے دیدار کی آرزو میں تین دن تک بھوکا بیٹھا رہا ۔ تین دن کے بعد ایک بوڑھی عورت کچھ روٹیاں اور تھوڑا پانی لے کر ظاہر ہوئی ۔ [درویش نے] کہا کہ ”جب تک میں سسئی اور پنہوں کو نہ دیکھوں گا تب تک ہر گز کچھ نہ کھاؤنگا۔“ [بوڑھی نے] کہا کہ ”سسئی میں ہوں ، البتہ پنہوں کے دیکھنے کا خیال ترک کر دے۔ کیونکہ زمانے کا کوئی بھروسہ نہیں اور میں پہلے ہی دیوروں کی ستانی ہوئی ہوں ۔ یہ جال بڑا درد ناک ہے۔“ درویش نے کہا کہ ”مجھے یہ یقین کیسے ہو کہ تو ہی سسئی ہے ؟ کیونکہ سسئی تو نوجوان اور حسین تھی اور تو بوڑھی عورت ہے۔“ [اس پر] اس نے فی الفور خود کو اپنے اصلی روپ اور جوانی میں ظاہر کیا اور درویش سے کہا کہ ”اب تو کچھ کھا لے۔“ درویش نے جواب دیا کہ ”جب تک میں تم دونوں کو نہ دیکھ لوں گا [۶۶] اس وقت تک ہر گز کچھ نہ کھاؤنگا ، چاہے بھوکا مر جاؤں ۔ کیونکہ میں نے ایسا عہد کیا ہے۔“ آخر کار بڑی رد و قدح اور قسما قسمی کے بعد سسئی نے لحد میں جا کر پنہوں کو کمر تک باہر نکالا ۔ لیکن [ساتھ ہی] اس مہتاب نے جوزا کے مانند اسے دونوں ہاتھوں سے اپنی گرفت میں لے لیا تاکہ پہلے کی طرح پھر کوئی اسے اس سے چھڑا کر نہ لے جائے ۔



غرض اس طرح کتنے ہی باضفا بزرگوں نے انہیں دیکھا ہے۔ اس مقام سے اونٹوں پر سوار ہو کر گزرنے والوں کے حق میں بہتری نہیں ہوتی اور جو شخص بھی ان کی قبر پر جا کر شب بیداری کرے گا، باوجودیکہ وہ علاقہ اب ویران ہے، لیکن وہ ٹھیلی مہمان رہے گا۔ اجمالی طور پر یہ داستان بیان کرنے کے بعد اب ہم اصل مقصد کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔



## چوتھا باب

### خلفائے بنو عباس کے گورنروں کا طبقہ (۱)

جب خاندان ”عباسیہ“ کا پہلا خلیفہ ”سفاح“ تخت

(۱) خلفائے بنو عباس کے جو گورنر سندھ میں آئے ان کے نام یہ ہیں :

۱ - [عبدالرحمان بن ابی مسلم] مفلس بن السری العبیدی

(ابوالعباس سفاح سنہ ۵۱۳۲ تا سنہ ۵۱۳۶ کے عہد میں) -

اس نے آکر سندھ کے حاکم منصور بن جهمور سے جنگ

کی لیکن مارا گیا (ہینلاذری) -

۲ - موسیٰ بن کعب تمیمی (ابوالعباس سفاح کے دنوں میں) -

۳ - عیینہ بن موسیٰ بن کعب (ابوجعفر منصور سنہ ۵۱۳۶ تا

سنہ ۵۱۵۸ کے عہد میں) -

۴ - هشام بن عمرو التلمی (منصور کے عہد میں) -

۵ - عمر بن حفص بن عثمان ہزار مرد (منصور کے عہد میں) -

۶ - بسطام بن عمرو هشام کا بھائی (منصور کے عہد میں) -

[بقیہ حاشیہ ص ۸۴ پر]

خلافت [۶۴] پر بیٹھا تو اس نے سنہ ۱۴۳ھ میں پہلی فوج

[بقیہ حاشیہ ص ۸۳]

- ۷ - معبد بن الخلیل تعمیمی (منصور کے عہد میں)
- ۸ - روح بن حاتم المولبی (سہدی ۱۵۸ھ تا ۱۹۹ھ کے عہد میں) -
- ۹ - [بسطام بن عمرو - یہ روح کے بعد سندھ کا گورنر ہو کر آیا تھا لیکن چند ہی ماہ بعد خلیفہ نے اسے موقوف کر کے اسکی جگہ بھر روح کو گورنر مقرر کر دیا (- ابن الاثیر) -
- ۱۰ - نصر بن محمد بن الاشعث الخزاعی (سہدی کے زمانہ میں) -
- ۱۱ - عبد الملک بن شہاب المسمعی (سہدی کے عہد میں) -
- ۱۲ - نصر بن محمد بن الاشعث الخزاعی (سہدی کے زمانہ میں) -
- ۱۳ - زہیر بن عباس (سہدی کے عہد میں) -
- ۱۴ - مصعب بن عمرو التغلبی جس نے اپنی جانب سے لیث بن طریف کو سندھ پر نامزد کیا (سہدی کے عہد میں) -
- ۱۵ - سالم الیوسی - اسماعیل بن علی کا آزاد کردہ غلام (ہارون رشید سنہ ۱۷۰ھ تا سنہ ۱۹۳ھ کے عہد میں) -
- ۱۶ - اسحاق بن سلیمان بن علی ہاشمی (ہارون کے عہد میں) -
- ۱۷ - طیفور بن عبداللہ بن منصور العمیری (ہارون کے عہد میں) -
- ۱۸ - [جابر بن عبد الطائی (ہارون کے عہد میں)] -
- ۱۹ - سعید بن مسلم بن قتیبہ جس نے اپنے بھائی کثیر بن مسلم کو اپنی جالب سے سندھ بھیجا (ہارون کے عہد میں) -
- ۲۰ - عیسیٰ بن جعفر بن منصور - اس نے اپنی بجائے محمد بن عدی تغلبی کو بھیجا (ہارون کے عہد میں) -

[بقیہ حاشیہ ص ۸۵ پر]

(۱) سندھ پر لشکر کشی کے لئے [۶۸] روانہ کی اور بنو امیہ

[بقیہ حاشیہ ص ۸۴]

- ۲۱ - عبدالرحمان (ہارون کے عہد میں) -
- ۲۲ - ایوب بن جعفر بن سلیمان (ہارون کے عہد میں) -
- ۲۳ - داؤد بن یزید بن حاتم المہلبی سنہ ۵۱۷ھ - اس نے اپنی بچائے اپنے بھائی المفہرہ کو بھیجا -
- ۲۴ - بشر بن داؤد (امین سنہ ۵۱۹۳ھ تا سنہ ۵۱۹۸ھ کے عہد میں) -
- ۲۵ - [غسان بن عباد (ماسون سنہ ۵۱۹۸ھ تا سنہ ۵۲۱۸ھ کے عہد میں)] -
- ۲۶ - موسیٰ بن یحییٰ بن خالد برمکی (ماسون اور معتصم باللہ سنہ ۵۲۱۸ھ تا سنہ ۵۲۲۷ھ کے عہد میں) وہ سنہ ۵۲۲۱ھ میں فوت ہو گیا -

- ۲۷ - عمران بن موسیٰ (معتصم باللہ کے زمانہ میں) -
- ۲۸ - ایتاخ التركي۔ جس نے اپنی بچائے عنبت بن اسحاق ضبی کو سندھ بھیجا (الوائق باللہ سنہ ۵۲۲۷ھ تا سنہ ۵۲۳۲ھ کے عہد میں) "یعربی" کے مطابق "عنبت" کو براہ راست خلیفہ معتصم نے مامور کیا تھا اور وہ الوائق کے عہد میں بھی اسی عہدہ پر برقرار رہا -

- ۲۹ - ہارون بن ابی خالد (متوکل سنہ ۵۲۳۲ھ تا سنہ ۵۲۴۷ھ کے عہد میں) وہ سنہ ۵۲۴۰ھ میں فوت ہو گیا -

- ۳۰ - عمر بن عبدالعزیز ہباری (متوکل کے عہد میں) -

- ۳۱ - ابوالصمہ (سنہ ۵۲۵۵ھ کے قریب)

(—ڈاکٹر داؤد ہوتہ کی تاریخ معصومی میں شامل کردہ

تعلیقات میں قدرے اضافہ کے ساتھ)

(۱) نسخہ "ن" میں یہ فقرہ زائد ہے "ہر کردگی داؤد

بن علی" -

کے گورنروں کے قبضہ سے سندھ کو چھین لیا۔ چار سال کے بعد ابو جعفر منصور عباسی نے سندھ اور ہند پر فوج کشی کے لئے ایک اور لشکر بھیجا۔ ہارون رشید کے عہد میں فضل برمکی کا بھائی موسیٰ برمکی سندھ پر گورنر ہو کر آیا۔ وہ ساری آمدنی بخشش و سخاوت کی نذر کر دیا کرتا تھا اس لئے موقوف کیا گیا اور اس کی جگہ پر "علی بن عیسیٰ بن ہامان" مامور ہو کر آیا۔ اس کے زمانہ میں سر زمین ساکورہ (ساگرہ) میں "تھرڑی" کا مضبوط قلعہ، شہر "بکار" اور اسی سر زمین یعنی مغربی خطے کی دوسری بستیاں، ایک بزرگ نبع تابع (۱) شیخ ابو تراب کے ہاتھوں فتح ہوئیں، جن کا مزار دو-رے شہدا کے ساتھ اہل اللہ کی زیارت گاہ ہے۔ ان کے گنبد پر تاریخ تعمیر سنہ ۱۷۱ھ کندہ ہے۔ [ان دنوں] بہنہور اور دوسرے مذکورہ بالا مواضعات ویران ہو رہے تھے اور ان کے باشندے دوسرے مقامات کی طرف ہجرت کر رہے تھے۔ اس کے بعد "ابوالعباس" سندھ کا گورنر ہو کر آیا اور کافی مدت تک یہاں رہا۔ ماموں کے عہد خلافت

(۱) جن لوگوں نے براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فیض حاصل کیا انہیں صحابی کہتے ہیں۔ جس نے کسی صحابی سے ادراک حاصل کیا اسے "تابع" اور جس نے "تابع" سے فیض حاصل کیا ہو، اسے "تابع تابع" کہا جاتا ہے۔ ان تینوں ادوار کے بارے میں حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: "خیر القرون قرنی ثم الذین یلونہم" یعنی سب سے بہتر زمانہ میرا ہے اس کے بعد جو اس سے ملحق ہے اور پھر اس کے بعد جو اس سے بھی ملحق ہے۔

میں ہندوستان کا کچھ مزید علاقہ اس کے گورنروں کے قبضہ میں آیا۔ اس کے بعد بغداد کے ”آل تمیم“ کے کچھ لوگ حکومت سندھ پر مامور ہوئے۔ ”سامرہ“ کے عرب باشندے بھی کثیر تعداد میں [آل] تمیم کے ساتھ سندھ میں آئے اور [۶۹] یہاں کی سکونت اختیار کی۔ کالی مدت کے بعد جس طرح کہ ”بنی تمیم“ ”تھیم“ مشہور ہو گئے اسی طرح اہل ”سامرہ“ میں سے ہزاروں کی تعداد میں ایک مستقل قوم ”سومرا“ وجود میں آ گئی جس میں کتنے ہی سرکش سردار پیدا ہوئے جن کا آگے چل کر ذکر آئے گا۔

والآخر — ”القادر باللہ“ ابوالعباس احمد بن اسحاق بن المقتدر باللہ کے عہد خلافت میں ماہ رمضان سنہ ۳۱۶ھ کے وسط کے قریب سلطان محمود غازی، غزنی سے ملتان آیا اور آج فتح کر کے القادر باللہ کے عمالوں کو سندھ سے نکال دیا۔ مذکورہ بالا ابتدا سے لے کر انتہا تک خلفائے بنو عباس کے گورنروں کی مدت حکومت سندھ میں کل دو سو تراسی سال ہے۔

مخفی نہ رہے کہ ”سومرہ“ قوم دو سو برس پہلے سے ملک سندھ کے اکثر حصہ پر قابض رہی ہے لیکن چونکہ وہ محصول ادا کرتے رہتے تھے اور مسلمان حکمرانوں کی اطاعت کا طوق اپنے گلوں میں آویزاں کئے رہتے تھے اس لئے ان کا ذکر نہیں کیا گیا۔ بلکہ غزنویوں، غوریوں اور دہلی کے شہنشاہوں کے گورنروں کے بیان کے بعد ہی ان کی حکومتوں اور ان کے کچھ ناموں کا علاحدہ ذکر کیا جائے گا۔

## پانچواں باب

غزنوی، غوری اور شہنشاہان دہلی  
کے گورنروں کا طبقہ

سب سے پہلے سلطان محمود غازی کے وزیر عبدالرزاق نے سنہ ۵۴۱ء میں تسخیر پکھر سے فارغ ہو کر سیوستان اور ٹھٹہ میں جا کر بنو امیہ اور بنو عباس کے عمالوں میں سے ایک شخص کو [۷ء] بھی اس ملک میں باقی نہ چھوڑا (۱)۔ صرف

---

(۱) سلطان محمود کے وزرا یا سپہ سالاروں میں سے عبدالرزاق نام کا کوئی شخص نہیں تھا۔ البتہ خواجہ حسن میمنی کے ایک بیٹے کا نام عبدالرزاق تھا جسے امیر مودود بن مسعود نے سیستان پر مقرر کیا تھا اور جس نے عبدالرشید بن مسعود کو قید سے چھڑا کر اور غزنی لے جا کر علی بن مسعود کی بجائے تخت پر بٹھایا تھا۔ سلطان مسعود کے بیٹوں میں سے بھی ایک کا نام عبدالرزاق تھا۔

وہ چند لوگ جو فضیلت اور ٹیک چلتی کے کردار کے حامل تھے اور اہل و عیال کی ذمہ داریوں کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے وہ اپنے سابقہ شرعی عہدوں اور وظیفوں پر بوقرار رہے۔ ماہرین انساب نے ایسے اٹھارہ قبیلے ثابت کئے ہیں۔ [۷۱]

[بقیہ حاشیہ ص ۸۸]

اس کے علاوہ جوں ہی سلطان محمود تخت نشین ہوا تھا، خلیفہ القادر باللہ نے اسے خراسان کی حکومت، پرہم، قیمتی خلعت، چتر اور "امین الدولت، امین الملک ابوالقاسم محمود ولی امیر المومنین" کا خطاب عطا کیا تھا۔ چنانچہ کوئی ایسا سبب قیاس میں نہیں آتا کہ پھر کیوں سات ہی سال کے بعد سلطان محمود نے غصہ میں آکر خلیفہ کے جملہ عمالوں کو سندھ سے نکال دیا ہوگا۔

"زین الاخبار" کے بیان کے مطابق سلطان محمود سنہ ۶۹۶ھ میں جے ہال کے بیٹے انند ہال کو شکست دے کر ہندوستان کی راہ سے ملتان آیا تھا اور سات دن تک شہر کو محاصرہ میں لے رکھا تھا۔ بالآخر اس شرط پر صلح ہوئی کہ صوبہ ملتان سے سال میں بیس بار ہزار ہزار درم [خراج] ادا کیا جاتا رہے گا۔ اس کے بعد سلطان محمود واپس چلا گیا تھا۔ دوبارہ وہ پھر سنہ ۷۰۱ھ میں واپس آیا اور آگر ملتان کو مکمل طور پر فتح کر کے اور وہاں کے قرامطہ کو گرفتار کر کے انہیں قتل کرا دیا۔ کسی کو اس نے ہاتھ قلم کئے جانے کی سزا دی اور کسی کو قلعہ میں قید کر دیا جو وہیں مر گئے۔ اسکے علاوہ اسی سال وہ داؤد

[بقیہ حاشیہ ص ۹۰ پر]



انہی میں سے ایک ”ثقفی“ خاندان ہے۔ بکھر اور اروڑ کے قاضیوں کا قبیلہ موسیٰ بن یعقوب بن طائی بن محمد بن شبیان بن عثمان ثقفی کی اولاد میں ہے۔ عربی زبان میں تسخیر

[بقیہ حاشیہ ص ۸۹]

بن نصر کی بھی گرفتار کر کے غزنی لایا جہاں سے پھر اسے قلعہ غورک میں بھیج دیا اور وہ وہیں مر گیا۔  
 ”فرخ“ نے یک قصیدہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سلطان محمود جب سومات فتح کر کے واپس ہوا تھا تو کچھ ”ا“ں عبور کر کے وہ سندھ کے پایہ تخت منصورہ بھی آیا تھا۔ اسوقت یہاں کا قریطی حاکم خفیف بھاگ کر کھجوروں کے کسی جنگل میں جا چھپا تھا۔ اس پر ناراض ہو کر سلطان محمود نے اپنے کچھ آدمی اس کے قریب میں بھیجے اور انہوں نے جا کر اس کے لشکر گاہ کا محاصرہ کر کے اسکے کتنے ہی آدمی قتل کر ڈالے۔ اگر ایک سندھ سلطان محمود کے تصرف میں ہوتا اور یہاں کے حکمران اس کی اطاعت قبول کر چکے ہوتے تو پھر خفیف کے بھاگ جانے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔

اس کے علاوہ یہ بھی واقعہ ہے کہ سلطان محمود، منصورہ سے سیدھا دریا کے کنارے کنارے ملتان گیا اور اسے بیابان کی خشکی اور سندھ کے جتوں کے ہاتوں سخت اذیتیں پہونچیں اور اسکے لشکر کے کتنے ہی آدمی راہ میں مر گئے اسی وجہ سے سلطان محمود کو ملتان کے جتوں اور دریائے سندھ کے ساحلی ”بھائیوں یا بھٹیوں“ پر سخت غصہ تھا

[بقیہ حاشیہ ص ۹۱ پر]

سندھ کا پہلا تذکرہ قلم بند کرنے والے ”قاضی اسماعیل بن علی بن محمد [۷۲ء] بن موسیٰ بن طائی (۱) اسی قبیلے کے فرد تھے۔ ان کے دادا موسیٰ بن یعقوب کو محمد بن قاسم نے تسخیر اروڑ کے موقع پر وہاں کے قضا اور خطابت [کے عہدہ] پر مامور کیا تھا۔

”تمیمی“ اور ”آل مغیرہ“ جو لہجہ کے رد و بدل کی وجہ سے اب ”تھیم“ اور ”موریہ“ کہے جاتے ہیں۔ [دراصل عباسی، صدیقی، فاروقی اور عثمانی [نژاد] ہیں، جن کی اولادیں آج تک سارے سندھ میں آباد ہیں ”پھنور“ [قبائل کے لوگ] حضرت حارث کی اولاد میں سے ہیں۔ ”منگی“ قوم ”بنی تمیم“ کی ایک شاخ ہے۔ اسی طرح ”جبریہ“ (۲) قبیلہ جن میں ہالانی کے شیخ طائی ہیں۔ قبیلہ بنی اسد کے ”شیخ ترہ“ کا

[بقیہ حاشیہ ص ۹۰]

اور اس نے سنہ ۵۱۸ھ میں انھیں عبرتناک سزائیں دی تھیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۵۱۸ھ سے پہلے سلطان اس علاقہ سے مانوس نہ تھا۔ ممکن ہے اسی سال سندھ اور ملتان کا سارا علاقہ غزنوی کے تصرف میں آیا ہو، - (ماخذ: تعلیقات ڈاکٹر داؤد پوتہ از تاریخ معصومی صفحات ۲۶۶ تا ۲۷۱)

۱۔ فتح نامہ کے صفحات ۹۰-۹۱ سے واضح ہوتا ہے کہ قاضی اسماعیل بن موسیٰ ثقفی نے فتح سندھ کا تذکرہ عربی میں خود نہیں تحریر کیا تھا بلکہ یہ اسکے بزرگوں میں سے کسی کا نوشتہ تھا جس کا ترجمہ علی کوفی نے فارسی زبان

[بقیہ حاشیہ ص ۹۲ پر]

فتح پور میں ذکر آئے گا۔ قبیلہ آل عتبہ کے قاضی برہان مذکورہ فتح پور میں موجود ہیں۔ بنوائی کے صوفیوں کا قبیلہ، جس میں ”ریل“ کے کچھ بزرگ درویش ہیں، ”حاکم“ کی اولاد ہیں۔ بھانگروں کی ”باجر“ قوم، جریمہ انصاری کی اولاد ہے جس میں کی ”سپیہ قوم“ سیوستان کی مالک ہے۔ اور جت اور بلوچ ”محمد بن ہارون“ مکرانی (۱) کی اولاد ہیں۔ مزید استفادہ کے لئے جتوں اور بلوچوں کے شجرہ کی مختصر تفصیل درج کی جاتی ہے۔

### جتوں اور بلوچوں کا شجرہ

محمد بن ہارون مکرانی جس کا مکران کے گورنروں کے سلسلہ میں ذکر آچکا ہے، سندھ پر فوج کشی کے وقت [۷۳] محمد بن قاسم کے ساتھ ارمن ییلہ (لس ییلہ) تک آیا تھا وہیں وفات پائی اور مدفون ہے۔ وہ ماہرین انساب کے فیصلہ کے مطابق، جس کی ذمہ داری انہی پر عاید ہوتی ہے، ”محمد بن امان بن عبدالرحیم بن حمزہ بن عبدالمطلب“ کا بیٹا تھا۔ کہتے ہیں کہ کسی وقت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شکار کرتے ہوئے کسی دور دراز ملک میں جا نکلے اور صحرائے لقی و دق میں تنہا رہ گئے۔ چونکہ خدائے تعالیٰ کا

(بقیہ حاشیہ ص ۹۱)

میں کیا اور جو آجکل پہچنامہ (فتح نامہ) کے نام سے مشہور ہے۔

۲۔ نسخہ ”ن“ میں ”حسیرید“ ہے۔

۱۔ اصل متن میں ”ہارون مکرانی“ ہے جو صحیح نہیں ہے۔

اپنے خاص بندوں پر ہمیشہ کرم ہوتا ہے اس لئے اس بیابان میں ان کا دل بہلانے کے لئے ایک ہری نمودار ہوئی اور حکم خدا سے ان کے لئے حلال ہوئی۔ اس کی ایک صحبت ہے [حضرت حمزہ کی] وہ تھکاوٹ، وحشت اور احساس تنہائی کا قور ہو گیا۔ [چنانچہ] خدائے تعالیٰ کے حکم سے وہ ہری پہر نگاہوں سے غائب ہو گئی اور امیر اپنے ملک میں واپس چلے آئے۔ مذکورہ ہری کے بطن ”میں عبدالرحیم“ نے پرورش پائی اور تولد ہوئے۔

قصہ مختصر، محمد بن ہارون کے، سات بیویوں سے، ۱۔ بچاس بیٹے پیدا ہوئے [ان میں سے] ۱۔ عیسیٰ ۲۔ مہران ۳۔ حجاز ۴۔ سہتک ۵۔ بہرام ۶۔ رستم ۷۔ جلال، ایک بی بی ”حمیرہ“ کے بطن سے ہیں۔ ۱۔ مزید ۲۔ جمال ۳۔ رادھو ۴۔ بہلول ۵۔ شہاب ۶۔ نظام ۷۔ جلال اور ۸۔ مرید نامی فرزند دوسری بی بی ”حمیری“ کے بطن سے ہیں۔ ۱۔ رودین (شاید رائے ڈنہ) ۲۔ موسیٰ ۳۔ نوتی ۴۔ نوح ۵۔ مندہ اور ۶۔ رضی الدین، ”مریم“ نامی بی بی کے بطن سے۔ جلال نامی فرزند بی بی عایشہ کے بطن سے۔ ۱۔ آدم ۲۔ کمال ۳۔ احمد ۴۔ حماد ۵۔ حامد ۶۔ سعید اور ۷۔ مسعود بی بی ”مدی“ کے بطن سے۔ ۱۔ شیر ۲۔ کوہ ۳۔ بلند ۴۔ کدک ۵۔ نورالدین ۶۔ حسن ۷۔ حسین ۸۔ سلیمان اور ۹۔ ابراہیم، بی بی ”فاطمہ“ نامی کے بطن سے۔ ۱۔ عالم ۲۔ علی ۳۔ تیر کھن ۴۔ بہادر ۵۔ تیغ زن ۶۔ مبارک ۷۔ ترک ۸۔ طلحہ ۹۔ عربی ۱۰۔ شیراز ۱۱۔ تاج الدین اور ۱۲۔ تخت گیر گلستان برگ

بی بی ”حوا“ کے بطن سے ہیں = [۴۷]

چونکہ [محمد بن ہارون] حجاج کے حکم کے مطابق ،  
جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے ، مکران کو [دشمنوں سے] صاف  
کر کے گزرا تھا اس لئے وہاں کی زمینداری کو قرب و جوار  
سمیت نصفاً نصف کر کے ایک حصہ جلال کو اور دوسرا حصہ  
اس کے بھائیوں کو دینے کا فیصلہ کیا گیا ۔ لیکن کچھ مدت  
بعد بھائیوں میں نا اتفاقی ہو گئی ۔ ان کی بہت سی اولاد تو  
دیگر اقوام کے ساتھ وہیں رہنے لگی لیکن جلال الدین کی اولاد  
وہاں سے بھاگ کر سندھ اور کچھ آگئی جن کی اولاد آج  
سارے سندھ میں پھیلی ہوئی ہے ، اور بے شمار خاندانوں اور  
قبیلوں میں تقسیم ہے ۔

### قوم لودھ (لڈا)

لودھ قوم (لڈا) کی ، جسے لولیان (لولا) بھی کہا جاتا  
ہے ، حقیقت اس طرح ہے کہ حضرت سلیمان نے جنوں کی ایک  
ٹولی کو کچھ کنیزیں خریدنے کے لئے روم کی طرف بھیجا ۔  
راستہ میں ایک جن نے ”لولیا“ نامی ایک کنیز سے خیانت  
کی جس کی وجہ سے اس کے رحم میں نطفہ قرار پا گیا ۔ جب  
حضرت سلیمان کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے وہ کنیز اسی  
جن کو بخش دی جس کے بطن سے ”لودھ“ نامی ایک بچہ  
پیدا ہوا ۔ کافی مدت گزرنے کی وجہ سے اس کی اولاد عربوں سے  
خلط ملط ہو گئی اور تسخیر سندھ کے موقع پر عربوں کے ساتھ  
پہاں آکر آباد ہو گئی ۔ یا ممکن ہے کہ اس سے پہلے ہی  
پہاں آکر رہنے لگی ہوں ۔

### سمہ قوم کے شجرہ کا بیان

[جن کے بیان کے ضمن میں ملک سندھ کی مخصوص تاریخ سے

تعلق رکھنے والے جملہ حالات بیان ہونگے]

”سام“ کے بارے میں نسب دانوں کا اختلاف ہے۔ بعض

اسے عمر بن ہشام بن ابولہب کا بیٹا قرار دیتے ہیں اور بعض

”عمر بن عکرمہ بن ابی جہل“ کا۔ [۵۷] اور بعض ”عکرمہ

بن عصام بن ابوجہل“ کا بیٹا بیان کرتے ہیں۔ لیکن زیادہ

صحیح یہ ہے کہ وہ جمشید کی اولاد تھا چنانچہ ”جام“ کا لقب

اس کی دلالت کرتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ ”سام“ حضرت

نوح کی اولاد سے ہو۔ [غرض] اس کے چار بیٹے تھے۔ ایک

”بدھا“ جس کی اولاد میں بدھ، سومرہ (۱)، سہتہ، اداکھیل

(۲) اوتار، امرہ اور نہدیر وغیرہ کل سولہ بیٹے تھے جو رائہور

کے لقب سے مشہور ہیں۔ دوسرا ”سنگا“ تیسرا ”ہمہر“ اور

چوتھا بیٹا ”بھاگرت“ تھا۔ جس کا ایک بیٹا ”ڈیرہ“ (۳) نامی پیدا

ہوا اور اس کا ایک بیٹا ”اجیپار“ پیدا ہوا جس کا بیٹا ”دسرتھ“

تھا۔ کہتے ہیں دسرتھ کی تین بیویاں تھیں۔ جن میں سے ایک

کا نام کسیلا (کوشیلا) دوسری کا کیلیہ (کیکئی) اور تیسری

کا سمیا (۴) تھا۔ کسیلا کے بطن سے دو بیٹے ”رام“ اور ”لکھن“

(لچھمن) پیدا ہوئے۔ کیلیہ کے بطن سے ایک بیٹا ”بھرت“ اور

”سمیا“ کے بطن سے ایک بیٹا ”چترکن“ پیدا ہوا۔ ”سنگا“

۱۔ نسخہ ”ن“ میں ”سورہ“ ہے۔

۲۔ نسخہ ”ن“ میں ”اکھیل“ ہے۔

۳۔ نسخہ ”ن“ میں ”دیتھر“ ہے۔

۴۔ نسخہ ”ن“ میں ”سمیما“ ہے۔

ولد سام کی بھی اولادیں ہوئیں اور ”ہمہ“ بن سام کی ”تودر“ نامی مشہور اولاد ہے۔ دسترہ کے بیٹے بھرت کی اولاد ”پرہار“ ”جانسپا“، ”کوربیجہ“ اور ”ناہہ“ کے ناموں سے باقی ہے۔ چترگن ولد دسترہ کی اولاد ”چُٹرا“ کے نام سے مشہور ہے۔ بھرت کے بیٹے لکھمن (لچھمن) کی کوئی اولاد باقی نہ رہی۔ رام بن دسترہ نے اپنا ایک بیٹا ”تواکس“ نامی چھوڑا جس کا بیٹا ”اتہ“ ہوا۔ اس کا بیٹا نقت، اور اس کا بیٹا نرگنت اور، ”گنت“ کا بیٹا ”کن“ تھا۔ شہر ”کن“ اسی کے نام سے موسوم ہے۔ ”کن“ کے بیٹے کو ”سنہوت راجہ“ کا لقب ملا۔ جس کے چار بیٹے ہوئے۔ [۷۶] ایک ”سام“ دوسرا ”پرکرہ“ جسے ”شاہ“ بھی کہتے ہیں، تیسرا ”ہنرت“ جسے ”دکھن“ بھی کہتے ہیں اور چوتھا ”مادہ“۔ راجہ سنہوت کے بیٹے سام کا ”جادم“ نامی ایک بیٹا پیدا ہوا۔ جادم بن سام بن سنہوت کے چار بیٹے ہوئے۔ ایک ”ہسپت“ جس کی اولاد میں سے ”سند سما“ ہیں دوسرا ”کچہت“ جس کی اولاد میں ”چندہ ہیں“ تیسرا ”بھوبہت“ جس کی اولاد میں ”بھٹی“ ہیں اور چوتھا ”چوڑا سما“ جس کی اولاد میں سر زمین ”سورٹھ“ کے کرنال (گرنار) قلعہ کا حاکم ”رائے ڈیاج“ تھا جس کی حشمت خلی میں مشہور ہے اور جس نے راہ خدا میں اپنا سر قربان کر دیا تھا۔ ایسے اپنی بیوی ”سورٹھ“ سے بیحد محبت تھی۔ زن و شوہر کے اس باہمی عشق و محبت کی داستان اور اس کے سر دینے کا واقعہ خاص سورٹھ کے سر میں گلے پر صاحبان حال اپنا ہوش کھو بیٹھتے ہیں۔ ”ہسپت“ ولد جادم بن سام بن سنہوت راجہ کے ”ابدری“ نامی ایک بیٹا ہوا جس کے ”نیٹھ“ نامی بیٹا پیدا ہوا اور اس سے ”نوتیار“ جس سے ”اودھا“ اور اس سے ”اودھ“ جس سے ”لاکھیار“ اور اس سے ”لاکھ“

[پیدا ہوا] ”لاکھہ“ بادشاہ ہو گزرا ہے۔ اس نے ”بونہی جارہ“ [قوم] میں شادی کی تھی جس سے اس کے چار بیٹے پیدا ہوئے۔ ان میں سے ایک ”اودہ“ تھا جس کے کوئی اولاد نہیں ہوئی ”اودہ“ اسی کی رہائش کی نسبت سے مشہور ہے۔ دوسرا ”سمہ“ تھا جس کے چار بیٹے ہوئے: ۱۔ سیتہ ۲۔ دتیر ہاتھاری ۳۔ ورہا (جو لاولد تھا) اور ۴۔ ساند (یہ بھی لاولد تھا)۔ کہتے ہیں کہ مذکورہ ”لاکھہ“ نے ضعیفی میں دوسری شادی کی اور اس سے یہ چار بیٹے پیدا ہوئے: ۱۔ انڑ ۲۔ ”چٹھو“ جس کی اولاد میں ”ہاڑا“، ”دَنکنہ“ اور ”کلا“ ہیں۔ ۳۔ پھل لاکھہ۔ [۷۷] مشہور ”قوم“ ”پھلائی“ [۷۷] اسی کی اولاد میں ہے۔ اور ۴۔ مناہیہ۔ ”لاکھہ“ کے بیٹے انڑ کا ”لاکھہ“ نامی ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا بیٹا ”سمہ“ ہوا۔ اس سمہ بن لاکھہ بن انڑ بن لاکھہ کے دو بیٹے ہوئے۔ ۱۔ کاکہ اور ۲۔ جکھوہ۔ ان میں کاکہ حکومت کا مالک ہوا۔ دیہہ ”کاکا“ (غالباً ککڑ) اسی کے نام سے منسوب ہے۔ اس کے دو بیٹے ہوئے۔ ایک پلی دوسرا رائدن (رائے ڈنہ)۔ پلی کی اولاد میں ”مسرق“ سمہ سردار ہوا۔ رائدن ولد کاکہ کے نو بیٹے پیدا ہوئے۔ ان میں [ایک] ”سمہ“ ہے ”سمیجا“ اسی کی اولاد ہیں۔ [دوسرا] ”نوتیار“۔ سارے ”نوت“ اسی کی اولاد ہیں [تیسرا] ”لاکھہ“۔ ”لنجاہ“ اسی کی اولاد ہیں۔ مخدوم ”سہار“ (ساہڑ) لنجاہ علیہ الرحمۃ جن کا ذکر مشائخین کے بیان میں آئے گا، اسی کی اولاد اور پشت میں ہیں۔ [چوتھا] ”ہڑو“۔ اس کی اولاد میں ”ڈاھر ناہیہ“ اور ”فل ناہیہ“ ہیں۔ [پانچواں] ”ناہیہ“۔ کچھ لوگوں کا کہنا



ہے کہ ناہیہ رائدن کی اولاد میں سے ہیں (۱)۔ [چھٹا] چنپسر۔  
 رائدن کی اولاد میں یہ بھی مشہور شخص ہو گزرا ہے۔  
 [ساتواں] ”مناہیہ“۔ [آٹھواں] ”کورہ“۔ ”مندھرا“ (۲) قوم  
 انہیں تینوں کی اولاد ہے [نواں] ”ہلتی“۔ جو سردار تھا، اس  
 کے دو بیٹے تھے ایک ”اودہ“ جس کی اولاد کو ”بھریہ“  
 (بھریا) ”اودھیجہ“ (آدھیجا) اور ”کورہ پوٹہ“ کہتے ہیں۔  
 ہلتی کا دوسرا بیٹا ”ساند“ اپنی قوم کا سردار تھا اس کے سات  
 بیٹے تھے جن میں سے ایک کا نام ”کاکہ“ تھا اس کی اولاد  
 ”کاکھیجا پوٹہ“ کہلاتی ہے۔ دوسرا ”جاڑو“۔ اس کی اولاد  
 ”جاڑیجہ“ کہلاتی ہے، تیسرا ”ویرو“ اور بعضوں کے کہنے  
 کے مطابق ”نارو“ تھا، [۷] جس کی اولاد ”ناریجہ“ کہلاتی  
 ہے۔ پانچواں (۳) ”ہنگورو“۔ اس کی اولاد میں ”ہنگورجا“،  
 ”اودھیجا“، ”جکسیا“ اور ”دورہا“ (ڈھورا) ہیں۔ چھٹا  
 ”ڈیرو“ اس کی اولاد جو کچھ میں موجود ہے ”ڈیراسمان“  
 کہلاتی ہے۔ ساتواں جام ہوتی جس کے پانچ بیٹے ہوئے  
 ایک ”ہالہ“ اس کی اولاد میں ”ہالا“ قوم مشہور ہے۔ دوسرا  
 ”ہنگورو“ جس کی اولاد ”ڈھورہ ہنگورہ“، ”جار ہنگورہ“ اور  
 ”رام دھین“ میں آباد ہے اور یہ بستیاں انہیں کی آباد کردہ  
 ہیں۔ تیسرا ”ساہڑ“ اس کی اولاد ”ساہڑ سما“ موضع ”ساہڑ سمہ“  
 کی بانی اور اس کی باشندہ ہے۔ چوتھا ”چیلاریو“۔ مشہور ”نہریہ“

۱۔ کذا فی الاصل۔ واللہ اعلم۔

۲۔ نسخہ ”ن“ میں ”مندہ“ ہے۔

۳۔ ساند بن ہلی کے چوتھے بیٹے کا نام نہ تو مطبوعہ نسخہ میں

ہے اور نہ مصنف کے دستی نسخہ میں :-

(نہڑیہ) قوم اس کی اولاد ہے۔ اور پانچواں ”جام ہاہر“۔ جام ہاہر کے دو بیٹے تھے ”راہوجہ“ اور ”جام جونہ“۔ ”جام جونہ“ کا بیٹا ”کر راہو“ تھا۔ کر راہو کے تین بیٹے ہوئے ایک ”ساند“ اس کی اولاد میں ”راہوما“ (راہما) ”لاکھاٹیہ“ اور ”جکھرا“ ہیں۔ دوسرا، ”سومرہ“ جس کی اولاد باقی نہیں رہی۔ تیسرا ”لاکھ جام“۔ لاکھ جام کا ایک بیٹا ”کاہی“ ہوا۔ اس کا بیٹا ”لاکھ“ ہوا اور اس کے [کاہی کے] مرجانے کے بعد دوسرا بیٹا پیدا ہوا جس کا نام باپ کے نام پر ”کاہو“ رکھا گیا۔ مذکورہ ”کاہی“ کے بھائی ”لاکھ بن کاہی“ کے بارہ بیٹے ہوئے۔ ان میں ایک ”جام جونہ“ تھا جس کی اولاد میں ”ساموئی“ کے باشندے سندھ کے بادشاہ ”سمہ“ ہیں (جن کا بیان اپنے مقام پر ہوا)۔ دوسرا ”انڑ“ اس نے پھریہ (بھریا) میں حکومت کی اور لاولد مرا۔ تیسرا ہلی۔ اس کی اولاد میں ”ہلی سمہ“ ہیں۔ چوتھا ”کاہو“ اس کی اولاد میں ”سوڈھیاری سمہ“ ہیں۔ پانچواں ”اوٹھو“ اس کی اولاد میں ”صاحب سمہ“، ”اوٹھا سمہ“ اور ”سیکھاٹ سمہ“ ہیں۔ چھٹا ”جیسر“ اس کی اولاد میں ”بھیہ پریا“ ہیں۔ ساتواں ”منگو“ [۷۹] اس کی اولاد باقی نہیں رہی۔ آٹھواں ابڑو۔ ”ابڑیجا“ قوم اسی کی اولاد ہے۔ نواں ”ہنگورو کونر“۔ دسواں ”سلطان“ اس کی اولاد میں سلطان اوتھہ (اولٹا) ہیں۔ گیارہواں ”رائدن“ اور بارہواں ”لاکھ“۔ ان میں ہنگورو کونر کے تین بیٹے ہوئے۔ ایک ”ڈیسر“ دوسرا ”مناہیہ“ اور تیسرا ”مرادیہ“ ڈیسر کے پانچ بیٹے تھے ”کاہو“، ”ہالو“ ”رکن“۔ ”ہنگورو“ اور ”جونو“ مذکورہ جونہ بن لاکھ بن کاہو کے پانچ بیٹے تھے۔ ”کھوریہ“، ”تاجیہ“، ”ابڑو“، ”بلوچ“

اور ”ہانبیہ“۔ ہانبیہ (بھٹیہو) کی اولاد کا بیان سطور آئندہ میں تفصیل کے ساتھ سمہ بادشاہوں کے زمرہ میں ہوگا جنہوں نے سندھ پر حکومت کی۔

مخفی نہ رہے کہ مذکورہ تفصیل کے مطابق آج تک سارے سند [ہالکہ] گجرات تک کے اکثر باشندے سمہ کی اولاد ہیں اور سندھ کی بیشتر آبادی انہی پر منحصر ہے۔ اسکے علاوہ بلوچ، جت اور بعض بیان کردہ دیگر قبائل بھی ہیں جو اس ملک کے قدیم باشندے ہیں۔ دیگر اقوام ان کے بعد ہیں۔ انہی کو قدیمی باشندوں میں شمار کیا جاسکتا ہے چونکہ طوالت اس کتاب کا مقصد نہیں اس لئے ضروری بیان پر، جو حالات کی تشریح کے لئے کافی تھا، اکتفا اور اختصار کیا گیا۔ اگر کسی شخص کو مزید تحقیقات کرنی ہو تو وہ شوق سے کرے۔

قصہ کوتاہ، سلطان محمود کے گورنروں کے بعد سلطان ”مسعود“ کے عمال، پھر سلطان ”مودود“ کے اصران، اس کے بعد سلطان ”مجدود“ کے گورنر اور اس کے بعد سلطان ”قطب الدین“ کے حاکم اور ان کے بعد سلطان ”آرام شاہ“ کے عمال۔ جن میں سے ہر ایک کا ذکر پہلی اور دوسری جلد میں مذکور ہے، ملک سندھ پر حکومت کرتے رہے۔ سلطان آرام شاہ [۸۰] کے زمانہ میں سلطنت چار حصوں میں تقسیم ہو گئی تھی جن میں سے ملتان، آج اور سارے سندھ پر ناصر الدین قباچہ کا حکم جاری ہوا۔ ان دنوں سرزمین سندھ کے ان علاقوں کے جن کا آگے ذکر کیا جائے گا۔ سات رانا ملتان کے باج گذار تھے۔ [یعنی] ایک، رانا ”سہتہ“ (بھونڑ) رانہور ساکن

”ڈھبرو“ تحصیل دریبلہ (۱) - دوسرا، رانا ”سٹر ولد دھماچ“ کوریجہ سندھ، ساکن ”تونگ“ جو روپا کی حدود میں تھا۔ تیسرا ”جیسر ولد جبجہ“ ماچھی سولنگی ساکن ”مانگ تارو“ - چوتھا ”وکیہ ولد پنہوں“ چنہ ساکن کوہ ”سیوی“ - پانچواں ”چنہ ولد ڈھتھہ (ڈیتھہ)“ ”چنہ“ ساکن ”بھاگ نئی (لاڑی)“ - چھٹا ”جیوین وریاہ“ ساکن جہم یعنی ہیمہ کوٹ اور ساتواں ”جسودھن اگرو“ ساکن ”مین ٹکو“ تحصیل بھانہرواہ۔

غرض جب تاج الدین یلدوز کے آدمیوں نے لاہور فتح کیا تب بادشاہ ناصرالدین قباچہ ملتان میں قلعہ بند ہو کر بیٹھ رہا پھر جب ۵۶۲۳ء کے اواخر میں ”ملک خاں“ اور اسکے ماتحتوں نے ہرگنہ سیوستان پر قبضہ کر لیا تو سلطان التمش نے اپنے وزیر نظام الملک ”محمد بن ابی سعد“ (۲) کو آج کا محاصرہ کرنے کیلئے بھیج کر خود [۸۱] دہلی چلا گیا نظام الملک نے ۵۶۲۵ء میں آج کو صلح کے ذریعہ فتح کر کے

۱ - تاریخ معصومی اور تحفۃ الکرام کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ زمانہ قدیم میں ”ڈھبرو“ اور ”دریبلہ“ دو مختلف نوعیت کے علاقے تھے۔ ”ڈھبرو“ ایک شہر کا نام تھا اور دریبلہ سندھ کے ایک پورے ہرگنہ کا نام تھا۔ سندھ کے اس حصہ میں آج تک سہتہ قوم موجود ہے اور ان کی اکثریت کی وجہ سے تحصیل نوشہرہ اور تحصیل کنڈ یارو کو ملا کر آج تک ”ساہتی ہرگنہ“ کہا جاتا ہے۔ شہر ”ڈھبرو“ کا کچھ حصہ تحصیل کنڈ یارو میں اور کچھ حصہ تحصیل نوشہرہ میں شامل ہے۔

۲ - اصل متن میں ”محمد بن اسعد“ ہے جو غلط ہے۔

بکھر ہر چڑھائی کی جس کی وجہ سے ناصرالدین نے فرار ہو کر  
اپنی کشتی حیات کو گرداب فنا میں جا ڈبو یا ۔ [اسکے بعد]  
سلطان شمس الدین سندھ کا مالک ہوا ۔ (۱) [۸۲]

۱۔ اس بیان میں حد سے زیادہ اختصار سے کام لے کر میر قانع  
نے سارا واقعہ گڑ بڑ کر دیا ہے ۔ تاریخ معصومی کے بیان  
کے مطابق آرام شاہ کے زمانہ میں اس کے باپ سلطان  
قطب الدین کی سلطنت چار حصوں میں تقسیم ہو گئی تھی ۔  
ایک پایہ تخت دہلی، جو آرام شاہ کی معزولی کے بعد سلطان  
شمس الدین کے قبضہ اقتدار میں آیا ۔ دوسرا حصہ ۔ آج،  
ملتان اور سندھ، جو ناصرالدین قباچہ کے تصرف میں رہا ۔  
تیسرا حصہ لکھنؤ، جو خلجی بادشاہوں کے ہتھے چڑھا  
اور چوتھا لاہور اور اس کا گرد و نواح، جس پر تاج الدین  
یلدوز کے گورنر حکومت کرنے لگے ۔ ان دنوں ناصرالدین  
قباچہ پر چنگیز خان کی ایک فوج حملہ آور ہوئی جس کے  
مقابلہ کی تاب نہ لا کر ناصرالدین ملتان میں قلعہ بند ہو گیا  
تھا اور لوگوں کا دل ہاتھ میں لینے کے لئے بے حد سخاوت  
کیا کرتا تھا ۔ بالآخر مغل قلعہ نہ فتح کر سکے اور واپس  
چلے گئے ۔ سنہ ۵۶۲۳ میں ملک خان خلجی اور اس کے  
آدمیوں نے آکر سیوہن کے علاقہ پر قبضہ کر لیا ۔  
ناصرالدین نے ان سے سخت جنگ کی جس میں ملک خان خلجی  
مارا گیا ۔ آخر کار جب ناصرالدین کے دن پورے ہو گئے  
تو سنہ ۵۶۲۷ (بلکہ سنہ ۵۶۲۵ ۔ تعلیقات ڈاکٹر داؤد پوتہ،  
تاریخ معصومی) میں سلطان شمس الدین التمش نے آج پر

[بقیہ حاشیہ ص ۱۰۲]

حملہ کیا۔ ناصرالدین قباچہ وہاں سے فرار ہو کر بکھر آیا۔ سلطان اپنے وزیر نظام الملک محمد بن ابی اسعد کو آج کے معاصرہ پر چھوڑ کر دہلی چلا گیا۔ نظام الملک نے ۲۸ جمادی الاول سنہ ۵۶۲۵ھ کو صلح سے آج پر قبضہ کر کے بکھر پر چڑھائی کی۔ قباچہ فرار ہو جانے کے لئے کشتی میں سوار ہو کر نکلا لیکن منجدھار میں پہونچ کر اس کی کشتی عمر دریائے فنا میں غرق ہو گئی۔ (تاریخ معصومی ص ۳۵-۳۶)۔

طبقات ناصری (ص ۱۴۴-۱۴۳) کے مطابق سلطان التمش دہلی واپس نہیں گیا بلکہ خود آج کے معاصرہ پر رہ کر اپنے وزیر نظام الملک اور دوسرے بادشاہوں کو ملک ناصرالدین قباچہ کے تعاقب میں بکھر پر حملہ آور ہونے کے لئے روانہ کیا۔ قباچہ کی موت کس طرح واقع ہوئی اسکے متعلق علامہ قزوینی نے ”لباب الالباب“ کے مقدمہ (ص ۷، ۸) میں جوامع الحکایات کی روایت کے مطابق اس طرح درج کیا ہے : ”بکھر کا قلعہ فتح ہونے کے بعد ناصر الدین قباچہ، قلعہ میں جا کر اپنا سارا مال و خزانہ اپنے بیٹے بہرام شاہ کے ہاتھوں التمش کی خدمت میں بھیج کر اس سے معافی کا خواستگار ہوا۔ امیر التمش نے اسے خدمت میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔ ناصر الدین قباچہ نے اسی ذلت کی زندگی سے موت کو بہتر سمجھ کر ۱۹ جمادی الآخر سنہ ۵۶۲۵ھ سنبھر کی شب کو قلعہ کی فصیل سے دریا میں

[بقیہ حاشیہ ص ۱۰۳ پر]

۵۶۳ء میں نورالدین محمود (۱) سندھ کی امارت پر  
ماسور ہوا۔ ۵۶۳۳ء میں سلطان التمش فوت ہو گیا اور [۸۳]  
مسعود شاہ [سلطنت] کا وارث ہوا۔ اسی عرصہ میں مغلوں کے

[بقیہ حاشیہ ص- ۱۰۳]

چھلانگ لگائی۔ (تعلیقات از ڈاکٹر داؤد پوٹہ، تاریخ  
معصومی ص- ۲۷۷-۲۷۸)۔ یہ بھی یاد رہے کہ ناصرالدین  
قباچہ سارے سندھ کا حاکم نہیں تھا۔ اس کے تصرف میں  
صرف بالائی سندھ کا علاقہ تھا جس کا پایہ تخت بکھر  
تھا۔ سندھ کا باقی ماندہ حصہ جس کا پایہ تخت دیول تھا  
ملک سنان الدین چنیس کے زیر اقتدار تھا۔ اسے تسخیر  
بکھر کے بعد مطیع کیا گیا، جیسا کہ طبقات ناصری کا  
مصنف بیان کرتا ہے کہ ”وہ ملک ساحل سمندر تک فتح  
ہوا اور دیول اور سندھ کا۔ والی ملک سنان الدین چنیس  
آ کر شمسی درگہ (شمس الدین التمش کی خدمت میں) حاضر  
ہوا“ (طبقات ناصری ص- ۱۲۳، بحوالہ تعلیقات ڈاکٹر  
داؤد پوٹہ)۔

(۱) میر قانع نے نور الدین محمود (تاریخ معصومی  
”محمد“) کا نام غالباً ”تاریخ معصومی“ سے لیا ہے۔ لیکن  
یہ نام اس کے علاوہ کسی بھی دوسری تاریخ میں نظر نہیں  
آتا۔ البتہ ”طبقات ناصری“ کا مصنف کہتا ہے (ص- ۲۳۲)  
”جب سلطان شمس الدین نے آ کر قلعہ آج  
کے گرد ڈیرے لگائے تو سنہ ۵۶۲۵ء میں اس نے کزلک  
جن کو وزیر نظام الملک جنیدی کی معیت میں بکھر پر

[بقیہ حاشیہ ص- ۱۰۵ پر]

لشکر نے دریائے سندھ پار کر کے آج کا معاشرہ کر لیا۔ لیکن سلطان مسعود کے متوجہ ہونے پر وہ خراسان کی طرف بھاگ گئے۔

سلطان مسعود نے نورالدین کی جگہ ملک جلال الدین محمد (۱) کو سند کا حاکم مقرر کیا۔ اس عرصہ میں [۸۴]

[بقیہ حاشیہ ص ۱۰۴]

نوج کشی کے لئے روانہ کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ قلعہ فتح ہو گیا اور ناصر الدین دریائے سندھ میں ڈوب مرا۔ اس طرف قلعہ آج پر بھی تصرف حاصل ہو گیا [چنانچہ] سلطان نے قلعہ اور شہر آج، کرد و نواح کے کل پر گنہ سمیت، کزلک خان کے حوالہ کیا۔ سلطان کے دہلی واپس چلے جانے کے بعد کزلک خان نے اس ملک پر [مکمل] قبضہ کر کے اسے آباد کیا اور منتشر ہو جانے والی آبادی کو جمع کر کے عوام و خواص کے ساتھ انصاف سے پیش آنے لگا اور عدل و احسان کا طریقہ اختیار کر کے رعایا کے آرام و آسائش کا اہتمام کرنے لگا۔ [پھر] کچھ عرصہ کے بعد اسکا خاتمہ بالغیر ہوا اور ایمان کی سلامتی، صدقات، احسانات، خیراتوں اور نیکیوں کے ساتھ سنہ ۵۶۶ میں وہ منزل آخرت کی طرف کوچ کر گیا۔ (تعلیقات پر "تاریخ معصومی" از ڈاکٹر داؤد ہوتہ صفحات ۲۷۷-۲۷۸)۔

(۱) یہ بیان بھی میر قانع نے "تاریخ معصومی" سے اخذ کیا ہے۔ جس میں یہ نام "جلال الدین حسن" لکھا ہے لیکن میر قانع نے "جلال الدین محمد" لکھا ہے۔ کسی بھی

[بقیہ حاشیہ ص ۱۰۶ پر]



سلطان مسعود کا چچا "ناصرالدین محمود" تخت اور تاج کا مالک ہوا۔ اور ۹۶۹ھ میں لاہور، ملتان، اچ، بکھر اور باقی سارا سندھ فتح کر کے ملتان، اچ اور سارا ملک سندھ "ملک سنجر" کے حوالے کر کے خود واپس چلا گیا۔ (۱)۔

۹۶۹ھ میں سلطان غیاث الدین نے دہلی میں تخت نشین ہونے کے بعد ملتان، لاہور اور سند کا علاقہ (۲) اپنے بیٹے سلطان محمد کو عطا کیا۔ وہ ہر تین سال بعد اپنے باپ کی خدمت میں دہلی جایا کرتا تھا اور ایک سال رہ کر واپس آیا کرتا تھا۔

[بقیہ حاشیہ ص ۱۰۵]

دوسری معتبر تاریخ میں "جلال الدین حسن" یا "جلال الدین محمد" کا نام نظر نہیں آتا۔ (تعلیقات پر تاریخ معصومی از ڈاکٹر داؤد پوتہ ص ۲۷۸)۔

۱۔ تاریخ معصومی (ص ۳۸) کے مطابق سلطان ناصر الدین نے ملک سنجر کو فقط اچ اور ملتان کے ہر گنوں کی حکومت عطا کی تھی اور سیوستان ہر گنہ کی حکومت قتلغ خان کے سپرد ہوئی تھی۔

۲۔ "تاریخ مبارک شاہی" (ص ۴۳) کا مصنف کہتا ہے کہ "خان بزرگ" یعنی سلطان غیاث الدین کے فرزند اکبر محمد سلطان کے قبضہ میں، جسے شہادت کے بعد خان شہید کہا جاتا ہے، "مالم، بے لے کر 'جنائی، تک [کا علاقہ] تھا۔ 'جنائی، لہئے بے ساٹھ کوس آگے دوہا کیے ساحل پر واقع ہے۔ اتنی ہی جاگیریں اسکی مغرب کی طرف بھی تھیں" (بحوالہ تعلیقات تاریخ معصومی، از ڈاکٹر داؤد پوتہ ص ۲۷)۔

۵۶۸۳ء میں سلطان محمد (۱)، چنگیز خاں کے لشکر کے ہاتھوں قتل ہو گیا اور دستور کے مطابق [مذکورہ ملک] اسکے فرزند ”کیخسرو“ کو ملا۔

۵۶۹۳ء میں سلطان جلال الدین خلجی لاہور، پونچا اور ملتان اور آج اپنے فرزند ”ارکلی خان“ کے سپرد کر کے سندھ [کے باقی ماندہ علاقہ کی] حکومت نصرت خاں کے حوالہ کی۔

۵۶۹۵ء میں سلطان علاؤ الدین نے اپنے بھائی ”الغ خان“ کو ”ارکلی خان“ کے نکال دینے کے لئے روانہ کیا اور نصرت خان کو حسب سابق دس ہزار فوج کے ساتھ ملتان، آج، بکھر، سیوستان اور ٹھٹھہ پر برقرار رکھا۔ (۲)

۱۔ اصل متن میں ”سلطان محمود“ ہے جو غلط ہے۔

۲۔ یہاں تحفۃ الکرام کی عبارت واضح نہیں ہے۔ میر معصوم تاریخ سندھ (ص ۴۳) میں لکھتا ہے کہ ”سنہ ۵۶۹۶ء میں [سلطان علاؤ الدین نے] ملتان اور سندھ کی سرحدات کو صوبہ سے زیادہ ضروری سمجھتے ہوئے، کیونکہ ملتان میں سلطان جلال الدین کا بیٹا ارکلی خان حکمران تھا، اپنے بھائی ”الغ خان“ کو چالیس ہزار سپاہیوں کے ساتھ سرعت تمام روانہ کیا۔ الغ خان نے ملتان پہنچ کر [قلعہ کا] محاصرہ کر لیا۔ تین ماہ کے بعد اہل قلعہ عاجز آ گئے اور ملتان کے باشندے ارکلی خان سے منحرف ہو کر ایک رات قلعہ سے نکل کر الغ خان سے جا ملے۔ ارکلی خان نے مجبور ہو کر مخدوم شیخ رکن الدین کے توسط سے امان طلب کی اور ملتان سے باہر نکل گیا۔ سلطان علاؤ الدین نے نصرت خاں کو

[بقیہ حاشیہ ص ۱۰۸ پر]

۱۶۹۷ء کے اوائل میں صلدی (۱) مغل نے سیستان سے آکر سیوستان پر قبضہ کر لیا جسے نصرت خان نے بڑے جاہ و حشم کے ساتھ آکر آزاد کرا لیا (۲)۔ [۸۶]

سلطان علاؤالدین نے آخر میں ”غازی ملک“ کو دس ہزار سوار ساتھ دیکر چنگیز خانی مغلوں کے دفعیہ کیلئے دیپالپور روانہ کیا اور ملتان، آج اور سندھ کے ہر گئے اسے جاگیر میں عنایت کئے۔

اسی عرصہ میں ”خسرو خان“ سلطان علاؤالدین کو

(بقیہ حاشیہ ص ۱۰۷)

دس ہزار سواروں کے ساتھ ملتان، آج اور بکھر و سیستان و لٹھہ کی حکومت پر مامور کر کے حکم دیا کہ نصرت خان ملتان اور سندھ کے سارے ملک میں دورہ کرے اور جہاں بھی کوئی مفسد یا سرکش دیکھے اسکی بیخ کنی کر کے ہر طرح اطمینان حاصل کرے اور سندھ کے شہروں اور قلعوں پر معتمد افراد مامور کر کے خود ملتان میں خود اقامت اختیار کرے۔

۱۔ اصل متن میں ”صلدائی“ ہے، جو خلط ہے۔

۲۔ اس مقام پر بھی میر قانع نے میر معصوم کی پیروی کی ہے۔ فی الواقعہ سیوستان کو صلدنوی مغل سے ظفر خان نے آزاد کرا لیا تھا، نصرت خان نے نہیں۔ ان دنوں نصرت خان، الغ خان کے ساتھ گجرات کی مہم پر گیا ہوا تھا اور اسکی جگہ ظفر خان ملتان کا حاکم مقرر ہوا تھا؛ (تعلیقات تاریخ معصومی از ڈاکٹر داؤد ہوتہ، ص ۲۷۶)۔

تخت سے معزول کر کے خود سلطنت کا مالک بن بیٹھا (۱)۔ اس پر ”غازی ملک“ سندھ اور ملتان کا لشکر ساتھ لے جا کر اور خسرو خان کو معزول کر کے ”سلطان غیاث الدین“ کے لقب سے تخت نشین ہو گیا۔ اسی درمیانی زمانہ میں سومرا قبائل بغاوت کر کے ٹھٹھہ پر قابض ہو گئے (۲)۔ [۸۷]

سلطان غیاث الدین نے ملک تاج الدین کو ملتان، خواجہ خطیر کو بکھر اور ملک علی شیر کو سیوستان پر

۱۔ یہ میر قانع کی زبردست غلطی ہے۔ خسرو خان نے علاؤ الدین کو تخت سے معزول نہیں کیا تھا بلکہ سلطان ۹۰۰ء شوال سنہ ۸۷۱ء کو فوت ہو گیا تھا۔ سلطان کے بیٹوں بھی اہلیت نہ تھی اور وہ ہمیشہ عیش و عشرت میں مشغول رہا کرتے تھے۔ اس طرف اپنی زندگی کے آخری دنوں میں سلطان علاؤ الدین نے غازی ملک کو دس ہزار سواروں کے ساتھ دیپالپور بھیج دیا تھا۔ یہ موقع پا کر خسرو خان نے سلطان علاؤ الدین کے بیٹے سلطان قطب الدین کا اسکے خاص آدمیوں کے ہاتھوں سر قلم کرا کے اور خود تخت پر بیٹھ کر ملک پر قبضہ جمایا۔ چونکہ وہ ایک بد طینت شخص تھا لہذا اسکے دنوں میں کافروں اور بد طینتوں نے زور پکڑا اور وہ شریف مسلمانوں کو تنگ کرنے لگے۔  
(تاریخ معصومی ص ۴۴-۴۵)

۲۔ تاریخ معصومی کا مصنف (ص ۴۶) کہتا ہے کہ ”جس وقت سلطان غیاث الدین (غازی ملک) ملتان سے دہلی روانہ ہوا اسی وقت بغاوت کر کے ”سومرا“ [قبائل] ٹھٹھہ پر متصرف ہو گئے۔“

سامور کیا ۔

کچھ عرصہ کے بعد جب ملتان میں کشلو خان نے بغاوت کی (۱) تو سلطان غیاث الدین کے فرزند محمد شاہ نے

۱۔ اس مقام پر بھی حد سے زیادہ اختصار کی وجہ سے مورخ لائق نے واقعہ کو الجھا دیا ہے ۔ واقعہ اس طرح ہے کہ سلطان غیاث الدین تغلق شاہ سنہ ۷۲۵ھ کی ابتدا میں انتقال کر گیا ۔ (تاریخ معصومی ص ۷۷)۔ اسکے بعد اسکا لایق بیٹا سلطان محمد شاہ بن تغلق شاہ تخت نشین ہوا ۔ اس نے سنہ ۷۲۷ھ میں کشلو خان کو سندھ کا حاکم مقرر کیا (تاریخ معصومی ص ۷۷)۔ اسکے بعد سلطان محمد تغلق نے اپنے بھائیجے بہاؤ الدین سے غضبناک ہو کر جیتے جی اسکی کھال کھنچوائی اور اسمیں بھوسہ بھروا کر ”بھادر بھورا“ کی لاش کے ساتھ اپنی سلطنت میں ہر جگہ بھرایا ۔ یہ دونوں بھوسہ بھری ہوئی کھالیں جب سندھ پہنچیں تو یہاں کے حاکم کشلو خان نے انہیں بڑے احترام کے ساتھ دفن کرا دیا ۔ سلطان محمد تغلق نے یہ خبر سنی تو وہ سخت ناراض ہوا اور اس نے فی الفور کشلو خان کو برہاد کر دینا چاہا ۔ چنانچہ احتیاطاً کشلو خان نے علم بغاوت بلند کر دیا (سفر نامہ ابن بطوطہ ص ۳۱۸-۳۲۳)۔ کشلو خان بکھرے ملتان آیا اور ملتانوں اور بلوچوں کو اپنے ساتھ ملا کر تیار ہوا ۔ اس طرف سلطان محمد شاہ بھی یہ خبر سن کر سنہ ۷۲۸ھ میں ملتان پر آ نازل ہوا ۔ کشلو خان مقابلہ پر آیا لیکن پہلے

[بقیہ حاشیہ ص ۱۱۱ پر]

۱۷۲۸ء میں ملتان پہونچکر اس پر فتح حاصل کی اور بکھر اور سیوستان پر معتبر [۸۸] لوگوں کو مقرر کر کے واپس چلا گیا۔ اسکے بعد ۱۷۵۱ء میں طفی [نامی ایک] غلام کے تعاقب میں کجرات اور کتچہ سے گزرتا ہوا ٹھٹے کے علاقہ میں جا پہونچا، جہاں موضع ”تھرڑی“ میں دریا کے کنارے منزل انداز ہوا۔ [لیکن پھر] عارضہ تب میں مبتلا ہو جانے کی وجہ سے وہاں سے کوچ کر کے ”کنڈل“ (۱) پہونچا اور تندرست ہونے کے بعد پھر ٹھٹے کی طرف کوچ کر کے ٹھٹے سے چھ میل کے فاصلے پر آکر منزل انداز ہوا۔ لیکن یہاں مرض کے دوبارہ عود کر آنے کی وجہ سے فوت ہو گیا اور اسکی جگہ سلطان ”فیروز شاہ“ سلطنت کا وارث ہوا۔

اس حادثہ کی اطلاع پا کر ”طفی“ نے جو ٹھٹے میں تھا سومرا، جاڑیچہ، اور سمہ قبائل کے لوگوں کو ساتھ لے کر اسکے لشکر پر یلفار کی لیکن شکست کھائی۔ سلطان نے اسی

[بقیہ حاشیہ ص ۱۱۰]

ہی حملہ میں سلطانی لشکر کے مقدمہ کے ہاتھوں مارا گیا جنہوں نے اسکا سر قلم کر کے سلطان کے سامنے پیش کیا۔  
(—تاریخ معصومی ص ۴۷)

۱۔ کنڈل یا گونڈل۔ گرنار کے شمال میں ہندو کوس کے فاصلہ پر کاٹھیا واڑ کا ایک شہر ہے۔ فیما برنی کے خیال کے مطابق یہ گونڈل، دمرہلہ کے سومرہ علاقہ میں ٹھٹے کی جانب ایک قصبہ ہے۔ (—تعلیقات تاریخ معصومی ڈاکٹر داؤد پوتہ، ص ۲۸۰)۔

سال کی پہلی صفر کو وہاں سے کوچ کر کے دریائے سانکرہ (۱) کے کنارے پر قلعہ تعمیر کرانے کا حکم دیا اور امیر ”نصر“ کو ہزار سواروں کے ساتھ وہاں مامور کیا، جس نے وہاں ایک شہر آباد کر کے اسکا نام ”نصر پور“ رکھا۔ [اسی وقت] ”ملک بہرام“ کو ان حدود کا فوجدار ہو کر رہنے کا حکم فرمایا۔ ”بہرام پور“ اسی سے منسوب ہے۔ [اسکے بعد] ملک ”علی شیر“ اور ”ملک تاج کافوری“ کو سیستان پر مامور کر کے خود بکھر پہنچا جہاں ملک ”رکن الدین“ کو نائب اور ملک ”عبدالعزیز“ کو دیوان مقرر کر کے اور معتمد افراد کا گروہ (۲) ساتھ کر کے قلعہ کی نگرانی کیلئے مقرر فرمایا۔ [۸۹] اس کے علاوہ ملک رکن الدین کو ”اخلاص خان“ (۳) کے لقب سے سرفراز کر کے اور کاروبار سندھ کا مختار بنا کر خود دہلی واپس چلا گیا۔

اس کے بعد پھر سنہ ۵۷۷ھ میں نگر کوٹ کا عزم کر کے ٹھٹھ پہونچا۔ لٹھے کا والی جام خیر الدین قلعہ ”آب“ میں قلعہ بند ہو بیٹھا اور لشکر کا دفاع کرتا رہا۔ سلطان غلہ کی قلت اور مجھروں کی بہتات سے تنگ آ کر ٹھٹھ واپس ہو گیا (۴)۔ جام خیر الدین امان حاصل کر کے

۱۔ سانکرہ یا سالکیرہ۔ دریائے سندھ کا ایک قدیمی پٹا ہے۔  
(آثار قدیمہ سندھ، تالیف کزنس ص ۱۶۷)۔

۲۔ تاریخ معصومی ص ۵۰ پر اس گروہ کے افراد کی تعداد اسی (۸۰) بیان کی گئی ہے۔

۳۔ اصل متن میں ”اخلاص خوانی“ ہے جو غلط ہے۔

۴۔ میر قانع نے یہاں بھی واقعات کو الجھا دیا ہے۔ اس اجمال

[بقیہ حاشیہ ص ۱۱۳ پر]

خدمت میں حاضر ہوا جسے دوسرے زمینداروں کے ساتھ [سلطان] دہلی لے چلا۔ سیوستان کے نواح میں پہنچکر جب اسے جام کے فرار ہونے کے ارادے سے آگاہی ہوئی تو اس نے اس کے طوق اور بیڑیاں ڈلوایں۔ پھر کچھ مدت کے بعد اس نے جام جونہ [بن] خیر الدین (۱) کو خلعت عطا کر کے [ستدہ پر] حکومت کرنے کے لئے روانہ کیا۔

سنہ ۵۷۹ء میں فیروز شاہ قوت ہو گیا اور سلطان تغلق شاہ تخت کا وارث ہوا۔ اس کے بعد سلطان ابو بکر، پھر سلطان محمد شاہ، [۹۰ء] اس کے بعد سلطان سکندر شاہ [بقیہ حاشیہ ص ۱۱۲]

کی تفصیل اس طرح ہے کہ سلطان فیروز شاہ سنہ ۵۷۲ء میں دہلی سے سیدھا نگر کوٹ گیا تھا اور پھر نگر کوٹ کو فتح کر کے ٹھہر آیا تھا۔ اس موقع پر ٹھہرے کا والی جام خیر الدین قلعہ ”آب“ میں قلعہ بند ہو کر اپنے لشکر کا دفاع کرتا رہا۔ اس اثنا میں، سیلاب، مچھروں کی فراوانی، غلہ کی قلت اور گھاس کی کمیابی سے تنگ آکر سلطان گجرات چلا گیا اور موسم برسات وہیں جا کر گزارا۔ اسکے بعد سلطان فیروز شاہ پھر ٹھہر واپس آیا اور جام خیر الدین نے [دوسرا کوئی چارہ] کار نہ دیکھ کر [امان طلب کی اور آکر خدمت میں حاضر ہو گیا۔] (تاریخ معصومی ص ۵۱)۔

۱۔ اصل متن میں ”جام جونہ خیر الدین“ ہے لیکن تاریخ معصومی میں (ص ۵۱) ”جام جونہ جام خیر الدین“ برقوم ہے۔



شاہ (۱) اور اس کے بعد سلطان ناصر الدین علی الشریب تخت دہلی پر متمکن ہوئے۔ اس نے ”سارنگ خان“ کو دیپالپور، ملتان اور سندھ پر قبضہ کرنے کے لئے روانہ کیا۔

سنہ ۵۸۰۰ میں امیر تیسور کے ہوتے ”میرزا پیر محمد“ نے دریائے سندھ عبور کر کے قلعہ آج کا محاصرہ کر لیا۔ ”ملک علی“ جو ”سارنگ خان“ کی جانب سے وہاں مامور تھا اس نے تین ماہ تک جنگ جاری رکھی۔ سارنگ خان نے ملک تاج الدین کو چار ہزار فوج دے کر اس کی مدد کے لئے روانہ کیا۔ [یہ خبر من کر] میرزا پیر محمد نے آج کا محاصرہ چھوڑ کر [پہلے] اسے شکست دی اس کے بعد جا کر ملتان کا محاصرہ کر لیا۔ چھ مہینے کے بعد سارنگ خان نے خدمت میں حاضر ہو کر ملتان اس کے حوالہ کیا۔ اس کے فوراً ہی بعد صاحبقران (امیر تیسور) نے بھی خود سنہ ۵۸۰۱ میں آکر ملتان میں منزل کی۔ اس دن سے سندھ کے حکمرانوں کے دل سے بادشاہان دہلی کا رعب زائل ہو گیا اور سندھ کے حکمرانوں نے خود مختاری کا پرچم بلند کیا۔ جیسا کہ [آگے چل کر] مذکور ہوگا۔

۱۔ تاریخ معصومی (ص ۵۶) میں سلطان محمد شاہ کے بعد ”سلطان علاؤ الدین شاہ بن محمد شاہ“ کا، جس کا نام پہلے ”ہمایوں“ تھا، ذکر درج ہے اور سکندر شاہ کا کوئی ذکر نہیں ہے لیکن تاریخ مبارک شاہی (ص ۱۵۵) اور طبقات اکبری (ج ۱ ص ۴۹۹) سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی سلطان علاؤ الدین شاہ کو ”سکندر شاہ“ کہا جاتا تھا۔ اس اعتبار سے میر قانع کا تحریر کردہ نام ”سکندر شاہ“ زیادہ درست معلوم ہوتا ہے۔

## چھٹا باب

### سومرہ حکمرانوں کا طبقہ (۱)

اس قوم کے بعض افراد در حقیقت اس سے پہلے بھی سر زمین [۹۱] سندھ کے بعض حصوں پر قابض تھے۔ چنانچہ خود مختاری کے دور سمیت اس قوم کے لوگوں کی کل مدت حکومت پانچ سو پانچ سال یا ان کی گئی ہے۔ [۹۲]

۱۔ "سومرہ" سندھ کی ایک قدیم قوم ہے۔ جس نے طویل مدت تک سندھ میں حکومت کی ہے، لیکن ان کی حکمرانی تاریخ پر گمنامی کے ایسے تاریک پردے پڑے ہوئے ہیں کہ اسکی نظیر شاید ہی کسی ملک یا قوم کی تاریخ میں مل سکے۔ آج تک یہ فیصلہ نہیں ہو سکا ہے کہ سومرہ قوم کی نسل کہاں سے شروع ہوتی ہے؟ کچھ مولخ کہتے ہیں کہ یہ دراصل عرب قوم سے ہیں جو حجاج کے دنوں میں تعمیر سندھ کے موقع پر عراق کے شہر سامرہ

(بقیہ صفحہ ۱۱۶ پر)

[حاشیہ ص ۱۱۵]

(سرمں رائے) سے ہجرت کر کے سندھ میں آئے یہاں انہیں پہلے "سامری" کہا جاتا تھا لیکن بعد میں تلفظ اور لہجہ کے تغیر کی وجہ سے "سومرہ" کہا جانے لگا۔ ابن بطرطہ اس خیال کی تائید کرتا ہے اور شہر "جنائی" کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ (ج ۳، ص ۱۰۱-۱۰۲):

"ہم دریائے سندھ کی راہ سے سفر کرتے ہوئے دو دن کے بعد شہر "جنائی" پہنچے۔ یہ دریائے سندھ کے کنارے ایک بڑا اور خوبصورت شہر ہے۔ اسکی بازار دلکشی میں۔ یہاں کے باشندوں کو "سامرہ" کہا جاتا ہے۔ وہ عہد قدیم سے یہاں آباد ہیں۔ تسخیر سندھ کے مورخوں کی تحریر کے مطابق، ان کے بزرگ یہاں اس زمانہ سے رہتے ہیں جس زمانہ میں کہ حجاج کی نگرانی میں سندھ فتح ہوا تھا۔" لیکن تاریخ دانوں کا دوسرا طبقہ سومروں کو سندھ کا اصلی اور قدیمی باشندہ اور راجپوت فراو دیتا ہے۔ جیسا کہ "ایلیٹ" اپنی مشہور کتاب "ہسٹری آف انڈیا" (ج ۱ - ۴۸۳) میں لکھتا ہے کہ: "تاریخ طاہری کے قلمی نسخہ کے صفحہ ۲۵ پر واضح طور موقوف ہے کہ سومرہ اصل میں ہندو تھے۔ ریاست الور کے حکمران ہندو راجپوتوں میں سے۔ ان کی راجدھانی قصبہ "محمد طور" میں تھی جو درک پرگنہ میں واقع تھا۔ اسی طرح "ایلیٹ" نے اپنی کتاب "سندھ" کے حاشیہ صفحہ ۸۹ پر سومروں کے متعلق کافی بحث و تمحیص کے بعد گجرات کی تواریخ کے حوالوں

[بقیہ حاشیہ ص- ۱۱۶]

کی بنیاد پر ثابت کیا ہے کہ سومرہ راجپوت ہندو تھے۔ تحفۃ الکرام یا دیگر تواریخ میں سومروں کی جو رسومات بیان کی گئی ہیں مثلاً - سومرہ سرداروں کا اپنے مطیع لوگوں کے شانوں پر داغ دینا تاکہ وہ ان کے غلام شمار کئے جائیں، خود کو دوسروں سے ممتاز ظاہر کرنے کے لئے اپنے ہاتھوں پیروں کے ناخن جوڑے اکھڑوا دینا، جو عورت ایک بار بچہ جنمے دوبارہ بھر کبھی اسکے قریب نہ جانا، لیا کھڑا ایک بار پہن کر میلا کرنے کے بعد بھر دوبارہ نہ پہننا، وغیرہ وغیرہ۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ سومرہ عرب نژاد ہرگز نہیں ہیں کیونکہ عربوں میں نہ جاہلیت کے زمانہ میں کبھی ایسی رسمیں رائج تھیں اور نہ عہد اسلام میں۔ اس لئے یہ رائے زیادہ وزن دار معلوم ہوتی ہے کہ ”سومرہ اصل میں ہندو راجپوت تھے۔“ سومرہ حکمرانوں کے لہیٹھ ہندی نام بھی اس خیال کی تائید کرتے ہیں۔ اگر یہ لوگ عرب ہوتے تو ان کے نام بھی ضرور عربی قسم کے ہوتے۔

سمہ اور سومرہ قبائل کی اصلیت کے بارے میں ایک تیسری رائے اور بھی ہو سکتی ہے جس کی طرف کسی نے توجہ نہیں کی ہے، وہ یہ کہ یہ دونوں قومیں ایشیا کی اس مشہور ”سمیری“ قوم کی شاخیں ہیں جنہیں عربی میں ”سامی“ کہا جاتا ہے۔ قدیم زمانہ میں یہ بڑی طاقتور قوم تھی جس کا وسط ایشیا میں بے حد اثر و اقتدار

[بقیہ حاشیہ ص- ۱۱۸ پر]

[بہار حاشیہ ص ۱۱۷]

تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اسکا کوئی حصہ اسی زمانہ میں سندھ کی طرف آنکلا ہو اور سندھ کو اپنا وطن بنایا ہو۔

سومروں کی حکومت کی بنیاد کب سے پڑی؟ اس بارے میں بھی مورخوں میں بڑا اختلاف ہے۔ میر معصوم سومروں کی حکومت کا آغاز سلطان عبدالرشید (سنہ ۵۴۱ھ تا سنہ ۵۴۴ھ) کے زمانہ سے تسلیم کرتا ہے۔ تحفۃ الکرام کا مصنف میر علی شہر قانع سومروں کی باقاعدہ حکومت کی ابتدا ۵۴۱ھ تا ۵۴۲ھ عرف سلطان شہاٹ الدین تغلق شاہ (سنہ ۵۴۲ھ تا سنہ ۵۴۵ھ) کے زمانہ سے قرار دیتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ ان کا کل عہد حکومت پانچ سو پانچ برس بیان کرتا ہے۔ تاریخ طاہری کا مصنف میر طاہر نسائی سومروں کی کل مدت حکومت ۱۴۳ سال شمار کرتا ہے۔ اس بارے میں غالباً ڈاکٹر داؤد ہوتہ کا خیال زیادہ صحیح ہے۔ موصوف تاریخ معصومی کی تعلیقات (ص ۲۸۶-۲۸۷) میں سومروں کے حکومت کی ابتدا خلیفہ متوکل عباسی کی وفات (سنہ ۵۴۲ھ) سے بیان کرتے ہیں کیونکہ اسی خلیفہ کی وفات کے بعد عباسی حکومت کا زوال شروع ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ کچھ بعید نہیں کہ عباسی خلفا کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سومروں نے اپنی خود مختاری کی بنیاد رکھی ہو اور آہستہ آہستہ طاقت میں اضافہ کر کے سندھ کا "لاڑ" والا علاقہ منظم کر گئے ہوں۔

سومرہ حکمرانوں کی تعداد اور ان میں سے ہر ایک کے

[بہار حاشیہ ص ۱۱۹ بر]

[بقیہ حاشیہ ص ۱۱۸]

عہد حکومت کی مدت بھی ایک ایسا معما ہے جسے حل کرنے کے لئے سندھ کے تاریخ دان بے حد پریشان اور سرگرداں ہیں ابوالفضل "آئین اکبری" (۳-۵۵۹) میں کہتا ہے کہ سومروں کے کل ۳۶ حکمران ہوئے ہیں اور انکی حکومت پانچ سو برس تک رہی ہے۔ میر معصوم صرف نو (۹) نام لکھکر خاموش ہو گیا ہے۔ تحفۃ الکرام میں انیس (۱۹) حکمرانوں کے نام دیئے گئے ہیں۔ دوسری طرف مولوی عبید اللہ "شائق" نے سومروں کے بزرگوں کے شجروں اور مواویٰ عبدالرحیم سومرہ کی تالیف کردہ تاریخ "گلزار سندھ منظوم" سے انتخاب کر کے ایک مختصر کتابچہ "دولت علویہ" (یا سومروں کی حکومت) شائع کیا ہے اس میں اکیس (۲۱) نام دیئے گئے ہیں۔ لیکن تاریخی حیثیت سے دیکھا جائے تو سب ہی نے محض قیاس سے کام لیا ہے۔ ہم یہاں تاریخ معصومی کی تعلیقات میں درج کردہ سومرہ حکمرانوں کی فہرست بعینہ نقل کرتے ہیں جس سے کافی استفادہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔

تاریخ معصومی	تحفۃ الکرام	دولت علویہ
۱ - سومرہ	سومرہ (وفات ۲۲۵-۲۲۶ھ)	سومرہ (وفات ۲۲۸ھ)
۲ - بھونگر	بھونگر (وفات ۲۶۱ھ)	عصام الدین بھونگر (وفات ۲۶۶ھ)
۳ - دودا	دودا (وفات ۲۸۵ھ)	عصام الدولہ دودا (۲۸۱ھ میں گوشہ)

[بقیہ حاشیہ ص ۱۲۰ پر]

[بقیہ حاشیہ ص ۱۱۹]

نشینی اختیار کی		
زینب (تاری) (۵۴۹۱)	سنگھار (وفات ۵۵۰۰)	۴ - تاری
میں تخت سے دستبردار ہوئی)		
شہاب الدین سنگھار (وفات ۵۵۰۳)	خفیف (وفات ۵۵۳۶)	۵ - سنگھار
ہمون کا بھائی	عمر (وفات ۵۵۷۶)	۶ - ہمون
نضر الملک (صرف ایک سال حکومت کی)		
سراج الدین فتح خان (بھتی) (وفات ۵۵۱۱)	دودا (وفات ۵۵۹۰)	۷ - بھتی
عماد الدین خلیف (وفات ۵۵۳۶)	بھتی (وفات ۵۶۲۳)	۸ - خیرو
جلال الدین عمر (وفات ۵۵۵۶)	کھنرا (وفات ۵۶۳۹)	۹ - اربیل
صلاح الدین ہجو (وفات ۵۵۷۰)	محمد طور (وفات ۵۶۵۴)	۱۰ -
غیاث الدین دودا (وفات ۵۶۰۰)	کھنرا (وفات ۵۶۵۸)	۱۱ -
علاؤ الدین خیرو (کھنرو) (وفات ۵۶۱۹)	طائی (وفات ۵۶۸۲)	۱۲ -
سیف الدین طائی (وفات ۵۶۳۸)	چنسر (وفات ۵۷۰۰)	۱۳ -

[بقیہ حاشیہ ص ۱۲۱ پر]

وہ اس وجہ سے کہ بنی عباس کے آخری گورنر آل تمیم (۱) کے

[ہجری حاشیہ ص ۱۲۰]

۱۴ —	بھونگر (وفات ۵۷۱۵ء)	شمس الدین بھونگر (وفات ۵۶۷۸ء)
۱۵ —	خفیف (وفات ۵۷۳۳ء)	کمال الدین چنیسہ (۱۷۹۶ء سنہ ۵۶۹۶ء میں تخت سے معزول کر دیا گیا)۔
۱۶ —	دودا (وفات ۵۷۵۸ء)	اسد الملت دودا (وفات ۵۷۰۰ء)
۱۷ —	عمر (وفات ۵۷۹۳ء)	ظہیر الدین بھونگر (وفات ۵۷۳۰ء)
۱۸ —	بھونگر (وفات ۵۸۰۳ء)	فخر الدین عمر (یہ سنہ ۵۷۷۵ء میں گوشہ نشین ہو گیا)
۱۹ —	حمیر (۱۷۹۶ء سنہ ۵۷۹۶ء میں تخت سے معزول کر دیا)۔	قمر الدین طاہر (وفات ۵۸۱۳ء)
۲۰ —	—	معین الدین اربیل (وفات ۵۸۲۲ء)
۲۱ —	—	بھاؤ الدین شہمیر شاہ عرف حمیر (وفات ۵۸۴۳ء)

۱۔ بنی عباس کا آخری گورنر ابوالمجد تھا جو قبیلہ کنندہ

[ہجری حاشیہ ص ۱۲۲ پر]



بعد اس قوم کے اکثر لوگوں کا عمل دخل دیکھ کر مورخوں کا ایک گروہ [۹۳] اس قوم کا زمانہ [اقتدار اسی وقت سے] شمار کرتا ہے۔ لیکن جیسا کہ بیان ہو چکا ہے اس زمانہ میں سندھ کے بڑے حصے پر غزنویوں اور غوریوں کا تصرف تھا اس وجہ سے اس طبقہ کا عہد حکومت اس وقت سے شمار کیا جاتا ہے جب سے وہ کسی دوسرے کی شرکت کے بغیر [پورے ملک پر] متصرف ہوئے۔ [۹۴]

[بہر حال] اس قوم کی اصلیت کے بارے میں کوئی ثبوت دستیاب نہیں ہوا۔ [البتہ] جیسا کہ اس سے پیشتر مذکور ہو چکا ہے [گمان غالب ہے کہ] یہ ”سامرہ“ عرب ہیں جو چوتھی صدی ہجری میں سندھ آئے تھے۔ [کیونکہ] کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ”داورائے“ امرانی کا بھائی ”جھٹو“ امرانی جب بھائی کے مظالم سے عاجز آگیا اور اپنے بھائی کی نصیحت کی وجہ سے شہر اروڑ کی ویرانی اور بھالہرا (برہمن آباد)

[بفہ حاشیہ ص ۱۲۱]

کا آزاد کردہ غلام تھا۔ اس نے سندھ پر عرب کے ذریعہ قبضہ کیا تھا۔ اس سے پیشتر ”عمر بن عبدالعزیز“ ہجری سندھ کا گورنر تھا۔ عباسیوں کے گورنروں کی جو فہرست اس سے پیشتر درج کی جا چکی ہے اس پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ ”آل تمیم“ کے نام کا کوئی گورنر نہیں رہا ہے۔ البتہ دوسرے نمبر پر جو گورنر ”موسیٰ بن کعب“ آیا وہ ”تمیمی“ تھا، اسی وجہ سے اسے ”آل تمیم“ کہا جاسکتا ہے۔ اسی طرح ساتویں نمبر پر جو گورنر آیا وہ بھی ”تمیمی“ تھا۔

کی بربادی کا حال اس نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تو بغداد جا کر اس نے خلیفہ سے [امداد چاہی اور] ”سید علی“ موسوی کی سرکردگی میں، جن کا ذکر آگے چل کر آئے گا، سامرہ کے [۹۰] ایک سو عربوں کو لیے کر سندھ آیا۔ یہاں، آخر کار اس کے بھائی [دلو رائے] نے [سید علی] کی اطاعت قبول کی اور اپنی بیٹی سید موصوف کے عقد میں دی۔ چنانچہ وہ یہیں رہ گئے اور اپنے بعد اولاد چھوڑی۔ متعلوی (مٹیاری) نامی موضع ان کی اقامت گاہ تھا۔

قصہ کوتاہ، کلام سابقہ کے سلسلہ کے مطابق، جب سنہ ۵۲۰ھ میں ”غازی ملک“ سندھ اور ملتان کا لشکر اکٹھا کر کے اور [۹۶] دہلی جا کر خسرو خان پر غالب ہوا اور تخت و تاج کا مالک بن کر ”سلطان غیاث الدین تغلق شاہ“ کا لقب اختیار کیا اور اسی جانب کے کاروبار میں مشہک ہو گیا، موقع پا کر سومروں نے تھرڑی کے گرد و نواح میں لوگوں کو جمع کر کے ”سومرہ“ نامی ایک شخص کو تخت پر بٹھا دیا۔ اس نے ملک کے قریب وچوار کو [دشمنوں سے] صاف کر کے ”صاد“ نامی ایک زمیندار کی [۹۷] بیٹی سے جو اپنی خود مختاری کا دم بھرتا تھا، نکاح کر لیا۔ اس کے بطن سے ایک بیٹا بھونگر پیدا ہوا۔ باپ کے مرجانے کے بعد بھونگر اس کا جانشین ہوا۔ اس کے بیٹے ”دودا“ نے نصر پور تک [کا ملک] اپنے قبضہ میں کیا۔ اس کے فوت ہونے کے وقت اس کا بیٹا سنکھار کم سن تھا چنانچہ دودا کی بیٹی ”تاری“ نے اپنے بھائی کے بالغ ہونے تک حکومت کی باگ دوڑ اپنے ہاتھ میں سنبھالی۔ جس کے بعد

سنگھار نے ”کچھ“ کی طرف فوج کشی کر کے نانکنی (۱) تک [کا ملک] اپنے قبضہ میں کیا۔ چونکہ اس نے کوئی اولاد اپنے بعد نہ چھوڑی اس لئے اس کی بیوی ”ہیمو“ نے اپنے بھائیوں کو ”طور“ اور ”تھرڑی“ کے شہروں پر مامور کیا۔ لیکن کچھ ہی عرصہ کے بعد ”دودا“ نامی ایک سومرہ نے جو واہگہ (واگہ) کے قلعہ کا حاکم تھا، قرب و جوار سے اپنے بھائیوں کو جمع کر کے ہیمو کے بھائیوں کی بیخ کنی کردی۔ اسی عرصہ میں [مذکورہ بالا] دودا کی اولاد میں سے ایک شخص مسمیٰ ”دادو پھٹو“ (پھتو) نے علم بغاوت بلند کر کے حیرت انگیز لشکر جمع کر لیا اور کتنی ہی مدت تک حکومت کرتا رہا۔ اس کے بعد ”خرو“ نامی [ایک شخص] سلطنت کا مالک ہوا۔ اس کے بعد ”ارسیل“ نے حکومت سنبھالی، لیکن چونکہ وہ ظالم تھا اس لئے سمہ لوگوں نے بغاوت کر کے اسے قتل کر ڈالا۔ یہ واقعہ سنہ ۵۰۲ء میں پیش آیا۔

اس قوم کی حکومت کی ابتدا، انتہاء اور ان کے ناموں کی فہرست دوسری طرح بھی بیان کی گئی ہے۔ چنانچہ ”منتخب التواریخ“ میں مرقوم ہے کہ جب سلطان محمود غازی کا پٹا سلطان عبدالرشید تخت پر بیٹھا تو اس کی سادگی اور کم عقلی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سندھ کے لوگوں نے سرکشی اور بغاوت شروع کردی اور سنہ ۵۴۵ء میں سومرا قوم کے لوگوں نے تھرڑی [۹۸] میں لشکر جمع کر کے سومرہ نامی ایک شخص کو تخت پر بٹھایا۔ سومرہ کالی عرصہ تک خود مختاری کے ساتھ حکومت کرتا رہا اس کے بعد ”صاد“ نامی ایک زمیندار کی

۱۔ شاید کچھ کے کسی شہر یا قصبہ کا نام ہے۔

بیٹی کے بطن سے ”بھونگر“ نامی اپنا ایک بیٹا ولی عہد چھوڑ کر وہ فوت ہو گیا۔ بھونگر بن سومرہ پندرہ سال تک مرادیں حاصل کر کے سنہ ۴۶۱ھ میں عالم جاودانی کی طرف کوچ کر گیا۔ اس کے بعد ”دودا بن بھونگر“ چوبیس سال تک حکومت کر کے سنہ ۴۸۵ھ میں انتقال کر گیا۔ اس کے بعد ”سنگھار“ نے پندرہ سال، ”خفیف“ نے چھتیس سال، ”عمر“ نے چالیس سال، ”دودا ثانی“ نے چودہ سال، ”پھٹو“ (پھتو) نے تینتیس سال، ”کھینرو“ نے سولہ سال، ”محمد طور“ نے پندرہ سال، ”کھینرو“ (کنرو) نے چند سال، ”دودا ثالث“ نے چودہ سال، ”طانی“ نے چوبیس سال، ”چنپسر“ نے اٹھارہ سال، ”بھونگر ثانی“ نے پندرہ سال، ”خفیف ثانی“ نے اٹھارہ سال، ”دودا چہارم“ نے پچیس سال، ”عمر ثانی“ نے پینتیس سال، ”بھونگر ثالث“ نے دس سال اور اس کے بعد ”ہمیر“ نے [یکے بعد دیگرے] حکومت کی۔ یہ (ہمیر) چونکہ ظالم تھا اس لئے سمہ قوم کے افراد نے اسے تخت سے معزول کر دیا۔

اس گروہ کے زوال کا سبب دوسری طرح بھی روایتوں میں آیا ہے۔ لیکن پہلے مذکورہ سرداروں کے علاوہ اس قوم کے بعض دیگر ممتاز افراد کا، جو بعض مقامات کے مالک تھے، ذکر ہوکا اور پھر ان کا خاتمہ، ان کے بعض ناموزوں طور طریق کے ساتھ، اسی روایت میں بیان کیا جائے گا۔ [۹۹]

### عمر سومرہ

قلعہ عمر کوٹ اسی سے منسوب ہے۔ اس کے حالات بڑے دلچسپ ہیں جن کا ذکر کیا جاتا ہے۔

ماروئی کا قصہ

”تلہا“ نامی ایک گاؤں میں ”مارو“ قوم کی ”ماروئی“ نامی ایک پاک دامن اور خوبصورت دوشیزہ رہا کرتی تھی۔ اس کے ماں باپ نے اس کی سنگنی پہلے ”پنہوں“ نامی ایک شخص سے کی لیکن بعد میں یہ نسبت توڑ کر اسے ایک دوسرے عزیز سے منسوب کر دیا۔ پنہوں اس محبوبہ کے ہاتھ سے نکل جانے کی وجہ سے دل شکستہ ہو کر ”عمر“ کے پاس فریاد لے گیا اور جا کر اس سے کہا کہ ”میری پری جمال اور خدا داد حسن کی مالک منگیترا کو ایک دوسرے شخص سے بیاہ دیا گیا ہے۔ اب میں تو اس سے مایوس ہو چکا ہوں لیکن اگر آپ ایک نظر بھی اسے دیکھ لیں گے تو یقیناً اسے اپنے حرم کے لئے موزوں پائیں گے۔“ [یہ سن کر] عمر نے بھیس بدلا اور ایک تیز رفتار اونٹ پر سوار ہو کر [خود] ماروئی کے گاؤں میں جا پہنچا۔ وہاں جوں ہی ماروئی کو دیکھا دیوانہ وار اس پر فریفتہ ہو گیا۔ چونکہ اس کی طلب کا تیر اس کے دل میں بیوست ہو چکا تھا اس لئے موقع پاتے ہی وہ اسے زبردستی اونٹ پر بٹھا کر اپنے محل واپس آ گیا۔ اس کے بعد [اسے دلچائے کے لئے] اس نے بہتیرے سونے چاندی کے زیورات اور عیش و آرام کے سامان پیش کئے، لیکن وہ کسی طرح راہی نہ ہوئی، بلکہ اپنے شوہر کی یاد میں ہمیشہ دن رات روتی بیٹتی اور نیندیں حرام کرتی رہی۔ یہاں تک کہ اس نے کھانا پینا بھی چھوڑ دیا۔ بالآخر ایک سال گزرنے کے بعد بلکہ اس سے کچھ پہلے ہی عمر نے اس کی ایمانداری اور پاکبازی سے متاثر ہو کر اس کے

شوہر کو بلوایا اور کافی زیورات کے ساتھ ماروٹی کو اس کے حوالہ کر دیا۔ لیکن اس کا شوہر عمر کے شک کی وجہ سے اسے مارتا بیٹتا اور اذیتیں دیتا رہا۔ اس کے علاوہ اس کی قوم کے لوگ بھی اسے طعنے تشنیے دیا کرتے تھے اور [۱۰۰] بے شرمی کے ساتھ ”عمر“ کا نام لیا کرتے تھے۔ عمر ان سیوب سے پاک تھا۔ چنانچہ سخت غضبناک ہو کر اس نے ان پر حملہ کرنے کا پختہ ارادہ کیا۔ ماروٹی کو جب اس کی خبر ہوئی کہ اسی کی وجہ سے اس کی قوم پر مصیبت آنے والی ہے تو وہ اپنی قوم کو تسلی دے کر عمر کے پاس گئی اور جا کر اس سے کہا کہ ”قصور تیرا ہی ہے کہ تو نے پرانی عورت کو اتنی مدت تک اپنے محل میں رکھ چھوڑا۔ اب لوگ طعنے نہ دینگے تو کیا کریں گے؟ میرا شوہر مجھ سے کیوں بد گمان نہ ہوگا؟ اس پر اب یہ مزید فساد یہ تو پہلے گناہ سے بھی بڑا گناہ ہوگا۔ بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کی بدنامی کا سبب بنے گا۔“

عمر اس سے متاثر ہو کر اپنے ارادہ سے باز آیا اور اس کے شوہر کو بلا کر سمجھا یا کہ ”میں اس پاکدامن عورت کا پہلے بے شک طلبکار تھا۔ لیکن چونکہ وہ راضی نہ ہوئی اور اس کی سچائی [مجھ پر] ثابت ہو گئی اس لئے میں نے اسے اپنی بیٹی کہہ کر تیرے حوالہ کیا ہے۔ اگر تجھے اب بھی کسی صفائی اور ثبوت کی ضرورت ہے تو میں تیرے سامنے حاضر ہوں۔ جس طرح بھی تیرے دل کو اطمینان حاصل ہو بے دریغ کہہ اور ویسا ہی کر، تاکہ مجھ پر اور ماروٹی پر جو داغ لگایا گیا ہے وہ صاف ہو جائے۔“ اس پر ماروٹی نے کہا کہ ”یہ گناہ مجھ پر عاید کیا گیا ہے اس لئے لوہا تنہا کر میرے ہاتھ

ہر رکھو تا کہ حق کا ثبوت دینے کے لئے میں اسے اٹھالوں“ چنانچہ سارے عزیزوں رشتہ داروں اور شہر کے باشندوں نے مل جل کر اس قدر تپتا ہوا لوہا اسکے ہاتھ پر رکھا کہ جس کی حرارت سے دیکھنے والوں کی آنکھیں بھی جلی جاتی تھیں۔ لیکن ماروٹی کو اس سے کوئی گزند نہ پہونچا۔ اس پر ماروٹی نے کہا کہ ”ابھی میں اس سے بھی بڑا امتحان دوں گی“۔ . . . چنانچہ اسکے کہنے پر آگ کا ایک بہت بڑا الاؤ جلایا گیا، جس میں سے وہ حسین عورت [حضرت ابراہیم] خلیل کی مانند اس طرح کہ جیسے کوئی شخص باغ کی سیر کر رہا ہو اطمینان اور آہستگی کے ساتھ [۱۰۱] کئی بار گذری۔ خدا کی قدرت اور صداقت کی برکت سے اسکے جسم کے ایک روئی اور کپڑے [کے ایک تار] کو بھی گزند نہ پہونچا۔ چنانچہ اب اسکے شوہر اور دیگر لوگوں کی عمر اور ماروٹی کے متعلق بد گمانی بالکل دور ہو گئی۔

بے شک ماروٹی کی صداقت اور پاکدامنی پر بھی آفریں ہے لیکن ہزار آفرین عمر کے ضبط اور خواہش پر قابو رکھنے پر بھی ہے کہ جس نے ایسی مفت میں ہاتھ آئی ہوئی پری کو اسکی اجازت اور مرضی کے بغیر ہاتھ نہ لگایا۔ مثال کے طور پر ایک عجیب حکایت یاد آئی ہے، چونکہ موقع کے اعتبار سے مناسب ہے اس لئے شامل کی جاتی ہے :

حکایت : ایک شخص کسی عورت پر فریفتہ تھا۔ کتنی ہی مدت وہ اسکی طلب میں حیران و پریشان رہا مگر وہ ہاتھ نہ آتی تھی۔ آخر کار ایک موقع پر کسی حیلہ بہانہ سے اسے ایک خالی مکان میں لا کر اس نے دروازے بند

کر لئے۔ وہ پاکدامن عورت جو طویل عرصہ سے خود کو بدکاری سے محفوظ رکھتی آئی تھی۔ اس دام میں گرفتار ہو کر عاجز ہو گئی اور فعل بد کے لئے مرد کی بے تابی دیکھ کر اس سے کہنے لگی کہ ”اب تو تجھے اطمینان ہے اس لئے خواہ مخواہ پریشان نہ ہو اور انصاف کے ساتھ میرے ایک سوال کا جواب دے پھر تو جو کچھ بھی طلب کرے گا وہ تیری ملکیت ہوگی۔“ مرد نے کہا کہ ”کہو۔“ اس پر عورت نے کہا کہ ”[لوگ جو کہتے ہیں کہ] عقل کے چالیس حصے کر کے [خدا نے] انتالیس حصے مرد کو اور ایک حصہ عورت کو دیا جس کی وجہ سے عورت کو ناقص العقل کہتے ہیں، تو یہ بات سچ ہے یا نہیں؟“ مرد نے جواب دیا ”ہاں۔“ عورت نے کہا کہ ”شہوت کے بھی چالیس حصے بیان کرتے ہیں جن میں سے انتالیس حصے عورت کو دیئے گئے اور ایک حصہ مرد کو [کیا یہ بھی درست ہے؟]“ مرد نے جواب دیا کہ ”بے شک۔“ اس پر عورت نے کہا کہ ”جب تو یہ بات قبول کرتا ہے تو مجھے نچھ پر حیرت ہوتی ہے کہ [۱۰۲] تو جو ایک مرد ہے عقل کے انتالیس حصوں کے باوجود شہوت کے ایک حصہ سے اس قدر بے اختیار ہو گیا ہے کہ اس پر قابو نہیں پاسکتا اور میں اتنی کم عقل ہونے ہوئے بھی اتنی زیادہ شہوت کو قابو میں رکھتی آئی ہوں اب خود ہی انصاف کر۔“ چونکہ اس ”شیر“ عورت کا کلام پاکدامنی اور ضبط نفس پر مبنی تھا اسوجہ سے اسکی تاثیر کا تیر اس مرد کے دل کے نشانہ پر پورا لگا اور ایکدم اسکے پیروں پر گر کر اپنے گزشتہ قصور کی معافی طلب کر کے اس نے



اسے چھوڑ دیا ۔

قصہ کوتاہ ، ماروٹی اور عمر کی کہانی سندھی زبان میں منظوم اور مشہور ہے اور صاحبان حال اسے مخصوص ستر اور دھنوں میں گاتے ہیں اور اس مجاز سے حقیقت کی راہ دریافت کر کے وجد اور سرور حاصل کرتے ہیں ۔ ظاہر ہرستوں پر بھی اس عشق کی صدا اور ولولہ کا اثر ہوتا ہے ۔ سید محمد طاہر نسیانی نے اس قصہ کو فارسی میں نظم کر کے اس کا نام ”ناز و نیاز“ رکھا ہے ۔

حکایت دیگر: تمیم قوم کی ایک ”گنگا“ نامی لڑکی صغر سنی میں ”عمر“ کے ساتھ منسوب ہوئی تھی ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کو ایک دن اس نے کسی ایسے حال میں دیکھا کہ کمسنی کی وجہ سے اس کے حسن کا پھول ابھی پوری طرح کھلا نہ تھا اور اسے پسند نہ آئی ۔ چنانچہ اس نے کہا کہ ”جس سے چاہو اس کے ساتھ اسے منسوب کر دو“ ۔ اس پر اس کی اجازت کے مطابق اس کی نسبت تمیم قوم کے ایک ایسے شخص سے کر دی گئی جو ”عمر سومرہ“ کا اپنا وزیر تھا ۔ شباب آنے پر گنگا حسن میں یکتا ہو گئی اور دور دور کے ملکوں تک اس کی شہرت پھیل گئی ۔ یہ تعریف سن کر عمر نے بھی اسے کسی بہانے سے دیکھنا چاہا ۔ اسی زمانہ میں ایک دن شکار کرتے کرتے وہ کسی دھوبی کے قریب سے گزرا جو کپڑے دھو کر سکھا رہا تھا ۔ [قریب کے ایک] درخت پر [اسے] ایک خوشبودار لباس [پھیلا ہوا] [۱۰۳] نظر آیا ۔ دھوبی سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ لباس گنگا کا ہے ۔ یہ سنتے ہی وہاں سے وہ اس کے گھر روانہ ہوا ۔ معلوم ہوا کہ

اس کا شوہر گھر پر نہیں ہے چنانچہ ایک کبوتر کا شکار کرنے کے بہانہ اس نے ایک تیر گھر کے اندر پھینکا اور پھر تیر الٹھانے کے لئے دروازہ کے اندر جا کر خواہش کے مطابق اس کے دیدار سے بہرہ ور ہوا اور اس کی خمیدہ زلفوں میں اسیر ہو کر بیچ و تاب کھاتا ہوا محل واپس آیا۔ اس کے بعد وہ منصوبے بنانے لگا۔ وزیروں سے بھی مشورہ کیا۔ آخر ایک حیلہ طے کر کے وہ مذکورہ تمیمی پر زیادہ سے زیادہ عنایتیں کرنے لگا۔ اس نے جو اپنی طرف عمر کی پہلے سے سینکڑوں گنا زیادہ توجہ پائی تو اس نے وزیروں سے اس کا سبب دریافت کیا کہ ”امیدوں سے زیادہ ان نوازشات کا کیا سبب ہے؟“ انہوں نے اسے سمجھایا کہ ”عمر نے تجھے پسند کیا ہے اور اپنی بہن کو تیری زوجیت میں دینا چاہتا ہے۔“ وہ بیوقوف اس دھوکے میں آئے سے باہر ہو گیا اور اس رشتہ سے چاہ ظاہر کرنے لگا۔ آخر کار ”عمر نے ایک دن بزم شراب منعقد کر کے اسے نشہ میں چور بنایا اور پھر وزیروں کو اپنا کام کرنے کا اشارہ کیا۔ وزیروں نے تمیمی سے کہا کہ عمر اپنی بہن کا رشتہ تجھے شوق سے دینا چاہتا ہے لیکن صرف یہ سوچتا ہے کہ تیرے پاس پہلے ہی ایک بیوی ہے اور تو اس کی محبت میں گرفتار ہے۔ اب اگر تو اسے چھوڑ دے اور عمر کے حوالہ کرے تاکہ وہ جس سے چاہے اس کا عقد کرے تو وہ فوراً اپنی بہن تیرے عقد میں دیدیگا۔“ چنانچہ وہ سادہ لوح بد نصیب نشہ کی حالت میں، جس میں ہوش و حواس رخصت ہو جاتے ہیں، انہوں نے جو کہا، وہ بجالایا۔ پھر جب تمیمی کی بیوی (کنکا) طلاق اور بخشش کے مطابق عمر کے قبضہ میں آگئی تو وزیروں کے حکم پر [ملازموں نے]

اس نشہ میں جو رہہ مست کو سخت ذلت اور بے عزتی کے ساتھ غالیچہ کے سرے سے ٹانگی پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے لے جا کر دروازہ سے باہر پھینک دیا [۱۰۴] اور کہا کہ ”جب تو نے بغیر کسی قصور کے محض دولت کی لالچ میں اپنی پہلی بیوی کو چھوڑ دیا اور وفا کے طریقے کو جو مردوں کا شیوہ ہے قطعی فراموش کر دیا تو سردار کی قرابت کا تو کس طرح مستحق ہو سکتا ہے؟“ وہ بے چارہ صبح کو جب رات کے نشہ سے ہوش میں آیا تو اس گزرے ہوئے حادثہ پر گریبان چاک کٹے ہوئے دہلی کے بادشاہ سلطان علاؤ الدین کے پاس فریاد لے کر گیا۔ دربار سے عمر کی طلبی کا پروانہ جاری ہوا۔ ہوتے ہوئے بھی بات دوسرے اسباب کے ساتھ مل جل کر جو آگے چل کر بیان ہوں گے اس قوم کی حکومت کے زوال کا سبب بنی۔

حالانکہ بعض مورخوں کی تحریر کے مطابق یہ عمر، ساری قوم کے سردار اور ملک کے مالک عمر کی بجائے کوئی اور ہے، لیکن واقعہ کا بیان ظاہر کرتا ہے کہ یہ اور اس سے پیشتر کا واقعہ دونوں خاص عمر سردار سے تعلق رکھتے ہیں۔

”ہمیر“ سومرو بھی کسی زمانہ میں سر زمین سندھ کے کسی حصہ پر عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کر چکا ہے۔ مذکورہ عمر سے اس کے پہلے یا بعد میں ہونے کا ہلکہ اس کے زمانے ہی کے تعین کے بارے میں کتب سے کچھ ثبوت نہیں ملتا۔ البتہ بعضوں کا خیال ہے کہ یہ وہی ہمیر ہے جو سومروں کا آخری سردار تھا۔ اگر یہ درست ہے تو پھر یہ ہمیر، عمر کے بعد کا ہوگا۔ واللہ اعلم۔

مومل اور میندھرا کا قصہ اسی کے وقت کے عجائبات میں

سے ہے جو یہاں بیان کیا جاتا ہے۔

### موہل اور سیندھرا کا قصہ

گوجر بادشاہوں کی اولاد میں سے موہل نامی ایک عورت اپنے باپ کے فوت ہو جانے کے بعد اپنے ملک پر حکومت کرتی تھی اس نے شہر کے کنارہ پر ایک شاندار محل [۱۰۰] بنوایا۔ جس کے باہر جادو کے زور سے ایک طلسمی دریا اور اس کے گھاٹ پر محل میں داخلے کے لئے پتھر کا دروازہ تعمیر کرایا اور اس پر پتھر کے دو خوفناک شیر استادہ کرا کے محل کے اندر ایک کمرہ میں سات ہلنگ بچھوا دیئے، جن پر ایک جیسے بستر لگے ہوئے تھے۔ ان میں سے چھ ہلنگ کچے دھاگے کے بنے ہوئے تھے اور ہر ایک کے نیچے گہرا گڑھا تھا۔ اس کے بعد محل نے فیصلہ کیا کہ جو شخص بھی اس دریا اور شیر کے طلسم سے گزر کر اپنی دانائی کی بنا پر آکر صحیح پانگ پر بیٹھ جائے گا اسے میں اپنا شوہر قبول کروں گی۔ اسی خواہش میں کتنے ہی لوگ ادھر گئے لیکن اپنے مقصد میں ناکامیاب ہو کر عدم آباد کو سدھار گئے۔ ایک دن ہمیر سومرو اپنے تین وزیروں کے ساتھ جن میں اس کا برادر نسبتی (سالا) اور وزیر ”رانا سیندھرا“ بھی شامل تھا، شکار کھیل رہا تھا کہ اسے ایک سیلانی جوگی ملا جس نے موہل کے حسن کی تعریف کر کے اسے اس کے دیدار کا شوق دلایا۔ ہمیر سومرو نے اختیار اپنے تینوں رفیقوں کو ساتھ لے کر اس طرف روانہ ہوا اور جا کر موہل کے محل کے نیچے اقامت پذیر ہوا۔ خبر ملنے پر موہل نے ایک ہوشیار کنیز کو بھیجا، تاکہ ان کا حال معلوم کر کے ان کے سردار کو دعوت دے اور ساتھ لے آئے۔ چنانچہ پہلے ہمیر اس کنیز کے ساتھ گیا

تعفة الکرام

لیکن راہ میں کنیز ایسے دھوکہ دے کر آگے نکل گئی اور وہ موجیں مارتا ہوا طلسمی دریا دیکھ کر مقصد حاصل کئے بغیر واپس آگیا اور شرم کی وجہ سے کسی سے کچھ نہ کہا۔ دوسری رات کنیز آکر دوسرے کولے گئی اور وہ بھی اسی طرح واپس آگیا۔ چوتھی شب ”رانا مہندھرا“ کنیز کے ساتھ روانہ ہوا۔ وہ حسب دستور آگے آگے چلنے لگی لیکن اس نے اس کا دامن پکڑ کر اسے اپنے پیچھے دھکیلتے ہوئے کہا کہ ”کنیزوں کو سرداروں کے آگے چلنا زیب نہیں دیتا۔ اس کے بعد وہ طلسمی دریا کے قریب پہنچ کر ششدر رہ گیا۔ [۱۰۶] بالآخر دریا کی گہرائی کا اندازہ کرنے کے لئے اس نے نیزہ کر جو اس کے ہاتھ میں تھا پانی میں ڈالا اور معلوم ہوا کہ اس پانی کی کوئی حقیقت نہیں ہے چنانچہ وہ فوراً اس میں سے ہو کر آگے نکل گیا۔ اس کے بعد جب اس کی نظر دروازہ کے شیروں پر پڑی تو انہیں بھی اس نے نیزے کی نوک سے چوکے دے کر دیکھا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ یہ بھی محض نمایش ہیں تو کامیابی کے ساتھ محل کے اندر جا کر وہ کمرہ میں داخل ہوا۔ یہاں ایک جیسے سات ہلنگ پیچھے ہوئے دیکھ کر وہ سوچنے لگا کہ بیٹھنے کے لئے تو بہر حال ایک ہی ہلنگ ہوگا، مبادا ان میں بھی کوئی فریب ہو۔ چنانچہ [یہ سوچ کر] وہ ہر ایک کو نیزے کی نوک چھو کر دیکھتا ہوا ثابت ہلنگ پر جا کر پلٹھی مار کر بیٹھ گیا۔ کنیز نے اس کی ہمت اور عقلمندی کا حال جا کر مومل سے بیان کیا اور وہ فی الفور باہر آئی۔ ایک ہی صبحت میں وہ آپس میں گھل مل گئیں اور نکاح کر کے باہم طالب و مطلوب ہوئے۔ [غرض] وہ رات عیش و عشرت میں

بسر کر کے صبح کے وقت وہ ہمیر سومرو اور دوسروں کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے گزروے ہوئے حالات بیان کئے۔ [بد سن کر] ہمیر نے گہا کہ اب وہ خاص تیری ہوچکی ہے تو تجھ پر لازم ہے کہ اسے ایک بار دیکھنے کی میں بھی اجازت دے۔ [اس پر] دوسری شب میندھرا، ہمیر کو چرواہے کے لباس میں اپنے ساتھ لے گیا۔ اسی بے ادبی کی وجہ سے رانا [میندھرا] سے کچھ ناراض ہو کر ہمیر نے اسے اپنے ساتھ شہر میں واپس لانے کے بعد نظر بند کر دیا۔

میندھرا چونکہ مومل کو دل نذر کر چکا تھا اس لئے اس نے کسی طرح چوکیداروں کو ملا لیا۔ پھر وہ چوری چھپے ایک برق رفتار اونٹ پر جو ایک رات میں پانچ دن کی آمد و رفت کی مسافت طے کرتا تھا۔ سوار ہو کر اپنے محبوب کے دیدار سے فیض یاب ہو کر واپس آجایا کرتا تھا۔ اتفاقاً ایک شب مومل اپنی بہن سے ملاقات کرنے کے لئے گئی ہوئی تھی کہ میندھرا جا کر واپس آیا اور شک میں مبتلا ہو کر غصہ میں اس نے آئندہ جانا ترک کر دیا۔ بے گناہ مومل میندھرا کی اس خفگی سے بے تاب ہو گئی اور اپنا مالک چھوڑ کر [۱۰۷] "میندھرا" کے شہر میں آ پہنچی۔ پھر اس کے محل کے سامنے اپنا محل بنوا کر اس کی کھڑکیاں میندھرا کے محل کی کھڑکیوں کے سامنے رکھوائیں۔ [اس خیال سے کہ] شاید اس طرح اسے گاہے گاہے دیکھ کر وہ اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرتی رہے۔ لیکن غصہ کی وجہ سے میندھرا نے اپنی اس طرف کی کھڑکیاں بند کروا دیں۔ اس پر مومل نے دوسری طرف حویلی بنوائی اور اس کی کھڑکیاں بھی اس کے سامنے رکھوائیں۔ غرض اسی طرح اس نے میندھرا

کے محل کے چاروں طرف اپنی حویلیاں بنوائیں لیکن دیدار سے نامراد رہی۔ بالآخر ہر طرح سے جب اس نے میندھرا کی توجہ کو اپنے سے ہر گشتہ پایا تو ایک درد بھری آہ کے ساتھ ناکامی کی حالت میں دار فانی سے رحلت کر گئی۔ چونکہ طالب کا مطلوب کے دل پر پورا اثر ہوا کرتا ہے اور دونوں کے مابین ایک قسم کا قلبی اتحاد اور عشق ثابت ہے اس لئے جب یہ خبر جا کر میندھرا کو سنائی گئی تو ایک ہی چیخ کے ساتھ اس کی روح بھی محبوب سے جا ملی۔

یہ داستان سندھی آیات میں مشہور سر می گاتے ہیں، اور صاحبان حال اس مجاز سے حقیقت کا سراغ پا کر اپنے جذبے اور شوق میں تپش پیدا کرتے ہیں۔ ملا مقیم نامی ایک شخص نے یہ قصہ فارسی میں نظم کر کے اس کا نام ”ترنم عشق“ رکھا ہے۔

#### لیلا اور چنیسر کا واقعہ

گذشتہ زمانہ کے عجیب و غریب واقعات کی داستانیں لکھنے والے عہد سابقہ کے حالات اس طرح بیان کرتے ہیں کہ مشہور اور جلیل القدر بادشاہ ”کھنگار“ کی بیٹی ”کونرو“ اپنے چچا زاد بھائی سے منسوب تھی۔ چونکہ وہ حسن میں بے نظیر تھی اس لئے اپنی جیسیوں کے ساتھ ہمیشہ وہ غرور اور شوخی کے ساتھ پیش آیا کرتی تھی۔ انہی دنوں میں دیول کا ”چنیسر“ بھی حسن و دولت [۱۰۸] اور بادشاہت و طاقت میں اپنی آپ نظیر تھا۔ وقت کی ہر حسینہ اس کے وصال کی خواہاں تھی۔ ایک دن ”جمنی“ نامی ایک سہیلی لڑکی نے ”کونرو“ کو طعنہ دیا کہ ”تیرے اس ناز و غرور سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ

جیسے تیرے دماغ میں چنیسر کے وصال کا خیال سمایا ہوا ہے۔ یہ طعنہ ”کونرو کے دل میں چبھ گیا اور وہ بغیر دیکھے ہی چنیسر کو دل دے بیٹھی، [یہاں تک کہ] بے حیائی کی حد کو جا پہنچی۔ اس کی ماں ”مرکھی“ نے یہ حال معلوم کر کے جا کے ”کھنگار“ کو خبر دی۔ چنیسر کا خیال ان دنوں قابل فخر بات تھی لیکن وہ حیلہ کے بغیر ہاتھ آنے والا نہیں تھا۔ چنانچہ رانا ”کھنگار“ نے ”مرکھی“ سے کہا کہ ”کونرو“ خود ناکامی کی راہ میں ماری ماری پھرے اس سے تو یہ بہتر ہوگا کہ اس ملک کے تاجروں کا بھیس بدل کر تو خود اسے اپنے ساتھ لیجا اور جا کر کوئی ترکیب کر، ممکن ہے کہ وہ فدی تیرے کسی حیلہ کے دام سے شکار ہو جائے“ یہ سن کر ”مرکھی“ جملہ [ضروری] ساز و سامان ساتھ لے کر بیٹی سمیت اپنا ملک ”ڈھٹ“ اور دریائے پریت کو عبور کر کے کچھ عرصہ میں ”دیول“ کی سرزمین اور چنیسر کے شہر میں جا پہنچی اور ایک شخص کے توسل سے [اس نے] چنیسر کے وزیر ”جکھری“ کے پاس رشتہ کا پیغام بھیجا۔ چنیسر اپنی بیوی ”لیلا“ پر جو حسن و ادا میں لیلیٰ سے بھی زیادہ تھی، دیوانہ وار لدا تھا۔ چنانچہ اس نے جواب دیا کہ ”لیلا“ کے سوا مجھے دوسری کی ضرورت نہیں۔ خبردار۔ آئندہ ایسے الفاظ زبان پر نہ لانا اور جو لوگ [رشتہ کے لئے] آئے ہوئے ہیں انہیں واپس کر دے مبادا لیلا یہ سن کر غمگین ہو۔ یہ جواب پا کر ”مرکھی“ نے اسباب سوداگری فروخت کر دیا اور ایک دن غریب مسافر کے بھیس میں آکر ”لیلا“ سے ملتجی ہوئی کہ ”میں اور میری بیٹی زمانہ کے حادثات کا شکار ہو کر یہاں وطن سے دور رہ



گئے ہیں۔ [۱۰۹] بٹنائی کے کام میں ہم اپنی نظیر آپ ہیں۔ اگر غریب نوازی فرما کر آپ ہمیں اپنے پاس کنیز [کی حیثیت سے ملازم] رکھیں تو ہم ایسی خدمت بجا لائیں گے جو زمانے بھر کو پسند ہوگی۔" لیلا نے ان دونوں کو اپنے پاس رکھ لیا اور ان کا کام اسے پسند آیا۔ رفتہ رفتہ "کونرو" چنیسر کا بستر راحت بچھانے کے کام پر مامور ہوئی۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد ایک رات کو "کونرو" کو [اچانک] اپنی شاہانہ زندگی اور شان و شوکت کا زمانہ یاد آیا، جس کی وجہ سے اسکی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ یہ حال دیکھ کر چنیسر نے اس سے [اس کا سبب] دریافت کیا۔ اس نے جواب دیا کہ "جس ہاتھ سے میں نے چراغ کی بتی اٹھائی تھی اسی سے آنکھ کھجائی ہے اس لئے آنکھوں میں پانی آ گیا ہے" یہ بات جب لیلا نے سنی تو اور زیادہ زور دے کر ہوجھنے لگی۔ آخر کار "کونرو" نے کہا کہ "سچی بات یہ ہے کہ میں ایک ملک کے فرمانروا کی بیٹی ہوں جس کے یہاں چراغوں کی بجائے لعل شب چراغ کی روشنی ہوا کرتی ہے۔ یہاں چراغ کے دھوئیں نے میرا دماغ پریشان کیا ہے، چنانچہ [مجھے] اُس زمانہ کے ہاتھ سے نکل جانے پر رونا آ گیا"۔ لیلا نے اس سے اس دعوے کی صداقت میں دلیل طلب کی۔ چنانچہ اس نے انتہائی نفیس کپڑے اور اپنا نولکھا ہار نکال کر اس کے سامنے پیش کیا۔ لیلا نے [یہ سامان] اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ چنانچہ ان پر فریفتہ ہو کر لیلا نے اس سے یہ چیزیں طلب کیں۔ "کونرو" نے مسکرا کر کہا کہ "ایک شرط پر دوں گی [اور وہ یہ] کہ تو ایک رات کے لئے چنیسر کو مجھے بخش دے"۔ چونکہ عورتیں اکثر

کم عقل ہوا کرتی ہیں اس لئے لیلا نے یہ شرط قبول کر کے ایک رات نشہ کی عالم میں چنیسہ کو ”کونرو“ کے حوالہ کر دیا۔ ساری رات چنیسہ نے نشہ کی بے خبری میں گزاری اور صبح بیدار ہونے پر حیران ہو کر دریافت کیا کہ ”ہمارے کون کون ہے۔“ اس طرف ”کونرو“ کی ماں ساری رات بیٹی کی خبر لیتی رہی [۱۱۰] اور صبح تک اسے نامراد دیکھتے ہوئے پردہ کے پیچھے سے اس نے بڑ بڑانا شروع کیا کہ ”لیلا کا بھی عجیب حال ہے کہ اس نے چنیسہ جیسے شوہر کو ایک ہار میں فروخت کر دیا ہے! چنیسہ کو اس کی خبر نہیں ہے ورنہ ایسی عورت کی طرف توجہ کرنا بھی مردانہ شان سے بعید ہے!“ یہ سن کر چنیسہ نے ”کونرو“ کی طرف منہ کر کے اس سے اول تا آخر ساری بات دریافت کر کے کہا کہ ”اگر واقعی ایسا ہے تو پھر تو مطمئن رہ۔ میں دوبارہ لیلا کا نہ بنوں گا بلکہ تجھے جان سے زیادہ عزیز رکھوں گا!“ یہ سن کر لیلا نے بہتیرے حملے کئے لیکن ایک بھی کارگر نہ ہوا۔ آخر کار دائمی وصال کی بجائے وہ دائمی فراق کے [عذاب میں] گرفتار ہو گئی۔ بڑی مدت تک اسی حالت میں گزارنے کے بعد اجازت لے کر اپنے میکے چلی گئی اور سوزِ جدائی میں سلگتی رہی۔

اس سے پیشتر وزیر ”جکھرو“ لیلا کے عزیزوں کی ایک لڑکی کے ساتھ منسوب تھا۔ لیلا کے واقعے کے بعد اس کے عزیزوں نے اس لڑکی کا نکاح کرنے سے انکار کر دیا۔ چونکہ ”جکھرو“ اس رشتہ کے لئے بے حد اشتیاق رکھتا تھا لہذا اس نے بہتیرے ہاتھ پاؤں مارے لیکن کامیاب نہ ہوا۔ لیلا نے اسے کہلا بھیجا کہ ”اگر تو کسی طرح اپنے ساتھ چنیسہ کو لے آئے تو

میں تیرے رشتے کی ضامن ہو سکتی ہوں۔" یہ پیغام ملنے پر "جکھرو" وزیر ہزاروں خوشامدوں سے چنیسر کو لیے کر لیا۔ گاہوں میں آیا۔ لیلہ نے لباس بدل کر اور شادی کا پیغام لانے والی عورتوں جیسے کپڑے پہن کر گھونگھٹ نکالا اور چنیسر کی مجلس میں جا پہنچی اور لیلہ کے متعلق اس کی بیوفائیوں پر اس سے گلے شکوے کئے۔ دوران گفتگو میں اس نے کچھ ایسے ناز و انداز دکھائے کہ یہ جانے بغیر کہ وہ کون ہے چنیسر اس پر فریفتہ ہو گیا۔ چونکہ اس سے یہ ساری بے رخی چنیسر نے محض غیرت [۱۱۱] کی وجہ سے اختیار کی تھی اور اس کے دل میں لیلہ کی محبت بدستور باقی تھی چنانچہ اس کے (لیلہ کے) قربت کے زمانہ کا تصور کر کے وہ بیخود ہو گیا، لیکن شرم چھپانے کے خیال سے اس نے کہا "اے خوش گفتار دوشیزہ! تو خود بھی تو حسینوں کا فخر ہے۔ لیلہ کی گفتگو کہاں تک کرے گی۔ آخر اپنا بھی تو تعارف کر کہ دل تیری طرف بے حد مائل ہو چکا ہے" اس نے جواب دیا کہ "تجھ جیسے بیوفا سے ملنے کے لئے کس کا دل چاہے گا" چنیسر نے اس کی اس گفتگو سے بے اختیار ہو کر اس کا گھونگھٹ ہلٹ دینا چاہا۔ چنانچہ لیلہ نے جو اپنے پیغام کی خود ہی قاصد بن کر آئی تھی، چنیسر کی گرمی شوق کو دیکھ کر خود ہی پردہ اٹھا دیا۔ یہ دیکھتے ہی کہ وہ عورت خود لیلہ ہی ہے بے ساختہ چنیسر کے دل سے ایک درد ناک آہ نکلی اور اسی لمحے اس کا طائر روح بھڑ بھڑا کر پرواز کر گیا۔ لیلہ سے بھی یہ حال دیکھا نہ جا سکا اور ایک ہی چیخ کے بعد بے جان ہو کر وہ بھی زمین پر جا گری۔ رسم کے مطابق دونوں

کو نذر آتش کیا گیا اور یہ عجیب واقعہ زمانہ میں یادگار رہا۔ مباحبان حال نے اس داستان کو سندھی کے ایک سُر میں ادا کیا ہے جس کے سننے سے ان پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوتی ہے۔ ”ادراکی بیگلار نے“ یہ واقعہ فارسی میں نظم کیا ہے۔ راقم الحروف طوالت کے خوف سے صرف اسی قدر بیان پر اکتفا کرتا ہے۔

### [دلورائے]

یہ دلورائے، مذکورہ بالا ملک ”دلور“ کے فرمانروا ”دلورائے“ کی اولاد میں سے، سومروں کے عہد میں ایک سردار تھا۔ اس کے افعال قبیحہ کی وجہ سے اس کی زندگی ہی میں ننگ و عار کا سیاہ داغ اس کی پیشانی پر لگا اور ”اروڑ“ ”برہمن آباد“ کی ویرانی و بربادی اسی کے ظلم کے ہاتھوں اور ذات بد نہاد کی نحوست سے واقع ہوئی۔ [۱۱۲] چونکہ یہ دونوں واقعات بے حد عبرت انگیز ہیں اس لئے مختصراً بیان کئے جاتے ہیں۔

### اروڑ کے ویران ہونے کا واقعہ

اس بد بخت ظالم کا یہ دستور تھا کہ ہندوستان سے جو بھی سوداگر مال لے کر آیا کرتا تھا تو اپنے علاقہ سے گزرنے کے محمول میں وہ اس کا آدھا مال چھین لیا کرتا تھا۔ [اس کے علاوہ] ہر ایک کی خوبصورت عورت کو بھی اپنے قبضہ میں لے لیا کرتا تھا۔ [ایک مرتبہ] ایک باعزت اور نامور سوداگر۔ جو ”سیف الملوک“ کے نام سے مشہور تھا اور بعض لوگوں کے خیال کے مطابق اصل میں وہ ایک شہزادہ تھا اور سوداگروں کے لباس میں حج بیت اللہ کے لئے جا رہا تھا،

اس نالایق کے کار ناموں سے بے خبر اس کے ملک سے ہو کر گزرا۔  
 ”بدیع الجمال“ نامی اس کی مہ جیسی بیوی بھی اس سفر میں  
 اس کے ہمراہ تھی۔ دریائے مہران ان دنوں اروڑ کے قریب ہو  
 کر گزرتا تھا۔ بدیع الجمال کے حسن کی تعریف سن کر ”دلو رائے“  
 اسے حاصل کرنے کے لئے سوداگر کو راہ گزاری کا معقول ادا  
 کرنے کے بہانے تنگ کرنے لگا۔ غریب الوطن سوداگر نے اس  
 ظالم سے تین دن کی مہلت طلب کی اور ساری رات بارگاہ ایزدی  
 میں [اس عذاب سے نجات پانے کے لئے] گڑ گڑا کر دعائیں  
 مانگتا رہا۔ چونکہ [صدق دل سے] گڑ گڑا کر دعا مانگنے  
 والوں کی طلب کا تیر یقیناً قبولیت کے نشانہ پر جا لگتا ہے،  
 چنانچہ اسے خواب میں بشارت ہوئی۔ جس کے مطابق صبح کو  
 اس نے لوگوں سے چھپا کر فرہاد جیسے [باہمت] سنگتراشوں  
 کے ایک گروہ کو بڑی رقم دے کر راضی کر لیا جنہوں نے  
 راتوں رات پانی کو روکنے والے پہاڑ کے درمیان میں شکاف  
 دے کر کشتی کے گزرنے کا راستہ بنایا اور دوسری طرف مضبوط  
 بند باندھ دیا۔ حالانکہ یہ دونوں کام انسانی قوت سے بعید تھے  
 لیکن خدائی اعانت سے عبرت کے طور پر یاد گار رہنے کے لئے  
 یہ سارا منصوبہ ایک ہی رات میں عمل میں آگیا۔ یہ بھی  
 ممکن ہے کہ کار پردازان تقدیر بھی اس کام [۱۱۳] میں  
 معاون رہے ہوں۔ بہر حال، سوداگر کشتیوں سمیت اس راہ  
 سے صاف بیچ کر نکلی گیا اور دریائے مہران اپنا وہ راستہ تبدیل  
 کر کے اس راہ پر بہنے لگا کہ جس پر آجکل بہتا ہے۔ صبح  
 کو اہل شہر نے دلو رائے کو خبر دی۔ اس نے بڑی کوششیں  
 کیں لیکن تقدیر کے معاملہ کو نہ بدل سکا۔ شہر اروڑ کی

بربادی کی ابتدا یہیں سے شروع ہوتی ہے۔

کہتے ہیں کہ سیف الملوک اپنی محبوبہ بدیع الجمال سمیت کعبہ کے سفر سے واپس آکر سیپور کے وسطی پرگنہ میں آکر قیام پذیر ہوا اور وہیں فوت ہوا۔ بدیع الجمال کے بطن سے اس کے دو بیٹے ”رتو“ اور ”چنو“ ہوئے۔ آج تک ان کے اور ان دونوں بیٹوں کے مزار، مذکورہ پرگنہ میں رتو کوٹ کے مقام پر جو قدیم زمانہ میں ایک آباد اور شاندار شہر تھا اور جس کے آثار اب تک باقی ہیں، عام لوگوں کی زیارت گاہ ہیں۔ یہ علاقہ بھی مذکورہ دلو رائے کی حدود میں شامل تھا۔

شہر بھانہرا عرف برہمن آباد کی بربادی کا واقعہ

کہتے ہیں مذکورہ بالا دلو رائے شہر اروڑ کی بربادی کے بعد اس شہر [بھانہرا] میں رہنے لگا تھا۔ اس کا ایک بیٹا ”چھٹو“ نامی تھا جس کا لقب ”امرائی“ تھا۔ خدائے تعالیٰ نے بچپن ہی میں اسے اسلام کی توفیق عطا کی، اور اس شہر سے باہر جا کر اس نے اسلامی عقاید اور قرآن شریف کے حافظہ کی سعادت حاصل کی اور پھر شہر میں واپس آگیا۔ واپسی پر اس کے اعزہ نے اس پر شادی کرنے کے لئے زور ڈالا لیکن اس نے قبول نہ کیا۔ اس پر کسی نے طعنہ دیا کہ ”یہ ترک شاید کعبہ میں جا کر فلاں نامور عرب کی بیٹی سے شادی کرے گا“۔ حسن اتفاق دیکھئے کہ اسی صفر سنہ میں اس نے حج کا مصمم ارادہ کیا، اور وہاں جا کر اس نے ایک عورت کو ایک دوکان پر [۱۱۴] کلام پاک کی تلاوت میں مشغول دیکھا۔ یہ وہاں کھڑا ہو گیا۔ عورت نے دریافت کیا کہ ”کیوں کھڑے ہو؟“ اس نے جواب دیا کہ ”قرآن شریف

سننے کے لئے ۔ اگر کرم فرما کر تم مجھے قرائت سکھاؤ تو میں تمہارا غلام ہو کر رہوں گا" ۔ عورت نے جواب دیا کہ "میری استانی فلاں لڑکی ہے ۔ اگر تم کپڑے بدل کر عورتوں کے لباس میں آؤ تو میں تمہیں وہاں لے چلوں" ۔ اس طرح اسے اس لڑکی کے پاس قرآن پاک [کی قرائت] سیکھنے کے لئے لیجایا گیا ۔ یہ قاری لڑکی علم نجوم میں بھی بڑی ماهر تھی ایک دن ایک عورت اپنی بیٹی کا طالع پوچھنے کے لئے اس کے پاس آئی ۔ فارغ ہونے کے بعد "چھٹو" نے اس قاری لڑکی سے کہا کہ "جب تجھے دوسروں کا حال معلوم ہو سکتا ہے تو اپنے حال کا بھی تجھے ضرور علم ہوگا" ۔ [یہ سن کر] قاری لڑکی نے کہا کہ "اچھا کیا جو تو نے مجھے یاد دلا دی" پھر لی الفور اپنا ستارہ دیکھ کر بولی کہ "میری شادی سندھ کے ایک باشندہ سے ہوگی" ["چھٹو" نے] پوچھا "کب" جواب دیا "عنقریب" ۔ اس نے کہا "وہ شخص کہاں ہے" ۔ قاری لڑکی نے حساب لگا کر بتایا کہ "وہ تو ہے" ۔ جب "چھٹو" کے حال کا پردہ اس طرح فاش ہو گیا تو قاری لڑکی نے اس سے کہا "اب تم یہاں سے چلے جاؤ اور آج کے بعد پھر نہ آنا ۔ یہ کپڑے بدل ڈالو اور [میرے والدین سے] میرے عقد کا مطالبہ کرو ۔ کیونکہ میں تمہاری قسمت میں مقسوم ہو چکی ہوں" ۔ اس کے بعد اپنے ماں باپ سے یہ حال بیان کر کے وہ کچھ ہی عرصہ میں اس کے نکاح سے آئی ۔

کچھ عرصہ کے بعد "چھٹو" وطن واپس ہوا اور اپنی بیوی کو بھی جس کا نام فاطمہ تھا اپنے ساتھ لایا ۔ دلو رائے کے شہر میں پہنچنے پر اس ظالم کا یہ دستور نظر آیا کہ

جس لڑکی کی بھی شادی ہوتی وہ اسے زبردستی منگا کر پہلے خود استعمال کرتا اور اس کے بعد اسے واپس کر دیتا۔ [اس پر] چھٹو ہمیشہ اسے نصیحت کرنے کی کوشش کرتا [۱۱۰] لیکن وہ اپنی ان حرکات قبیحہ سے باز نہ آتا۔ دلو رائے نے فاطمہ کی تعریف سنی اور ایک دن ایسے موقع پر کہ چھٹو باہر تھا اسے دیکھنے کے لئے اس کے گھر آیا۔ [ادھر] دل کی روشنی سے چھٹو پر یہ حال پس پشت عیاں ہو گیا چنانچہ وہ فی الفور گھر واپس آیا اور بیوی کو ساتھ لے کر ہلا تاخیر شہر سے باہر نکل گیا اور منادی کرائی کہ ”حاکم کی نحوست کی وجہ سے آج شب یہ شہر تباہ ہو جائے گا۔ چنانچہ جس شخص کو بھی اس [قلیل] عرصہ میں موت کے چنگل سے باہر نکلنا مقصود ہو وہ نکل جائے“ اس کی بات پر بہت کم لوگوں نے اعتبار کیا۔ پہلی رات ایک ضعیفہ کی شب بیداری کی برکت سے جو چرخہ ہر سوت کاتتی رہی اور دوسری رات ایک کھار کے طفیل شہر سے یہ مصیبت ٹل گئی لیکن تیسری رات یہ سارا شہر اپنے باشندوں سمیت سرنگوں ہو کر غار فنا میں گر گیا۔ صرف ایک مینار عبرت کے لیے باقی رہ گیا۔

اس قوم کے رؤسا کی عام روش کا مختصر ذکر

کہتے ہیں کہ رؤسا جاہل رعایا اور بھائیوں کو داغ دے کر کہا کرتے تھے کہ ”یہ ہمارے غلام ہیں“۔ خود تو سروں پر پگڑیاں باندھتے تھے لیکن لوگوں کو ادھ بنے کپڑے کا پورا تھان سروں پر لپیٹنے کا حکم دیتے تھے۔ اپنے ہاتھوں اور پیروں کے ناخن جڑ سے اکھڑوا دیتے۔ تھے ان کا کہنا تھا کہ ”سرداروں اور باقی قوم کے درمیان اتنا امتیاز



نعلۃ الکرام

ضرور ہونا چاہئے۔ عورت جب ایک بار بچہ جن دیتی تھی تو پھر دوبارہ وہ اس کے قریب نہ جاتے تھے بلکہ بیکار سمجھ کر چھوڑ دیتے تھے۔ اسی طرح ایک بار دھلتے کے بعد جب کپڑا میلا ہو جاتا تھا تو اسے دوبارہ نہ پہنتے تھے۔

بیان کرتے ہیں کہ ایک دانا عورت کو حمل ہوا۔ چونکہ وہ اپنے شوہر سے بے حد محبت کرتی تھی اس لئے اسے یہ فکر ہوئی کہ بچہ جننے کے بعد اسے علحدگی اختیار کرنی پڑے گی! [۱۱۶] لیکن وہ بڑی عقلمند عورت تھی چنانچہ ایک ترکیب اس کے ذہن میں آئی [اس نے] شوہر کی پھینکی ہوئی چادریں دھو بی کے حوالہ کیں۔ وہ انہیں اچھی طرح دھو کر لے آیا۔ پھر جب غسل سے فارغ ہونے کے بعد اس کے شوہر نے چادریں طلب کیں تو اس نے وہی تازہ [دھلی ہوئی] چادریں اسے دے دیں۔ اس سادہ لوح نے جب یہ چادریں پہنیں تو ان کی خوشبو اور ملائمت محسوس کر کے دریافت کیا کہ ”یہ کس کپڑے کی ہیں۔ بڑی خوشبودار اور نرم معلوم ہو رہی ہیں۔“ عورت نے کہا کہ یہ وہی تیری پھینکی ہوئی چادریں ہیں۔ خدائے تعالیٰ نے تمہاری عقلیں چھین لی ہیں جو ایسے ہا کیزہ لباس سے محروم رہتے ہو“ شوہر کو اس کی یہ معقول بات پسند آئی اور آئندہ کے لئے وہ اپنے سابقہ دستور سے دستبردار ہوا۔ دوسروں نے بھی یہ بات پسند کی۔

دانا عورت نے جب دیکھا کہ اسکی یہ تجویز کامیاب ہو گئی ہے تو اس نے [شوہر سے] کہا کہ ”زچہ عورت کا بھی یہی حال ہوتا ہے“ چونکہ شوہر اسکی عقلمندی کا قائل ہو چکا تھا لہذا اس بات کا بھی تجربہ کر کے اور اسے پسند

کر کے [اس نے] دوسروں کو بھی اس کا مشورہ دیا اور رفتہ رفتہ یہ بری رسم بہت سے سومروں نے ترک کر دی۔

کہتے ہیں کہ سومرہ لوگ اکثر بھینس کے گوشت کے ساتھ شراب پیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ ایک ”سمہ“ کے گھر سے زبردستی ایک بھینس کا بچہ پکڑ کر لے گئے۔ اس پر ”سمہ“ کی بیوی نے اپنے شوہر کو طعنہ دیا کہ ”آج وہ ایک بھینس کا بچہ لے گئے ہیں لیکن کل بیوی کو بھی نہ چھوڑینگے“ اس طعنہ پر مشتعل ہو کر اس کے شوہر نے اپنی ساری قوم کو جمع کیا۔ [وہ لوگ] سومروں کے کچھ سرداروں کو قتل کر کے، ملک اور گھر بار چھوڑ کر کہیں اور جگہ ہجرت کر گئے۔ سومرہ لوگ ان کے پیچھے بہت بھاگے اور صلح اور جنگ کے ذریعہ انہیں واپس لانے کی بہتیری کوششیں کیں لیکن کچھ بھی حاصل نہ ہوا۔ [۱۱۷]

ولایت کتچہ کے سموں کے زیر تصرف آنے کا واقعہ

مذکورہ قوم کتچہ جا کر رہنے لگی تو والی کتچہ ان کے ساتھ بڑی ہمدردی اور رعایت کے ساتھ پہنچ آیا۔ جب کچھ عرصہ گزر گیا تو انہوں نے کہا کہ ”ہماری جیسی ایک بڑی قوم آپ کے ساتھ پناہ میں آکر رہنے لگی ہے لیکن ہم کب تک آپ کو تکلیف دیتے رہیں گے [ہماری رائے یہ ہے کہ] کچھ قطعات اراضی ہمارے لئے مخصوص کر دی جائیں جنہیں ہم اپنے خرچ اور بیج سے آباد کر کے آپ کو اس کا محصول ادا کرتے رہیں۔“ کتچہ کے راجہ نے مہربانی کے طور پر انہیں زمین کا ایک کشادہ قطعہ عنایت کیا اور ان پر ہر فصل میں پانچ سو کاڑیاں گھاس کی مقرر کیں، جو سمہ لوگ باقاعدگی کے

ساتھ پہنچاتے رہے۔ کچھ عرصہ کے بعد حکمران اور رعایا کے طور طریق سے آگاہ ہو کر وہ ملک پر قبضہ جمانے کا منصوبہ بنانے لگے۔

قلعہ کچھ کے دروازہ کے چھجے پر ہمیشہ ایک نجومی برہمن بیٹھا رہا کرتا تھا جو ہر آنے جانے والے کو دیکھ بھال کر [داخلہ کی] اجازت دیا کرتا تھا۔ ایک فصل میں یہ لوگ گھاس کی پانچسو گاڑیاں تیار کر کے اور ہر گاڑی میں دو مسلح آدمی چھپا کر اور ایک ایک آدمی ہر گاڑی پر بیٹھا کر شہر میں جا پہنچے۔ کہتے ہیں کہ ان گاڑیوں کے شہر میں داخل ہوتے وقت برہمن نے کہا تھا کہ ”اس گھاس سے مجھے کچے گوشت کی بو آ رہی ہے۔“ لیکن دربانوں نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ ”گھاس میں کچے گوشت کا ہونا ممکن ہی نہیں ہے۔“ اسکے باوجود بعض لوگوں نے احتیاطاً گھاس میں نیزے چبھائے۔ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ نیزے، چھجے ہوئے جوانوں کے جسموں میں چھد کر خون سے بھر گئے تو انہوں نے فی الفور ان کی نوکوں کو کپڑے سے اس طرح صاف کر دیا کہ اس پر خون کا نشان تک نظر نہ آیا۔ بالآخر دربانوں نے نجومی کو جھوٹا قرار دے کر [۱۱۸] گاڑیوں کو شہر میں جانے کی اجازت دے دی۔ سارا دن وہ گاڑیاں شہر میں داخل ہوتی رہیں۔ جب رات ہوئی تو موقع پا کر پانچسو مسلح آدمیوں نے قلعہ کے دروازہ پر قبضہ کر لیا اور باہر رہ جانے والوں کو بھی، جو آواز کا انتظار کر رہے تھے، اندر بلا کر [حملہ کر کے] کچھ کے راجہ کو [تخت سے] اتار کر خود قلعہ اور ملک کے مالک بن بیٹھے۔ انہی سمتوں کی

نسل آج تک کتچھ، خورد و کلاں پر حکمران ہے ۔  
 قصہ کوتاہ، جب دلو رائے کے ظلم کی وجہ سے  
 دریائے مہران رخ بدل کر سیوستان کی طرف سے بہنے لگا اور  
 وہ زمینیں جو اب آباد ہیں، آباد ہوئے لگیں تو سومروں کی  
 زمینیں خشکی کی وجہ سے ویران ہوئے لگیں ۔ دوسری طرف اپنی  
 بیوی کے چھین لئے جانے کی وجہ سے وہ تعمی، جس کا ذکر  
 اس سے پیشتر ہو چکا ہے، فرہاد لیے کر دہلی کے بادشاہ سلطان  
 علاؤالدین کی خدمت میں جا پہنچا ۔ جس پر بعض [مورخوں]  
 کے کہنے کے مطابق خود سلطان نے اور بعضوں کے خیال کے  
 مطابق سالار خان نامی اسکے سپہ سالار نے سومروں پر فوج کشی  
 کی ۔ سومروں نے ”چارن“ قوم کی خوشامد کر کے جن کی  
 دوسری قومیں بھی عزت کرتی تھیں، اپنے اہل و عیال کو  
 ”ابڑو“ نامی ایرانی سمٹہ کے پاس کتچھ بھیج دیا اور اسکے  
 بعد سلطان سے جنگ کرنے کے لئے مستعد ہو گئے ۔ جب  
 شاہی لشکر ہلانے آسانی کی طرح ان کے سروں پر نازل ہوا  
 تو انہوں نے [مردانہ وار] اس سے سخت جنگ کی ۔

سومرہ قوم کا سردار ”سہڑ“ سومرہ، شاہی لشکر کے  
 غازیوں کی خونخوار تلواروں کا لقمہ بن گیا [جس کے بعد]  
 دوسروں میں شہر ”محمد پور“ کی اقامت اختیار کرنے کی  
 ہمت نہ رہی چنانچہ مجبوراً وہ کتچھ کی طرف بھاگ گئے ۔  
 شاہی لشکر نے بھی ان کے اہل و عیال کے تعاقب میں  
 کتچھ کی طرف یلغار کی ۔ رات کو وہ جہاں بھی قیام کرتے  
 دشمن کے شہزادوں مارنے کے خوف سے چاروں طرف خندقیں  
 کھود لیا کرتے تھے ۔ انہیں میں سے بعض خندقیں آج گہرے

دریا کی شکل اختیار کر گئی ہیں۔ [۱۱۹] کچھ پہونچنے پر ”اڑو“ سمٹھ نے سومروں کے عیال و اطفال [کی حفاظت] کی خاطر سلطانی لشکر سے کئی لڑائیاں لڑیں۔

دوشیزاؤں کے زمین میں سما جانے کا واقعہ

کہتے ہیں کہ اسی افرا تفری میں سرمروں کی اولاد میں سے کچھ پاکدامن دوشیزائیں اپنے ہمراہیوں سے بچھڑ کر شاہی فوج کے نرغہ میں آ گئیں اور خدا سے فریاد رس ہوئیں۔ جب فوج انہیں گرفتار کرنے کے لئے قریب پہونچی تو وہ ہارسا لڑکیاں اپنی سلامتی سے مایوس ہو کر خداوند کار ساز کی بارگاہ میں کڑکڑاتی ہوئی اسی پہاڑ کی طرف بھاگیں جن میں وہ پہلے چھپی ہوئی تھیں۔ قضائے الہی سے اس پہاڑ [کی ایک چٹان] میں شکاف پیدا ہو گیا اور اس نے ان پردہ نشینوں کو جنہوں نے کبھی کسی نا محرم کا منہ نہ دیکھا تھا، لشکر کے دستبرد سے بچا کر اپنے سینہ میں چھپا لیا۔ ان کی چادروں کے پلو عبرت اور بازگار کے لئے باہر رہ گئے۔ یہ مقام اس وقت سے لے کر آج تک لوگوں کی زیارت گاہ ہے۔

قصہ مختصر، سومرہ قوم کے بعد سمٹھ قوم عروج پا کر اس ملک کی وارث ہوئی اور چونکہ سلطانی لشکر کی آمد کی وجہ سے شہر ”محمد طور“ ویران اور برباد ہو گیا تھا۔ اس لئے ”ساموئی“ اور دیگر نئے مواضع آباد کر کے شہر محمد طور کو جو درک ہر گنہ میں واقع تھا، منحوس خیال کر کے انہوں نے چھوڑ دیا۔ [اس کے بعد] انہوں نے کچھ نئے طور طریق اختیار کئے جن کا آگے چل کر ذکر آئے گا۔ [۱۲۰]

## ساتواں باب

جامان سہ کا طبقہ

[مورخوں کی] ایک جماعت اس قوم کے نسب کو "عکرمہ" بن عصام (۱) بن ابی جہل سے ملاتی ہے۔ لیکن جیسا کہ اس سے پیشتر بیان ہو چکا ہے کہ محمد بن قاسم ثقفی کی آمد کے موقع پر اس قوم نے آ کر اسلام کی اطاعت قبول کی تھی اور یہ حوالہ میر معصوم نے چچ نامہ سے پیش کیا ہے۔ اس لئے مذکورہ بالا خیال صحت سے معرا معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ قیاس میں نہیں آتا کہ عکرمہ کی اولاد دین اسلام کو ترک کر کے سنہ ۵۹۲ء کے قریب ایسے دور دراز ملک میں اتنی بڑی

۱۔ یہ غلط ہے کیونکہ عکرمہ خود ابوجہل کا بیٹا تھا۔

مکہ شریف کی فتح کے بعد وہ داخل اسلام ہوا اور ۶۲ برس

کی عمر میں یرسوک کی مشہور جنگ میں شہید ہوا۔

(۱) اکمال فی اسماء الرجال اور "الاصاہ فی معرفۃ الصحابہ"

وشیرہ۔

قوم کی صورت میں آگر کس طرح اکھٹی ہوئی ہوگی جب کہ عکرمہ خود اس زمانہ کا ہم عصر یا اسی زمانہ کے قریب ہو گذرا ہے۔ اسی طرح اس قوم کو ”سام“ بن عمر بن هشام بن ابولہب سے منسوب کرنا بھی اسی دلیل کی بنا پر نا مقبول ہے۔ چنانچہ ان کے مقابلہ میں جن مورخوں نے کہا ہے کہ یہ جمشید سے نسبت رکھتے ہیں اور لقب جام اس کی طرف ایک واضح اشارہ ہے، انہیں کا خیال درست سمجھا جا سکتا ہے۔ ایک بزرگ سے [۱۲۱] [یہ بھی] روایت ہے کہ یہ [قوم] دراصل سام کی اولاد ہے جو ”سام بن نوح“ کی اولاد میں تھا (۱) جیسا کہ [اس قوم کے] شجرے میں مرقوم ہے۔ اسی وجہ سے انہیں ”سمہ“ کے لقب سے پکارتے ہیں۔ زیادہ جاننے والا اللہ ہے۔

۱۔ غالباً صحیح خیال بھی یہی ہے۔ دوسری جملہ روایتیں بعض لباسات اور حکایتیں ہیں ”سمہ“ بھی سومروں کی طرح اصل میں سندھی ہندو تھے اور محمد بن قاسم کے ہاتھوں مسلمان ہوئے تھے۔ پہلے یہ سومروں کے مددگار اور ان کے دہشت و ہلزو تھے۔ لیکن ان کی بد اعمالیوں سے تنگ آکر بغاوت کر کے اور انہیں تخت سے سزول کر کے خود حکومت کے مالک بن بیٹھے۔

غرض جیسا کہ اس سے پیشتر بیان ہو چکا ہے ”سمہ“ اصل میں ”سمیرین“ یا ”سامی“ قوم کی نسل میں سے ہیں اور عہد قدیم سے سندھ میں آباد ہیں۔

### جام انژ بن ہانبہنیہ (۱)

سومروں کی قوت ختم ہونے کے بعد - سسہ لوگوں نے جو پہلے رعایا کی حیثیت سے کھیتی باڑی کیا کرتے تھے ، جمع ہو کر [۱۲۲] اس (جام انژ) کو ”جام“ کا لقب دے کر اپنا سردار بنایا - یہ سنہ ۵۰۲ھ کا واقعہ ہے - مذکورہ جام نے کچھ ہی عرصہ میں طاقت حاصل کر کے ”ملک رتن“ (۲)

۱ - اصل نسخہ میں ”ہانیہ“ ہے - تاریخ معصومی میں ”ہانیہ“ کی بجائے ”ہانبہنیہ“ ہے - اور تحفۃ الکرام کے میر مراد علی خان والے نسخہ میں ہر مقام پر اور بمبئی کے مطبوعہ نسخہ کے صفحہ ۳۱ پر ”ہانبہنیہ“ تحریر ہے - ”تاریخ مبارک شاہی“ کے مصنف نے (ص ۱۳۱) ”ہانبہنیہ“ اور ”تاریخ فیروز شاہی“ کے مولف سراج عفیف نے ”ہانبہنیہ“ لکھا ہے - ڈاکٹر داؤد ہوتہ (تعلیقات معصومی ص ۲۹۵) اس نام کا تلفظ ”ہابیہ“ یا ”ہنبہ“ (بہنبو) بیان کرتے ہیں اور ان کے اصرار کے مطابق اس نام کی یہی صورت خطی درست کہی جا سکتی ہے - کیونکہ جامان سندھ میں یہی نام اسی تلفظ (بہنبو) کے ساتھ آج بھی رائج ہے - فاضل ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ ”ہانبہنیہ“ کے تلفظ کو ترجیح دیتے ہیں - جو در اصل سندھی نام ”ہانبہنیہ“ [لون دوم: ثقیلہ] کی فارسی صورت خطی ہے - ”ہانبہنیو“ نام آج تک ”سماٹ“ قوم میں عام طور پر مروج ہے -

۲ - ابن بطوطہ جو سندھ میں سنہ ۷۳۸ھ میں آیا تھا وہ جام انژ کے ہاتھوں ملک رتن کے قتل ہونے کا واقعہ اس طرح

[بقیہ حاشیہ ص ۱۵۴ پر]



## [بقیہ حاشیہ ص ۱۵۳]

بیان کرتا ہے: "اس شہر (سیوہن) میں اسیر و نثار (انڈ) سامری اور اسیر قہصر روسی رہا کرتے تھے دونوں سلطان (محمد شاہ تغلق) کے اطاعت گزاروں میں سے تھے۔ ان کے پاس تقریباً ایک ہزار آٹھ سو سوار تھے [ان کے علاوہ] وہاں "رتن" نامی ایک کافر بھی رہا کرتا تھا جو علم الحساب میں بڑا ماہر تھا [کسی موقع پر] وہ (رتن) کسی امیر کے ساتھ سلطان کی خدمت میں جا حاضر ہوا۔ بادشاہ اس سے بہت خوش ہوا [چنانچہ اس نے] "سردار سند" کا لقب دے کر اس ملک کی گورنری کے عہدے پر مامور کر دیا اور سیوستان اور اس کے گرد و نواح کا علاقہ، اس کی جاگیر مقرر کیا۔ اس کے علاوہ جو بھی اعلیٰ مراتب امرا کو تفویض کئے جاتے ہیں مثلاً علم اور تقارہ وغیرہ وہ سب اسے مرحمت کئے گئے۔ جب وہ سندھ واپس آیا تو انڈ، قہصر اور دوسروں کو اس کی برتری سخت ناگوار ہوئی، چنانچہ انہوں نے اسے قتل کر دینے کا منصوبہ طے کیا اور اسکی آمد کے کچھ عرصہ کے بعد انہوں نے اسے سندھ کے مضافاتی علاقوں میں دورہ کر کے حالات معلوم کرنے کا مشورہ دیا، جس پر وہ ان کے ساتھ باہر نکلا۔ رات ہونے پر انہوں نے شور مچایا کہ اس پر ایک شیر نے حملہ کر دیا ہے اور اسی ہتکامہ میں اس کافر کے خیمہ میں جا کر انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ اسکے بعد شہر واپس آ کر انہوں نے سلطان کے خزانہ پر جس کا شمار بارہ لاکھ تھا قبضہ کر لیا۔ لوگوں

[بقیہ حاشیہ ص ۱۵۴]

نے ”جام انڑ“ کو اپنا سردار بنایا اور اسکا نام ”جام فیروز“ رکھا۔ اس نے سارا مال لشکر میں تقسیم کر دیا۔ لیکن اسکے بعد خائف ہوا کیونکہ وہ اپنے قبیلہ سے دور تھا چنانچہ اپنے اعزہ اقارب کو جو اسکے ہمراہ تھے، ساتھ لے کر، وہ اپنی قوم کی طرف چلا گیا۔ باقی ماندہ لوگوں نے [اسکی جگہ] قیصر کو اپنا سردار بنایا۔ یہ خبر سلطان کے غلام ”عماد الملک سر تیز“ کے گوش گزار ہوئی جو ان دلوں امیر الامرا تھا اور ملتان میں رہتا تھا۔ وہ فی الفور بحری اور بری لشکر تیار کر کے روانہ ہوا۔ ملتان اور سیوستان کے درمیان دس دلوں کی مسافت ہے۔ ادھر سے قیصر بھی مقابلہ کے لئے نکلا۔ طرفین کے مابین سخت جنگ ہوئی، جس میں قیصر بری طرح شکست کھا کر قلعہ بند ہو گیا اور [سر تیز] نے قلعہ کا محاصرہ کر کے متجنبینی استادہ کر دیں۔ بالآخر چالیس دلوں کے بعد تنگ آ کر قلعہ والوں نے امان طلب کی۔ سر تیز نے انہیں امان دے دی۔ لیکن جب انہوں نے ہتھیار ڈال دینے تو (سر تیز) نے ان کا مال ضبط کر لینے اور قتل کر دینے کا حکم دیا [جس کے بعد] وہ ۵۰ روز ان میں سے کچھ منتخب لوگوں کو قتل کراتا اور دوسروں کی کھالیں کھنچوا کر ان میں بھس بھرواتا اور پھر قلعہ کی دیواروں پر لٹکوا دیتا۔ قلعہ کے بیشتر حصہ میں یہ کھالیں لٹکی ہوئی دکھائی دیتی تھیں اور دیکھنے والے خائف ہو جاتے

[بقیہ حاشیہ ص ۱۵۶ پر]

اور دوسرے آن ترک عمال سے [۱۲۳] جو سیوہن پر سامور تھے ، جنگ کر کے انہیں قتل کر دیا ۔ پھر تین سال اور چھ ماہ حکومت کرنے کے بعد وہ بالآخر فوت ہو گیا ۔

بعضوں کا کہنا ہے کہ اس کا وکیل ”کاہی بن ثماچی“ اس سے کینہ رکھتا تھا اور اس نے علی شاہ اور ملک فیروز کو بکھر سے بہرام پور بلا کر اسے قتل کرایا تھا ، جس کے

[بقیا جاشیہ ص ۱۵۵]

تھے ۔ ان (مقتولوں) کے سر شہر کے وسط میں ڈھیر کرائے گئے تھے جو ٹیلوں کی مانند [دور سے] نظر آتے تھے ۔ میں اس واقعہ کے کچھ عرصہ کے بعد (اس) شہر کے ایک بڑے مدرسہ میں آکر ٹہرا تھا اور رات کو اسکی چھت پر سویا کرتا تھا ۔ جب بھی میری آنکھ کھلتی ان لٹکی ہوئی کھالوں پر نظر پڑتی جس کی وجہ سے طبیعت پریشان ہو جایا کرتی تھی ۔ چنانچہ اس مدرسہ میں مزید قیام کرنا گوارا نہ کر کے میں دوسری جگہ منتقل ہو گیا ۔ (از تعلیقات معصومی) ۔

ابن بطوطہ نے جام انڑ کو ”سامری“ لکھا ہے لیکن یہ اسکی غلط فہمی ہے ۔ وہ اصل میں ”سمہ“ تھا البتہ اسکی سرداری پر دوسرے لوگ بھی متفق تھے غالباً اسی وجہ سے ابن بطوطہ نے اسے سامری یعنی سومرو سمجھا ۔

ابن بطوطہ سندھ میں سنہ ۷۳۴ھ میں آیا تھا اور ملک رتن کے قتل ہونے کا واقعہ اسکی آبد سے کچھ پیشتر ہی حمل میں آچکا تھا چنانچہ میر قانع کا سنہ ۷۵۲ھ کو جام انڑ کی تعفت نشینی کا سال بیان کرنا بھی غلط ہے ۔

تین دن بعد انڈ کے حامیوں نے آکر ملک فیروز کو بھی قتل کر دیا تھا۔ [۱۲۴]

جام جونہ بن بانپھنیہ

اپنے بھائی [انڈ] کے بعد یہ ملک کا وارث ہوا۔ [تخت نشین ہوتے ہی] اس نے عظیم لشکر ساتھ لے کر اور ٹھٹے کے قریب دریا پار کر کے مواضعات بکھر پر یورش کر دی اور وہاں لوٹ مار اور قتل و غارتگری کا بازار گرم کر دیا بالآخر لاچار ہو کر ترک وہاں سے بھاگ گئے اور وہ سندھ میں خود مختارانہ حیثیت سے حکومت کرنے لگا۔ کچھ عرصہ کے بعد سلطان علاؤالدین نے اپنے بھائی الغ خاں کو صوبہ ملتان کا گورنر مقرر کیا جس نے ملک تاج کافوری اور تاتار خاں کو جام جونہ کی سرزنش کے لئے سندھ روانہ کیا۔ لیکن جام جونہ اس سے پہلے ہی فوت ہو چکا تھا (۱)۔ اس کی مدت حکومت تیرہ یا چودہ سال تھی (۲) شاہی لشکر نے آ کر بکھر فتح کر لیا اور اس کے بعد سیوہن کی طرف متوجہ ہوا۔

جام تماچی

جام جونہ کے بعد ”جام تماچی“ بن جام انڈ تخت حکومت پر بیٹھا۔ سلطان علاؤالدین کا لشکر اسے اہل و عیال سمیت قید کر کے دہلی لے گیا (۳)۔ [۱۲۵]

۱۔ جام جونہ مرض ”خناق“ میں مبتلا ہو کر فوت ہو گیا تھا (تاریخ معصومی ص ۶۳)۔

۲۔ میر معصوم نے اپنی تاریخ میں (ص ۶۳) اس کی مدت حکومت بغیر کسی شک و شبہ کے تیرہ سال بیان کی ہے۔

۳۔ یہ بیان کوئی تاریخی وقعت نہیں رکھتا کیونکہ سلطان

[بقیہ حاشیہ ص ۱۵۸ پر]

## [جام بانہنیہ]

[اس کے بعد] سمہ قوم نے ”تھرڑی“ کو اپنا مرکز بنایا اور جام بانہنیہ بن جام انڑ نے ان پر پندرہ سال حکومت کی۔  
جام خیر الدین بن تماچی

میر معصوم کے بیان کے مطابق - ”جام خیر الدین“ ولد جام تماچی نے باپ کے انتقال کے بعد سلطان کے حکم پر دہلی سے سندھ آکر [ملک پر] قبضہ کیا۔ [اسی کے عہد میں] سلطان محمد شاہ [اپنے ایک باغی] غلام کا تعاقب کرتا ہوا، جیسا کہ اس سے پیشتر بیان کیا جا چکا ہے، سرزمین ٹھٹھہ تک آیا اور یہیں انتقال کر گیا۔ سلطان فیروز شاہ اس کا جانشین ہو کر دہلی واپس چلا گیا۔ جام خیر الدین نے [موضع] ”من“ تک اس کا تعاقب کیا اور دو تین معمولی جھڑپوں کے بعد واپس لوٹ آیا۔ اس نے رعایا کو اپنے عدل و

(بقیہ حاشیہ ص ۱۵۷)

علاؤالدین سنہ ۷۱۵ھ میں انتقال کر گیا تھا اور جام تماچی کا عہد حکومت غالباً سنہ ۷۵۰ھ سے شروع ہوتا ہے۔ اسی طرح ”جام جولہ“ کی سرزنش کے لئے ملک تاج کافوری اور تاتار خان کا تقرر بھی غلط ہے کیونکہ جام جولہ کی حکومت سنہ ۷۳۴ھ سے پہلے وجود ہی میں نہیں آئی تھی اس لئے یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ سلطان علاؤالدین نے اپنے بھائی الغ خان کو ملتان کا گورنر مقرر کیا جس نے جام جولہ کی سرزنش کے لئے دوسرے لوگ مامور کئے۔ ”سموں“ کی واضح تاریخ نہ ہونے کی وجہ سے مورخین محض قیاسی واقعات بیان کر رہے ہیں۔

انصاف سے بے حد خوش رکھا۔ نقل ہے کہ ایک دن وہ سیر و تفریح کے لئے باہر نکلا [ایک مقام پر پہونچکر] ایک گڑھے میں اس نے کچھ [انسانی] ڈھانچے دیکھے۔ تھوڑی دیر خاموشی کے ساتھ ان کا مشاہدہ کرنے کے بعد اس نے ہمواریوں کی طرف منہ کر کے کہا کہ ”یہ کچھ مظلوم ہیں اور انصاف طلب کر رہے ہیں۔“ تحقیقات پر پتہ چلا کہ سات سال قبل اس مقام پر گجرات کا ایک قافلہ لوٹا گیا تھا، اور اس کے لوگ قتل کئے گئے تھے۔ چنانچہ اس نے ان کا مال برآمد کرا کے ان کے وارثوں کے پاس بھجوا دیا اور قاتلوں سے قصاص وصول کیا۔

### جام بانہنیہ

خیر الدین کے بعد اس کا بیٹا ”جام بانہنیہ“ تخت پر بیٹھا۔ [اس کے زمانہ میں] سلطان فیروز شاہ ایک بار آکر واپس ہو گیا اور دوسری بار اسے قید کر کے لے گیا (۱) لیکن کچھ عرصہ کے بعد [۱۲۶] اس کے حسن خدمت سے متاثر ہو کر

۱۔ اسکے بارے میں میر قانع کا بیان (ص ۳۴ پر) دوسری طرح ہے۔ وہاں اس نے لکھا ہے کہ [سلطان فیروز] سنہ ۷۷۲ھ میں نگر کوٹ کا قصد کر کے ٹھٹھے پہنچا۔ ٹھٹھے کا حاکم خیر الدین لشکر کے ساتھ قلعہ ”آب“ میں محصور ہو گیا سلطان اناج کی قلت اور منجھروں کی کثرت سے مجبور ہو کر پھر ٹھٹھے واپس چلا گیا۔ جام خیر الدین امان حاصل کر کے خدمت میں حاضر ہوا جسے سلطان، دوسرے زمینداروں کے ساتھ، دہلی لے چلا۔ سیوہن کے قریب جب اسے جام کے فرار

[بقیہ حاشیہ ص ۱۶۰ پر]

[بقیہ حاشیہ ص ۱۵۹]

ہونے کا ارادہ معلوم ہوا تو اس نے اسکے طوق اور بیڑیاں ڈلوادیں۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد خیر الدین کے بیٹے جام جونہ کو خلعت دے کر سندھ پر حکومت کرنے کے لئے روانہ کیا۔ اس عبارت سے بالکل واضح ہے کہ سلطان فیروز، جام خیر الدین کو اپنے ساتھ قید کر کے لے گیا تھا اور کچھ عرصہ کے بعد اسکے بیٹے جام جونہ کو سندھ کا حکمران مقرر کیا تھا۔ گویا جام خیر الدین نے دہلی میں ہی وفات پائی تھی۔ مگر یہاں میر قانع اپنے اس سابقہ بیان کے خلاف تحریر کر رہا ہے کہ سلطان فیروز، جام خیر الدین کے بعد اسکے بیٹے ”بہنبھو“ کے زمانہ میں سندھ آیا اور اسے گرفتار کر کے لے گیا۔ پہلے تحریر کرتا ہے کہ جام جونہ کو حاکم مقرر کر کے بھیجا اور یہاں لکھتا ہے کہ جام بہنبھو کے حسن خدمت سے متاثر ہو کر اسے پتر عنایت کیا اور سندھ پر حکومت کرنے کے لئے روانہ کیا۔ پھر ”جام جونہ“ کا اسم حکمرانوں کے بیان میں قطعی کوئی ذکر نہیں کرتا۔ یہی حال میر معصوم کا ہے وہ بھی اپنی تاریخ کے صفحہ ۵۱ پر میر قانع کے پہلے بیان کا منوا ہے اور صفحہ ۶۵-۶۶ پر وہ بھی وہی لکھتا ہے جیسا کہ میر قانع کا دوسرا بیان ہے۔

لی الواقع یہ دونوں مورخ ایک بڑی غلط فہمی کا شکار ہوئے ہیں اور ایک واقعہ کو انہوں نے دو مختلف واقعات سمجھ کر دہرا ہا ہے۔ ڈاکٹر داؤد پوٹہ کا خیال ہے کہ

[بقیہ حاشیہ ص ۱۶۱ پر]

اسے چتر عنایت کیا اور سندھ پر حکومت کرنے کے لئے بھیج دیا۔ پندرہ سال یہاں حکومت کرنے کے بعد وہ انتقال کر گیا۔ شہر ”ساموئی“ کو اسی نے آباد کرایا اور بعض کہتے ہیں کہ اس شہر کی بنیاد تو بھنبھو بن انڑے رکھی تھی لیکن اس کی توسیع اسی نے کرائی تھی۔ [۱۲۷]

### جام تماچی

جام بھنبھو کے بعد اس کا بھائی جام تماچی حکمران

[بقیہ حاشیہ ص ۱۶۰]

جام خیر الدین اور جام بھنبھو (جسے میر قانع جام بانہنیہ کہتا ہے اور جو غالباً جام خیر الدین کا بڑا بیٹا ہے) کا عہد حکومت ایک ہی ہے اور وہ دونوں باپ بیٹے مل کر حکومت کرتے ہوں گے۔ اسی طرح جام جونہ اور جام تماچی کا عہد حکومت بھی ایک ہی ہے (تعلیقات معصومی ص ۲۹۹-۳۰۰)۔ اگر ڈاکٹر صاحب کا یہ خیال صحیح ہے تو پھر ماننا پڑے گا کہ سلطان فیروز شاہ سندھ سے ان دونوں باپ بیٹوں کو گرفتار کر کے لے گیا ہوگا۔ اسکے بعد تاریخ فیروز شاہی کے مولف شمس سراج عقیف کے بیان (ص ۲۵۳) کے مطابق جام تماچی کے باغی ہو جانے پر پہلے جام خیر الدین کو سندھ جانے کی اجازت ملی جس نے جام تماچی کو گرفتار کر کے دہلی بھیج دیا اور خود سندھ پر حکومت کرنے لگا۔ پھر جب سنہ ۷۲۹ھ میں سلطان تغلق شاہ تغت نشین ہوا تو اس نے جام بھنبھو کو تاج سفید عطا کر کے ٹھٹھ روانہ کیا لیکن وہ راستہ ہی میں فوت ہو گیا۔



ہوا اور تیرہ سال آرام کے ساتھ گزار کر فوت ہو گیا۔

### جام صلاح الدین

اس [جام تماچی] کے بعد اس کا بیٹا جام صلاح الدین تخت نشین ہوا۔ اس نے سندھ کا بندوبست کرنے کے بعد کچھ پر حملہ کیا اور مظفر و منصور واپس ہوا۔ پندرہ سال بعد اس نے بھی انتقال کیا (۱)۔ [۱۶۸]

”حذیقہ الاولیا“ کے مصنف نے شیخ حماد جمالی کی کرامات میں بیان کیا ہے کہ جام جونہ نے جام تماچی اور اس کے بیٹے صلاح الدین کو قید کر کے دہلی بھیجا تھا جہاں سے وہ مذکورہ شیخ (حماد) کی دعا سے آزاد ہو کر سندھ میں آئے اور ”[جام] جونہ“ کو معزول کر کے ملک کے وارث ہوئے۔ پھر باپ اور بیٹوں نے علی الترتیب کامیابی کے ساتھ ملک پر حکومت کی۔ [اس بیان کا] مذکورہ بالا بیان سے جو ”[تاریخ معصومی]“ سے [اخذ] ہے پورا اختلاف واضح ہے (۲)۔ [مزید علم خدا کو ہے۔

۱۔ سیر معصوم الہی تاریخ (ص ۶۶) میں جام صلاح الدین کی مدت حکومت گیارہ سال کچھ ماہ بیان کرتا ہے۔ نسخہ ”ن“ میں بھی گیارہ سال تحریر ہے۔

۲۔ تاریخ فیروز شاہی (تالیف سراج عفی) کا بیان جو اس سے پیشتر کے حاشیہ میں پیش کیا جا چکا ہے اس روایت کی تائید کرتا ہے۔ البتہ اس بیان میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ جام تماچی کو جام خیر الدین نے قید کر کے دہلی بھیجا تھا، جام جونہ نے نہیں۔

”نوری“ کا قصہ

[نوری] گندری ذات اور جھیل کینجھر کے [ایک] ملاح کی بیٹی [تھی جس نے] جام تماچی کا صبر و سکون لوٹ لیا تھا۔ جام تماچی کے اس بے عشق اور بے فواری کی داستان، سندھی زبان کے ایات میں، ایک خاص سُر میں گائی جاتی ہے۔ جام نے اس کے والدین سے اس کا رشتہ حاصل کر کے اسے اپنی ملکہ بنایا اور جھیل کینجھر کے کنارے اس کے لئے ایک شاندار حویلی تعمیر کرائی۔ ان دونوں کی قبریں مکلی میں شیخ حماد جمالی کے [سزار کے] ہائینتی ایک حجرہ میں یادگار کے طور پر باقی ہیں۔

[جام نظام الدین]

جام صلاح الدین کے بعد اس کا بیٹا ”جام نظام الدین“ بغت سلطنت پر متمکن ہوا۔ اس نے اپنے چچا سکندر، کرن، بہاؤ الدین اور آمر کو قید سے رہا کر کے ہر ایک کو [۱۲۹] مختلف اطراف میں بھیج کر ملک کا کاروبار ایک دیوان کے حوالہ کیا اور پھر [خود] عیہی و عشرت میں مصروف ہو گیا۔ دو سال اور چند ماہ کے بعد اس کے چچا اسے غافل دیکھ کر لشکر لے کر شہر میں داخل ہو گئے۔ جام نظام الدین فرار ہو گیا۔ اس کے چچاؤں نے اس کا تعاقب کیا لیکن وہ کجرات کی طرف نکل گیا اور راستہ ہی میں فوت ہو گیا۔

[جام علی شیر]

یہ اترافری دیکھ کر شہر کے ممتاز افراد نے جام ”علی شیر بن تماچی“ کو گوشہ گمنامی سے نکال کر بغت حکومت پر لا بٹھایا۔ اس نے ملک کا نظم و نسق درست کیا

اور پھر آرام کے ساتھ وقت گزارنے لگا۔ چاندنی راتوں کو وہ اکثر گنتی کے چند آدمیوں کے ہمراہ سیر کو نکلا کرتا۔ جام تماچی کے بیٹوں سکندر، کرن اور فتح خان (۱) نے، جو بیابانیوں میں مارے مارے پھر رہے تھے، جب یہ خبر سنی تو راتوں کو منزلیں طے کرتے اور دن کو جنگلوں میں چھپنے ہوئے، شہر کے قریب آپہونچے اور شہر کے لوگوں کے ایک گروہ کو اپنے ساتھ متفق کر کے تیرہ تاریخ جمعرات کو انہوں نے جام علی شیر کو، جو حسب دستور ایک بجرے میں دریا کی سیر کر رہا تھا، پکڑ کر قتل کر دیا۔ علی شیر کا عرصہ حکومت کل سات سال تھا۔ [۱۳۰]

### جام کرن

اس کے بعد ”جام کرن“ تخت حکومت پر متمکن ہوا۔ یہ شہر کے ممتاز افراد سے ناراض تھا۔ اتفاقاً اسی دن یا دوسرے دن فتح خان بن سکندر کے اشارے پر اسے طہارت خانہ کے دروازے پر قتل کر دیا گیا (۲)۔

### جام فتح خان

[جام کرن کے] بعد جام فتح خان بن سکندر نے پندرہ

۱۔ جام فتح خان جام تماچی کا بیٹا نہیں بلکہ پوتا اور جام سکندر کا بیٹا تھا جو سہا کہ تاریخ معصومی (ص ۸۲) میں بیان کیا گیا ہے اور اس کتاب میں بھی آگے چل کر بیان ہوگا۔ یہاں غالباً ”بیٹے“ سے مراد اولاد لی گئی ہے جس میں پوتا بھی آ جاتا ہے۔

۲۔ تاریخ معصومی کے مطابق (ص ۸۲) اسے فدائیوں نے شہر کے ممتاز افراد کی ترغیب پر قتل کیا تھا۔

سال (۱) [حکومت کی] -

### جام تغلق

اس کے بعد جام "تغلق" بن سکندر تخت نشین ہوا -  
تغلق آباد کا قلعہ جسے "کلان کوٹ" بھی کہتے ہیں اسی  
کا بنوایا ہوا تھا لیکن نا مکمل رہ گیا تھا (۲) - [۱۳۱]

### جام سکندر

جام تغلق کے بعد پھر جام "سکندر بن فتح خان" (۳)  
تخت پر بیٹھا - چونکہ یہ بہت کم سن تھا اس لئے سیوہن  
اور بکھر کے حکمرانوں نے اس کی اطاعت قبول نہ کی - [اس

۱ - تاریخ معصومی کے مطابق اس جام کی حکومت ہندوہ سال  
اور چند ماہ تک رہی - صاحبقران امیر تیمور گورگان کا  
نواسہ میرزا پیر معصوم اسی جام کے عہد میں ملتان اور آج  
پر حملہ آور ہوا تھا جس کا بیان اس سے پیشتر کیا جا چکا  
ہے - (-تاریخ معصومی ص ۸۳-۸۴) -

۲ - اس نے ہر پرگنہ میں ایک قہانہ قائم کیا تھا - اسکا  
عرصہ حکومت ۲۸ سال تھا - (-تاریخ معصومی ص ۸۵) -  
اسکے زمانے میں بادشاہان دہلی کی قوت رو بہ زوال ہو چکی  
تھی چنانچہ اس طرف کا خیال چھوڑ کر اس نے گجرات  
کے بادشاہوں سے ناتہ جوڑا - اسکے بعد جو بھی سہ حکمران  
سندھ میں تخت نشین ہوتا وہ گجرات کے سلطانوں سے  
تعلقات رکھا کرتا - (-تعلقات معصومی ص ۳۷۱-۳۷۲)  
بروایت تاریخ فرشتہ) -

۳ - میر معصوم جام سکندر کو جام تغلق کا بیٹا تحریر کرتا ہے -  
(تاریخ معصومی ص ۷۰) -

نے ان پر فوج کشی کی اور ابھی [ٹھٹھے سے لکل کر نصر پور تک بمشکل پہنچا تھا کہ [ٹھٹھے میں] منیارک نامی جام تفلک کے ایک دربان نے بغاوت کردی اور "جام مبارک" کا لقب اختیار کیا۔ ٹھٹھے کے ممتاز افراد نے تین دن میں اس کا استیصال کر کے سکندر کو واپس بلوایا۔ اس کے بعد ڈیڑھ سال تک حکومت کر کے جام سکندر فوت ہو گیا۔

### [جام رائے ڈنہ] (۱)

سکندر کے انتقال کی خبر سن کر جام "رائے ڈنہ" جو

۱۔ طبقات اکبری کے مصنف اور مرستہ نے اس جام کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ آئین اکبری میں اسے سنجر کا ہمنام شمار کیا گیا ہے۔ یعنی سنجر عرف "رادھن"۔ مآثر رحیمی (ج-۲-ص-۲۲۱) میں جام رائے ڈنہ کا عربی نام "جام نظام الدین" دیج کیا گیا ہے۔ اگر جام رائے ڈنہ کے برسر القدار آنے کا سال سنہ ۸۵۸ھ (تاریخ معصومی ص-۸۵) صحیح ہے اور اگر جام نظام الدین عرف جام "ندہ" کی تخت نشینی کا سال سنہ ۸۶۶ھ (تاریخ معصومی ص-۸۸) بھی درست ہے تو پھر جام رائے ڈنہ کے آنے اور جام نظام الدین کی تخت نشینی کے درمیان صرف آٹھ سال کی مدت باقی رہتی ہے۔ جام سنجر کا عرصہ حکومت بھی ۸ سال مانا گیا ہے جیسا کہ ذیل میں آئے گا۔ چنانچہ ہمیں جام رائے ڈنہ اور جام سنجر دونوں کو ایک ہی شخص تسلیم کرنا پڑے گا۔ یہ قیاس اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے کہ جب ہم جام نظام الدین کی وفات سنہ ۹۱۳ھ میں

جام تعلق کے زمانہ میں کچھ میں رہتا تھا اور وہاں کے لوگوں سے گہرے تعلقات رکھتا تھا ، لشکر جمع کر کے شہر میں آ پہونچا اور آکر اس نے [یہاں کے لوگوں سے] کہا کہ ”میں حکومت کرنے کے لئے نہیں بلکہ مسلمانوں کا ننگ و ناموس بچانے کے لئے آیا ہوں۔ تم لوگ جس شخص کو بھی تخت پر بٹھاؤ گے میں سب سے پہلے اس کی بیعت کروں گا“ لیکن [شہر کے] سر بر آوردہ افراد نے اسی کو حکومت کرنے کے لئے منتخب کیا۔ اس نے ڈیڑھ سال کی مدت میں سارے

[بقیہ حاشیہ ص ۱۶۶]

تسلیم کر لیں جیسا کہ تحفة الکرام (ج ۳-ص ۴۳) اور تاریخ طاہری (ص ۷۰) وغیرہ میں لکھا ہوا ہے۔ میر قانع تحفة الکرام (ج ۳-ص ۵۳) میں اسکی مدت حکومت کے متعلق تحریر کرتا ہے کہ ”زیادہ صحیح یہ ہے کہ پچاس سے کم اور چالیس سے زیادہ ہے“۔ میر معصوم نے بھی تاریخ معصومی (ص ۸۹) میں اس کی حکومت کی مدت ۴۸ سال تحریر کی ہے۔ لیکن اگر اس کا سنہ وفات ۵۹۲۳ ہے جیسا کہ تاریخ معصومی (ص ۱۳۴) سے معلوم ہوتا ہے تو ہمیں جام رائے ڈنہ اور جام سنجر کو دو جدا شخصیتیں تسلیم کر کے ان تینوں کے زمانہ حکومت کو اس طرح متعین کرنا ہوگا:

جام رائے ڈنہ ۵۸۵۸-۵۸۶۶ (تقریباً آٹھ سال)۔

جام سنجر ۵۸۶۶-۵۸۷۰ (تقریباً آٹھ سال)

اور جام نظام الدین ۵۸۷۰-۵۹۲۳ (تقریباً انچاس سال)۔

(—تعلیقات تاریخ معصومی صفحات ۳۰۱، ۳۰۲)

ملک سندھ کو، ساحل سمندر سے لے کر ہاتھیلہ اور اہاڑی کی سرحد گاجرہلی [۱۳۲] اور کنڈی تک [فسادیوں سے] صاف کر دیا۔ اس کی حکمرانی کو ساڑھے آٹھ سال کے قریب گزرے تو اس کے ایک خاص معتمد جام سنجر کو حکومت کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ اس نے [جام رائے ڈنہ کو] شراب میں زہر دے دیا جس کی وجہ سے تین دن میں وہ فوت ہو گیا۔ [۱۳۳]

#### جام سنجر

اس کے بعد ”جام سنجر“ تخت حکومت کا مالک ہوا۔ کہتے ہیں کہ وہ بے حد حسین اور خوبصورت تھا۔ ایک درویش اس سے عشق باطنی رکھتا تھا۔ ایک دن [سنجر نے] درویش سے درخواست کی کہ ”میں بادشاہ بننا چاہتا ہوں، چاہے میری حکومت آٹھ ہی دن کیوں نہ رہے“۔ درویش نے اسے بشارت دی کہ ”تو آٹھ سال تک بادشاہت کرے گا“۔ چنانچہ اس درویش کی دعا سے وہ جب تخت حکومت پر بیٹھا تو لوگوں نے خود بخود اس کی اطاعت قبول کی۔ اس کے زمانہ میں رعایا کا بڑے آرام سے وقت گزرا۔ وہ جمعہ کے دن فقیروں کو بکثرت خیرات دیا کرتا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے اہل شریعت کے لئے وظائف اور تنخواہیں بھی مقرر کی تھیں۔ آخر آٹھ سال حکومت کرنے کے بعد وہ بھی فوت ہو گیا۔

#### جام نظام الدین

جام سنجر کے بعد ”جام نظام الدین“ عرف جام ”نندہ“ بن بابنہ (بہنبھو) بن انژ بن صلاح الدین بن تماچی تخت سلطنت پر قابض ہوا۔ [تخت نشینی کے بعد] وہ فی الفور اٹھنے سے ہکھر گیا اور ایک سال وہاں قیام کر کے ملک کا مکمل

ہندوہست کیا اور پھر اپنے خانہ زاد غلام ”دلشاد“ کو وہاں سامور کر کے واپس آگیا۔ یہ اس [سمہ] قوم کا سب سے زیادہ عادل اور جلیل القدر بادشاہ ثابت ہوا اور اس نے سب سے زیادہ عرصہ تک حکومت کی۔ اس کے عہد میں علماء، صالحین، سادات اور عامۃ الناس بڑے چین اور آرام کے ساتھ وقت گزارتے رہے۔ اسلامی احکامات کی پابندی اس قدر رائج ہو چکی تھی کہ کوئی بھی شخص نماز روزہ سے غافل نہ رہتا تھا۔ ملتان کے حکمران سے اس نے دوستی کے مضبوط رشتے استوار کر لئے تھے۔ ملک کے کسی بھی حصہ میں کوئی فساد رونما نہ ہوا۔ وہ ہر ہفتہ اصطبل میں جا کر گھوڑوں کی پیشانی پر ہاتھ پھیر کر کہا کرتا تھا کہ ”اے غازیو! میں تم پر زین نہیں رکھنا چاہتا۔ [۱۳۴] کیونکہ چاروں طرف مسلمان حکمران ہیں۔ دعا کرو کہ شرعی سبب کے بغیر مجھے کسی طرف نہ جانا پڑے، مبادا مسلمانوں کا خون میری گردن پر آئے“

اس کی نیک بختی اور پرمیزگاری کے متعلق عجیب و غریب داستانیں اور اس کے صفائے قلب کے بارے میں روشن نشانیاں مشہور ہیں۔ نقل ہے کہ ایک بزرگ جو زیادہ صحیح قول کے مطابق قاضی عبداللہ ہیں اور جن کا مقبرہ شیخ حماد جمالی کے مقبرہ کے عقب میں مشہور ہے، ان کی لاہن غیبی طور پر مکلی کی پہاڑی پر اپنے مدفن سے ظاہر ہوئی اور ایک بزرگ کو انہوں نے خواب میں اشارہ کیا کہ میری لاہن پر ایسا شخص نماز جنازہ پڑھائے کہ جس نے ہوش سنبھالنے سے لے کر آج تک (ایک قول کے مطابق) آسمان کی طرف بغیر وضو کے نظر نہ ڈالی ہو اور (دوسری روایت کے مطابق) اپنی برہنگی



بھی نہ دیکھی ہو، دوسرے کی برہنگی تو دور رہی۔ بہر حال یہ حد تلاش کے باوجود جام نظام الدین کے علاوہ دوسرا کوئی ایسا شخص نظر نہ آیا۔ اس لئے اسی نے خود ہی اس جنازہ کی امامت کی۔

”رسالہ قطبیہ“ میں بھی سید مراد شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں مرقوم ہے کہ ایک دن وہ (جام نظام الدین) جنگل سے گزر رہا تھا کہ ایک مردہ نے اس کی راہ روک کر کہا کہ ”اس مقام پر مجھے چوروں نے لوٹ کر شہید کیا ہے۔ میرے بچے گجرات میں یتیم ہیں اس لئے تو میری داد رسی کر“۔ چنانچہ وہاں ٹہر کر اس نے تحقیقات کی اور اس ”مردہ“ کا مال برآمد کرا کے گجرات بھیج دیا اور قاتل سے قصاص وصول کیا۔ یہ حکایت اس سے پیشتر بیان کردہ اس روایت سے بالکل ملتی جلتی ہے جو جام خیر الدین کے بارے میں بیان کی جا چکی ہے۔ صحیح علم خدا ہی کو ہے۔ [۱۳۰]

اس نے اپنی بادشاہت کے ابتدا میں ”ساموئی“ کو ترک کر کے اس کی بجائے موجودہ سرزمین [ٹھٹھہ] پر، جیسا کہ اپنے مقام پر بنیان ہوگا، شہر بسا کر اسے اپنا پایہ تخت بنایا۔ اس کی حکومت کے آخری زمانہ میں قندھار سے شاہ ییگی کے لشکر نے آکر اکڑی، چاندوکی، سندپچہ اور کوٹ ماچھی کے مواضع کو تاخت و تاراج کیا۔ ان کے تعاقب میں دریا خاں سیوی تک (۱) گیا اور سخت جنگ کر کے شاہ ییگی

۱۔ تاریخ معصومی میں مرقوم ہے کہ جام نظام الدین کا لشکر

مغلوں کے لشکر سے ”جلوگیر“ کے مقام پر متصادم ہوا۔

[بقیہ حاشیہ ص ۱۷۱ پر]

کے بھائی ابو محمد مرز (۱) کو قتل کر کے مظفر و منصور واپس آیا۔ اس کے زمانہ میں شاہ بیگ نے پھر سندھ پر حملہ نہ کیا۔ اس کی مدت حکومت تہتر (۷۳) سال تھی۔ بعضوں نے تریسٹھ سال اور بعضوں نے تینتالیس سال بھی بیان کی ہے۔ لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ پچاس سال سے کم اور تینتالیس سال سے زائد تھی۔ مطابق سنہ ۵۹۱ھ۔ جیسا کہ اس قوم کی بادشاہت کی ابتدا سے اس سال (جام نظام الدین کی وفات) تک معلوم ہوتا ہے۔

### جام فیروز

اس کے [جام نظام الدین کے] بعد ”جام فیروز“ ولد جام نظام الدین تخت نشین ہوا۔ یہ کم سن تھا۔ [۱۳۶] اس لئے [جام نظام الدین کی] وصیت کے مطابق جام نظام الدین کا پروردہ دریا خاں اس کا اتالیق اور مدارالمہام مقرر ہوا۔ [اس موقع پر] جام سنجر کے پوتے جام صلاح الدین نے مملکت

[بہ حاشیہ ص ۱۷۰]

سخت محروک ہوا جس میں شاہ بیگ کا بھائی مارا گیا۔ مغل شکست کھا کر قندھار چلے گئے اور جام نظام الدین کی زندگی تک پھر سندھ پر حملہ آور نہ ہوئے (ص ۹۰-۹۱) ”جلوکیر“ درہ بولان میں ”نائی بی بی“ کے قریب ایک مقام ہے۔ [تعلیقات تاریخ معصومی ص ۳۰۱]۔

۱۔ میر معصوم نے بھی (ص ۱۱۲) شاہ بیگ کے بھائی کا نام ”ابو محمد مرزا“ لکھا ہے لیکن طبقات اکبری (ج ۳ ص ۵۱۷) میں اس کا نام ”سلطان محمد“ تحریر ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کا نام ”سلطان محمد“ اور کنیت ”ابو محمد“ ہو۔

کا دعویٰ کیا لیکن دریا خاں اور سارنگ خاں نے اسے نہ جمنے دیا اور وہ سلطان مظفر گجراتی کے پاس، جس کے عقد میں اس کی چچا زاد بہن تھی، بھاگ گیا۔ مکمل خود مختاری حاصل ہونے پر فیروز اقتدار کے نشہ میں چور ہو کر عیش و عشرت میں گم ہو گیا اور دریا خاں کے حلقہٴ درس و اثر سے باہر نکل گیا۔ [چنانچہ] دریا خاں اپنی حاکم کاہان (۱) (کاہن) میں جا کر گوشہ نشین رہ گیا۔ [اس عرصہ میں] موقع پانڈی جام صلاح الدین، سلطان مظفر کی مدد سے آکر ٹھہرے پر قابض ہو گیا۔ فیروز کی ماں (۲) بیٹے کو دریا خاں نے پاس لے گئی اور [گزشتہ] غلطیوں کی معذرت چاہتے ہوئے اس سے مدد طلب کی۔ دریا خاں نے [کچھ] حیلہ اور [کچھ] جنگ کے ذریعہ جام صلاح الدین کو نکال کر جام فیروز کو دوبارہ خود مختار بنایا۔ لیکن اس مرتبہ بھی وہ دریا خاں سے اچھی طرح پیشی نہ آیا۔ بلکہ دولت شاہی اور نورگاہی مغلوں کی جمعیت اور کیپک ارغونوں کو، جو اس کے زمانہ میں شاہ بیگ سے علیحدہ ہو کر ٹھہرے آئے تھے، اس امید پر کہ وہ اس کے [آئے موقع پر] کام آئیں گے اور اسے دریا خاں کے پنجے سے آزاد کرائیں گے، اپنے پاس ملازم رکھ کر انہیں ٹھہرے کے ”مغل واڑہ“ محلہ میں آباد کیا۔ لیکن بیوقوف نے یہ خیال نہ کیا کہ یہی لوگ اس پر مصیبت کے دن لائیں گے!

---

۱۔ کاہان (کاہا) سیوہن کے شمال مغرب میں تقریباً دس کوس

کے فاصلہ پر ایک گاؤں ہے۔

۲۔ تاریخ طاہری (ص ۷۲) کے مطابق جام فیروز کی والدہ کا

نام ”مدینہ ماچھانی“ تھا۔

عرض جب نفسانی خواہشات میں گرفتار ہو کر وہ کاروبار مملکت سے بے خبر ہو گیا تو میر قاسم کیبکی نے ملک کے جملہ حالات [۱۳۷] معلوم کر کے شاہ بیگ کو جا بتائے اور اسے [سندھ] فتح کرنے کی ترغیب دی (۱)۔ چنانچہ سنہ ۹۲۱ھ میں شاہ بیگ نے ہزار سوار سیوی سے سندھ کی طرف روانہ کئے جن میں سے ہر ایک ثانی رستم و اسفندیار تھا۔ انہوں نے آکر گاہن اور باغبان کے مضافات کو تاخت و تاراج کیا۔ مخدوم جعفر بوبکانی نے مرزا عیسیٰ ترخان سے نقل کیا ہے کہ شاہ بیگ کے لشکر نے اس حملہ میں ایسے ایک ہزار اونٹ قبضہ میں کئے جو رات کو باغات کی چرخیوں میں کام کیا کرتے تھے اسی سے دوسرے [سامان کا] اندازہ لگایا جا سکتا۔ اس کے بعد چونکہ سمہ قوم کے زوال کا وقت آچکا تھا فیروز کی ماں نے، دریا خاں کے اثر و رسوخ سے خائف ہو کر جس کی وجہ سے اس کے بیٹے کا صرف نام ہی نام نظر آتا

۱۔ تاریخ معصومی (ص ۱۱۰) سے معلوم ہوتا ہے کہ [شاہ بیگ نے] سنہ ۹۲۱ھ میں بغیر کسی کی ترغیب کے اپنا ایک لشکر سندھیوں کی طاقت معلوم کرنے کے لئے روانہ کیا تھا کیونکہ اپنے طور پر اسے یہ فکر تھی کہ کسی نہ کسی وقت شہنشاہ باہر ضرور اسے قندھار سے پیدخل کر دے گا لہذا وہ اپنے لئے خود ہی کوئی دوسری جائے پناہ تلاش کر رہا تھا۔ آخر کار سنہ ۹۲۴ھ میں میر قاسم کیبکی کی ترغیب اور بقول میر قانع جام فیروز کی والدہ کی دھوت پر پوری طرح تیار ہو کر وہ سندھ پر چڑھ آیا اور محرم سنہ ۹۲۶ھ میں ٹھٹھے پہنچا۔

تھا، سنہ ۱۶۴۸ء میں شاہ بیگ کو [سندھ پر حملہ آور ہونے کی] دعوت دی۔ شاہ بیگ جو پہلے ہی میر قاسم کی تحریض پر تیاری کر رہا تھا، اپنے بخت کو مرادوں کے مطابق پا کر، وہاں کے بندوبست سے فارغ ہوا، اور جلد ہی سنہ ۱۶۴۸ء (سنہ ۹۲۶ھ) میں ٹھٹھے پر حملہ آور ہوا۔ جام فیروز اور اس کی ماں اپنے اس کئے پر بے حد ہشیمان ہوئے لیکن اس سے کوئی فائدہ نہ ہوا کیونکہ مشہور ہے کہ: خود کردہ را علامے نیست۔ دریا خان نے لشکر جمع کر کے شاہ بیگ کا مقابلہ کیا۔ [۱۳۸] عالیجان (۱) کے کنارہ پر جو ٹھٹھے کے نشیب میں ایک نہر ہے، فریقین کا تصادم ہوا۔ سندھی سپاہ اور ان کے گھوڑے کلاہ پوٹ مفلوں کی ہیت کی تاب نہ لا کر پہلے ہی حملہ میں بھڑک کر فرار ہو گئے اور دریا خان گنتی کے چند آدمیوں کے ہمراہ کافی داد شجاعت دینے کے بعد قتل ہو گیا۔ بد بخت فیروز اپنے اہل و عیال ٹھٹھے ہی میں چھوڑ کر پیرآر (پیر پٹھہ) کی طرف بھاگ گیا۔ شاہ بیگ گیارہویں محرم سنہ ۹۲۷ھ (۲) کو فتح کا نقارہ بجاتا ہوا شہر ٹھٹھے میں داخل ہوا۔ بد بخت فیروز کا عرصہ حکومت جام

۱۔ تاریخ معصومی (ص ۱۶۳) میں اس نہر کا نام "خان واہ" لکھا گیا ہے۔ اسی طرح تاریخ طاہری (ص ۷۲، ۷۳) میں بھی یہ نام "خان واہ" ہے۔ جس کے متعلق یہ مزید بیان کیا گیا ہے کہ دریا خان نے یہ نہر ہر گنہ ساکرہ، شہر کے گرد و نواح اور پہاڑ کے دامن والی اراضی کی آب پاشی کے لئے کھدوائی تھی۔

۲۔ تاریخ معصومی (ص ۱۶۳) میں ۱۱ محرم سنہ ۹۲۶ھ درج ہے۔

صلاح الدین کے چند دنوں سمیت بارہ سال اور کچھ ماہ کا ہے۔ اس واقعہ کی تاریخ ”خرابی سندھ“ (سنہ ۷۹۲ھ) کہی گئی ہے۔ مذکورہ بیان کے مطابق سموں کی حکومت کی کل مدت پورے ایک سو پچھتر سال ہے۔ حالانکہ اس کے بعد بھی جام فیروز کچھ عرصہ تک ملک کے کچھ حصے پر [قابض] رہا۔ لیکن چونکہ وہ خود مختار نہ رہا تھا اس لئے جامان سمہ کا عہد حکومت یہیں پر ختم ہوتا ہے۔

کہتے ہیں کہ شاہ بیگ کا لشکر گیارہ تاریخ سے لے کر بیس تاریخ تک شہریوں کو لوٹا اور قید کرتا رہا۔ قاضی قاضن کے اہل و عیال بھی قید ہو گئے تھے جس کی وجہ سے وہ ہاگلوں کی طرح کلی کوچوں میں چیختا چلاتا انہیں ڈھونڈتا رہا۔ بالآخر مرزا شاہ بیگ کے بیٹے امام [۱۳۹] حافظ محمد شریف کے ذریعہ ایک عریضہ پیش کر کے اس نے اپنے قیدیوں کو آزاد کرائے کا حکم حاصل کیا۔

#### جامنظام الدین کے دور کے امرا

پوشیدہ نہ رہے کہ جام نظام الدین سے پیشتر کے سمد حکمران خود بھی غیر مہذب تھے اور ان کے امرا بھی ایسے ہی ہوا کرتے تھے۔ [البتہ] جام نظام الدین کے عہد میں ان میں کچھ انسانیت پیدا ہوئی چنانچہ اس کے امرا میں سے چند نامور اور زیور اخلاق سے آراستہ سردار تھے جن کا مختصر تعارف ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

#### جام نظام الدین کا وزیر دلشاد

جیسا کہ اس سے پیشتر بیان ہو چکا ہے اپنی بادشاہت کے ابتدائی دور میں [جام نظام الدین نے] اسے بکھر ہر مامور

کیا تھا اور اس نے نہایت عقلمندی کے ساتھ اس علاقہ کا انتظام درست کر کے بڑی شجاعت اور انسانیت کا ثبوت دیا تھا۔ حالانکہ یہ خاندان زاد غلام تھا لیکن اس کی اعلیٰ صفات کی وجہ سے جملہ آزاد اور غلام اس کی توصیف کیا کرتے تھے۔ سنہ ۱۹۲۱ء یعنی جام نندہ کے آخری زمانہ میں کسی موقع پر وہ ٹھٹھے سے آج جا کر اسے تخت و تاراج کر آیا تھا۔ اس کی وفات کا واقعہ معلوم نہیں ہو سکا۔

### دریا خان

پہلے اس کا نام ”قبولیو“ تھا اور وہ جام نظام الدین کے وزیر ”لکدیر“ یا ”لکسیر“ کا غلام تھا۔ کہتے ہیں کہ اصل میں وہ سید زادہ تھا، لیکن حادثات زمانہ کی وجہ سے وہ قیدی ہو گیا تھا اور اسے ”لکدیر“ نے خرید لیا تھا۔ یہی روایت زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔

ایک دن جام نظام الدین نے شکار میں راستہ کی تگ و دو اور شدید گرمی کی وجہ سے پیاس محسوس کی اور پانی طلب کیا۔ ”لکدیر“ کے اہدار ”قبولیو“ نے پانی کا ایک پیالہ بھر کر اس خیال سے کہ جام پانی آہستہ آہستہ پیے اس میں کچھ تنکے ڈال کر [جام کے سامنے بھی کیا]، [۱۷۰] اور اسے بتایا کہ ”تنکے اس لئے ڈالے ہیں کہ ایسی گرمی میں جام تک سخت پانی نہ پیے، مبادا اسے کچھ تکلیف پہونچے۔“ جام کو اس کی یہ دانائی بے حد پسند آئی اور اسی وقت اسے ”لکدیر“ سے لے کر اس کا نام ”دریا خان“ رکھا اور اس کے ذاتی جوہر دیکھ کر اسے تربیت دی اور اعلیٰ درجہ پر پہونچا دیا۔ وہ بہت جلد فائز العرام ہو کر وزیر دلشاد اور دوسرے امرا سے

بھی آگے بڑھ کر مدارالمہام اور امیرالامرا کے مرتبہ پر فائز ہوا، اور اسے ”مبارک خاں“ کا لقب ملا۔ میران سید محمد جونپوری کی ٹھٹھے میں آمد کے موقع پر باوجود یکہ علما کے ورغلانے پر جام ان سے عقیدت کے ساتھ پیٹھی نہ آیا تھا لیکن اس نے اس بزرگ کی سچے دل سے خدمت کی اور اس صاحب وقت کی خوشنودی حاصل کی۔

غرض جام اسے اپنا بیٹا کہا کرتا تھا اور مرتے وقت اپنے بیٹے کو اسی کے سپرد کر گیا تھا جیسا کہ اس سے پیشتر بیان کیا جا چکا ہے۔ سنہ ۸۹۲ھ میں وہ شاہ بیگ کے لشکر کے ہاتھوں شہید ہوا۔ مکلی میں اس کا مدفن اہل اللہ کی زیارت گاہ ہے۔

### علاؤالدین

اس کا بیٹا علاؤالدین بھی امرا کے زمرہ میں شامل تھا اور شاہ بیگ کے ہاتھ آگیا تھا جس نے اس پر بڑی نوازشیں کیں۔

### محمد خاں اور متن خاں

یہ دونوں دریا خاں کے بیٹے تھے۔ باپ کے واقعہ کے بعد اپنی جاکیر میں جا کر جو ٹلٹی اور کاہان (کاھن) کے قریب تھی انہوں نے کچھ شورش پیدا کی مگر کامیاب نہ ہو سکے۔

### سارنگ خاں

سارنگ خاں بھی جام نظام الدین اور جام فیروز کے دور کا ناسور امیر تھا۔ اس کی شجاعت اور ذہانت سے [مملکت کے] بڑے بڑے کام انجام پاتے تھے۔ [۱۴۰]



## آٹھواں باب

### ارغون خاندان

ارغون، چنگیز خان کی نسل سے ہیں۔ [انکا سلسلہ نسب یوں ہے]: ارغون خان بن اباقا خان بن ہلاکو خان بن تولی خان بن چنگیز خان۔ کتاب ”تذکرہ“ کا مصنف لکھتا ہے کہ ارغون خان اپنے باپ اباقا خان کے زمانہ میں خراسان کا بادشاہ تھا۔ باپ کی موت کے بعد اس کا بیٹا غازی (غازان) خان، تختِ خانی (سلطانی) پر متمکن ہوا اور خدائے تعالیٰ نے اس کے دل میں اسلام کا نور روشن کیا۔ مصلح الدین ”کتاب الابرار“ میں لکھتا ہے کہ ارغون خان بادشاہ ہونے کے بعد خراسان کو غازان خان کے سپرد کر کے خود حضرت سید الانبیا (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی زیارت کا شرف حاصل کرنے کے لئے [مدینہ طیبہ] روانہ ہوا اور [وہاں] وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے امیر المومنین حضرت علی اور حضرت امام حسین سے بغل گیر ہوا تھا۔ اسی وجہ سے وہ سادات کے

احترام میں مبالغہ سے کام لیتا تھا۔ امام حسین رضی اللہ عنہ کی جائے شہادت تک اس نے ایک ایسی کیشادہ اور عمیق نہر کھدوائی تھی کہ دجلہ و فرات سے کشتیاں کربلا تک آتی جاتی تھیں۔ قاضی غیاث الدین ہروی اپنی تاریخ میں بیان کرتا ہے کہ محمود غمازان ابن ارغون خان سنہ ۷۶۹ھ میں تبریز میں تخت نشین ہوا۔ اسی دن کلمہ طیبہ پڑھ کر اس نے جملہ مغلوں کو مسلمان بنایا اور سکھتہ ہر کلمہ طیبہ اور فرامین پر ”اللہ اعلیٰ“ کے الفاظ تحریر کرائے۔ [۱۴۲]

قصبہ کوتاہ، مذکورہ ارغون خاندان کی اولاد میں سے جب شاہ بیگ ابن امیر ذوالنثون ابن میر حسن مصری نے ٹھٹھہ پر قبضہ کیا اور وہاں کی لوٹ مار اور قتل و قید سے فارغ ہوا تو جام فیروز، جس کے اہل و عیال اسیر ہو گئے تھے اطاعت اختیار کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ دیکھ کر، آکر خدمت میں حاضر ہوا۔ شاہ بیگ اس سے بڑی نوازشوں کے ساتھ پیچھے آیا اور اسے اپنا بیٹا بنا کر سیوستان تک کا ملک اسے عنایت کیا اور کوہ لکی کو سرحد قرار دے کر واپس ہوا۔ [اس کے بعد] میر علیکہ ارغون، سلطان مقیم بیگلار، کیبک ارغون اور احمد ترخان کو فیروز کے پاس چھوڑ کر سیوستان کے نواح سے دریا خان کے بیٹوں کا صفایا کر کے شال اور سیوی کی طرف چلا گیا۔

سمہ قوم کے لوگ جو اس افرا تفری کے دور میں ادھر ادھر منتشر ہو گئے تھے وہ جام صلاح الدین سے مل کر اسے گجرات سے لے آئے۔ کتچہ کے والی رائے کہنگار کی مدد سے جو خود بھی سمہ قوم کا فرد تھا، وہ دس ہزار جاڑیجہ اور

سرڈھا [قبائل کے بہادر] ساتھ لے کر ٹھٹھے پر حملہ آور ہوا۔ یہ خبر پائے اور جام فیروز کی درخواست پر مرزا شاہ حسن ابن شاہ بیگ اسی سال کی ۱۴ محرم کو شال سے نکلا اور بیس دنوں کے اندر آرامتہ فوج کے ساتھ اس کی مدد کے لئے آ پہونچا۔ جب فریقین نے ایک دوسرے کے سامنے صفیں آراستہ کیں۔ صلاح الدین کی جانب سے اس کا بیٹا ہیبت خان جو سلطان مظفر گجراتی کا نواسہ تھا، لشکر کے مقدمہ کا سردار تھا۔ اس طرف سے مرزا عیسیٰ ترخان، میر علیکہ اور سلطان قلی بیگلار نے پیش قدمی کی اور ان پر [زبردست] یلغار کر کے ہیبت خان کو کثیر آدمیوں سمیت قتل کر ڈالا۔

صلاح الدین، بیٹے کے مارے جانے کی خبر سن کر انتہائی ہوش و غضب کے ساتھ میدان جنگ میں کود پڑا۔ اس طرف سے مرزا شاہ حسن نے بھی سخت حملہ کر کے شجاعت کا حق ادا کیا اور [آن واحد میں] دشمن کا سارا لشکر [۱۴۳] درہم برہم کر دیا اور اکثر کو قتل اور باقی ماندہ کو بھگا کر سرخرو ہوا۔ رائے کھنگار کا بھائی امر امرانی کثیر آدمیوں سمیت میدان جنگ میں کام آیا۔ [مرزا شاہ حسن] حملہ آوروں کو گجرات کی طرف بھگا کر تین دن کے بعد [میدان جنگ سے] واپس لوٹ آیا۔ ماہ ربیع الثانی میں شاہ بیگ خود بھی باغبان کے نواح میں آ پہونچا اور مرزا شاہ حسن کو وہاں طلب کیا۔ [اسی درمیان میں اس نے] ماچھیوں کو جو اپنی خود مختاری کا دم بھر رہے تھے ختم کر کے ان کے قلعہ کی بنیادیں بھی اکھاڑ پھینکیں۔ مرزا شاہ حسن نے باپ کی [خدمت میں حاضر ہو کر] قدم بوسی کا شرف حاصل کیا۔ پھر حکم کے مطابق

سہوستان چاکر وہاں قابل اعتماد افراد مامور کئے اور انہیں نئے سرے سے عمارتیں تعمیر کرنے کے لئے زمینیں تقسیم کر کے اور ذخیرے جمع کرنے کے احکامات دے کر باپ کی خدمت میں واپس آ گیا۔ شاہ بیگ نے جام فیروز کو لکھ بھیجا کہ ”مرے دل میں گجرات فتح کرنے کا پختہ ارادہ ہے چنانچہ جیسے ہی یہ تمنا پوری ہوئی مملکت سندھ حسب سابق تیرے حوالہ کردی جائے گی“۔ اس کے بعد خود بکھر کو روانہ ہو گیا۔ وہاں پہونچکر اس نے قلعہ کے اندر رہنے والے سادات کو روٹھی میں رہائش گاہیں عطا کیں اور اروڑ شہر [کھنڈرات] کی اینٹوں سے نیا قلعہ تعمیر کرایا۔ [اس موقع پر] لوگوں نے کہا کہ مغرب کی سمت والے دو ٹیلے قلعہ کے لئے نقصان دہ ثابت ہونگے (۱) چنانچہ پہلے انہیں ہموار کرنے کا خیال رکھنا ضروری ہے“ لیکن اس نے کہا کہ ”چونکہ زبردست دریا قلعہ کو چاروں طرف سے گھیرے میں لئے ہوئے ہے اس لئے ان ٹیلوں کی کیا فکر ہے، کیونکہ [جلیل القدر] بادشاہ اس چھوٹے قلعہ کی تسخیر کی طرف [۱۴۴۰] متوجہ نہ ہونگے اور دوسرے [چھوٹے موٹے سردار] اسے فتح نہ کرسکیں گے۔“

بہر حال جب سال بھر میں قلعہ کی عمارت تیار ہوئی تو میر فاضل کوکلتاش، ملک محمد کوکہ، میر محمد ساربان اور سلطان محمد مہردار جیسے بعض امرا وہاں مقرر کئے۔ اس کے بعد بلوچ فسادیوں کی سرزنش کے لئے جنہوں نے اس اطراف میں

۱۔ تاریخ معصومی میں ہے کہ (ص ۱۶۴) :- شاہ بیگ مرزا

شاہ حسن گفت کہ این دو کوہ کہ ہر طرف جنوبی واقع

است بد سر کوئی اند این قلعہ را“۔

اودھم مچا رکھا تھا [اس نے] فوجیں مامور کیں جنہوں نے طے شدہ منصوبہ کے مطابق ہر مقام پر ایک ہی وقت میں اس گروہ کو برباد کر دیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر [شاہ بیگ] شمال اور سیوی کی طرف چلا گیا۔ اس کے بعد سنہ ۲۸ (۱۸۹۲) میں وہ پھر بکھر واپس آیا اور ہائندہ محمد ترخان کو وہاں کی حکومت تفویض کر کے گجرات کے ارادہ سے موضع اگھم کے قریب جا کر جام فیروز کا انتظار کرنے لگا۔ [یہاں] اتفاقاً ۲۲ ماہ شعبان سنہ ۱۲۸۸ھ کو وہ سکرات (۱) [۱۳۰۵] میں مبتلا

۱۔ مرزا شاہ بیگ کی تاریخ وفات کے بارے میں مورخوں میں اختلاف ہے۔ میر معصوم اپنی تاریخ (ص ۱۲۷) میں اس کی تاریخ وفات سنہ ۱۲۸۸ھ لکھتا ہے۔ میر قانع نے بھی اس کی تقلید میں یہی سال درج کیا ہے۔ لیکن طبقات اکبری (ج ۲ ص ۵۲۰) اور تاریخ فرشتہ (ج ۲ ص ۶۲۱) کے مصنف اس کا سال وفات سنہ ۱۲۹۳ھ لکھتے ہیں۔ ارسکن ہیل اور برنی الیاس بھی اسی دوسرے خیال کی تائید کرتے ہیں۔ ہمارے خیال میں میر معصوم کا بیان کردہ سال ہی زیادہ صحیح ہے کیونکہ مرزا شاہ بیگ کی مدت حکومت کل پندرہ سال تھی (تعلقات معصومی ص ۳۸۹) اور اس کے والد امیر ذوالنون کی شہادت سنہ ۱۲۱۳ھ میں واقع ہوئی تھی (تاریخ معصومی ص ۹۹) اس حساب سے مرزا شاہ بیگ کی وفات کا سال سنہ ۱۲۲۸ھ ہی ہونا چاہئے۔ بیگلارنامہ (ترجمہ سندھی ص ۱۱) سے بھی اس خیال کی تائید ہوتی ہے جس میں تحریر ہے کہ سندھ پر ایک سال حکومت کرنے کے بعد مرزا شاہ بیگ نے وفات پائی۔

ہوا اور پیش امام حافظ شریف کو سورۃ یاسین پڑھنے کا حکم دیا۔ وہ جب [ تلاوت کرتے کرتے ] آیت ”وَمَالِيَ لَا أَعْبُدُ إِلَّا ذِي“ پر پہنچا تو اس نے کہا کہ ”مکرر پڑھ۔“ چنانچہ دوسری مرتبہ جب حافظ، آیت ”يَا لَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُونَ بِمَا غَفَرَ لِي“ پر پہنچا تو اس نے اپنی جان حق تعالیٰ کے حوالہ کر دی۔ ”شہر شعبان“ اس کی تاریخ وفات ہے۔

میر طاهر نے ایک قول کے مطابق اس کی وفات قندھار میں، اور دوسرے قول کے مطابق ملتان میں تحریر کی ہے۔ لیکن یہ دونوں باتیں نا ممکن ہیں۔ کیونکہ جب بابر بادشاہ نے اس سے قندھار چھین لیا تھا تب ہی اس نے سیوی اور شال ہوتے ہوئے سندھ پر قبضہ کیا تھا چنانچہ اس قلیل عرصہ میں اس کا قندھار جانا کیسے ممکن ہو سکتا تھا؟ ملتان تو وہ کبھی نہ گیا تھا، پھر اس کی موت وہاں کیسے ممکن تھی؟ اور جب وہ تسخیر گجرات کے ارادے سے سفر کر رہا تھا تو ملتان اس کی راہ میں کس طرح آیا؟

بہر حال اس کی لاش کو مکہ [شریف] لے جا کر دفن کیا گیا۔ اپنے عہد شباب میں وہ خواجہ عبداللہ کی خدمت میں حاضر رہ کر اور [علمی] کمالات حاصل کر کے بلند درجہ پر فائز ہوا تھا۔ جن دنوں وہ باپ کے ساتھ ہرات میں رہا کرتا تھا ان دنوں وہ ہمیشہ علما کی صحبت میں رہا کرتا اور ہفتہ میں دو بار انہیں اپنے مکان میں مدعو کر کے ان کی خدمت کیا کرتا اور ان سے فیض حاصل کیا کرتا تھا۔ اس کی تصنیفات میں ”شرح کافیہ“ اور بعض رسالوں کے حواشی مشہور ہیں۔

مرزا شاہ حسن

میر معصوم کے قول کے مطابق باپ کے فوت ہونے کے بعد یہ نصر پور میں تخت نشین ہوا اور [اس نے] شہنشاہ بابر کے نام کا خطبہ پڑھا۔ بعض خیر خواہ اس پر کالی ناراض ہوئے۔ [۱۴۶] لیکن اس نے کہا کہ ”اپنے قدیمی ولی نعمت بادشاہ کے ہوتے ہوئے اس کا مقدس نام خطبہ سے خارج کر دینا ہمارے لئے منامب نہیں ہے۔“ جام فیروز نے شاہ بیگ کی وفات کی خبر سن کر خوشی منائی اور فاتحہ خوانی کو نظر انداز کر کے اطاعت سے منحرف ہو گیا۔ مرزا شاہ حسن نے اس خبر سے باخبر ہو کر اس کی بیخ کنی کا ارادہ کیا۔ جام فیروز یہ سن کر [خائف ہو گیا اور اس نے] حافظ رشید خواں نویں اور مفتی قاضی قاضی کے ہاتھوں تحائف بھیج کر معذرت چاہی، لیکن ساتھ ہی ساتھ خفیہ طور پر جنگ کی تیاری میں بھی مشغول رہا۔ مرزا کو یہ حال معلوم ہوا تو اس نے ٹھٹھے پر چڑھائی کر دی۔ جام فیروز نے [اپنے سینے] مقابلہ کی سکت نہ پا کر وزیر مانگ اور شیخ ابراہیم داماد کو جنگ پر مامور کیا اور دریا پار کر کے فرار ہو گیا۔ انہوں نے بڑی کوششیں کیں تو بیچوں اور تیر اندازوں سے بھر پور کشتیاں حائل کر کے ان کی راہ روکنی چاہی، لیکن مرزا کا لشکر ان سب کو ہٹاتا ہوا، فتح مندی کے ساتھ ٹھٹھے میں داخل ہو گیا۔ بد نصیب جام فیروز کچھ بھاگ گیا اور جلد ہی وہاں سے ایک لشکر تیار کر کے پچاس ہزار پیادوں اور سواروں کے ساتھ چاچک اور راحمہ کے قریب آ کر جنگ کا طلب گار ہوا۔ مرزا شاہ حسن کچھ آدمی ٹھٹھے کی حفاظت کے لئے چھوڑ کر اس کے مقابلہ پر آیا۔

جب دونوں اربق ایک دوسرے کے سامنے ہوئے تو سندھ اور گجھٹی بہادر سروس سے ہکڑیاں اتار کر اور رسم کے مطابق چادروں کے کونے ایک دوسرے کی کمر سے باندھ کر گھوڑے سے اتر کر پیادہ ہو گئیں اور جنگ کرنے کے لئے مستعد ہو گئے۔ سندھ اور ہند کے لوگوں کا یہ دستور ہے کہ جب وہ مرتے دم تک جنگ کرنے کا تہیہ کرتے ہیں تو اسی طرح لڑائی شروع کرتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ مرزا شاہ حسن نے یہ حالت دیکھ کر امرا کو مبارکباد دے کر کہا کہ ”انہوں نے خود ہی اپنے آپ کو باندھ کر ہمارے سامنے پیش کیا ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ ایسا ہی ہوگا۔“ [یہ کہہ کر] وہ گھوڑے سے اترے اور وضو کر کے مناجات [۷۴۱] کی نیت سے دو رکعت نفل ادا کر کے بارگاہ ایزدی میں کامیابی کے لئے دعا مانگی چنانچہ اس کی دعا کا تیر قبولیت کے نشانہ پر جا لگا۔ اسکے حکم کے مطابق لشکر پہلے صرف تیر ہوسا رہا تھا، جب وہ مناجات سے فارغ ہوا تو گھوڑے پر سوار ہو کر اس نے ہلہ بول دینے کا اشارہ کیا۔ صبح سے لے کر شام تک جنگ ہوتی رہی جس میں تقریباً بیس ہزار آدمی قتل ہو گئے۔ جام فیروز خوار و خراب ہو کر گجرات بھاگ گیا، اور پھر مرتے دم تک وہیں رہا۔ مرزا تین دن تک اس مقام پر ٹھہر کر غنیمتیں، گھوڑے اور جو دوسرا سامان ہاتھ آیا تھا اسے اپنے آدمیوں میں تقسیم کر کے واپس ہوا، اور شہر ٹھٹھہ میں منزل انداز ہوا، اور پھر تغلق آباد میں سکونت اختیار کی۔ چھ ماہ بعد وہ ہالا کنڈی (ہالا) کی راہ سے پہلے سیوستان گیا اور وہاں دریبلہ کا پرگنہ میر فرخ کو عطا کر کے شکار کھیلتے ہوئے ”ببرلو“



جا کر، جو بکھر سے تین کوس کے فاصلہ پر ہے اقامت گزیں ہوا۔ راہ میں ہر مقام پر بستیوں اور باشندوں کو مطیع بناتا گیا۔ حدود اباوڑی میں اس کے لشکر نے ڈھیر اور ماچھی قبائل کو شکست دے کر ”اباوڑی“ پر قبضہ کیا۔ بالآخر سنہ ۵۹۳ء میں تسخیر ملتان کا ارادہ کر کے (۱) پہلے ایک ہفتہ کے لئے وہ سیوی گیا اور وہاں قلعہ کی نئے سرے سے تعمیر کرائی۔ اس کے بعد واپسی میں رند، مگسی اور بلوچ قبائل کو مطیع کرتا ہوا بکھر واپس آیا، اور ظہیر السلطنت شہنشاہ بابر سے بھی اخلاص اور قربت کا رشتہ استوار کیا۔ اس کے بعد سنہ ۵۹۳ء میں وہ ملتان کی طرف [۱۳۸] روانہ ہوا۔ راستہ میں ”سیورائی“ کے قلعہ پر قبضہ کر کے اسے برباد کر دینے کے بعد اس نے ”قلعہ مٹو“ کا رخ کیا لیکن قطب العارفین شیخ روح اللہ قدس سرہ کی سفارش پر اس سے در گزر کیا۔ ملتان کے بہادروں میں سے ”رحمو“ اور ”بندہ ڈھر“ بھی آکر خدمت میں حاضر ہوئے (۲)۔ لاکھ شہزادے

۱۔ طبقات اکبری (ج ۳ ص ۵۴) سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا شاہ حسن نے ملتان کی تسخیر کا ارادہ اس لئے کیا تھا کہ بابر بادشاہ نے سنہ ۵۹۳ء میں پنجاب پر قبضہ کرنے کے بعد دہلی جاتے ہوئے ملتان اور اس کا گرد و نواح مرزا شاہ حسن کو عطا کر کے اس کا پروانہ اس کے پاس بھیج دیا تھا (بحوالہ تعلیقات معصومی از ڈاکٹر داؤد پوٹہ)

۲۔ اس مقام پر مصنف کے دستی نسخہ کی اصل عبارت اس طرح ہے: ”رحمو و ہندہ و ہزار شجاعان آمد ملازمت کردند“ جو صریحاً غلط ہے۔ ہمارے خیال میں میر قانع نے تاریخ

اور بلوچ جو اس کے مقابلہ کے لئے آئے تھے ، انہیں شکست دے کر اور قلعہ آج فتح کر کے اس نے اسے مسار کر دیا۔ [اس کے بعد ہی] سلطان ”عمود لانگاہ“ بلوچ، رند، دودا، کورائی اور چانڈیہ قبائل کے اسٹی ہزار کے لشکر کے ساتھ اس سے جنگ کرنے کے لئے آیا۔ [۱۴۹] لیکن آخر کار [مرزا نے لانگاہوں سے] صلح کی اور (۱) گھارو واہ (۲) کو سرحد مقرر کر کے معتمد افراد کو

(بقیہ حاشیہ ص ۱۸۶)

معصومی (ص ۱۵۱-۱۵۲) کی عبارت ”بندہ دھراز شجعمان ملتان“ کو ”بندہ و مزار شجعمان“ پڑھا ہے اور اس کے بعد اپنی عادت کے مطابق اختصار کے خیال سے دو مختلف واقعات کو ایک ہی مقام پر ملا کر لکھا ہے۔ جس کی وجہ سے مفہوم میں ایسا خلل پیدا ہو گیا ہے کہ سمجھ سے باہر ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جب مرزا شاہ حسن بنو میں منزل انداز ہوا تو وہاں کے شیخ روح اللہ نے رحمو ڈھر کی تقصیر معاف کر دینے کی درخواست کی تھی اور سلطان محمود خاں کی مرضی پر اس کی خطا معاف ہوئی تھی۔ ”لار“ کی منزل پر ”بندہ ڈھر“ جسے میر معصوم نے ”از شجعمان مردم ملتان“ کہا ہے آکر خدمت میں حاضر ہوا۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے تاریخ معصومی ص ۱۵۲)۔ تاریخ معصومی کی روشنی میں تحفۃ الکرام کی عبارت اس طرح ہونی چاہئے تھی ”رحمو و بندہ دھراز شجعمان ملتان آمد ملازمت کردند“ ترجمہ اسی مفہوم کے مطابق کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۔ اس صلح کے بارے میں تاریخ معصومی (ص ۱۵۳-۱۵۵)

میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ”مرزا شاہ حسن کی

[بقیہ حاشیہ ص ۱۸۸ پر]

آج میں مامور کیا۔ اس کے بعد اس نے دلاور کے قلعہ پر چڑھائی کی۔ شوریدہ زمین پر واقع یہ قلعہ جو مضبوطی کے اعتبار سے دور دراز کے ملکوں تک مشہور تھا کچھ ہی عرصہ میں فتح کر لیا۔ کہتے ہیں کہ حکم کے مطابق مرزا کے لشکر نے ایک ماہ کی رسد اپنے ساتھ لے لی تھی اور تین دن کے اندر قلعہ کے چاروں طرف انہوں نے تین سو کنویں کھود کر خود کو خشکی کی پریشانی سے بے نیاز کر لیا تھا۔ دوسری طرف غازی خان قلعہ کے اندر بھنس کر رہ گیا اور کافی ہاتھ پاؤں مارنے کے بعد آخر کار لاچار ہو کر رہ گیا۔ قصہ مختصر اہل قلعہ میں سے اکثر کو قتل و زخمی اور باقی ماندہ کو گرفتار کر کے بے اندازہ غنیمتوں کے

[بقیہ حاشیہ ص ۱۸۷]

چڑھائی کی خبر سن کر ملتان کا حاکم سلطان محمود لانگاہ اسی ہزار پیادہ اور سواروں کا لشکر تیار کر کے ملتان سے باہر نکلا۔ اس طرف گھارو واہ پر منزل انداز ہو کر مرزا شاہ حسن اس کا انتظار کرنے لگا۔ اسی اثنا میں ہامی رنجش کی وجہ سے سلطان محمود کے داماد اور شیخ شجاع نے اسے زہر دے کر مار ڈالا۔ یہ راز کافی چھپایا گیا لیکن بالآخر ظاہر ہو گیا اور لانگاہوں کے لشکر میں اس سے بڑا تفرقہ پیدا ہو گیا۔ بالآخر صلح کے سوا کوئی چارہ کار نہ دیکھ کر مخدوم زادہ شیخ بہاؤ الدین کے توسط سے الہوں نے صلح کر لی۔

۲۔ اصل متن میں لفظ ”آپ کھارہ“ ہے جسے مقامی نام اور لہجہ کے مطابق ترجمہ میں ”گھارو واہ“ یعنی ”گھارہ نہر“ تحریر کیا گیا ہے۔

ساتھ ہندوہ دن کے اندر وہ بکھر واپس آ گیا۔ سنہ ۸۹۳۲ میں وہ دوبارہ ملتانوں کی نا فرمانی کی وجہ سے ان کی طرف حملہ آور ہوا اور ایک سال کے محاصرہ اور کافی قتل و غارت گری کے بعد بالآخر شہر فتح کر کے سلطان محمود لنگاہ کی بیٹی اور بیٹے کو مسکین ترخان کے حوالہ کیا، جو ان دونوں کو اپنا جگر گوشہ اور فرزند [۱۰۰] تصور کرنے لگا (۱)۔ دو ماہ وہاں قیام کرنے کے بعد اور خواجہ شمس الدین کو ملتان پر مامور کر کے ”مرزا شاہ حسن“ خود بکھر واپس آ گیا اور کچھ عرصہ کے بعد نذرانہ کے طور پر ملتان بابر بادشاہ کے حوالہ کر کے خواجہ شمس الدین کو بکھر واپس بلا لیا۔ بابر بادشاہ نے ملتان اپنے فرزند کامران کو عطا کیا۔

اسی عرصہ میں والی کتچہ راؤ کھنگار نے جو جام صلاح الدین کی اعانت میں آ کر اور شکست کھا کر فرار ہو گیا تھا، ٹھٹھے [کی تسخیر] کا ارادہ کر کے اس مضمون کا خط بھیجا کہ ”میرا بھائی آمر آمرانی تمہارے ہاتھوں قتل ہو گیا تھا۔ [چنانچہ اب] اس کے اقارب ٹھٹھے [پر حملہ کرنا] چاہتے ہیں لیکن [تمہاری غیر حاضری میں] خالی ملک پر فوج کشی کرنا جائز نہ سمجھتے ہوئے تمہیں اطلاع دی جاتی ہے۔ اگر تم ولایت ٹھٹھے کا کچھ حصہ مقتول کے ورثا کو دے دو تو بہتر ہے ورنہ ہم آ رہے ہیں۔“ مرزا نے جواب لکھ بھیجا کہ ”آمر کے خون کا جوش ابھی سرد نہ ہوا ہوگا چنانچہ ہم خود تمہاری

۱۔ میر معصوم لکھتا ہے کہ مسکین ترخان، سلطان محمود کی

بیٹی کو قانون شریعت کے مطابق اپنے نکاح میں لایا اور

اس کے بیٹے کو اپنی فرزندگی میں لیا۔

طرف آ رہے ہیں اس لئے یہاں آنے کی تکلیف نہ اٹھاؤ۔  
 بعضوں کا کہنا ہے کہ مرزا نے خود پہل کر کے اس کے پاس  
 خط لکھا تھا کہ ”میں تیرے بھائیوں کا سارا ملک اپنے قبضہ میں  
 کر چکا ہوں [لیکن اس پر بھی] تعجب ہے کہ تجھ جیسے  
 غافل نے اس قدر قریب ہونے کے باوجود نہ کوئی تحفہ بھیجا  
 ہے نہ ہدیہ، نہ اطاعت [اختیار کی] اور نہ اتحاد ہی [کی  
 ضرورت محسوس کی ہے] جس میں حال اور مستقبل کی بہتری  
 ہے۔ بہر حال اب ہم گجرات فتح کرنے کا مصمم ارادہ  
 کر چکے ہیں۔ بہتر ہے کہ اس راہ میں خواہ مخواہ خود کو  
 پامال نہ کرو، اطاعت کی طرف باگ پھرا، اور کتچھی گھوڑے  
 جن کی سواری کے لئے عرصہ سے دل مائل ہے، نذرانہ کے طور  
 پر روانہ کر۔ دوسری صورت میں جنگ کے لئے تیار رہا“ [۱۵۱]  
 بہر حال جیسا بھی ہو۔ چونکہ رائے کھنگار کو اپنے لشکر  
 اور بہادروں پر ناز تھا اور وہ تکبر پر بدستور قایم تھا  
 اس لئے [مرزا] تیزی کے ساتھ اس کی طرف روانہ ہوا۔ کتچھ  
 کے قریب پہنچنے پر لشکر میں رسد کی سخت قلت ہو گئی جس  
 کی وجہ سے سپاہی تنگ دل ہو گئے۔ [اس صورت حال کا مقابلہ  
 کرنے کے لئے] مرزا نے فوج کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا۔  
 اور حکم دیا کہ ہر حصہ مختلف سمتوں سے کھنگار پر حملہ  
 کرے لیکن ایک دوسرے سے غافل نہ ہو اور خود کو اس  
 طرح اس کے سامنے ظاہر کرے کہ حریف دوسری فوج کے وجود  
 سے بے خبر ہو کر مقابلہ کو آئے۔ [چنانچہ] پہلا دستہ ”سلطان  
 محمود خان“ کی معیت میں بڑھا اور دوسرا میر فرخ اور خود  
 مرزا شاہ حسن کی سرکردگی میں۔ تیسرا دستہ شاہ حسن تکداری

کی کمان میں روانہ ہوا اور چوتھا دستہ مرزا عیسیٰ اور میر علیکہ کی سرکردگی میں۔ کھنگار کو جب خبر ملی کہ مرزا شاہ حسن ایک مختصر فوج کے ساتھ اس سے جنگ کرنے آ رہا ہے تو وہ جنگ کے لئے مستعد ہو کر دس ہزار سوار اور بے شمار پیادے ساتھ لے کر مقابلہ پر آیا۔ سلطان محمود کے دستے کو کھنگار کے آنے کی خبر ملی تو [فی الفور] اس کی راہ روک کر اس نے مرزا کو اس کی خبر دی اور ایک تیز رفتار قاصد میر فرخ کی طرف روانہ کیا۔ کھنگار کا لشکر گھوڑوں سے اتر کر پیادہ ہو گیا اور چادرہیں ایک دوسرے سے باندھ کر اور باہم ڈھالیں ملا کر نیزہ بازی شروع کر دی۔ اس طرف سے مفلوں نے اپنی رسم کے مطابق تیر برسائے شروع کر دیئے۔ دو تین ساعت۔ ننگ ہوئی ہوگی کہ خدائے پاک کی مدد سے [غنیہ نے] صرف سلطان محمود کی فوج سے مکمل شکست کھائی اور فرار ہونے وقت میر فرخ کی فوج کے ہتے چڑھ کر خونخوار تلواروں کی خوراک بنا۔ جب مرزا کے لشکر کو خاطر خواہ کامیابی حاصل ہو گئی تو انہوں نے وہیں ڈیرے ڈال دیئے، اور صبح کے وقت شہروں اور قریوں کو لوٹنے کے لئے لشکر روانہ کیا جو [۱۵۴] بے شمار اسباب، گھوڑے، قیدی اور مویشی ساتھ لے کر کامیابی کے ساتھ واپس ہوا۔

### جھڑک اور چاہ جھڑکی کی حقیقت

میر طاہر نسیمانی لکھتا ہے کہ سفر سے واپس ہوتے ہوئے مرزا شاہ حسن جھڑک اور چاہ جھڑک کے قریب پہونچا اور "طولا پریس" کو جو ایک خدائی کرشمہ تھا اور اس کنویں میں پوشیدہ تھا، [اس نے] باہر نکالنا چاہا۔ [چنانچہ] اس

[کنویں] کے قریب ایک دوسرا کنواں کھود کر چرخی کے ریعہ اس کا سارا پانی نکال [کر نئے کنویں میں] ڈالا۔ [جب] وہ کنواں خالی ہوا تو طولا پرس اس میں سے اڑ کر پانی سے بھرے ہوئے [برابر والے] دوسرے کنویں میں جا پڑا۔ اس طرح کئی بار وہ کنویں خالی کئے گئے لیکن [طولا پرس] ایک سے دوسرے کنویں میں بار بار جاتا رہا۔ آخر سننے میں آیا کہ یہ ایک قسم کا طلسم ہے جس سے در گذر کرنا چاہئے۔ چنانچہ اس نے ان دونوں کنوؤں کو مٹی سے بھروا دیا۔ چونکہ اس کا حال عجائبات الہی میں سے ہے اس لئے بیان کیا جاتا ہے۔

### طولا پرس (۱) کے بٹنے اور اس کی خاصیت کا ذکر

کہتے ہیں کہ کچھ کے راجہ ”لاکھ بن پھل“ کے زمانہ میں نباتات کے خواص کا ایک ماہر جوگی ایک ایسی جڑی بوٹی کی تلاش میں تھا جسے اگر جڑ سے اکھاڑ کر آگ کے دھکتے ہوئے الاؤ میں کسی آدمی کے ساتھ پھینک دیا جاتا تو وہ آدمی سونے کا ہو جاتا، اور اس کا جو عضو بھی کاٹا جاتا، وہ عضو خود بخود پھر سے پیدا ہو جاتا۔ اتفاقاً ایک دن اسی [۱۵۴] تلاش میں وہ ایک گلتے کی طرف جا نکلا جس کی ایک بکری کا دھانہ سرخ ہو رہا تھا۔ اس نے اس بکری کے پیچھے پیچھے گھوم کر وہ بوٹی تلاش کر لی اور اسے جڑ سے اکھاڑ کر جرواھے سے کہا کہ ”میں آگ کی ہوجا کرنا چاہتا ہوں، تو بھی آجا تاکہ ہم دونوں ساتھ ساتھ ہوجا کریں۔ بالآخر ادھر

۱۔ ”طولا پرس“، طولا (طلا) = سونا + پرس (پرش) =

آدمی = سونے کا آدمی۔

آدھر سے گھاس لکڑی اور کانٹوں کا ڈھیر جمع کر کے اودھ  
 ہوئی بھی اس انبار میں ڈال کر انہوں نے آگ جلائی۔ [اس کے  
 بعد جوگی نے چرواہے سے کہا کہ ”تو آگے آگے چل تاکہ  
 ہم آگ کا طواف کریں“۔ خوش قسمت چرواہے کو ڈر لگا،  
 اس نے جوگی کو اپنے آگے کیا۔ لیکن جوگی کی روش سے اسے  
 ایسا معلوم ہوا کہ وہ اسے آگ میں پھینک دے گا۔ چرواہے  
 نے پیش دستی کر کے [جوگی کو] الاؤ میں دھکیل دیا اور  
 خود بھاگ گیا۔ خدا کی قدرت سے آگ میں بھسم ہو کر جوگی  
 سونے کا بن گیا۔ دوسرے دن جب وہ چرواہا نتیجہ دیکھنے  
 کے لئے راکھ کے اس ڈھیر کے پاس پہنچا تو اس نے دیکھا  
 کہ جوگی کا سارا جسم سونے کا ہو گیا ہے [چنانچہ وہ] اس کا  
 ایک حصہ کاٹ کر اور باقی کو زمین میں دفن کر کے شہر  
 کی طرف چلا گیا۔ دوسرے دن جب وہ [اس کے جسم کا]  
 دوسرا حصہ کاٹنے کے لئے آیا، تو کاٹا ہوا [سابقہ] حصہ اس  
 نے بدستور سالم دیکھا۔ اسی طرح کتنے ہی دنوں تک وہ اس  
 کے اعضا کو کاٹتا اور اسے پھر صحیح و سالم دیکھتا رہا۔  
 آخر کار جب اس کی حرص پوری ہو گئی اور یہ حال ظاہر  
 ہو جانے کا خوف محسوس ہوا تو اس نے جا کر ”لاکھ“ کو  
 اس کی خبر دی جو جا کر اس ”طولا پرس“ کو اپنے ساتھ لے  
 لایا۔ پھر اس کے اعضا کو کاٹ کاٹ کر اس نے اپنے پاس اس  
 قدر دولت جمع کر لی کہ ایک لاکھ پچیس ہزار روپے وہ  
 روزانہ خیرات کیا کرتا تھا حالانکہ وہ دنیا کا کوئی بھی  
 کاروبار نہ کرتا تھا۔

کہتے ہیں کہ مرنے وقت اس نے خدا سے دعا مانگی



تھی کہ یہ دولت کسی دوسرے کو نصیب نہ ہو۔ چنانچہ [اس دعا کی] قبولیت کا اثر دیکھ کر [اسے کنویں میں چھپا دیا۔ [۱۰۴] جس کے بعد یہ عجوبہ مخفی رہتا آیا اور اس طلسم کی کنجی بھی کسی [دوسرے] شخص کے ہاتھ نہ لگی۔ قصہ مختصر، کہنگار پر فتح پا کر مرزا شاہ حسن ٹھٹھ لوٹ آیا۔

مرزا کا پٹن پر حملہ آور ہونا اور کامیابی کے ساتھ واپس آنا

کچھ سے مظفر و منصور ہو کر نہایت شان و شوکت کے ساتھ واپس آنے کے بعد کتنے ہی عرصہ تک مرزا شاہ حسن سندھ میں آرام و آسائش کے ساتھ وقت گزارتا رہا۔ بالآخر سنہ ۵۹۴۲ میں ہمایوں بادشاہ نے دہلی سے آکر چتور پر حملہ کیا۔ [اس موقع پر] چتور کے بادشاہ کی سفارش میں سلطان محمود بہادر گجراتی نے [اسے] ایک سخت خط لکھا۔ جو بادشاہ کے دل پر گراں گزرا چنانچہ یلغار کر کے وہ مذکورہ سلطان کے ملک میں جا پہنچا اور اسے شکست دی (۱)۔ [اسی عرصہ میں] اس نے مرزا شاہ حسن کو بھی لکھا کہ ”وفاداری کے طریقہ کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے خود کو سندھ سے [فی الفور] پٹن پہنچاؤ تا کہ ان شکست خوردوں کی راہ فرار مسدود ہو جائے۔ یہ تحریر موصول ہونے پر مرزا شاہ حسن سرعت کے ساتھ لشکر

---

۱۔ تاریخ معصومی (ص ۱۶۲) میں ہے کہ ”سلطان بہادر

بالآخر جا کر قلعہ بند ہو گیا“ اور یہاں پٹن کے قلعدار

نضر خاں کے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان بہادر

ہمایوں بادشاہ سے شکست کھا کر قلعہ گرنار میں قلعہ بند

ہو گیا تھا۔

تیار کر کے نصر پور سے رائڈن پور (راڈھن پور) کے راستے سے ہوتا ہوا پٹن جا پہونچا۔ پٹن کے حاکم خضر خان کو حضور کر کے [اس نے] قرب و جوار میں لوٹ مار شروع کر دی بکھر کا حاکم سلطان محمود خان ہراول پر تھا۔ اس نے جنید اور ”جونہ دھاریجہ“ کو خضر خان کے پاس پٹن بھیج کر پیغام کہلایا کہ آکر مرزا کی خدمت میں حاضر ہو۔ اس نے جواب دیا کہ ”سلطان محمود [۱۰۰] بہادر کرنال (۱) میں صحیح سلامت موجود ہے، میں اس کے حکم کے بغیر قلعہ کس طرح حوالہ کر سکتا ہوں۔“ یہ جواب پا کر قاصد اس کی والدہ کے پاس گئے۔ بالآخر پٹن کے قرب و جوار سے لشکر کی چھاؤنی الہا لینے کے لئے ایک لاکھ فیروز شاہی مرزا شاہ حسن کو، اور تیس ہزار فیروز شاہی سلطان محمود خان کو نذرانہ دینے کا فیصلہ ہوا۔ نذرانہ وصول کرنے کے بعد مرزا شاہ حسن نے اپنے آنے کی اطلاع عبدالقدوس کے ہاتھوں بادشاہ کی خدمت میں روانہ کی اور خود پندرہ دن پٹن کے نواح میں مقیم رہا۔ اس عرصہ میں سلطان محمود خان، محمود آباد تک جا کر لوٹ مار کر کے گجراتیوں کا کثیر مال و متاع لے کر واپس آ گیا۔ اس موقع پر میر فرخ نے مرزا شاہ حسن سے کہا کہ ”اگر مرزا کو بادشاہ اپنی چھاؤنی میں طلب کرے گا تو ضرور جانا پڑے گا۔ وہاں ارغون، ترخان اور سندھی [سپاہی] سلطانی ساز و سامان اور عطا و بخشش دیکھ کر ہمارا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ اس لئے مشورہ یہ ہے کہ

۱۔ ”کرنال“ یعنی ”گرنار“۔ ”گرنار جو کوٹ“ ریاست

جونہ کڑھ (کاٹھیاواڑ) میں مشہور ہے۔ خصوصاً بیچل اور

رائے ڈیاج کے قصبہ نے تو اسے دائمی شہرت عطا کر دی ہے۔

کوئی بہانہ پیش کر کے یہیں سے سندھ واپس لوٹ جائیں۔ اس قیود سے متفق ہو کر اس نے مرزا قاسم بیگ کے ہاتھوں عریضہ بھیجا کہ ”شاہی حکم کی تعمیل میں میں اپنا سارا لشکر لے کر یہاں تک آیا تھا لیکن ابھی ابھی ٹھٹھہ اور بکھر کے امرا کی جانب سے خطوط موصول ہوئے ہیں کہ کلمتی، جتوئی اور دیگر زمینداروں نے سندھ کو خالی دیکھ کر لشکر جمع کیا ہے اور ہر طرف لوٹ مار کر رہے ہیں۔ اس لئے مجبوراً میں ادھر واپس جا رہا ہوں۔“ غرض سنہ ۹۴۵ھ (سنہ ۱۵۴۵ء) کی ابتدا میں رادھن پور کی راہ سے وہ ٹھٹھہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ اٹھارے راہ میں جاڑیچہ اور سوڈھا قبائل کو لوٹتا ہوا ٹھٹھہ آپہنچا۔ [۱۵۶] اس کے بعد سنہ ۹۴۶ھ میں اس نے میر علیکھ ارغون کو گجرات اور بنگالہ کی فتوحات کی مبارکباد دینے کے لئے ہمایوں بادشاہ کے حضور میں، اوز میر خواں محمد ارغون کو قندھار کی تسخیر کی مبارکباد دینے کے لئے مرزا کامران کی خدمت میں روانہ کیا۔ میر علیکھ نے شاہی چھاؤنی سے بغیر اجازت واپس آ کر مرزا شاہ حسن سے کہا کہ ”بادشاہ کی لاپرواہی کی روش سے میں نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ عنقریب کوئی غنیم اس پر حملہ آور ہوگا اسی وجہ سے میں فوراً بغیر اجازت حاصل کئے چلا آیا ہوں۔“ کچھ ہی دنوں بعد اس [پیشین گوئی] کے مطابق ہمایوں بادشاہ کے ”شیر خاں“ (شیر شاہ سوری) سے شکست کھا جانے کی خبر آئی۔ مرزا شاہ حسن نے میر علیکھ کی دور اندیشی پر آفرین کی اور مجلس مشاورت طلب کی۔ بالآخر [اس میں] آج سے لے کر بکھر تک دریا کے دونوں کناروں کو ویران اور برباد کر دینے کا فیصلہ ہوا۔

### بادشاہ ہمایوں کے سندھ میں آنے کا ذکر

شعبان سنہ ۹۴۷ھ کے آخر میں شاہی لشکر آج آپہنچا۔  
 [وہاں] بخشو لانگاہ، خاں جہان کا لقب، علم، نقارہ اور قیمتی  
 خلعت سے سرفراز ہونے کے باوجود بذات خود حاضر نہ ہوا،  
 البتہ لشکر کے خرچ کے لئے غلہ کی کچھ کشتیاں بھیج دیں۔  
 آخر کار ۲۸ رمضان کو شاہی لشکر گاہ شہر روہڑی میں استادہ  
 ہوئی اور ہیرلو کا ”چار باغ“ جو فرحت و نظارہ کے اعتبار سے  
 اپنا جواب آپ تھا، بادشاہ ہمایوں کی اقامت گاہ بنا۔ سلطان  
 محمود خاں نے قلعہ کو مستحکم کر کے ساری کشتیاں منگوا کر  
 اپنی طرف لنگر کرائیں۔ بادشاہ نے حاضر ہونے کے لئے جو  
 حکم بھیجا اس کے جواب میں اس نے عرض کیا کہ ”میں میرزا  
 شاہ حسن کا نمک خوار ہوں جب وہ حکم دے گا تبھی قلعہ  
 حوالہ کروں گا۔“ لیکن اس کے باوجود [۱۵۷۰] شاہی لشکر گاہ  
 میں غلہ کی قلت کا حال سن کر اس نے تقریباً پانچ سو خرار  
 غلہ بھیج کر حق خدمت ادا کیا۔ یہ خدمت پسند کی گئی۔  
 بادشاہ نے امیر طاهر صدر اور سمندر بیگ کی معرفت بہتری کے  
 بڑے بڑے وعدوں اور سابقہ حقوق کے اعادوں کے ساتھ مرزا شاہ  
 حسن کو پیغام بھیجا۔ مرزا نے قاصدوں کا شایان شان استقبال  
 کیا اور [اس امر کا] اقرار کیا کہ حضرت بادشاہ کے تشریف  
 فرما ہونے پر حالہ کنڈی (ہالا) سے لے کر پٹھورہ تک دریا کے  
 آس پاس والے مواضعات حرم سرا کے اخراجات کے لئے حوالہ  
 کرے گا اور عہد و اقرار پختہ کرنے کے بعد حاضری کے شرف  
 سے مشرف ہوگا۔ اور پھر اپنی کل فوج سمیت ہمرکاب رہتے  
 ہوئے کجرات فتح ہونے کے بعد ہی واپس آئے گا۔ اسی اقرار

کے مطابق [اس نے] جناب شیخ میرگ پورانی اور میرزا قاسم طغانی کو شاہان شان نذرانوں کے ساتھ خدمت میں روانہ کیا اور ساتھ ہی ساتھ اس مضمون کا ایک عریضہ بھی تحریر کیا کہ : ”بکھر کا علاقہ کم پیداوار کا علاقہ ہے البتہ ”چاچکن“ کی زمین نہایت سرسبز ہے۔ اگر حضور اس طرف تشریف لے جائیں گے تو دل و جان سے خدمت بجالانے کی کوشش کی جائے گی۔“ [اس پر] بادشاہ سے خیر خواہوں نے عرض کیا کہ ”اگر وہ صدق دل سے خدمت گاری کا ارادہ رکھتا ہے تو اپنے قلمے کیوں نذر نہیں کرتا کہ ہمیں بھی کوئی جائے پناہ حاصل ہو۔ چونکہ شیوخاں لاہور میں ہمارے سروں پر مسلط ہے، اسی وجہ سے ہمیں مرزا کی عوض میں فریب نظر آتا ہے ا“۔ یہ سن کر بادشاہ نے بکھر کے محاصرہ کی طرف توجہ کی (۱)۔ [۱۵۸] اس طرف مرزا شاہ حسن کو بھی اس کے آدمیوں نے ان وعدوں سے ہو گشتہ کر دیا۔

بادشاہ ہیرلو کے چار باغ میں مقیم تھا اس کے ساتھ تقریباً دو لاکھ سپاہی تھے جس کی وجہ سے قحط اس حد کو جا پہنچا تھا کہ جان کے عوض بھی روٹی نصیب نہ ہوتی تھی۔ چنانچہ [تنگ آکر] چھ ماہ کے بعد وہ ہاٹ میں جا کر منزل انداز ہوا۔ لیکن وہاں بھی لشکر میں تعفن پیدا

۱۔ تاریخ معصومی (ص ۱۶۹) کے مطابق پہلے بادشاہ نے یہ

پیشکش قبول کر کے مرزا شاہ حسن کے مدعا کے مطابق

بروالہ تحریر کئے جانے کا حکم دیا تھا لیکن پھر امرا و

وزرا کے ورغلانے پر جیسا کہ یہاں بھی بیان کیا گیا ہے، وہ

ارادہ ترک کر کے قلعہ بکھر کے محاصرے کی طرف متوجہ ہوا۔

ہو گیا تھا اس لئے پھر بکھر واپس آ گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد یکم جمادی الاول سنہ ۹۳۸ھ کو بادشاہ نے یادگار میرزا کو بکھر میں چھوڑ کر خود سیوستان پر چڑھائی کی۔ بادشاہ کے وہاں پہنچنے سے پیشتر ہی میر سلطان قلی بیگ، میر شاہ محمود ارغون میر محمود ساربان، علی محمد کوکلتاش اور میر صفر ارغون نے جا کر قلعہ کے آس پاس کی جملہ عمارتیں اور باغات ویران اور مسمار کر دیئے۔ بادشاہ نے جب [وہاں پہنچ کر] محاصرہ کو تنگ کیا تو مرزا شاہ حسن نے ٹھٹھے سے نکل کر خندقیں کھدوا دیں اور کشتیاں جمع کر کے مستعد ہو گیا اور میر علیکہ کو سیوستان پر مامور کیا۔ وہ شاہی لشکر گاہ سے گزرتا ہوا بازار والے راستہ سے قلعہ میں جا داخل ہوا۔ شاہی لشکر نے ایک طرف سے نقب لگا کر آگ دی۔ لیکن اس دیوار کے گرنے سے پیشتر ہی اہل قلعہ نے دوسری طرف اس سے زیادہ مضبوط دیوار بنا کر کھڑی کر دی (۱)۔ یہ حال دیکھ کر [ایک طرف] قلعہ کی مضبوطی اور دوسری طرف قلعہ شکن آلات کے فقدان کے پیش نظر سات ماہ کے محاصرے کے بعد جب پانی میں باڑھ آ گئی مرزا شاہ حسن نے رسد کی آمد و رفت کے راستے مسدود کر کے، مرزا یادگار ناصر کو اپنی طرف [۱۰۹] ملا لیا اور فوج کا ایک حصہ بادشاہ سے الگ ہو کر چلا گیا تو (۲)

۱۔ تاریخ معصومی میں مرقوم ہے کہ "اہل قلعہ نے فی الفور

ایک نئی دیوار تعمیر کر دی" - (ص ۲۷۳)

۲۔ تاریخ معصومی (ص ۱۷۴) میں مرقوم ہے کہ "انہیں

دونوں میں مرزا شاہ حسن نے یادگار ناصر مرزا کے پاس

[بقیہ حاشیہ ص ۲۰۰ پر]

لاچار ہو کر وہ بکھر واس ہو گیا ۔ [وہاں پہونچ کر وہ] مرزا یادگار ناصر کو اپنے ماتھ لے کر حجاز چلا جانا چاہتا تھا ۔ اسی اثنا میں جودھپور کے راجہ مالدیو نے بادشاہ سے تشریف لانے کی درخواست کی ، جس پر وہ اکیس محرم سنہ ۹۴۹ھ کو آج روانہ ہوا ۔ اور اسی سال کی ۲۰ ربیع الاول کو ”مالدیو“ کی طرف روانہ ہو کر ۱۴ ربیع الثانی کو دلاور کے قلعہ میں منزل انداز ہوا ۔ پھر اسی ماہ کی ۲۰ تاریخ کو بیکانیر میں چھاؤنی کرنے کے بعد وہاں سے ، جودھپور کے قریب تیس کوس کے فاصلہ پر پہونچ کر خیمہ زن ہوا ۔ وہاں اسے معلوم ہوا کہ راجہ مالدیو کی اس درخواست میں دغا بازی شامل ہے ۔ چنانچہ

[بقیہ حاشیہ ص ۹۹]

امیر قلی سہر دار کو بھیج کر اور سلسلہ دوستی پیدا کر کے ظاہر کیا کہ ”میں ضعیف ہو چکا ہوں اور میری کوئی اولاد فریہ نہ ہے ۔ اپنی بیٹی کو آپ سے منسوب کرتا ہوں اور چونکہ اب میری زندگی کے چند ہی دن باقی رہ گئے ہیں اس لئے یہ ملک جس کا تعلق مجھ سے ہے وہ آپ کی ہی ملکیت ہوگا ۔ [ساتھ ہی ساتھ] میں آپ کو بے شمار خزانے بھی پیش کرتا ہوں ۔ اس کے علاوہ ملک گجرات بھی ہم دونوں ساتھ مل کر فتح کریں گے“ ۔ غرض مرزا شاہ حسن کے وعدوں کے فریب میں آکر یادگار ناصر مرزا ، ہمایوں بادشاہ کی مخالفت پر آمادہ ہو گیا ۔ پور آگے چل کر (۱۷۷۷ء) مرقوم ہے کہ ”چونکہ یہ وعدے جھوٹے تھے اس لئے ان میں سے ایک بھی وفا نہ ہوا“ ۔

وہاں سے تیزی کے ساتھ جیسلمیر کی طرف ہلکتے ہوئے، یکم  
 جمادی الاول کو جیسلمیر کے قریب جا پہونچا۔ جیسلمیر کے راجہ  
 نے ہائی بند کر دیا۔ بالآخر اسی مہینہ کی دسویں تاریخ کو  
 وہ عمر کوٹ آیا۔ [عمر کوٹ کے] راجہ پیر سال نے اس کا  
 استقبال کیا اور قلعہ کے اندر جگہ دی۔ وہاں اسی سال کی  
 ہانچویں رجب اور اتوار [۱۶۰] کی شب کو بھلال الدین "محمد  
 اکبر" کی ولادت ہوئی۔ اس عرصہ میں مرزا شاہ حسن نے  
 بکھر اور سیوستان جا کر ان دونوں قلعوں کی مرمت کرا کے  
 انہیں [پہلے سے بھی] زیادہ مضبوط کیا اور پھر ٹھٹھے واپس  
 آگیا۔ بادشاہ نے عمر کوٹ کو فوجوں کا بار برداشت کرنے  
 کا متحمل نہ پایا تو پھر سندھ کا ارادہ کر کے کچھ ہی عرصہ  
 میں موضع "جون" آ پہونچا۔ چونکہ یہ مقام باغات، نہروں  
 اور پھلوں کی بہتات کی وجہ سے سارے سندھ میں ممتاز تھا اس  
 لئے عرصہ تک اسی کاؤں کے باغات میں چھاؤنی رہی۔ مرزا  
 شاہ حسن بھی لشکر کے ساتھ سامنے دوسرے کنارے پر آڈٹا۔  
 بادشاہ کو معلوم ہوا کہ سرزمین بٹھورہ کے ایک قلعہ میں  
 غلہ کا وافر ذخیرہ موجود ہے۔ اس نے اپنے کچھ معتمدوں کو  
 اس طرف روانہ کیا۔ دوسری طرف سے ان کی مزاحمت کے لئے  
 مرزا شاہ حسن نے مرزا عیسیٰ کو روانہ کیا، لیکن اس سے کچھ  
 نہ ہو سکا اس پر سلطان محمود کو بھیجا گیا۔ جس کے پہونچنے  
 پر [وہاں طرفین کے مابین جنگ ہوئی جس میں] بادشاہ کے  
 کار آمد آدمی مارے گئے۔ اس کے بعد دونوں لشکروں کے درمیان  
 [وقتاً فوقتاً] جنگ و فساد کی آگ بھڑکتی رہی۔ شاہی درگاہ  
 کے جو ملازم [مختلف] مواضع میں جا کر رہنے لگے تھے



انہیں مرزا کے حکم کے مطابق ایک ہی وقت میں قتل کر کے ان کے سر مرزا کے پاس بھیج دیئے گئے۔

کہتے ہیں کہ یہ خبر سن کر ہمایوں بادشاہ نے ارغونوں پر شبخون مارا، جس میں بھی وہ سارے [حملہ آور] محمد باقی ترخان کے ہاتھوں قتل ہو گئے جیسا کہ آگے چل کر بیان ہو گا۔

[اب] بادشاہ کا دل سندھ کے قیام سے اچٹ گیا۔ اسی اثنا میں بیرم خاں نے بھی گجرات سے آ کر قندھار ہوئے ہوئے عراق چلنے کی تحریک کی، اور مرزا شاہ حسن کے ساتھ صلح کی گفت و شنید شروع کر دی۔ مرزا نے بھی یہ موقع غنیمت جان کر [ایک] لاکھ مثقال نقد اور دوسرا [ضروری] سامان سفر [۱۶۱] فراہم کر کے تین سو گھوڑوں اور تین سو اونٹوں سمیت (۱) خدمت میں روانہ کیا۔ اس کے علاوہ ”جون“

۱۔ ہمایوں نامہ (ص ۶۳) میں اونٹوں کی تعداد ایک ہزار درج ہے۔ لیکن وہ اس قسم کے اونٹ تھے کہ ان کی سات پشتوں نے بھی شہر، لوگ اور بار نہ دیکھا تھا۔ چونکہ لشکر میں گھوڑوں کی کافی قلت تھی اس وجہ سے بیشتر لوگ انہی اونٹوں پر (ص ۶۴) سوار ہوئے باقی ماندہ ہر بار لادا گیا۔ جو بھی ان پر سوار ہوتا وہ اسے زمین پر گرا کر جنکلی کی راہ لیتے۔ اسی طرح جس اونٹ پر بار لادا جاتا وہ محض گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سے بھڑک کر اور اچھل اچھل کر بار زمین پر گرا دیتا اور پھر خود جنکلی کی طرف بھاگ جاتا۔ لیکن اگر کسی اونٹ پر بار کس

[بقیہ حاشیہ ص ۲۰۳ پر]

کے سامنے ایک پل بھی تعمیر کرا دیا۔ پل کی تعمیر اور صلاح کی تاریخ ”صراط مستقیم“ (۱) سے برآمد ہوئی۔ بادشاہ نے ۷ ربیع الآخر سنہ ۹۵۰ھ کو اس پل کو عبور کیا۔

کہتے ہیں کہ مرزا عیسیٰ ترخان نے خفیہ طور پر اور کھلم کھلا بادشاہ کی بے حد خدمت کی تھی جس کی وجہ سے بادشاہ نے اس کے حق میں بڑی دعائے خیر کی تھی اور اسی دعا کی برکت سے وہ اپنے سے زیادہ بلند مرتبہ امرا کے ہوتے ہوئے بھی ملک کا وارث ہوا۔ جیسا کہ آگے چل کر بیان ہوگا۔ دوسری طرف مرزا شاہ حسن کو اپنے ولی نعمت کے ساتھ بے ادبی سے پیٹھ آنے کی پاداش میں اپنے ملازموں کے ہاتھوں ایسا ہی معاملہ پیش آیا۔

قصہ مختصر۔ بادشاہی لشکر کے اس سہ سالہ قیام کی وجہ سے ملک سندھ میں زبردست قحط پڑ گیا۔ [۱۶۲]

### عجیب حکایت

اسی حادثہ میں گرانی کے سبب سے ایک عورت اپنے بیٹوں سمیت کچھ عرصہ تک فاقے کرنے کے بعد جلا وطنی اختیار کر کے [جائے ہوئے] ایک جنگل میں بے تاب ہو کر

[بقیہ حاشیہ ص ۲۰۲]

کر باندھ دیا جاتا تو وہ بار سمیت اچھلتا کودتا جنگل میں غائب ہو جاتا۔ اس طرح قندھار تک پہنچتے پہنچتے کم از کم دو سو اونٹ بھاگ گئے ہوں گے (بحوالہ تعلیقات معصومی ص ۳۱۷)۔

۱۔ تاریخ معصومی (ص ۱۸۰) سے ہتھ چلتا ہے کہ یہ تاریخ بادشاہ ہمایوں نے خود کہی تھی۔

گر بڑی اور بیٹوں کو بھوک سے بے حال دیکھ کر کہنے لگی کہ ”میں تمہیں اس حال میں نہیں دیکھ سکتی، اس لئے اپنا خون تمہیں معاف کرتی ہوں۔ تم مجھے ذبح کر کے اس وقت اپنا پیٹ بھرو، اور [میرا] باقی ماندہ گوشت زاد راہ بناؤ۔ ممکن ہے کہ اس طرح تم کسی سلامتی کی جگہ پر جا پہنچو“ بیٹوں نے اس پر بہتیرا انکار کیا اور زبان پر ”حاشا“ و ”کھلا“ کے الفاظ لائے۔ لیکن ماں کے اصرار پر بالآخر انہیں ایسا ہی کرنا پڑا۔ انہوں نے گوشت کا ایک ٹکڑا پکایا [ہی تھا کہ] اتنے میں کچھ لوگ جن کی گائے چوری ہو گئی تھی ان پر نازل ہو گئے اور گائے ذبح کرنے [کے الزام] میں انہیں پکڑ لیا۔ ان بے چاروں نے خود کو بے گناہ ثابت کرنے کے لئے اپنا سارا حال لفظ بہ لفظ انہیں سنایا اور ماں کی آنتیں اور دوسری نشانیاں انہیں دکھائیں۔ اس پر ان لوگوں نے انہیں اور زیادہ سختی سے باندھ کر کہا کہ ”یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ کوئی آدمی اپنی ماں کو ذبح کر کے کھائے۔ تم نے ضرور کسی دوسرے کو ذبح کیا ہے!“ انہوں نے بڑی التجائیں کیں لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ [بلکہ] وہ لوگ [اپنے طور پر] ان سے سچی بات کا اقرار کرانے کے لئے درخت سے باندھ کر بیتوں سے مارنا چاہتے تھے کہ اسی اثنا میں ان کی ماں کی آنتیں جا کر ان لوگوں کے پیروں سے چمٹ گئیں اور انہیں مارنے سے باز رکھنے کے لئے آگے قدم بڑھانے سے روک دیا۔ ان لوگوں میں ایک پیر مرد بھی شامل تھا۔ [یہ ماجرا دیکھ کر] اس نے کہا کہ ”بے شک انہوں نے اپنی ماں کو اس کی

اجازت سے ذبح کیا ہے۔ [۱۹۳] جبھی وہ اپنی شفقت مادری کی وجہ سے اپنے بیٹوں کو مارنے سے تمہیں روک رہی ہے۔ بے شک ”اولادنا اکبادنا“ (۱) کی مصداق یہاں ظاہر ہوتی ہے۔“

قصہ مختصر، اسی افرا تفری کے زمانے میں بخشو لالنگاہ نے ملتان کے نواح میں ”جنپور“ کے سامنے قلعہ تعمیر کرا کے ملتانوں کو لا کر اس قلعہ میں آباد کیا اور عظیم لشکر جمع کر کے بکھر پر حملہ آور ہوا (۲)۔ مرزا شاہ حسن نے میر شاہ محمود ارغون کو بکھر کی حفاظت کے لئے روانہ کیا۔

سنہ ۹۵۵ھ میں مرزا کامران ”ہزارہ“ سے سندھ آیا۔ مرزا شاہ حسن نے ”ہاٹ“ کو اس کی منزل گاہ مقرر کیا اور اپنی بیٹی اس کے نکاح میں دی (۳)۔ پھر تین ماہ کے بعد ہزار سواروں

۱۔ معنی: ہماری اولاد ہمارا جگر ہیں۔“

۲۔ یہ واقعہ ۱۳ جمادی الثانی سنہ ۹۵۰ھ کو جمعہ کی شب پیش آیا۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے تاریخ معصومی

ص- ۱۸۰-۱۸۱)

۳۔ تاریخ معصومی (ص- ۱۸) سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا شاہ حسن کی بیٹی ”چوچک بیگم“ کی مرزا کامران سے نسبت اس سے چار سال پیشتر سنہ ۹۵۱ھ کی شروعات میں قرار پاچکی تھی، جب کہ مرزا کامران کابل کا حکمران تھا اور ہمایوں بھائیوں کی بیوفانی سے عاجز ہو کر کمک لینے کے لئے عراق کی طرف روانہ ہوا تھا۔ سنہ ۹۵۵ھ میں مرزا کامران ہمایوں بادشاہ سے شکست کھا کر کابل سے فرار ہو کر سندھ آیا تھا اور آکر مرزا شاہ حسن کی بیٹی سے نکاح کیا تھا۔

کی جمعیت اس کے حوالہ کر کے اسے روانہ کیا ۔ کاسران سنہ ۱۹۵۷ء میں دوبارہ بکھر آیا مگر اس مرتبہ ہمایوں بادشاہ نے اسے اندھا کرا دیا (۱) - [۱۶۴]

مرزا شاہ حسن نے پہلے اسے شاد بیلہ (سادہ بیلہ) کی ٹیکری پر جو بکھر کے مغرب کی طرف دریا کے وسط میں ہے جگہ دی اور اس کے بعد ہر گنہ بٹھورہ کو اس کے باورچی خانہ کے اخراجات کے لئے [جاگیر] قرار دے کر اس کی اقامت کے لئے قبیح باغ میں انتظام کیا - [لیکن] کچھ عرصہ کے بعد وہ حج کے لئے چلا گیا ۔

کہتے ہیں کہ مرزا شاہ حسن نے اپنی بیٹی کو اس سے چھڑانے کی بڑی کوشش کی لیکن اس معصومہ نے یہی کہا کہ ”لوگ مجھے طعنہ دینگے کہ جب تک اس کے آنکھیں تھیں تب تک تو اس کے پاس رہی لیکن نا بیٹا ہونے کے بعد اسے چھوڑ دیا۔“

اس واقعہ کے بعد سے ہمایوں بادشاہ کی رنجیدگی کی پاداش میں مرزا کی حالت ابتر ہونے لگی ۔ ہر ہی گاہی کے بیٹوں جیسے ذلیلوں اور کمینوں کی سرپرستی کرنے پر جو

---

۴ - تاریخ معصومی (ص ۱۸۲) کے بیان کے مطابق مرزا کاسران کو ہمایوں بادشاہ نے اندھا نہیں کرایا تھا بلکہ ہندوستان کی ”ککر“ (کائیکوار) قوم کے لوگوں نے ، جن کے پاس کابل سے بھاگ کر آنے کے بعد مرزا کامران نے پناہ لی تھی ، یہ معلوم ہونے پر کہ وہ بادشاہ کے بارے میں بڑی نیت رکھتا ہے ، اسے کسی ترکمب سے پکڑ کر اندھا کر دیا تھا ۔

ارغونوں اور ترخانوں پر بے انتہا مظالم اور دست درازی کیا کرتے تھے، ارغون اور ترخان اس سے سخت ناراض ہو گئے۔ ادھر اس پر فالج کا حملہ ہوا جس کا علاج صرف یہ تھا کہ وہ ہمیشہ کشتی میں بیٹھ کر ٹھٹھے سے بکھر اور بکھر سے ٹھٹھا آتا جاتا رہے۔

سنہ ۵۹۶ھ میں شہر ٹھٹھے کی اربابی (گورنری) اس نے ”عربی گاہی“ اور ”اسماعیل باٹھاری“ کو عطا کی۔ اسی سال کے آخر میں ٹھٹھے کی نگرانی ”شنبہ“ اور ”رفیق“ کے حوالہ کی جو زر خرید غلام تھے۔ [یہ حال دیکھ کر] ارغون امرا نے محرم سنہ ۵۹۶ھ کی ابتدا میں میرزا عیسیٰ ترخان کی اطاعت اختیار کی جو خدا شناس بادشاہ کی دلی دعاؤں سے سرفراز ہو چکا تھا۔ مرزا شاہ حسن نے یہ خبر سن کر بڑا پیچ و تاب کھایا اور اس کے دفعیہ کے لئے بڑے ہاتھ پاؤں مارے لیکن چونکہ بادشاہ کی ناراضگی کا تیر نشانہ پر لگ چکا تھا، اس لئے تدبیر کی ڈھال کام نہ آ سکی۔ آخر کار اس کی زندگی ہی میں سلطان محمود خان اور میرزا [۱۶۵] عیسیٰ نے سندھ کو آپس میں آدھا آدھا بانٹ لیا۔ لکی پہاڑیوں سے نشیب کا حصہ میرزا عیسیٰ کے حصہ میں آیا اور اس سے اوپر کا علاقہ سلطان محمود خان کے حصہ میں۔ اس [حد بندی] کے بارے میں انہوں نے پختہ عہد نامہ کیا۔ اس کے بعد جب تک میرزا شاہ حسن زندہ رہا چونکہ وہ مفلوج اور بیکار ہو چکا تھا اس لئے یہ ظاہر وہ اس کی اطاعت کرتے رہے۔ قضائے الہی سے اسی سال کی ۱۱ ربیع الاول کو وہ فوت ہو گیا، چنانچہ اس کے پہلے کئے ہوئے عہد نامہ کے مطابق مذکورہ خوانین ٹھٹھا اور بکھر کے مالک ہوئے۔

مرزا شاہ حسن [اپنے وقت کا] بے نظیر بہادر تھا - بچپن سے لے کر بیماری کے زمانہ تک اس نے جتنی بھی لڑائیاں لڑیں ان سب میں فتح یاب رہا - وہ سنہ ۱۸۹۶ء میں پیدا ہوا تھا اور اس کی کل عمر ۶۶ سال تھی - علوم منقولی (۱) میں کمال دسترس رکھتا تھا - کبھی کبھی شعر بھی کہتا تھا - جن میں ”سپاہی“ تخلص کرتا تھا - علما، فضلا اور سادات کی بے حد عزت کرتا تھا - [اس نے] ۳۴ برس تک حکومت کی - اس کے کوئی اولاد نرینہ نہیں تھی - اس کی لاش کو مکہ شریف میں لیے جا کر دفن کیا گیا - اس خاندان یعنی باپ اور بیٹے دونوں کی کل مدت حکومت ۳۶ سال ہے - [۱۶۶]




---

۱ - علم منقولی یا نقلی سے وہ علوم مراد ہیں جن کا تعلق روایت اور نقل سے ہے جیسے کہ علم ادب، صرف و نحو اور فقہ وغیرہ - ان کے مقابلہ پر علوم معقولی یا عقلی ہیں اور ان کا تعلق عقل و فہم سے ہوتا ہے جیسے منطق و فلسفہ وغیرہ -

## نواں باب

### ترخان خاندان

جیسا کہ پہلی جلد میں بیان کیا جا چکا ہے حضرت صاحبقران امیر تیمور ۱۸ سال کی عمر میں ایک مرتبہ شکار کھیلتے ہوئے راستہ بھول گئے۔ اس وقت سخت سردی اور انتہائی تاریکی چھائی ہوئی تھی جس کی وجہ سے وہ جملہ ہمراہیوں سمیت [لاچار ہو کر] موت کا انتظار کرنے لگے۔ [اسی عالم میں] اچانک انہیں دھندلے دھندلے چند مکانات نظر آئے۔ جب وہ ان کے قریب پہنچے اور چراغوں کی روشنی دیکھ کر ان کے دروازوں تک آئے تو وہ لوگ انہیں قزاق سمجھ کر فوراً لڑنے کے لئے باہر نکلے۔ لیکن آخر کار پہچاننے کے بعد انہیں گھر کے اندر لے گئے اور زمین پر بٹھا کر، آگ جلا کر اپنی استطاعت سے زیادہ خدمت کر کے ان کی خوشنودی حاصل کی۔ جب صاحبقران ۳۴ برس کی عمر میں تخت سلطنت پر متمکن ہوئے تو انہوں نے ان لوگوں کو بلا کر بے حد نوازشیں کیں اور انہیں ”ترخان“



یعنی ”ملازمت سے معافی یافتہ“ کا خطاب دیا۔ ترخان قوم انہیں کی اولاد ہے۔ بعضوں کا کہنا ہے کہ ان کے بزرگ کسی جنگ میں لہولہاں ہو کر آئے تھے اور اسی وجہ سے انہیں ”ترخون“ (۱) کا لقب ملا کہ جو رفتہ رفتہ ”ترخان“ ہو گیا

### مرزا عیسیٰ ترخان

”مرزا عیسیٰ“ ولد مرزا محمد بن مرزا عبدالعلی ترخان یکم جمادی الاول سنہ ۹۶۲ھ کو تخت نشین ہوا۔ اس نے سپاہیوں اور رعایا کو بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ رام کیا۔ [۱۶۷] کییک، فرخ اور تیدور جیسے ارغونی امرا، باوجودیکہ خود انہیں نے اسے حکمرانی کے لئے منتخب کیا تھا، لیکن وہ اکثر شراب پی کر نشہ کی حالت میں اس کی حویلی پر یلغار کر آتے تھے اور اس کی قالین پر آکر رکاب سے پیر باہر نکالتے تھے۔ ایسا کوئی بھی دن نہ گزرتا تھا کہ جب اس کے دروازہ کو تہر اور نیزوں سے چھلنی کر کے، اس سے مرزا (شاہ حسن) کے چھوڑے ہوئے خزانے سے حصہ نہ طلب کرتے ہوں۔ لیکن وہ کمال دانائی سے کام لے کر بڑی ہمدردی کے ساتھ کہا کرتا کہ ”خزانہ تمہاری ہی ملکیت ہے، لیکن چونکہ ہم ہوائے ملک میں ہیں، اس لئے ہمیں اس کی حفاظت ضرور کرنی چاہئے تاکہ نازک موقع پر کام آئے۔ اگر تم لوگ لے جاؤ گے تو شراب اور معشوقوں میں صرف کر ڈالو گے۔“ [دوسری طرف] اس کے حکم پر ہر ارغون کو اس کے محلہ ہی میں کسی نہ کسی بہانے مصروف رکھا جاتا اور اس طرح حیلوں کے ساتھ

۱۔ ”ترخون“ (تر = ڈوبا ہوا + خون = لہو) = لہو میں

وہ خود کو ان کے شر سے بچائے رکھتا۔ آخر کار رفتہ رفتہ اس کے بیٹوں مرزا محمد باقی، مرزا محمد صالح، جان بابا اور غالب (۱) نے لوگوں کو [اپنے گرد] جمع کیا اور ہر ایک ملا بہبود، شہرنگ خان (۲) ملا صالح، فتح خان اور دوسرے کار گزار لوگوں کی سعی میں اس قدر منظم اور مستعد ہو گیا کہ ارغون بھی ان پر رشک کرنے لگے۔ اب مرزا (عیسیٰ) نے اپنی حویلی کے چاروں طرف ایک چھوٹا قلعہ تعمیر کرایا اور بیٹوں کو بھی اپنے ہی قریب رکھا۔ [بد قسمتی سے] اس کے بیٹوں میان محمد باقی اور محمد صالح کے مابین رنجش پیدا ہو گئی۔ مرزا صالح بڑا بہادر تھا۔ مرید کوکہ بن مراد کوکہ وغیرہ جیسے [۱۶۸] مرزا کامران کے کوکہ [اس کے پاس تھے] اس لئے اس نے انتہائی جاہ و جلال پیدا کر کے باپ کو بے دخل کر کے گوشہ نشین بنا دیا اور مرزا محمد باقی کو جلا وطن کر کے کتچہ کی طرف نکال دیا۔ اس طرف مرزا جان بابا "سمیجہ" قبائل کے جنگلات میں بھٹکتا رہا اور [دوسری طرف] مرزا باقی نے بھی نا واقفیت کی وجہ سے شروع میں کتچہ میں بڑی تکلیفیں اٹھائیں۔

نقل : میرطاہر نے مرزا مظفر ابن مرزا محمد باقی ترخان

۱۔ بیگلار نامہ (ص-۱۲) کے مطابق مرزا عیسیٰ کے چوتھے بیٹے کا نام "مرزا ابراہیم" تھا۔ اسکا ایک ہانچواں بیٹا بھی تھا جس کا نام "مرزا جوہر" تھا لیکن وہ کمسنی ہی میں فوت ہو گیا تھا۔ مرزا ابراہیم بھی باپ کی زندگی ہی میں انتقال کر گیا تھا۔ (ترجمہ سندھی - بیگلار نامہ)

۲۔ نسخہ "ن" میں یہ نام "نیرنگ خان" ہے۔

کی زبانی نقل کیا ہے کہ کچھ فائقے کرنے کے بعد ایک دن مرزا (باقی) نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ”سخت بھوک لگ رہی ہے کہیں سے کچھ نہ کچھ ضرور لاؤ۔“ ساتھیوں کو کوئی بھی چیز دستیاب نہ ہوئی، البتہ قاضی خدیسو کہیں سے کتے کے آگلے ہوئے تھوڑے سے کچھتے چاول لے آیا جس پر کتے نے قے بھی کی تھی۔ مرزا نے فرمایا کہ ”بات نہ کرو اور فوراً جا کر پکاؤ تاکہ کام آئیں۔“ پکنے کے بعد وہ فی الفور انہیں کھا گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد اس کے ساتھیوں نے ایک بکری چرا کر اس کے کباب بنائے۔ بکری کے مالک نے ہتہ چلا کر چوروں کی طرح انہیں گرفتار کیا اور لے جا کر رانا کھنگار کی خدمت میں حاضر کیا۔ چونکہ دکھ کے بعد سکھ بھی ضرور آتا ہے چنانچہ اس سلسلہ میں ان سے متعارف ہو کر رانا کھنگار ان کی پرداخت کرنے لگا۔ ”صاحب سمہ“ نامی [ایک] جاڑیجہ [سردار] نے اپنی بیٹی اس کے عقد میں دی جس کے بطن سے مرزا مظفر پیدا ہوا۔

### مرزا محمد باقی کی مرزا محمد صالح سے جنگ

کچھ عرصہ کے بعد جب مرزا محمد باقی نے کچھ میں [رہ کر] لشکر تیار کیا اور اس کی اعانت میں ”صاحب سمہ“ نے بھی راجپوتوں کی ایک فوج آراستہ کی تب وہاں سے روانہ ہو کر وہ ”بدین“ کے قریب جا پہونچا۔ مرزا محمد صالح مغلوں اور ٹھٹھے کے دیگر قبائل کا لشکر ساتھ لے کر اس کے مقابلے پر آیا۔ دو تین دن دونوں لشکروں کے ہراولوں کے درمیان کچھ جھڑپیں ہوتی رہیں جس کے بعد [۱۶۹] بالآخر جنگ کے لئے صفیں آراستہ کی گئیں۔ راجپوتوں نے جان دینے کا فیصلہ کر کے

بہتیری شجاعت دکھائی۔ گھوڑوں سے اتر کر اور چادریں ایک دوسرے سے باندھ کر [بے انتہا] ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا۔ لیکن مغلوں نے تیر و تفرنگ سے ان پر زمین تنگ کر کے آخر کار انہیں فرار ہونے پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ وہ جس راہ سے آئے تھے اسی راہ سے واپس ہو گئے۔ مرزا صالح ظفر یاب ہو کر ٹھٹھے واپس چلا گیا۔ مرزا باقی نے اہل و عیال کو کچھ بھیج دیا اور خود بکھر جا کر سلطان محمود سے مدد کا طالب ہوا۔ سلطان محمود نے جواب دیا کہ ”میرے اور مرزا عیسیٰ کے درمیان ایک دوسرے پر حملہ نہ کرنے کا معاہدہ ہے اس لئے تو [صبر کے ساتھ] یہاں اقامت رکھ اور دیکھ کہ پردہ“ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔“ دوسری طرف سلطان محمود خان نے مرزا صالح سے اتفاق کر کے مرزا باقی کو قید کر کے ہندوستان بھیج دینا چاہا (۱)۔ اسی اثنا میں اس در بدر کی خاک چھاننے والے کے لئے ایک غیبی لطیفہ ظاہر ہوا۔

نقل : کہتے ہیں کہ مرزا باقی کے ہمراہیوں میں سے

ایک ہندو شام کے وقت روہڑی کے باہر دریا کے کنارے کنارے

۱۔ میر قانع کا یہ بیان میر معصوم کے بیان کے صریحاً خلاف

ہے۔ میر معصوم (ص ۲۰۸) لکھتا ہے کہ مرزا محمد

باقی نے ہندوستان جانے کی بڑی کوشش کی لیکن سلطان

محمود نے اس خیال کے پیش نظر کہ مبادا وہ ہندوستان

سے کوئی لشکر لے کر آئے، اور جس صورت میں اس

لشکر کو بکھرے ہو کر ہی گذرنا ہوگا اس لئے اسکی

حکومت کے انتظام میں خلل واقع ہوگا، اس لئے اسے ہندوستان

جانے کی اجازت نہیں دی۔

جا رہا تھا کہ اس نے دو ”مٹھائی“ ڈانٹوں کو ایک جگہ رفع حاجت کے لئے بیٹھا دیکھا۔ ان میں سے ایک نے دوسری سے کہا کہ ”مطلطان محمود خان مرزا باقی کو قید کر کے اکبر بادشاہ کے پاس بھیج دینا چاہتا ہے۔ لیکن اس کی قسمت میں اس طرف جانا نہیں لکھا ہے۔ کیونکہ کل دوپہر کے وقت مرید نامی ایک بلوچ نے مرزا صالح پر خنجر کا [۱۰۷] وار کیا ہے اور تین دن بعد اس کا خون بھرا پیراھن مرزا باقی کو مل جائے گا۔“ اتفاق سے اسے (مرزا باقی کو) صالح کی موت کی خبر اسی طرح ملی۔

کہتے ہیں کہ مرید بلوچ نے، اپنے اقارب اور باپ کا انتقام لینے کے لئے جنھیں مرزا صالح نے قید کر کے قتل کرادیا تھا، یہ عہد کیا تھا کہ ”جب تک باپ کا انتقام نہ لونگا سر پر پکڑی نہ باندھوں گا۔“ اسی ارادہ سے وہ چھری ہاتھ میں لے کر شہر آیا اور ہاگلوں کی طرح کلی کوچوں میں بھرتا ہوا کہتا رہا کہ ”ہاں اے چھری! تجھ سے کام ہے۔ کرے گی یا نہیں؟ ہاں اے دل! دلیر ہو۔“ بچوں نے اسے ہاگل سمجھا اور بار بار اس کے الفاظ دہرائے اور خورد وکلاں نے اسے محض بکواس سمجھا۔ بالآخر ایک دن [جب کہ] مرزا صالح سواری پر اپنے محل کی طرف جا رہا تھا تو یہ چھری کو کاغذ میں لپیٹ کر فریادہوں کی طرح ”فریادا فریادا“ چلاتا ہوا اس کے سامنے آیا۔ خدمتکاروں نے بہتیرا چاہا کہ وہ کاغذ اس کے ہاتھ سے لیے لیں، لیکن اس نے کہا کہ ”میں خود ہی پیٹھ کرونگا اور ساتھ ہی زبانی حال بھی عرض کرونگا۔“ اس پر مرزا نے اسے اپنے قریب بلایا۔ وہ [بے تحاشا] آگے بڑھتا اور چھری

اس کے پیٹ میں پیوست کرتا گیا یہاں تک کہ اسے وہیں کا وہیں ڈھیر کر دیا۔ [اس پر اس کے خدمت گاروں نے] اسے (مرید خاں کو) بھی ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

قصہ کوتاہ، مرزا محمد باقی کی بہن، جو ہمیشہ باپ اور بھائی سے چھپا کر، ان ڈبوں میں جسے ہندو تیل خریدنے کے لئے اس طرف بھیجا کرتے تھے، اسے رقم بھیجتی رہتی تھی۔ اس نے [محمد صالح کا] خون آلودہ پیراھن بھی اس کے (مرزا باقی کے) پاس بھیج دیا۔ اب مرزا عیسیٰ نے سلطان محمود خان کو اسے (مرزا باقی کو) ٹھٹھہ بھیج دینے کے لئے لکھا۔ جب وہ ٹھٹھہ آ گیا تو مرزا عیسیٰ نے اسے اپنا ولی عہد بنایا اور اپنے آخری دنوں میں سلطان محمود خان سے اس کے لئے نئے عہد نامہ کا طالب ہوا۔ [۱۷۱]

### فرنگیوں کے ہاتھوں قتل عام کا واقعہ

جب مرزا عیسیٰ یہ ارادہ کر کے ٹھٹھے سے باہر نکلا تو سلطان محمود خان کو اپنی فکر ہوئی کہ مہادا اس آمد سے مرزا عیسیٰ کا کوئی اور مقصد ہو۔ فی الواقعہ مرزا عیسیٰ کا مقصد بھی ہر گنہ دریبلہ کو سیوستان میں شامل کرنے کا تھا۔ چنانچہ وہ سیوستان سے آگے بڑھا تو دفعیہ کی فکر کر کے سلطان محمود خان بھی مقابلہ کے لئے دوڑا۔ اسی اثنا میں ہندر گاہ ”کوا“ سے فرنگی بھی ”لاہری“ ہندر پر آدھمکے اور ملک کو خالی دیکھ کر شہر میں داخل ہو گئے اور جمعہ کے دن نماز کے وقت انہوں نے جامع مسجد فرخ اور دوسرے مقامات پر سخت خونریزی کی۔ بازار اسیر بیگ اور جامع فرخ کے گرد کا گنج شہیداں اور اس کے علاوہ [شہر کے] مختلف مقامات پر

شہدائے جو مزار ہیں وہ اسی واقعہ کی یاد گار ہیں۔ یہ خبر سنتے ہی مرزا عیسیٰ سلک کی سرحدیں محمود خان کے حوالہ کر کے [فی الفور] ٹھٹھہ واپس ہوا (۱)۔ بعضے کہتے ہیں

۱۔ مور قانع نے اپنی عادت کے مطابق اختصار نویسی کے پیش نظر یہاں بھی مرزا عیسیٰ خان اور سلطان محمود خان بکھری کے مابین پیدا شدہ چپقلش کے واقعات کو باہم ملا کر الجھا دیا ہے۔ اصل واقعات جو تاریخ معصومی (۲۰۷-۲۱۰) سے معلوم ہوتے ہیں، اس طرح ہیں کہ: مرزا شاہ حسن کی وفات کے بعد مرزا عیسیٰ ترخان سنہ ۵۹۶۲ میں تخت نشین ہوا۔ ایک سال کے بعد یعنی سنہ ۵۹۶۳ میں ارغون سرداروں کے ورغلانے پر ایک عظیم لشکر ساتھ لے کر وہ بکھر کے سامنے آ کر اترا۔ پندرہ دن جنگ ہوتی رہی۔ اسی موقع پر فرنگیوں نے ٹھٹھے کو تاخت و تاراج کیا۔ جس کی وجہ سے مرزا عیسیٰ محاصرہ چھوڑ کر سرعت کے ساتھ ٹھٹھہ واپس ہوا۔ دوسری مرتبہ سنہ ۵۹۷۰-۷۱ میں مرزا اور ارغون سرداروں کے مابین ان بن ہو گئی جس کی وجہ سے ارغون سردار بھاگ کر سلطان محمود خان کے پاس آ گئے اور سلطان محمود خان کے آدمیوں نے ان کے ساتھ جا کر سیوہن کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ لیکن وہ کچھ نہ کر سکے اور ساون کے موسم میں مرزا عیسیٰ خان نے آ کر انہیں وہاں سے بھگا دیا۔ موضع رفیان کے قریب فریقین کے درمیان سخت جنگ ہوئی جس میں سلطان محمود خان کے بہترین آدمی قتل ہو گئے۔ مرزا عیسیٰ جا کر

کہ فرنگیوں کو اس نے [۱۷۲] خود اپنی مدد کے لئے طلب کیا تھا اور انہوں نے وہاں پہنچ کر اور اسے نہ ہا کر ایسا کیا تھا۔

بہر حال فرنگی مرزا عیسیٰ کی آمد کی خبر سن کر شہر ٹھٹھہ کو لوٹ کر اور گلی کوچوں میں بارود بچھا کر اور اس میں آگ لگا کر بھاگ گئے۔ مرزا عیسیٰ نے واپس آ کر اپنی حویلی والے قلعہ کو اور مستحکم کیا اور شہر کے چاروں طرف شہر پناہ تعمیر کرائی۔ چونکہ لاہری بندر کی خلیج سے بندرگاہ کے ساحل تک، خلیج سے نکلنے والی نہر ”نارقی واہ“ (۱) عمیق اور کشادہ تھی اور اس میں سے ہو کر بڑے بڑے جہاز بھی کھاڑی سے بندرگاہ کے ساحل تک بہ آسانی آ سکتے تھے اس لئے ماہروں کے مشورہ پر اس نے [اس نہر کو] بڑے بڑے پتھروں سے بھر دینے کا حکم دیا تاکہ کوئی بھی غیر، رہبر کے بغیر، اچانک اندر تک نہ آ سکے۔ [اس کے علاوہ] ساحل اور خلیج کے درمیان بندرگاہ کی حفاظت کے لئے ایک چھوٹا سا مضبوط قلعہ بھی تعمیر کرایا۔ آخر کار اٹھارہ سال حکومت

[بقیہ حاشیہ ص ۲۱۶]

دریہ کے قریب خیمہ زن ہوا۔ بالآخر شیخ عبدالوہاب اور شاہ بیگم کی وساطت سے صلح ہوئی۔ مرزا عیسیٰ ٹھٹھہ چلا گیا اور سلطان محمود خان کے آدمی بکھر واپس آ گئے۔

۱۔ اصل متن میں ”نالہ“ نار“ ہے لیکن تاریخ طاہری (ص ۱۵۷) میں مرقوم ہے کہ ٹھٹھہ کے لوگ اس نہر کو ”نارقی“ کہتے ہیں۔ چونکہ تاریخ طاہری تحفۃ الکرام سے قدیمی ہے اس لئے وہی زیادہ معتبر ہے۔



## تحفۃ الکرام

گم ہونے کے بعد وہ سنہ ۱۹۸۰ء میں انتقال کر گیا۔ اپنی اعلیٰ صفات، سنجیدگی اور فکر راسخ کے اعتبار سے اس خاندان میں [۱۷۳] وہ ممتاز اور منفرد تھا۔ کم مرتبہ ہونے کے باوجود وہ شجاعت اور جوانمردی میں بڑے بڑے ارغون امرا سے بازی لے گیا تھا۔ اس کا مدفن مکملی کی پہاڑی پر ہے۔

## مرزا محمد باقی

مرزا عیسیٰ کے فوت ہو جانے کے بعد ارغون سرداروں نے، جو مرزا عیسیٰ کی حکمرانی سے پشیمان تھے، مرزا محمد باقی کی تخت نشینی کی مخالفت کی۔ اس نے حکمت عملی کے ساتھ ارغونوں کے ایک گروہ کو تو لطف و احسان کے بڑے بڑے وعدوں اور مہربانیوں کے ذریعہ اپنا بنا لیا اور دوسرے گروہ کو خزانہ تقسیم کر دینے کی لالچ کا فربہ دیا۔ اس طرح ارغون سردار دو حصوں میں تقسیم ہو گئے اور وہ اس (مرزا باقی) کو روکنے کے لئے کوئی مستفاد اور واضح فیصلہ نہ کر سکے۔ بالآخر مرزا اپنی مراد کے مطابق تخت نشین ہو کر فساد کی بیخ کنی کرنے کی فکر کرنے لگا۔ ارغون سردار چونکہ مرحوم مرزا (مرزا عیسیٰ) کے زمانہ ہی سے اس نوجوان امیر پر غلبہ کئے ہوئے تھے اس لئے وہ حکمت عملی کے ساتھ اپنا انتظام کرتا رہا۔ [بالآخر] جلد ہی اس نے خفیہ طور پر اور کھلم کھلا ایک لشکر جمع کر کے ایک سازش کی اور خزانہ تقسیم کر دینے کے بہانہ سے ارغون سرداروں کو محل کی بالائی منزل پر بلایا۔ دوسری طرف [اس نے] ہر صندوق میں دو دو مسلح جوان بٹھا دیئے اور [سپاہیوں کے] ایک دستہ کو موقع کا منتظر رہنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد اس نے [ارغون سرداروں سے]

کہا کہ ”تم لوگ ہمیشہ خزانہ کی طلب کرتے رہے ہو [حالانکہ] میرا باپ اور میں اسے وقت ضرورت کے لئے بچائے رکھتے آئے ہیں۔ لیکن چونکہ تم اس سے دست بردار ہونے کے لئے آمادہ نہیں ہوتے اس لئے مجبوراً تمہارے حوالہ کرتا ہوں۔ لیکن یہ خیال ہوتا ہے کہ اس کی تقسیم میں کہیں تمہارے درمیان تکرار نہ ہو جائے اس لئے اجازت دو کہ میں جا کر نیچے بیٹھوں اور تم اپنی مرضی کے مطابق یہ خزانہ [۱۷۴] آپس میں تقسیم کر لو۔“ یہ فیصلہ کر کے وہ خود نیچے چلا گیا اور جا کر معاملہ کا بندوبست کیا۔ [اوپر کی منزل پر] فی الفور مسلح جوانوں نے صندوقوں اور گوشوں سے نکل کر ان سب کو تلواروں کا لقمہ بنا دیا۔ نیچے خود [مرزا باقی نے] خورد و کلاں کو ختم کیا بلکہ ان کی حویلیوں میں لشکر بھیج کر ان میں سے ایک حرکت کرنے والے کو بھی زندہ نہ چھوڑا۔ حتیٰ کہ بچوں کو بھی پنگوروں میں سے نکال کر چارہ کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ کچھ تھوڑے جان بچا کر ادھر ادھر بھاگ گئے۔ اس کے بعد مرزا محمد باقی خود مختار ہو کر ”انا ولا عیوی“ (۱) کا نقارہ بجانے لگا۔

### مرزا جان بابا کی شورش

مرزا جان بابا جو باپ کے زمانے ہی میں مرزا صالح کے ماتھوں در بدر ہو کر سمیجہ قبائل سے قرابت ہونے کی وجہ سے وہاں رہنے لگا تھا، اسے اس کے باپ کی فاتحہ خوانی کے موقع پر سلطان محمود اپنے ساتھ لے کر ٹھٹھہ گیا۔ اس نے تعزیت کی رسمیں ادا کرنے کے بعد سلطان محمود خان کے توسل سے باپ

کے ورثے اور ملک کے حصے کا مطالبہ کیا۔ مرزا محمد باقی کا کاروبار بے حد منظم ہو چکا تھا چنانچہ اس نے سلطان محمود خاں سے کہا کہ ”والد کے زمانے سے لے کر آپ کے اور ہمارے درمیان پختہ عہد نامہ قائم ہے۔ آپ نے جس طرح میرے اور مرزا صالح کے درمیان کوئی دخل نہیں دیا تھا اسی طرح آج بھی ہمارے بیچ میں نہ پڑیں۔ مال و ملکیت کو تقسیم کرنا تاجر بچوں ہی کو زیب دیتا ہے۔ حکومت خدائی دین ہے۔ اگر میرا بھائی راضی ہو کر میرے پاس رہ جائے گا تو بالآخر میرا بھائی ہے، اس کی پوری طرح خدمت کروں گا۔ لیکن اس کے علاوہ اسے علیحدہ ہر گنہ دے کر میں اپنے پیروں پر خود کلھاڑی نہ ماروں گا۔ ملک کے لئے میں نے بڑی مصیبت کے دن دیکھے ہیں۔“

یہ سن کر سلطان محمود خاں کچھ نہ کہہ سکا اور واپسی کی اجازت حاصل کی۔ جان بابا بھی اس خوف سے کہ [۱۷۰۵ء] کہیں اس کا بھائی اسے قتل نہ کرا دے واپس سمیجہ قبائل کے پاس چلا گیا اور [کچھ عرصہ کے بعد] شاہ قاسم، علی شیر اور ان جیسے دوسرے باقی ماندہ ارغونوں کو جوادھر ادھر منتشر ہو گئے تھے، جمع کر کے اور ایک قابل اعتماد لشکر تیار کر کے ٹھٹھے پر حملہ آور ہوا۔ اس طرف محمد باقی نے سپاہیوں اور خاص خلیوں سے کہا کہ ”دن آج ہی کا ہے۔ اگر فتح مند ہو گئے تو یہ ملک ہماری ملکیت ہے ورنہ دوسری صورت میں دوسرے جہان کا راستہ کھلا ہوا ہے اور آرام کے ساتھ وقت گزارنے کے لئے دوسری کوئی جگہ نہیں ہے۔“ پھر تو منکلی کے قبرستان اور شہر کے وسط میں خوفناک جنگ ہوئی۔ ملا بہبود جسے مرزا باقی نے اپنے محلات میں سے ایک میں

رکھا تھا قتل ہو گیا۔ [بالآخر] مرزا محمد باقی کے لشکر نے زبردست حملے کر کے جان بابا کو شکست دہدی۔ جان بابا ککوالہ کے حاکم ”ڈیسر“ کے پاس مدد کے لئے گیا لیکن وہاں سے خالی ہاتھ واپس ہو کر وہ پھر اپنے اعزہ ”سمیجہ“ قبائل کے پاس چلا گیا۔ دوسری مرتبہ پھر وہ انبوه کثیر ساتھ لے کر مرزا باقی پر چڑھ آیا۔ مرزا باقی بھی اس کا مقابلہ کرنے کے لئے دریا کے کنارے کنارے روانہ ہوا۔

شاہ قاسم ارغون کے شبخون کا ذکر (۱)

جب مرزا محمد باقی، جان بابا کے [لشکر کے] سامنے جا پہنچا تو اس کی فوج نے سابقہ فتح کے غرور میں جاہل اطمینان کے ساتھ خیمے نصب کئے اور بے فکر ہو کر [۱۷۷۰ء]

۱۔ اس شبخون کے بارے میں میر معصوم نے (ص ۲۱۲) اس طرح بیان کیا ہے کہ: ”بالآخر جان بابا ترخان نے سمیجہ اور سوڈھا قبائل کو جمع کر کے مرزا محمد باقی پر شبخون مارا۔ مرزا محمد باقی نے کشتی کے سرے سے خود کو دریا میں گرایا اور تیرتا ہوا جاکر ایک ڈونگی پر چڑھ گیا۔ سمیجہ کشتی میں گھس آئے اور آکر رائجہ بیگم (مرزا محمد باقی کی بیگم) کو قتل کر دیا۔ لیکن اس بارے میں میر علی شیر قانع کا بیان زیادہ درست ہے۔ یہ شبخون شاہ قاسم ارغون نے مارا تھا جسے ”خان زمان“ کے لقب سے پکارتے تھے۔ یہ واقعہ سمہ قبائل کے علاقہ کے متصل لاکھ قبائل کے گاؤں میں پیش آیا تھا جہاں مرزا محمد باقی نے چھاؤنی کی تھی۔ (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے ”بیکلار نامہ“ سندھی ترجمہ ص ۶۷-۷۳)

ان میں آرام کرتے لگی۔ مرزا بھی جنگ کے بغیر ہی بھائی کا خاتمہ کر دینے کا منصوبہ بنا رہا تھا کہ اسی اثنا میں اچانک ایک رات شاہ قاسم ارغون نے کثیر فوج کے ساتھ اس پر شبخون مارا۔ مرزا کا سارا لشکر غافل سو رہا تھا وہ منتشر ہو گیا۔ شاہ قاسم جو اپنے زمانہ میں شجاعت میں بے نظیر مشہور تھا وہ خود مرزا باقی کی کشتی پر جا پہنچا اور اس سے اپنے بھائیوں کے قتل کا انتقام لینا چاہا۔ مرزا باقی اپنے حرم کے ساتھ کمرہ کے اندر نیند میں محو تھا۔ وہ (شاہ قاسم) دروازہ پر پہنچا تو (مرزا محمد باقی کی) بیگم نے دونوں ہاتھوں سے دروازے بند کر لئے۔ مرزا محمد باقی نے جان کے خوف سے دوسرے دروازہ سے نکل کر فوراً دریا میں چھلانگ لگائی اور اس مردوں کی جیسی بہادر عورت نے شمعدان اٹھا کر اس زور سے شاہ قاسم کے منہ پر کھینچ مارا کہ مرتے دم تک اس کا نشان نہ گیا۔ آخر کار تاریکی میں اس عورت کو مرزا باقی سمجھ کر قاسم شاہ نے قتل کر دیا اور سارے لشکر کو تاخت و تاراج کر کے خوار و خراب کیا۔ اس طرف مرزا باقی کے دریا میں چھلانگ لگاتے وقت، خلیل خدمت گار نے جو خود بھی جان کے خوف سے پانی میں چھپا ہوا تھا، اسے پہچان لیا اور ”مرادیہ“ میر بحر سے کہہ کر ایک ڈونگی لے آیا اس پر سوار ہو کر وہ کنارے پر جا پہنچا۔ اس وقت تقارے ہاتھ نہ آئے چنانچہ اپنے منتشر لشکر کو جمع کرنے کے لئے ”علی پوٹوں“ کے گاؤں سے انہوں نے ڈھول مٹکا کر بجائے۔ دشمن مرزا کی سلامتی اور لشکر کے دوبارہ جمع ہونے کی خبر سن کر پیچھے ہٹے اور یہ ان کا تعاقب کر کے، انہیں دور تک بھگا کر کامیابی کے ساتھ

واپس آئے۔ خلیل [خدمت گار] اس خدمت کے معاوضہ میں لشکر اور نوکروں کا سردار اور خاص مہردار مقرر ہوا اور ”مراد یہ“ کو دریا کی سرداری عطا ہوئی۔ [۱۷۷۱ء]

قصہ کوتاہ، جب مرزا محمد باقی، جان بابا کو شکست دے کر (۱) مطہن ہوا۔ تو اس نے اپنے چھوٹے بھائی غالب

۱۔ جان بابا کے قتل کا واقعہ تاریخ معصومی (ص ۲۱۳) میں اس طرح بیان کیا گیا ہے: ”مرزا جان بابا اور یادگار مسکین مرزا پہلے ہی حملہ میں ککراہ کی طرف بھاگ گئے جو سمندر کے کنارے پر جام سہر (جام ڈیسر) کی اقامت گاہ تھا۔۔۔۔۔ مرزا محمد باقی نے ٹھٹھے کے ایک بڑے پیر سید علی [شیرازی] کو درمیان میں لاکر اور جان بابا و یادگار مسکین مرزا کو صلح کے ذریعہ قابو میں لاکر قتل کرا دیا“ بیگلار نامہ میں بھی یہ واقعہ قریب قریب اسی طرح مرقوم ہے۔ واضح ہو کہ جس جنگ میں جان بابا اور یادگار مسکین مرزا شکست کھا کر ککراہ بھاگ گئے تھے میر قانع نے اس [آخری] جنگ کا ذکر تحریر نہیں کیا ہے۔ یہ جنگ ماہ بیگم کی سرکردگی میں جسے بیگلار نامہ کا مصنف حاجی بیگم کے نام سے یاد کرتا ہے، سنہ ۹۷۷ھ میں مکلی کی پہاڑی پر واقع ہوئی تھی جس میں ماہ بیگم قید ہو گئی تھی اور جان بابا و یادگار مسکین ککراہ بھاگ گئے تھے۔ (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے بیگلار نامہ سندھی ترجمہ ص ۷۶-۷۹ اور تاریخ معصومی ص ۲۱۲-۲۱۳)

(۱) کو بھی فنا کے گھاٹ اتار دیا پھر بھائیوں کی فکر اور نگرانی سے آزاد ہو کر ظلم و استبداد کا کھرام برپا کر کے اس نے بزرگوں [۱۷۸] پر بھی ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیا ۔ ان میں سے شیخ ”بھری لنگ“ کو جن کی تعریف آگے چل کر بیان ہوگی ، خفیہ طور پر قتل کرا دیا ۔ اس کے بعد [اس نے] شیخ میرک عبدالوہاب پورانی (۲) کو ، جو وہاں کے پیر تھے اور

۱ - مرزا عیسیٰ کے بیٹے ”غالب“ کا ذکر تاریخ کی کسی بھی کتاب میں نہیں ملتا البتہ جیسا کہ پچھلے حاشیہ میں بیگلار نامہ کے حوالہ سے تحریر کیا جا چکا ہے مرزا عیسیٰ کے ابراہیم اور جوہر نامی دو بیٹے تھے لیکن وہ باپ کی زندگی ہی میں فوت ہو گئے تھے ۔ مرزا صالح بھی جیسا کہ بیان ہو چکا ہے باپ کی زندگی ہی میں قتل ہو گیا تھا ۔ اس لئے مرزا عیسیٰ کے بعد اس کے صرف دو بیٹے مرزا باقی اور جان بابا باقی بچے تھے ۔ واللہ اعلم ۔

۲ - اس بزرگ کا نام تاریخ معصومی (ص ۱۱۴-۱۱۵) میں میرک عبدالرحمن لکھا ہے اور ان کی شہادت کا سبب اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ : ”سنہ ۵۹۹۲ھ میں سلطان خواجہ کا بھائی شاہ خواجہ حج سے واپسی کے موقع پر ہرمز کی راہ سے ٹھٹھے آیا اور آکر شیخ عبدالرحمن ولد شیخ میرک کے گھر سہمان ہوا ۔ میرک عبدالرحمان سے جس قدر ہوسکا انھوں نے اس کی سہمان نوازی اور تواضع میں مبالغہ کیا ۔ [چنانچہ] شاہ خواجہ نے عام پناہ کے دربار میں پہنچنے کے بعد مذکورہ میرک کے پاس بڑا نوازش آمیز خط بھیجا اور یہی بات اس بزرگ زادہ کی شہادت کا باعث ہوئی۔

ہر آنے جانے والا جن کے دسترخوان سے فیض یاب ہوا کرتا تھا، محض اس وہم میں کہ وہ باہر کے آدمیوں کی معرفت حکومت حاصل کرنے کی خواہش رکھتے ہیں، [قتل کر دینے کا] حکم دیا، جس پر قاضی خمیسو نے عید کے دن جب کہ وہ عید گاہ سے واپس آرہے تھے انہیں قتل کر دیا۔ حالانکہ شیخ مذکور نے اس کی تخت نشینی کے لئے بڑی کوشش کی تھی۔ [اسی طرح] خلیفہ سید عبدالوہاب عباسی کو، کہ عام آدمی جن کے بے حد معتقد تھے، خلیل مہردار کے ہاتھوں ”والدارالآخرہ“ خیر [واقعی]“ (بے شک آخرت کا گھر ہی بہتر اور دائمی ہے) کی طرف روانہ کیا۔

کہتے ہیں کہ خلیفہ کے فرزند مسمی صادق نے باپ کے قتل ہونے پر [مشتعل ہو کر] خلیل پر تلوار کا وار کر کے اس کی ناک اڑا دی تھی، چنانچہ وہ جب تک زندہ رہا موم کی ناک لگائے رہا اور عیب چھپانے کے لئے آنکھوں پر جس طرح آنکھیں آجانے پر لوگ کپڑا ڈالے رھتے ہیں اسی طرح ایک رنگین کپڑا ڈالے رمتا تھا۔ [آخر میں] اس صادق کو بھی اس کے باپ کی طرح [۱۷۹] ٹھکڑے لگا دیا گیا (قتل کر دیا گیا)۔ [خلیفہ مذکور کا] دوسرا بیٹا محمد ہاشم بھی گھوڑے اور ہتھیاروں سمیت دریا میں غائب ہو گیا اور اس کا کوئی پتہ نہ چلا۔ [غرض] اس نے (مرزا باقی نے) نزرگوں کی خانہ بربادی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ [کچھ دنوں کے بعد] شہر کے خورد و کلاں کو شہر کے باہر نکال کر اس نے کہا کہ ”جو لوگ ہماری حکومت کے بد خواہ ہیں انہیں ہمارے شہر میں نہ رہنا چاہئے“۔ سید علی شیرازی کے فرزند جناب سید جلال کو



بھی جو اس کے بھائی مرزا خالص کے داناد تھے ، اس نے شہر میں نہ رہنے دیا ۔ باہر کے کسی [معزز شخص] کو اگر ملاقات کے لایق سمجھتا تھا تو اسے بلا کر بظاہر اس سے بڑی خندہ پیشانی سے پیش آتا تھا لیکن پھر اسے دریا کی سیر کرانے کے بہانے ”مرادیہ“ میر بحر کے حوالہ کر دیتا تھا، جو اسے ایک نہایت پر تکلف کشتی میں بٹھا کر اس کی کشتی حیات کو گرداب اجل میں غرق کر دیتا تھا ۔ یہ سب اس لئے کیا جاتا تھا کہ کہیں کوئی شخص ملک کی حالت کی خبر باہر نہ پہنچا سکے ۔ چنانچہ جس شخص کو ملاقات کے لایق خیال نہ کرتا تھا اس کا باہر ہی خاتمہ کرا دیتا تھا ۔ جس شخص کے پاس جو چیز دیکھتا تھا اسے زبردستی چھین لیتا تھا ۔ غلہ قلعہ کے اندر جمع کیا جاتا تھا ۔ کتنا ہی اناج سڑ کر ضایع ہو جاتا تھا لیکن وہ اسے باہر نہ نکالتا تھا ۔ اس نے سارے ملک [کی زمینوں] کو خالصہ (۱) قرار دیا تھا اور فصل تیار ہونے پر [وہاں] چوکیدار مقرر کر دیتا تھا ۔ ایک دن اس کے وکیلوں نے اس سے عرض کیا کہ ”قلعہ میں غلہ رکھنے کی ذرا بھی جگہ باقی نہیں رہی ہے اور پرانے [۱۸۰] غلہ کے اوپر نیا غلہ رکھنے سے اس کا بیشتر حصہ سڑ جانا ہے ۔ اس

۱ ۔ خالصہ = خلاصہ یا لجی ۔ پرانی اصطلاح میں ”جاگیر“ کی ضد کے طور پر استعمال ہوتا ہے ۔ ”یہ ہر گنہ خالصہ ہے“ سے مراد یہ کہ یہ علاقہ براہ راست والی ملک کی ملکیت ہے اور کسی کی جاگیر نہیں ہے ۔ یہاں معلوم ہوتا ہے کہ مرزا محمد باقی نے سارے جاگیر داروں سے جاگیریں جھین کر اپنے قبضہ میں کر لی تھیں ۔

لئے اگر اجازت ہو تو کچھ حصہ تقاضی کے طور پر تقسیم کر دیا جائے تاکہ آئندہ فصل تیار ہونے پر اس سے پورا فائدہ حاصل کیا جائے۔ اس نے کہا کہ ”اس کا جواب رات کو معلوم کرنا۔“ رات کو اس کے حکم پر کچھ مٹی کی روٹیاں پکائی گئیں اور کچھ اس سڑے ہوئے غلہ کی۔ ان کو دسترخوان پر رکھوا کر اس نے ان لوگوں کو بلایا۔ مذکورہ لوگوں نے جب دسترخوان کا یہ حال دیکھا تو سڑے ہوئے اناج کی روٹیوں کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ [مرزا باقی نے] کہا کہ ”مٹی کی روٹیاں کیوں نہیں کھاتے ہو۔“ انھوں نے جواب دیا کہ ”مٹی کی روٹی آدمی کیسے کھا سکتا ہے؟“ [مرزا نے] کہا کہ ”جب وقت پر ایسا غلہ بھی کام آسکتا ہے تو مجھے اس کے پھینک دینے کے لئے کیوں کہتے ہو۔“ شاید ہمایوں بادشاہ کی آمد کا زمانہ تم فراموش کر چکے ہو۔“ [مرزا باقی] جس کارندے پر غضبناک ہوتا تھا اسے ٹکڑے ٹکڑے کرا کے اور خوانوں میں رکھوا کر اس کے گھر بھجواتا تھا۔ اس طرح اپنے مظالم سے اس نے ملک میں اندھیر مچا رکھا تھا۔

کچھ عرصہ کے بعد اسے خبر ملی کہ مجاہد خان نامی ایک امیر نے جلال الدین اکبر بادشاہ کی جانب سے ہکھر پر فوج کشی کی ہے۔ [چنانچہ اس نے] فی الفور اپنی بیٹی سید جلال شیرازی کے ہاتھوں اس بادشاہ کی کنیزی کے لئے بھیج دی تاکہ اس حیلہ سے اپنے آپ کو بچا سکے۔ اتفاقاً اس سے ایک ہی صحبت کے بعد بادشاہ نے فرمایا کہ ”یہ باقی خونی کی بیٹی ہے اسے حرم سے باہر رکھو۔“ [اس پر] ان ارغون سرداروں نے جو در بدر ہو کر وہاں پہنچے تھے خاندانی ننگ کا خیال

کر کے سفارشیں کرا کے آئے وہاں سے اس کے باپ کے پاس واپس بھیج دیا۔ مرزا باقی ان کا بے حد مشکور ہوا اور انہیں اپنے پاس بلا کر بڑی عزت و تعظیم سے پیش آیا۔

[اس طرف] مجاہد خان نے سلطان محمود خان کو محاصرہ

میں لے کر فوج کے ایک دستہ کو بکھر سے سیوستان روانہ

کیا۔ [دوسری طرف] مرزا محمد باقی نے اپنے [بڑے] بیٹے

ہائندہ مرزا کو اس کے بیٹے [۱۸۱] جانی بیگ اور شمس کشمیری

کے ساتھ سیوستان پر مامور کیا۔ مرزا جانی بیگ نے کم سن

ہونے کے باوجود سن رسیدہ آدمیوں کے جیسے کارنامے کر دکھائے

اور ان اطراف کی مناسب حفاظت کی۔ [مرزا باقی نے] اپنے

[دوسرے] بیٹے شاہ رخ کو علی شیر کوکہ کے ساتھ نصیر پور

میں، تیسرے بیٹے مظفر ترخان کو علی خان کوکہ کے ساتھ

بدین اور چاچکان کے پرگنہ میں اور مرزا محمد ترخان اور قاسم

علی سلطان ساربان کو نیروں کوٹ کے علاقہ میں مامور کیا

اور خود ٹھٹھہ میں [بدستور] مقیم رہا۔ پھر بندرگاہوں پر معتمد

افراد اور [ہر طرف] سمجھ دار جاسوس مقرر کر کے اس نے ایسا

انتظام قائم کیا کہ امرا، فرزندان اور رعایا کے حالات اسے

ہر ہفتہ معلوم ہوتے رہتے تھے۔

کہتے ہیں کہ انہی دنوں میں ایک ایلچی اکبر بادشاہ

کا نشان اور چند جوڑ کبوتروں کے لیے کر اس کے پاس آیا۔

اس پر اس نے وزیروں سے کہا کہ ”کبوتروں کے جوڑے

بھیجنے سے مراد یہ ہے کہ اس نے مجھ سے ان کے دانہ کا

خرچ طلب کیا ہے۔“ کچھ عرصہ کے بعد اس ایلچی کو عزت

و احترام کے ساتھ رخصت کر کے اور کامل گٹوں کے بیج اور

موٹھ کی جڑوں جیسے خود رو ہودے تھیلیوں میں رکھ کر [خدمت عالی میں] بھیجنے کے بعد انتہائی عجز و انکساری کے ساتھ عرض گزار ہوا کہ ”حضور اعلیٰ نے کبوتروں کے چند جوڑے عنایت فرما کر مجھ جیسے مور ناتواں کو شاہین کا مرتبہ عطا کیا ہے، لیکن میں ان کے دانہ کی فکر میں حیران ہوں کیونکہ اس زمین پر جو کچھ پیدا ہوتا ہے وہ ان کے دانہ کے لایق نہیں ہے جیسا کہ نظر انور کے مشاہدہ سے گزرے گا۔ چنانچہ حضور کی ہندہ پروری سے یہی امید ہے کہ اس کے بعد حضور اعلیٰ خاص توجہ فرما کر اس غیر آباد گوشہ کی طرف کچھ قوت گذران جیسی شے کی نوازش فرمائیں گے“ [۱۸۲]

میر محمد طاہر اپنی تاریخ میں مولانا جمال الدین سے جو مرزا کے مقربین میں سے تھے، نقل کرتا ہے کہ ”ایک دن میری نظر سے روزنامچہ گذرا [جس میں نظر آیا] کہ مولانا میر نے مرزا کا بخل دیکھ کر گھوڑوں کی لید میں سے نکلنے والے سالم غلہ کے عوض سائیسوں پر ہر فصل میں کچھ خوار غلہ کے مقرر کئے تھے۔ اس خدمت کے عوض مرزا اس پر بے حد مہربان ہوا اور وہ ہزاروں توپچیوں اور توپ خانہ کی سرداری کے مرتبہ کے علاوہ ”آتش خان“ کے لقب سے بھی سرفراز ہوا“

غرض اس کی (مرزا باقی کی) نا شائستہ حرکات پر شمار ہیں کہیں تک ان کا ذکر کیا جائے! [ملک کی] سرحدوں کا انتظام کرنے کے بعد آرام کے ساتھ وہ اپنے سامنے ملک کی آمدنی اور خرچ کا دفتر کھول کر بیٹھ گیا۔ پھر کوئی دن بھی داڑھیاں نچوانے، ناک اور کان کٹوانے اور ہاتھیوں کے پیروں میں ہندھوا کر شہر کے گلی کوچوں میں پھروانے کی

تعزیرات سے خالی نہ جاتا۔ جس کی وجہ سے اب لوگوں کے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھنے لگے اور دکھیارے دل خدا سے قرباد کرنے لگے۔ اچانک اس کے بیٹے شاہ رخ کی موت کی خبر آئی۔ اس پر اس نے حرم سرا کی عورتوں کی شلواریں میں بیلٹیاں چھڑوائیں اور ان کے پستان کٹوا دیئے اور مردوں کو ہاتھی کے پیروں سے بندھوا کر کوچوں اور بازاروں میں گھسٹوایا۔ وہ کہتا تھا کہ ”انہوں ہی نے میرے بیٹے کو مجھ سے جدا کیا ہے!“ بالآخر جل بہن کر اس کی جگہ پر اس نے [شاہ] قاسم ارغون کو نصر پور روانہ کیا (۱)۔ [۱۸۳]

۱۔ بے حد تعجب ہے کہ جس شخص (مرزا باقی) کے بے انتہا ظالم ہونے پر میر معصوم اور میر قانع دونوں متفق ہیں بیگلار نامہ کا مصنف اس کی بے حد تعریف کرتا ہے وہ لکھتا ہے کہ ”مرزا محمد باقی انتہائی دانا، عاقبت اندیش اور منصف مزاج حکمران تھا۔ وہ موجودہ حالات سے آہندہ ہوش آنے والے حالات کا اندازہ کر سکتا تھا۔ ملکی انتظام قائم رکھنے میں بے نظیر تھا۔“

اس کی حکومت میں رعایا نے امن و امان اور آسودگی کے ساتھ وقت گزارا۔ کسی بھی بیرونی امیر نے اس کے عہد حکومت میں ہندہ پر حملہ نہیں کیا۔ فقرا اور درویشوں سے خاص عقیدت رکھتا تھا اور علما و سادات کی بڑی تعظیم کرتا تھا۔ مذہبی رہنماؤں اور طالب علموں کو طرح طرح کے انعامات اور بخششوں سے سرفراز کرتا رہتا تھا۔ رعایا میں افلاس اور بیروزگاری عفا تھی۔ لشکر کو تنخواہیں

بالآخر [جب] دلوں کا دھواں آسمان پر جا کر چھا گیا اور اس پر اجل کے تیروں کی بارش ہونے لگی تو اسے اپنی جان کا خوف ہونے لگا۔ اس کے پانی اور کھانے پر اس کے خاص معتمد ملک، احمد کی مہر ہوا کرتی تھی۔ ویسے اس نے اپنی جان بچانے میں کوئی احتیاط اور کوشش باقی نہیں رہنے دی۔ لیکن چونکہ تقدیر اپنا کام کر چکی تھی اور ایک جہان کا خون اس کی رگ حیات میں نشتر بن کر چبھ چکا تھا اس لئے ایک رات بے اختیار پلنگ سے اٹھ کر اور شمع بجھا کر اس نے اپنی خاص تلوار میان سے نکالی اور اس کی نوک اپنے پیٹ پر اور قبضہ کھڑکی کے طاق میں اڑا کر اس طرح زور دیا کہ ٹوٹے ہوئے دلوں کی دعاؤں کے تیر کی طرح تا ' اس کی پیٹھ کے پار نکل گئی۔ اپنے ہی ہاتھوں اپنا کام تمام کر کے اور آنتیں ہاتھ میں لے کر وہ دیوان خانہ میں چند قدم چلا اور پھر گر کر مرد ہو گیا۔ اس کی پر اسرار موت [کے سلسلے] میں کئی جانے پہچانے آدمی الزام کے تحت گرفتار ہوئے۔ یہ بھی اس کے ظلم کی نشانی ہے کہ مرنے کے بعد بھی وہ اس سے باز نہ آیا۔ یہ واقعہ سنہ ۵۹۹۳ھ میں وقوع پذیر ہوا۔

اس کی قبر مکی کی پہاڑی پر مشہور و معروف درگاہ

[بقیہ حاشیہ ص ۲۳۰]

اور خوراک وغیرہ باقاعدگی سے ملتی رہتی تھی۔ ملک کی زراعت اور پیداوار کی طرف، وہ خاص توجہ دیتا تھا اور پورے ہوش اور دانشمندی کے ساتھ کاروبار مملکت انجام دیا کرتا تھا۔ (بیگلار نامہ ترجمہ سندھی ص ۱۴)۔

میں واقع ہے۔ اس کا کل عرصہ حکومت ۱۳ سال تھا۔ [۱۸۴] [اس کے بعد] امرا نے باہم مشورے کر کے اس کے بڑے بیٹے ہائندہ بیگ کو حکمرانی کے لئے منتخب کیا۔ لیکن چونکہ وہ خود گاؤدی تھا اور اس کا بیٹا جانی بیگ ایک عقل مند نوجوان تھا، اس لئے اسے باپ کا قانونی مشیر مقرر کر کے اور کاروبار مملکت اسی کے تحت رکھنے کی تجویز کر کے انھوں (امرا) نے دونوں (باپ بیٹوں) کو سیوستان سے بلوایا۔ اس طرف مرزا مظفر خان بھی ایک ہی دن میں بدین سے آ پہنچا۔ امرا نے اسے شہر کے باہر ہی ٹھہرائے رکھا تا آنکہ تیسرے دن ہائندہ بیگ اور جانی بیگ بھی آ پہنچے۔

### مرزا جانی بیگ

مرزا جانی بیگ جب خلیل مہر دار، خسرو چرکس، ملک محمد فرخی، شمس الدین سلطان، ملک جمال الدین اور دیگر امرا کے فیصلہ کے مطابق اپنے باپ کی زندگی ہی میں کاروبار مملکت کے سپاہ و سفید کا مالک ہوا تو سیاست کے طور پر اس نے خود کشی کرنے والے مرزا کے ”قتل“ کے ”مازموں“ کو دوبار میں طامب کیا۔ ”دریائی آبدار“ کو چٹائیوں میں لپیٹ کر جلوا دیا۔ توشہ خانہ کے محافظوں کو آرمے سے چیرا کر سر سے پیر تک دو ٹکڑے کرا کے اور ہر حصہ کا قیمہ کروا کر گلیوں اور بازاروں میں پھنکوا دیا۔ بعض ہندوؤں کو سنگسار کرا دیا۔ ملک احمد کو بازار میں بٹھا کر اور سر سے لے کر پیروں تک کی اس کی کھال کھنچوا کر اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے کتوں کے سامنے پھنکوا دیا۔

آفرین ہے ملک احمد کی بہادری پر، اس کی کھال پیر

کے ناخنوں سے لے کر اتارے ہوئے سر کی کھال سمیت چہرہ تک آئے لیکن اس نے نہ اف کی اور نہ اپنی جگہ سے ہلا۔

مرزا مظفر جو شہر سے باہر عالی جان [کے کنارے] منزل انداز تھا، اس سیاست سے خائف ہو کر اپنے وکیل علی خان کو ساتھ لے کر جو تخت نشینی کے لئے [۱۸۵] گھوڑے کی قمچیاں ساتھ لایا تھا، ایسی گھبراہٹ میں تیزی کے ساتھ بدین واپس چلا گیا کہ اس کا کتنا ہی ساز و سامان اور فرش و غالیچے وغیرہ وہیں رہ گئے۔ بدین پہنچ کر وہ فوج کشی کی تیاری کرنے لگا۔

### مرزا جانی بیگ کا اپنے چچا مظفر خان پر حملہ (۱)

مرزا جانی بیگ نے جب یہ سنا کہ اس کا چچا بدین میں فوج کشی کی تیاریاں کر رہا ہے تو اس نے امرا سے کہا کہ جب تک یہ فساد ختم نہ ہوگا حکومت چلانا مشکل ہے۔ چنانچہ اس مہم کا دفعیہ سوچ کر وہ ادھر روانہ ہوا۔ اس طرف مرزا مظفر نے، علی خان کو کہہ سے جنگ کا مشورہ کر کے باقی کام کل ہر ملتوی کیا تھا کہ رات کے وقت مرزا جانی بیگ نے بدین کے مغلوں کو لکھ بھیجا کہ ”اگر مرزا مظفر کامیاب ہو گیا تو ضرور وہ اپنے اعزہ یعنی کتچھی راجپوتوں کو تم پر ترجیح دے گا۔ جس کی وجہ سے تمہاری زندگی تلخ ہو جائے گی۔ [البتہ] ہماری طرف سے انشاء اللہ تمہاری ساری امیدیں پوری

۱۔ بیگلار نامہ (ص ۱۳۳-۱۳۵) کے مطابق مظفر ترخان کو

بدین میں شاہ قاسم ارغون عرف ”خان زمان“ نے شکست

دی تھی۔



ہونگی ۔ اگر اس وقت اس سے علاحدہ ہونا مناسب نہیں سمجھتے تو کل صبح جنگ کے موقع پر اپنے خاص آدمیوں سمیت الگ ہو جانا۔ اس طرح پختہ وعدوں کے ساتھ اس نے ان لوگوں کو اپنی طرف ملا لیا ۔

دوسرے دن جب جنگ کی نوبت بجی اور دونوں جالب سے جنگ کی آگ کے شعلے بھڑکنے لگے تو مرزا جانی بیگ کے لشکر نے مرزا مظفر کے آدمیوں کو جو زیادہ تر کتچہ کے [۱۸۶] راجپوت تھے ، آ کر دست بدست تلوار کی جنگ میں گھیر لیا ۔ مرزا مظفر نے بدین کے مغلوں کو جنگ کے لئے بے حد جوش دلایا لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا ۔ آخر کار [اپنے] لشکر کا نفاق اور مرزا کی فوج کا غلبہ دیکھ کر اس نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ ”تم بدستور جنگ میں مشغول رہو میں اپنی والدہ اور متعلقین کو ساز و سامان سمیت کچھ دور تک بھیج کر واپس آتا ہوں۔“ [یہ کہہ کر] تیزی کے ساتھ بھاگ کر اس نے ”کتچہ“ کی راہ لی ۔ مرزا جانی بیگ کے حکم پر اس کا اور اس کے ہمراہیوں کا سارا سامان جو لوگوں کے گھروں میں رہ گیا تھا سواریوں پر بار کرا کے اس کے پیچھے بھیج دیا گیا ۔ خود [مرزا جانی بیگ] قلعہ میں داخل ہوا اور مغلوں سے مہربانی کے ساتھ پیش آ کر ان پر وعدے سے بھی زیادہ نوازشیں کیں اور ان کی جاگیروں میں اضافہ کیا اور رعایا کے دلوں پر سابقہ مرزا (مرحوم مرزا باقی) کے زمانہ میں لگے ہوئے زخموں پر [اس نے] نوازشوں کا سرہم رکھا ۔ مرزا مظفر نے جا کر کتچہ کے والی بھاری رائے کے پاس پناہ لی ۔

مرزا جانی بیگ مظفر و منصور ہو کر ٹھٹھ واپس آیا اور

آ کر مرزا باقی کا سارا جمع کیا ہوا خزانہ لشکر اور امرا میں تقسیم اور حقداروں میں خرچ کیا، جس کی وجہ سے مرزا باقی کے زمانہ کے پہونچے ہوئے زخم لوگوں [کے دلوں سے] مندمل ہونے لگے اور اس کی سخاوت اور بخشش کی نسیم سے لوگوں کے دل اس طرح کھلنے لگے جیسے نسیم بہار سے باغوں کے غنچے کھلتے ہیں۔ اس نے عرب کوکہ، یعقوب علی کوکہ اور رستم بیگ جیسے اپنے خاص خلیوں کو بلند مراتب سے نوازا اور ملا گدا علی ابن مہتر علی کو ”بھائی خان“ کا لقب دے کر اپنا وزیر بنایا۔

کہتے ہیں کہ ٹھٹھے میں اس سے پیشتر ”ضرب خانہ“ کا رواج نہیں تھا۔ زیادہ تر فرنگی مہر والی اشرفی اور چھوٹی اور لمبی ”لاری“ کے سکے مروج تھے۔ لیکن مرزا عیسیٰ نے تانبے کا پیسہ ایجاد کیا تھا جسے ”عیسائی“ کہتے تھے۔ جانی بیگ نے اسے گھٹا کر [۱۸۷] اس کا نام ”میری“ رکھا، اُسکے وزن میں بھی اس نے کمی کردی۔ جس سے دانا لوگوں نے بڑی فال نکالی اور ہوا بھی ایسا ہی۔

صادق محمد خان کی آمد

جب مرزا باقی کی موت، مرزا پایندہ بیگ کی تخت نشینی اور اس کے بیٹے جانی بیگ کی مدارالمہامی کی خبریں ہندوستان کے شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر کے حضور میں پیش کی گئیں تو ایک فرمان جاری ہوا جس کا مضمون یہ تھا۔ ”جس صورت میں قدیم زمانہ سے لے کر تم ہمارا خطبہ پڑھنا لازمی سمجھتے آئے ہو، اس صورت میں بہتر ہے کہ آج کے بعد سکھ، شایان شان تحائف اور ہدایہ پیش کرنا بھی شامل کر کے اپنا نام

غلاموں [کی فہرست] میں داخل کراؤ۔ اس فرمان کے ساتھ صادق محمد خان بھی لشکر جرار کے ساتھ اس علاقہ کے لئے مامور ہوا۔ مرزا جانی بیگ نے لکھا کہ ”ہم قدیم زمانہ سے [حضور کے] غلام ہیں، جس طرح ہم خطبہ کو اپنے پر فخر چہرہ کی رونق سمجھتے ہیں اسی طرح سکھ کو بھی اپنی سرفرازی کا سرمایہ تصور کریں گے باقی رہا نذرانہ تو یہ خود بھی غلاموں کے لئے اعتماد کا سامان ہے لیکن چونکہ کافی عرصہ سے یہ ملک [خدا کی] دین سے محروم رہا ہے۔ اس لئے نوازش فرما کر کچھ مہلت عطا فرمائیں تاکہ، جیسا غلاموں کو زیب دیتا ہے، شایان شان تحائف دستیاب کر کے اپنے بھائی مرزا شاہ رخ کے ہاتھوں حضور میں پہنچاؤں“ (۱)

اسی اثنا میں صادق محمد خان نے آکر قلعہ سیوستان کا محاصرہ کر لیا، کھوریو رائے وغیرہ اور جو لوگ اس قلعہ میں رہتے تھے [۱۸۸] انہوں نے ایسی زبردست جنگ کی کہ حملہ آوروں نے عاجز آکر اور صف بندی کی جنگ میں کامیابی نہ دیکھ کر شہر کے مکانات میں (۲) سرنگ لگانے کا حکم دیا اور یہ خیال کیا کہ اندر رہنے والوں کو اس کی خبر نہ ہوگی۔ لیکن اندر والوں نے صرف بات سنتے ہی پہلی دیوار سے بھی

۱۔ یہ ”شاہ رخ“ مرزا ہاپندہ بیگ کا بیٹا اور جانی بیگ کا

بھائی معلوم ہوتا ہے جس کا ذکر اس سے پیشتر کہیں بھی

نہیں آیا ہے۔ صفحہ ۲۳۰ پر جس ”شاہ رخ“ کا ذکر آیا

ہے وہ مرزا باقی کا بیٹا تھا اور جیسا کہ بیان ہو چکا ہے

وہ مرزا باقی کے زمانہ ہی میں فوت ہو چکا تھا۔

۲۔ مراد قلعہ کی دیوار میں جیسا کہ آگے چل کر واضح ہے۔

زیادہ مضبوط دیوار بنا کر کھڑی کر دی۔ چنانچہ جب صادق محمد خان نے سرنگ کو آگ لگوائی اور بیرونی دیوار فرش پر آگری تو [اس کے پیچھے سے] اس سے بھی زیادہ مضبوط دیوار ظاہر ہوئی۔ اس نے اہل قلعہ کی عقل پر آفرین کہا اور اس کی تسخیر کو قوت سے باہر خیال کیا۔ اس کے بعد ہی جب مرزا جانی بیگ بھی اس طرف [ان کی مدد کے لئے] آ پہونچا تو پوری طرح مایوس ہو کر وہ تیزی کے ساتھ پیچھے ہٹا اور تعاقب کے خوف سے جا کر بکھر میں دم لیا (۱)۔ مرزا جانی

۱۔ میر معصوم اس بارے میں (ص ۲۳۸-۲۳۹) لکھتا ہے کہ: ”سیوہن کا محاصرہ جاری تھا کہ مرزا جانی بیگ بری اور بھری فوج کے ساتھ سیوہن سے چھ کوس کے فاصلہ پر پہونچ کر دریائے سہران کے کنارے خیمہ زن ہو گیا۔ محمد صادق خان محاصرہ چھوڑ کر مرزا جانی بیگ کی طرف متوجہ ہوا۔ کوہ لکی کے سامنے آنے پر مرزا جانی بیگ کے غرابوں (جنگی جہازوں) نے مقابلہ پر آ کر محمد صادق خان کے لشکر پر توپیں اور گولے سر کرنے شروع کر دیئے۔ اسی طرح بہت دنوں تک فریقین ہمسری کے ساتھ ایک دوسرے سے جنگ کرتے رہے اسی اثنا میں بادشاہ کا فرمان آ پہونچا کہ ”مرزا جانی بیگ نے بارگہ میں شاہان شان تعائف پیش کر کے عجز و نیاز اور خلوص ظاہر کیا ہے“۔ چنانچہ محمد صادق خان بکھر لوٹ گیا اور کچھ عرصہ ہند عالم ہناہ کی بارگہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

نہیں کہا جا سکتا کہ میر معصوم نے جو اکبری دربار کا ایک امیر تھا حق نمک ادا کرتے ہوئے اس طرح اکبری

[بقیہ حاشیہ ص ۲۳۸ پر]

بیگ نے مرزا شاہ رخ کو شایان شان تحائف دے کر [شہنشاہ اکبر کے] حضور میں روانہ کیا اور مطہن و بے فکر ہو کر بیٹھ رہا۔ [۱۸۹]

### نواب خان خاتان کی آمد

حضور جلال الدین محمد اکبر نے صادق خان کی [بے نیل و مرام] واپسی پر غضبناک ہو کر سنہ ۹۹۹ھ میں عبدالرحیم خان خاتان ابن بیہم خان کو مامور فرمایا (۱)۔ یہ خبر سن کر مرزا جانی بیگ بڑی اور بھری لشکر کے ساتھ تحصیل نصر پور کے موضع ”بھوری“ میں آیا اور گہری خندقیں کھدوا کر اور

(بقیہ حاشیہ ۲۳۷ ص)

نواب کی پیشانی سے شکست کا داغ دھونے کی کوشش کی ہے۔ یا میر قانع نے ٹھٹھے کا باشندہ ہونے کی وجہ سے خواہ مخواہ ٹھٹھے کے نواب کی شجاعت کا گیت گا کر اسے بڑھایا ہے۔ بہر حال بیکلار نامہ کا مصنف میر قانع کی اس بارے میں قائلید کرتا ہے ملاحظہ ہو صفحہ ۱۳۷ بیکلارنامہ سندھی ترجمہ۔

۱۔ میر معصوم نے (ص ۲۵۰) شہنشاہ اکبر کے غضبناک ہونے کا دوسرا سبب بیان کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب بادشاہ لاہور میں تشریف فرما ہوا تھا تو مرزا جانی بیگ نے مرزا شاہ حسن کے نقش قدم پر چلتے ہوئے پوری طرح فرمانبرداری کی شرطیں ادا نہ کی تھیں اور خود مختاری کا دم بھر رہا تھا۔ اس لئے بادشاہ نے نواب خان خاتان کو ملک ٹھٹھے کی تسخیر کے لئے اور بلوچوں کو زیر ضابطہ لانے کے لئے مقرر فرمایا تھا۔

[وسط میں] ایک چھوٹا لیکن مضبوط قلعہ تعمیر کرا کے اس میں اقامت پذیر ہوا۔ [اس کے بعد] رستم بیگ کو ایک فوج دے کر سیوستان بھیجا، تاکہ وہ اس قلعہ کو مستحکم کرے اور قلعہ کے باہر کے مکانات مسمار کر کے ہموار کر دے۔ حالانکہ اس نے یہ سب کچھ کیا لیکن کوہ لکی کی طرف، جو شہنشاہ کی گوج کا راستہ تھا، اس نے کوئی توجہ نہ کی۔ بے شک جب زوال آتا ہے تو ہوش و حواس پراگندہ اور عقل خطا کر جاتی ہے۔

مرزا خان خانان جب کوہ لکی میں جا پہنچا اور اس نے وہاں وہ تنگ اور ہر پیچ راستہ دیکھا، جس سے ایک سوار بھی مشکل سے گذر سکتا تھا اور جس پر اگر وہ (مرزا جانی بیگ کے فوجی) ذرا بھی توجہ کرتے تو ایک شخص بھی وہاں تنہا ہزاروں کا صرف اینٹوں اور پتھروں سے مقابلہ کر سکتا تھا، اس نے حیران ہو کر کہا کہ ”جب دشمنوں نے ایسا راستہ ہمارے لئے کھلا چھوڑ دیا ہے تو انشاء اللہ جلد ہی ان کا کام تمام ہوگا۔“ پہلے اس نے قلعہ سیوستان فتح کرنا چاہا لیکن پھر یہ خیال کر کے کہ جب تک ملک کا مالک اور پایہ تخت زیر نہ ہو [۱۹۰] اس مٹی کے ڈھیر سے کیا حاصل ہوگا، اس نے سلطنت کے فرمان روا اور اس کے پایہ تخت پر قبضہ کرنے کا مصمم ارادہ کیا۔ چنانچہ ایک دستہ کو قلعہ سیوستان کے محاصرے پر مامور کر کے اور اسی پر بیچ راہ سے پورے لشکر کے ساتھ گذر کر مرزا جانی بیگ کی طرف یلغار کی۔ [ان کے] اس درہ سے [سلاست] گذر آنے پر مرزا جانی بیگ نے بڑا قاسف کیا۔ لیکن اب معاملہ ہاتھ سے نکل چکا تھا افسوس

یہ کیا ہوتا؟ مرزا خان خانان نے نہایت کامیابی کے ساتھ کچھ ہی عرصہ میں بہ جاہ و حشم مرزا جانی بیگ کے قلعچہ کے سامنے پہنچکر چھاؤنی استادہ کی ۔

کہتے ہیں کہ جب خانخانان اس مشکل مہم کو سر انجام دینے کے لئے مامور کیا گیا تھا تو وہ صادق خان کی [نا کام] واپسی سے فکر مند ہو گیا تھا اور جو بھی اہل اللہ اسے نظر آتا تھا، اس سے وہ اپنی فتح مندی کے لئے دعا کی درخواست کرتا تھا ۔ ایک بزرگ سے نقل ہے کہ کسی اہل اللہ نے اسے بتایا کہ حال ہی میں جناب کرامت مآب شیخ الشیوخ مخدوم نوح ہالاکنڈی (ہالا) علیہ الرحمۃ نے ہالاکنڈی (ہالا) میں انتقال کیا ہے، اگر ان کی فاتحہ خوانی کے لئے پہلے تم جا پہنچے تو تم مظفر و منصور ہو گے، لیکن اگر مرزا جانی بیگ پہلے جا پہنچا تو وہ فتح یاب ہو گا۔ خدائے پاک کی تائید کا اتفاق دیکھئے کہ جانی بیگ اس قدر نزدیک ہوتا ہوا بھی اس بخشش رحمانی کے خزانہ کی کنجی (مخدوم نوح) کی فاتحہ خوانی کے لئے ابھی پہنچنے نہ پایا تھا کہ (خان خانان) اس سے پہلے ہی بازی لے گیا ۔

### جنگ کی کیفیت

جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے قریب ڈٹ گئے تو کتنے ہی مہینوں تک ان کے درمیان خشکی اور دریا میں اس قدر ہولناک جنگیں ہوتی [۱۹۱] رہیں جن سے شیروں کے ہتے بھی ہانی ہوتے تھے۔ دونوں جانب سے [کثیر] کار آمد آدمی کام آنے رہے۔ بالآخر انہوں نے [ایک دوسرے کو] فیصلہ کن جنگ کی دعوت دی۔ دونوں فریقوں کے لشکر کی تعداد بے حد کثیر

تھی۔ چنانچہ ہندوستانیوں نے امتیاز کے لئے اپنی ہتھیاریوں میں تیر لگائے اور سندھیوں نے درختوں کی سبز لہنیاں باندھیں۔ اس کے بعد ان کے درمیان اس قدر ہولناک جنگ ہوئی جس کی کمیت اور کیفیت کا اندازہ لگانے سے عقل عاجز ہے۔ دست بدست جنگ شروع ہوئی تو مرزا جانی بیگ کا ہاتھ بہت بھاری ہوتا نظر آیا۔ خان خانان اپنے لشکر کی ہسپائی دیکھ کر خدائے پاک کے حضور اور شہنشاہ کے اقبال کی طرف امداد کے لئے رجوع ہوا اور اللہ پاک اور شاہی بخت کی تائید سے مرزا (جانی بیگ) کے لشکر کے عین غلبہ کے وقت ایک مست ہاتھی لشکر کے سامنے بھڑک گیا اور اس نے [اپنی ہی] فوج کو زیر و زبر کر دیا۔ اس کے علاوہ ان کے سامنے [کے رخ سے] سخت آندھی چلنے لگی جس کی وجہ سے اچانک ان میں انتشار پھیل گیا اور عین غلبہ کے عالم میں مغلوب ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس طرح آیت کریمہ ”یوم یفر المرء من آخیه“ (۱) کی معنی ظاہر ہوئی اور پندرہ آدمیوں کے علاوہ مرزا جانی بیگ کے ساتھ میدان میں کوئی نہ رہا۔ مرزا سر ہتیلی پر رکھ کر جم گیا۔ لیکن شاہ قاسم ارغون بے حد زور دے کر اسے وہاں سے نکال لے گیا اور کشتی پر سوار کیا۔ مرزا کی فوج اس پریشانی میں زیادہ تلف ہو گئی۔ دوپہر کے قریب مرزا

۱۔ ہوری آیت یہ ہے ”یوم یفر المرء من آخیه و اسہ و ایہ

و صاحبہ و بنیہ لکل امرء منہم یومئذ شان یغنیہ“

(وہ دن اس قدر سخت ہوگا کہ لوگ اپنے بھائی، ماں،

باپ، بیوی اور بیٹوں سے ہزار ہونکے اور ہر شخص اپنی

ہی فکر میں غلطان ہوگا)



انڈ پور پہنچا۔ چونکہ وہاں کوئی بیلدار دستیاب نہ ہو سکا  
اس لئے انہوں نے [خود ہی] چٹاپوں کو باہم سی کر اور ریت  
سے بھر کر شام تک ایک قد آدم پناہ گاہ استادہ کی۔ اس طرف  
[۱۹۲] خانخانان بھی تعاقب کرتا ہوا آیا اور خندقیں کھود  
کر بیٹھ گیا اور رسد کی آمد و رفت کے راستے مسدود کر دیئے۔  
جانی بیگ نے باپ کو لکھا، [جس کے مطابق] وہ شہریوں  
کو وہاں سے لے کر اور شہر کو مسمار کر کے کلان کوٹ  
کے قلعہ (۱) میں چلا گیا جس کی ایسے ہی دنوں کے لئے مرمت  
کرائی گئی تھی۔ اسی طرح ہر گاؤں اور قصبے کو ویران  
کرنے کا حکم دے کر، خود قلیل لشکر جمع کر کے وہ سرفروشی  
کے لئے آمادہ ہو گیا۔

کہتے ہیں کہ ایک ماہ تک ٹھٹھہ برباد ہوتا رہا۔  
اتنے بڑے عالیشان شہر کو آگ لگا دی گئی۔ لوگوں کے دھینے  
ڈاکو اکھاڑ کر لے جاتے تھے اور اونٹ کے کرایہ میں نصف  
سامان لے لیا جاتا تھا۔

خان خانان نے یہ صورت حال دیکھ کر چاروں طرف  
صوبیدار روانہ کئے جنہوں نے محمد امان ترخان اور قاسم علی  
وکیل سے نیروں کا قلعہ چھین لیا۔ دوسری طرف شاہ بیگ خان  
نے ابوالقاسم ارغون کے قبضہ سے شاہ ساکرہ (ساکرہ) لے لیا۔  
اس کے علاوہ ہر گندہ چاچکان کو بھی وہاں کے باشندوں کو امان  
دے کر ضابطہ میں لے آئے۔ اس طرف مرزا جانی بیگ کا  
باپ پابندہ بیگ اور بیٹا ابوالفتح عمر، ملک کا سرمایہ برباد

۱۔ یہ قلعہ "جام تغلق" نے تعمیر کرایا تھا اور اسے تغلق

آباد بھی کہا کرتے تھے۔ (دیکھئے صفحہ ۱۳۱)

کرنے کے بعد مر گئے۔ یہ سب باتیں سن کر مرزا جانی ہیگ  
 لے، باوجودیکہ خان خانان کے لشکر نے اپنے مورچے اس کے  
 قلعچہ کے اس قدر قریب کر دیئے تھے کہ دونوں جانب کے  
 سپاہی ایک دوسرے سے بات کر سکتے تھے اور ایک دوسرے  
 پر ہتھ اور لالٹھیاں پھینک سکتے تھے، مردانگی میں کوئی دقیقہ باقی  
 نہ چھوڑا اور پہلے کی طرح جان بازی کے ساتھ ثابت قدم رہا۔ [۱۹۳]



## دسواں باب

مغل سلطنت اور اس کے گورنر

صلح اور ملک فتح ہونے کا واقعہ

خان خانان نے دیکھا کہ جب تک جانی بیگ می جان میں جان ہے تب تک وہ اپنے ننگ و ناموس سے پیچھے قدم نہ ہٹائے گا اور اس کی سرفروشی خبر نہیں کہ اسے کیسے دن دکھائے۔ اس لئے بہتر ہے کہ اسے پختہ وعدوں کے دام میں گرفتار کر کے صلح کے راستہ پر لایا جائے۔ یہ سوچ کر اس نے ایک با ہوش ایلچی مرزا جانی بیگ کے پاس بھیج کر پیغام دیا کہ ”تم اور ہم ایک ہی خاندان کے، یعنی ”صاحب قران“ کے غلاموں میں سے ہیں، اگر آسمانی تقدیر سے ایک ہی گھرانے کے ہم بندگان ایک دوسرے سے دور ہو گئے ہیں تو یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ ان جنگوں میں تجھ جیسے بے نظیر بہادر کے ہاتھوں نے اور دل نے جو شجاعت دکھائی ہے وہ زمانہ

میں یاد گار رہے گی۔ لیکن معلوم ہونا چاہئے کہ ہندوستان کے چاروں اطراف کے مالک شہنشاہ کا اقبال لا زوال ہے جس کی ہند کی بہادرانِ یگانہ اور رستمِ زمانہ کے ننگ و نام کا سرمایہ ہے۔ جس حکمران نے اس بارگاہ [کی چوکھٹ] پر سر نہ رکھا اس پر رنگا رنگ کی مصیبتیں ہیں۔ اب اس سے زیادہ خلق کی خونریزی کے لئے کوشاں ہونا اپنی پیاری جان سے ہاتھ دھونے کے مترادف ہے۔ اگر زمین و زمان کے وارث (شہنشاہ اکبر) [۱۹۴] کی نافرمانی کے پائلوں کے درمیان جو وقت کا ”اولوالامر“ ہے، تیری زندگی ہی پس گئی تو پھر عزت و ناموس اور شان و شوکت جو سب زندگی ہی کے مقصد کا مقدمہ ہے، کہاں باقی رہے گی؟۔ تمہارے وقار اور اعتماد کے لیے میں ضامن ہوں اس لئے بہتر ہے کہ ہاتھوں سے گئے ہوئے معاملہ (اطاعت) کو پھر ہاتھوں میں لیے لو۔

کہتے ہیں کہ مرزا جانی بیگ کے پاس بڑا قلیل لشکر باقی بچا تھا۔ تکالیف اور پریشانیوں کی حد [ختم] ہو چکی تھی اور وہ سب [مقتولوں اور] فوتیوں کے ماتم میں نیل میں رنگے ہوئے ماتمی کپڑے پہنے سر ہتیلی پر رکھے بیٹھے تھے۔ خود مرزا بھی لشکر اور ملک کی بربادی اور باپ کے غم میں، کیا بیان کیا جائے کہ کس عالم میں بیٹھا تھا۔ لیکن جب ایلچی آیا تو نمائش کے لئے اس نے ایسا رعب داب ظاہر کیا جسے سن کر خانخانان بھی حیران رہ گیا۔ بالآخر سوال و جواب

۱۔ کلام پاک کی یہ پوری آیت یوں ہے۔ ”اطیعوا اللہ واطیعوا

الرسول واولی الامر منکم“ (اطاعت کرو اللہ کی، اللہ کے

رسول کی اور اس کی جو تم میں سے صاحب امر [حاکم] ہو)۔

تحفۃ الکرام

کے بعد اس نے محمد علی کابلی کو ایلچی کے ساتھ خان خانان کے پاس بھیجا ۔

کہتے ہیں کہ ان دنوں مرزا کے لشکر کے کچھ حصے نے خفیہ طور پر خانخانان کے پاس امان طلبی کی عرضیاں لکھی تھیں ۔ بہر حال پختہ اقرار ناموں کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ ایک دوسرے کے ساتھ تحفہ تحائف کا راستہ کھلا رکھا جائے اور سپاہی بھی آپس میں میل ملاپ اور آمد و رفت کی راہ اختیار کر کے دلوں سے کدورت کا زنگ دور کریں اور مرزا اپنے آدمیوں کو ہر جگہ سے طلب کر کے قلعوں کی کنجیاں حوالہ کرے تاکہ خانخانان کے آدمی جا کر [ان پر] قابض ہوں ۔ اس کے بعد امرا کی ملاقات اس نہر پر ہو جو ٹھٹے کے وسط میں ہے ۔ [۱۹۵]

بیان کرتے ہیں کہ مذکورہ بالا شرائط کے پورے ہونے کے بعد پہلے مرزا اور اس کے بعد خان خانان ٹھٹے روانہ ہوا ۔ [اس کے بعد] فیصلہ کے مطابق نہر کے قریب ، بعضوں کے کہنے کے مطابق ، سواری کی حالت میں دونوں نے ہاتھ ملائے اور بعضوں کے کہنے مطابق ، پیادہ ہو کر ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئے اور تھوڑی دیر کے بعد سوار ہوئے ۔ مرزا حضور میں حاضر ہونے کی تیاری کر کے لئے تغلق آباد کیا ۔ اور خان خانان رعایا کی دلجوئی کرنے کے لئے ٹھٹے میں رہ گیا ۔ مذکورہ صلح کا واقعہ سنہ ۱۰۰۰ھ میں پیش آیا ۔

مرزا جانی کے والد مرزا پایندہ بیگ کا عرصہ حیات تخت نشینی سے لے کر اس واقعہ تک سات سال تھا ۔ اور والد کے فوت ہونے کے بعد مرزا جانی بیگ [صرف] گیارہ دن خود مختار

رہا اور اس کے بعد ملک اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ جیسا کہ بیان ہوا ہے، اس خاندان کی کل حکومت ۴۸ سال تک رہی اس کے بعد وہ امرا کے زمرہ میں شامل ہو گئے۔

رعایا کی دلدہی اور ملک کا مکمل بندوبست کرنے کے بعد خان خانان کے دل میں سمندر کی میو کرنے کا خیال آیا۔ مرزا جانی کو ساتھ لے کر وہ لاہری بندر کی کھاڑی میں کشتی پر سوار ہوا۔ لیکن اسی اثنا میں اچانک اس کے دل میں وہم پیدا ہوا کہ ”میں نے کتنی بڑی نادانی کی ہے کہ دشمن کے ہاتھوں خود ایسے مقام پر آیا ہوں۔“ مرزا نے دانائی سے اس کے تغیر کا اثر معلوم کر کے اس سے کہا کہ ”خان کو اطمینان رکھنا چاہئے ہم دغا باز لوگوں میں سے نہیں ہیں۔“ خان خانان وہاں سے جلد ہی واپس آ گیا۔

کہتے ہیں کہ ایک دن خان خانان نے مرزا سے کہا کہ ”دیکھا میں نے کس طرح تجھے حیلہ سے قابو میں کیا ہے۔“ مرزا نے کہا کہ ”بے شک! آپ خود ہی اپنے حیلہ کا اقرار کر رہے ہیں لیکن الحمد للہ کہ ہماری جانب سے کوئی حیلہ نہیں کیا گیا۔“ نقل ہے کہ خان خانان کہا کرتا تھا کہ ”مرزا کے اس جواب سے میں جتنا شرمندہ ہوا ایسی شرمندگی مجھے کبھی نہیں ہوئی۔“ [۱۹۶]

خان خانان کا مرزا جانی بیگ کو ساتھ لے کر

شہنشاہ کے حضور میں جانا

خان خانان نے جب دیکھا کہ مرزا سفر کے لئے تیار ہو چکا ہے اور جب خود بھی کاروبار مملکت سے فارغ ہو گیا، تو شاہی حکم کے مطابق دولت خان لودی کو ٹھٹھے کی حکومت

پر مامور کر کے حضور کی جانب روانہ ہوا۔ حالانکہ مرزا، خان خانان سے اچھی طرح گھل مل گیا تھا لیکن پھر بھی اسے ہمیشہ یہ فکر دامن گیر رہا کرتی تھی کہ [خدا جانے شہنشاہ اکبر کے] حضور میں کیا پیش آئے۔ لیکن بغت بلند کے اتفاق سے جب اس نے آستان بوسی کا شرف حاصل کیا تو شہنشاہ عالم نے اپنا سایہ کرم اس پر ڈالتے ہوئے تین مقامات [یعنی] سیوستان، ضرب خانہ (ٹکسال) اور لاہوری بندر کے علاوہ باقی سارا ملک اسے واپس بخش دیا۔ وہ خود حضور میں رہنے لگا۔ اس طرف لودی خان کو حکم ہوا کہ دستور کے مطابق مرزا کے حرم کو بھی ”نوروز“ کے دن بارگاہ میں حاضر کرے۔ مرزا کے ساتھ حالانکہ بڑی نوازشیں کی جا رہی تھیں لیکن یہ حکم سن کر وہ پریشان ہو گیا۔ خان خانان نے اسے تسلی دے کر کہا کہ ”یہ تو ہم امرا کا فخر ہے“ — مرزا نے کہا کہ ”ہم نے آج تک ایسی رسم نہیں دیکھی ہے اس لئے ہم ایک دم اس طرح مستورات کے دور دراز سفر طے کر کے آنے کی ذلت کیسے برداشت کر سکیں گے۔ شاید ہمیں خود کشی کرنا پڑے گی!“ اس پر خان خانان نے حضور میں عرض کیا کہ ”نوروز قریب آ پہونچا ہے اور مرزا کے قبیلہ کے آنے کے لئے طویل عرصہ چاہئے اس لئے یہ حکم اگر اس مرتبہ ملتوی کر دیا جائے تو [بے حد] مناسب ہے“۔ بادشاہ نے کمال مہربانی فرما کر اس خیال سے درگزر کیا اور حکم ہوا کہ مرزا جانی بیگ کاروبار مملکت میں مدد دینے کے لئے اپنے وکیل اپنے بیٹے کے پاس بھیج دے۔ جس پر شاہ قاسم ارغون خسرو خان چرکس، بھائی خان، عرب کوکہ، جمال الدین

دیوان، مرزا غازی بیگ کے ہاں جوابی کم سن تھا، روانہ [۱۹۷] ہوئے اور [جانی بیگ کے] حرم کو بھی بکھر ہی سے واپس کر کے ٹھٹھ جا پہونچے اور کاروبار مملکت میں منہمک ہو گئے۔ مرزا جانی بیگ آٹھ سال سنہ ۱۰۰۸ھ تک شہنشاہ زمین و زمین کی خدمت میں رہا اور نمایاں کارنامے انجام دیئے اس کے بعد وہ فوت ہو گیا۔ بادشاہ کے حکم کے مطابق خواجہ محمد قور بیگ اس کی لاش لے کر ٹھٹھ گیا اور مکملی کے مشہور مقبرہ میں اسے دفن کیا۔

### مرزا غازی بیگ

شاہی حکم کے مطابق اپنے والد کے بعد وہ خود مختار ہو کر تخت پر بیٹھا۔ جن امرا نے اسے لڑکپن میں دیکھا تھا وہ اس کی کوئی عزت نہ کرتے تھے۔ اس کے بھائی مرزا ابوالفتح کی زندگی میں ایک دن وہ سب سوار ہوئے اور اس کی (ابوالفتح کی) تعظیم میں اسے پیچھے چھوڑ گئے۔ چنانچہ اسی وقت کمسنی میں اس نے کہا تھا کہ اگر مجھے حکومت ملی تو میں ان بد باطن طوطا چشموں کے ساتھ کیا نہ کروں گا۔ چونکہ تقدیر الہی کے مطابق مرزا ابوالفتح پہلے ہی انتقال کر گیا تھا جیسا کہ بیان ہو چکا ہے اور وہ اس وقت ملک کا والی ہو گیا تھا اس لئے وہ اپنے کاروبار کی طرف توجہ دینے لگا اور وہ بھی (امرا) اس سے ظاہر داری برتنے لگے۔ یعقوب علی کو کہ لنگ اسے اپنی معلمی کے زسانہ میں بڑی تکلیفیں دیا کرتا تھا اور مرزا جس شخص کو بھی خلعت دیا کرتا تھا تو وہ پس پشت اس سے چھین کر اور ہزار حیلے کر کے اس کا دسواں حصہ بھی بمشکل دیا کرتا تھا۔ چنانچہ عبرت کے واسطے اس نے سب



سے پہلے امر کی جا گیر ملا یعقوب کو جو کمسنی میں اس کے مکتب کا پیش امام تھا، دے دی۔ پھر بہ ظاہر باب کے وکیلوں پر مہربانیاں اور ان کی خاطر داریاں کرتا رہا۔ لیکن [خفیہ طور پر] اپنے خاص آدمیوں کی سرپرستی کرنے لگا عرب کو کہ اور بھائی خاں تو اسے خاطر ہی میں نہ لاتے تھے۔ [۱۹۸] نادانوں نے یہ نہ سوچا کہ ”بزرگی بہ عقل است نہ بہ سال۔“ [غرض] اس بلند فطرت نو عمر نے اپنی حالت کو روز بروز تقویت پہونچائی۔ پہلے اس نے شہبازی کو جو کتوں اور کبوتروں کی نگرانی کرتا تھا ”شہباز خاں“ کا خطاب دے کر مدارالمہام بنایا۔ لیکن جیسا سمجھا تھا وہ ویسا نہ نکلا چنانچہ احمد بیگ کو مختار عام بنا کر مولہ نامی ایک ہندو ملازم کو ”دولت رائے“ کا خطاب دے کر امور مالیات اس کے سپرد کئے۔ احمد بیگ نے پچھلے سارے وکیلوں کو نظر انداز کر کے بڑی دور اندیشی کے ساتھ ملک کی پیداوار سے، جس پر امرا اور سرکردہ افراد نے قبضہ کر کے مرزا کو ایک ایک دانہ کا محتاج بنا دیا تھا، لاکھوں روپے زائد حاصل کئے۔ چنانچہ جب مرزا کو خاطر خواہ وکیل مل گیا تو اس نے رعایا اور سپاہیوں پر دست رعایت کشادہ کر کے ان کے مشاہرے اور تنخواہوں میں اضافہ کر کے، اس کی خوشنودی حاصل کی۔ اور خود ہرست امرا کو دل سے فراموش کر کے انہیں عضو معطل بنا دیا۔ پھر رفتہ رفتہ ان کی جا گیریں لے کر اور خالصہ قرار دے کر اس کے معاوضہ میں ان کے نقد وظیفے مقرر کر دیئے۔ قصہ مختصر، کم سنی کے باوجود اپنے کاروبار کو بلند درجہ پر پہونچا کر تھوڑے ہی دنوں میں جیسا کہ چاہئے وہ خود مختاری کا دم

بھرنے لگا۔ احمد پیگ کو اس نے ”احمد سلطان“ کے لقب سے سرفراز کیا۔

### ابوالقاسم سلطان کی بغاوت

مرزا کے کاروبار نے جب مذکورہ بالا طریقے سے استقلال حاصل کیا تو سب سے پہلے محمد علی سلطان کابلی نے [محض] ایک دست ہاتھی کی بنا پر جس کو لانے کے لئے مرزا نے اپنے معتمد ”جنگلی شاہ“ کو روانہ کیا تھا، نعرہ بغاوت بلند کیا اور جنگ کے لئے آمادہ ہو گیا۔

یہ محمد علی سلطان کابلی وہی شخص تھا جس کا بیٹا محمد معین اپنے ماسوں مسمی سیور علی (۱) کے ساتھ [مرزا] کے والد کے زمانہ میں اس کے دربار میں شطرنج کی بازی پر غضب ناک ہو کر ندیم کوکہ اور قاسم علی کوکہ کو زخمی کر کے دربار سے نکل گیا تھا اور وہ دونوں شخص حویلی کے دروازے پر زخمی ہوئے تھے۔ [۱۹۹]

غرض یہ خبر سن کر مرزا نے کہا کہ ”یہ سارا کام خسرو خاں چرکس کا ہے، لہذا پہلے اسے قابو میں کرنا چاہئے۔“ وہ مرزا عیسیٰ ترخان کا دلی دوست تھا۔ چنانچہ اس نے یہ خبر اسے پہونچا کر ہوشیار کر دیا۔ اس پر مرزا غازی نے سمجھا کہ خسرو خاں سے بھی پہلے مرزا عیسیٰ کا کام [تمام] کرنا مقدم ہے۔ لیکن وہ وہاں سے فرار ہو کر اپنے ننہالی سمیجہ قبائل میں جا کر پناہ گزیں ہوا اور کہنے لگا کہ ”ٹھٹھے میں آج ہی کل میں فساد ہوگا جس میں ہم بھی کسی گوشہ پر قبضہ کر لیں گے۔“ مرزا غازی کا نصیب اوج پر تھا، ورنہ مرزا

باقی کا بیٹا مظفر کنجہ میں اور مرزا عیسیٰ ترخان سمیجہ قبائل میں، کچھ کم فہ تھے۔

اسی اثنا میں ابوالقاسم سلطان ابن شاہ قاسم ارغون نے بھی علم سرکشی بلند کیا۔ وہ طویل عرصہ سے ہر گنہ نصربور کا حاکم تھا اور شجاعت میں اس کی مثالیں دی جاتی تھیں۔ مرزا جانی بیگ کے زمانے میں وہ سوڈھوں کو نکال کر ایک عرصہ تک عمر کوٹ کے قلعہ پر متصرف رہا تھا۔ جہاں سے اس کا باپ اسے اپنے صوبہ میں واپس لوٹا لایا تھا۔ اس کی بہن مرزا جانی بیگ کے گھر میں تھی اور خود اپنی بیٹی اور بھانجی کو بھی اس نے مرزا ابوالفتح سے منسوب کیا تھا جس کے فوت ہونے کے بعد اسے مرزا غازی بیگ سے منسوب کر چکا تھا۔ [ان رشتوں کے باوجود] اس نے اب علی الاعلان کہنا شروع کر دیا کہ ”مرزا غازی کون ہے جو میرے ہوتے ہوئے اس ملک پر تازہ نوازندہ لوگ اقتدار جمائیں۔“ پھر اس نے ان تاجروں کو لوٹ لیا جو ٹھٹھے سے اس طرف جا رہے تھے۔

جب مرزا نے اس بارے میں اسے لکھا تو جواب میں تحریر کیا کہ ”اب تمہارے اور میرے درمیان یہ ”ہارگاہ نہرو“ سرحد ہے۔ [۲۰۰] تمہیں اپنی حدود کی فکر کرنی چاہئے اور اس طرف کے نیک و بد کا نام نہ لینا چاہئے ورنہ دوسری صورت میں، اپنی سرحدیں میں ”عالیجان“ کے کنارے تک پھیلا دینگا۔ یہ خط روانہ کر کے اس نے ایسا زبردست فساد برپا کیا کہ خشکی اور دریائی، سارے آمد و رفت کے راستے بند ہو گئے۔ اس واقعہ سے سابقہ ترخان اور ارغون اسرا خوش ہوئے لگے کہ خود سر مرزا اب کوئی دم میں برباد ہوا چاہتا ہے۔

اس طرف بزرگ فطرت مرزا بہ ظاہر ان پر نوازشیں کر کے ان سے مدد کا طلبگار ہوا اور خفیہ طور پر اپنے نئے نوازے ہوئے لوگوں کو نئے انتظامات سے سرفراز کرنے لگا تاکہ منافقوں سے باخبر رہتے ہوئے وہ کچھ ایسے کارنامے کر دکھائیں جو دشمنوں کی بربادی کا سبب بنیں۔

مرزا غازی کا ابوالقاسم سلطان سے جنگ کرنے کے لئے نکلنا

مرزا نے دشمن کی بیخ کنی کو ملک کے استحکام کا باعث تصور کرتے ہوئے لشکر لے کر ٹھٹھے سے نصر پور پر فوج کشی کی۔ راستے میں دشمنوں کے شب خون کے خوف سے ہر چھاؤنی پر خندقیں کھودتے ہوئے وہ ”کاتیار“ میں جا پہنچے اور خندقیں کھود کر وہاں خیمہ زن ہو گئے۔ ابوالقاسم سلطان کچھ چالاک جوان ساتھ لے کر، پا پیادہ آکر خندق کے باہر سے آواز دے کر کہنے لگا کہ ”فلاں (ابوالقاسم) دعا سلام کہنے کے بعد پوچھتا ہے کہ تمہاری آمد کا مقصد کیا ہے؟۔ ابوالقاسم اتنا کمزور نہیں ہے کہ تمہاری فیج کشی سے خائف ہو کر تم پر شبخون مارنے کی کوشش کرے۔ اطمینان کے ساتھ صف بہ صف جنگ کی تیاری کرو۔“ ادھر سے جواب دیا گیا کہ ”وہ اپنے سر اور اپنی جان کا دشمن ہو گیا ہے اور جب تک ان سے ہاتھ نہ دھولے گا۔ تب تک ایسے چین نہ آئے گا۔“ قصہ کوتاہ، مرزا نے وہاں سے نکلی کر ساکرہ کے

سامنے منزل انداز ہو کر مورچے قائم کر دیئے۔ [۲۰۱]

کہتے ہیں کہ ابوالقاسم جوانمردی کے فخر و غرور میں قلعہ کی فصیل پر چڑھ کر سپاہیوں سے کہتا رہا کہ ”مرزا جانی کی والدہ کو اپنے باپ کے حوالہ کرونگا اور محمد

باقی اور سارے ترخانوں کی بیویاں تمہیں ہالٹ دوںگا اور اس کے نوکروں کی جاگیریں بھی تمہیں عطا کروںگا" لیکن غافل کو یہ خبر نہ تھی کہ تقدیر اسے کیسے دن دکھائے گی اور نمک حرامی کا اسے کیا نتیجہ ملے گا!

### صلح کا ذکر

ابوالقاسم کے والد شاہ قاسم نے دور اندیشی اور عقلمندی سے کام لے کر دل میں کہا کہ "اس کے بیٹے نے یہ بہت برا کام کیا ہے۔ اپنے مربی سے فساد ہمیشہ خواری کا سبب ہوتا ہے، خصوصاً ایسے ملک کے مالک سے جو روئے زمین کے شہنشاہ کی جانب سے مقرر کیا ہوا ہے، مخالفت کرنا اپنی بدبختی کی دلیل ہے۔ بہتر ہوگا کہ مرزا کی خدمت میں بیٹے کی جاں بخشی اور تقصیر کی معافی کی درخواست کر کے اس [سرکشی] کا مداوا کیا جائے۔" بھائی خان اس خیال سے کہ ان فسادات کے ختم ہو جانے کے بعد مرزا کے دربار میں اس کی کوئی عزت نہ رہ جائیگی اسے صلح سے باز رکھنے کی کوشش کرتا تھا۔ مرزا کے فدائیوں نے اس کے (مرزا کے) دل میں یہ بات بٹھا دی۔ چنانچہ "کارو" نامی ملازم کے ہاتھ اس نے بھائی خان کو زہر دلوادبا (۱) جس کی وجہ سے بیمار ہو کر وہ رخصت لے کر ٹھٹھ روانہ ہوا اور گھر پہنچتے ہی مر گیا۔ اس رخنہ کے دور ہونے کے بعد ابوالقاسم سلطان اپنے والد اور بھائی مقیم

---

۱۔ اصل متن میں "در فلونیا، زہرش واردند" تحریر ہے۔ لیکن

یہاں "فلونیا" کے معنی سمجھ سے باہر ہیں اس لئے ترجمہ

میں اسے نہیں تحریر کیا گیا ویسے جملہ کا مفہوم واضح

سلطان کے توسل سے مرزا کی خدمت میں حاضر ہوا اور [۲۰۲] کچھ دیر بعد رخصت لے کر واپس چلا گیا۔ اسی طرح کتنے ہی دنوں تک وہ آمد و رفت جاری رکھتا آیا۔

ابوالقاسم سلطان کو اندھا کرنے کا واقعہ

کہتے ہیں کہ ابوالقاسم سلطان بڑا سخی اور مخیر تھا لیکن اس نے ”ریل“ کے درویشوں کے کچھ مویشی لوٹ لئے تھے۔ ایک دن وہ (درویش) انتہائی رنجیدہ ہو کر اکٹھے ہوئے اور آپس میں کہنے لگے کہ ”اس کا بدلہ لینے کے لئے تو کش غیبی سے کوئی تیر نکال کر اس پر مارتا چاہئے“۔ اس پر ایک [درویش] نے کہا کہ ”احسان و سخاوت کی وجہ سے اس کے سارے اعضا [خدائی] حفاظت کی زرہ سے محفوظ ہیں لیکن اس کی آنکھیں اس سے خالی ہیں، چنانچہ جو الہیں نشانہ بنا سکے وہ بے شک وار کرے“۔ اس طرف یہ واقعہ پیش آیا اور اتفاق سے اسی اثنا میں دوسری طرف مرزا نے اپنے خاص آدمیوں سے کہا کہ ”ابوالقاسم کا کوئی اعتبار نہیں لیکن اس کی جان بخشی کی قسم کھا چکا ہوں، اس لئے اسے آنکھوں کے نوڈ سے عروم کر کے ہی بے خوف ہونا چاہئے“۔ اس تجویز پر متفق ہو کر اس نے ایک دن ڈونگی پر بیٹھ کر سیر کرنے منصوبہ بنایا اور، اس نہر سے گذر کر جو اس کے (ابوالقاسم کے) ڈیوہ کے سامنے تھی، دریا کے کنارے سبزے پر وزیروں کے ساتھ عفل منعقد کی۔ فیصلہ ہوا کہ ہر ایک [سردار] ہتھیاروں اور ملازموں کے بغیر حاضر ہو۔ وہاں بیٹھ کر اس نے ابوالقاسم سلطان کے پاس آدمی بھیجا کہ ”چنیسر نامہ بھی اپنے ساتھ لیتے آنا تاکہ اس تفریح گاہ میں اس کے شغل میں مشغول رہیں۔“

وہ بڑے شوق کے ساتھ کتاب لے کر جو اسی کے نام سے منسوب تھی، دستور کے مطابق شان و شوکت کے ساتھ سوار ہوا۔ آدھے راستے پر اسے محمد علی سلطان کابلی کا خط ملا جس میں اسے [منصوبہ سے] آگاہ کیا گیا تھا لیکن چونکہ تقدیر اس کا کام تمام کر چکی تھی اس لئے اس نے اس خط کو بغیر پڑھے ہوئے اپنی جیب میں [۲۰۳] رکھ لیا۔ مرزا کے دربار میں اترنے کے بعد دربان نے اسے بتایا کہ ”مرزا کچھ وزیروں کے ساتھ اس پار میز کر رہا ہے آپ تنہا تشریف لے جائیں۔“ وہ غرور اور تکبر میں مبتلا ہو کر اپنے سارے آدمی دیوان خانہ میں چھوڑ کر، صرف ایک آدمی کی معیت میں ڈونگی پر سوار ہوا جس میں مرزا کے کچھ آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ جب ڈونگی بیچ دریا میں پہنچی تو بابا علی دل نے جو نہایت قد آور اور جاندار شخص تھا جست کر کے اس کے دونوں ہاتھ پیچھے کر کے مضبوطی سے جکڑ لئے۔ پھر تو ایک نے اس کی ہگڑی اتاری اور دوسرے نے تلوار اور خنجر چھین لئے اور مضبوطی کے ساتھ اسے باندھ کر مرزا کو اطلاع دی۔ حکم ہوا کہ ”وہیں پر سیخیں گرم کر کے سلائی کی طرح اس کی آنکھوں میں پھراؤ۔“ چنانچہ اس [عمل] سے اس کی دونوں آنکھیں ہتاشوں کی طرح باہر نکل آئیں۔ اس کے بعد اس کے پیروں میں بیڑیاں ڈال کر لوگوں کو اس کا ڈیرہ لوٹ لینے کا حکم دیا۔ اس کے رفیق جو سب کے سب بہادری کا دعویٰ کیا کرتے تھے [بری طرح] لوٹ لئے گئے۔ اس کے عزیز جعفر علی ارغون نے کچھ وار کئے لیکن گرفتار ہو گیا۔ دوسرے لوگ امان حاصل کرنے کے لئے مرزا کے آدمیوں کی چادروں

(اوٹ) میں جا چھپے۔ ڈیرے کو تاخت و تاراج کرنے کے بعد لشکر نے ساکرہ میں جا کر اس کا سارا مال و اسباب قبضہ میں کیا لیکن اس کے متعلقین کو کوئی ایذا نہ پہونچائی گئی۔ اس کے بعد ابو القاسم اور جعفر علی کو کشتی میں بٹھا کر عرب کو کہہ کے ملازم دریا خان کی معیت میں ٹھہرے بھیج دیا گیا۔ محمد علی سلطان کابلی کے لئے حکم ہوا کہ ”برقی انداز بندوقوں کے کندھوں سے اس کے شانوں کی ہڈیاں چکنا چور کر دیں۔“ اس کے علاوہ اس پر [مرزا کے] فرزند کو ہاتھی نہ دینے کا الزام رکھ کر آتش خان کے حوالہ کیا۔ مرزا عیسیٰ ترخان اپنی فکر میں [شہنشاہ اکبر کے] حضور میں بھاگ گیا، چنانچہ اب مطمئن ہو کر مرزا [غازی] ٹھہر آ کر سکونت پذیر ہوا [۲۰۴]۔

کہتے ہیں کہ اکبری دربار کا ایلچی بابا طالب ان دنوں مرزا کو لینے کے لئے آیا ہوا تھا اور یہ سارے واقعات اس کی آنکھوں کے سامنے گذرے تھے۔ حالانکہ مرزا کو حضور میں پہونچانے کے لئے روزانہ تاکید ہو رہی تھی، لیکن ملک میں یہ فساد دیکھ کر وہ ڈھیل دیتا رہا کیونکہ زبر دستی ساتھ لے جانے کی اس میں طاقت بھی نہ تھی۔

الغرض مرزا نے اپنے والد کے فوت ہونے کے دو سال کے اندر ہی ملک کا مکمل انتظام کر کے رعایا اور سپاہ کو بخشش اور انصاف کے ذریعے اپنا گرویدہ بنا لیا۔ راتوں کو وہ بھیس بدل کر شہر میں جاتا اور گھوم پھر کر رعایا کا حال دریافت کیا کرتا تھا۔

ککراہ کے حاکم جام ڈیسر کے بیٹے جام ہالی نے



مرزا کے کسی جاگیردار کو اسی کی حدود میں قتل کر کے لُٹا دیا گیا۔ جس کا انتقام لینے کے لئے مرزا اس پر حملہ آور ہوا۔ بخت کے اوج پر ہونے کی وجہ سے جام ہالی کا ایک عزیز جام داؤد، اس کے لشکر کا رہبر ہو گیا چنانچہ دشمن کو اس کے ملک سے نکال کر وہ ملک بھی مرزا اپنے قبضہ میں لایا۔ جام داؤد نے ملازمت کا شرف حاصل کر کے اپنی بیٹی کو مرزا کے عقد میں دیا اور اس ملک کی زمینداری کے لئے عرض گزار ہوا۔ اس کے حسن خدمت کو مد نظر رکھتے ہوئے مرزا نے اس کی درخواست قبول کی اور اس ملک کے تین حصے کر کے ایک حصہ جام داؤد کو عنایت کیا اور باقی ماندہ زمین کو خالصہ قرار دیا۔ جام سے یہ رشتہ داری مرزا غازی ہی کی خصوصیت ہے کیونکہ سابقہ ارغون اور ترخان [حکمران] اس کے لئے بڑے کوشاں رہے ہیں لیکن کبھی کامیاب نہ ہو سکے۔ قصہ کوتاہ، اب خبر ملی کہ [اکبر کے] حضور میں مرزا کو لے جانے کے لئے نواب سعید خان کو مامور کیا گیا ہے۔ یہ خبر سن کر اس نے امرا کو جمع کر کے کہا کہ ”اگر زر اور خزانہ ہوتا تو ایک بار [۲۰۰] میں بھی والد کی طرح زور آزماتا کیونکہ دوسری صورت میں بھی صلح کچھ مشکل نہ ہوتی۔ اس طرح ہمارا رعب داب زائل نہ ہوتا۔ پہلے ہم کوہ لکی کے قریب آمد و رفت کا راستہ بند کر کے ایک مضبوط چھوٹا قلعہ بناتے۔ لیکن خزانہ کا ہاتھ آنا دشوار ہے اس لئے بہتر ہے کہ نواب سعید خان کی آمد سے پیشتر کہ وہ لشکر اور طاقت میں خان خانان سے زیادہ سنا جاتا ہے، ہم خود ہی حضور کی جانب روانہ ہو جائیں۔“ یہ فیصلہ کر کے وہ خسرو

خان چرکس، عرب کوکہ اور آلہ قلی دیوان کو قابل اعتماد لشکر کے ساتھ ٹھہنے میں چھوڑ کر اور احمد بیگ سلطان، لطف اللہ سلطان، خواجہ امیر بیگ بخشی اور خسرو خان کے بیٹے بھائی خان کو دوسرے مقربین سمیت اپنے ساتھ لے کر اور فتح باغ میں اقامت اختیار کر کے حضور میں جانے کی تیاری کرنے لگا۔

مرزا ابوالقاسم سلطان کے قید سے فرار ہونے

اور دوبارہ گرفتار ہونے کا واقعہ

جن دنوں ابوالقاسم سلطان عرب کوکہ کی حویلی میں اس کے خدمت گار دریا خان کی زیر نگرانی قید تھا، اس کے ساتھ یہاں تک رعایت برتی جاتی تھی کہ اگر کوئی عورت یا کمسن لڑکا بھی اس کے پاس آتا جاتا تو اسے کوئی نہ روکتا تھا۔ [اس رعایت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے] مرزا غازی کے چلے جانے کے بعد اس نے اپنی بہن سے سازش کی جس نے کھانے کے خوان میں اس کے پاس ایک کمند بھیج دی اور دوسری طرف نہر پر کشتی اور دوسرے کنارے پر دو اونٹ تیار رکھے۔ آخر ایک رات آنکھوں میں بینائی نہ ہونے کے باوجود وہ اس بڑی حویلی سے جس میں باد گیر کے علاوہ باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا، چوکیداروں کے سوجانے کے بعد، [فرار ہونے کے لئے مستعد ہوا]۔ تن تنہا اس نے چار پائی کو عین باد گیر کے نیچے [۲۰۶] دیوار سے ملا کر کھڑا کر دیا اور باد گیر پکڑ کر اوپر نکل گیا۔ پھر اس تین منزلہ حویلی سے گذرتا ہوا ایک تنگ کھڑکی سے کمند کو مضبوطی سے باندھ کر اس قدر تکلیف کے ساتھ کہ اس کے جسم کی بہت سی کھال

## نقطۃ الگزام

پھل گئی، اس نے خود کو زمین پر پھونچایا۔ اس کے بعد دوسری حویلی سے جعفر علی کو اپنے ساتھ لے کر کشتی کے ذریعہ نہر پار کر گیا اور پھر اونٹوں پر سوار ہو کر سیدھے کوہستانی ”شورو“ قوم کی راہ لی۔ صبح کے وقت پہرہ داروں کو [اس کی] خبر ہوئی۔ انہوں نے چاروں طرف سوار اور پیادے دوڑائے۔ فتح باغ میں یہ واقعہ سن کر مرزا غازی فکر مند ہو گیا کہ کہیں یہ رستم کوئی لشکر جمع کر کے شب خون نہ مارے۔ دریا خان خانہ خرابی کے خوف سے ہر گھاٹ پر اس کا پتہ پوچھتا رہا۔ بالآخر ”ساموئی“ کے گاؤں میں اس نے سنا کہ وہاں سے صبح کے وقت بعض سفید پوش لوگوں سے بھری ہوئی ایک کشتی گذری تھی اس کے بعد معلوم ہوا کہ چار آدمی دو اونٹوں پر جوکل یہاں چر رہے تھے سوار ہو کر، کچھ آدمی ساتھ لے کر کوہستان کی راہ پر روانہ ہوئے ہیں۔ چنانچہ اسی نشان دہی پر ان کا تعاقب کرتے ہوئے اس نے انہیں جالیا۔ پیادے تو جنگل میں رو پھس ہو گئے لیکن دونوں شتر سواروں، ابوالقاسم سلطان اور جعفر علی، کو دریا خان نے اچھی طرح پہچان لیا اور فی الفور دیوانہ وار تن تنہا جا کر جعفر علی پر ٹوٹ پڑا۔ اس نے بھی [اس کے] گھوڑے کے منہ پر وار کیا اور اس طرح چند بار ایک دوسرے پر وار کرنے کے بعد دونوں پیادہ ہو گئے۔ کچھ دیر لڑتے رہنے کے بعد آخر کار جعفر علی قتل ہو گیا۔ ابوالقاسم نے اونٹ سے اتر کر کچھ پتھر اپنے پاس جمع کر کے اس پر مارنا شروع کیا۔ [لیکن] دریا خان نے اسے للکارا کہ ”جب تک میرا منتشر لشکر آ کر اکٹھا ہو، تب تک وہیں بیٹھا رہ اگر ذرا بھی

حرکت کی تو گردن جدا کر دوں گا!“ وہ کہنے کو تو یہ الفاظ کہہ گیا لیکن کوئی بھی اس کے ساتھ نہیں تھا۔ چنانچہ ابوالقاسم کو وہیں چھوڑ کر لوگوں کو بلائے کے لئے وہ [چپکے سے] واپس ہوا۔ [۷، ۲] اس کے بعد قریب کے ایک گاؤں میں جا کر وہاں کے وڈیرے (۱) اور ایک دوسرے دیہاتی کو اس نے اپنے ساتھ لیا۔ لیکن چونکہ وہ بے خود ہو کر، آدمیوں کی تلاش میں، دوڑتا ہوا گیا تھا اس لئے وہ جگہ جہاں جنگ ہوئی تھی بھول گیا اور اس مقام تک پہنچنے میں نا کام رہا۔ گاؤں کا وڈیرہ ایک تجربہ کار شخص تھا اس نے کہا کہ ”جہاں آدمی قتل ہوا ہوگا وہاں کوئے ضرور پہنچے ہونگے اس لئے دیکھنا چاہئے کہ کوئے کہیں اڑتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں یا نہیں۔“ چنانچہ اسی نشاندہی پر وہ اس مقام پر جا پہنچے۔ دریا خان نے جعفر علی کا سر قلم کر کے نیزہ پر چڑھایا اور پھر ابوالقاسم کے سامنے رکھ کر، جسے ہاندھ کر اونٹ پر لاد دیا گیا تھا، شہر میں واپس آیا اور پورے شہر میں اس کی تشہیر کرنے کے بعد اسے قید کر دیا۔

نقل ہے کہ جعفر علی کے کتنے نے بڑی محبت اور ولا داری کا اظہار کیا۔ جتنے دنوں بھی اس کے مالک کا سر، بازار میں لٹکا رہا وہ اس سے جدا نہ ہوا اور پھر جب اسے دفن کر دیا گیا تو اس کے بعد بھی کتنے ہی دنوں تک لوگ اسے اس کی قبر پر دیکھتے رہے۔

ابوالقاسم سلطان کی دوبارہ گرفتاری کی خبر پا کر موزا غازی نے عرب کو کہہ کے لئے گھوڑا اور خلعت، اور دریا خان

کے لئے خلعت کے ساتھ مواجب میں اضافہ [کا حکم] روانہ کیا۔  
مرزا غازی بیگ کا حضور میں پہنچ کر سرفرازی حاصل کرنا

ابوالقاسم کی جانب سے اطمینان حاصل ہونے کے بعد مرزا فتح باغ سے آگے روانہ ہوا اور شہر بکھر میں نواب سعید خان سے ملاقات کر کے عجز کے ساتھ اسے اپنی تاخیر کے اسباب سے آگاہ کیا۔ نواب موصوف نے اس کے جال پر بے حد توجہ کی۔ اور اپنے فرزند سعد اللہ سے کہا کہ ”اس جوان کی پیشانی سے خوش بختی کے آثار ہویدا ہیں۔ میں تجھے اس کا بھائی بناتا ہوں۔ اس لئے باہم ظاہری اور باطنی برادری قائم کرو تاکہ وہ دل گیر نہ ہو۔“ چنانچہ وہ دونوں [۲۰۸] اکثر و بیشتر ہولو یا شکار کھیلنے میں مشغول رہا کرتے۔ اس کے بعد مقررہ منزلیں طے کر کے بالآخر سنہ ۱۱۰۳ھ میں وہ دارالخلافہ آگرہ میں اعلیٰ حضرت کی قدم بوسی کے شرف سے سرفراز ہوا اور والد کے منصب پر فائز ہو کر، ہر گنہ مند کی جاگیر پر حاضر ہو کر حضور میں رہنے لگا۔ چند ماہ کے بعد تقدیر الہی سے بادشاہ کا انتقال ہو گیا اور تخت سلطنت پر شہنشاہ جہانگیر کی حکمرانی کا ستارہ چمکنے لگا۔ اسی دوران میں بعض بدخواہوں کے مشورہ پر مرزا خفیہ طور پر آگرہ سے ٹھٹھ بھاگ گیا۔ لیکن مرزا کے ٹھٹھ پہنچتے ہی نور الدین محمد جہانگیر بادشاہ کی طلبی کا فرمان آ پہونچا۔ ساتھ ہی ساتھ موذی خان کو موقوف کر کے میر عبدالرزاق معموری کو ملک کا امین اور سیوہن، لاہری بندر اور ضروب خانہ کی نگرانی اور انتظام کے کاروبار کا ذمہ دار مقرر کیا گیا۔ طلبی کا حکم ملنے پر مرزا غازی بیگ نے فی الفور اعلیٰ حضرت کی بساط بوسی کا شرف حاصل کیا اور ان حاسدوں کی خواہشوں

کے برخلاف، جنہوں نے اس کی غیبت میں کچھ عرض کیا تھا،  
اسے زیادہ سرفراز ہوا۔

کہتے ہیں کہ ان دنوں بادشاہ کو شہزادہ خسرو  
کی مہم در پیش تھی اور اس کے تدارک کے لئے وہ امرا  
سے مشورے کر رہا تھا، چنانچہ مرزا جب حضور میں پہنچا  
تو امرا سے اس نے کہا کہ ”غازی مرزا سے بھی دریافت کرنا  
چاہئے کہ اس بارے میں اس کی رائے کیا ہے۔“ امرا نے کہا  
کہ ”وہ نوجوان اور نا تجربہ کاریے۔ شاہی معاملات کی اسے  
کیا خبر ہوگی؟“ بادشاہ نے فرمایا کہ ”بہر حال والی‘ ملک کا  
یہاں اس کی رائے کسی بھی حالت میں غلط نہ ہوگی۔“ چنانچہ  
مرزا کو بلانے کے لئے آدمی بھیجا گیا۔ جب مرزا نے زمین  
بوسی کا شرف حاصل کیا تو بادشاہ نے فرمایا کہ ”غازی مرزا،  
اس مہم کے بارے میں تمہارا کیا مشورہ ہے؟“ اس نے جواب دیا  
کہ ”جو رائے عالی [۲۰۹] میں مناسب ہو، وہی پڑھے۔“  
فرمایا ”آخر کچھ تو کہو، تمہارا دل کیا کہتا ہے“ عرض کیا کہ  
”قبلہ دین و دنیا، اس کمترین غلام کو جب اس خصوصیت  
سے مخصوص فرماتے ہیں تو میرے دل میں جو کچھ ہے وہ  
میں اسی وقت عرض کروں گا کہ جب حضور اپنا ایک قدم  
مبارک رکاب پر رکھیں گے۔“ بادشاہ کی رائے بھی بہ نفس نفیس  
خود تشریف لے جانے کی تھی چنانچہ اس کا اشارہ معلوم کر کے  
امرا سے فرمایا کہ ”[دیکھا] بالآخر شاہزادہ ہے۔ اس نے  
جو بیان کیا میری رائے بھی وہی تھی۔“ چنانچہ اسی روانگی  
کی وجہ سے خسرو کا تدارک جلد ہی خاطر خواہ طور پر ہو گیا۔

خسرو خان کی شورش کا واقعہ

جب مرزا غازی حضور کی طرف آ رہا تھا تو اس نے احمد بیگ سلطان کو ٹھٹھے میں رکھنا چاہا تھا اور خسرو خان چرکس کو جس کے بارے میں اسے اطمینان نہیں تھا اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔ لیکن خسرو خان نے اپنے ٹھٹھے ہی میں چھوڑ دیئے جانے کے لئے اس کے پاس سفارشیں پیش کیں اور احمد بیگ سلطان نے بھی کہا کہ ”مقامی لوگ خسرو خان سے متفق ہیں اس لئے میرے یہاں رہنے سے کوئی وزن نہ ہوگا۔“ چنانچہ اس موقع پر وہ اسی کو اپنے ساتھ لے گیا۔ لیکن پھر جب حضور میں حاضر ہو کر نوازشوں سے سرفراز ہوا تو حضور کے فرمان کے ساتھ اس نے، اسے (احمد سلطان کو) ٹھٹھے بھیج کر خسرو خان کو فوجداری [معاملات] کے علاوہ مالیات میں دخل نہ دینے کے بارے میں ہدایت تحریر کی۔ احمد بیگ سلطان کی آمد کے بعد خسرو خان نے قطب عالم شیخ بہاؤ الدین ملتانی کی اولاد شیخ کالہ سے جو اس کا داماد تھا، اور قاسم چرکس سے مشورہ کر کے فیصلہ کیا کہ ایک مرتبہ احمد بیگ کو بے حرمت کر کے اس کے مالک کے پاس واپس [۲۱۰] کر دینا چاہئے تاکہ وہ دوبارہ حکومت کی خواہش نہ کرے۔ یہ فیصلہ کر کے اس نے ارغون گروہ کو بلا کر کہا کہ ”کل جب مرزا احمد بیگ، مرزا غازی بیگ کی والدہ کو سلام کر کے دیوان عام میں آ بیٹھے تو تم اس کی بیعتی کرنا۔“ صبح کے وقت اس سازش سے باخبر ہو کر احمد بیگ ان آدمیوں کے ساتھ جنہیں ساتھ لایا تھا تیزی کے ساتھ حویلی میں داخل ہو گیا اور وہاں سے شاہ ابوالقاسم ارغون کی مدد سے جو نصر پور سے

وہاں پہونچا تھا، عمر کوٹ کی راہ لے کر حضور کی طرف روانہ ہو گیا۔ ارغونوں کے گروہ نے خسرو خاں کے کہنے پر ان کا بہتیرا تعاقب کیا لیکن وہ حافظ حقیقی کی حفاظت میں ان کے شر سے محفوظ رہتا ہوا حضور میں جا حاضر ہوا۔

### مرزا کا پہلی بار قندھار جانا

سنہ ۱۰۱۵ھ میں شاہ بیگ خان کے ملازم حیدر کی نمک خرامی کی وجہ سے خراسان کے لشکر نے قندھار پر چڑھائی کر کے پورے سال شاہ بیگ خان کو محاصرہ میں لے رکھا۔ [چنانچہ] دارالخلافت سے مرزا قرہ خان، جسے اس صوبہ کی سرداری عطا ہوئی تھی، [اس مہم کو سر کرنے کے لئے] مامور ہوا۔ مرزا غازی کو بھی اس کے ساتھ بھیجا گیا۔ بخت کی تائید دیکھتے کہ قرہ خان راستہ ہی میں انتقال کر گیا۔ اس کے وکیلوں نے اس کا اثاثہ اور لشکر اس کے فرزند کے پاس منتقل کرنا چاہا جو بکھر میں رہتا تھا۔ اس پر مرزا نے لشکر کے بخشی (خزانچی یا نائب) سے کہا کہ ”قرہ خان کی موت کی وجہ سے اس مہم میں تاخیر کرنا اور لشکر کو اس کے بیٹے کے پاس پہونچانا بادشاہ کی خیر خواہی سے بعید ہے۔ ہم سب بادشاہ کے ملازم ہیں اسکا بخت ہمارا سردار ہے اس لئے بہتر یہ ہے کہ تم یہ سب میرے حوالے کرو کیونکہ میرا لشکر اور خزانہ میرے ملک اور جاگیر سے ابھی تک میرے پاس نہیں پہونچ سکا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ [۲۱۱] اللہ پاک پر توکل کر کے اس مہم کو انجام دوں۔“ شاہی امرا اس بارے میں غور و فکر کر رہے تھے کہ کوچ کا تقارہ بجا کر مرزا



## تحفۃ الکرام

باہر نکلا چنانچہ اس کی مخالفت کو [بادشاہ کی] نافرمانی پر محمول کرتے ہوئے [وہ بھی] اس کے پیچھے ہو لئے۔ حسن اتفاق اور بخت کی یاوری دیکھئے، یہ ابھی قندھار سے دو تین منزلوں کے فاصلہ پر بھی نہ پہنچے تھے کہ خراسان کا لشکر واپس بھاگ گیا اور فتح نامہ مرزا کے نام پر لکھا گیا۔

کہتے ہیں کہ ان دنوں قندھار اور اس کے قرب و جوار میں غلہ بے حد گراں ہو گیا تھا جس کی وجہ سے مرزا بکے کثیر آدمی ضایع اور سوار پیادے ہو گئے تھے۔ مرزا نے اپنی تنگی کا حال حضور میں عرض کیا اس پر اسے وہاں سے بکھر واپس ہو کر اپنا انتظام سوچنے اور پھر اس کے بعد جیسا حکم صادر ہو، تعمیل کرنے کے لئے ارشاد ہوا۔ حکم کے مطابق وہاں (بکھر) پہنچ کر مرزا تیاری کرنے لگا۔ اسی اثنا میں اس کے بدخواہ حاسدوں نے بادشاہ سے عرض کیا کہ ”مرزا اپنے ملک سے واپس آ کر دوبارہ حضور کی قدم بوسی کے لئے حاضر نہ ہوگا۔“ چنانچہ اس سے متاثر ہو کر بادشاہ نے اس کے حاضر ہونے کا فرمان جاری کیا۔ لیکن چونکہ وہ پہلے ہی منتظر اور تیار بیٹھا تھا اس لئے فرمان ملتے ہی روانہ ہو گیا اور جس وقت بادشاہ کابل سے لاہور جا رہا تھا قدم بوسی کا شرف حاصل کر کے چغل خوروں کو روسیاء کیا اور شاہی نوازشات و منصب و جاگیر کی ترقی اور قندھار کی بالاستقلال سرداری سے سرفراز ہوا۔

مرزا غازی کا دوسری بار سردار کی حیثیت سے قندھار روانہ ہونا

جب مرزا سندھ میں سیوستان اور ملتان کے کچھ حصہ کے اضافہ کے ساتھ ساتھ قندھار کی سرداری (گورنری) سے بھی

سرفراز ہوا، اور لاہور سے ملتان [۲۱۴] پہونچا تو اس نے پہلے کسی دوسرے کو اپنی جانب سے وہاں (قندھار) نائب بنا کر بھیجنا چاہا۔ چنانچہ پہلے اس نے محمد امان ترخان کو ہاتھی علم اور دیگر نوازشوں سے سرفراز کر کے [رواند کرنے کی] تجویز کی، لیکن اس بد بخت نے کہا کہ ”چھوٹا بیٹا میرے ساتھ ہے اسے ٹھٹھے پہونچانے کا موقع عنایت ہو، پھر جو حکم فرمائیں گے اس کی تحصیل کرونگا۔“ اس لئے اس کے موقوف ہونے پر احمد بیگ سلطان اس نعمت سے سرفراز ہو کر اور ”اعتماد خان“ کا لقب پا کر قندھار جا پہونچا اور ملک جو دشمن کے لشکر کی چڑھائی کی وجہ سے برباد ہو گیا تھا اسے پہلے سے زیادہ بہتر طور پر آباد کرایا۔ مرزا نے بھی اس کے بعد ملتان سے ہٹ کر آکر اپنی بڑی والدہ کو ملک کے جملہ شمال سمیت ہلا کر ملک کے کاروبار کا انتظام درست کیا اور ہر ملازم کو حسب مرتبہ نواز کر اور بعضوں کو رخصت دے کر اور بعضوں کو اپنے ساتھ لے کر سیوی اور گنجاہ (۱) کی راہ سے قندھار جا پہونچا۔ وہاں مقیم ہونے کے بعد اس نے خسرو خان کے بیٹے بھائی خان اور لطف اللہ کو افغانوں پر فوج کشی کرنے کے لئے روانہ کیا اور کھوریہ رائے کے بیٹے رائے مانک چند کو مذکورہ فسادِ حیدر کی سرکوبی پر مامور کیا۔ انہوں نے ہر ایک کے [سر سے] سرکشی کا غرور نکال کر ان کی بنیادیں اکھاڑ پھینکیں۔ [اس کے بعد اس نے] میر عبداللہ سلطان کو میر خان کے لقب سے سرفراز کر کے ایران کے والی شاہ عباس [صفوی] کے پاس ایلچی بنا کر بھیجا جو شاہانِ شان تحائف ساتھ لے جا کر

[اور اس کے ذریعہ] باہمی رنجش دور کر کے [سرخرو ہوا]۔  
[اس طرح ہر طرف سے مطمئن ہو کر] آرام کے ساتھ وہ مسند  
حکومت پر بیٹھ کر [دلی] مرادیں پوری کرنے لگا۔

کہتے ہیں کہ مرزا ٹھٹھ، سیوہن اور ملتان کے بعض  
علاقوں کی جاگیریں اور پورے قندھار کے [تحویل میں] ہوئے  
ہوئے بھی کثرت بخشش و سخاوت [۲۱۳] کی وجہ سے ہمیشہ  
تنگدستی اور مفلسی میں گزارا کرتا تھا۔ ایک دن خرچ کے  
وکیل نے اس سے کہا کہ ”چھ ماہ گزر گئے ہیں لیکن آپ  
نے آمد و خرچ کے گوشوارے ملاحظہ نہیں فرمائے ہیں۔ خرچ  
آمدنی سے زیادہ ہو چکا ہے [اس لئے] مہربانی فرما کر کچھ  
لمحات توجہ دے کر چند صفحات مطالعہ فرمائیں“۔ [اس پر  
اس نے] کاغذات لے کر پھاڑ ڈالے اور کہنے لگا کہ ”میرے  
والد بزرگوار کے پاس جو کچھ تھا انہوں نے وہ سب خرچ کر کے  
میرے لئے کچھ باقی نہ چھوڑا تھا۔ لیکن اس کے باوجود رازق  
مطلق نے مجھے دولت شہنشاہی کے دروازہ پر خصوصیت کا  
مستحق گردانا ہے جو بخت کی تائید سے روز افزوں ہے اور  
الحمد للہ کہ رزق سے خالی نہیں ہوں۔ جس طرح اتنی طویل  
عمر گزر گئی ہے باقی بھی گزر جائے گی۔ مجھے اس فکر میں  
مبتلا نہ کرو“۔

دوسری مرتبہ وکیلوں نے عرض کیا کہ ”ٹھٹھے میں  
خسرو خان کل مالیات ہو متصرف ہے چنانچہ اگر کوئی شخص  
وہاں کے مالی کاروبار کا مطالعہ کر کے آگاہ کرے تو یہ بات  
مصلحت سے بعید نہ ہوگی“۔ اس پر [اس نے] رائے کہو رہ  
کے داماد ”سائیں ڈنہ“ کو ”ہندو خان“ کا خطاب عطا کر کے

اور خزانچی بنا کر ٹھہرے روانہ کیا۔ اس نے خسرو خان کے سارے غبن کی تحقیق کر کے واپس آکر، سارا حال مرزا کے آگے پیش کیا۔ مرزا نے اہل مجلس کو حکم دیا کہ وہ اس کے بیٹے بھائی خان کو اذیتیں پہنچاتے رہیں۔

### خسرو خان کے غلبہ کا واقعہ

کہتے ہیں کہ جب خسرو خان کو ٹھہرے میں استقلال حاصل ہوا تو اس نے عنان حکومت اپنے فواسوں کو سونپ دی اور مرزا غازی کو ملک کا مالک نہ سمجھا۔ ان میں سے اس کا ایک نواسہ محمد بیگ ابن رستم بیگ نیروں کوٹ کا حاکم تھا اور [۲۱۳] ارغونوں اور ترخانوں پر بڑے مظالم کیا کرتا تھا۔ جو بھی اس کے پاس آتا [اس سے مصافحہ کرنے کی بجائے] سامنے پیر پھیلا دیا کرتا تھا۔ اس کے (خسرو خان کے) بیٹے بھائی خان کے فرزند فتح اللہ نے، مرشد خان کو جس کی مرزا، اس کے باپ بھائی خان سے بھی زیادہ عزت کیا کرتا تھا۔ جاکیر سے بلا کر [ملاقات کے لئے] اپنے پاس تک نہ آئے دیا۔ شیخ کالہ کے بیٹے شیخ عبدالباقی نے ہندوؤں کی ایک بڑی مجلس میں ایک دھوبی کو اشارہ کیا جس نے اس بھری محفل سے ایک عورت کو اٹھا لیا۔ لیکن ہندوؤں نے جو ہزاروں کی تعداد میں تھے بلوہ کر کے اس عورت کو اس سے واپس چھین لیا۔

غرض مالیات میں غبن کے علاوہ مذکورہ بالا جملہ باتیں بھی مرزا کے گوش گزار کی گئیں جس پر مرزا کو سخت غصہ آ گیا اور ایک دن کھلی مجلس میں اس نے کہا کہ ”خدا نے چاہا تو ایک دن لاٹھی ہاتھ میں دے کر خسرو خان کو کنیزوں کا دربان بناؤں گا اور لطف اللہ اور بھائی خان کے بیٹے فتح اللہ

کو ہاتھ میں آفتابہ دوں گا کہ باپ اور دادا کے سامنے اپنے لوکروں کے ہاتھ دھلاؤں۔ اور محمد بیگ کی کمر میں گھنٹیاں بندھوا کر جلوداروں کی طرح کم از کم غلام کی ہمرکابی میں دوڑاؤں گا۔“ لیکن وہ تقدیر سے بے خبر تھا۔ اسے کیا علم تھا کہ اپنی اس تمنا کو پورا کرنے سے پہلے وہ خود کہاں جائیگا۔ قصہ مختصر، اس نے، خسروخان کو اس کے نواسوں اور پوتوں نیز مال و اسباب اور خورد و کلان چرکسوں سمیت [گرفتار کر کے] لے آئے کے لئے رائے کھوروہ کے داماد رائے سائین ڈنہ کو جیسے ”ہندو خان“ کا لقب ملا تھا سردار مقرر کر کے اس کے برادر نسبتی (سالیے) مانک چند اور شہباز کے ساتھ ٹھٹھے کی مہم پر روانہ کیا۔

### ہندو خان کے آنے کے بعد پیش آنے والے واقعات

ہندو خان مذکورہ بالا سرداروں کے ساتھ نصر پور کی حدود میں جا پہنچا۔ اور پہلے باہری (نواحی) معاملات کو ہموار کر کے، پھر ملک کے اندر داخل [۲۱۵] ہونے کا ارادہ کیا۔ اسی اثنا میں خسروخان کے اشارہ پر مقیم سلطان نے بھائیوں سے مشورہ کر کے ان سب کو نصرپور کے قلعہ میں بند کر دیا۔ ابوالقاسم سلطان جو خسروخان کی سفارش پر مرزا کی اجازت سے آزاد ہو گیا تھا، اپنے بھائیوں اور مددگاروں کو قلعہ میں محصور شدہ لوگوں کے راستے اور رسد کی آمد و رفت بند کرنے کا مشورہ دیا۔ اس طرف مانک چند کو موت نے دعوت دی اور وہ میرک محمد سلطان بن قاسم علی سلطان کو اپنے ساتھ لے کر مقیم خان کو راضی کر کے ہندو خان سے متفق کرنے کے لئے اس کے گھر چلا گیا لیکن بات طے نہ ہونے کی وجہ سے

مجلس سے اٹھ کر جب وہ باہر نکلا تو ایک ارغون نے اسے قتل کر دیا۔ مذکورہ میرک نے اس پر حملہ کرنا چاہا لیکن وہ بھی قتل ہو گیا۔ جب یہ خبر مانک چند کے بیٹے رائے سنگھ نے سنی تو [یہ ساختہ] یہ کہہ کر باہر نکلا کہ ”جب تک انتقام نہ لیے لونگا اس وقت تک باپ کی لاش کو نہ جلاؤنگا۔“ پھر انتہائی خوفناک حملہ کر کے اس نے شاہ قاسم ارغون کے داماد شہر بیگ کو منتخب لوگوں سمیت قتل کر دیا اور ان کا ہاتھی اور دیگر سامان یہ جبر چھین کر اور انہیں لادعویٰ بنا کر واپس ہوا۔ اس کے بعد آکر اس نے باپ کی لاش کو جلایا اور فتح کے نقارے بجاتا ہوا مرزا کے حضور میں روانہ ہوا۔ ہندو خان اور اس کے بھائی نارائن داس نے جسے ”شجاعت خان“ (۱) کا لقب ملا تھا، اس کے باپ کی تعزیت میں آکر اسے بہتیرا منا کر واپس کرنا چاہا لیکن اس نے ایک نہ سنی۔ مرزا نے اس کی یہ جرأت دیکھ کر اسے باپ سے بھی بڑا منصب عطا کیا۔

اس طرف ہندو خان نے اپنے مذکورہ ساتھیوں سمیت ٹھٹھ پہنچ کر خسرو خان کو بے دخل کیا۔ خسرو خان نے خفیہ طور پر زمینداروں کو بہتیرا ورغلا یا لیکن مرزا کے بخت کی برکت سے اس کی کوشش [۲۱۶] بار آور نہ ہوئی۔ ہندو خان کے خود مختار ہونے کے بعد خسرو خان نے بیٹوں سمیت ہالا کٹڈی (ہالا) میں پہنچ کر قندھار جانا چاہا لیکن اسی اثنا میں اسے مرزا غازی کے فوت ہونے کی خبر ملی۔

### مرزا غازی بیگ کا فوت ہونا

معتبروں سے روایت ہے کہ قندھار میں جب مرزا اس اوج پر پہنچا اور اس کا بخت روز بروز مائل بہ ترقی ہوا تو اس کے اعزہ میں سے بعض بدخواہ اقبال و ترقی کے اس ہودے کو فنا کے جھونکے سے جڑ سے اکھاڑ دینے پر آمادہ ہوئے۔ بالآخر سنہ ۱۰۲۱ھ میں عبداللطیف نامی ایک خانہ زاد غلام کے ہاتھوں گلا گھٹوا کر اور ایک قول کے مطابق زہر دلو کر اپنے ہلاک کر دیا۔ ایک شاعر نے اس کا ایک مصرعہ تلخیص کیا ہے :

”ز دستِ غلام گل ہوں رفتہ، دریغ“

اس کی لاش کو لٹھ لا کر اس کے باپ کے پہلو میں ایک مقبرہ میں دفن کیا گیا۔ وہ شعر اچھے کہتا تھا اور ان میں ”وقاری“ تخلص کرتا تھا۔ طالب آملی پہلے اسی کے پاس ملازم تھا۔ ملا مرشد یزجردی (۱) اور شمس بھی مدتوں اس کے پاس رہے تھے۔

کہتے ہیں کہ قندھار میں ”وقاری“ تخلص کا ایک اور بھی شاعر تھا جسے اس نے گزراں رقم، گھوڑا اور خلعت دے کر اس تخلص سے دست بردار کرایا تھا۔

ترخان خاندان کی حکومت بالآخر یہیں پر ختم ہوتی ہے لیکن جہانگیر کے آخری زمانہ میں مرزا عیسیٰ ترخان بھی کچھ عرصہ کے لئے ملک کی حکومت سے سرفراز ہوا تھا۔ [۲۱۷]

نقل ہے کہ مرزا اور اس کے والد علم موسیقی میں عموماً

اور ”لوڈی“ راگنی میں خصوصاً بڑی مہارت رکھتے تھے۔ سید لطف اللہ شیرازی کے فرزند میر عبدالولی کی زبانی نقل کرتے ہیں کہ جو شخص بھی ان باپ بیٹوں کے مقبرہ پر کسی مراد کو حاصل کرنے کی نیت سے مذکورہ راگنی لایے گا چند دنوں میں ضرور وہ اپنی مراد پائے گا۔

چونکہ اس کی کوئی اولاد نہ تھی اور ہندو خان نے خسرو خان کا خاتمہ کر کے بے اعتدالی کی راہ اختیار کی تھی اور افعال قبیحہ کا ارتکاب کرنے لگا تھا اس لئے جہانگیر بادشاہ نے مملکت ٹھٹھہ کو بھی دوسری ممالک کی طرح اپنے حضور سے مقرر ہونے والے امرا کے حوالہ کیا۔ ارغونی اور ترخانی عہد کے بعض امرا کے بیان کے بعد ان کا ذکر ہوگا، انشا اللہ تعالیٰ۔

ارغونی اور ترخانی عہد کے امرا

حالانکہ ان دونوں خاندانوں کے، جنہیں باہمی اتحاد اور کثیر رشتوں کی بنا پر فی الواقعہ ایک ہی خاندان شمار کرنا چاہئے، امرا بے شمار ہیں، لیکن راقم ان میں سے چند کا جو بے حد مشہور ہیں مختصر طور پر ذکر کرتا ہوں :

#### سلطان محمود خان

سلطان محمود خان بن میر فاضل کو کلتاش بن ہادل خواجہ اصفہانی، کے بزرگ اصفہان کے ضلع حسن کے موضع خورسکان میں رہا کرتے تھے۔ اس علاقہ کے لوگ بڑے سرکش تھے چنانچہ صاحبقران اسیر تیمور گورگان نے ان پر چڑھائی کرنے کے لئے ایک فوج روانہ کی تھی۔ [اسی ہنگامہ میں] عادل خواجہ کا باپ احمد خواجہ، ذوالنون کے والد حسن مصری کے ہاتھ آیا تھا جس نے اسے اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا تھا۔



احمد خواجہ [کاسلسلہ نسب] تین پشتوں کے بعد محمود خان سے جا ملتا ہے جو شہر اصفہان میں بے حد سعی مشہور تھا اور اٹھارہویں [۲۱۸] پشت میں [یہ سلسلہ] عدی بن حاتم تک جا پہنچتا ہے۔ سلطان محمود خان کی والدہ ”شال“ مستنگ کے کاسی پشوانوں سے تھی۔ چودہ سال ہی کی عمر سے اس نے میدان جنگ میں خوب جوہر دکھائے تھے جس کی وجہ سے شاہ بیگ اسے پسند کرنے لگا تھا۔ سندھ کے فتح ہونے کے بعد کوئی بھی امیر بکھر کی نگرانی کا ذمہ اپنے اوپر لینے کو تیار نہ ہوتا تھا لیکن اس نے اس کا ذمہ لے کر اس کی بہ حسن و خوبی حفاظت کی۔ اکثر لڑائیوں میں شاہ بیگ اور شاہ حسن کے ساتھ رہ کر اس نے بڑے کارنامے انجام دیے۔ مرزا شاہ حسن کے بعد جیسا کہ بیان ہو چکا ہے وہ ملک بکھر کا بالانتقال وارث ہوا۔ سنہ ۵۹۶ھ (۱) میں اسے شاہ طہماسپ مغوی کی جانب سے ”خانی“ کا خطاب، عہد نقارہ، تمن طوغ (۲)، خلعت اور دیگر کتنے ہی اعزازات عطا ہوئے۔ بلوچوں [غالباً بلوچ سرداروں] کے انتقال کو جانے کی وجہ سے ملا صاحب علی اکبری دربار سے اس کے لئے آج، بھٹی اور [ججوا] واہن کے کے ہر گنوں کی حکومت کا پروانہ لے آیا (۳)۔ سنہ ۵۹۷ھ میں

۱۔ نسخہ ”ن“ میں خمس و سبعین و تسعماء، یعنی سنہ ۵۹۷ھ ہے۔

۲۔ ”تمن طوغ“ (تمن = دس ہزار سپاہی، طوغ = علم، نشان) = وہ علم جو دس ہزار سپاہیوں کی سرداری کا نشان ہو۔

۳۔ یہاں اصل متن کی عبارت الجہی ہوئی ہے۔ مرقوم ہے کہ

[بقیہ حاشیہ ص ۲۷۵ پر]

شاہ طہماسپ کا ایلچی حق بردی بیگ دوبارہ اعزازات لے کر آیا اور یہاں سے پھر میر ابوالمکارم ہدایہ اور نذرانے [۲۱۹] ساتھ لے کر مذکورہ ایلچی کے ساتھ گیا۔ حق بردی بیگ تیسری مرتبہ بھی ”خان خانی“ کا خطاب اور طرح طرح کے انعامات لے کر آیا۔ سنہ ۹۸۱ھ میں [اس نے] مبارک خان سے ماتھیلہ کا قلعہ حاصل کیا۔ اسی سال اعتماد خان شہنشاہ اکبر کے لئے اس کی بیٹی کا رشتہ طلب کرنے کے لئے قیمتی خلعت، کمربند، مرصع تلوار، زین و لگام سمیت گھوڑا اور چار ہاتھی اپنے ساتھ لے کر آیا اور اس نے اسی سال اپنی بیٹی کو معتمد افراد کی معیت میں رخصت کر دیا۔ اسی دوران میں اس کی حکومت کے زوال کے اسباب پیدا ہوئے جن کا ذکر طویل ہے۔ محب علی خان اور مجاہد خان نے اسی کے نمک حرام آدمیوں کی مدد سے اسے قلعہ میں محصور کر دیا۔ باوجودیکہ اس کی بیٹی کے پہونچنے کے بعد انواع و اقسام کی نوازشوں کے ساتھ شاہی فرمان اس کے

[ہتہ حاشیہ ص ۲۷۷]

”ملان محب علی سندی ہرے سے از درگاہ اکبری تفویض ریاست حدود اوچہ و آہن و ہتی از انتقال بلوچان آوردہ۔“ معنیف کے دستی نسخے کی بھی عبارت یہی ہے، تاریخ معصومی میں مرقوم ہے کہ ”سنہ ۹۶۵ھ میں ملا محب علی ہارگاہ عالم پناہ میں ایلچی ہو کر گیا اور بلوچوں کے انتقال کر جانے کی وجہ سے آج، ججو واہن اور بھٹی واہن، سلطان محمود کی جاگیر مقرر ہوئے“ تاریخ معصومی کی روایت پر اعتماد کرتے ہوئے یہاں ”آہن“ کی جگہ ”واہن“ [ججو] واہن“ لکھا گیا ہے۔

حق میں پہنچا لیکن مذکورہ خوانین اس پر عمل پیرا نہ ہوئے۔ اسی اثنا میں ایسے استسقا (جلندر) کا مرض لاحق ہو گیا جو روز بروز ترقی کرتا گیا۔ بالآخر اس کی ہاک روح قیدِ جسم سے آزاد ہو گئی۔ یہ واقعہ سنہ ۸۹۸۲ھ میں ظہور پذیر ہوا۔ ”در بہشت آسوداں کی تاریخ ہے (۱)۔

[امیر شاہ قاسم بیگلار]

امیر شاہ قاسم بیگلار (۲) بن ابرک بیگ بن چوچک بیگ، فوید بیگ بیگلار کا بھتیجا اور سمرقند کا باشندہ تھا۔ بیگلار خاندان حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد کے زمرہ میں داخل ہے۔ بیگلار کا دادا سید علاؤ الدین خواجہ بن سید نظام الدین متلیک بن سید بہاؤ الدین عمر بن سید علی بن سید احمد بن سید عبداللہ بن سید جعفر بن سید عبداللہ بن سید نظام الدین اعلیٰ [۲۲۰] یہ [بزرگ] ترمذ سے سمرقند آئے تھے۔ ان کی آمد پر ملک الشعرا سوزنی نے کہا تھا: سمرقند پشرب شد و مکہ ترمذ

ز مکہ یہ پشرب خرامیدہ سید

بن سید ابوالقاسم بن سید زین العابدین بن سید شمس الدین محمد بن شرف الدین حسین، اپنے زمانہ کے سیدالستادات اور جعفر الحجة سلطان العارفین عبداللہ الاعرج بن سید حسین الاصغر بن امام زین العابدین۔ حادثاتِ زمانہ کی وجہ سے ترکستان

۱۔ سلطان محمود خان کے مفصل حالات کے لئے ملاحظہ ہو

تاریخ معصومی۔

۲۔ بیگلار بمعنی شہزادہ اور ”بیگلاریگی“ کے معنی ہیں

شہزادوں کا شہزادہ۔

میں آئے اور اس ملک میں ان کی اولاد ترکوں سے گھل مل گئی۔ جس کی وجہ سے بیگلار کا ارغونوں سے تعلق پیدا ہو گیا۔ میر شاہ قاسم، شاہ حسن کے زمانے میں سمرقند سے سندھ آکر کثیر نوازشوں سے سرفراز ہوا اور ”جھپجھ“ کے ہر گئے اسے جاگیر میں ملے۔ اس نے عمر کوٹ کے رانا ورسہ کی بھانجی سے عقد کیا جس کے بطن سے ابوالقاسم تولد ہوا۔ سنہ ۸۹۵۲ھ (۱) میں ہمایوں بادشاہ سے جو پہلی جنگ ہوئی اس میں وہ انتقال کر گیا تھا۔ اس کی قبر موضع تورکی میں ہے۔

#### ابو القاسم، خان زمان

میر ابو القاسم خان زمان، ابن شاہ قاسم بیگلار، باپ کے بعد تین سال کی عمر سے اپنی ماں، رانا ورسہ کی بھانجی، کے ساتھ ”پٹن“ میں رہنے لگا۔ اتفاقاً اس علاقہ پر ”جونہجھ“ لوگوں نے حملہ کیا اور اس جنگ میں اس کے چہرہ پر بھی زخم آیا جسے اسی حالت میں شاہ حسن کے پاس لے آئے۔ اس نے اس کی تربیت کا بڑا اہتمام کیا اور موضع ”گاچی“ اسے انعام میں دیا۔ اس کا ستارہ اقبال روز بروز ترقی کرتا گیا اور شاہ حسن کے بعد وہ [۲۲۱] مرزا عیسیٰ کے پاس رہنے لگا۔ پھر ارغونوں کے قتل [عام] کے بعد وہ مرزا باقی کے پاس سے فرار ہو کر جان بابا سے جا ملا۔ اس کے پاس رہ کر اس نے جو کارنامے انجام دیئے ان میں سے چند بیگلار نامہ میں مرقوم ہیں۔ اس کے بعد بالآخر وہ مرزا باقی کے پاس واپس آ گیا۔ پھر مرزا جانی بیگ کے پاس رہ کر اس کے منتخب امرا کے زمرہ میں شامل ہوا۔ جب خان خانان مرزا جانی بیگ کو لیے کر حضور

میں گیا تھا تو یہ بھی اس کے ہمراہ تھا۔ پہلی ملاقات میں اکبر بادشاہ نے [اس سے] دریافت کیا کہ ”تمہاری عمر کتنی ہے“ وہ جواب دینے ہی کو تھا کہ جانی بیگ نے عرض کیا ”ہاؤں سال“ بادشاہ نے پوچھا ”ولادت کہاں ہوئی“۔ اس نے بخود جواب دیا کہ ”عمر کوٹ میں“۔ [یہ سن کر] بادشاہ نے فرمایا کہ ”میرا اور سید کا مقام ولادت ایک ہی ہے“۔ بادشاہ نے مرزا جانی بیگ کو نوازا تو امیر خسرو خان اور خان زمان (ابوالقاسم) ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ ”بادشاہ نے ہمیں خلعت کی نوازش نہ کی تو پھر ہم سندھ کیا منہ لیے کر واپس جائیں گے؟“ یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ دونوں اسرا کو بادشاہ نے طلب کیا۔ یہ کئی تو بادشاہ اندر تھا اور دو گھوڑے، ایک نیلا اور ایک شبرنگ، باہر کھڑے تھے۔ خان زمان نے [ازراہ مزاح] خسرو خان سے کہا کہ ”جانتے ہو، یہ گھوڑے ہمارے ہی لئے ہیں؟“۔ اس نے بھی جواب میں خوش طبعی سے کہا کہ ”ہاں اور تمہیں تو گھوڑے کے علاوہ ایک ہاتھی بھی عطا ہوا“۔ [اتفاق دیکھنے کے] دونوں اسرا کی یہ گفتگو تقدیر کے [فیصلہ کے] عین مطابق نکلی۔

وہ دونوں گھوڑے انہیں بخشے گئے اور خان زمان کے گھر پر پہنچنے پر ایک ہاتھی بھی اچھے ملا۔ دونوں [اسرا] مرزا غازی کی خدمت میں سندھ پر مامور ہوئے۔ اس کی یادگاروں میں ”میرگ مینار“ جو اس نے گھوڑے [کی محبت میں] تعمیر کرایا تھا آج تک موجود ہے۔ [۲۲۲]

کہتے ہیں کہ اس گھوڑے میں عجیب صفات تھیں۔ ایک مرتبہ جنگ کے دوران میں اس کے (خان زمان کے) دو

جاں نثار زمین پر گر گئے ۔ ان میں سے ایک زخمی تھا اور دوسرا مرجکا تھا ۔ چنانچہ اس نے مردہ کو گھوڑے کی پیٹھ پر اور زخمی کو اپنی پیٹھ پر باندھ کر اس فرازی جنگ میں تین دن مسلسل اس [گھوڑے] پر سواری کی ۔ اس [کراں] بوجھ اور تین دن کی بھوک پیاس کے علاوہ شدید زخمی ہونے کے باوجود وہ گھمڑا اس وقت تک ہرگز نہ گرا جب تک اس نے مالک کو کسی [محفوظ] مقام پر نہ پہنچا دیا لیکن اس کے بعد جب [سلامتی کی] جگہ پر پہنچ گیا تو فی الفور ٹوٹ کر مر گیا ۔

”میرگ“ کے معنی ہرن کے ہیں ۔ اس کی دوسری یادگار سائکرہ کے کنارے پر ”شاہ کرہ“ (ساکرہ) کا قلعہ ہے جس کا اب صرف نام رہ گیا ہے ۔

#### میر ابو القاسم سلطان

میر ابو القاسم ولد خان زمان مذکور ، جس کا کچھ حال اس سے پیشتر بیان ہو چکا ہے ، نہایت بہادر اور سخی مرد تھا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ شعر گوئی اور شعر فہمی میں بھی اس کے ہم عصروں میں کوئی اس کا جواب نہ تھا ۔ ”بیکار“ تخلص کرتا تھا ۔ اس کی ولادت سنہ ۹۶۹ھ میں ہوئی تھی ۔ ادراکی بیکلار نے جس کا آگے چل کر ذکر آئے گا چنیسرا نامہ اسی کے نام سے منسوب کیا تھا ۔ ”منتخب التواریخ“ کے مصنف اور میر طاہر نے یہ کتاب اس کی تصنیف بتائی ہے جو غلط ہے کیونکہ راقم الحروف (میر قانع) نے وہ نسخہ خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اس کا مصنف ادراکی بیکلار ہی ہے اور یہ [میر ابو القاسم] اس کا محدوح ہے ۔

مقیم سلطان

مقیم سلطان ولد خان زمان ، ابو القاسم سلطان کا بھائی ،  
یہی ارغون اور بیگلار قبیلہ کا ایک ممتاز امیر گذرا ہے۔ [۲۲۳]  
[مسکین ترخان]

مسکین ترخان ، شاہ بیگ اور مرزا شاہ حسن کے عہد  
میں ان کے معزز اور ممتاز اسرا میں تھا۔ شاہ حسن کے نزدیک  
اس کے مقرب اور معزز ہونے کے لئے یہی ایک دلیل کافی ہے  
کہ جب اس نے (مرزا نے) ملتان فتح کیا تھا تو ملتان کے  
حکمران سلطان محمود لانگاہ کے فرزند اور دختر کو اسی کے حوالہ  
کیا تھا۔

فرخ ارغون

یہ مرزا شاہ بیگ اور شاہ حسن کے مشہور و معروف اسرا  
میں نہایت بہادر اور بزرگ تھا۔ جامع فرخ اسی کی شاندار  
یادگار ہے جو عہد شاہجہاں میں دوبارہ تعمیر ہوئی تھی۔ دو  
تازہ قطعات کے علاوہ موجودہ عمارت بدستور اپنی سابقہ صورت  
میں موجود ہے۔ (۱)

میر یونس ارغون

پہلے یہ ہمایوں بادشاہ اور محمد زمان مرزا کی ملازمت

۱۔ اس مقام پر اصل متن کی عبارت میں خلل ہے۔ مرقوم ہے  
”و بنائے حال شعر دو قطع اساس زمین قریب ہم ازان  
قرار صورت ظہور داد“ اس میں لفظ ”شعر“ غالباً کاتب کے  
سہو سے شامل ہو گیا ہے اور غالباً اس مقام پر لفظ  
”ہاستنا“ رہا ہوگا۔ ترجمہ اسی خیال کی بنیاد پر کیا  
کیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

میں تھا اس کے بعد مرزا شاہ حسن کے امرا کی فہرست میں داخل ہوا۔ آخر میں یہ سلطان محمود خان سے جا ملا تھا جس کے بعد اس نے گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ اپنی وفات کے سے دو دن قبل اس نے اپنی تاریخ وفات اس مصرع سے اخذ کی تھی:

”رستم از قید این و آن اے دل“۔ [۲۲۴]

### شاہ حسین تکدري

یہ سرزا شاہ حسن کے تکدري امرا کی فہرست میں داخل تھا۔ تیزی، طبع، عمدگی، ذہن اور اعلیٰ آداب و اطوار کے اعتبار سے یہ اپنی نظیر آپ تھا۔ [اس کے علاوہ] وہ اپنے وقت کے علما کا سردار تھا اور فن تاریخ میں خاص کمال رکھتا تھا۔

”روضۃ السلاطین“ اسی کی تصنیف ہے۔

### میر علیکہ ارغون

شاہ بیگ اور شاہ حسن کے امرا میں اپنی بے مثل شجاعت اور لا جواب ذہانت کی وجہ سے بے حد مشہور تھا۔ ہمایوں بادشاہ کے اوج کے دنوں میں کسی موقع پر مرزا شاہ حسن نے اسے اس کے پاس بھیجا تھا، جہاں سے وہ بغیر اجازت لٹے، جیسا کہ بیان ہو چکا ہے، واپس آ گیا تھا اور آ کر بیان کیا تھا کہ ”بادشاہ کے رویہ سے ایسا نظر آتا تھا کہ جیسے عنقریب کوئی شخص اس کے خلاف بغاوت کرے گا۔“ اس وقت یہ صورت کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی۔ لیکن اتفاق دیکھئے کہ چند ہی دنوں کے بعد وہ [پہاڑ] جیسا [مستحکم] بادشاہ شہر خان کے ہاتھوں در بدر ہو گیا۔

### غضنفر بیگ ارغون

مرزا باقر نے اسے ٹھٹھے سے نکال دیا تھا اور وہ سر زمین



کستھ میں آوارہ پھرتا رہا۔ لیکن پھر مرزا جانی بیگ کے زمانے میں خسرو خان کی سفارش پر واپس آکر مقربین میں شامل ہوا۔ خان خانان سے جنگ کے موقع پر سیوہن کے قرب و جوار میں مردانہ کارنامے دکھانے کے بعد قتل ہو گیا۔

مرزا بیگ عادل خان ترخان

بھائیوں کی عداوت کی وجہ سے مرزا باقی کے زمانے میں یہ جا کر اکبری دربار میں داخل ہو گیا تھا۔ جہانگیر کے عہد میں یہ قندھار کا [۲۲۵] حاکم بنایا گیا تھا لیکن چونکہ یہ قزلباش لشکر کا مقابلہ نہ کر سکا تھا اس لئے اس کی جگہ مرزا غازی بیگ نے، جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے، جا کر سرخروئی حاصل کی اور اس کا قائم مقام ہوا۔ وہ نکتہ سنج اور تیز طبع تھا۔ میر طاهر نے ”تاریخ طاہری“ اسی سے منسوب کی ہے۔

ملا بہبود

یہ مرزا عیسیٰ کے خاص خیالیوں میں سے تھا۔ مرزا باقی نے اسے محل کی ایک کنیز عطا کی تھی جس کے بطن سے میر علی نامی فرزند پیدا ہوا تھا۔ مرزا باقی کے زمانے میں جان بابا سے جنگ کے دوران سخت حملوں کے بعد یہ کام آیا۔ اس کے فرزند نے خود کو ارغون خاندان کا فرد تصور کرتے ہوئے مرایم علی سلطان کا لقب اختیار کیا تھا۔

قاضی خمیسہ

یہ اصل میں ایک آوارہ شخص تھا۔ قاضی کا لقب ”برعکس نہند نامی زنگی کافور“ کے مصداق تھا۔ ممکن ہے یہ قاضی گھرانے کا فرد ہو۔ مرزا باقی کی پریشانی کے زمانے میں اس کی

رفاقت اور اپنی قسمت کی باوری کی وجہ سے نالائق ہوتے ہوئے بھی یہ مرزا باقی کے عہد میں اس کے بھائی مرزا صالح کی جاگیروں پر قبضہ کر کے سارے ملک کا وکیل مطلق اور مدارالمہام ہوا۔ اس کا اوج اس حد کو جا پہنچا تھا کہ وہ ہزاروں گھوڑوں اور ملازموں کی جلموں میں نکلا کرتا تھا۔ اس کی انسانیت ذیل کی روایت سے ظاہر ہوتی ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک دن سید علی شیرازی اور شیخ عبدالوہاب پورانی، کچھ علما، ممتاز اور سرکردہ افراد کے ساتھ کسی ضروری کام کے فیصلہ کے لئے اس کے [۲۲۶] پاس آئے۔ [ان کی آمد پر] اس نے حقارت کے ساتھ کہا کہ ”آؤ اے ملاؤ!“ اس جماعت میں قاضی نعمت اللہ بڑا تیز طبع تھا اس سے ضبط نہ ہو سکا اور کہا: ”قاضی صاحب، ملا کے معنی کیا ہیں؟“ چونکہ وہ علم معقولیت سے قطعی نا آشنا تھا اس لئے اس سوال کے جواب میں اس نے انگلی سے ایک گول دائرہ کھینچ کر کہا کہ ”یہ کیسی شکل ہے؟“ اس پر وقت کے جملہ فلسفیوں اور صاحبان کمال نے یہ لا یعنی شکل دیکھ کر حیرانی سے کہا کہ ”ہمیں اس عجیب و غریب شکل کی حقیقت کا علم نہیں آپ خود ہی بیان کریں۔“ اس نے کہا کہ ”یہ شکل ایسی نہیں ہے کہ اتنی بزرگی کے باوجود تم چکر میں پڑ جاؤ“ پھر اس نے ایک اور ہندسہ جیسی شکل کھینچ کر کہا کہ ”اچھا یہ آسان ہے اس کا جواب دو۔“ انہوں نے جواب دیا کہ ہنیت، حکمت، ہندسہ، کیمیا، سیمیا، توحید اور تسخیر کے ہم نے بے شمار مسئلے پڑھے ہیں لیکن ایسی شکل ہمیں کہیں بھی نظر نہیں آئی اور آپ کے روشن دل کے سوا کہ آپ درخت عقل

کی پہننگی ہیں، یہ کسی بھی دوسرے کے خیال میں نہیں آسکتی۔  
[اس پر اس نے] کہا کہ ”اے نادانوا! باوجود اس زعم ہمہ  
دانی کے تم جس شکل کو سمجھنے میں ناکام رہے ہو وہ ایک  
ادنیٰ کسان کے بیل کے پیشاب کی شکل ہے۔“ ایسے شخص کی  
صحبت دیکھ کر وہ بزرگ بغیر اپنا مطلب ظاہر کئے اٹھ کھڑے  
ہوئے۔ جب اس نے دیکھا کہ ان بزرگوں کو اس نے بے حد  
تکلیف پہونچائی ہے تو معافی طلب کر کے وہ جس مقصد کے لئے  
آئے تھے ان کا وہ مقصد پورا کر دیا۔

یہ حاکم کی بدتمیزی تھی کہ اس نے ایسے بیوقوف  
شخص کو مدارالمہام بنایا تھا۔ اس کے بعد ضرورت ہونے کے  
باوجود ان بزرگوں میں سے کوئی بھی اس کے پاس نہ گیا۔ [۲۲۷]

#### خواجہ خلیل

پہلے یہ غیر معروف شخص تھا لیکن جیسا کہ بیان  
ہو چکا ہے مرزا باقی کو ڈوبنے سے بچانے کی خدمت کے بدلے  
میں اعلیٰ منصب پر فائز ہو کر مہردار ہوا۔ ذاتی طور پر یہ  
ایک اچھا آدمی تھا۔ اس کی درگاہ ہکلی میں مشہور ہے۔ کہتے  
ہیں کہ اس درگاہ کے تعمیر ہونے پر اس نے وصیت کی تھی کہ  
”چونکہ اس درگاہ کی تعمیر حکمرانی کے زمانے میں ہوئی ہے  
اور ممکن ہے کہ کسی مزدور کے ساتھ کوئی زیادتی ہوئی ہو  
چنانچہ مجھے اس کے اندر دفن نہ کرنا۔“ اسی وجہ سے اسے  
اس کے باہر صحن میں ایک علیحدہ گنبد کے نیچے دفن کیا گیا۔

#### خسرو خان چرکس

یہ چنگیز خان کی اولاد میں سے چرکس خاں سے منسوب  
ہے جو قباچاق کے میدان پر حکومت کرتا تھا۔ ابتدا میں یہ

ملا جانی بندری کے پاس تھا جس سے مرزا عیسیٰ نے لے کر آفتابہ بردار بنایا تھا۔ اس کے بعد اس کے ذاتی جوہر دیکھ کر اسے جلد ہی [بعض] ہرگنوں کی حکمرانی عطا کی۔ مرزا باقی کے زمانے میں ترقی کرتا گیا اور مرزا جانی بیگ کے زمانے میں یہ بڑا معتمد امیر بن گیا۔ اس جیسا با توفیق اور صاحب خیر اس سر زمین پر دوسرا کوئی نہیں پیدا ہوا۔ جتنے آثار اس کے باقی ہیں کسی بھی [دوسرے] امیر یا بادشاہ کے اس کے دسویں حصے کے برابر بھی نہیں ہیں۔ ٹھٹھہ، مکی اور شہر کے گرد و نواح میں [اس نے] تین سو ساٹھ مسجدیں، درگاہیں، ہل، کنویں اور تالاب تعمیر کرائے جن میں سے ہر ایک پر کافی رقم خرچ ہوئی۔ اس توفیق کا سبب یہ تھا کہ ایک دن وہ اپنی حویلی کی چھت پر چڑھا اور اس کی نظر اچانک پڑوسی کی عورت پر جا پڑی جو [برہنہ ہو کر] غسل کر رہی تھی۔ [۲۲۸] اس پر اس نے اپنی وہ آنکھ نکلوا دینی چاہی لیکن علما نے اسے منع کیا اور پھر یہ جملہ کار خیر اس نے اسی کے کفارہ میں انجام دیئے۔

اس کے فوت ہونے کے بعد کسی صاحب کشف نے اسے خواب میں دیکھ کر اس سے حال دریافت کیا۔ اس نے جواب دیا کہ ”دنیا میں نیکی کے جو کام میں نے کئے وہ سب ناموری اور شہرت کا خیال رکھنے کی وجہ سے میرے کسی کام نہ آئے۔ لیکن ایک دن جب کہ میں کچھ لکھنے میں مشغول تھا، ایک مکھی روشنائی چائے کے لئے ایک حرف پر آ بیٹھی تھی۔ اس پر اپنے اختیار سے میں نے اس مکھی کے خود بخود اڑنے تک قلم کو لکھنے سے روک رکھا تھا۔ اس [حقیر] مخلوق

ہر رحم کھانے کی وجہ سے میری بخشش ہو گئی۔

وہ ایک نامور ترخانی اسیر تھا اور جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے غازی بیگ کی نگرانی کے لئے دوسرے سرداروں کے ساتھ [دہلی سے] لٹھے آیا تھا۔ مرزا جانی بیگ کے بعد جب مرزا غازی بیگ [شہنشاہ اکبر کے] حضور میں روانہ ہوا تو کتنے ہی عرصہ تک وہ [لٹھے میں] خود مختاری کے ساتھ حکومت کرتا رہا۔ اس کے ایام [حکومت] میں چرکس [خاندان کے] افراد اور اس کے نواسوں نے بڑے مظالم کئے تھے جس کی وجہ سے وہ مرزا غازی کے دل سے اتر گیا تھا اور اس نے اس کی موقوفی کا حکم جاری کر کے اس کی جگہ ہندو خان کو مقرر کیا تھا لیکن چونکہ جلد ہی مرزا غازی فوت ہو گیا اور دوسری طرف اس کی زیادتیاں حضور میں بیان کی گئیں، اس لئے ملک، تیموری (مغل) امرا کے تصرف میں آیا۔ ایک روایت کے مطابق لٹھے سے لاہری بندر جا کر وہ ایران چلا گیا اور دوسری روایت کے مطابق وہیں فوت ہو گیا۔ اس کا مجمع خسرو دہلوی کا یہ مصرع ہوا کرتا تھا۔ ع

”خسرو از تو پناہ می طلبد“ - [۲۲۹]

بھائی خان

لطف اللہ نامی مذکورہ خسرو خان کا بیٹا [بادشاہ کے] حضور اور قندھار میں غازی بیگ کے ساتھ تھا۔ قندھار سے پٹھانوں کو نکال باہر کرنے [کی مہم] میں اس نے نمایاں کارنامے انجام دیئے۔ اس کا بیٹا فتح اللہ [اپنے] دادا [خسرو خان] کے زمانہ میں ہر گنہ چاچکان میں خود مختاری کے ساتھ حکومت کیا کرتا تھا۔

اب قطب الاقطاب شیخ بہاؤ الدین ملتانی کے ہوتے  
شیخ کالہ خان کی اولاد اور مذکور خسرو خان کے نواسے جو  
قربشی قبیلے کی حیثیت سے مشہور ہیں اسی کی حویلی میں  
رہتے ہیں جو [منہدم ہو کر] صرف کھنڈر رہ گئی ہے۔  
ملا محمد علی

یہ مرزا جانی بیگ کا وزیر اور مغل گھرانے کا داماد  
تھا۔ ٹھٹھے کا ایک محلہ اسی کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا  
پیشا محمد قاسم شاہجہانی وزیر جعفر خان کی خدمت میں منشی  
تھا۔ اس کے محمد مقیم اور محمد عارف نامی دو بیٹے ہوئے جن  
میں سے محمد مقیم باپ کے بعد اسی سرکار کا منشی ہوا اور  
محمد عارف شہزادہ کام بخش کا منشی مقرر ہوا۔ دونوں کی  
اولادیں دہلی منتقل ہو گئیں اور ٹھٹھے میں اس کے نواسے جن  
کا ذکر آگے چل کر آئے گا، آج تک موجود ہیں۔

ملا گدا علی "بھائی خان"

ملا گدا علی، بھائی خان ابن مسٹر عسل، مرزا جانی بیگ  
کے امرا میں سے تھا اور مرزا غازی بیگ کے ساتھ زہر کھا کر  
مر گیا تھا۔ [ٹھٹھے میں] "محلہ بھائی خان" اسی کے نام سے  
موسوم ہے۔ [۲۳۰]

محمد امان ترخان

یہ جانی بیگ کے امرا میں سے تھا۔ عام طور پر اسے  
"ملک امان" کہا کرتے تھے۔ "چوک ملکمان" الف کی  
تخفیف سے، [ٹھٹھے میں] اسی کے نام سے مشہور ہے۔

امیر بیگ

یہ باقی ماندہ ارغونوں میں سے ہے۔ مرزا جانی بیگ

کے لشکر کا بخشی تھا اور اُس کے ساتھ [شہنشاہ کے] حضور میں بھی گیا تھا۔ [ٹھٹھے میں] ”امیر بیگ کا بازار“ اسی سے منسوب ہے۔

### میر احمد بیگ مڑنگ

یہ موزا جانی بیگ کا خاص معتمد تھا۔ مرزا ہمازی بیگ نے اسے ”سلطان“ کا لقب دے کر وکیل کٹل بنایا تھا۔ اس کے بعد جب اسے قندھار کا صوبہ تفویض ہوا تو امان خان، (مذکورہ بالا) کے عذر پیش کرنے پر اس کی بجائے اسے (احمد بیگ) ”اعتماد خان“ کا لقب دے کر [اس نے] اپنی جانب سے، اپنے سے بہارے وہاں روانہ کیا تھا۔ اس کا بیٹا منعم بیگ اور پوتا میر شرف ٹھٹھے میں مشہور تھے۔ پیر پٹھا کے درگاہ کی سیڑھی جو کھٹی کے لقب سے مشہور ہے میر شرف کی یادگار ہے۔ اس کی اولاد میں میر منون اوز میر چتن ٹھٹھے کے نامور بزرگ تھے۔ ایک بڑا محلہ ان کی سکونت گاہ تھا جہاں آج کل امیر خانی رہا کرتے ہیں۔ اس کے گھرانے میں اس اولاد کے سوا جس کا ذکر آگے چل کر آئے گا اور کوئی باقی نہیں ہے۔ [۲۳۱]

## گیارہواں باب

تیموری (مغل) شہنشاہوں کے امرا کا طبقہ

مرزا غازی کی وفات کے بعد (جو سنہ ۱۰۲۱ھ میں ہوئی) جب خسرو خان نے لاہرواہی ظاہر کی اور ہندو خان اس کے مقابلہ پر بے ہس ہو کر دور بھاگ گیا تو میر عبدالرزاق نے جا کر یہ حال حضور میں عرض کیا، جس پر حکم ہوا کہ کسی دوسرے امیر کے آنے تک وہ خسرو خان کو بید خل کر کے ان حدود کو اپنے قبضے میں لائے۔ چنانچہ عاقبت اندیشی سے کام لے کر جیسا کہ بیان ہو چکا ہے خسرو خان دستکھن ہو گیا۔

[مرزا رستم]

مرزا رستم، بن سلطان حسین مرزا، بن بہرام مرزا، بن شاہ اسماعیل صفوی، پہلے قندھار کے نواح میں زمین داور کا حاکم تھا۔ اوزبکوں کے خراسان پر غلبہ کر لینے کے بعد مقابلہ کی طاقت نہ پا کر سنہ ۱۰۰۲ھ میں وہ اکبر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو گیا تھا جس کے بعد وہ مستقلاً ملتان کا گورنر رہتا آیا



تھا۔ ۴۹۹ یہ ٹھٹھے کا گورنر مقرر ہوا۔

”منتخب التواریخ“ میں مرقوم ہے کہ جہانگیر بادشاہ نے اسے پنج ہزاری [کے منصب] سے سر بلند فرما کر ٹھٹھے کی حکومت اور نگرانی عطا کی، اور میر عبدالرزاق معموری کو ٹھٹھے کی زراعت کی، قدیمی دستور اور رواج کے مطابق جمع بندی کر کے، [جملہ پیداوار] اسے جاگیر میں دینے کا حکم دیا۔ اس کے علاوہ دو لاکھ روپے نقد انعام اسے مزید امدادی اخراجات کے طور پر عطا ہوئے۔ [۲۳۲] ظل الہی کو اس صوبہ کی آبادی کا بڑا خیال تھا۔ اسی لئے [یہ ملک] مذکورہ مرزا کے سپرد کر کے اسے یہاں کی رعایا کی دلجوئی اور خلق کو آرام پہنچانے کے بارے میں تاکید کی گئی تھی۔ کیونکہ ترخانی گورنروں کے رد و بدل کے دور میں اس ملک پر اعتدال سے زیادہ مصائب گزر چکے تھے۔ حضور اعلیٰ کے دل میں یہی خیال تھا کہ وہ عدل و انصاف کے شرائط پوری طرح بجا لائے گا۔ لیکن اس کے اس سرزمین پر آنے کے بعد معاملہ بر عکس نظر آیا۔ چنانچہ مجبوراً کچھ عرصہ کے بعد اسے موقوف کر کے ملک کو (۱) راجہ ”سنگھ

۱۔ منتخب التواریخ اور تزک جہانگیری سے ثابت ہوتا ہے کہ ”ملک“ کو نہیں بلکہ مرزا رستم کو جہانگیر بادشاہ نے ”راجا انی سنگھ دنی“ کے سپرد کیا تھا کہ وہ مرزا کے ظلم و تعدی کی تحقیقات کرے تاکہ مرزا کی بھی تنبیہ ہو اور دوسرے عہدہ دار بھی عبرت پکڑیں۔ تزک میں بادشاہ جہانگیر نے لکھا ہے: ”چوں ظلم و تعدی ازو (مرزا رستم) بغلق خدا بسیار رسیدہ بود، باز خواست آن بمقتضای

سن" (۱) کے حوالہ کیا گیا اور فیصلہ ہوا کہ جب تک (مرزا رستم) فریادیوں کو راضی نہ کرے گا تب تک اسے دربار میں حاضر ہونے کی اجازت نہیں ملے گی۔ [بالآخر] دو سال کے بعد یہ پابندی ختم ہوئی۔ اس کے بعد خلعت سے سرفراز کر کے اسے پہلے صوبہ الہ آباد اور اس کے بعد پٹنہ و بہار [کی حکومت] سے سرفراز کیا گیا۔ آخر میں شاہجہاں کے ایام میں [اس نے] گوشہ نشینی اختیار کر کے آگرہ میں اقامت اختیار کی اور کچھ عرصہ کے بعد فوت ہو گیا۔ وہ شعر بڑے عمدہ کہتا تھا اور ان

[بقیہ حاشیہ ص ۲۹۰]

عدالت لازم گشتہ ، اورا بہ راجا الی راے سنگھ دنی سپردم  
تا بحقیقتِ عمل او باز رسیدہ شود، و او فی الجملہ تنہی  
یافتہ دیگران متنبہ و عبرت پذیر گردند" [توزک جہانگیری  
نول کشور ص ۱۲۹ - ۱۳۰]

۱۔ یہاں "راجا سنگھ سن" کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔  
خود قانع نے مقالات الشعرا (ص ۴۸۹) میں منتخب التواریخ  
کے حوالے سے مرزا رستم کے تذکرے میں "انی راے سنگھ  
دن" لکھا ہے۔ مائر الامرا کی رو سے "راجا انی راے سنگھ  
دنی" راجہ انوپ سنگھ کا خطاب تھا۔ ایک مرتبہ شیر کے  
شکار کے موقع پر بادشاہ جہانگیر نے ایک شیر پر بندوق  
چلائی۔ شیر نے زخمی ہو کر بادشاہ پر حملہ کیا۔ انوپ  
سنگھ نے جان پر کھیل کر، شیر کا مقابلہ کیا، خود  
زخمی ہوا لیکن شیر کو مغلوب کر کے بادشاہ کی جان بچائی۔  
اس بہادری اور وفاداری پر بادشاہ جہانگیر نے انوپ سنگھ  
کو "راجا انی راے سنگھ دنی" کا خطاب دیا جس کے معنی  
ہیں "سردار فوج، شیرافکن"۔ [مائر الامرا، ۲/۲۲۰]

میں ”فدا“ (۱) تخلص کرتا تھا۔

اس کا بھائی مرزا مظفر حسین بھی گندھار کا والی تھا اور اوزبکوں کے غلبہ کے بعد سنہ ۱۰۰۳ھ میں اکبر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر [ہرگنہ] سنبھل کی جاگیر سے سرفراز ہوا تھا۔ اس سے بھی عمدہ اشعار مروی ہیں۔

مرزا رستم کا بیٹا مرزا مراد شاہ جہانی امرا میں سے تھا اور اس کا لقب ”التفات خان“ تھا۔ وہ بھی بڑا تیز طبع تھا اور برجستہ اشعار کہا کرتا تھا۔

### [مرزا مصطفیٰ خان]

قصبہ کوتاہ، مرزا رستم کے بعد مرزا مصطفیٰ خان نامی ایک امیر ٹھٹھے کا ناظم مقرر ہوا۔ [۲۳۳]

### [مرزا بایزید بخاری]

اس کے (مصطفیٰ خان کے) موقوف ہونے کے بعد مرزا بایزید، بن سید مبارک خان، بن لال خان، بن سید حبیب، بن سید یعقوب، بن سید صالح، بن سید موسیٰ، بن سید ابراہیم، بن سید اسمعیل، بن سید یحییٰ، بن سید محمود، بن سید رکن الدین، بن سید عبداللہ، بن سید مخدوم جہانیاں بخاری، سنہ ۱۰۵۰ جلوس جہانگیری (مطابق سنہ ۱۰۲۸ھ) میں دو ہزاری منصب حاصل کر کے دو ہزار پانسو سواروں کے ساتھ ٹھٹھے کا حاکم مقرر ہوا۔ اس سے پیشتر وہ بکھر کا فوجدار تھا۔

### [نواب شریف الملک]

اس کے بعد نواب شریف الملک عرف ”شریف خان یک چشم“ ٹھٹھے کا حاکم ہو کر آیا۔ اس کے وقت میں [یعنی]

۱۔ نسخہ ”ن“ میں ”فدائی“ ہے۔ مقالات الشعراء میں بھی ”فدائی“ ہی ہے۔

جلوس جہانگیری کے اکیسویں سال (مطابق سنہ ۸۱۰۳۵) میں باپ سے ناراض ہو کر شاہزادہ (خرم) شاہجہاں کچھ خاص آدمیوں کے ہمراہ عراق و عجم [کی طرف جانے کے] کے ارادے سے ٹھٹھے پہنچا۔ ٹھٹھے میں [اس کا] کچھ عرصے تک ٹھہرنے کا ارادہ تھا۔ لیکن شریف الملک نے جنگ چھیڑ دی۔ کئی مرتبہ دونوں جانب سے توپ و تفنگ سر ہوئیں۔ شہزادے نے دو تین مرتبہ شہر کے مشرق، جنوب اور شمال کی جانب سے حملے کئے لیکن شکست کھائی۔ ایک مرتبہ، کلی کے ہل کے قریب پیر بدر کے نزدیک سخت جنگ ہوئی جس میں قتل ہونے والوں کی ہڈیاں آج تک دکھائی دیتی ہیں۔

کہتے ہیں کہ [اسی دوران میں] ایک بار شہزادہ کی بیگم نے جو حاملہ تھی کچھ اناروں کی فرمایں کی، جس پر شہزادے نے خود اپنے ہاتھ سے اس بارے میں [نواب شریف خاں کو] خط لکھا۔ اس نے جواب دیا کہ ”میں خود بیگم کے پاس بھیج رہا ہوں“ پھر [۲۳۴] فی الفور اس نے ایک فرنکی توپ انداز کو بیگم کے اقامتی خیمہ پر گولہ پھینکنے کا حکم دے کر کہا کہ ”دیکھو یہاں اس قسم کے انار پیدا ہوتے ہیں“ اس گولے کے صدمہ سے بیگم کا حمل جس کے دن پورے ہو چکے تھے ساقط ہو گیا۔

بعضے کہتے ہیں کہ شریف الملک نے خود دورین سے دیکھ کر شہزادے کو نشانہ بنانے کے خیال سے توپ کا فٹیلہ جلا یا تھا لیکن آن واحد میں اتفاقاً شہزادے نے خیمہ تبدیل کر دیا اور نشانہ خطا ہو گیا۔ اسی پر غضبناک ہو کر اس نے اپنی اس آنکھ میں انگلی ڈال کر اسے نکال پھینکا جس

تغفۃ الکرام

سے نشانہ باندھا تھا۔ اسی وقت سے وہ کاٹا ہو گیا۔ اگر یہ روایت صحیح ہے تو [اس کا مطلب یہ ہوا کہ] گویا اپنے فعل قبیحہ کی سزا اسے خود اس کے اپنے ہاتھ سے ملی اور اس کی شامت اعمال سے اس کے دوسرے عہدیدار رفقا بھی اس کے ساتھ ملزم ہوئے۔

### مرزا عیسیٰ خان

یہ مرزا عیسیٰ [اول] کے فرزند جان بابا کا بیٹا تھا۔ مرزا غازی کی تخت نشینی کے ابتدائی زمانہ میں یہ ابوالقاسم سلطان کے ساتھ شورش میں شریک تھا اور مرزا کے پاس سے جا کر سمیچہ لوگوں میں [سکونت اختیار کر کے] موقع کا انتظار کرتا رہا تھا۔ ابوالقاسم کے گرفتار اور اندھے ہونے کے بعد جان کے خوف سے وہ [شہنشاہ اکبر کے] حضور میں چلا گیا تھا وہاں وہ ملازموں کی فہرست میں داخل ہو کر طرح طرح کی خدمتیں بجالایا۔ بالآخر سنہ ۱۰۳۷ھ [مطابق] آخری سال جہانگیری کی ابتدا میں [شہنشاہ] جہانگیر کی جانب سے چار ہزار سواروں کے منصب کے ساتھ وہ ٹھٹھے کی حکومت پر مامور کیا گیا اور شاہجہانی دور تک اسی طرح آرام کے ساتھ وقت گزارتا رہا۔ اس کی درگاہ مکلی میں ہر ملک کے تماشاخیوں کے لئے تماشا گاہ ہے۔ - [۲۳۵]

کہتے ہیں کہ [درگاہ کے لئے] پتھر اس نے خود اسی علاقہ سے بھیجے تھے اور وہ اٹھارہ سال میں مکمل ہوئی تھی۔ اس پر خرچ موضع نورائی کی آمدنی سے ہوا تھا جو اس کے بزرگوں کی قبروں کے اخراجات کے لئے وقف تھا۔ کہتے ہیں کہ اس درگاہ (خاقاہ) کے دوران تعمیر ہی میں

مرزا وفات کر گیا اور اس کے عمال نے اس کی مزید تعمیر روک دی۔ ورنہ مرزا کا خیال تھا کہ بڑے نشیمن کے سامنے چاروں طرف قابل دید نشیمن ایک دوسرے کے جواب میں تعمیر کرائے جائیں۔

### نواب امیر خاں

قصہ مختصر، اس کے بعد نواب امیر خاں میر ”ابوالبقا“ ابن نواب قاسم خاں نمکین ہروی بن سلا میر سبزواری [آیا]۔ چونکہ شاہ جہاں، مذکورہ شریف خاں کے ساتھیوں سے ناراض تھا اور ککڑالہ کے جام کی وہ گستاخی، جو اس نے اس کے لشکر کے بازار پر حملہ کیا تھا، اسے نہ بھولی تھی، ساتھ ہی ساتھ ناکام قوم کے دھا راجہ رانا اور مذکورہ بالا رانا کے جاگیر کے اونٹوں کے نگران حمل جت کی بہترین خدمات بھی اسے یاد تھیں۔ چنانچہ اس نے مذکورہ نواب کو شہر [ٹھٹھہ] کا حکمران بنا کر روانہ کیا۔ وہ سنہ ۱۰۳۷ء کے آخر میں روانہ ہو کر ٹھٹھہ پہونچا اور ٹھٹھے پر مامور بیشتر عہدیداروں کو موقوف کر کے معتبوب کیا اور ککڑالہ کے جام کو بھی شاہی سزا دی۔ حمل جت اور رانا دھاراجہ حضور میں پہونچ کر سرفراز ہوئے۔ امیر پور اسی کا (امیر خاں کا) آباد کردہ ہے اور اسی کے نام پر مشہور ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ امیر [مقرر] ہونے سے پیشتر ایک مرتبہ سوار ہو کر وہ اس طرف سے گذرا تو چرواہوں نے اس صحرا میں اس کی بڑی خدمت کی جس سے خوش ہو کر اس نے ان کے حالات دریافت کئے اور اسے معلوم ہوا کہ یہ زمین ویران ہے اور اس مقام کے باشندے [صرف] [۲۳۶] کلمہ ہانی کرتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی

گزر بسر بڑی مشکل سے ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ جب وہ ٹھٹھے کا ناظم ہو کر آیا تو اسی احسان کا بدلہ ادا کرنے کے لئے اس نے اس زمین کی پیمائش کرائی اور پھر اسے مذکورہ بالا لوگوں کے نام کر دیا جنہوں نے اس کے حکم کے مطابق اسے آباد کیا اور ایک گاؤں بنا کر [آرام سے] رہنے لگے۔ [اب] یہ گاؤں بٹھورہ، بہرام پور، درک اور ہلیچار کا مرکز ہے۔

حرض وہ ایک شاندار امیر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی اولاد میں [بڑی] برکت دی ہے۔ امیر خانی (۱) افراد سندھ و ہند میں اپنی عزت علم اور دانائی کے کمال میں مشہور ہیں۔ اس کی (امیر خان کی) دانائی کے بارے میں عجیب و غریب حکایتیں مشہور ہیں۔

نقل ہے کہ ایک دن آئینہ دیکھتے ہوئے اس نے اپنے عکس کو ”سلام علیکم“ کہا۔ حامدوں نے اسے اس کے دماغ کے خلل سے تعبیر کر کے بادشاہ سے آکر عرض کیا۔ جب اسے یہ بات معلوم ہوئی تو اس نے [بادشاہ سے] عرض کیا کہ ”میں نے اپنے عکس کو سلام اس لئے کیا تھا کہ مجھے اپنی داڑھی میں کچھ سفید بال دکھائی دیئے تھے اور اس خوشی میں کہ حضور اعلیٰ کے زیر تربیت یہ غلام بوڑھا ہو رہا ہے میں اپنی اس داڑھی کی تعظیم بجا لایا۔“ اس کی یہ عرض حضور کو پسند آئی۔ پھر اس نے عقلمندی سے کام لے کر ان بالوں کو بالکل نہ چھیڑا جو اس کے خیال کے مطابق مونچھوں کو تاب دے رہے تھے۔ اس کی باقیات میں چوک عبدالغنی اور ملک مان کے وسط میں محلہ بھائی خان کی ایک مسجد جو

ہندوؤں کی مڑھی کو مسمار کر کے [تعمیر کرائی گئی تھی] ہادگار ہے۔ اس کی خانقاہ مکلی کے قبرستان میں ہے۔ اس کی اولاد میں کثیر بزرگ ہو گزرے ہیں۔ مثال کے طور پر سیوستان کا فوج دار ضیاء الدین، شمس الدین، [۲۳۷] ملتفت خان اور اپنے عہد کا محقق اور ولی میر ابوالمکارم متخلص بہ ”شہود“ جس کا ذکر آگے چل کر آئے گا، [یہ سب] اسی کی اولادوں میں سے تھے ان کے علاوہ [انہی میں سے] علوم عقلی و نقلی کا جامع میر عبدالرزاق بھی اپنے وقت کا یگانہ روزگار فرد گذرا ہے۔

کہتے ہیں کہ بعض لفظوں کو ادا کرنے میں وہ کچھ ہکلا جاتا تھا چنانچہ اپنی صحیح تدبیر سے [اپنا یہ عیب] اس نے بالکل چھپا لیا تھا اور جن لفظوں کو ادا کرنے میں اس کی زبان لکنت کرتی تھی اس نے وہ الفاظ بولنے جھوڑ دیئے تھے۔ [کمال یہ ہے کہ] اسی طرح وہ ہر زبان میں گفتگو کرتا تھا اور اگر کسی موقع پر ایک زبان میں بند ہوتا تھا تو فوراً دوسری زبان میں بولنا شروع کر دیتا تھا۔ اس کی قوت فہم، زبان پر دسترس اور علوم کی جامعیت کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے :

مثال : واصل بن عطا بڑا فصیح [البیان شخص] تھا لیکن ”السع“ تھا۔ ”السع“ اسے کہتے ہیں جو حرف ”را“ کا تلفظ ادا نہ کر سکے۔ چنانچہ وہ یہ تکلف کیا کرتا تھا کہ حرف ”ر“ کو کلام میں مطلق نہ لایا کرتا تھا۔ ایک دن اس سے پوچھا گیا کہ ”نیزہ بھینک کر گھوڑے پر سوار ہو“ کو عربی میں کس طرح ادا کیا جائے گا؟ مطلب



یہ تھا کہ وہ کہے گا کہ ”اطرح ریحی و اربک لرسکی“۔  
لیکن اس نے فی البدیہہ کہا کہ ”آلق۔ قناتک و اعل  
جوادک“۔

### نواب مظفر خان جہانگیری

بہر حال، امیر خان کے بعد نواب مظفر خان جہانگیری  
عرف میر عبدالرزاق محمودی، جو بیان مذکورہ سابقہ کے مطابق  
لودی خان کے بعد ترخان خاندان کے حاصل کردہ پرگنوں کا  
امین تھا اور خسرو خان کے بعد ان امانتوں کے علاوہ ٹھٹھے کا  
ضابطہ جس کے ذمہ تھا، وہ بالاستقلال ناظم مقرر ہوا۔ ٹھٹھے  
کے گودری بازار والی جامع مسجد اسی کی یادگار ہے جسے اس  
نے اپنے امین ہونے کے [۲۳۸] زمانہ میں تعمیر کرایا تھا اور جو  
خضری مسجد کے نام سے مشہور ہے۔ کہتے ہیں کہ اس مقام  
پر پہلے ہندوؤں کی مڑھی تھی جسے ”نہال دریا“ کہا کرتے  
تھے لیکن مذکورہ نواب نے سنہ ۱۰۱۷ھ میں اسے منہدم  
کوا کے یہ مسجد تعمیر کرائی۔

### [سید ابراہیم]

اس کے بعد بیان کردہ میر بابزید بخاری کے فرزند سید  
ابراہیم کو امارت [ٹھٹھے] تفویض ہوئی۔

### نواب مغل خان

اس کے بعد سنہ ۱۰۵۷ھ مطابق سنہ ۲۱ جلوس شاہجہانی  
میں نواب مغل خان امارت ٹھٹھے پر مامور ہو کر آیا اور چھ سال  
تک مرادیں حاصل کرتا رہا۔ اس کے عہد امارت میں  
سنہ ۱۰۵۹ھ مطابق سنہ ۲۳ جلوسی میں ملک ٹھٹھے شہزادہ  
اورنگ زیب کے حوالہ ہوا۔ بکھر اور سیوستان کا علاقہ [اسے]

شرطی زمینداری کے طور پر عنایت ہوا۔ اس سے پیشتر صوبہ ملتان بھی تاج شاہی کے اس بے بہا ہیرے (اورنگ زیب) کو تنخواہ میں جاگیر مل چکا تھا۔ چنانچہ قاضی کے مطابق صوبوں کے گورنر اس کے نائب کی حیثیت سے اس سے وابستہ رہنے لگے۔

#### نواب ظفر خان

اس کے بعد سنہ ۱۰۶۳ھ مطابق سنہ ۳۷ جلوسی میں نواب ظفر خان ٹھٹھے کا نائب مقرر ہوا وہ چھ سال تک مامور رہا۔ وہ صاحبقران ثانی [شاہجہان] کے زمانے کا آخری حاکم تھا۔ ”مشکین باغ“ جس کا اب صرف نام باقی رہ گیا ہے اسی کا بنوایا ہوا ہے۔

اس کے ایام میں شاہجہانی جلوس کے انیسویں سال مطابق سنہ ۱۰۶۵ھ میں دارا شکوہ کا فرزند سپہر شکوہ ہفت ہزاری کے منصب کے ساتھ ٹھٹھے کا اسیر مقرر ہو کر آیا اور شہر کا سابقہ ناظم اس کا نائب مقرر ہوا۔ [۲۳۹]

#### قباد خان

پھر جب صاحبقران ثانی (شاہجہان) کے فرزند گرامی بادشاہ اورنگ زیب عالم گیر کا دور آیا تو سنہ ۱۰۶۹ھ میں [ٹھٹھے میں] قباد خان [مامور ہو کر] آیا۔ اتفاق سے اس کے ایام میں اس ملک کے باشندوں پر سخت قحط اور وبا کی مصیبت آئی۔ اس کے ساتھ ہی شہزادہ محمد دارا شکوہ بھی آوارہ ہوا جس کے لشکر کی آمد سے اور بھی نئی مصیبت پیدا ہو گئی۔

مشہور ہے کہ ٹھٹھے کی طرف آتے وقت دارا شکوہ دل میں یہ سمجھ رہا تھا کہ وہاں کا قلعہ لایق سکونت ہوگا [لیکن جب قلعہ] نظر آیا تو اس نے دریافت کیا کہ ”یہ

کس کی حویلی ہے؟“ اور جب اسے بتایا گیا کہ دارالحکومت اور قلعے کے شاہی محلات یہی ہیں تو حصہ میں باہر نکل کر اس نے اسے آگ لگا دینے کا حکم دیا چنانچہ حکم کے مطابق شہر کے گھاٹ کو نذر آتھی کر دیا گیا اسی پر اس کا نام ”سوختہ گھاٹ“ پڑا۔

### [نواب لشکر خان]

حرف، قباد خان کے بعد سنہ ۱۰۷۱ھ مطابق سنہ ۳ جلوس عالم گیری میں نواب لشکر خان ٹھٹھے آیا اور چار سال تک رہا۔

### [نواب غضنفر خان]

اس کے بعد نواب غضنفر خان (۱) سنہ ۱۰۷۵ھ مطابق سنہ ۷ جلوس عالمگیری میں ٹھٹھے آیا اور تین سال رہنے کے بعد فوت ہو گیا۔

### [نواب سید عزت خان عرف عزت پیر]

اس کے بعد نواب عزت خان عرف عزت پیر جو بکھر کا فوج دار تھا سنہ ۱۰۷۸ھ مطابق سنہ ۱۰ جلوس عالمگیری میں امارت ٹھٹھے سے سرفراز ہوا اور پورے دو سال تک یہاں رہا۔ [۲۳۰]

### [نواب ابو نصرت خان]

اس کے بعد عالم گیر بادشاہ کا ماموں نواب ابو نصرت خان جو ایک دیندار اور پرهیز کار امیر تھا اور شعر گوئی میں بھی مہارت رکھتا تھا سنہ ۱۰۸۰ھ (۲) مطابق ۱۲ سنہ جلوس

۱۔ نسخہ ”۱۱“ میں مظفر خان ہے۔

۲۔ اصل متن میں ”دو سال ہزار و ہشتاد و دو“ ”هجری“ ہے لیکن یہ

[بقیہ حاشیہ ص ۳۰۱ پر]

عالم گیری میں ٹھہرے کا ناظم ہو کر آیا اور دو سال تک یہاں رہا ۔

### [نواب سعادت خان]

اس کے موقوف ہونے کے بعد سنہ ۱۰۸۲ھ مطابق سنہ ۱۳ جلوس عالم گیری میں نواب سعادت خان کو ٹھہرے کی صوبیداری عطا ہوئی ۔

### [نواب سید عزت خان]

تقریباً دو سال گزرنے کے بعد پھر نواب سید عزت خان دوسری بار سنہ ۱۰۸۳ھ مطابق سنہ ۱۶ جلوس عالم گیری میں ٹھہرے کا ناظم ہو کر آیا اور چھ سال تک حکومت کرتا رہا ۔

### [نواب خانہ زاد خان]

اس کے بعد سنہ ۱۰۹۰ھ مطابق سنہ ۲۲ جلوسی میں نواب خانہ زاد خان ٹھہرے کا ناظم ہو کر آیا اور تقریباً پانچ سال تک رہا ۔ شعر گوئی میں آئے خاصہ ملکہ تھا اس کے اشعار کتابوں میں موجود ہیں ۔

### [نواب سردار خان]

اس کے موقوف ہونے کے بعد سنہ ۱۰۹۰ھ مطابق سنہ ۲۲ جلوسی میں نواب سردار خان ملک کی سرداری پر مامور ہوا اور پورے تین سال تک یہاں رہا ۔ تقدیراً اس کے عہد میں ملک میں سخت قحط اور وبا نمودار ہوئی ۔ اس زمانہ میں [واقع شدہ] اموات اور ترک سکونت کی وجہ سے جو مقامات ویران ہوئے وہ

[بقیہ حاشیہ ص ۳۰۰]

غلط ہے ۔ صحیح "در سال ہزار و ہشتاد" ہے اور لفظ "ادو"

کاتب کے سہو سے غالباً زائد شامل ہو گیا ہے ۔

پھر دوبارہ آباد نہ ہوئے۔ [۲۴۱]

[نواب مرید خان]

اس کے موقوف ہونے کے بعد سنہ ۱۰۹۹ھ مطابق سنہ ۳۰ جلوسی میں نواب مرید خان، جو اصل میں نو مسلم راجکمار تھا، ٹھٹھے کا حاکم ہو کر آیا۔ کہتے ہیں کہ کئی ہزار راجپوت اس کے ساتھ تھے۔ شہر کے گھاٹ کے قریب پہونچنے پر جب اسے معلوم ہوا کہ شاہی محلات تک پہونچنے کے لئے اسے گائے کا گوشت فروخت کرنے والے قصائیوں کے بازار سے ضرور گذرنا پڑے گا، تو کچھ ان کے پاس خاطر سے اور کچھ اپنی اصلیت کے اثر سے اس نے ٹھٹھے کے قاضی، قاضی حسین کے پاس پیغام بھیجا کہ ہندو راجپوت قوم کی ایک بڑی جمعیت میرے ساتھ ہے اس لئے گائے کا گوشت فروخت کرنے والے قصائیوں کی دوکانیں راستہ سے ہٹوا دو۔ مبادا انہیں (میرے ہمراہیوں کو) یہ بات پسند نہ آئے اور کوئی الجھن پیدا کر دیں۔ چونکہ شرع پرور بادشاہ کا قانون اسے لوگوں کے مجبور کرنے اور ڈرانے سے بے نیاز تھا۔ اس لئے قاضی صاحب نے راتوں رات قصائیوں کو بازار کے دونوں جانب پہلے سے بھی زیادہ دکانیں آراستہ کرنے کا حکم دیا۔ بالآخر دین پرور شہنشاہ کے حکم کی تعمیل کے سوا کوئی دوسرا چارہ کار نہ دیکھ کر مذکورہ ناظم سابقہ حاکموں کی طرح اسی راستہ سے گذر کر گیا اور دو سال تک ٹھٹھے پر ماسور رہا۔

چونکہ اس کے لشکر سے مسلمانوں کو سخت تکلیف پہونچی اس لئے ممتاز افراد کے عرض کرنے پر اس قسم کا شاہی فرمان آیا کہ ”اس کے [نام کے] نیچے کے دونوں نقطے اوپر

رکھ کر (مرید = مرتد) اسے مسلمانوں پر حکومت کرنے سے موقوف کرو۔ [چنانچہ] موقوف ہونے کے بعد آنکھوں کی بیماری کی وجہ سے تغلق آباد عرف کلان کوٹ کی آب و ہوا کو موافق پا کر کچھ عرصہ تک وہاں مقیم رہا۔ اس کی دلجوئی کے خیال سے بادشاہ نے بھی اس سے کوئی تعرض نہ کیا۔ قلعے کی کچھ تعمیر اور تغلق آباد کی کچھ آبادی اسی کی اضافہ کی ہوئی ہے۔ [۲۴۲]

آخر کار جب دوسرا ناظم ٹھہنے میں کار گزار ہو گیا تو اسے حضور میں طلب کر لیا گیا۔

#### [نواب زبردست خان]

نواب مرید خان کی حکومت کے آخری ایام میں، سنہ ۱۱۰۱ھ مطابق سنہ ۳۳ جلوسی میں یہ ٹھہنے کا حاکم ہو کر آیا لیکن انہی دنوں میں فوت ہو گیا۔ (۱)

#### [نواب ابونصرت خان]

اس کے بعد اسی سال نواب ابونصرت خان دوسری مرتبہ آیا اور دو سال اور کچھ مہینوں تک یہاں حکومت کرتا رہا۔

#### [نواب حفظ اللہ خان]

اس کے موقوف ہو کر چلے جانے کے بعد شاہ جہاں بادشاہ کے وزیر سعد اللہ خان کا فرزند نواب حفظ اللہ خان سنہ ۱۱۰۳ھ مطابق سنہ ۳۵ جلوسی میں ٹھہرے اور سیوستان کا حاکم ہو کر آیا۔ یہ ایک سخی اور صاحبہ توفیق امیر تھا۔ پیغمبر علیہ

۱۔ نسخہ ”ن“ میں یہ عبارت زائد ہے کہ ”ایک شاعر نے کہا

ہے کہ :

سچوئے زندگی خان زبردست قضا بین اور کجا آورد بشکست

الصلوة والسلام کے عرس کے موقع پر یہ ہزار افراد کے لئے شاہی دسترخوان بچھایا کرتا تھا اور شروع اور آخر میں خود آفتابہ ہاتھ میں لیے کر [لوگوں کے] ہاتھ دھلایا کرتا تھا۔ جب شاہزادہ محمد معز الدین، میان دین محمد سرائی کو گرفتار کر کے لایا تھا تو اسے سیوستان کے قریب دریا پر پل تعمیر کرنے کا حکم ہوا تھا۔ لیکن جب اس نے دیکھا کہ شیخ عبدالغنی ٹھٹھوی سے اس کے حکم کے مطابق خاطر خواہ طور پر کام نہیں ہو سکتا تو اس نے بہ نفس نفیس [۲۴۳] اس کے ہندوستان پر توجہ کی۔ چنانچہ سورج کی گرمی اور تپش سے اسے تکلیف پہونچی جس کے اثر سے سنہ ۱۱۱۲ھ میں سیوستان میں انتقال کر گیا۔ میر غلام علی آزاد نے ”بدایضا“ میں اس کی تاریخ قرآن شریف کی اس آیت سے اخذ کی ہے ”فَلْتَهُمْ جَنَّاتٌ أَلْمَآؤِلٌ نَزَّلَا بِمَا كَانُوا يَسْأَلُونَ“ (اس کے اعمال کے انعام میں رہائش کے لئے اسے جنتیں عطا کی گئی ہیں)۔ حاکمان ٹھٹھ کا رہائشی قلعہ جو آج تک باقی ہے اسی کا تعمیر کرایا ہوا ہے۔ اس کے نامکمل رہ جانے کا سبب یہ تھا کہ سوانح نگار (۱) نے [بادشاہ کے] حضور میں یہ عرضی پیش کی تھی کہ ”مقصد شہر پناہ [تعمیر کرانے کا] تھا لیکن وہ اپنی حوصلی کے لئے قلعہ تعمیر کرا رہا ہے۔“ چنانچہ اس کے اخراجات کی مجرانی نہ ملی اور کام جس حد تک ہو چکا تھا وہیں تک ہو کر رہ گیا۔ باقی حصہ مرزا باقی ترخان کے زمانہ تک قائم رہتا

۱۔ مغل شہنشاہوں کے زمانے میں سوانح نگاری ایک منصب تھا

اور سوانح نگار شہنشاہ کو ملک کے صحیح حالات سے باخبر کیا

کرتا تھا۔

آیا۔ صاحب کمال و بلاغت ہونے کی وجہ سے وہ اشعار بڑے لطیف کہا کرتا تھا۔

### [سعید خان]

[سعید خان] عرف خانہ زاد خان سعید خانی چنگیز خانی سنہ ۱۱۱۳ھ مطابق سنہ ۱۷۰۰ء جلوسی میں ٹھٹھہ اور سیوستان کا ناظم مقرر ہوا۔ یہ خود سیوستان میں مقیم رہا اور اپنے بیٹے ارشد خان کو ٹھٹھہ بھیج دیا۔

### [میر امین الدین خان حسین]

اس کے بعد میر امین الدین خان حسین بن سید ابوالمکارم متخلص بہ ”شہود“ بن میر ابوالبقا عرف امیر خان جس کا ذکر اس سے پیشتر کیا جا چکا ہے، [۲۳۳] سنہ ۱۱۱۳ھ مطابق سنہ ۱۷۰۰ء جلوسی میں ٹھٹھہ کی حکومت سے سرفراز ہوا۔ وہ ایک عالی قدر امیر تھا۔ زیادہ وقت وہ علما کی صحبت یا کتابوں کے مطالعے میں گذارا کرتا تھا۔ چودہ علوم کے بیان میں اس کی تصنیفات ”رشحات الفنون“ اور ”معلوۃ الافاق“ مشہور ہیں۔

”معلوۃ الافاق“ سے دو نقلیں یہاں درج کی جاتی ہیں۔

نقل: عالم گیر کے آخری ایام میں ٹھٹھہ کے سماواتی پرکنے میں نیلوفری جھیل کے کنارے جہاں اکثر برہمن ہندو اور چاچک رہتے ہیں ایک چاچک عورت کے چھٹے مہینے ایک نامکمل بچہ پیدا ہوا جس کے اعضا انسانی میں سے کوئی عضو ظاہر نہ تھا لیکن اسے متحرک دیکھ کر ماں باپ نے اس کو دفن کرنے کی ہمت نہ کی اور اس کی پرداخت کرنے لگے۔ بالآخر رفتہ رفتہ انسانی اعضا جیسے آنکھیں، کان، ناک، لب، منہ اور ہاتھ پیر وغیرہ کی نشانیاں ظاہر ہونے لگیں اور جب



مدت ولادت مکمل ہوئی تو وہ بھی صحیح سالم اعضا والا بچہ ہو گیا اور شیر خوار بچوں کی طرح ماں کا دودھ پینے لگا۔ اس کے ماں باپ نے اسے عمر کوٹ میں لے جا کر اس کی پرورش کی۔ وہ ناطق اور آباہی فتون میں ماہر ہو گیا اور پندرہ سال تک زندہ رہا۔

مثال: مادہ شیرنی صرف ایک بچہ جنتی ہے جو ولادت کے وقت صرف گوشت کا ایک لوتھڑا ہوتا ہے اور اس میں کوئی بھی حس یا حرکت نہیں ہوتی۔ تین دن تک وہ اسی حالت میں رہتا ہے اور شیرنی اس کی نگرانی کرتی رہتی ہے۔ اس کے بعد اس کا باپ آتا ہے جو اسے مسلسل پھونکتا رہتا ہے اور اس میں حرکت پیدا ہو جاتی ہے یعنی وہ سانس لینے اور شکل اختیار کرنے لگ جاتا ہے۔ اس کے بعد اس کی ماں [۲۴۵] آ کر اسے دودھ پلاتی ہے اور شکل اختیار کرنے کے سات دن بعد وہ آنکھیں کھول دیتا ہے اور چھ ماہ بعد قوت حاصل کرنا سیکھتا ہے ("عجائب الحيوانات" بحوالہ عین الحیات منتخب "حیات الحيوان")۔

نقل: عالم گیر کے زمانے میں شہر میں ایک حاملہ عورت کو چھ دن تک درد زہ ہوتا رہا لیکن اس کی نجات نہ ہوئی۔ اس کے بعد [درد ختم ہو گیا اور] وہ خیال بالکل جاتا رہا۔ کچھ عرصہ کے بعد قادر کار ساز کی قدرت سے اس عورت کی ران میں ایک پھوڑا ہوا جو بڑھکر پھٹ گیا اور اس میں سے ایک بچی پیدا ہوئی۔ مرہموں کے رکھنے سے زخم مندمل ہو گیا اور سات سال زندہ رہ کر وہ لڑکی فوت ہو گئی۔

تمثیل: عنایت خان نامی ٹھٹھے میں رہنے والے ایک پٹھان

کی بیوی دردِ زہ کی اذیت سے مر گئی۔ [اس کے] تقریباً تین سال بعد اس کے پڑوس کی کچھ عورتیں کسی زیارت کے موقع پر مسکلی کے قبرستان گئیں۔ ان کے بچے کھیل کود میں مشغول تھے کہ ان کے شور و غل پر قبر سے ایک چھوٹے بچے نے منہ نکالا اور پھر اندر چلا گیا۔ بچوں نے یہ نئی بات دیکھ کر دہشت کے عالم میں جا کر اپنی ماؤں سے اس کا ذکر کیا جنہوں نے آکر دیکھا تو انہیں مذکورہ پٹھان کی بیوی کی قبر میں انسانی شکل کا ایک بچہ دکھائی دیا۔ انہوں نے اسے جا کر پکڑ لیا اور تحقیق کی تو پتہ چلا کہ وہ عورت قبر میں صحیح و سالم پڑی ہوئی ہے اور اس کے ہستانوں میں دودھ موجود ہے اور بچہ جو اسی کے بطن سے پیدا ہوا ہے اس کا دردہ ہی رہا ہے۔ چنانچہ ہزار حیلوں سے اس بچے کو اس کی مردہ ماں سے علیحدہ کر کے اسے گھریلے آئے۔ لیکن چونکہ اس کی پرورش کچھ عرصہ تک قبر میں ہو چکی تھی اس لئے وہ صرف ہیوالی (مادگی شکل) ہی رہا اور بات کرنے یا سننے کی صلاحیت اس میں پیدا نہ ہو سکی۔ طویل عمر پا کر وہ طبعی موت مرا۔ مصنف کتاب نے اس شخص کو دیکھا ہے اور اس کا حال اس کے عزیزوں سے سنا ہے۔ [۲۴۶] اس کی وفات کو اس وقت تک تقریباً چند ہی دن گزرے ہونگے۔

نواب یوسف خان تر[مذبی]

قصہ کوتاہ، اس کے بعد سنہ ۱۱۱۵ھ مطابق سنہ ۱۷۰۳ء جلوسی میں نواب یوسف خان تر[مذبی] ٹھٹھے کا حاکم ہو کر آیا اور ایک سال بعد موقوف ہوا۔

### نواب احمد یار خان

اس کے بعد نواب احمد یار خان آیا۔ وہ اصل برلاس قوم کا فرد تھا۔ اس کے بزرگ لاہور کے علاقہ خوشاب میں رہتے تھے۔ اس کا والد اللہ یار خان لاہور اور ملتان کا گورنر اور تقریباً چالیس سال غزنین کا فوجدار تھا جیسا کہ جلد دوم میں مذکور ہے۔ غرض مذکور [نواب] سنہ ۱۱۱۶ھ مطابق سنہ ۱۸۰۸ء جلوسی میں ٹھٹھہ کا ناظم ہو کر آیا اور تین سال تک حکمران رہا۔ یہ ابھی اپنے عہدہ پر برقرار ہی تھا کہ ۲۶ ذیقعد سنہ ۱۱۱۸ھ کو عالم گیر بادشاہ انتقال کر گیا اور اس کا بڑا بیٹا بہادر شاہ اول یکم محرم سنہ ۱۱۱۹ھ کو تخت نشین ہوا۔ شاہی محلات [ٹھٹھہ] کے مشرقی دروازے کے سامنے عالی جان [نہر] کا پل اسی کی یاد گار ہے۔

### نواب سعید خان بہادر

اس کے بعد مذکورہ سعید خان کا بیٹا نواب سعید خان بہادر عرف عطر خان سنہ ۱۱۱۹ھ میں بہادر شاہ کے حکم سے ٹھٹھہ آیا اور ایک سال اور چند ماہ بعد موقوف ہوا۔

### [نواب مہین خان]

[اس کے بعد] سنہ ۱۱۲۱ھ میں نواب مہین خان ٹھٹھہ کا ناظم مقرر ہو کر آیا۔

### [نواب شاکر خان]

اس کے بعد ۱۱۲۳ھ میں ٹھٹھہ کی حکومت نواب شاکر خان کو ملی۔ [۲۳۷]

### [نواب مہین خان]

اسی سال نواب مہین خان دوسری مرتبہ آیا۔ اس کے

ایام میں بہادر شاہ سنہ ۱۱۲۴ھ میں فوت ہو گیا اور اس کا بیٹا معز الدین جہاندار شاہ تخت نشین ہوا ۔

[نواب خواجہ محمد خلیل خان]

اسی سال نواب خواجہ محمد خلیل خان ناظم ہو کر آیا اور اسی سال نوماء کے عرصہ کے اندر جہاندار شاہ کو معزول کر کے سادات ہارہ کی اعانت سے فرخ سیر تخت نشین ہوا ۔

[نواب عطر خان]

[فرخ سیر کے تخت نشین ہوتے ہی] مذکورہ سعید خان کے بیٹے سعید خان (جس کا ذکر بھی اس سے پہلے آچکا ہے) کا فرزند عطر خان ٹھٹھ آیا ۔ یہ نو عمر اور نا تجربہ کار تھا، اس کا سارا کاروبار محمد یعقوب کشمیری کے ہاتھوں میں رہتا تھا جس کی وجہ سے کچھ ہی عرصہ میں اس کا انتظام ہکڑ گیا اور اسے میر لطف علی خان کے ساتھ (جس کا ذکر آگے چل کر آئے گا) طویل جنگ لڑنی پڑی ۔ مذکورہ میر کا حضور میں بڑا رسوخ تھا لیکن ظاہری شان و شوکت اور موروثی بہادری کے باوجود پورے ایک سال کے محاصرے، موزجہ بندی اور بے شمار تدبیریں لڑانے کے بعد بھی صف بہ صف جنگ میں کامیاب ہوتے ہوئے اچانک قتل ہو گیا ۔

[میر لطف علی خان]

میر محمد شفیع نامی یہ [سردار] خلد آشیانی سید العارفین میر محمد یوسف رضوی ہکھری (جن کا ذکر آگے چل کر آئے گا) کی اولاد میں سے تھا مذکورہ عطر خان سے ملک چھین کر یہ خود مختاری کا دم بھرنے لگا تھا ۔ ایک سال محصور رہ کر اور [بادشاہ کے] حضور میں رسائی حاصل کر کے صف بہ صف [۲۴۸]

جنگ میں اسے (عطر خان) قتل کرنے کے بعد یہ بالاستقلال حکمران بن بیٹھا۔ اس کی حکومت کی ابتدا سنہ ۱۱۲۵ھ کے بعد سے ہوتی ہے۔ سنہ ۱۱۲۷ھ میں عطر خان کے قتل کے بعد اسے شجاعت خان کا لقب ملا اور اس نے ایک سال مزید حکومت کی۔ اس کے پہلے یا اس کے بعد وہ بڑے بڑے عہدوں پر مقرر ہوتا رہا اور بڑی عزت و آبرو کے ساتھ زندگی گزاری۔ ٹھٹھے میں اس جیسے با عزت یا بہادر چند ہی پیدا ہوئے ہیں۔ کوئی بھی حاکم اس کے سامنے مونچھوں کو ہل نہ دیتا تھا۔ وہ بڑا قابل شخص تھا اور نشر و نظم میں بڑا ملکہ رکھتا تھا۔ سنہ ۱۱۴۵ھ کے اختتام پر اس کا انتقال ہوا۔ میر محمد حسن [سنوی] شاعر نے اس کی تاریخ وفات ”آدخملہ فی الجئنات“ سے اخذ کی ہے۔

اس کے فرزند رشید میر غضنفر علی اور میر ذوالفقار علی حد درجہ کی بزرگانہ خوبیوں سے آراستہ تھے۔ میر غضنفر علی نے سنہ ۱۱۸۳ھ میں انتقال کیا اور میر ذوالفقار علی بزرگوں کی یادگار کے طور پر باقی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ خان کی اولاد میں اس قدر برکت دی ہے کہ اس کے پوتوں اور نواسوں میں مردوں اور عورتوں کی تعداد پچاس سے زیادہ ہے۔ خدائے تعالیٰ خاندان اہلبیت پر ایسی ہی برکتیں نازل کرتا رہے۔

### نواب اعظم خان

نواب اعظم خان، بن صالح، بن فدائی خان، خان جہان بہادر عرف میر بابا کوکلتاھی کا پوتا اور خانی سادات میں سے تھا۔ میر لطف علی خان کے موقوف ہونے کے بعد وہ سنہ ۱۱۲۸ھ مطابق سنہ ۵ فرخ میری میں ٹھٹھے کا ناظم مقرر

ہوا۔ پہلے اس کی کچھ عرصے کے لئے خواجہ خلیل آیا اور اس کے بعد وہ خود آپہنچا اور تقریباً چار سال تک حکومت کرتا رہا۔ [۲۴۹]

اتفاق سے اس کی آمد مقامی لوگوں کے لئے طرح طرح کی اذیتوں کا باعث ہوئی۔ جیسے کہ قحط کا پیدا ہونا اور حق شناس، شریعت مدار، گوہر بحر حقیقت، عارف رموز طریقت، علیم اور خدا آگاہ، مرشدوں کے مرشد، شیخ عنایت اللہ صوفی کا شہید ہونا۔ [وغیرہ وغیرہ]

کہتے ہیں کہ وہ حق آگاہ بزرگ ہر گنہ بٹھورہ میں غازیہ (شاید غازی نہر) کے کنارے موضع جھوک عرف میران پور میں خدا پرست صوفیا کی جماعت کے ساتھ یاد خدا میں مشغول تھے کہ سادات ہلڑی کی ناراضی کی وجہ سے، (کیونکہ ان کے خاندان کے فقرا اس نئے سلسلے کی ترقی دیکھ کر اور ان سے برگشتہ ہو کر اس سلسلے میں داخل ہو رہے تھے)، اور نور محمد پلجیو اور حمل جت جیسے زمینداروں کی شہ پر (کیونکہ ان کی زمینوں پر بھی فقرا اثر و رسوخ پیدا کر رہے تھے)، مذکورہ ناظم نے حضور میں عرض کر کے، خدا یا رخاں عباسی اور دیگر قبائل کی مدد سے بے شمار لشکر لیے کر ان پر حملہ کیا۔ [بالآخر] پورے چھ مہینے کے محاصرے اور فقرا کے شبخون کا زخم سہنے کے بعد جس میں حملہ آور تباہی کے قریب جا پہنچے تھے، ایک فقیر نے غلطی سے اسم ذات (اللہ) کا نعرہ لگایا اور دوسرے بھی اس نعرہ میں اس کے شریک ہو گئے۔ جس کی وجہ سے [لشکر میں] اپنے اور پرانے ظاہر ہو گئے اور بیشتر [فقرا] تلوار کا لقمہ بن گئے۔ [لیکن اس کے باوجود] معصومین پر تلح پانا

امکان سے باہر تھا۔ چنانچہ فریب دے کر صلح کے ذریعہ نویں صفر سنہ ۱۱۳۰ھ کو اسے جو کچھ کرنا تھا کر کے، ٹھٹھے واپس آگیا اور لشکر پر جو کچھ خرچ ہوا تھا اس کا بار تاجروں پر ڈالنا شروع کیا۔ مخدوم رحمت اللہ طالب علم نے جو وقت کے محقق اور پیر تھے، اسے منع کیا، لیکن جب یہ دیکھا کہ وہ باز نہیں آتا تو اس خیال سے کہ شاید اس کی آنکھ کھل جائے، [۲۰۰] شہر سے باہر چلے گئے۔ لیکن چونکہ مذکورہ ناظم کی چشم ہائے حق شناس لالچ کی وجہ سے بند ہو چکی تھی اس لئے اس نے علوم ظاہری و باطنی کے جامع (مخدوم) کو شہر کے باہر سے لا کر اور طوق و سلاسل میں گرفتار کر کے قید کر دیا۔ جس کی وجہ سے بیشتر اہل اللہ اور عوام الناس اس سے ناراض ہو گئے۔

#### نواب مہابت خان

قصہ کوتاہ، جب فرخ سیر رفیع الدرجات بن رفیع الشان و رفیع الدولہ، کہ شاہجہان ثانی جس کا لقب تھا، کا ستارہ خلافت غروب ہونے کے بعد سنہ ۱۱۳۱ھ میں محمد شاہ بادشاہ غازی کا آفتاب سلطنت استقلال کے ساتھ طلوع ہوا تو شاہ عالم بہادر بادشاہ کے وزیر اعظم، منعم خان، خانخانان کا فرزند نواب مہابت خان سنہ ۱۱۳۲ھ مطابق سنہ ۲ جلوس میں ٹھٹھے پر مامور ہوا۔ وہ بڑا معزز امیر، کم آزار، غریب پرور اور سیر و سلوک سے واقف تھا، ہمیشہ اہل فقر و کمال سے صحبت رکھتا تھا اور شعرا سے بھی مجلسیں گرمایا کرتا تھا۔ وادی شعر میں استادوں کی طرح کاوشیں دکھاتا اور ”کاظم“ تخلص کرتا تھا۔ سنہ ۱۱۳۵ھ میں مشیت ایزدی سے [اس نے] اسی

سرزمین میں رحلت پائی۔ اس کی لاش لاہور کی راہ سے لیے جائی گئی۔

### [سلطان محمود خان]

اس کے بعد اس کا چھوٹا فرزند سلطان محمود خان جانشین ہوا۔ چونکہ عمال اکثر مالیات ہضم کر جاتے تھے اس لئے نواب مرحوم کی بیگم نے بیٹے کا کاروبار سنبھالنے کے لئے رضی محمد خان کو بھیجا تھا۔ وہ سنہ ۳۶ (۱۱۳۶ھ) میں آیا اور ایک سال تک رہا لیکن اسے شاہی محلات کے قلعہ کے اندر جگہ نہ ملی چنانچہ [۲۵۱] دوسرے سال نواب سیف اللہ خان ناظم مقرر ہوا جس کی جانب سے ہالاکنڈی (ہالہ) کے سانوریہ قوم کے فرد شاہ عبد الغفور کا بھائی عبد السميع خان نائب ہو کر ٹھٹھہ آیا۔ [اب] سلطان محمود خان موقوف ہو کر واپس چلا گیا۔ لیکن رضی محمد خان [پھر بھی] حکومت کے سرے میں کچھ دنوں ٹھہرا رہا اور مصیبتوں میں مبتلا ہو گیا۔ بالآخر نواب سیف اللہ خان کے آنے کے بعد وہ دل شکستہ ہو کر فکل گیا۔

کہتے ہیں کہ مذکورہ نواب نے اسے ملازمت کی پیشکش کی لیکن اپنے کاروبار میں رونق نہ دیکھ کر وہ واپس چلا گیا۔ اس کے رفقا میں سے مرزا عبد الغفار، آقا عبد الکریم، مرزا محمد حسین اور آقا محمد صادق، جن میں سے ہر شخص مشہور و معروف تھا وہیں رہ گئے اور کافی ترقیاں پا کر اپنا وقت گزار گئے۔

### [نواب سیف اللہ خان]

یہ پہلے اصل میں نواب ابراہیم خان ابن علی مردان خان کا محافظ (باڈی گارڈ) تھا۔ وہ ماہ ذوالحجہ ۱۱۳۷ھ میں ٹھٹھہ



آیا ۔ وہ ایک عالی قدر اور بلند مرتبہ امیر تھا ۔ اس کے دنوں میں ٹھٹھے میں جو رونق تھی وہ خدا پور اس [شہر] کو نصیب کرے۔ مقتدر بزرگ اس کے ساتھ تھے جن سے وہ ان کے مرتبے کے لحاظ سے پیش آیا کرتا تھا۔ شیعہ مذہب کو اس نے بڑا فروغ دیا ۔ اوامر و نواہی کا وہ بڑا خیال رکھتا تھا ۔ اور جملہ منشیات کو اس نے ممنوع قرار دیا تھا ۔

کہتے ہیں کہ ایک لاقید (بے دین) شخص نے اس کے حضور میں جا کر عرض کیا کہ ”نواب نے ہماری محبوبہ کو چھین لیا ہے جس کی وجہ سے ہم بیقرار ہیں“ اس کی مراد ”بھنگ“ سے تھی۔ اس نے جواب میں فرمایا ”تمہاری محبوبہ کذا کر اور آوارہ ہو گئی تھی اس لئے میں نے اسے پردہ میں بٹھا دیا ہے“ [۲۵۲] غرض ۔ وہ بڑا با اخلاق اور پاکباز حاکم تھا اور اس جیسے [لوگ] کم ہی ملین گے ۔ ۱۱۴۳ھ میں اتفاقاً ناف ٹل جانے کے مرض میں مبتلا ہو کر وہ فوت ہو گیا ۔ اسے مکلی پر ”[جلوہ گاہ] امامین“ کے متصل دفن کیا گیا ۔ اس کی قبر پر ”دستِ وے با دامنِ آلِ نہایت“ [کا مصرع] تاریخ وفات کے طور پر منقش ہے ۔ اس کے بعد کچھ عرصہ تک اس کا بیٹا صادق علی خان شہر میں رہا ۔

### [نواب دلیر خان]

اس کے بعد ۱۱۴۳ھ کے اواخر میں نواب دلیر خان جو ایک جلیل القدر امیر تھا ٹھٹھے کا حاکم ہو کر آیا اور دو سال تک نہایت انسانیت اور امن و امان کے ساتھ حکومت کرتا رہا ۔ اس کے بعد ٹھٹھے کا صوبہ امیر خان کو انعام میں ملا اور

اجارہ داری پر اس کے حوالہ کیا گیا ۔

[نواب ہمت دلیر خان]

مذکورہ نواب دلیر دل خان کے فرزند نواب ہمت دلیر خان نے یہ خیال کر کے کہ ممکن ہے کوئی دوسرا جا کر اس کے والد سے حساب کتاب طلب کرے ، اس نے امیر خان سے مقرر رقم کا ہٹہ طے کر کے ٹھٹھے کا رخ کیا اور ۱۱۰۴ھ میں وہاں پہنچ گیا ۔ حالانکہ [ملک کے] جاگیر سے اجارہ کی صورت میں تبدیل ہو جانے کی وجہ سے بڑا فرق پیدا ہو گیا تھا لیکن اس خوش نصیب نے چار سال بڑی اچھی طرح گزار دیئے ۔

[نواب صادق علی خان]

بالآخر اس کے موقوف ہو جانے کے بعد مذکورہ نواب سیف اللہ کا فرزند نواب صادق علی خان سنہ ۱۱۴۹ھ مطابق ۱۹ جلوسی میں امیر خان سے [ملک کو] اجارہ پر لے کر ٹھٹھے آہونچا ۔ پہلا سال اس نے جوتوں کر کے پورا کیا لیکن دوسرے سال اسے نقصان پورا کرنا پڑا ۔ چونکہ ان دنوں نواب خدا یار خان عرف میاں نور محمد کلھوڑہ عباسی کے وکیل نے حضور میں [کہہ سن کر] انتظام [۲۰۳] کر لیا تھا اس لئے صادق علی خان نے اجارہ میں نقصان دیکھ کر ملک کو مذکورہ خدا یار خان کے وکیل شیخ غلام محمد ولد شیخ عزیز اللہ کے حوالہ کیا ۔ اس وقت سے ہندوستانی حکمرانوں کی حکومت ٹھٹھے سے ختم ہو گئی اور ہمیشہ کے لئے عباسی خاندان سیوستان اور ٹھٹھے کی حکومت سے سرفراز ہوا ۔

چونکہ اس خاندان کا دور حکمرانی سمہ اور ترخانوں

کے عہد حکومت سے زیادہ اور ارجحیوں کی شان و شوکت کا  
 ہمسر ہے اس لئے ان کا ذکر ایک علیحدہ طبقے کی حیثیت سے کیا  
 جاتا ہے۔ مزید فائدہ اور حق نمک ادا کرنے کے خیال سے اس  
 خاندان کی ابتدا اور اس کے بزرگوں کا اجمالی ذکر بھی شامل  
 کیا جاتا ہے۔



## بارہواں باب

### عباسی کلہوڑا خاندان کا عہد حکومت

واقف کار لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ ماہرین نساب کے فیصلوں کے مطابق یہ بزرگ کروہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس سے منسوب ہے۔ اس خاندان کے ایک بزرگ ”میاں اوڈھانی“ کیچ مکران میں ایک پیر طریقت تھے اور کثیر افراد ان کے معتقد تھے۔ انہوں نے کثیر اولاد چھوڑی جو سب ”اوڈھانی“ کے لقب سے پکارے جاتے ہیں۔ انہی میاں ”اوڈھانی“ کی ہانچویں پشت میں ”تھل“ (۱) نامی ایک بزرگ ”کھاہر پیلہ“ میں آکر رہے اور [وہ ملک] گوجر قوم سے چھین لیا۔ ان کے بعد ان کا فرزند ”بھیل“ نامی کدی پر بیٹھا۔ برلس (۲) کا قلعہ اور مرحومین کے مقبرے آج تک انہی کی یاد گار ہیں۔ ”چنیہ“

(۱) نسخہ ”ن“ میں ”مثل“ ہے۔

(۲) نسخہ ”ن“ میں ”برلس“ ہے۔

نامی اسکا ایک بیٹا بھائیوں کے فساد کی وجہ سے اپنے کثیر پیروؤں کے ساتھ آکر کہنہات کے ہر گنوں میں ”اوڈھیجا“ قوم کے پاس رہا۔ پھر اس نے دیبال کانگڑہ علاقے کے سمہ زمیندار ”ڈھروہ ہلال“ کی بیٹی سے شادی کی جس کے بطن سے اسکا ”محمد“ نامی بیٹا پیدا ہوا جو موجودہ حکمرانوں کا دادا ہے۔ وہ ان سات راناؤں کی مدد اور رفاقت سے، جن کا ذکر غزنوی اور غوری سلطانوں کے گورنروں کے بیان میں ہو چکا ہے، ملتان آکر، حاکم وقت [کے دربار میں] رسائی حاصل کر کے سب کا سردار ہوا اور ہر ایک سے بیٹی کا رشتہ لے کر جام کا لقب [۲۵۵] اختیار کیا اور زینہ بخت پر ترقی کرتا ہوا اعلیٰ منصب تک جا پہنچا۔ بارہ بیویوں سے اس کے اٹھارہ بیٹے پیدا ہوئے جن میں سے ہر ایک کی کثیر اولاد ہوئی۔ ان میں سے ”داؤد“ نامی ایک بیٹا رانا چنہ ولد دھتی، (ڈبھتی)، جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے، کی نواسی مسحات ”چولیہ“ کے بطن سے پیدا ہوا۔ داؤد پوتہ اسی کی اولاد ہیں۔ ”کاجھی“ کے پہاڑ کی طرف ”بھاج“ میں رہنے والی لاشاری قوم [مسحات] لاشار کے بطن سے ہے۔

قصہ کوتاہ، جام چنیہ کافی عرصہ تک روہڑی ہر گنہ کے بھرالو (ہریاں لوہ) تعلقے کے [موضع] چنیہ پیلے میں رہنے کے بعد آخر میں سانکرہ (ساکرہ) کے کنارے کہنہات میں انتقال کر گیا اور وہیں دفن ہوا۔ میر چاکر بلوچ اور آری (۱) دھانی اس کی پھوپھیوں کے بیٹے تھے۔

اسکے بعد مدت تک انقلابات زمانہ کی وجہ اس کی اولادوں

میں کوئی بھی نامور شخص پیدا نہ ہوا۔ بالآخر نویں پشت کے بعد آدم شاہ، بن میاں کھچن، بن صاحب، بن میاں خان، بن طاہر، بن رانا، بن میاں شاہ محمد عرف شاہم، بن میاں ابراہیم، بن میاں محمد، بن جام چنیہ، شیخ الیاس لنکراج اور شیخ ابوبکر جتوئی کے واسطے سے مظہر حقیقت کاملہ اور بانی معرفت دائمہ میر سید محمد عرف میراں محمد جونپوری، جنکا ذکر جلد دوم میں آیا ہے، [سے فیض پا کر] مسند ارشاد منور کرنے اور اسرار کی سیر کرنے کے بعد تعلقہ چانڈوکی کے موضع ”ہٹڑی“ میں سکونت پذیر ہو گئے۔ ”کھبڑ“ ابڑو اپنے پیروؤں سمیت موضع ”ڈبی“ سے ہجرت کر کے اسکے مریدوں کی فہرست میں داخل ہو گیا۔ انہی ایام میں نواب خانخانان، میاں آدم شاہ کے پاس دعا طلب کرنے آیا اور نذرانہ قبول کرنے کی [۲۰۶] استدعا کی جس پر کھبڑ ابڑو نے درخواست کر کے چانڈیوں کے منتقل ہو جانیکے بعد [موضع] ”چانڈوکی“ کی زمین کی زمینداری انہیں دلوادی۔ اس زمانے کے مرشد زماں لال عیسن سے، جو شیخ الشیوخ، شیخ بہاؤ الدین ملتانی کی اولاد میں سے تھے، انکی ”تلمہار“ میں محققانہ ملاقات ہوئی تھی۔ دن گذرنے کے ساتھ ساتھ جوں جوں ان کے مریدوں کی تعداد بڑھتی گئی وہ زیادہ زمین حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ آخر کار زمینداروں کی شہ پر وہ ملتان کے حاکم کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ ان کی وصیت کے مطابق ملتان کے حاکم کے کوتوال آقا شاہ محمد نے، جسے انہا اہل اللہ [بزرگ] سے ان کی قید کے ایام میں کافی فیض نصیب ہوا تھا، انہیں سکھر لا کر ٹیکری پر دفن کیا اور وہاں سے اس شہید کے رہائش گاہوں میں جا کر اسکے دو کمسن فرزندوں ابراہیم اور داؤد اور

ان کے مریدوں کو جمع کر کے، جو اس عرصہ میں منتشر ہو گئے تھے، وہیں رہنے لگا۔ شاہ محمد کھیری ہلوچ قوم کا فرد اور درہ سیوی کے قریب چتر بار کی سر زمین کا باشندہ تھا۔

### میاں الیاس

اس کے فوت ہو جانے کے بعد میاں الیاس بن داؤد بن آدم شاہ مسند خلافت کے وارث ہوئے اور مریدوں کی تعداد بڑھانے کی کوشش کرنے لگے۔ بالآخر آب و دانہ کے پورے ہونیکے بعد وہ انتقال کر گئے۔ انکی قبر لاڑکانہ اور ہٹڑی کے وسط میں موضع ڈبرو میں ہے۔

### میاں شاہل محمد

اُن کے بعد اگلے بھائی شاہ علی عرف شاہل محمد سجادہ نشین ہوئے۔ اُن کے مرید پہلے سے بہت بڑھ گئے اور وہ زراعت کو ترقی دینے کی کوششیں کرنے لگے۔ لاڑکانہ کی [گھاڑی] نہر انہیں کی کھدوائی ہوئی ہے۔ نہر کے دونوں کناروں کی زمینیں سانگی اوز ابڑو قوم سے چھین کر اپنی اولاد اور [۲۵۷] بھائیوں میں تقسیم کر کے وہ خود موضع حبیبانی میں رہنے لگے [لیکن] جام صدیق اور جلال خان ابڑو جیسے سرداروں نے مریدی کا حق فراسوش کر کے دوسرے زمینداروں سے مل کر انہیں کئی لڑائیوں کے بعد بکھر کے حاکم کے ہاتھوں قتل کروادیا۔ ان کا مزار گھاڑی پرگنہ میں ”چاندوکی“ کے نواح میں موضع ”مرندہ“ میں ہے۔

### میاں نصیر محمد

اسکے بعد مذکورہ میاں الیاس کے فرزند میاں نصیر محمد ۱۰۶۸ھ

میں بزرگوں کی مسند پر بیٹھے - پیری-مرشدی میں یہ اپنے بزرگوں سے بھی بازی لے گئے - ان کے ہم عصر ان کی [بڑھتی ہوئی] جماعت پر رشک کرنے لگے - بالآخر مقامی لوگوں نے تنازعہ پیدا کر کے بکھر کے مغلوں کو بھڑکایا جس کی وجہ سے وہ لاچار ہو کر تھر کی طرف چلے گئے - لیکن وہاں آب و دانہ کے، جو انسان کی گذر بسر کیلئے ضروری ہے، ذرایع نہ ہونے کی وجہ سے واپس آکر پنوہروں کی حدود میں رہنے لگے - پنوہروں کا سردار میر ”پہنوار“ بکھر کے حاکم سے مشورہ کر کے ایک زبردست لشکر، جس میں سیوی کا حاکم مرزا خان پنی بھی شامل تھا، لے آیا - کچھ جھڑپوں کے بعد مرزا خان نے صلح کے ساتھ انہیں بلا کر اپنے چچا محبت خان کی معیت میں عالمگیر کے دربار میں بھیج دیا - چنانچہ اس طرف وہ بڑی مدت تک قید میں رہے اور اس طرف ان کے باقی ماندہ فقیروں پر کئی بار حملے کئے گئے - بالآخر طویل مدت تک قید رہنے کے بعد وہ خود بخود آزاد ہو کر وطن واپس ہوئے - خدائے تعالیٰ نے ان کے مریدوں اور دولت میں بے حد ترقی عطا کی اور پھر ان کے ایام میں کوئی فساد برپا نہ ہوا - [اس بار] وہ پنوہروں کی زمین میں ایسے مقام پر جس کے ایک طرف پہاڑ اور دوسری جانب پانی تھا ”گھارو“ نامی شہر بسا کر آباد ہوئے اور اپنا [اصلی وطن موضع] ہٹڑی، فوجی فقیر اور کاچھو عنایت شاہ فقیر کو عطا کیا - [۲۵۸]

اب ان کے وہ فقرا جو پہلے مجرد اور تنہائی کی زندگی گذارا کرتے تھے شادیاں کر کے عیال دار ہو گئے اور وہ ملک اور زمین میں توسیع کرنے کے منصوبے بنانے لگے - میر یعقوب نامی بکھر کے حاکم سے ایک بار جنگ کر کے وہ اس میں کامیاب بھی ہوئے -



اسی طرح کئی بار ان کی خاکموں سے چھڑپیں ہوئیں اور کامیابی انہیں کو نصیب ہوتی رہی۔ [بالآخر] تھوستان کے مقلوں سے انہوں نے "لڑکھاٹی" کا ہرگنہ اجارہ پر حاصل کر لیا۔ دوسری طرف لرید بھاگت کی کنوشوں سے "مکن موری" پر قبضہ حاصل ہوا۔ ماہتی ہرگنہ بھی پھر ان کے زیر تصرف آگیا جس میں فیروز ویرز [ایک فقیر] نوشہرہ نامی ایک شہر آباد کرایا۔ اس طرح [رفلہ رقتہ] موٹھیوں کے ڈبرے بہت سے مقامات پر ہو گئے تھے۔ آخر کار زمانہ کے دستور کے مطابق پینتیس یا چھتیس سال تک من مانی مواہیں حاصل کرنے کے بعد وہ دارالبقا کی جانب رحلت کر گئے اور گہارو میں سرخ ٹیلہ پر دفن ہوئے۔ کہتے ہیں کہ قدیم زمانہ میں دو لیک بھائی کھیتی باڑی کر کے اپنا وقت گزارا کرتے تھے ان میں سے ایک کنوارا اور ایک عیال دار تھا۔ ایک بار ان [بھائیوں] کی زراعت میں بڑی برکت ہوئی۔ [وجہ یہ تھی کہ] کنوارا بھائی اس خیال کے پیش نظر کہ اس کے بھائی کا خرچ زیادہ ہے اپنے انبار کا غلہ اسکے ڈھیر میں ڈالتا رہا اور اہل و عیال والا اس خیال سے کہ اسکے بھائی نے ابھی دنیا کا لطف نہیں اٹھایا ہے اپنا غلہ اس کے انبار میں شامل کرنا رہا۔ دونوں ایک دوسرے کے حال سے ناواقف تھے۔ وہ کتنا ہی غلہ اپنے ڈھیر سے منتقل کر دیتے تھے لیکن سچی نیت کی برکت سے اس میں اتنا ہی غلہ موجود نظر آتا۔ آخر کار [اس طرح] اناج ڈھونڈ ڈھونڈتے وہ تھک گئے اور باقی ماندہ غلے کو انہوں نے وہیں بڑا چھوڑ دیا۔ خدائے تعالیٰ کی قدرت سے اس مقام پر ایک سرخ ٹیلہ وجود میں آگیا جو آج تک موجود ہے۔ [۲۰۹]

میاں دین محمد

قصہ مختصر، میاں نصیر محمد کے بعد اسکا بیٹا میاں دین محمد گدی کا وارث ہوا۔ پھر جب اسکی [قوت و] عزت میں اضافہ ہونے لگا تو قدیمی دستور کے مطابق حاکم اور زمیندار اسکی مخالفت پر مس۔ ہو گئے۔ میر پھنوار جس کا شہر سرائیوں کے زیر تصرف تھا [بادشاہ کے] حضور میں فریاد لے کر گیا اور مرزا خان ہنی کے نام حکمنامہ جاری کرادیا۔ اس نے دو تین بار حملہ کیا لیکن کچھ نہ کر سکا۔ اسکا بدلہ لینے کیلئے حضور کی جانب سے امیر شیخ جہان آیا اور میر پھنوار کی نشان دہی پر اس نے فقیروں پر حملہ کیا۔ فیروز ویر دہرہ کے قلعہ سے نکل کر اسکے مقابل ہوا اور موضع ”گیرہلی“ (گیرہلہ) کے قریب ان پر شبخون مار کر انہیں پریشان کر دیا۔ اسی اثنا میں گہارو کا لشکر بھی پہنچا اور اس کے ساتھ شامل ہو گیا اور دونوں نے مل کر ان پر ایک تازہ زبردست حملہ کیا جس میں مذکورہ امیر، فقیروں کی تلواروں کا لقمہ بن گیا اور بکھر کے حاکم اللہ یار خان نے بھاگ کر اپنے جان بچائی۔ دوسری مرتبہ قنبر خان بروہی نے لشکر لے کر اچانک سرائیوں پر حملہ کیا۔ جس میں وہ کامیاب ہوا اور سرائیوں کی جوابی کوششوں کے بعد ان کے سردار میرن شاہ سے صلح کر کے واپس ہو گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد پٹنواروں نے پھر سر اٹھایا۔ اس کے نتیجے میں سرائیوں کی فوج نے گہرام (۱) سے مرکھ پور اور دوسری زمینیں

---

(۱) ”گہرام“ کسی ہر گئے کا نام معلوم ہوتا ہے لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ کسی پٹنوار زمیندار کا نام ہو۔ نسخہ ”ن“ میں اس مقام پر ”از کدام دیسی“ کے الفاظ ہیں۔

بھی چھین لیں۔ چنانچہ عاجز آ کر آخر میں پنہوار خدمت میں حاضر ہو گئے۔ اب صرف سیوی اور شکارپور کے حکمران ہنی پٹھانوں سے منازعت رمی۔ دو تین بار ان سے جھڑپیں ہوئیں۔ آخر کار شیخ جہاں کے قتل اور اللہ یار خان کی شکست کا حال سن کر شاہزادہ [۲۶۰] محمد معزالدین [نے بذات خود] لاہور سے سندھ کا رخ کیا۔ میاں دین محمد نے یہ خبر سن کر اپنے چھوٹے بھائی میر محمد کو [اپنے] ”کھمل“ اور ”قاسم“ [نامی] وکلا کے ساتھ بکھر بھیجا جنہوں نے شہزادے کی خدمت میں حاضر ہو کر اچھے رام کر لیا۔ شہزادہ تو واپس ہو گیا لیکن سرائیوں کے نصیب میں جو مصیبت لکھی ہوئی تھی [وہ کیسے ٹلتی، چنانچہ] بہار شاہ کے بڑے بھائی مقصودی کو نادانی کی وجہ سے یہ خیال آیا کہ شاہزادہ ہماری طاقت دیکھے بغیر واپس جا رہا ہے اسلئے ایک بار اسے اپنی طاقت دکھادی چاہئے یہ سوچ کر، اپنے سردار کو اطلاع دینے بغیر، [اس نے] زبردست فوج لے کر ماتھیلہ اور اسکے گرد و نواح کے مواضع میں لوٹ مار اور آج کے باشندوں کا قتل عام کیا۔ چونکہ ان کی شامت آچکی تھی اسلئے یہ خبر سنتے ہی جس طرح سمندر میں طوفان آجاتا ہے اسی طرح غضبناک ہو کر شاہزادہ واپس ہوا۔ میاں دین محمد مصیبت آتی دیکھ کر اپنا پہلو بچا گیا اور شاہی فوج نے سیوستان میں مقیم ہو کر گھارو اور اسکے [نواحی] مضافات کو تاخت و تاراج کر کے صاف کر دیا۔ سیوستان میں [شاہزادے کے] چھ ماہ کے قیام کے بعد آخر کار صلح کر کے میاں دین محمد خدمت میں حاضر ہوا۔ اسکے حاضر ہونے کے بعد باقی ماندہ لوگوں کو حاضر کرنے کیلئے ایک زبردست فوج مامور کی گئی۔ سر زمین

کھوڑ میں نہر گاج کے کنارے میاں یار محمد شاہ نے شاہی فوج سے جنگ کرنے کے لئے نقارہ بجایا اور فریقین میں ہولناک جنگ ہوئی جس میں دونوں جانب سے خون کی ندیاں بہہ گئیں۔ اس طرف سے راجہ ”کچ سنگھ“ بھٹی اور سورج مل ادھے پوری اور اس جانب سے تاجو فقیر، جادو فقیر اور بختاور فقیر اوٹھوال کشیر آدمیوں کے ساتھ کام آئے اور مغلوں کو شکست ہوئی۔ اسکے بعد شاہزادہ، میاں دین محمد کو اپنے ساتھ لے کر واپس ہوا اور ملتان پہنچ کر اسے قید حیات سے [۲۶۱] آزاد کر دیا۔ میاں یار محمد قلات چلا گیا۔ [وہاں] پہلے تو بروہی لڑنے کے لئے نکل آئے اور سخت جنگ کی جس میں محراب خان، فریق ثانی کے علم کے بغیر، قتل ہو گیا لیکن اسکے بعد [انہوں نے] میاں نور محمد اور محمد خان کے دو فرزند بطور ضمانت لے کر صلح کی اور انہیں اپنے پاس جگہ دیدی۔ یہ واقعہ ۱۱۱۱ھ میں پیش آیا۔

دو سال میاں یار محمد نے قلات میں پریشانی سے گزارے۔ اکثر سرائی سردار بھی اس سے علیحدگی اختیار کر گئے اور اسکے ملک کے بیشتر حصوں پر مرزا خان کے بیٹے بختاور خان کے پٹھانوں نے قبضہ کر لیا۔ دو سال کے بعد ۱۱۱۳ھ میں میاں یار محمد نے راجی فقیر اور سرائی لشکر کے آئے ہر مریدوں سے بیعت لے کر اور التماس خان بروہی کو کمک میں لے کر اپنی موروثی زمین کی طرف رخ کیا۔ پہلے وہ زیدی سے گذر کر منزلیں طے کرتے ہوئے منچھر جھیل کے کنارے پر ہٹری تعلقہ کے موضع نیتک اور ساتھ میں پہنچے پھر جن کے ساتھ بیویاں تھیں وہ یہاں رہ گئے اور خود آگے بڑھ کر اس نے پہلے قیصر

پھنور سے [موضع] سامتانی چھینا اور اسکے بعد جا کر گاہن میں خیمہ زن ہو گیا۔ وہاں سے اس نے اپنے بھائی میر محمد کو سرائی سرداروں کے ساتھ آگے روانہ کیا جنہوں نے جا کر ”مارکھپور“ اور گاہی جمشید پر قبضہ کر کے فتح پور کا قلعہ فتح کر لیا۔ اس فتح کے بعد میاں یار محمد بھی سرائیوں سے آملا [اسکے] بخت کی یاوری دیکھ کر التماس خان بروہی نے کہا کہ ”خداوند تعالیٰ تمہارا بڑا مددگار ہے [اگلے اب] میری ضرورت [بانی] نہیں رہی“۔ [یہ کہہ کر] وہ واپس ہو گیا۔ اب منتشر ہو جانے والے سرائی ہر طرف سے آکر اکٹھے ہو گئے اور وہ ”گچیرو“ فتح کر کے پھنوروں کی راجدھانی شکار پور کا نام ”خدا آباد“ رکھ کر اس میں رہنے لگا۔ اسکے بعد [اس نے] ادھر ادھر فوجیں بھیج کر گھارو اور کدیارہ کو آزاد کرایا اور بختاور خان کے بھائی [۲۶۲] اللہ بخش کے قبضے سے لاڑکانہ چھین لیا۔ بختاور خان نے لاچار ہو کر شہزادہ معزالدین کی خدمت میں ملتان عریضہ بھیجا کہ ”دین محمد کے بھائی نے پھر شورش پیدا کر دی ہے اور مدد کرنے کا یہی موقع ہے۔“ حالانکہ اس نے شہزادے کو اپنے مطلب کے لئے بلایا تھا لیکن ”مَنْ حَفَرَ بَيْتاً لِأَخِيهِ وَقَعَ فِيهِ“ (چاہ کن را چاہ در پیہن) کے مطابق نتیجہ برعکس نکلا۔ اتفاقاً جب شاہزادے نے سیدھے اسکے ملک کی راہ لی تو (اپنے) ملک کی بربادی کے خوف سے اس نے عرض کیا کہ ”اس راستہ سے نہ آنا چاہئے۔“ یہ مختلف عرضیاں دیکھ کر شہزادے کو اس میں خلل نظر آیا اور سیدھا اسی کی جانب روانہ ہوا۔ چونکہ اس کی شامت آچکی تھی اس لئے اس نے [شاہزادے کو] روکنے کی کوشش کی جس کے نتیجہ

میں سخت مقابلہ کے بعد قتل ہو گیا۔ اسی اثنا میں اس طرف کے (میاں یار محمد کے) وکیلوں نے حاضر ہو کر [شاہزادے کے] دل میں اپنی غلامی اور خلوص کا خاطر خواہ اثر بٹھایا۔ شہزادہ، بختاور خان کو قتل کرنے کے بعد کچھ مدت تک بکھر میں رہا۔ درمہ سپوی، بختاور خان کے قتل کے بعد غازی خان دوداٹی کو عطا ہوا لیکن اس سے معقول بندوبست نہ ہو سکا۔ چنانچہ پھر اسے بختاور خان کے بھائی اللہ بخش کے سپرد کیا گیا۔ پھر اسکے بعد [وہ] اسلام خان اور قائم خان نہارن کو عطا کیا گیا۔ لیکن کوئی بھی اس کا خاطر خواہ انتظام نہ کر سکا جس کی وجہ سے آخر کار وہ میاں یار محمد کے وکیلوں کو عطا کیا گیا کہ وہ اپنے موکل کو [یہ فرمان] پہنچائیں۔ اس کے ساتھ ہی یہ حکم بھی ہوا کہ ”اس سرفرازی کے شکوائے میں میاں یار محمد حضور میں حاضر ہو کر دست بوسی کا شرف حاصل کرے۔“ طلب کے مطابق میاں یار محمد درپیلہ تک آپہنچا تو خواجہ حسین خان کثیر نوازشوں کے ساتھ اس فرمان کے منسوخ ہونے کا حکم لے کر آیا اور ”دیرہ“ کی نگرانی اس کے [۲۶۳] حوالے کی۔ اس وقت سے شاہی غلاموں کی فہرست میں داخل ہونے کی ابتدا ہوئی اور ”خدا پارخان“ کا خطاب اس کا طرہ امتیاز بنا۔ اسکے بعد شاہزادے نے خان پور کو امین الدین خان کے، شکارپور کو سنجہ خان، مبارک خان اور هوت خان داؤد پوتوں کے اور سیوستان کو غلام محمد سکھانی کے حوالہ کیا اور بکھر سے ملتان کو روانہ ہو گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد غازی خان کے بیٹے شاہ محمد خان کی سہم کو سر کرنے کے لئے [شاہزادہ]

پھر ”دیرہ“ آیا لیکن سخت لڑائیوں کے بعد بھی یہ معاملہ جون کا توں رہا۔ بالآخر میر شہداد خان ٹالپر نے جا کر اپنی اعلیٰ تہذیبوں سے شاہ محمد کا کام تمام کیا۔ اس خدمت نے سابقہ غلامی کے ساتھ مل کر سوئے پہ سہاگے کا کام کیا [اور شاہزادے نے] اسکے منصب میں اضافہ کے ساتھ ساتھ اس پر انعامات کی بھی نوازشیں کیں اور میر شہداد خان کو میدانِ باران کی زمین جاگیر میں عنایت ہوئی۔ ان واقعات کے بعد جو شاہزادے (میاں یار محمد کے بیٹے) قلات میں تھے، وہ بھی خدا آباد آگئے۔ سیوی کے درہ پر پہلے صاحبزادہ میر محمد اور پھر محمد داؤد خان مامور ہوئے۔ ایک مرتبہ ”رحیم خان پرانکھ“ اور دولت خان ہنسی نے فساد کھڑا کیا لیکن انہیں اسکی سزا ملی اسکے بعد داؤد ہوتوں نے بھی سخت لڑائیوں کے بعد شکست کھا کر ہمیشہ کے لئے اطاعت قبول کر لی۔

یہ سب واقعات نو سال کی مدت میں گذرے۔ باقی ماندہ نو سال [میاں یار محمد نے] بڑے عیش و آرام کے ساتھ گزارے اور ”جھوک“ کی جنگ کے علاوہ دوسرا کوئی معاملہ پیش نہ آیا۔ [شاہزادے کی] مدد کی خدمت کے عوض [میاں یار محمد کو] سماواتی اور چاچکان کے کچھ مواضع جیسے کہ لکڑی اور ڈنڈو، حجام، دورنگی، رجب، ویسر، ہاچاتہ (۱) تھورو، موضع سائیں ڈنہ (۲) اور جھوک کے نواح میں ”دبی (۳)“ کی کچھ

(۱) اصل متن ”ہاچہاتہ“ (شاید ہاچھاٹو) تحریر ہے۔

(۲) نسخہ ”ن“ میں ”سارمنہ“ ہے۔

(۳) نسخہ ”ن“ میں ”دھہ“ ہے۔

زمین کا حصہ، جاگیر میں ملا۔ پھر نواب شاکر خان کے جانے کے بعد جس کا سبب تواریخ میں [۲۶۴] مفصل طور پر بیان کیا گیا ہے، روپاہ کا پرگنہ بھی اجارے میں اس کے ہاتھ آیا۔ اس طرح اٹھارہ سال تک مرادیں پوری کرنے کے بعد ۱۰ ذوالقعدہ سنہ ۱۱۳۱ھ کو پیر یا منگل کے دن وہ دوسری دنیا کو سدھار گیا۔

[میاں نور محمد الملقب بہ خدا یار خان]

اس کے بعد اس کا بیٹا میاں نور محمد ”خدا یار خان“ کے لقب سے باپ کے ملک پر متصرف ہوا۔ صاحبزادہ داؤد خان تین سال تک اس کا مخالف رہا لیکن بالآخر آکر رشتہ برادری کو استوار کیا۔ حکومت کے چوتھے سال یعنی سنہ ۱۱۳۵ھ میں داؤد ہوئے [اس سے] جنگ کرنے کے لئے مستعد ہوئے اور انہوں نے ملاچیندوا بڑو سے جو بکھر تعلقے کے پرگنہ جتوئی کے بعض زر خرید مواضعات کا منتظم تھا، فساد کیا۔ میر عبدالسمیع خان نے بھی کہ شکارپور اور خان پور کی سر زمین، گرد و نواح کے مواضعات سمیت اسکی جاگیر میں شامل تھے، اس معاملہ میں دخل اندازی کی اور مذکورہ خان [کے باز پرس کرنے پر اس] کو کوئی جواب نہ دیا۔ چنانچہ خدمتگار ٹھارو کو حضور میں بھیج کر [اور مذکورہ] جاگیر کو اپنے حوالہ میں لینے کا مطالبہ پیش کر کے، وہ ان کی سرزنش کی طرف متوجہ ہوا۔ کچھ لڑائیوں کے بعد انہیں شکارپور کے قلعے میں محصور کر کے ہار ماننے پر مجبور کر دیا۔

قصبہ مختصر، ملک کو چار حصوں میں تقسیم کر کے دو حصے جاگیر کے مالکوں اور ایک حصہ داؤد پوتوں کو دے کر اور چوتھے حصے کو اپنی تحویل میں لے کر معہ ضمانتوں کے



واپس لوٹ آیا۔ [لیکن] وہ قوم بار بار عہد شکنی کر کے ملک اور زمین سے دریدر ہو گئی بالآخر خدایار خان نے ۱۱۳۹ھ میں شکارپور میں ٹھہر کر داؤد پوتوں کی بیخ کنی کے لئے ایک لشکر روانہ کیا جس نے ”دبلی“ (۱) کے قلعے میں انہیں گھیر لیا۔ بعد میں سادات کی سفارش پر انہیں امان ملی اور انہوں نے [۲۶۵] فتنہ و فساد کے خیال کو دل سے قطعی نکال دیا۔ اب ”نہاران“ کی وہ زمین جو اس بد انتظامی کے زمانے میں داؤد پوتوں کے ہاتھ آگئی تھی، مکمل طور پر اصل مالکوں کو واپس مل گئی اور وہ (داؤد پوتے) دریدر ہو کر دور دراز ملکوں یعنی ملتان کے ہر گنوں جیسے کہ ”پھلی“ ملک امام الدین جوہ (۲)، فرید خان لکھدیرہ، تاین، (۳) بہاولپور، ہانسی (۴) سمہ کے ملک، افغانوں کی سرحدوں کی قریب کی زمینوں، بابا فرید کے پٹن اور صیر [وغیرہ] میں جا کر آباد ہو گئے۔ بالآخر دو سال کے بعد اپنے کٹے ہر ہشیمان ہو کر انہوں نے ملازمت کی التجا کی جس پر مناسب گذران عطا کر کے انہیں بکھر تعلقہ کی زمین میں جو سرائیوں کے تازہ قبضے میں آئی تھی، جاگیریں اور مکانات دے کر آباد کیا گیا۔ اسی طرح ملتان کے قرب و جوار کے مشہور زمیندار شیخ حمید اور شیخ عثمان روتک بھی اہل و عیال کے ساتھ آکر ملازمت میں داخل ہوئے۔

(۱) نسخہ ”ن“ میں ”دیلی“ ہے۔

(۲) نسخہ ”ن“ میں ”چوبہ“ ہے۔

(۳) جملہ نسخوں میں یہی ہے۔

(۴) نسخہ ”ن“ میں ”ہانس“ ہے۔

سنہ ۵۱۱۴۲ میں مراد کلیری عرف ”گنجو“ سیوی پر مامور ہوا۔ [اس نے جاکر] گنجاوہ کے زمیندار قیصر مگسی، محال شورہ کے سردار میرو گواری رند، محال سنی کے سائیس گھرام لاشاری کی اولاد، محال کچی کے مالک میرو بلدی، محال بھاگ ناڑی کے زمینداروں یعنی مہیان (۱) امیری اور لہپا (۲) ماچھی، ڈھاڈھار کے مالکوں، بازوئی قوم کے کالا خان اور دیگر کوہستان کے بلوچ زمینداروں اور کنکانی کے محالدار بھار خان امرانی وغیرہ کو جس میں سے ہر ایک ہزاروں کے لشکر کا سردار تھا، شکستیں دے کر مطیع کرنے کے بعد خان قلات خان عبداللہ بروہی سے، جو خود کو کوہستان کا شہباز کہلاتا تھا، جاکر پنچہ ملایا۔ آخر سنہ ۵۱۱۴۳ میں خود [۲۶۶] اسی نے (مراد کلیری نے) اپنی جانب سے فوج کشی کی اور محاصرہ اور جنگ کے بعد کرتہ (۳) کا قلعہ مبارک خان سے چھین لیا اور [اس کا] لشکر پیشقدمی کرتا ہوا اسماعیل خان بروہی کو شکست اور کا کر (۴) بروہی کو قتل کر کے فتحیاب ہوا۔ اس واقعے کے بعد میر عبداللہ خان نے اپنی دو بیٹیاں صاحبزادوں کو دے کر صلح کی۔ اتفاقاً سنہ ۵۱۱۴۴ میں بروہیوں کے ایک قبیلے نے عہد شکنی کر کے فرید آباد کے قریب کی کاچھی کی سر زمین کو تاخت و تاراج کیا جس پر [میاں] بذات خود انتقام لینے کی غرض سے جاکر لاڑکانہ میں منزل انداز ہوا اور نامور سرداروں کو امیر عبداللہ خان سے

(۱) نسخہ ”ن“ میں ”مہتان“ ہے۔

(۲) نسخہ ”ن“ میں ”سرولہا“ ہے۔

(۳) نسخہ ”ن“ میں ”کرنہ“ ہے۔

(۴) نسخہ ”ن“ میں ”کا کری“ ہے۔

جنگ کرنے کے لئے روانہ کیا۔ [چنانچہ] جذبہر (۱) کے مقام پر، جہاں میر عبداللہ خان پیشقدمی کر کے آیا تھا، دونوں فریقوں کا تصادم ہوا۔ [میر عبداللہ خان] رستم جیسی جنگ کرنے کے بعد مارا اور بروہیوں کا زور آئندہ کیلئے ختم ہو گیا۔ سنہ ۱۱۳۵ھ میں صاحبزادہ محمد مرادیاب خان نے منتخب سرداروں کے ساتھ ”کھیارو“ اور ”نرکار“ میں جا کر میر عبداللہ خان کے چچا زاد بھائی مراد علی کی بیٹی سے شادی کر کے مراد حاصل کی۔ اس کے بعد نادر شاہ بادشاہ کی آمد کے اسباب پیدا ہوئے اور اس طرفہ وکلاء آئے جانے لگے۔ سنہ ۱۱۳۹ھ میں بکھر کا ملک قبضہ میں آیا اور سنہ ۱۱۵۰ھ میں ٹھٹھہ پر، جیسا کہ بیان ہو چکا ہے، تصرف حاصل ہوا۔ اسی سال نادر شاہ نے قندھار فتح کرنے کے بعد سندھ کی راہ سے ہندوستان کی طرف جانے کے بارے میں تحریر کیا۔ چنانچہ مرحدوں کو مستحکم کرنے کے خیال سے لاڑکانہ جا کر صاحبزادہ محمد مراد یاب کو [اس نے] ٹھٹھہ روانہ کیا جو سنہ ۱۱۵۱ھ ماہ ذوالقعد کے اخیر میں ٹھٹھہ [۲۶۷] پہونچا [لیکن اسکے پہونچتے ہی] دھاراجہ کا حاکم رانا اجمال اور ککرالہ کا جام اس سے جوڑ چھاڑ کرنے لگے اور اپنے بحری جہاز دریا کے میٹھے پانی میں لے آئے۔ جس کی وجہ سے خشکی اور دریا میں ان سے کئی لڑائیاں اور جھڑپیں ہوئیں۔ ان کے جہازوں نے ٹھٹھے کے گھاٹ کے قریب پہونچ کر نصرپور تک دونوں کناروں پر لوٹ مار کی۔ آخر کار جب اس طرف سے کناروں پر توپیں نصب کر کے سر کی گئیں تو

وہ شکست کھا کر واپس چلے گئے لیکن سرائیوں کی فوجوں نے تعاقب کر کے دونوں سے جبراً ہار منوائی۔ اسکے بعد نادری تفرقہ پیدا ہوا۔ محمد مرادیاب خان شوال کی ابتدا میں ٹھٹھے سے جا کر باپ سے ملا۔ خدا یار خان نے عمر کوٹ پہنچ کر اہل و عیال کو تلہار روانہ کیا۔ پھر جس رات کی صبح کو ان کا نکلنے کا ارادہ تھا اسی کی صبح کو بادشاہ خود ناگہانی آفت کی طرح آکر عمر کوٹ کے باہر نازل ہو گیا۔ اب چونکہ معاملہ ہاتھ سے جا چکا تھا اسلئے لاچار ہو کر خدا یار خان گنہگاروں کی طرح ہاتھ باندھ کر اسکی خدمت میں حاضر ہوا۔ بادشاہ [نادر] اسے اپنے ساتھ لے جا کر لاڑکانہ میں منزل انداز ہوا۔ اس کے بعد ایک کروڑ روپیہ لے کر ملک پھر اسے بخش دیا اور پٹھانوں کو سیوی اور داؤد پوتوں کو شکارپور عنایت کر کے [خدا یار خان کو] عزت افزائی کے طور پر ”شاہ قلی خان“ کا لقب عطا کیا اور صاحبزادہ محمد مرادیاب خان اور غلام شاہ کو بطور برغمال ساتھ لے کر ۱۱ محرم سنہ ۱۱۵۳ھ کو لاڑکانہ سے واپس چلا گیا۔ ماہ ذوالقعد کے آخر میں جن دنوں کہ بادشاہ عمر کوٹ پہنچا تھا ان دنوں نادری فوجیں سارے سندھ میں داخل ہو گئی تھیں۔ ان میں سے صالح خان بیات اور شاہ وردی خان کرت، شیخ شکر اللہ اور مستی خان جوہ کو موضع اکھم سے جو ٹھٹھے سے تین کوس کے فاصلہ پر ہے لے کر شہر میں آئے اور شاہی حکم کے مطابق اپنے ساتھ لے گئے۔ پھر حکم کے مطابق شہر کے ممتاز افراد بھی آقا محمد کریم اصفہانی کے ساتھ بادشاہ کی قدمبوسی کیلئے حاضر ہو کر نوازشوں سے سرفراز ہو کر واپس

ہوئے [۲۶۸]۔

اس کے بعد آقا محمد کریم رعایا کا وکیل مقرر ہوا اور سلطان سامیو، شاہ قلی کی جانب سے ٹھٹھے کا ناظم مقرر ہوا۔ اس نے شورا قوم کو شکست دے کر مطیع کیا جو نادری بدانتظامی [کے زمانے] میں مغرور ہو کر سرزمین کھند میں جو [ہر گنوں کا] دل ہے، منافی، کنرو، آریسر اور کھیر، تعلقہ چاکو حالہ میں، ”ہوندا“ اور ”لدھا“ [نامی] شوروں کی سرکردگی میں دست درازیاں کر رہے تھے۔ اسکے بعد جلد ہی [موضع] ونکی تعلقہ چاچکان کے اربابوں، ارباب تماچی، طوغاچی، ٹھاری، سیلی، کاہی اور آسو سومروں پر جو مالگذاری ادا کرنے پر تیار نہ ہوئے تھے حملہ کر کے انہیں نیست و نابود کر دیا۔

سنہ ۱۱۵۵ھ میں مظفر علی خان بیات، بیگلربیگی، ان شاہی [بحری] جہازوں کو لانے کے لئے جو سورت بندر میں تیار ہو رہے تھے، کراچی بندر کے راستے سے آیا۔ نواب شاہ قلی خان [نور محمد خان] اس کی ملاقات کیلئے ٹھٹھے آیا اور ڈھائی مہینے ٹھٹھے میں رہنے کے بعد واپس چلا گیا۔ سنہ ۱۱۵۶ھ میں سردار طہماسپ قلی خان جلائر، داؤد پوتوں کی سرزنش کیلئے آیا۔ اس طرف شاہ قلی خان مصاحبت وقت کے پیچھے نظر الگ ہٹ گیا جس کی وجہ سے سندھ میں نئے سرے سے بدانتظامی کا دور دورہ ہو گیا۔ چونکہ ٹھٹھے کا ناظم سلطان سامیو اور شیخ شکر اللہ، شاہ قلی خان کی طلبی پر ٹھٹھے کو خالی کر کے چلے گئے تھے اور اس طرف مظفر علی خان، سردار سے ملاقات کرنے کیلئے آیا ہوا تھا اسلئے کتنے ہی گنوں تک شاہی وکیل رضا بیگ،

ہندوستانی حکمرانوں کے باقی ماندہ سرداروں فاضل بیگ، دھاراجہ کے رانا اور ارباب ساجن راتہ (۱) کی مدد سے ٹھٹے کی نگرانی کرتا رہا۔ آخر کار جب شاہ قلی خان [نور محمد خان] سردار جلائر کی ملاقات کیلئے پورہ میں آکر حاضر ہوا اپنے تیسرے فرزند عطر خان کو [۲۶۹] یرغمال کے طور پر دے کر واپس ہوا تو سلطان سامٹیو اور شیخ شکر اللہ پھر ٹھٹے واپس آ گئے۔

سنہ ۱۱۵۷ھ میں شیخ شکر اللہ نے ککراالہ کے حاکم جام ہوتی کو نابود کر کے اسکی جگہ جام موہر کو مقرر کیا۔ اسکے بعد سنہ ۱۱۵۸ھ میں شاہ قلی خان [نور محمد خان] نے خود کانجی کے قلعے پر حملہ آور ہو کر اسے بہ جبر فتح کر لیا۔ پھر سنہ ۱۱۵۹ھ میں ان کیچھی کافروں کو جنہوں نے کانجی کا قلعہ فتح ہو جانے کے بعد بدین کے مواضع اور دوسرے مقامات پر شورش برپا کر رکھی تھی، سبق دینے کیلئے بہار شاہ فقیر اور دوسروں کی سرکردگی میں ایک لشکر بھیجا گیا۔

اسکے بعد نیکنامی کے ساتھ اپنا وقت ختم کر کے سلطان فقیر مکلی کی پہاڑی میں جا کر آرام پذیر ہوا (دفن ہوا) اور اسکا بیٹا مسو فقیر اسکا جانشین ہوا۔ سنہ ۱۱۶۰ھ میں نادر شاہ قتل ہوا۔ انہی دنوں میں دھاراجہ کے رانا کے شہ پر سو پہاڑی جنگجو افراد ٹھٹے کے مضافات کو لوٹنے کے لئے آئے۔ مسو فقیر اور شیخ شکر اللہ، بولا خان جاکھرا کے ساتھ ان کا مقابلہ کرنے کے لئے عظیم المرتبت پیر (شاید پیر پٹھہ) کے مزار کے پاس آ کر منزل انداز ہوئے۔ لیکن چونکہ ان کا لشکر قبروں کے اوپر سے

گذرا تھا اس لئے اس بے ادبی کی سزا میں تیسرے دن مقابلہ ہوئے پر ان ہزاروں نے صرف ایک سو سے زبردست شکست کھائی۔ رانا کی اس جارحانہ حرکت کی وجہ سے صاحبزادہ محمد خداداد خان زبردست لشکر ساتھ لے کر ٹھٹھے آیا۔ مذکورہ قصور پر مسوق فقیر نظامت (گورنری) سے موقوف ہوا اور بلاول فقیر نائج [گورنر] مقرر ہو کر رانا کے قلعے کی طرف روانہ ہوا۔ رانا خود تو سمندر میں چلا گیا اور قلعہ بعض غلاموں کی نگرانی میں چھوڑ گیا۔ ان گنتی کے آدمیوں نے بے انداز لشکر سے جنگ شروع کر دی۔ بھر حال چونکہ قلعہ نہایت اہم تھا اس لئے ایک فرضی دستاویز کے ذریعہ اسے فتح کیا گیا۔ قلعہ فتح ہو جانے کے بعد [۲۷۰] صاحبزادہ واپس چلا گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد شیخ شکر اللہ نے رانا کو بچار جو کھپہ کی معرفت صلح کی گفت و شنید کے بہانے جہاز سے نیچے بلا کر قتل کرادیا۔

سنہ ۱۱۶۱ھ میں احمد شاہ بادشاہ درانی نے ہندوستان کے بادشاہ سے نادر شاہ کے زمانے کی سرحدیں مقرر کر کے سندھ کے حاکم میاں نور محمد کو ”شاہ نواز خان“ کے خطاب سے نوازا۔ سنہ ۱۱۶۲ھ میں صاحبزادہ غلام شاہ اور عطر خان ایران سے واپس آگئے۔ سنہ ۱۱۶۳ھ میں گل محمد خراسانی ٹھٹھے کا ناظم مقرر ہوا۔

اسی سال مراد یاب خان کے مسقط آئے اور اس کے ساتھی شیخ غلام محمد کے فوت ہونے کی خبر ملی جس پر شیخ شکر اللہ کو صاحبزادہ کو لانے کیلئے جہاز لے کر روانہ ہونے کا حکم ملا۔ سنہ ۱۱۶۳ھ میں جہاز بندرگاہ مسقط کی طرف روانہ ہوئے

اور شیخ شکر اللہ کا سفینہٴ حیات بحر فنا میں غرق ہو گیا۔  
صاحبزادہ محمد مراد یاب خان باپ کے دیدار سے فیضیاب ہوا  
تو اپنا سارا دفتر اس کے حوالے کر کے اور خدا آباد میں مقیم  
کر کے شاہ نواز خان خود آکر نئے تعمیر کردہ شہر محمد آباد میں  
سکونت پذیر ہوا۔ صاحبزادہ محمد خدا داد خان، جو بھائی کی  
طویل غیر حاضری کی وجہ سے ولی عہدی کا حقدار ہوا تھا اب  
بھائی کے آجانے اور ولیعہدی سے محروم ہوجانے کی وجہ سے  
اسکا دماغ خراب ہو گیا اور وہ ہندوستان چلا گیا۔ اس طرف  
محمد مراد یاب خان کاروبار حکومت کو اچھی طرح انجام نہ  
دے سکا جس کی وجہ سے دفتر اس سے چھین لیا گیا۔

سنہ ۱۱۶۶ھ میں سردار جہان خان کی آمد کی خبر سن کر  
اسے کچھ فکر پیدا ہوئی لیکن پھر یہ جلد ہی رفع ہو گئی۔  
اسی سال کے آخر میں خود بادشاہ [احمد شاہ ابدالی] کے اس طرف  
سے ہوتے ہوئے ہندوستان جانے کی گرم گرم افواہیں مشہور  
ہوئیں۔ محرم سنہ ۱۱۶۷ھ کی چوتھی تاریخ کو بادشاہ کی آمد  
کی ہختہ خبر سن کر [نور محمد] محمد آباد سے [۲۷۱] تلہار چلا  
گیا اور راستے سے تابعدای کا اظہار کرنے اور شاہی فوج کا  
راستہ تبدیل کرنے کی استدعا کرنے کے لئے گدومل کو وکیل  
ہنا کر شہنشاہ [احمد شاہ ابدالی] کی لشکرگاہ میں بھیج دیا، لیکن  
بادشاہ کے مزاج میں برہمی کے غلبے کی وجہ سے تین دن تک  
اسے باریابی کا موقع نہ ملا۔ پھر جب نوشہرہ کی منزل پر شاہی  
چھاؤنی آراستہ ہوئی تب جا کر مذکورہ وکیل کی مراد پوری  
ہوئی۔ لیکن اتفاق سے اسی اثنا میں ملک کا والی [نور محمد خان]



جیسلمیر کے سامنے کورہرہ کے گھاٹ کے قریب خناق کے مرض میں مبتلا ہو کر اور بادشاہوں کے بادشاہ کی صدا پر لبیک کہہ کر اسی سال کی بارہویں صفر کو دارالبقا کی جانب رحلت کر گیا۔ [چنانچہ] جملہ امرا نے اتفاق کر کے صاحبزادہ محمد مراد یاب خان کو، جو اس خوف سے کہ کہیں پہلے کی طرح اسے پھر یرغمال کے طور پر نہ جانا پڑے، باپ کی خدمت سے بھاگ گیا تھا، بلا کر اسی ماہ کی ۱۶ تاریخ کو تخت حکومت پر بٹھا دیا۔ یہ خبر سن کر بادشاہ [احمد شاہ ابدالی] نے بعض دشمنوں کے ورغلانے پر اپنے سابقہ وعدوں سے انحراف اختیار کیا جس کی وجہ سے محمد اسمعیل خان ہنی محمد آباد تک آہونچا۔ پھر اس نے سید شاہ محمد کی سرکردگی میں دو تین غیر معروف سردار ٹھٹھے کی طرف بھیجے اور ایک دستے نے یلغار کرتے ہوئے جا کر تھر (ریگستان) کے قریب موضع ٹھارو ہنکورجہ کو لوٹا۔ اسمعیل خان کے آدمیوں کے تعاقب میں گل محمد خان خزانہ کے افسر کی جانب سے صالح خان نامی ایک شخص مالگذاری وصول کرنے کے لئے ٹھٹھے آیا۔ [لیکن] اس سے پیشتر ہی محمد بیگ شاملو ٹھٹھے کے [ممتاز] باشندوں کو بلانے کے لئے آیا تھا اور آقا محمد صالح کو ٹھٹھے کا نائب ناظم مقرر کر کے اور ٹھٹھے کے ممتاز افراد کو ساتھ لے کر لشکرگاہ کی طرف جا چکا تھا۔ [چنانچہ] بعد میں آنے والے لوگوں نے آقا محمد صالح کو بیدخل کر دیا۔

چونکہ محمد بیگ [ٹھٹھے کے] ممتاز افراد کو راستے سے واپس چلے جانے کی اجازت دے کر [تنہا] جا کر کیمپ میں

حاضر ہوا اور [۲۷۲] مالگذاری وصول کرنے کیلئے نائب مقرر کرنے کی وجہ سے معتبوب ہوا تھا اس لئے مالگذاری وصول کرنے کا پروانہ قاضی محمد محفوظ کے نام جاری ہوا اور ممتاز افراد کو دوبارہ بلوایا گیا۔

اس طرف قاضی صاحب کا فرزند رشید، صالح خان سے دیوانی کے حوالہ جات لینے پر بضد تھا اور اس طرف مرحوم [میاں نور محمد] کے وکیل، سرائی سرداروں کا رضانامہ، بطور برعمال محمد عطرخان کا بازو، اور سندھ کے مابقہ نذرانہ سے زیادہ نذرانہ کی پیشکش کر کے محمد مراد یاب خان کے نام پر سندھ کی حکمرانی کا پروانہ اور ”سر بلند خان“ کا لقب حاصل کر کے اپنے موکل کے پاس [واپس] آ گئے۔

یہ خبر سن کر ٹھٹھے کے ممتاز افراد اپنے نئے والی کو دیکھنے کے لئے راستے ہی سے عمرکوٹ کیلئے روانہ ہوئے اور محمد مراد یاب خان نے ملک کی طرف توجہ دے کر ٹھٹھے کی گورنری پر شیخ ظفر اللہ کو مامور کیا۔ اس طرح سندھ نئے سرے سے آیت مقدسہ ”ان الملوک اذا دخلوا قریۃ افسدوها“ (۱) کے مصداق سے آزاد ہوا۔

محمد مراد ملقب بہ نواب سر بلند خان (۲)

نواب سر بلند خان [مراد یاب خان] کے عمرکوٹ کے قریب پہونچنے پر دیوان گدومل بھی حکومت کا پروانہ اور خلعت ساتھ

(۱) ”یے شک بادشاہ جبر قریہ میں قدم رکھتے ہیں اسے ویران کر دیتے ہیں“۔

(۲) نسخہ مطبوعہ بمبئی میں یہ عنوان بجنسہ موجود ہے لیکن مصنف کے قلمی نسخے میں نہیں ہے۔

لا کر حاضری کے شرف سے مشرف ہوا۔ پھر حکم ملنے پر کارندوں نے وہاں سے آکر نصرپور کے سامنے [نواب کی] چھاؤنی کیلئے ایک [قطعہ] زمین تیار کی اور [نواب کے] اس سر زمین پر تشریف فرما [۲۷۳] ہونے کے بعد تھوڑے ہی دنوں میں یہاں ایک خوبصورت شہر آباد ہو گیا۔ اسی سال کے آخر میں اس نے ککralہ کے جام کی مہم کی طرف متوجہ ہو کر مناسب جنگوں اور صائب تدابیر کے ذریعہ اس کی شان و شوکت کو تہ و بالا کر دیا اور اسے ”کوداریہ“ سے ”دیرہ“ کی طرف بھگا کر خورد اوچہ، بخاری، میران اور کجی کی زمینیں حاصل کر لیں اور کجی کو چھاؤنی مقرر کر کے ہر مقام پر مضبوط قلعے تعمیر کرا کے انہیں مستحکم کیا۔ اسکے بعد دو سال اس نے اور بھی آرام کے ساتھ حکومت چلائی لیکن چوتھے سال یہ دش تبديل کر کے اس نے ایسے طریقے اختیار کئے جو ملک کے زوال کا سبب بنے۔

سرائی سرداروں اور رعایا کو اس نے تکلیفیں پہونچانی شروع کر دیں۔ اور چونکہ وہ بادشاہی عمال کے تسلط اور چیرہ دستیوں سے تنگ آچکا تھا اس لئے ملک پر جھاڑو پھیر کر کسی اور جانب نکل جانے کا اس نے مصمم ارادہ کر لیا۔ اس خیال سے وہ خزانہ مسقط بندر کو منتقل کرتا رہا۔ ککralہ کے جام کا ملک اسکے راستہ میں رکاوٹ بنا ہوا تھا۔ چنانچہ سال کے آخر میں اس نے جام کو درمیان سے صاف کر دینے اور بغیر کسی رکاوٹ کے اسکے ملک پر قبضہ کرنے کے لئے ایک لشکر مامور کیا۔ جن سرائی سرداروں نے جام سے صلح کرتے وقت حلف اٹھایا تھا انہیں یہ بات پسند نہ آئی۔ ویسے بھی

چونکہ وہ سب اس سے عاجز آگئے تھے اس لئے انہوں نے باہم مشورہ کر کے ۱۳۔ ذوالحج سنہ ۱۱۷۰ھ کی شب کو اپنا انتظام مکمل کر کے اور صبح کے وقت اسکی حویلی پر حملہ کر کے بیٹوں سمیت اسے قید کر لیا۔

### میاں غلام شاہ خان

اس نے تیرہ ذوالحج سنہ ۱۱۷۰ھ کو صبح کے وقت تخت حکومت پر متمکن ہو کر معزول حکمران کے ظلم سے زخم خوردہ لوگوں کے دلوں پر [۲۷۳] مہربانیوں کا مرہم رکھ ان سے ہمدردی کی۔ اس کے کچھ ہی عرصے کے بعد نئے سال کا پہلا عشرہ گذرتے ہی جب اس منحوس شہر کو چاروں طرف سے پانی نے گھیر لیا تو وہاں سے منتقل ہو کر [اس نے] باپ کے [آباد کردہ شہر] محمد آباد کے قریب ”الہ آباد“ نامی ایک نیا شہر بسا کر وہاں سکونت اختیار کی۔ جملہ امرا نے اس کے آگے مر تسلیم خم کیا لیکن محمد مراد یاب خان کے برادر حقیقی، احمد یار خان نے جو حیدر آباد میں رہتا تھا، اطاعت قبول نہ کی۔ اس طرف بہارا شاہ کا بیٹا مقصود فقیر باپ کو اس بارے میں غلط سمجھ کر کسی دوسرے خیال سے خاموش ہو کر بیٹھ رہا لیکن بالآخر تسلی دلانے کے بعد ظاہر داری سے کام لیتا ہوا خدمت میں آ کر حاضر ہوا۔

اسی اثنا میں عطر خان نے، جو یرغمال کے طور پر [بادشاہ] کے حضور میں موجود تھا، اس نے جب محمد مراد یاب خان کی موقوفی کی خبر سنی تو فریاد کر کے ملک [کا پروانہ حکومت] اپنے نام پر حاصل کیا۔ اس طرف احمد یار خان نے اس کے

واسطے لشکر تیار کیا۔ [چنانچہ] سرائی اپنے کٹے پر ہشیمان ہو کر کہنے لگے کہ ”جب عطر خان کو بادشاہ کی جانب سے حکومت ملی ہے تو ہمیں یقیناً اسکی اطاعت [کرنی پڑیگی]۔“ غلام شاہ بھی مصلحت وقت کو مدنظر رکھتے ہوئے اسی سال کی ۲۵ صفر کو سارے لشکر سمیت تھر کی طرف نکل گیا۔ کچھ منزلوں کے بعد عطر خان کا خط ملنے پر مقصود نے محمد مراد باب خان کو آزاد کر کے اکثر سرائی سرداروں کے ساتھ اس کی طرف (عطر خان کی جانب) روانہ ہوا اور غلام شاہ اپنے خاص خیلیوں، راجہ لیکھا اور کچھ مختصر فداٹیوں کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔

محمد عطر خان نے ملک کو خالی دیکھ کر، کیونکہ احمد یار خان نے اس کے لئے پہلے ہی سے انتظام کر لیا تھا، نوشہرہ میں آگے منزل کی اور ربیع الثانی کی ابتدا میں محمد مراد بھی اس کے پاس آپہنچا۔ اسے اور سرائی سرداروں کو بھی امید تھی کہ [۱۷۵۰ء] عطر خان نے یہ کام اپنے بھائی کے لئے کیا ہے لیکن چونکہ کاروبار مملکت کی [سربراہی] خود غرضی پر بنیاد رکھتی ہے اس لئے عطر خان نے بھائی کی آمد کی خبر سن کر ملاقات کئے بغیر اسے خدا آباد میں مقیم رکھنے کا حکم دیا۔ حالانکہ اس حرکت پر وہ سبھوں کی نظروں سے گر گیا لیکن چونکہ وہ بادشاہ کی جانب سے نامزد کیا گیا تھا اس لئے مجبوراً سب کو اس کا ساتھ دینا پڑا۔ اب شاہی محصل (خراج وصول کرنے والے) اس کی بڑی توہین کرنے لگے [چنانچہ] اپنی مفلسی اور خراج کے سخت تقاضوں سے مجبور ہو کر وہ ملک پر سخت مظالم کرنے

لگا۔ آخر کار مظلوموں کی آہیں اور ستم زدوں کی دھائیں آسمان تک جا پہنچیں اور غلام شاہ کچھ مدت گزارنے کے بعد کامیابی کی پختہ امیدوں کے ساتھ آدے پور سے بہاولپور واپس آیا اور تین ماہ وہاں قیام کر کے انتظامات مکمل کرنے کے بعد اپنے قرة العین صاحبزادہ سر فراز خان کو اہل و عیال کے ساتھ وہیں چھوڑ کر خود رمضان کے وسط میں سندھ کی طرف روانہ ہوا۔ محمد عطر خان آگے بڑھ کر اس کے مقابلہ پر آیا اور روہڑی کے باہر نہر امرکس کے کنارے [ماہ] رمضان کی آخری تاریخوں میں جنگ کی۔ غلام شاہ کے پاس لشکر کم تھا لیکن اس کے باوجود بخت کی تائید سے کچھ دیر تیر و تفنگ کی بوچھاڑوں کے بعد نہر پار کر کے دست بدست جنگ میں فتیاب ہوا۔ عطر خان، احمد یار خان اور مقصود شکست فاش کھل کر اور ناکامی کا منہ دیکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ [غلام شاہ] مظفر و منصور ہو کر بغیر کسی تکلیف کے آکر، آراستہ و پیراستہ لشکر گاہ میں فروکش ہوا۔ وہ دن اور دوسرا دن، عید سعید کا دن تھا۔ [وہاں ٹھہر کر] سرائی سرداروں کی رنجش کو مہربانیوں سے زائل کر کے اور اپنے ساتھ لے کر وہ روہڑی سے سیوستان پہنچا اور وہاں محمد مراد باب خان مرحوم کے، جو اسی دوران میں انتقال کر گیا تھا، پسماندگان سے واجبی ہمدردیاں ظاہر کر کے [۲۷۶] شوال سنہ ۱۱۷۱ھ کے آخر میں الہ آباد میں منزل انداز ہوا۔ یہاں صاحبزادہ نے بھی پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ آکر کچھ ہی عرصہ میں دیدار کا شرف حاصل کیا۔ کچھ مدت کے بعد وہ وہاں سے محمد آباد کیا اور باقی سارا سال خیر سے گذر گیا۔

سنہ ۱۱۷۲ھ میں پھر ہنگاموں کے اسباب پیدا ہوئے جو زیادہ تر با نصیب لوگوں کے حال کی کسوٹی ہوتے ہیں وہ اس طرح کہ، محمد عطر خان اور احمد یار خان مذکورہ شکست کے بعد قلات چلے گئے، جہاں محمد نصیر خان نے میاں غلام شاہ سے اخلاص ہونے کی وجہ سے انہیں پاس ٹھہرایا۔ بالآخر اس کی (محمد نصیر خان کی) نافرمانی کی وجہ سے اس پر شاہی فوج کا حملہ ہوا۔ بادشاہ کے فتح مند ہونے کے بعد انہوں نے (عطر خان اور احمد یار خان نے) شاہی کیمپ میں پھونچ کر بعض وسیلوں کے ذریعے ملک [سندھ] کی حکومت کا پروانہ نئے سرے سے حاصل کیا۔ احمد یار خان حضور میں رہ گیا اور عطر خان، عطائی خان نامی ایک امیر کو کمک میں ساتھ لے کر سندھ کی طرف روانہ ہوا۔ اس طرف مصلحت وقت کے پیش نظر میاں غلام شاہ بھی ربیع الثانی سنہ ۱۱۷۲ھ میں دیرہ کی طرف جا کر کجی پھونچا اور پھر اورنگا بندر پار کر کے کجی کا ”شاہ کرہ“ نام رکھ کر [اسے] اپنی رہائش گاہ بنایا۔ پھر شاہ کرہ (سا کرہ) کے مد مقابل ”شاہ بندر“ کے نام سے ایک بندرگاہ تعمیر کرا کے ایک حویلی اور مضبوط قلعہ تعمیر کرایا اور اہل و عیال کو حریفوں کے غلاموں سمیت اپنے نامور فرزند محمد سرفراز خان کے پاس چھوڑ کر بھائی سے مقابلہ کے لئے تیار ہوا۔ چونکہ اس طرف سے محمد عطر خان پٹھانوں کے ہاتھوں ملک کو ویران کراتا ہوا، مقصود کو مقدمہ کے طور پر آگے کٹے ہوئے مقابلہ کے لئے چلا آ رہا تھا اس لئے چند ہی دنوں میں ان کے استقبال کے لئے اس نے انہیں سر زمین چاچکان میں

جا لیا۔ پہلے جنگ کی باتیں ہوا کیں لیکن مخالفین اس کی طاقت نہ پا کر پھر صلح کی باتیں کرنے لگے۔ چنانچہ ملک کو تین حصوں میں تقسیم کرنے کا فیصلہ ہوا۔ [۲۷۷] شاہ (ساگرہ) سے لے کر نصرپور تک ٹھٹے کے مضافات سمیت کا علاقہ میاں غلام شاہ کے حصے میں آیا اور ٹھٹے [کے علاوہ باقی ماندہ] سارا سندھ اس کے بھائیوں کو ملا۔ اسی وجہ سے میاں غلام شاہ ساگرہ میں تشریف فرما ہوا اور عطرخان جا کر نوشہرہ میں مقیم ہوا۔ رمضان [شریف] تک اسی طرح [کام] چلتا رہا لیکن چونکہ سارا سندھ میاں غلام شاہ کی قسمت میں لکھا ہوا تھا، اس لئے بھائیوں میں ان بن ہو گئی اور بادشاہ کو یہ یقین ہو گیا کہ عطرخان سے ملک کا کاروبار نہ چل سکیگا چنانچہ احمد یار خان اپنا بیٹا بطور يرغمال [بادشاہ کے پاس] چھوڑ کر اور حکومت کا پروانہ اپنے نام پر جاری کرا کے سندھ کی طرف روانہ ہوا۔ اس حقیقت سے باخبر ہو کر رمضان سنہ ۱۱۷۳ھ میں میاں غلام شاہ عزم مصمم کے ساتھ سندھ فتح کرنے کے لئے روانہ ہوا۔ عطرخان ایک طرف سے غلام شاہ کی نقل و حرکت اور دوسری طرف سے احمد یار خان کو [آتا دیکھ کر] حواس باختہ ہو کر نوشہرہ سے فرار ہو گیا۔ میاں غلام شاہ خان عبدالقادر کے دن نصرپور کے اُس طرف یہ خبر سن کر آگے بڑھا اور احمد یار خان اسی طرف رہ گیا۔ [اس طرح] سارا ملک میاں غلام شاہ کے تصرف میں آ گیا۔

اس سے پیشتر محمد عطر خان کے دنوں میں [اہل] ٹھٹہ کو طرح طرح کی اذیتیں پہونچی تھیں جیسے کہ جوکھیہ قوم کے



ہاتھوں ٹھٹھے کے مولا محلہ کی لوٹ مار۔ انہوں نے دن دھاڑے اطمینان کے ساتھ اس محلہ کے گھروں کو توڑ پھوڑ کر بڑی بے فکری کے ساتھ لوٹ مار کی تھی۔ [اس کے علاوہ] حاکم کی بدانتظامی کی وجہ سے پٹھانوں کے ہاتھوں [اہل ٹھٹھے پر] اس قدر ہولناک مظالم ہوئے تھے کہ اس سے زیادہ کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔

قصہ مختصر، اسی سال کے ماہ شوال کی دوسری تاریخ کو عطر خان کا خط ملا کہ ”میں ملک سے جاتا ہوں، اب تم جانو اور میرا بھائی جانے“۔ میاں غلام شاہ نے آگے بڑھ کر بھائی کے رہے سہے ساتھیوں کو گرفت میں لے کر لاڑکانہ تک [۲۷۸] پیشقدمی کی اور اس طرح ساری مرادیں حاصل کیں۔ کھوسہ سردار جنہوں نے اس بد نظمی کے ایام میں خدا آباد کو بری طرح لوٹا تھا، وہ سب تلواروں کا لقمہ بنے اور سزا کے طور پر ان کے دیہاتوں میں لشکر مقرر کئے گئے۔ اس کے بعد اس نے سیوہن کی طرف باگ موڑی اور فتحمند لشکر کھوسہ قبائل کے وسط میں واقع قلعہ جوہہ اور نلی لک (۱) پر حملہ آور ہو کر اور [دشمنوں کو] قتل اور قید کر کے کامیابی کے ساتھ واپس آگیا۔

اسی اثنا میں خبر ملی کہ محمد عطر خان اور مقصود، داؤد پوتہ سرداروں خصوصاً بہادر خان کی مدد سے پھر دشمنی کے تقارہ پر چوب لگا کر جنگ اور فوج کشی کے لئے تیار ہوئے ہیں۔ چنانچہ بغیر کسی توقف اور جھجھک کے فتح نصیب لشکر کو ساتھ

(۱) نسخہ ”ن“ میں قلعہ ’جوہہ‘ و لک ’نلی‘ ہے۔

لے کر وہ اہاوڑو تک جا پہنچا اور کتنے ہی نامور سرداروں کو بہادر خان سمیت میدان جنگ میں قتل کر کے اور غنیمت کو شکست فاش دے کر مظفر و منصور واپس آیا۔

اس طرح جب دشمنوں اور ملک کی مکمل تسخیر سے اسے پوری طرح اطمینان حاصل ہو گیا تو اس نے مورخہ ۲۵ محرم الحرام سنہ ۱۱۷۳ھ کو نئے آباد کردہ شہر شاہ پور میں مبارک چھاؤنی استادہ کی اور اپنے صاحبزادے کو متعلقین سمیت ساکرہ سے اپنے پاس بلالیا۔ اس سے بیشتر محمد قائم کو کلتاش یعنی آتا [کالڑکا]، ٹھٹھے کا ناظم مقرر ہوا تھا جس نے جا کر وہاں کے غریب باشندوں کو موقوف شدہ حاکم کے کارندوں کے مظالم اور پٹھانوں کی چیرہ دستیوں سے نجات دلائی۔ اسی سال ککراالہ کے حاکم جام ڈیسر کو، جس نے میان غلام شاہ کی ساکرہ میں سکونت اور تسخیر سندھ کے ارادوں کے زمانے میں سچائی کے دستور کے خلاف روش اختیار کر رکھی تھی، محمد صدیق ڈیسر اور دیگر امرا نے ملک سے نکال دیا اور پھر مورخہ ۷ ماہ صفر المظفر سنہ ۱۱۷۴ھ [۲۷۹] کو اسے قلعہ ”آباد“ سے بھی بھگا کر کچھ (۱) کی طرف دربدر کیا۔ اس کا بیٹا ”ہردورجی“ جو اس کے دیرہ میں تشریف لانے کے بعد سے اس کے ہمراہ رہتا آیا تھا وہ [بدستور] میان غلام شاہ کی خدمت میں حاضر رہا کیا۔ سنہ ۱۱۷۵ھ میں بادشاہ کے حضور سے اسے ”شاہ وردی خان“

کا خطاب ایک ہاتھی اور دیگر کثیر نوازشیں عطا ہوئیں۔ اسی سال اس نے داؤد پوتوں کی گوشمالی کیلئے خان پور تک بلغار کی لیکن پھر آج کے سادات کی سفارش پر ان کی خطاؤں

سے در گذر کر کے واپس آگیا۔

سنہ ۱۱۷۶ھ مورخہ ۹ ربیع الثانی کو وہ کتچھ کے کافروں کو راہ راست پر لانے کے لئے روانہ ہوا۔ راستے میں اس نے قلعہ ”سندری“ فتح کیا۔ ”کوہ جاڑا“ پر تقریباً چھ ہزار کافر تلواروں کے گھاٹ اتر گئے۔ وہاں سے مظفر و منصور ہو کر اس نے آگے قدم بڑھایا اور یلغار کرنا ہوا ”بھج“ سے بارہ کوس کے فاصلے پر جا پہونچا۔ راستے میں کتنے ہی قصبے تاخت و تاراج اور مطیع کئے گئے۔ بستا بندر اور لکھت بندر کے قلعے بھی فتح ہوئے۔ بالاخر کتچھ کے راجہ کی خوشامد اور صالح کا دروازہ کھٹکھٹانے سے مذکورہ سال کی ۲ رجب کو، وہاں سے واپس ہو کر کامیابی کے ساتھ، شاہ پور آپہونچا۔

۱۱۷۸ھ میں اس کا دوبارہ کتچھ پر فوج کشی کرنے کا اتفاق ہوا۔ راستہ میں مورو کا قلعہ بہ جبر فتح کر کے وہ بھج پانچ کوس کے فاصلہ پر جا کر منزل انداز ہوا۔ کتچھ کا راجہ وسیلے درمیان میں لایا۔ جن کی وجہ سے اس سے صلح کر کے اس نے باگ پھیری۔

کتچھ سے واپسی کے بعد، کثیر گرد و غبار اور ہواؤں کی وجہ سے وہ پرانے شاہپور سے نئے شاہ پور کو منتقل ہو گیا اور بادشاہ کی بارگاہ سے اسے سابقہ لقب کے ساتھ ”صمصام الدولہ“ کا بھی خطاب عطا ہوا۔ [۲۸۰]

اسی اثنا میں عطر خان کے مقصود فقیر جیسے ساتھی فوت ہو گئے چنانچہ ناکام اور ہشیمان ہو کر وہ آکر خدمت میں حاضر ہو گیا اور طرح طرح کی عنایات سے سرفراز ہو کر ہمرکاب

رہنے لگا۔ خدائے پاک کے فضل و کرم سے روز بروز اس کا ملک ترقی پاتا اور بخت بلند ہوتا رہا۔

سنہ ۱۱۸۱ھ میں بادشاہ کے حضور سے دیروں کا بندوبست اس کی نگرانی میں دیا گیا، اور اسی سال کے ماہ ربیع الاول کی ابتدا میں وہ اس طرف روانہ ہوا اور تین ماہ کے عرصے میں اس سارے علاقے کو فساد یوں سے صاف کر کے اور وہاں کے سرداروں سے ضمانتیں لے کر کامرائی کے ساتھ شاہ پور واپس آگیا۔ [لیکن] اتفاق سے اُس ملک میں [اس کے] مامور کردہ لشکر اور وہاں کے بعض باشندوں خصوصاً نصرت نامی ایک نامور سردار کے مابین تنازعہ ہو گیا جس کی وجہ سے پورے ایک سال تک جنگ ہوتی رہی۔ اسی اثنا میں سردار جہاں خان نے وہ ملک اپنے نام پر حاصل کر کے اس کے ناظموں کو بیدخل کر کے واپس کر دیا۔ [لیکن اس کے بعد] خدائے پاک کی اعانت اور بخت کی باوری کی وجہ سے سنہ ۱۱۸۳ھ میں پھر دیرہ غازی خان کا قبضہ مذکورہ سردار سے واگذار کرا کے میاں غلام شاہ کی تحویل میں دے دیا گیا وہ نئے سرے سے اپنا انتظام قائم کرنے کے لئے خود وہاں جا پہنچا اور پھر کامیابی کے ساتھ واپس آیا۔ [خود قسمتی سے] دیرہ غازی خان کے ساتھ ساتھ ملتان کی حکومت بھی وہاں کے حاکم کی مدد سے میاں غلام شاہ کے نام ہو گئی۔ چونکہ اس سے پیشتر ماہ ذوالقعد سنہ ۱۱۸۲ھ میں نیروں کوٹ کو جو ایک مضبوط پہاڑی [پر واقع] ہے پایہ تخت بنانے کی تجویز ہو چکی تھی، اس لئے سنہ ۱۱۸۲ھ میں موجودہ حیدرآباد کا قلعہ تعمیر ہو کر مکمل ہوا اس کا نام حیدرآباد

رکھا گیا۔ اس کے مقابل کے ٹیلے پر شہر [تعمیر کرا کے] رعایا کو قلعہ کی حفاظت میں آباد کیا گیا اور ماہ ذوالحجہ میں دیرہ [غازی خان] سے واپس آنے کے بعد [وہ] اسی قلعے میں سکونت پذیر ہوا۔ [۲۸۱]

(سنہ ۱۱۸۴ھ میں بعض اسباب کی بنا پر ڈیرہ غازی خان سے اس کی موقوفی کا حکم ہوا اور سابقہ دستور کے مطابق اس پر جہاں خان کا قبضہ بحال کیا گیا) (۱)۔

چونکہ اس کتاب کی تالیف کے وقت تک اتنے ہی حالات دیکھے گئے ہیں اس لئے [اب] قلم کی باگ سے شاندار حکومت کی دعا کی جانب پھرائی جاتی ہے۔ خداوند تعالیٰ پیغمبر [صلعم] کی دعا کی جانب پھرائی جاتی ہے۔

(۱) یہاں قوسین کے اندر تحریر کردہ عبارت ہو بہو مصنف کے قلمی نسخے کے حاشیے میں موجود ہے بلکہ دو سطریں اور بھی زائد تحریر ہیں جو کرم خوردہ ہونے کی وجہ سے پڑھی نہیں جا سکیں۔ نسخہ ”ن“ میں اس مقام پر کچھ زیادہ تحریر ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:

”اسی سال کتچہ کے راجہ نے بہ رضا و رغبت اپنے والد کے ”ایسوجی“ نامی ایک چچا زاد بھائی کی بیٹی کو اس کے عقد میں دیا۔ شادی کے موقع پر دونوں جانب سے بڑے تکلفات کئے گئے اور بستا بندر و لکھپت بندر کا قبضہ واپس دیا گیا۔ سال روان یعنی سنہ ۱۱۸۵ھ کے عجیب واقعات میں سے ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ سر زمین وند کے تقریباً ایک جریب قطعے میں گوشت کے ٹکڑوں کی بارش ہوئی جس میں سے ہر ایک ٹکڑا کچی اینٹ سے بھی بڑا تھا۔ ایسے دو تین ٹکڑے میاں غلام شاہ کے ملاحظہ میں پیش کئے گئے۔ وہ سور کے گوشت جیسے نظر آئے، کتوں کے سامنے انہیں ڈالا گیا لیکن انہوں نے نہ کھایا۔“

اور اس کی مقدس آل کے صدقے میں اس مبارک خاندان کو ہمیشہ عزت و اقبال کے ساتھ امیدوں اور مرادوں کے میدان میں نامور رکھے ! (۱)

چونکہ مذکورہ بیانات میں ٹھٹھے کے حکمرانوں کے نام اور حالات پابندی کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں اور گل محمد خراسانی کے بعد محمد قاہم کو کلٹاش کے علاوہ دوسرا کوئی بھی مسلمان ناظم وہاں مامور نہیں کیا گیا اس لئے ملک کے فرمانروا کے ذکر پر اکتفا کی گئی۔ اب دین محمدی کی برکت سے محرم سنہ ۱۱۸۴ھ میں حبیب فقیر نائچ ٹھٹھے کا ناظم مقرر ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے احسان اور کمال کرم سے مسلمانوں کے اس شہر کو اہل اسلام کی گورنری سے مشرف رکھتا آئے ! [۲۸۳]

(۱) میاں غلام شاہ کلہوڑہ سنہ ۱۱۸۶ھ میں فوت ہوا۔ اس کی تاریخ وفات ذیل کے شعر سے نکلتی ہے جو تحفۃ الکرام کے نسخہ مطبوعہ بمبئی کے حاشیہ میں دیا گیا ہے :

غلام شاہ کہ بودہ غلام شاہ نجف

مقام کردہ ارم ہمدانی بشار نجف [۲۸۲]

۱۱۶۸ھ



حصہ دوم



## حصہ دوم

### سندھ کے مشہور شہر اور وہاں کی شخصیتیں

مخفی نہ رہے کہ جب سندھ کے حکمرانوں اور بادشاہوں کے طبقے کے حالات تحریر کرنے سے فراغت حاصل ہوئی تو اپنی شرط پوری کرنے کے لئے بعض شہروں اور قصبوں کا ذکر، وہاں کے بزرگوں کے ذکر سمیت بیان کرنا لازمی ہے۔ چونکہ یہ کم معلومات کا حامل (مصنف) اکثر مقامات کو دیکھے بغیر غائبانہ طور پر صرف کتابوں کے ماخذوں، یا زبانی سنے ہوئے بیانات پر بنیاد رکھتے ہوئے اس سلسلے کی تحریک کرتا ہے اور حتی الامکان روایتوں کی صحت کے بارے میں کوئی بھی کوتاہی سرزد نہیں کی ہے، تاہم اگر بشری تقاضے کے مطابق جس سے سہو اور نسیان [کا سرزد] ہونا لازمی ہے، [اگر کوئی غلطی اور کوتاہی رہ گئی ہو اور] کسی عزیز کو مزید تحقیق کی توفیق ہو تو اس سے اصلاح کی درخواست ہے اور ایسا [عمل] ضرور ذکر خیر میں داخل ہوگا۔ حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی زیادہ بہتر جانتا ہے اور وہی میرے لئے کافی اور معاون ہے۔ [۲۸۶]

## تیرھواں باب

ملتان، اچ، مٹو، ماتھیلہ، سیٹھور اور وہاں کے بزرگ

پوشیدہ نہ رہے کہ ملتان کا شہر جناب شیخ الشیوخ بہاؤالدین ملتانی کی آرام گاہ ہے۔ سارا سندھ شروع ہی سے اسی درگاہ کی ارادت سے وابستہ ہے۔ اس کے علاوہ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے، اہل سندھ زیادہ تر یہاں کے حکمرانوں کے سامنے ہی جوابدہ رہے ہیں۔ ملتان کا مفصل ذکر [اس سے پیشتر] ساتوں ولایتوں میں [سے کسی بھی ولایت میں] نہیں کیا گیا (۱) حالانکہ کسی بھی چیز کا ذکر اس کے بالکل ہی ذکر نہ کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔ چنانچہ اب اسی متبرک سر زمین کے ذکر سے ابتدا کی جاتی ہے تاکہ [اس کتاب میں] سندھ کے حالات شامل ہو جائیں۔

### ملتان

اس کا طول البلد ”قزلہ“ (۱۴۲) اور عرض البلد ”الظم“ (۸۰) ہے۔ یہ تیسری ولایت میں داخل ہے جس کا پایہ تخت

---

(۱) یعنی اصل فارسی ”تحفة الکرام“ کی جلد دوم میں جس میں مصنف نے سات اقلیموں یا ولایتوں کا ذکر کیا ہے۔

”اردن“ ہے۔ اس [شہر] کی تعمیر کی ابتدا کسی کو بھی معلوم نہیں ہے۔ [البتہ] اہل ہدایت کی اس آرامگاہ کی قدامت کے سبھی فائل ہیں۔ محمد بن قاسم کی آمد سے پیشتر یہاں خود مختار بادشاہ رہا کرتے تھے جن کا تعلق سندھ کے راجاؤں سے ہوا کرتا تھا۔ پھر اسلامی فتوحات کو زیادہ عرصہ نہ گذرا تھا کہ یہ شہر ملحدوں (قرامطہ) کے [۲۸۷] قبضے میں چلا گیا۔ سلطان محمود (غزنوی) غازی نے [اسے] ملحدوں سے نجات دلائی۔ غزنویوں کا دور ختم ہونے کے بعد [یہ شہر] دوبارہ ملحدوں کے تصرف میں آیا۔ اس کے بعد اس پر سلطان معزالدین محمد سام (غوری) کا تسلط ہوا۔ سنہ ۸۴۷ھ تک یہ بادشاہان دہلی کے تصرف میں رہا۔ مذکورہ سال میں جب ہندوستان میں طوائف الملوکی کا دور دورہ ہوا اور مغلوں کے حملوں کی وجہ سے [ملتان] حکمرانوں سے خالی ہو گیا تو اس سر زمین کے بیشتر زمینداروں نے، جو شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی [رحمۃ اللہ علیہ] کے سلسلہ عالیہ کے مرید تھے، شیخ یوسف قریشی کو، جو شیخ علیہ الرحمۃ کی درگاہ کا منتظم تھا، بادشاہ بنا کر آج اور دیگر مقامات کے منبروں پر اس کے نام کا خطبہ پڑھا اور وہ کاروبار مملکت کے انتظام میں واجبی کوششیں کرنے لگا۔ [اسی اثنا میں] لانگاہ قبائل کا سردار رائے سیہرہ، (۱) جو موضع رہڑی (۲) اور اس کے مضافات کا زمیندار، اور آبا و اجداد سے اس سلسلے کا مرید تھا، اپنی بیٹی کو شیخ کے عقد میں دے کر شیخ کے اقتدار کی

(۱) نسخہ ”ن“ میں ”سیہر“ ہے۔

(۲) نسخہ ”ن“ میں ”رہڑی“ ہے۔

بنیادیں کھودنے لگا۔ آخر کار اس نے اپنے پیر کو دھوکے سے شہید کر دیا اور ملک کا مالک بن کر سلطان قطب الدین کا لقب اختیار کیا (۱)۔

”سندھی پیرکٹھی“ کا مقولہ اسی واقعہ کی وجہ سے دنیا میں [شہور] ہوا۔ قصہ کوتاہ، شیخ کی حکومت دو سال اور قطب الدین کی حکومت سولہ سال [تک رہی]۔ اس کے بعد سلطان حسین بن قطب الدین لانگاہ ۳۴ سال تک اور پھر سلطان محمود بن فیروز خان لانگاہ ۲۷ سال اور چند ماہ تک، حکمران رہا۔ اس کے بعد سلطان حسین بن سلطان محمود [لانگاہ] نے حکومت کی۔ چند سال کے بعد [۲۸۸] مرزا شاہ حسن ارغون نے ملتان فتح کر کے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے نذرانہ کے طور پر حضرت بابر بادشاہ کو پیش کیا، جس نے اسے اپنے فرزند کامران مرزا کو عطا کیا۔ اس طرح [ملتان] دوبارہ دہلی سے متعلق ہو کر اس شہنشاہیت کے گورنروں کا پایہ تخت رہتا آیا اور نادر شاہ کے لاہور اور اُس طرف کے علاقوں پر قبضہ کرنے تک یہ زیادہ تر شاہزادوں کی جاگیر اور نامور امرا کا مرکز حکومت رہا۔ اس کے بعد سے اس وقت تک یہ احمد شاہ درانی (اہدالی) کے زیر تصرف ہے۔

”معلومۃ الافاق“ میں مرقوم ہے کہ ملتان کے مضامات میں سر زمین ”نہارن“ میں ایک گہرا کنواں کھودا جا رہا تھا کہ اچانک کنویں کی تہ میں پیلداروں کو [ایک جگہ] کھودنے

---

(۱) شیخ یوسف قریشی کی شہادت اور رائے سیہرہ کے ملتان پر قابض ہونے کے واقعات کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ معصومی۔

ہر خون آمیز مٹی نظر آئی۔ تحقیق کرنے پر کیچڑ سے ایک شیرخوار بچہ برآمد ہوا۔ اس بچہ کو دائی کے سپرد کیا گیا چنانچہ دودھ پر وہ بڑا ہوا۔ جب باتیں کہنے لگا اور سمجھدار ہوا تو وہ کلمہ اور قرآن شریف پڑھنے لگا۔ اس کے بعد اس نے حرمین شریفین کی زیارت کا شوق حاصل کیا۔ اس شہر کے بزرگ شمار سے باہر ہیں۔ تبرکات کچھ مختصر نصوص پر اکتفا کی جاتی ہے۔

جعفر ملقب بہ المؤید من السماء (آسمان کی جانب سے تائید یافتہ)  
[جعفر] ابن محمد بن عبد اللہ بن محمد بن عمر بن علی۔ سادات میں سے سب سے پہلے ان بزرگ نے اس سر زمین پر تشریف فرما ہو کر سکونت اختیار کی۔ کہتے ہیں کہ [اپنے بعد] انہوں نے پچاس فرزند چھوڑے جو ہندوستان، کرمان اور ایران کی طرف پھیل گئے۔ ان میں سے عبدالحمید نے آج ہر حکومت کی۔  
الشیخ الکبیر بہاء الحق والدین شیخ بہاوالدین زکریا۔

[شیخ بہاوالدین زکریا] بن شیخ ابو محمد شیخ ابراہیم بن شیخ عبداللہ [۲۸۹] بن شیخ شہاب الدین بن شیخ زکریا بن شیخ نورالدین بن شیخ سراج الدین بن شیخ وجہ الدین بن شیخ مسعود بن شیخ رضی الدین بن القاسم بن الجعفر بن ابی بکر رضی اللہ عنہ۔ بعض [مورخوں نے] شیخ کا سلسلہ نسب اس طرح لکھا ہے:

شیخ بہاوالدین زکریا بن محمد غوث بن ابی بکر بن سلطان جلال الدین بن سلطان علی قاضی بن سلطان محمد بن سلطان حسین بن سلطان عبداللہ بن سلطان طرفہ بن سلطان جذیمہ یعنی عبداللہ

بن امیر عاصم بن عبدالرحیم بن عبدالرحمان بن عیاض بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی بن کلاب -

ان میں سے پہلے شجرے کے مطابق شیخ موصوف صدیقی گھرانے کے ہیں اور دوسرے کے مطابق اسدی ہیں - وہ علوم ظاہری اور باطنی میں کامل تھے -

شیخ شہاب الدین کے وہ مرید اکمل اور خلیفہ اکبر تھے - شیخ کی اجازت سے ملتان میں مقیم ہوئے - یہاں وہ شیخ الاسلام [کے منصب پر سرفراز] رہے - سندھ کے بیشتر لوگ اسی در کے مرید ہیں - پہلے پیر جنہوں نے سندھ میں ارشاد کا سلسلہ جاری کیا یہی تھے - ان کی روشن کرامات اور خوارق عادات روز روشن کی طرح عیاں ہیں - انہوں نے سنہ ۵۳۶ھ (۱) میں وفات پائی اور ملتان کے قدیم قلعے میں آرام پذیر ہیں - شیخ فخرالدین عراقی جو کتاب کنزالرموز، زاد المسالین اور نزعة الارواح کے مصنف ہیں ان کے کامل مریدوں میں سے ہیں -

[شیخ صدر الدین محمد] - شیخ صدرالدین محمد مذکورہ شیخ کے فرزند اور جانشین تھے - والد کے وصال کے بعد اٹھارہ سال مریدوں اور طالبوں کی تکمیل میں مشغول رہے - والد کی طرح ان کی بھی کتنی ہی کرامتیں مشہور ہیں - [۲۹۰]

[شیخ رکن الدین] - شیخ رکن الدین مذکورہ شیخ صدرالدین کے فرزند ارجمند اور خلیفہ ہیں - ۵۲ سال تک وہ والد اور جد امجد بزرگوار کے مصالے پر بیٹھ کر طالبین کو مقصد کی راہ دکھاتے رہے -

(۱) نسخہ "ن" میں "شش صد و شش" یعنی سنہ ۵۶۰ھ -

[شیخ اسماعیل شہید]۔ ان کے بعد ان کے فرزند رشید شیخ اسماعیل شہید نے قائم مقام بن کر علم و سلوک کے طالبین کی رہنمائی میں عمر گذاری اور شیخ الاسلام کے موروثی [منصب سے] ممتاز ہوئے۔

[شیخ صدرالدین ثانی]۔ اس کے بعد شیخ صدرالدین ثانی بن شیخ اسماعیل شہید آبائی دستور کے مطابق قائم مقام، سجادہ نشین، بزرگوں کے مزارات مقدسہ کے متولی اور ملتان کے شیخ الاسلام رہے۔

[شیخ رکن الدین ثانی]۔ پھر شیخ صدرالدین ثانی کے فرزند شیخ رکن الدین ثانی نے جو بزرگوں کی طرح بلند مقامات پر فائز تھے، سجادہ نشینی اور شیخ الاسلامی میں متبرک دن پورے کئے۔

[شیخ اسماعیل ثانی]۔ ان کے بعد شیخ اسماعیل ثانی ابن شیخ رکن الدین ثانی نے بزرگوں کے طریقے پر زندگی گذاری۔ [شیخ یوسف]۔ اس کے بعد شیخ اسماعیل ثانی کے فرزند شیخ یوسف بزرگوں کے دستور کے مطابق ملتان کے شیخ الاسلام ہوئے۔ جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے سنہ ۱۸۴۷ء میں بادشاہ ہوکر دو سال بعد شہید ہوئے۔

[شیخ شہر اللہ]۔ پھر شیخ شہر اللہ بزرگوں کے جانشین ہوئے۔

[شیخ بہاؤ الدین]۔ ان کے بعد ان کے فرزند شیخ بہاؤ الدین مسند نشین ہوئے۔ ان کی تعریف حد اور انداز سے باہر ہے۔ سندھ کے اکثر مشائخ اور عوام ان کے مرید ہیں۔ ان کی اولاد

میں سے کتنے ہی بزرگوار سندھ کی سیر و سیاحت [۶۹۱] اور رشد و ارشاد میں مشغول رہ کر ازلی ٹھکانوں [اور آیت کریمہ] ”وَلَا تَقْدِرُ رِيَّ نَفْسٍ بِأَيِّ أَرْضٍ لَمْ تَمُوتْ“ (۱) کے مصداق سندھ کے قریوں اور شہروں میں آرام پذیر ہیں جن میں سے اکثر کا ذکر موقع کی مناسبت سے ہوگا (انشاء اللہ تعالیٰ)۔

[شیخ محمد غوث]۔ مذکورہ شیخ بہاؤ الدین کی اولاد میں یہ بزرگوں کے جانشین، خاندان کے رئیس، خلق میں مشہور اور خواص و عوام کے مرشد تھے۔ یہ بڑے مقتدر بزرگ تھے۔ حال ہی میں ان کا انتقال ہوا ہے۔ اب ”بھاون شاہ“ نامی ان کے بھتیجے بزرگوں کے مسند نشین ہیں۔

راقم الحروف (مؤلف) کی دلی خواہش یہی تھی کہ اس سلسلہ عالیہ کے [جملہ] سجادہ نشین جو مذکورہ شہر میں آج تک ہو گزرے ہیں ان سب کا ان کے وقت کے [حالات سمیت] سلسلہ وار ذکر کیا جائے، لیکن معلومات کے فراہم نہ ہونے کی وجہ سے یہ آرزو پوری نہ ہو سکی۔ اگر زندگی نے وفا کی تو کار ساز کریم کے کرم سے امید ہے کہ یہ تمنا بھی پوری ہوگی۔ اس درمیان میں اگر کسی معادتمند کو اس سعادت کی توفیق حاصل ہو تو اسے مولف کی جانب سے اجازت ہے۔ بلکہ وہ — ”ذکر حق چوں ذکر اہل اللہ نیست“ — کے مصداق ثواب کا بھی مستحق ہوگا۔ واللہ ولی التوفیق (اللہ پاک توفیق کا مالک ہے)۔

---

(۱) یعنی: کسی بھی جاندار کو معلوم نہیں کہ اس کی زندگی کس مقام پر ختم ہوگی۔



[شیخ عمادالدین اسماعیل]۔ شیخ عمادالدین اسماعیل بن شیخ صدرالدین بن شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی، ایک کامل ولی اور متقی بزرگ تھے۔ انہوں نے اس سر زمین میں فیض و برکت کی زندگی گزاری ہے۔ [۲۹۲]

[شاہ گردیز] مشہور و معروف سید شاہ گردیز بھی ملتان میں تشریف فرما ہوئے تھے۔ وہ ایک قدیم پیر اور شیخ بہاؤالدین ملتانی کے ہم عصر تھے۔ آخر وقت تک وہ ملتان ہی میں سکونت پذیر رہے اور پھر وہیں دفن ہوئے۔ نقل ہے کہ کتنے ہی عرصے تک وہ قبر میں سے اپنے مریدوں سے ہاتھ ملاتے رہے۔ اس وقت تک قبر کا وہ سوراخ موجود ہے جس سے وہ ہاتھ باہر نکالا کرتے تھے۔

[شیخ موسیٰ] شیخ موسیٰ ملقب بہ ”پاک شہد“ شیخ سید حامد گنج بخش کے فرزند اور سید عبدالقادر ثانی ابن شیخ محمد غوث کے، جن کا ذکر آج کے بیان میں آئے گا، ہوتے تھے۔ اس واقعہ اسرار حقیقت اور سالک وادی طریقت نے بھی اپنے بزرگوں کی طرح بزرگی کی حالت میں اس دنیا سے فانی کو الوداع کہا۔ ان کی اولاد وہاں موجود ہے۔

فضلی۔ یہ وقت کے مقتدر علما میں سے تھے اور ناصرالدین قباچہ کی خدمت میں رعا کرتے تھے۔ [دیگر] فنون و کمالات میں جامع ہونے کے ساتھ ساتھ وہ گاہے گاہے اشعار بھی کہا کرتے تھے۔

مخدوم حسام الدین۔ یہ اپنے وقت کے سب سے بڑے اور اس ملک کے سب سے زیادہ کامل [بزرگ] تھے۔ آداب شریعت کی بجا آوری کا وہ بڑا اہتمام کرتے تھے۔ میر عبدالقادر نے ”حدیقۃ الاولیاء“

میں لکھا ہے کہ ”شیخ، سفر میں جس گاؤں کے قریب سے گزرتے پہلے باہر ہی سے وہاں کے لوگوں کے طور طریق دریافت کر لیا کرتے اگر وہ زیور شریعت سے آراستہ ہوتے تب تو اس گاؤں کے اندر داخل ہوتے، ورنہ پھر باہر ہی باہر چلے جایا کرتے۔ ان کا زیادہ تر وقت عبادت اور طالبوں کو فہم پہنچانے میں صرف ہوا کرتا تھا۔ ان کا مزار موضع حسام پور میں ہے جو انہیں کے نام سے موسوم ہے۔

سعید قریشی۔ یہ شہزادہ مراد بخش بن عالمگیر بادشاہ کے ملازم تھے شعر گوئی میں انہیں کمال حاصل تھا۔ مٹا پندرک کٹھ لا پندرک [۲۹۳] کٹھ (۱) (جو چیز مکمل طور پر حاصل نہ ہو سکے اسے مکمل طور پر چھوڑنا بھی چاہئے) کے میصداق اسی قدر مختصر حالات کے بیان پر اکتفا کی گئی جو انبار میں سے ایک مٹھی کے برابر ہے۔ اگر کوئی عزیز اس میں مزید اضافے شامل کریگا تو وہ لائق ستائش و احسان ہوگا۔

### آج

مشہور و مشہرک مقام ہے جو عہد قدیم سے ملتان کے تابع ہے۔ یہ سر زمین آن چھ مقامات میں بٹے ہے جن کے قلعوں کو رائے ساہسی بن سیہرس نے رعایا کو مالکداری ادا کرنے کی بجائے مٹی سے بھر دینے کے لئے حکم دیا تھا۔ اس طرح یہ مقامات اونچے ہو گئے تھے۔ مدت گذر جانے کی وجہ سے یہاں کی عمارتیں منہدم ہو گئی ہیں۔ اب [یہاں کے] سات مقامات میں سے تین مقامات یعنی آج گیلانی، آج مخدوم جلال جہانیاں اور آج مغلیہ

(۱) اصل متن میں ”من لایدرک الکمل“ تحریر ہے جو غلط ہے۔

ایک دوسرے کے قریب آباد ہیں۔ وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس کی سطح زمین اونچی یعنی بلند ہے۔ یہ بستی مرجع خلائی اہل اللہ کی آواگاہ ہے۔

عبدالحمید - یہاں کے باشندوں میں [سید] عبدالحمید، بن [سید] جعفر الملقب بہ "الموید من السماء" جن کا ذکر ملتان [کے بزرگوں] میں ہو چکا ہے، کی بزرگی محتاج تعارف نہیں ہے۔ یہ صاحب ہدایت کچھ عرصہ تک اس سر زمین پر حکمران رہے ہیں۔

[شیخ صفی الدین کبیر] - شیخ صفی الدین کبیر گاذرونی [کا مزار] اس با برکت خطے میں اہل اللہ کا مرجع اور اہل ہدایت کی زیارت گاہ ہے۔ شیخ صفی الدین صغیر جو مخدوم شیخ محمد غوث گیلانی کے ہم عصر تھے، (جن کا ذکر آگے آئے گا) وہ انہی کی اولاد سے تھے۔ ان کی اولاد آج تک باقی ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی دیگر معزز اور ہدایت کے علمبردار خاندان اپنے عصر میں ممتاز ہیں۔ [۲۹۴]

[مخدوم شیخ محمد غوث] - مخدوم شیخ محمد غوث بن سید شاہ میر بن سید علی بن سید مسعود بن سید احمد بن سید صفی الدین بن سید سیف الدین عبدالوہاب بن سید السادات غوث الثقلین قطب ربانی محبوب سبحانی سید عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ - علوم معقول و منقول کے جامع، اصول و فروع کے ماہر، عارف اللہ اور ہندوستان کے ایک مرشد کامل ہیں۔ وہ آج گیلانی میں آکر مقیم ہوئے اور کافروں اور فاسقوں کی ایک بڑی جماعت کو اسلام کے شرف سے مشرف کیا۔ شیخ صفی الدین

کبیر گادرونی کی، جن کی تربت آج میں اہل اللہ کی زیارت گاہ ہے، اولاد میں سے صفی الدین صغیر کی دختر سے شادی کر کے وہ ہمیشہ کے لئے یہیں آباد ہو گئے۔ [اس کے علاوہ] انہوں نے ملتان کے لائیکہ زمینداروں میں بھی ایک شادی کی تھی۔ ان کے چار بیٹے ہوئے۔

[مخدوم شیخ عبدالقادر]۔ انہیں عبدالقادر ثانی کا لقب حاصل ہے۔ [ان کا سلسلہ نسب یوں ہے مخدوم شیخ عبدالقادر] بن شیخ [محمد غوث] بن سید شاہ میر بن سید علی بن سید مسعود بن سید احمد بن صفی الدین۔ دارا شکوہ نے سفینۃ الاولیاء میں شیخ عبدالحق قادری دہلوی سے نقل کیا ہے کہ شیخ نے ”اخبار الاخیار“ میں کہا ہے کہ شیخ عبدالقادر ثانی ولایت میں حضرت غوث الثقلین کے حقیقی وارث ہیں۔ ان کی اولاد میں عزت و شرافت موروثی طور پر چلی آتی ہے۔ ان کا مدفن اسی با برکت زمین پر ان کے والد کے مقبرہ میں خدائے پاک کی رحمت کے نور کا خزینہ ہے ان کی اولاد میں سے بعض جا کر ملتان میں رہے اور باقی اب تک آج مبارک میں مسند ہدایت [ہدستور] قائم رکھتے چلے آ رہے ہیں۔

[سید عبدالرزاق]۔ ان کے بعد ان کے فرزند گرامی سید عبدالرزاق جنہیں دولتِ ہدایت سے [وافر] حصہ ملا اپنے دادا بزرگوار کے سجادہ نشین رہے۔ [۲۹۰]

[شیخ حامد بخش]۔ ان کے بعد ان کے فرزند سید شیخ حامد بخش اپنے بزرگوں کی عظمتوں سے موصوف اور دادا بزرگوار کی اولاد کے سرگروہ اور سجادہ نشین ہوئے۔

تحفۃ الکرام

[سید شمس الدین] - ان کے بعد سید شمس الدین نور یقین، ہدایت اور عرفان سے [نور ہو کر] مسند اعزاز پر متمکن ہوئے۔

[سید عبدالقادر ثالث] - ان کے بعد سید عبدالقادر ثالث، بزرگوں کی اعلیٰ صفات سے مزین ہو کر سجادہ نشین ہوئے۔  
[شیخ زین العابدین] - بندگان [خدا] کی زینت اور اہل ارشاد کی تزیین شیخ زین العابدین، مذکورہ مخدوم کی اولادوں میں سے مرزا شاہ حسن ارغون کے ہم عصر تھے۔

[شیخ ابراہیم] - خلیل رب کریم شیخ ابراہیم، مذکورہ مخدوم کے خلیفہ اکبر اور شیخ زین العابدین کے ہم عصر تھے۔ یہ کرامتوں میں بہت مشہور ہیں۔

شیخ من اور ان کے فرزند شیخ شکرانہ - شیخ من قادری اور ان کے فرزند شیخ شکرانہ عرف شیخ بہنبھو قادری کا سلسلہ نسب جناب حضرت غوث الثقلین سے جا ملتا ہے۔ سید باقر نے ”جواہر الاولیاء“ میں ان والد و فرزند کے متعلق عجیب روایتیں تحریر کی ہیں۔

سید حامد کنج بخش - اس وقت سید کنج بخش بن سید عبدالقادر خامس، مذکورہ مخدوم محمد غوث کی اولاد میں، عجیب شان اور بزرگی کے نشانات کے ساتھ اپنے دادا بزرگوار کی مسند خلافت پر متمکن ہیں۔

مذکورہ مخدوم [شیخ محمد غوث] کی اولاد کے مفصل حالات معلوم نہ ہونے کی وجہ سے اتنے ہی ناموں پر اکتفا کی گئی۔ اگر اللہ تعالیٰ کی اعانت سے اس سلسلہ عالیہ کے مکمل حالات

سے واقفیت حاصل ہو گئی تو اس کتاب میں انہیں شامل کر دیا جائیگا۔ [۲۹۶] اگر اس عرصہ میں کسی خوش نصیب کو اس سعادت کی توفیق حاصل ہو تو زہے نصیب۔ دیگر:

[سید جلال بخاری]۔ سید جلال بخاری جنہیں سید جلال سرخ کا لقب حاصل ہے وہ شیخ بہاؤ الدین ملتانی کے مرید اور یار ہیں یہ [بزرگ آپس میں] چار یار [کہلاتے] ہیں :- شیخ بہاؤ الدین شیخ فرید الدین، سید عثمان مروندی (قلندر شہباز) اور سید جلال سرخ۔

سید جلال ایک ولی کامل ہیں۔ [ایک بار] وہ اپنے دو فرزندوں سید علی اور سید جعفر کے ساتھ ملتان سے بکھر آئے ہوئے تھے۔ جہاں آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خواب میں سید بدر الدین، جن کا ذکر آگے آئیگا، کی دو بیٹیوں سے ہکے بعد دیگرے شادی کرنے کا حکم دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے سید [بدر الدین] کو بھی خواب میں ایسا ہی ارشاد ہوا۔ [چنانچہ] سید جلال نے اس قرابت کا شرف حاصل کیا۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد بھائیوں کے تنازعہ اور حسد سے مجبور ہو کر وہ آج چلے آئے جہاں ان کے فرزند تولد ہوئے۔ سید جلال کلاں کے چار فرزند تھے۔ سید علی، سید جعفر، سید محمد ثوٹ اور سید احمد کبیر۔ سید احمد کبیر کے دو بیٹے ہوئے ایک سید مخدوم جلال جہانیاں اور دوسرے سید راجو قتال۔ یہ دونوں بڑے اولیاؤں میں شمار ہوتے ہیں۔ مخدوم جہانیاں کی ظاہری و باطنی تربیت حالانکہ ان کے والد نے فرمائی تھی لیکن اس کے باوجود وہ جا کر شیخ رکن الدین

کے مرید ہوئے تھے۔

انہیں مخدوم جہانیاں اس وجہ سے کہتے ہیں کہ [ایک مرتبہ] عید کے دن انہوں نے شیخ بہاؤ الدین کے روضہ پر جا کر عیدی طلبہ کی [اس پر] آواز آئی کہ ”خدائے تعالیٰ نے تجھے ’مخدوم جہانیاں‘ بنایا ہے۔ یہی عیدی تیرے لئے کافی ہے۔“ [پھر وہاں سے] جب وہ شیخ صدر الدین کے روضہ پر گئے تو وہاں بھی یہی سنائی دیا۔ [چنانچہ جب وہ] باہر آئے [۲۹۷] تو ہر شخص انہیں ”مخدوم جہانیاں“ کہنے لگا۔ اس بزرگ کے خوارق اور کرامتیں شمار سے باہر ہیں۔ مکہ کے دوران قیام ان کی امام عبداللہ یافعی سے صحبتیں رہا کرتی تھیں۔ اپنی کتاب ”خزانہ جلالی“ میں انہوں نے امام عبداللہ یافعی کے بیشتر ملفوظات رقم کئے ہیں۔ مکہ [شریف] سے واپس ہوتے وقت راہ میں شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی سے سلسلہ چشتیہ کا خرقہ خلافت حاصل کر کے آج تشریف لائے۔ ”تاریخ محمدی“ میں تحریر ہے کہ انہوں نے حرم نبوی کے سردار المحدثین، شیخ الاسلام شیخ عقیف الدین عبداللہ العطری سے خلافت کی ٹوپی اور تبرک کا خرقہ پایا اور دو سال ان کی صحبت میں رہ کر کتاب عوارف اور سلوک کی دوسری کتابوں کی تعلیم پائی۔ [آخر میں] شیخ عقیف الدین نے فرمایا کہ تمہارا قینچی چلانا (مرید بنانا) گاذرون جانے پر موقوف ہے۔ گاذرون پہنچنے پر شیخ الاسلام امین الدین کے بھائی شیخ امام الدین نے انہیں بتایا کہ ”شیخ امین الدین نے رحلت کرتے وقت مجھے وصیت کی تھی کہ، سید جلال الدین آج اور ملتان سے میری ملاقات کا

ارادہ کئے ہوئے آ رہا تھا لیکن [راستے میں] اسے شیطان نے بہکایا دیا کہ امین الدین فوت ہو چکا ہے۔ چنانچہ وہ مکہ [شریف] کی طرف چلا گیا ہے۔ [بہر حال] جب وہ آئے تو اسے میوا سلام دینے کے بعد میرا مصلیٰ اور قینچی (۱) اس کے حوالے کر کے اسے [لوگوں کو اپنا مرید بنانے کی] اجازت دے دینا۔ [معرض] وہاں سے وہ نعمت حاصل کر کے واپس ہوئے اور اکرم شیخ رکن الدین سے برکت کا خرقہ حاصل کیا۔

سلطان محمد تغلق کے زمانے میں وہ سیوستان اور اس کے گرد و نواح کے لئے شیخ الاسلام کے منصب اور خانقاہ محمدی کے سند سے سرفراز ہوئے۔ لیکن پھر کچھ عرصہ کے بعد ان سب سے دستبردار ہو کر گوشہ نشینی اختیار کی۔ انہوں نے سلطان فیروز کے زمانہ میں ۷۰۰۰۰۰ (۲)۔ سنہ ۸۷۵ھ میں انتقال کیا۔ ان کا روضہ مبارک آج میں مرجع اہل اللہ ہے۔ [۲۹۸]

[شیخ برہان الدین قطب العالم]۔ شیخ برہان الدین قطب العالم، مخدوم جہانیاں کے فرزند اور جانشین ہیں، جیسا کہ کجرات کے بیان میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ (۳) [۲۹۹]

(۱) مراد وہ قینچی جس سے کسی شخص کے مرید ہوتے وقت "ضمائم مریدی" کے طور پر پیر اس کی چوٹی کاٹ لیا کرتے تھے۔

(۲) اس مقام پر اصل نسخہ کا ورق پھٹا ہوا ہے۔

(۳) برہان الدین قطب العالم کا بیان تحفۃ الکرام مطبوعہ بمبئی

جلد ۱ صفحہ ۱۶-۱۷ پر اس طرح ہے :

سید برہان الدین ابو محمد عبد اللہ عرف قطب عالم بن سید ناصر الدین

حمود بن سید الاقطاب مخدوم جہانیاں بخاری نے جن کا سلسلہ نسب

(بقیہ حاشیہ ص ۳۷)



کہتے ہیں کہ ایک رات سید برہان الدین تہجد کیلئے اٹھے۔ رات تاریک تھی اس لئے ان کا پیر ایک لکڑی سے ٹکرا کر زخمی ہو گیا [اس پر انہوں نے] فرمایا کہ ”یہ پتھر ہے یا لوہا ہے یا لکڑی ہے“۔ صبح ہونے پر لوگوں نے اسے روشنی میں دیکھا [۳۰۰] تو [جس طرح کہ] زبان مبارک سے نکلا تھا۔ اس لکڑی کا ایک حصہ لوہا ایک حصہ پتھر اور ایک حصہ لکڑی کا اپنی اصلی صورت میں تھا۔ دارا شکوہ

(بقیہ حاشیہ ص ۳۶۹)

عالی حضرت امام عسکری کے بھائی سید جعفر مثنیٰ تک پہنچتا ہے، مورخہ ۱۴ رجب سنہ ۵۷۹ھ کو سوموار کی رات کو اس دنیا میں قدم رکھا۔ جب وہ دس سال کی عمر کو پہنچے تو ان کے والد بزرگوار کا انتقال ہو گیا جس کی وجہ سے ان کے چچا شاہ راجو قتال ان کے نگران اور مربی ہوئے۔ انہوں نے دو سال میں انہیں ہدایت کے مرتبے پر پہنچا کر فرمایا کہ ”چونکہ اہل گجرات کی ہدایت تمہارے سپرد ہے اس لئے تم اس طرف روانہ ہو جاؤ۔“ [اس کے بعد] خلاف باہ اور تلوار وغیرہ تبرکات، جو ان کی ولادت سے پیشتر ہی ان کے نام ہو چکی تھیں، حوالے کر کے انہیں رخصت دی۔ [اس طرح] آپ اپنی والدہ معظمہ بی بی ہاجرہ کے ساتھ، جن کا لقب بی بی سعادت خاتون تھا، سنہ ۵۸۰ھ میں شہر پاک ہٹن پہنچے اور سید راجو کے اشارے کے مطابق حضرت شیخ فرید گنج شکر کے پوتے شیخ رکن ”کان شکر“ کے مشورے پر اس وقت وہیں رہ کر ظاہری اور باطنی اعمال میں مشغول ہوئے۔ روایت کرتے ہیں کہ سلطان مظفر، سید الاقطاب مخدوم جہانیاں کا مرید تھا چنانچہ اس نے جب سنا کہ سید الاقطاب کا پوتا آ رہا ہے تو وہ استقبال کی رسم بجا لایا۔ آپ نے اسی شہر میں مولانا علی شیر کے پاس علم بھی (باقی دیکھئے حاشیہ ص ۳۷۱)

نے ”سفینۃ الاولیا“ میں لکھا ہے کہ آج بھی (کہ سنہ ۱۰۴۹ھ) وہ لکڑی مذکورہ تینوں حالتوں میں احمد آباد [۳۰۱] گجرات میں ان کی اولاد کے پاس موجود ہے۔ ان کی وفات سنہ ۸۵۶ھ [میں ہوئی]۔ ان کی مدت عمر ۶۸ سال [تھی]۔ ان کی قبر احمد آباد گجرات کے نواح میں موضع ”بنوہ“ میں ہے۔

(بقیہ حاشیہ ص ۳۷۰)

حاصل کیا۔ جب سلطان احمد نے احمد آباد کا شہر تعمیر کرایا تو اس نے حضرت قطب عالم سے پٹن کے شہر سے احمد آباد میں تشریف لانے کی درخواست کی جس کی وجہ سے آپ وہاں سے احمد آباد منتقل ہو گئے۔ سلطان احمد شعر کوئی میں بڑا ملکہ رکھتا تھا چنانچہ ان کی تعریف میں ایک قصیدے کہہ کر اس نے درباری شاعروں کی طرح خدمت میں حاضر ہو کر پڑھا۔ قصیدے کا مطلع یہ ہے :

قطبِ زمانِ مایانِ برہان بس ست ما را

برہان او ہمیشہ چون نامی آشکارا

یہ قصیدہ پڑھنے کے بعد اس نے عرض کیا کہ دعا کے انعام کا امیدوار ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ تمہارے خاندان کے لئے دادا مخدوم جہانیاں دعا کر چکے ہیں۔ سلطان نے عرض کیا کہ انہوں نے ہمارے دادا سلطان مظفر کی اولاد کی بادشاہت کی دعا کی تھی، آپ شہر کی آبادی کے لئے دعا فرمائیے۔ کہتے ہیں کہ بادشاہ کے عرض کرنے کے بعد حضرت قطب کی زبان سے یہ الفاظ نکلے ”احمد آباد ابدالاباد انشاء اللہ الرؤف بالعباد“ (اگر بندوں پر توجہ کرنے والے اللہ نے چاہا تو احمد آباد ہمیشہ آباد رہے گا)۔ آپ نے ہرآنے اسول میں سابرمتی کے کنارے سکونت اختیار کی وہاں ایک مسجد بھی تعمیر ہوئی۔ نور آباد میں ان کی سکونت کے آثار اب تک موجود ہیں۔ پھر کچھ عرصہ کے (دیکھئے حاشیہ ص ۳۷۲)

[سلطان محمود ناصر الدین]۔ سلطان محمود ناصر الدین ابن  
مخدوم جہانیاں نے اپنی زندگی مریدوں کی ہدایت اور ان کی  
مشکلات حل کرنے میں گذاری۔ [۳۰۴]

(بقیہ حاشیہ ص ۳۷۱)

بعد [وہاں سے] اٹھ کر ”بنوہ“ میں رہائش اختیار کی۔ یہ خطہ بادشاہ  
نے ان کے اخراجات کے لئے مقرر کیا تھا۔

ان کی کرامتیں اس ملک کے عوام و خواص میں مشہور ہیں۔ ان  
میں سے ایک ”لوہا، لکڑی، پتھر“ کا قصہ بھی ہے۔ ایک ٹیڑھی  
لکڑی گھر کے صحن میں پڑی ہوئی تھی۔ ایک رات جب آپ تہجد  
کی نماز ادا کرنے کے لئے اٹھے تو اتفاقاً آپ کا پیر اس لکڑی سے جا لگا  
اور زخمی ہو کر خون آلودہ ہو گیا۔ آپ کی زبان مبارک سے [اغظروا]  
یہ الفاظ نکلے ”کیا لوہا ہے کہ لکڑی ہے کہ پتھر ہے“۔ دن ہونے  
پر جب دیکھا گیا تو اس لکڑی میں تینوں صفات موجود تھیں۔ واقف  
ہونے پر آپ نے ایک خادم کو اسے دفن کر دینے کے لئے فرمایا۔ یہ  
بھی فرمایا کہ جو اس کو باہر نکالے گا اس کے اولاد نہ ہوگی۔ [چنانچہ]  
کچھ مدت تک وہ بونہی [دفن] رہی۔ لیکن حضرت کی وفات کے بعد  
مریدوں میں سے ایک شخص نے کہا کہ مجھے بے اولاد رہنا قبول ہے۔  
یہ کہہ کر اس نے وہ (لکڑی) باہر نکالی اور لوگ اس کی زیارت سے  
مشرف ہوئے۔ آج تک اس کا [ایک] نصف باقی ہے دوسرا نصف  
حضرت عرش آشیانی (شہنشاہ اکبر) کٹوا کر لے گئے۔

زندگی کے ارسٹھ سال چار ماہ اور چوبیس دن گزارنے کے بعد  
۸ ذوالحجہ سنہ ۸۵۰ھ کو وہ دارالبقا کی جانب رحلت کر گئے۔ کسی  
عالم نے ان کی تاریخ وفات ”مطلع یوم الترویۃ“ سے اخذ کی ہے۔ ان کی  
درگاہ، مقبرہ اور مضبوط مسجد سمیت موضع ”بنوہ“ میں آج تک اس ملک  
(دیکھئے حاشیہ ص ۳۷۳)

[سید فیض اللہ] سید فیض اللہ ابن سلطان محمود ناصر الدین

صرف فیض الہی اور واقفیت سلوک میں محور رہا کرتے تھے۔

(بقیہ حاشیہ ص ۱۷۱)

کے لوگوں کی زیارت گاہ ہے۔

ہر گنہ حویلی کے مذکورہ موضع کے علاوہ مواضع ”ہالری“ اور ”سخری“ حضرت سجادہ نشین، صاحبزادگان اور عرسوں کے اخراجات کے لئے اور ہر گنہ حویلی کا موضع ”کمور“ قطبی سادات کے لئے سابقہ فرمان کے مطابق مقرر ہیں۔

حضرت قطب کے بارہ بیٹے اور سترہ بیٹیاں تھیں۔

میر قانع کے دونوں بیانون میں بشدرجہ ذیل اختلافات ہیں: ایک یہ کہ یہاں سید برہان الدین کو مخدوم جہانیاں کا فرزند بیان کیا گیا ہے اور جلد اول کے بیان میں جسے ہم نے حاشیہ میں نقل کیا ہے، سید برہان الدین کو سید ناصر الدین محمود کا فرزند اور مخدوم جہانیاں کا پوتا بیان کیا ہے۔ دوسرے، جلد اول میں وہ سید راجو قتال کو سید برہان الدین کا حقیقی چچا تحریر کرتا ہے اور یہاں سید راجو قتال کو وہ مخدوم جہانیاں کا بھائی بیان کر رہا ہے جو جلد اول میں درج کئے ہوئے سید برہان الدین کے سلسلہ نسب کے مطابق ان کے والد کے چچا ہوتے ہیں۔ البتہ اگر سید برہان الدین کو مخدوم جہانیاں کا فرزند تسلیم کریں گے تب سید راجو قتال ان کے حقیقی چچا ہوں گے۔ بہر حال واقعہ یہ ہے کہ میر قانع کو اس خاندان کے سلسلہ نسب کا صحیح علم نہیں تھا اس لئے اس نے لغزش کھائی ہے، اور کبھی کبھ لکھتا ہے اور کبھی کبھ۔ اسی طرح میر قانع، جلد اول میں سید برہان الدین کی وفات سنہ ۸۵۰ھ میں بیان کرتا ہے لیکن جلد دوم میں صفحہ ۳۰ پر سنہ ۸۵۶ھ لکھتا ہے۔ جلد اول میں کہتا ہے کہ ان کی تربیت اور نگرانی سید راجو قتال نے کی اور جلد دوم صفحہ ۳۰ پر لکھتا ہے کہ ”وہ اپنے والد کے مرید اور خلیفہ ہیں“۔ واللہ اعلم بالصواب۔

تحفة الکرام

[سید اسماعیل]۔ مذکورہ بالا سید فیض اللہ کے فرزند سید اسماعیل بزرگوں کی راہ سے اچھی طرح واقف تھے۔  
[سید راجو]۔ سید راجو ابن سید اسماعیل راہ ہدایت کے مالک ہو گذرے ہیں۔

[سید ابراہیم]۔ سید ابراہیم ابن سید راجو راہ خدا کے خلیل تھے۔

[سید قطب الدین]۔ سید ابراہیم کے فرزند سید قطب الدین ہدایت و ارشاد کے آسمان کے قطب تھے۔  
[سید فضل اللہ]۔ سید فضل اللہ ابن سید قطب الدین مجسم فضل خدا تھے۔

[سید عثمان]۔ سید عثمان ابن سید داؤد بن سید شکر اللہ بن سید حاجی حید بن سید راجو بن سید نظام الدین بن سید ابراہیم بن سید راجو بن سید اسماعیل بن سید فیض اللہ بن سید محمود ناصر الدین بن سید جلال جہانیاں اہل معرفت کی فہرست میں داخل اور بڑے ہا ہدایت [بزرگ] ہیں۔

[سید باقر بن سید عثمان]۔ مذکورہ سید عثمان کے فرزند سید باقر، شیخ بھنبھو کے گہرانے کے جن کا ذکر ہو چکا ہے، [ممتاز] بزرگ اور رسالہ ”باقر الانوار“ کے مصنف ہیں۔ آپ نے اسی شہر آج میں اعتکاف میں بیٹھ کر حضرت رسول اللہ (صلعم) سے منا تھا کہ۔ ”یا ولدی من قراء اللہم انک تعلم ذنوبنا الخ۔ بعد کل صلوٰۃ احد عشر مرة قضی اللہ تعالیٰ لہ کل حاجۃ من الدنیا و الاخرۃ۔“ (اے میرے فرزند! جو بھی ہر نماز کے بعد گیارہ مرتبہ ”اللہم انک تعلم ذنوبنا الخ“ پڑھے گا تو

اللہ تعالیٰ اس کی [۳۰۳] دنیا اور آخرت میں ہر ضرورت اور حاجت بر لائے گا۔ [چنانچہ اس اعتکاف میں] انہوں نے مصطفیٰ [صلی اللہ علیہ وسلم] کے حضور سے جو سنا اسے ۲۵ رمضان سنہ ۸۱۰ء کو ”جواہر الاولیا“ میں درج کیا۔  
[سید محمد سراد اور سید وریو]۔ سید باقر کے بھائی سید مراد اور سید وریو بن سید عثمان مذکور اچھے صاحب حال ہو گذرے ہیں۔

[سید جلال]۔ سید جلال ملقب بہ ”جلیل اللہ“ بن سید داؤد بخاری، مذکورہ سید باقر، سید مراد اور سید وریو کے چچا تھے۔ اپنے دادا کے ہم نام ہونے کی برکت سے صاحب حال و قال ہو گذرے ہیں۔

[شیخ ابو طالب]۔ شیخ ابو طالب اُن کے مرید تھے اور انہوں نے معرفت میں بڑا حصہ پایا تھا۔

[سید نو بہار شاہ]۔ یہ مخدوم جہانیاں کی اولاد میں سے دادا بزرگوار کے سجادہ نشین [تھے] اور انہوں نے نمایاں امتیاز اور ہدایت کے ساتھ زندگی گذاری۔

[سید ناصر الدین (۱)]۔ اس وقت سید ناصر اس محفل کی شمع، نیک بزرگوں کے جانشین اور مریدوں کے مرجع ہیں اور امتیازی [شان سے] زندگی گذار رہے ہیں۔

[سید راجو قتال]۔ سید راجو قتال بن سید احمد کبیر بن سید جلال اکبر بخاری عجیب و غریب حال و کمال کے مالک تھے۔ ان کی شان میں جو کچھ بھی لکھا جائے کم ہے۔ ان کی صحبت

یہ کتنے ہی طالب ، صاحب فیض ہوئے جن میں سے ایک سندھ کا بلوچ ”عارف“ ہے جو اسم با سمدی ہے۔ قاضی نور اللہ شوستری نے ”مجالس المومنین“ میں انہیں صاحبانِ حال کی فہرست میں شمار کیا ہے۔ میر عبدالرشید نے اپنی [تضیف] ”منتخب“ میں ان کے شعر کو [لفظ] ”گے“، بمعنی اہل جانور، بطور سند کے درج کیا ہے۔ [۳۰۴]

[سید راجو]۔ سید راجو بن سید حامد الحسن البخاری ایک فاضل، عالی ہمت اور صاحب کرامت سید تھے۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے ان کے بزرگ بخارا سے ہندوستان آئے تھے۔ انہوں نے بلوچوں کی ایک جماعت کو اپنا مرید بنایا تھا۔ کسی وقت وہ ہمایوں بادشاہ سے ملنے کے لئے روانہ ہوئے۔ بادشاہ کو جب اس کا علم ہوا تو اس نے ان کے استقبال کا ہختہ ارادہ کیا۔ [لیکن] سید کے پہونچنے پر مخدوم الملک ملا عبداللہ لاہوری نے بادشاہ کو ورغلا یا کہ ”[بہ] سید رافضی بدعتی ہے اس کا استقبال دین کی توہین ہے ا“ [غرض کہ] اے اس قدر ورغلا یا کہ اس نے بہ نفس نفیس ان کے استقبال کا ارادہ ترک کر کے اپنی جانب سے شہزادہ جلال الدین اکبر کو بیرم خان کے ساتھ استقبال کے لئے بھیج کر خود معذرت چاہی۔ تقدیراً انہی دنوں لاہور کے حاکم میر حاجی سیستانی نے ملا عبداللہ کو قید کر دیا۔ عبداللہ نے اپنے حق میں آزادی کی دعا کرنے کے لئے سلطان پور میں مقیم شیخ عزیز اللہ عباسی ملتانی کے پاس [عریضہ] تحریر کیا [جس پر] شیخ [موصوف] دعا خواہی میں مشغول ہو گئے۔ رات کو [انہوں نے] خواب میں سرور کائنات کو دیکھا

کہ آپ کے گھٹنوں پر سید راجو بیٹھے ہوئے تھے۔ شیخ نے عرض کیا کہ ”ملا“ [عبداللہ] حضور کا مداح ہے اس کی آزادی کی طرف توجہ فرمائیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سید [راجو] کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ ”میرا فرزند ملا“ کے ہاتھوں خون کے آنسو بہا رہا ہے۔ شیخ نے یہ واقعہ ملا کے پاس [جواب میں] لکھ بھیجا جس پر اس نے توبہ استغفار کر کے سید [راجو] کو راضی کیا۔

[شیخ جنم]۔ شیخ جنم بن سید زین العابدین بن سید راجو جن کا ذکر سطور بالا میں آچکا ہے اپنے وقت کے بڑے فاضل تھے۔ قاضی نور اللہ شوستری کے ساتھ ان کی خط و کتابت رہا کرتی تھی۔ قاضی کے کچھ سوالات سید کے جوابات سمیت قاضی کی کتاب ”مجالس المومنین“ میں مرقوم ہیں۔ [۲۰۰]

مخفی نہ رہے کہ یہاں بیان کردہ سید راجو اور اس سے پہلے کے سید راجو کے درمیان طویل مدت کا فاصلہ ہے۔ یہ سید راجو شاید پہلے بیان کردہ سید راجو کی اولاد میں ہیں۔

واللہ اعلم بالصواب

[سید علی اکبر]۔ سید راجو قتال کی اولاد میں سید علی اکبر بن سید حامد قتال ”فوائد البخاری“ کے مصنف اور ”جواہر الاولیا“ کے راویوں میں سے ہیں۔

[شاہ عیسیٰ عبدالوہاب]۔ یہ مخدوم جہانیاں کی اولاد میں سے ہیں۔ آج میں انکی تربت اہل اللہ کی زیارت گاہ ہے۔

[سید شاہ چراغ]۔ مذکورہ بالا شاہ عیسیٰ کے سجادہ نشین شاہ چراغ، میان نور محمد [کلہوڑہ] کے ہم عصر تھے۔ وہ



داؤد پوتہ قبائل کی سفارش کرنے کے لئے [نور محمد کلہوڑا کے پاس] کئے تھے اور بڑا اعزاز حاصل کیا تھا۔ انتہائی بزرگی کی حالت میں ان کا انتقال ہوا ہے۔

[سید اسماعیل بخاری]۔ یہ آج کے باشندے تھے۔ ”جواہر الاولیا“

کے مصنف میر محمد باقر نے ان سے روایتیں نقل کی ہیں۔ یہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہیں مذکورہ میر [باقر نے خواب میں] پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور میں دیکھا [تھا]۔ یہ میر عبدالرزاق کے والد اور سید عبداللطیف سیوستانی کے دادا ہیں جو راقم الحروف (مصنف کتاب) کے نانا سید عبداللطیف عرف سید مہتوی کے دادا ہیں [ان کا ذکر] اپنے مقام پر ہوگا۔

[اس] کتاب میں اس خاندان کے سجادہ نشین بزرگوں کا ترتیب وار حال بیان کرنے کا ارادہ تھا، لیکن اس وقت تک جو تھوڑے بہت [حالات] دستیاب ہو سکے ہیں وہ بغیر ترتیب کے درج کئے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ و تقدس کے لائے احسان سے امید ہے کہ یہ تمنا پوری ہوگی یا پھر کوئی دوسرا صاحب توفیق اس دلکش بیان کے سلسلے میں تحقیق کا آغاز کر دے گا۔ [۳۰۶]

[شیخ یحییٰ اچوی]۔ یہ صاحب کرامت و تقویٰ [بزرگ] مخدوم جہانیاں کے جانشین تھے انہوں نے نہایت بزرگی اور کمال ارشاد کی حالت میں زندگی گزاری۔

[شیخ فیاضی]۔ یہ صاحب فیض و کمال بزرگ، مخدوم جہانیاں کے نور سے کسب فیض کرنے والے مرید اور باکمال طالبوں میں سے تھے۔

شیخ حماد قریشی۔ یہ مخدوم جہانیاں کے مرید تھے اور

صاحبان یقین و ارشاد میں بے حد مشہور تھے ۔  
شیخ جمال - یہ درویش مخدوم جہانیاں سید جلال کے مرید  
 اور صاحب حال و قال تھے ۔

[شیخ اسماعیل ، قاضی ابوالخیر اور قاضی عبدالرحمان] - شیخ  
 اسماعیل حالی ، قاضی ابوالخیر اور قاضی عبدالرحمان آج کے  
 بزرگ اور مرزا شاہ حسن کے ہم عصر تھے ۔ مذکورہ بالا شیخ  
 زین العابدین اور شیخ ابراہیم کے ساتھ مل کر انہوں نے بھی  
 سفارش کی تھی جس پر مرزا [شاہ حسن] نے آج کے [لوگوں کو]  
 قتل کئے جانے سے معاف کر دیا تھا ۔

[شیخ شجاع بخاری] - شیخ شجاع بخاری ملتان کے حاکم  
 حسین لانگاہ کے داماد تھے ۔

[میاں سجن صدیقی] - میاں سجن صدیقی پرهیزگار ، متقی اور  
 عارفین کی جماعت میں داخل ہیں ۔ ان کے فرزند مخدوم  
 بہاؤالدین علم و فضل میں جامع و مشہور ہونے کی وجہ سے اپنے  
 وقت میں ممتاز تھے ۔ انہوں نے اپنے پرانے وطن آج ہی میں  
 انتقال کیا ۔ ان کے فرزند محمد عثمان کا ذکر ٹھٹھے کے بزرگوں  
 میں کیا جائیگا ۔ [۳۰۷]

[سید نصیر الدین قادری] - سید نصیر الدین قادری، سید عثمان  
 بن سید داؤد کے، جن کا ذکر کیا جا چکا ہے، مرید تھے ۔ یہ  
 بڑے صالح بزرگ تھے اور اہل اللہ کے سلسلے میں داخل تھے ۔  
[شیخ جمال] - آج کے باشندے شیخ جمال نور ہافی کے کاروبار  
 کے ساتھ کارخانہ حقیقت کے بھی مالک تھے ۔

[شیخ محمد بن بابزید] - شیخ محمد بن بابزید ساکن آج بھی

وہاں کے مشہور افراد میں سے ہیں ۔

[محمد علی بن شیخ عبدالواسع] - یہ بھی ایک با کمال صوفی

تھے ۔ آج کے بخاری سادات کا شجرہ آنہیں کا نظم کردہ ہے ۔

[دبرہ غازی خان]

دبرہ غازی خان ایک آباد ملک ہے ۔ اس میں تقریباً ایک

لاکھ پچیس ہزار کنویں ہیں جن سے کاشت ہوتی ہے ۔ ہمیشہ

جلیل القدر خوانین (سرداروں) کے یہاں [مامور] ہونے کی وجہ

سے یہ شہر ملکوں میں مشہور رہا ہے ۔ ان دنوں یہ دوبارہ میاں

غلام شاہ [کلہوڑا] کے حوالے ہوا تھا [لیکن] بعض اسباب

کی بنا پر شاہی دربار کی جانب سے میاں محمد نواز خان کے تصرف

میں دیا گیا ہے مندرجہ ذیل بزرگ وہاں کے مشہور اولیا میں

سے ہیں ۔

[پیر منہ] یہ اپنے عہد میں اہل اللہ کے پیشوا تھے ۔

[شیخ فرید] یہ اپنے عہد کے یگانہ اور صاحبان تجرید و

تفرید میں ممتاز بزرگ تھے ان دونوں بزرگوں کے مزار نیکو

کاروں کی زیارت گاہ ہیں ۔

مٹو

مٹو کا قلعہ ایک مشہور [روزگار] قلعہ ہے ۔ اس کی سطح

بلند کرانے کے لئے رائے ساہسی بن سیہرس نے رعایا کو انہیں

مالگذاری کے بدلے [۳۰۸] مٹی سے بھر دینے کا حکم دیا تھا ۔

مندرجہ ذیل بزرگ یہاں کے اہل اللہ میں سے ہیں :

[شیخ روح اللہ] - شیخ روح اللہ بن قطب المحققین، شیخ بزرگ

حماد قریشی اور مخدوم جہانیاں کے مرید، ولی کامل اور راہ خدا

کے راہبر ہیں۔ ان کا مزار مذکورہ قلعے میں خلقِ اللہ کی زیارت گاہ ہے۔

### ماتھیلہ

ماتھیلہ بھی بیان کردہ چھ قلعوں میں سے ایک ہے۔  
[سلطان نولہ غوری]۔ سلطان نولہ غوری کی درگاہ جو اہل اللہ کی زیارت گاہ اور خدا ترسوں کا مرکز ہے اسی (ماتھیلہ) میں واقع ہے۔ یہاں کے باشندوں میں [سید شجاع بخاری] پسندیدہ زندگی اور شاندار کردار کے مالک ہیں۔

### [ستپور]

یہ ناہر [قوم کا] ملک ہے۔ یہاں کے لوگوں میں سید خواجہ کلان، مسکین مودودی، مولانا عبداللہ مفتی اور میر یار محمد صدر سے ملاقات ہوئی، [ان میں سے] ہر ایک وقت کا بزرگ اور فضائل و کجالات کا حامل ہے۔ یہ خان ناہر کے جمعہ تھے۔ جب بکھر کے حاکم سلطان محمود خان نے مذکورہ خان [ناہر] کو شکنجے میں لیا تو یہی بزرگ اس کی سفارش کا ذریعہ بنے تھے۔

[شیخ بایزید، شیخ حمزہ اور سید داؤد]۔ ان کے علاوہ شیخ بایزید، شیخ حمزہ اور سید داؤد بخاری [بھی یہاں کے بزرگوں میں سے] ہیں۔ میر باقر نے ”جواہر الاولیا“ میں ان سے روایتیں نقل کی ہیں۔

[مولانا یار محمد]۔ مولانا یار محمد عرف ”ہاری“ بھی یہاں آرام پذیر ہیں۔ [۳۰۹]

[سید راجن شاہ بخاری]۔ سید راجن شاہ بخاری، سید جلال

علیہ الرحمۃ کی اولاد میں سے ہیں۔ ان کی درگاہ نیکو کاروں کی زیارت گاہ ہے۔

[سید سلطان شاہ اور راجن شاہ]۔ مذکورہ راجن شاہ کی اولاد

میں سے سید سلطان شاہ عرف سلطان علی اور راجن شاہ نے اس سر زمین پر نہایت بزرگی اور امتیازی [شان] کے ساتھ زندگی گزاری ہے۔ بیشتر زمین ان کی موروثی ملکیت ہے۔

[سید امام الدین]۔ اب ان کے ہوتے سید امام الدین ان کے

جانشین ہیں۔

[سید خیر شاہ]۔ سید خیر شاہ جو صاحب عزت و حشمت

بزرگ ہیں، موجود ہیں۔ [۳۱۰]

## چوڑھواں باب

[شہر بکھر، بکھر پر گندہ کے قصابات اور وہاں  
کے بزرگ]

اس کا قدیمی نام ”فرشتہ“ ہے۔ ہندو راجاؤں کے زمانے میں یہ شہر وجود میں نہیں آیا تھا۔ اروڑ کے ویران ہو جانے پر وہاں کے باشندے ادھر (بکھر میں) اور دوسرے مقامات کی طرف منتقل ہو گئے۔ [اور اس طرح] بالآخر بکھر کا قصبہ اروڑ بن گیا۔

[وجہ تسمیہ]۔ کہتے ہیں کہ جب سیّد محمد مکی، بکرہ (ہو پھٹنے) کے وقت یہاں داخل ہوئے تھے تو انہوں نے کہا تھا کہ ”جعل اللہ بکرتی فی البقعة المباركة“ (۱) (اللہ تعالیٰ نے میری صبح، مبارک مقام پر کرائی ہے) [چنانچہ] اس کے بعد لوگوں کی زبان پر اس مقام کا نام ”بکّرہ“ رواں ہو گیا جو آہستہ آہستہ بدل کر ”بکھر“ ہو گیا۔ کچھ لوگوں کا کہنا

---

(۱) اصل متن میں ”فی بقعة المباركة“ ہے جو صرف و نحو کے

ہے کہ مذکورہ میثاق سے نوکروں نے دریافت کیا کہ ”منزل کہاں کی جائیگی“ فرمایا کہ ”جہاں ہو پھٹنے کے وقت بقر (بیل) کی آواز سنائی دے گی۔“ اس طرح وقت کے گزرنے اور لہجے کے بدلنے کی وجہ سے (بقر سے) ”بکھر“ بن گیا۔ بھر حال یہ ایک قدیمی شہر ہے اور سکھر اور روہڑی اس کے بعد کے ہیں۔ یہ مبارک سر زمین اہل یقین اور عارفین کا ماویٰ و مابجی ہے۔ سارے سندھ میں ٹھٹھہ اور بکھر جیسی صفائی اور نزاکت سے مزین مردم خیز زمین اور کوئی نہیں ہے۔ [۳۱۱]

قدیم زمانہ میں بہرلو کا چار باغ، جسے سلطان محمود خان نے ہمایوں بادشاہ کے منزل انداز ہونے کے کچھ عرصے کے بعد بیرم خان کی آمد کی خبر سن کر ویران کرا دیا تھا، عجائبات روزگار میں سے تھا۔ [کہتے ہیں کہ] جلال الدین محمد اکبر بادشاہ نے [کسی موقع پر] ایک بڑی رقم حرمین شریفین کو بطور نذرانہ روانہ کی تھی جو اتفاق سے واپس آگئی تھی چنانچہ میر معصوم نے بادشاہ کے حکم کے مطابق [اس رقم سے] یہاں خوبصورت عمارتیں اور مشہور یادگار مینار تعمیر کرایا۔ یہاں کے قلعے کو شاہ بیگ [ارغون] نے اروڑ کی اینٹوں سے تعمیر کرایا تھا اور قلعے کے اندر رہنے والے سادات کو روہڑی میں منتقل کر دیا تھا۔ بعد میں نادر شاہ بادشاہ نے اس قلعے کو مسمار کرا دیا۔ یہ (بکھر) تفریح گاہوں اور دلکش باغات سے مزین ہے۔ مقدس یادگار یعنی موئے مبارک کی وجہ سے، جو روایات صحیحہ کے مطابق ان ڈھائی [عدد] بالوں میں سے ایک ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم [کے فرق مبارک]

سے مومنین کی زیارت کے لئے یادگار رہ گئے ہیں، [اس سر زمین کو] خاص اعزاز حاصل ہے۔ یہاں کے بیشتر لوگ ٹھٹھے کے لوگوں کی طرح سیر و صفائی پسند، نازک مزاج اور قابلیت کے متلاشی مشہور ہیں۔ گرمیوں کے موسم میں، جو پانی کی باڑھ اور پھلوں کے پکنے کا موسم ہے، مارے چھوٹے بڑے، سردار، ملازم، عورتیں اور مرد باغات میں خلوت و جلوت [کی دلچسپیوں] میں دن گزارتے ہیں۔ غرض، یہ مقام قابل دید اور اس کے سرسبز باغات کے پھول سونگھنے کے لائق ہیں۔ یہاں بہت سے اولیا کے مزارات ہیں۔

[سید علاؤالدین] - سید علاؤالدین بن سید شہاب الدین بن

سید موسیٰ بن سید علاؤالدین بن سید محمد مکی اپنے وقت کے کامل بزرگ تھے۔ سید فیض اللہ بن سلطان ناصر الدین محمود بن سید جلال جہانیاں، ان کے حقیقی نواسے تھے۔ سید محمود بن سید فخر الدین بن سید علاؤالدین بن سید ابراہیم ثانی بن [۳۱۲] سید قاسم، جو سید محمد مکی کے چچا تھے، [وہ] قاسم بن سید ابوالمکارم زید بن سید حمزہ بن سید جعفر بن سید حمزہ بن سید ہارون بن سید عقیل بن ابی عقیل بن اسماعیل بن جعفر ثانی بن علی زکی بن محمد تقی (ان پر ہمیشہ ثنا و سلام کا نزول ہو) کے فرزند ہیں۔ سید نظام الدین بن سید فضل اللہ بن سید قطب الدین بن سید ابراہیم بن سید راجو بن سید اسماعیل بن سید فیض اللہ، جو مخدوم جلال جہانیاں کے پوتے تھے، وہ (سید نظام الدین) سید محمود مذکور کے حقیقی نواسے ہیں۔ قلم ان کی تعریف رقم کرنے سے قاصر ہے۔ سید مبارک خان



## تعفة الکرام

بن سید ہایزید بن سید محمود بن سید فخرالدین بن سید علاؤالدین بن سید ابراہیم ثانی بن سید قاسم، سید محمد مکی کے چچا اپنے وقت کے نامور اور مراد مند بزرگ ہو گذرے ہیں۔ سید حاجی حمید نظام الدین ابن سید راجو، مذکورہ سید نظام الدین بخاری کے نانا ہیں۔

[سید محمد مکی]۔ یہ سلطان اہل حق سید محمد شجاع کے فرزند رشید ہیں۔ سید محمد شجاع مشہد مقدس میں، دہتر تھے۔ وہاں سے وہ حرمین شریفین کی زیارت کو گئے۔ پھر سیر و سیاحت کرتے ہوئے آکر شیخ المرشدین شیخ شہاب الدین سہروردی کے مرید ہوئے اور فیض حاصل کر کے ان کی فرزندگی کا تعلق حاصل کیا (دامادی کا شرف پایا)۔ انہی شیخ کی معصوم دختر کے بطن سے سید محمد مکی، مکہ (شریف) میں تولد ہوئے۔ وہ بزرگ مشہد مقدس کو واپس جانے کے کچھ ہی عرصہ کے بعد اس دارفانی سے کوچ کر گئے اور انہیں امام علی موسیٰ رضا کے مقبرے میں جگہ ملی۔ سید محمد مکی نے ”فرشتہ“ یعنی بکھر میں آکر سکونت اختیار کی اور یہیں فوت ہوئے۔ ان کا مزار خاص شاہی قلعہ میں ہے۔ سادات بکھر کی سرداری انہی سے منسوب تھی۔ وہ پہلے سید تھے جو اس سر زمین پر آئے تھے۔ ان کی اولاد میں کتنے ہی بزرگ پیدا ہوئے ہیں۔ [۳۱۳]

[سید حیدر حقانی (۱)]۔ سید حیدر نام اور ”حقانی“ لقب ہے۔

(۱) سید حیدر حقانی کا مزار اور مقبرہ روہڑی میں ”حیدر شاہ حقانی“ کے نام سے مشہور ہے۔ تعجب ہے کہ اسے میر قانع نے بکھر کے بزرگوں میں کس طرح شمار کیا ہے! لیکن جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوتا ہے [بقیہ حاشیہ ص ۳۸۷ پر]

ان کی درگاہ شہر میں ہر آئے جانے والے کی دعائیں قبول ہونے کی جگہ مشہور ہے۔ ان کی اولاد کا ذکر آگے چل کر بیان ہوگا۔  
[نہر میراں رضوی]۔ یہ صاحبِ روشن کرامات بزرگ روہڑی کے وسط میں آرام پذیر ہیں۔ ان کی اولاد کا ذکر آگے چل کر کیا جائیگا۔

[سعد خان]۔ سعید خان نام ”بھوکائی (۲)“ لقب، اصل، مغل۔ شہر کے اندر ان کی تربت حاجتمندوں کی زیارت گاہ ہے۔ ان کی اولادیں تھیں لیکن اب کوئی باقی نہیں رہا۔  
[شاہ حاجی درہائی]۔ کہتے ہیں کہ قدیم زمانے میں ایک ناپینا قلندر نے مچھلی کے شکار کیلئے دریا میں کانٹا پھینکا۔ جب اسے باہر نکالا تو اس میں ایک صندوق لپٹا ہوا ظاہر ہوا جسے ہاتھ لگاتے ہی وہ [قلندر] پینا ہو گیا۔ [کہولنے پر اس صندوق میں] ایک بزرگ کی لاش نظر آئی۔ خواب میں اسے معلوم ہوا کہ ان [بزرگ] کا نام ”شاہ حاجی“ ہے اور اللہ کی قدرت سے اپنے مرشد شاہ بہاؤ الدین کے قریب دفن ہونے کے لئے وہ [اس طرح] یہاں پہنچے ہیں۔ دریا کے کنارے یہ دونوں قبریں ایک دوسرے کے قریب حاجتمندوں کی دعاؤں کی قبولیت گاہ ہیں۔ [۳۱۴]

(ہقیقہ حاشیہ ص ۳۸۶)

ہے کہ یہ سب بزرگ بکھر میں پیدا ہوئے ہیں اور پھر ان میں سے بعض نے روہڑی کی سکونت اختیار کر کے وہیں انتقال کیا اس لئے جائے پیدائش کے لحاظ سے انہیں بکھری قرار دے کر بکھر میں ان کا ذکر کیا گیا ہے۔

(۱) نسخہ ”ن“ میں ”بھکرائی“ (بکھری) ہے

[شاه مقصود] - نام شاہ مقصود، لقب ”موجود“۔ نہر امرکس کے اس پار پہاڑی پر آرام پذیر ہیں۔ ہر اتوار کے دن وہاں خلق کا عام مجمع اور ہر سال چودھویں پر ایک بڑا میلہ لگتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس رات میلے میں غیبی بازار لگتا ہے۔ ایک شخص نے اپنی تلوار کسی دوکان پر گروی رکھی لیکن صبح ہونے پر جب اس نے [وہ دکان] تلاش کی تو کہیں نہ دکھائی دی۔ آخر کار حقیقت سے واقف ہو کر وہ سال ختم ہونے کا انتظار کرتا رہا اور پھر دوسرے سال کی چودھویں پر وہ دکان تلاش کر کے اپنی تلوار واپس لے لی۔

[حاجی غیب] - ان کے بھائی حاجی غیب [بھی] وہیں آرام پذیر ہیں۔

[صالح شامی اور فرزند پیر خیر الدین] - دوسرے [بزرگ] صالح شامی اور فرزند پیر خیر الدین عرف ”خیرو“ ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کی زیارت سے حاجتمند بے حد فیض پاتے ہیں۔

[شیخ نوح بکھری] - شیخ المرشدین شیخ نوح بکھری سندھ کے ایک ممتاز ولی اور شیخ شہاب الدین سہروردی کے کامل مرید ہیں۔ وہ ”فرشتہ“ یعنی بکھر قدیم میں رہا کرتے تھے۔ نقل ہے کہ جب عوٹ العالم شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی نے شیخ شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں حاضر ہو کر مرید ہونے کے بعد ملتان جانے کی اجازت حاصل کی تو شیخ نے [ان سے] فرمایا کہ ”میرے باہدایت مریدوں میں سے ایک صاحب ہدایت مرید سندھ کے شہر فرشتہ میں ہے۔ اسے ضرور دیکھنا چاہئے۔ کیونکہ وہ چراغ بتی اور تیل اپنا ہی لایا تھا صرف لوکی

ضرورت تھی۔ اتفاقاً شیخ بہاؤ الدین زکریا کے ”فرشتہ“ پہنچنے سے پیشتر ہی شیخ نوح اپنا سفینہ حیات طوفان اجل سے ساحل جنت کی طرف نکال لیے گئے۔ [۳۱۰]

[سید بدرالدین]۔ سید بدرالدین عرف سید بدر بن سید بدرالدین خطیب۔ معتبر مسلسل روایات کے اعتبار سے ان کا سلسلہ نسب امام علی نقی تک پہنچتا ہے۔ وہ ذاتی بزرگی اور اعلیٰ صفات سے موصوف تھے۔ اور یقین، معرفت اور دینی حقائق میں اپنے عہد کے بزرگوں میں ممتاز رہے ہیں۔ ان کی اولاد، خاندان کی سرداری اور نسب کی بزرگی کے لحاظ سے روہڑی میں مشہور ہے۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے [خواب میں] ارشاد کے مطابق انہوں نے اپنی بیٹی کو سید جلال بخاری کلاں کے، جنہیں جلال سرخ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، عقد میں دیا تھا۔

[میر ابوالغیث]۔ یہ بکھر کے ممتاز بزرگ اور پرمیزگاری و دینداری سے موصوف تھے۔ جب امیر تیمور کے ہوتے مرزا پیر محمد کے آدمی بکھر حاصل کرنے کے لئے آئے تو انہوں نے اپنے جد امجد علیہ السلام کے حضور میں آبرو کی التجا کر کے مرزا سے ملاقات کی غرض سے کوچ کیا۔ اسی شب مرزا [پیر محمد] کو خواب میں حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ سے ان کی اولاد سے عزت و احترام کی روش اختیار کرنے کا حکم ہوا۔ نو دنوں کے بعد جب میر مذکور مرزا کی خدمت میں پہنچے تو وہ انہیں دیکھتے ہی تواضع خاطر کے خیال سے الٹ کھڑا ہوا اور بغل گیر ہو کر انتہائی مہربانی کے ساتھ انہیں اپنے برابر بٹھا کر خواب

کا حال بیان کیا اور رخصت ہوئے وقت اروڑ کا ہر گنہ انہیں انعام میں دیا

[میرا بوالبقا]۔ میرا بوالبقا بکھر کے ایک نہایت برگزیدہ سید، اور فقر و خصوصیت کے حامل تھے۔ ہمایون بادشاہ جب بیان کردہ حالات کی وجہ سے یہاں آیا تھا تو [اس نے] سید موصوف کی زیارت کرنے کے لئے ان کے گھر تشریف لے جا کر صحبت کا شرف حاصل کیا تھا۔ بکھر کے محافظوں کو جب اسکی خبر ملی تو [۳۱۶] انہوں نے راہ سے گذرتے ہوئے تیر ہر سا کر [انہیں] شہید کر دیا۔ ہمایون بادشاہ کو ان کی شہادت سے بڑا صدمہ پہونچا۔

[شاہ قطب الدین محمد] شاہ قطب الدین محمد ابن شاہ محمود بن شاہ طیب۔ خراسان کے ایک جلیل القدر اور برگزیدہ سید تھے اور ترکمانی فساد کے بعد آکر بکھر میں رہنے لگے تھے۔ ہر جمعہ کو وہ خلق کو وعظ سے محظوظ فرمایا کرتے تھے۔ انہوں نے نہایت تقویٰ اور شریعت کی پابندی کے ساتھ زندگی گزاری۔ مرزا شاہ حسن نے انہیں بکھر کے شیخ الاسلام کے منصب پر مامور کیا تھا۔ کافی مدت تک اس عہدے پر برقرار رہنے کے بعد بالآخر سنہ ۸۹۷ میں وہ لوگوں کو ”کتفی بالموت واعظ“ (۱) کا پیغام سنا گئے۔ ان کی تاریخ وفات ”واعظ“ سے نکلتی ہے۔

[شاہ جہانگیر ہاشمی]۔ شاہ جہانگیر ہاشمی مذکورہ شاہ طیب کی اولاد میں ایک بلیغ شاعر تھے۔ ان کے اشعار دنیا میں مشہور ہیں۔ یہ مرزا شاہ حسن کی حکومت کی ابتدا میں خراسان

(۱) یعنی ”موت کافی نصیحت کرنے والی ہے۔“

سے سندھ آکر بکھر میں سکونت پذیر ہوئے تھے۔ ”تحفۃ الاحرار“ کے جواب میں ”مظہر الآثار“ انہیں کے طبع کی تخلیق ہے۔ سنہ ۹۳۶ھ میں وہ سفر حج پر روانہ ہوئے اور کیچ مکران کی راہ میں راہِ شہادت پر گامزن ہو گئے۔

[سید ناصر الدین]۔ سید ناصر الدین ابن سید نظام الدین بکھری۔ یہ اکثر محفل موسیقی میں مشغول رہا کرتے۔ سُر سوندری (سونڈی) سے خاص طور پر انہیں بڑا شغف تھا۔ ان کے انتقال کے بعد لوگوں نے [ان کا] جنازہ اٹھانے کی بڑی کوششیں کیں مگر اٹھا نہ سکے۔ [آخر کار] ان کے فرزند سید رکن الدین کو والد [مرحوم] کی وصیت یاد آئی جس کے مطابق ایک شہنائی [والا] بلاپا گیا جس نے آکر ادھر سُر سوندرو [بجانا] شروع کیا اور اس طرف قدرت الہی سے [۳۱۷] جنازہ ہوا پر روانہ ہوا اور کسی شخص کا ہاتھ اس تک نہ پہنچ سکا [اور اسی طرح] وہ آکر اپنے مدفن میں اتر گیا۔

[سید رکن الدین]۔ والد کی وفات کے بعد سید رکن الدین نے ”آئو لند سیر“ لایپٹز (۱) کے مقالے کے مطابق ہر طرح نیکی، بزرگی اور حال و قال کے [ضمن میں] امتیاز کے ساتھ زندگی گزاری۔

[سید صفائی]۔ سید صفائی بن سید مرتضیٰ الترمذی [ماں کی جانب سے] سید شیر قلندر بن بابا حسن ابدال (کہ جن کا ذکر جلد دوم میں ہو چکا ہے) سے منسوب ہیں۔ بکھر کے سادات [معصومی] کے شجرے میں ان کی ہشتیں اس طرح درج ہیں :

(۱) یعنی ”فرزند اپنے باپ کا راز ہے“۔

میر معصوم بن میر مرتضیٰ بن میر تقی بن خوارزم شاہ بن قلندر شیر بن میر علی بن میر عماد بن میر بزرگ بن خوارزم شاہ بن شیر قلندر بن حسین بن علاؤالدین بن محمد بن حسن بن علی بن جعفر بن محمد بن ہارون بن محمد بن جعفر بن محمد بن احمد بن ہاشم بن امام ہمام موسوی کاظم علیہ السلام۔ وہ صاحب علم و عمل اور اپنے عہد کے فضلا کے سردار تھے۔ شاہ قطب کی وفات کے بعد سلطان محمود خان کی جانب سے انہیں بکھر کے شیخ الاسلام [کا منصب] ملا۔ انہوں نے [ماہ] ذوالقعد سنہ ۸۹۹ میں وفات پائی۔

[میر معصوم]۔ مذکورہ سید صفائی کے فرزند میر معصوم نے پہلے سلطان محمود خان کے پاس اور پھر اکبر بادشاہ کے حضور میں بڑا مرتبہ پایا۔ خان خانان کے ساتھ تسخیر سندھ کے موقع پر انہوں نے نمایاں کارنامے انجام دیئے۔ بکھر اور اس کے نواح کی شاندار عمارتیں انہیں کی یادگار ہیں۔ قلندھار کے پہاڑ پر [شہنشاہ بابر کے تعمیر کردہ بیس طاق کی عمارت میں] اکبر بادشاہ کے زیر نگیں ممالک کے ناموں پر مشتمل ایک کتبہ انہوں نے کثیر خرچ پر اپنی نگرانی میں نقش و نصب کیا۔ [۳۱۸] وہ ایک صاحب دیوان شاعر تھے اور ”نامی“ تخلص کرتے تھے۔ ان کی تصنیفات میں سے حالات سندھ پر ”تاریخ معصومی“ (۱)، ”طب نامی“ اور سسئی پنہوں کے قصے کے متعلق ”ناز و نیاز“ نامی ایک مثنوی وغیرہ اوراق عالم

(۱) تاریخ معصومی کا اردو ترجمہ شایع ہو چکا ہے میر معصوم اور

اس کے خاندان کے مزید حالات کے لئے اس کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

میں یادگار ہیں ۔

[میر بزرگ]۔ مذکورہ میر معصوم کے فرزند میر بزرگ اپنے وقت کے ممتاز بزرگ ہو گزرے ہیں۔ ان بزرگوں کی اولاد اپنی شہرت اور امتیازی خصوصیات کے ساتھ موجود ہے (جیسا کہ سکھر کے ضمن میں بیان کیا جائیگا)۔

[میر قاسم خان]۔ میر قاسم خان ”نمکین“ ہروی بن ملا میر سبزواری۔ ملا میر، امام موسوی رضا کی درگاہ کے متولی تھے۔ اوزبکوں کے فساد کے ایام میں وہ ہرات کے نواحی موضع بیجک سے ہجرت کر کے قندھار کے مضافات میں پہنچ کر انتقال فرما گئے۔ ان کے فرزند میر قاسم نے لاہور میں اکبر بادشاہ کی ملازمت اختیار کی اور ”چہار ہزاری“ منصب پر فائز ہو کر با اقتدار امیر شمار کئے جانے لگے۔ انہوں نے بکھر کی سکونت اختیار کی اور وہاں اپنی بہت سی یادگاریں چھوڑیں۔ آخر میں وہ قندھار کی جنگ میں شہید ہو گئے اور انہیں روہڑی کے ٹیلہ پر دفن کیا گیا۔

[امیر خان]۔ ان کے فرزند امیر خان جن کا ذکر کیا جا چکا ہے (۱) اعزاز میں اپنے والد پر بھی فوقیت پا گئے۔ ان کی اولاد کا ذکر ٹھٹھے کے بیان میں ہوگا۔

[مولانا عالم بکھری]۔ مولانا عالم بکھری علوم ظاہری و باطنی میں ممتاز تھے۔ ان کے فرزند درویش بھیلی کا [موضع] ”ریل“ کے درویشوں اور مشائخین میں ذکر ہوگا۔ [۳۱۹]

[قاضی معروف]۔ قاضی معروف اپنے عہد کے مشہور بزرگ

(۱) نواب امیر خان کا ذکر صفحہ ۲۹۵ پر ہو چکا ہے۔



اور شہر بکھر کے قاضی تھے۔ وہ بڑے عالم، فاضل، صالح، متقی، نازک طبع اور خوش مزاج تھے۔ جام منجرتے کچھ لوگوں نے جا کر شکایت کی وہ مدعی اور مدعا علیہ سے [مقدمہ فیصلہ کرنے کا] کچھ آجر لیتے ہیں۔ چنانچہ اس نے موصوف کو بلا کر دربارت کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ”ہاں، [بلکہ] اکثر میرے دل میں یہ بھی خیال آتا ہے کہ گواہوں سے بھی کم و بیش کچھ وصول کروں لیکن وہ دعویٰ فیصلہ ہونے سے پہلے ہی کھسک جاتے ہیں۔“ جام اس جواب سے بڑا محظوظ ہوا چنانچہ اسے خوش دیکھ کر انہوں نے کہا کہ ”سارا دن میں لوگوں کے مقدموں میں مصروف رہتا ہوں اور میرے خیال قائم کیا کرتے ہیں۔ یہ صورت حال کس حد تک جائز ہے؟“۔

معلوم ہوتا ہے کہ اس سے بیشتر ملازمین کی تنخواہیں بے حد کم تھیں اور وجہ معاش ناکافی تھی۔ [اس مکالمہ کے بعد] جام نے موصوف کی اور جملہ دوسرے ملازمین کی مناسب تنخواہیں مقرر کیں۔

[قاضی ابوالخیر]۔ یہ قاضی ابوالخیر، قاضی قاضن سیوستانی کے اجداد میں سے تھے۔ یہ بڑے صاحب فضیلت اور صاحب حال بزرگ تھے۔ بکھر میں سکونت رکھتے تھے اور وہیں انتقال کیا۔

[میر غیاث الدین محمد]۔ میر غیاث الدین محمد عرف سلطان رضائی العریضی سبزواری ”حبیب السیر“ کے مصنف خوند میر کے ہوتے اور سلطان جنید صفوی کے نواسے تھے۔ یہ شاہ بیگ کے مقربین میں سے تھے اور اسی کے ساتھ سندھ آکر بکھر میں

سکونت پذیر ہو گئے تھے۔

[میر ابوالکرام]۔ اُن کے فرزند میر ابوالکرام، میر عبداللہ سلطان کے والد ہیں، جن کا ذکر ٹھٹھے کے بیان میں ہوگا۔ پہلے یہ مرزا شاہ حسن ارغون کے امرا میں تھے۔ اس کے بعد سلطان محمود خان کے امرا میں شامل ہوئے۔ سلطان محمود خان نے انہیں عراق و عجم کے بادشاہ شاہ اسماعیل صفوی کی خدمت میں ایلچی بنا کر بھیجا تھا۔ جہاں سے وہ طرح طرح کی نوازشیں اور ”سلطانی“ کا خطاب حاصل کر کے [۳۲۰] واپس آئے۔ یہ اعلیٰ صفات سے موصوف بزرگ تھے اور فضیلت و فصاحت و بلاغت میں بے حد مشہور تھے۔

[ملا اسحاق بکھری]۔ ملا اسحاق بکھری بڑے صاحب فضیلت اور سلطان محمود خان کے ملازم تھے۔ آخر میں یہ مرزا جانی بیگ کے فرزند مرزا غازی ”وقاری“ کے استاد مقرر ہوئے تھے۔

[مولانا یار محمد]۔ مولانا یار محمد عرف ”یاری“ اصل ہرات کے تھے۔ فن اشا اور فصاحت و بلاغت میں وہ بے نظیر تھے۔ سلطان محمود خان نے انہیں ہمایوں بادشاہ کی بارگاہ میں ایلچی بنا کر بھیجا تھا لیکن یہ خاطر خواہ طور پر کام انجام نہ دے سکے تھے اس لئے واپسی پر شرم کی وجہ سے سمیتور میں مقیم ہو گئے اور وہیں انتقال کیا۔ جیسا کہ بیان کیا گیا ہے ان کے زیادہ تر اشعار خوش طبعی کے اعتبار سے مشہور ہیں۔

[سید یعقوب خان]۔ سید یعقوب خان رضوی مذکورہ میر میراں کی اولاد میں سے تھے۔ عالمگیر کے عہد میں وہ بکھر کی حکومت سے سرفراز ہوئے تھے۔

تحفۃ الکرام

[سید صادق علی خان]۔ ان کے بعد ان کے فرزند سید

صادق علی خان کو اپنے والد کی جگہ حکومت عطا ہوئی۔

[میر جعفر]۔ سید صادق علی کے فرزندوں میں سے میر مرتضیٰ

فوت ہو گئے ہیں اور میر جعفر ملقب بہ یعقوب خان آج تک اپنے بزرگوں کا مقام نہایت بزرگی اور سرفرازی کے ساتھ برقرار رکھے ہوئے ہیں۔

[میر سعادت خان رضوی]۔ یہ میر سعادت خان رضوی، مذکورہ

بالا میر حیدر کی اولاد میں سے ہیں۔ انہوں نے اپنے دادا بزرگوار

کی اولاد کی سربراہی اور اعلیٰ مراتب پر فائز ہو کر [اپنے]

بھائیوں میں ممتاز زندگی گذاری۔ [۳۲۱]

[میر غلام شاہ مرتضیٰ]۔ ان کے فرزند میر غلام شاہ بزرگی،

دولت، انسانیت اور نیکی خصلتوں کی وجہ سے اپنے وقت میں

مشہور رہے ہیں۔ طاقت اور اثر و رسوخ کے اعتبار سے یہ اپنے

بزرگوں سے بھی افضل تھے۔ حال ہی میں انہوں نے اس دارفانی

سے رحلت کی ہے۔

[میر محمد سعید]۔ اب ان کے فرزندوں میں میر محمد سعید

ان کے قائم مقام ہیں۔

[سید امین شاہ]۔ یہ مذکورہ بالا سید حیدر کے پوتے تھے

اور نہایت بزرگ اور نامور تھے۔

[اولاد سید امین شاہ]۔ ان کے فرزند سید محمد تقی، میر

امیر علی اور میر محمد طاہر بزرگی اور بزرگوں کی [موروثی]

صفت میں مشہور تھے۔

[میر وارث علی]۔ ان میں سے میر امیر علی کے فرزند میر

وارث علی اعلیٰ صفات سے موصوف اور حیات ہیں۔  
[سید حاجی نور محمد]۔ مذکورہ سید شاہ حیدر کی اولاد میں سے سید حاجی نور محمد نے بزرگانہ صفات کے ساتھ اپنا سفر زندگی طے کیا۔

[حاجی سید عبدالکریم]۔ ان کے فرزند رشید سید حاجی عبدالکریم بڑے برگزیدہ بزرگ ہیں۔ حال ہی میں یہ ایک ماهر فن طبیب کی حیثیت سے نواب شاہ وردی خان عرف مہاں غلام شاہ والی سندھ کے ملازم ہوئے تھے اور اب ان کے نامور فرزند میاں سرفراز سے متعلق ہیں۔

[میر جان شاہ رضوی]۔ میر حیدر شاہ کی اولاد میں میر جان شاہ رضوی بڑے لائق [وفاقی] اور راہ حقیقت کے طالب بزرگ گزرے ہیں۔ [انہوں نے] شاہ عنایت اللہ صوفی کی خدمت میں رہ کر [فیض] ارشاد حاصل کیا اور پھر اسی خاندان کے خلیفہ ہو کر ہرچہ معرفت کے ساتھ اپنے اصلی شہر واپس آئے۔ ”میر“ تخلص [۳۲۲] کرتے تھے۔ انہوں نے محققانہ اشعار سے بھرپور ایک دیوان، اور اپنے ذوق طلب اور مرشد کی لگن کے بارے میں حقایق سے لبریز ایک مثنوی یادگار چھوڑی ہے۔

[میر قلندر علی]۔ ان کے فرزند میر قلندر علی کٹی مرتبہ شاہ پور میں دیکھے گئے ہیں۔ وہ [اسرار] فقر سے آشنا اور راہ سلوک پر گامزن ہیں۔

[میر حسین قلی رضوی]۔ میر حسین قلی رضوی، میر انشاہ کی اولاد اور عمر شاہ کے، جن کے فرزند فتح خان بزرگوں کا مقام روشن کئے ہوئے ہیں، بھیجے ہیں۔

مظفر شاہ، فقیر [میر فانی] کے دوست اور کرم فرما تھے۔  
 میان نور محمد [کلیوڑا] کے زمانے میں [راقم الحروف نے انہیں]  
 محمد آباد میں دیکھا تھا۔ وہ حکیم عبدالہادی کے پاس دوا  
 کی غرض سے آئے تھے، انہیں فالج کا شدید مرض لاحق تھا۔  
 آخر کار وہ اسی مرض میں وطن گئے [اور وہاں جاکر] انتقال  
 کر گئے۔ وہ طریق فقر کے باخبر سالک اور صاحب سلسلہ  
 بزرگ تھے۔

[میر اسد اللہ] - میر اسد اللہ ابن میر لطف اللہ بن میر محمد ہاشم  
 اصفہانی۔ میر ہاشم، نواب خدا یار خان عرف میان نور محمد کی  
 ملازمت میں بلند مرتبہ پر فائز تھے۔ انہوں نے خدا آباد میں  
 انتقال کیا۔ ان کے ہوتے میر [اسد اللہ] مذکور روہڑی میں  
 بقید حیات تھے۔

[میر محمد اکرم] - حکیم میر محمد اکرم، نواب خدا یار خان  
 (میان نور محمد) کے ملازم اور روہڑی کے باشندے تھے۔ انہوں  
 نے [اپنا] وقت بڑی عزت اور آرام کے ساتھ گزارا۔ کچھ مدت  
 تک وہ میان نور محمد کی جانب سے بکھر کے ناظم [بھی]  
 رہے تھے۔

[میر سراج الدین اور ان کے بھائی] - ان کے انتقال کو جانے  
 کے بعد ان کے فرزند میر سراج الدین، میر تاج الدین، میر معین الدین  
 اور میر نور الدین جب تک زندہ رہے تب تک انسانی کمالات  
 اور ذاتی بزرگی میں ممتاز رہے۔ [۳۲۳] تقدیراً ان چاروں بزرگوں  
 میں سے کسی کی بھی اولاد باقی نہ رہی۔ میر محمد اکرم کے  
 بھائی میر محمد افضل جو ملتان میں رہا کرتے تھے آکر اپنے

بھائیوں کے ہمساندگان کو اپنے ساتھ لے گئے اور اب اس شراب کا ایک بھی قطرہ اور اس پھول کی کوئی بھی خوشبو باقی نہیں ہے۔  
[میر افضل شاہ]۔ یہ صاحب تقویٰ و فضیلت بزرگ، میر افضل شاہ، غازی ہوٹہ [کے لقب سے] مشہور ہیں اور غازی شمشیر کی اولاد میں سے ہیں اور اس وقت تک بقید حیات ہیں۔  
[قاضی محمد فاضل (۱)]۔ یہ قاضی محمد فاضل، بکھر کے قضا کے منصب پر پہلے نائب اور اس کے بعد خود مختار کی حیثیت سے [فایز رہے]۔ یہ فضیلا کی فہرست میں شمار [کئے جاتے تھے]۔  
[قاضی عبدالرحمان]۔ اب ان کے فرزند قاضی عبدالرحمان مسند قضا پر متمکن ہیں اور امتیازی فضیلت کے حامل ہیں۔  
[ملا نور محمد]۔ یہ اپنے وقت کے نامور بزرگ دو گزدرے ہیں ان کی اولاد کا ذکر ٹھٹھے کے ضمن میں ہوگا۔

[مخدوم محمد رضا]۔ یہ آثار (سوائے) مبارک کے متولی، اہل اللہ اور متبحر عالم ہیں۔

[مخدوم روح اللہ]۔ یہ علوم عقلی و نقلی میں جامع، فروع و اصول کے ماہر، اپنے عہد میں بے نظیر اور فضیلت و دہنداری میں نامور بزرگ تھے۔ فقیر (مصنف) نے سنہ ۱۱۶۶ھ میں ان حضرت کو محمد آباد میں دیکھا تھا جہاں وہ میاں نور محمد کی درخواست پر، دعا کرنے کے لئے آئے تھے۔ ان کی خدمت [میں حاضر ہونے کا] موقع ملنے پر معلوم ہوا کہ جملہ کمالات کے حصول کی خاطر وہ کبھی کبھی [۳۲۴] اشعار کی وادی میں بھی قدم رنجہ فرماتے ہیں۔ آپ نے بیان کیا کہ

نادر شاہ کی تخت نشینی کے موقع پر [انہوں نے] اس کی تاریخ ”الْخَيْرَ فَيَمَّا وَقَعَ“ (۱) سے اخذ کی تھی۔ یہ من کر میں نے کہا کہ ”لَا خَيْرَ فَيَمَّا وَقَعَ“ (۲)۔ میں (میر علی شیر ”فانح“) کہتا ہوں کہ اتفاق دیکھئے کہ جب اس بادشاہ کو قتل کا حادثہ پیش آیا تو [انہوں نے] اس کی تاریخ ”الْخَيْرَ فَيَمَّا هُوَ وَاَقْبَحُ“ (۳) کہی۔ لیکن چونکہ اس بادشاہ کے بعد سخت فسادات پیدا ہوئے تھے اور فی الواقع بادشاہوں میں سے اس کا وجود اس پر گنہ کے لئے بہتر تھا اس لئے میں نے کہا کہ ”لَا خَيْرَ فَيَمَّا هُوَ وَاَقْبَحُ“ (۴)۔ ان کی لطافت طبع کا اسی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ان کے بعد ان کی اولاد باقی نہ رہی۔ ان کے بھائی [البتہ] تا حال حیات ہیں اور اچھی حالت کے مالک ہیں۔ مذکورہ مخدوم کے بھائی محمد افضل بھی شاعری میں اچھا مقام رکھتے تھے۔ ان کے چوتھے بھائی محمد غوث نے بھی راہ سلوک میں زندگی گزاری ہے۔

[میاں اللہ بخش]۔ ان کے (محمد غوث کے) فرزند میاں

اللہ بخش طالب علم اور فقر سے واقف بزرگ ہیں اور تا حال حیات ہیں۔

[آخوند ملا موسیٰ]۔ آخوند ملا موسیٰ پرمہیزگاری اور دینداری

کے زیور سے آراستہ اور وہاں کے قدیمی بزرگوں میں سے ہیں۔

(۱) یعنی ”جو کچھ ہوا اس میں بہتری ہے۔“

(۲) یعنی ”جو کچھ ہوا اس میں کوئی بھی بہتری نہیں ہے۔“

(۳) یعنی ”جو کچھ ہو رہا ہے اسی میں بھلائی ہے۔“

(۴) یعنی ”جو کچھ ہو رہا ہے اس میں کوئی بھی اچھائی نہیں ہے۔“

[حافظ میر خلیفہ] - یہ حافظ میر خلیفہ قادری صاحبِ حال و فضیلت بزرگ ہو گذرے ہیں -

[محمد ہاشم] - ان کے فرزند محمد ہاشم تاحال ہیں - [۳۲۵]

[حکیم عبد الرؤف] - حکیم عبد الرؤف ایک لائق [ و فائز ] صاحبِ کمال بزرگ اور میر عبد الجلیل بلگرامی کے دوستوں میں سے تھے - نواب خدا یار خان کی سرکار میں ان کا بڑا مرتبہ تھا - یہ حکمت میں بے نظیر اور فن موسیقی میں ماہر تھے - "ابوالنغم" نامی ایک مکمل کتاب [ انہوں نے ] اس فن پر تصنیف کی تھی -

[شیخ کرم اللہ] - اب ان کے فرزند رشید شیخ کرم اللہ ، نواب شاہ وردی خان ( غلام شاہ ) کی سرکار میں ملازم اور اپنے والد کی طرح مشہور ہیں -

[شیخ محمد رضا] - یہ اصل میں ٹھٹھے کے باشندے ہیں لیکن بکھر میں جا کر سکونت پذیر ہو گئے تھے - عربی اور فارسی کے وہ ایک لائق طالبِ علم تھے - عالمگیر کے زمانے سے لے کر محمد شاہ بادشاہ کے عہد تک بکھر میں وہ نائب یا خود مختار کی حیثیت سے مختلف اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے - ان کی اعزہ ٹھٹھے میں اور اولاد بکھر میں موجود ہے - یہ نیک نام مرد تھے - [ انہوں نے ] سنہ ۱۱۴۰ھ میں وفات پائی - سولف نے [ یہ کتاب ] تالیف کرتے وقت ان کی تاریخ اس طرح کہی ہے " محمد رضا دادہ جاں در جنان شد " وہ شعر اچھے کہتے تھے -

[شیخ بھٹو اور شیخ متو] - ان کے فرزند شیخ بھٹو اور شیخ متو بھی وہاں کے مشہور و معروف افراد میں شامل تھے اور



اولاد چھوڑ گئے ہیں۔

بکھر

روہڑی کے دریا کے دوسرے کنارے پر [یہ ایک] خوبصورت شہر ہے۔ اصل میں یہ بکھر کا تعلق ہے لیکن نادر شاہ کے زمانے سے شکارپور سے منسلک ہے۔ یہ سر زمین ستھری اور اہل اللہ کی کان ہے یہاں کے بزرگوں میں [مندرجہ ذیل محتاز ہیں]: [۳۲۶] شاہ خیر اللہ (۱)۔ یہ پیران پیر علیہ الرحمۃ کی اولاد میں ہیں۔ ان کی درگاہ خلق اللہ کی زیارت گاہ اور اہل اللہ کی دعاؤں کی قبولیت گاہ ہے۔ [۳۲۷]

میرک ہایزید۔ میرک ہایزید بن میرک ابو سعید بن میر علی شاہ سبزواری عرب شاہی۔ میرک ابو سعید شیخ جلال الدین ہایزید ہورانی کے نواسے تھے۔ ان کے فرزند میرک ہایزید اور ان کے بھائی میرک شیخ محمود کمالات علمی و عملی کے جامع

---

(۱) شاہ خیر اللہ عرف شاہ خیر الدین ابن سید احمد بغدادی سنہ ۸۹۱ میں بغداد میں تولد ہوئے۔ ان کا سلسلہ نسب پانچ واسطوں سے سید عبدالقادر جیلانی سے، جنہیں عام طور پر پیران پیر کہا جاتا ہے، جا ملتا ہے۔ یہ اوائل عمر میں بغداد سے مکہ آئے اور چودہ سال تک حرمین میں رہ کر تحصیل علم کرتے رہے۔ علم سے فراغت حاصل کرنے کے بعد سیر و سیاحت کی غرض سے وہ سندھ آنکلیے اور مخدوم نوح علیہ الرحمۃ کی صحبت میں رہ کر کافی فیض و ہدایت سے مستفیض ہوئے۔ اس کے بعد سکھر میں آکر ایک ٹیلہ پر یاد الہی میں مشغول ہو گئے، جہاں کتنے ہی لوگ آکر ان کے مرید ہوئے۔ (دیکھئے حاشیہ ص ۳۰۳)

تھے۔ [پہلے بہ] دونوں بھائی سبزوار سے قندھار میں آکر رہنے لگے تھے لیکن پھر وہاں سے شاہ بیگ اورغون کے ساتھ سندھ آگئے۔ مذکورہ میرگ بکھر و سکھر کے شیخ الاسلامی کے [منصب پر] فائز ہوکر سکھر ہی میں سکونت پذیر ہو گئے اور ان کے بھائی نے جیسا کہ آگے چل کر بیان ہوگا ٹھنے میں سکونت اختیار کی۔

[میرگ عبدالباقی]۔ ان کی رحلت کے بعد ان کے فرزند میرگ عبدالباقی نے [اوج و] کمال کے ساتھ زندگی گذاری۔

(بقیہ حاشیہ ص ۴۰۲)

میر محمد معصوم کا پوتا میر محمد زکریا بھی انہی کا معتقد اور سربدھے۔ کتاب ”دلیل الذاکرین“ اور ”پہر روضی دہنی“ سید محمد راشد کے ملفوظات میں ان کے کچھ مناقب مذکور ہیں۔

شاہ خیرالدین آخری دنوں میں اس ٹیلے سے اتر کر پرانے سکھر میں اس مقام پر رہنے لگے تھے جہاں اب ان کا مقبرہ ہے۔ یہاں پہلے ترخان خاندان کے مغلوں کے مکانات تھے جو انہوں نے شاہ صاحب کو بطور نذرانہ دے دیئے تھے۔ سکھر میں فقیر سدھو اور فقیر جمال الدین ان کی خدمت کیا کرتے تھے۔ شاہ صاحب نے ۲۷ رمضان المبارک سنہ ۱۰۲۷ھ میں سکھر ہی میں اس جہاں فانی سے لا ولد کوچ اختیار کیا۔ ان کی تاریخ وفات مندرجہ ذیل قطعہ کے آخری مصرع سے نکلتی ہے:

شاہ خیرالدین مہ برج شرف      مقابل درگاہ ایزد سرمدی  
سال تاریخ وصالش عقل گفت:      ”مرشد کامل طریق احمدی“

۱۰۲۷ھ

(ماخوذ از ہفتہ وار ”آزاد“ کراچی

سورخہ ۲۰ اپریل سنہ ۱۹۵۳ع)

تحفۃ الکرام

خورد و کلاں سب انہی کی طرف رجوع کرتے تھے۔ ان کی درگاہ سکھر کے باہر خلی کی زیارت گاہ ہے۔

[میرک محمد اول]۔ ان کے بعد میرک محمد اول باقی رہے اور انہوں نے زندگی کے دن صاحبان کمال کی مانند ممتاز اور مشہور شخص کی حیثیت سے گزارے۔ اپنے بعد یہ میر تقی الدین اور میر محمد فضل نامی دو فرزند چھوڑ گئے۔

[میر تقی الدین اور ان کے فرزند]۔ میر تقی الدین کے پانچ بیٹے ہوئے۔ میر نواب، میر غیاث الدین محمد، میر رضی الدین محمد، میر عزیز الدین محمد، اور میر محمد کاظم عرف مرزا۔ ان میں سے ہر ایک شان بزرگی اور شرافت میں اپنے عہد میں ممتاز تھا۔ [میر غیاث الدین محمد اور ان کے فرزند]۔ میر غیاث الدین محمد نے دو نامور فرزند چھوڑے جو جملہ بھائیوں کے سرتاج تھے۔ ایک میر قوام الدین، دوسرے میر عرب شاہ جو اب ہزرگوں کی صورت میں عظمت و رفعت کے علمبردار ہیں۔ [۳۲۸]

[میر غلام عبدالقادر]۔ میر رضی الدین محمد بن میر تقی الدین محمد کے [ایک] فرزند رشید غلام عبدالقادر نامی اس [وقت] اس سلسلے کے باغ کے پھولوں کے سرتاج ہیں۔

[میر عاقل شاہ]۔ سید زئی نامی [خاندان] سادات میں سے یہ یہاں کے رہنے والے ایک نامور اور اعلیٰ صفات سے موصوف بزرگ تھے۔ لیکن اب انتقال فرما چکے ہیں۔

[میر اکبر شاہ]۔ ان کی اولاد میں اس وقت میر اکبر شاہ اس سلسلے کے سردار اور صاحب توفیق بزرگ ہیں۔

[میر محمد حسین]۔ میر محمد حسین مذکورہ میر عاقل شاہ کے بھائی تھے۔

[میر محمد محسن شاہ اور چراغ شاہ] - ان کے بعد ان کے فرزند میر محمد محسن شاہ آبائی صفات سے موصوف ہوئے آج کل میر محمد محسن کے فرزند میر چراغ شاہ اسی خاندان کے چشم و چراغ ہیں -

[میر محمد زکریا] - میر محمد زکریا ، بن میر محمد بزرگ بن میر معصوم بکھری نے ، جن کا بیان اس سے پیشتر کیا جا چکا ہے ، ظاہری و باطنی کمالات کے ساتھ زندگی گذاری - مذکورہ جناب نے ، شاہ خیر الدین شاہ سے عقیدت مندی ہونے کی وجہ سے سکھر آکر یہاں کی سکونت اختیار کی تھی -

[سید محمد] - ان کے بعد ان کے دو نامور فرزند سید محمد اور سید علی شیر باقی رہے ، جن میں سید محمد اپنے وقت کے بزرگ ہو گذرے ہیں -

[میر عزیز اللہ اور میر لطف اللہ] - انہوں نے (سید محمد نے) دو فرزند چھوڑے - [ایک] میر عزیز اللہ [دوسرے] میر لطف اللہ - ان میں میر عزیز اللہ مملکت بزرگی کے سلطان ہو گذرے ہیں -

[میر کرم شاہ اور میر گلاب شاہ] - انہوں نے (میر عزیز اللہ نے) دو فرزند چھوڑے اور اس وقت میر کرم شاہ اور میر گلاب شاہ بزرگوں کی نشانی ہیں - [۳۲۹]

[میر عزت علی اور میر احسان علی] - سید محمد کے فرزند میر لطف اللہ نے اپنے بعد دو بیٹے چھوڑے [ایک] میر عزت علی [اور دوسرے] میر احسان علی - سنا گیا ہے کہ یہ دونوں بزرگ زادے حیات ہیں -

[میر علی شیر] - مذکورہ میر زکریا کے فرزند میر علی شیر

تحفة الکرام

بزرگوں کی موروثی صفات سے موصوف ہوئے [اپنے بعد] انہوں نے تین بیٹے میر اسد اللہ، میر عنایت اللہ اور میر بزرگ یادگار چھوڑے۔

[میر شہباز علی]۔ ان میں سے میر بزرگ نے اپنا ایک بیٹا شہباز علی ملقب بہ علی شیر [یادگار] چھوڑا، جو تا حال حیات سنا گیا ہے۔

[میر اسد اللہ]۔ مذکورہ میر اسد اللہ کا نواسہ میر اسد اللہ ایک لائق جوان ہے میاں محمد مراد یاب خان کے [شہر] مراد آباد میں [راقم الحروف نے] اسے دیکھا تھا۔ شاعر مزاج تھا۔ تخلص کی خواہش ظاہر کی چنانچہ نام کی مناسبت سے [میں نے اس کا تخلص] ”ساقی“ [قرار دیا] اور اسی مناسبت سے سجع ”اسد اللہ ساقی“ کوثر [قرار دیا]، جسے اس نے قبول کیا۔ سنا ہے کہ تا حال وہ حیات ہے۔

[میر محمد یعقوب حکیم]۔ یہ اصل میں سکھر کے میرکوں کے نواسے ہیں۔ محمد شاہ بادشاہ کی حکومت کے ابتدائی زمانے میں ملتان سے سکھر آئے۔ پرانا رشتہ ہونے کی وجہ سے میرک سید تقی الدین نے انہیں اپنی فرزند (دامادی) میں قبول کیا۔ تقریباً تیس سال تک انہوں نے یہاں طبابت کی۔ میں نے (مولف کتاب نے) انہیں مراد آباد میں دیکھا تھا بزرگوں کی وضع میں تھے۔

### اروڑ

یہ ایک قدیمی شہر اور رائے خاندان کا پایہ تخت تھا۔ مہران [دریائے سندھ] کے کنارے آباد تھا۔ اس میں طرح طرح

کے باغات تھے جس کی وجہ سے سارے سندھ میں ممتاز تھا۔  
[آخرکار] زمانہ گزرنے کے بعد، جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے۔  
دلورائے کے مظالم [۳۳۰] کی پاداش میں دریا [اس سے] دور  
ہٹ گیا اور [یہ شہر] ویران ہو گیا۔ اس کے بعد سے یہ  
[سر زمین] بکھر کے پرگنہ میں شامل ہے۔

[قاضی اسماعیل]۔ قاضی اسماعیل بن علی بن محمد بن موسیٰ  
بن طائی، بن موسیٰ بن یعقوب بن طائی بن محمد بن شریبان بن  
عثمان کی اولاد میں سے ہیں، جنہیں محمد بن قاسم نے اس شہر  
کا قاضی اور خطیب مقرر کیا تھا۔ ان کی اولاد میں یہ عہدہ  
پشت بہ پشت منتقل ہوتا چلا آیا ہے۔ قاضی اسماعیل سنہ ۵۶۰۰  
میں ایک نامور بزرگ تھے۔ آج کے ساکن علی بن حامد کوفی  
نے، اس تذکرہ کا جو ان بزرگ کے پاس سندھ کے حالات پر عربی  
زبان میں بزرگوں سے چلا آتا تھا، [فارسی میں] ترجمہ کر کے  
ایک بڑا رسالہ تیار کیا۔

[شیخ محمود قطب]۔ یہ ہا صفا بزرگ آسمان عرفان کے قطب  
اور مخدوم جلال الدین جہانیاں کے درید تھے۔ ان کا مزار اس  
سر زمین کے عوام و خواص کی مشہور زیارت گاہ ہے۔

[چھٹو امرانی]۔ یہ اروڑ کے آخری راجاؤں میں سے راجہ  
دلورائے کے بھائی امر کے فرزند تھے اور جیسا کہ اروڑ اور  
برہمناباد کی ویرانی کے قلعے میں بیان ہو چکا ہے، یہ وہاں سے  
ہجرت کر کے سیوستان میں آکر رہے اور وہیں دفن ہوئے۔  
آج تک [ان کا مزار] اہل اللہ کی زیارت گاہ ہے۔

[قاضی متاہر]۔ عہد قدیم کے ناموروں میں یہ انتہائی

بزرگی سے موصوف تھے۔ اروڑ [کا محکمہ] قضا اور بکھر کا احتساب ان کے سپرد تھا۔

### سیوی

اس کا قدیمی نام سویس [ہے]۔ یہاں رہنے والی قوم عہد قدیم میں ”سویس“ کے لقب سے مشہور تھی۔ اس کی راجدھانی کا نام ”کا کا راج“ تھا۔ طویل مدت گذرنے [۳۳۱] کے بعد اس کا لقب سیوی ہو گیا اور یہ خطہ بکھر کی حکومت میں شامل ہو گیا۔ خراسان کی سرحد پر یہ ایک نہایت اہم درہ ہے۔ یہاں کثیر عجائبات ہیں۔ ان میں سے ایک، قطب کی جانب دکھائی دینے والا گنبد ہے۔ یہ ایک طلسم ہے جسے پرانے لوگوں نے بنایا ہے۔ گنبد کا نام ”مارو کھری (۱)“ ہے جب کوئی آدمی اس کے قریب جاتا ہے تو اسے وہاں کچھ نظر نہیں آتا [اور وہ گنبد نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے]۔ ایک مرتبہ سلطان محمود خان بکھری دو تین ہزار آدمیوں کو ساتھ لے کر اور ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر اس پہاڑ کی چوٹی تک گیا لیکن گنبد نہ ملا اور نہ ایسی کوئی دوسری چیز ہی نظر آئی۔ کہتے ہیں کہ یہاں حزانہ مدفون ہے اور پرانے زمانے میں کسی درویش کو وہاں سے کچھ دستیاب ہو گیا تھا جس کے بعد کتنے ہی لوگ اسی امید پر اس کی طرف گئے لیکن ناکام واپس ہوئے۔

(۱) تاریخ معصومی میں اس گنبد کا نام ”مارو کھیر“ تحریر ہے۔

اور حاشیہ پر درج ہے کہ نسخہ ”م“ میں ”مارو کھیری“ اور نسخہ ”ح، ر، س“ میں ”مارو کھری“ ہے۔

[سیوی کا] قلمہ ایک پہاڑی کے دامن میں واقع ہے۔ اس کے سارے پتھر گول ہیں۔ کتنی ہی زمین کھودی جاتی ہے لیکن ایسے ہی پتھر برآمد ہوتے ہیں۔

سیوی کے نواح میں ”چتر“ نامی ایک ایسا خطہ ہے جس میں کہاس کے ہودے پیر کے درخت جتنے اونچے ہوتے ہیں اور لوگ ان پر چڑھ کر کہاس چنتے ہیں۔ ان میں سے ہر ہودے پر بالشت بالشت بھر کے تقریباً دو سو سانپ چپٹے ہوتے ہیں۔ کہاس چنتے وقت ہودوں کو [لکڑی سے ٹھونک کر] جھاڑتے ہیں تاکہ سانپ الگ ہو جائیں۔ جسے سانپ ڈس لیتا ہے اس کے زخم کو استرے سے شکاف دے کر کوئی [دوسرا شخص] زہر کو منہ سے چوس کر نکال لیتا ہے۔ اس تدبیر کے بغیر سانپ کا ڈسا ہوا آدمی مرجاتا ہے۔ [۳۳۲]

سیوی کے نشیب میں ایک [چھوٹا] دریا بہتا تھا۔ جو بھی اس کا پانی پیتا تھا وہ بیمار ہو جاتا تھا، گویا کہ اس کا گذر کندھک کی کان پر سے تھا۔ اس بیماری سے اکثر لوگ مرجاتے تھے۔ اکبر بادشاہ کے زمانے میں [اس دریا میں] ایک سیلاب آیا جس نے کندھک کے چشموں کو ہا تو دبا دیا، ہا بہا لے گیا۔ اس کے بعد یہ مرض بہت کم ہو گیا۔ وہ پانی ایک خطے پر جسے سرواہ (۱) کہتے ہیں اکھٹا ہو کر زراعت کے کام آتا ہے اور باقی ماندہ پانی بہتا ہوا جاکر منچھر جھیل میں، جو سیوستان میں ہے، داخل ہو جاتا ہے۔ قدیم زمانے میں۔

(۱) یہ سرواہ کا خطہ پچاس کوس دور تھا۔ دیکھئے تاریخ



اس ندی کے کناروں پر بے مذکورہ قسم کے سانپ بکثرت پائے جاتے تھے جن کا ڈسا ہوا مشکل ہی سے کوئی بچتا تھا۔ اسی وجہ سے یہاں کے باشندے کشادہ اور لہی شلواریں پہنا کرتے تھے (۱)۔

سیوی کے میدان میں کتنے ہی قلعے اور بستیاں تھیں جو اب ویران ہیں۔ سیسم کا قلعہ، جس میں اسلامی فتوحات کے بعد سیوستان کا والی بچھرا جا کر پناہ گزین ہوا تھا، اور جسے محمد بن قاسم کی فوج نے فتح کر لیا تھا، [اور اس کے علاوہ] بھلطور، سالوج اور قندابیل کے قلعے، جن میں سیسم سے فرار ہو کر جانے والوں نے پناہ لی تھی اور بالآخر امان حاصل کر کے حاضر ہو گئے تھے، انہی میں سے ہیں۔ یہاں تند ہوائیں چلتی ہیں۔ سیوی، بکھر، سیوستان اور سیٹپور کے وسط میں ”بارکان“ نامی ایک خطہ تھا جہاں کے گھوڑے عراقی گھوڑوں سے کمتر نہ ہوتے تھے۔ [گھوڑی کا] بچہ جب اپنی ماں سے الگ ہوتا تھا تو اس کے تھان میں پتھریاں بچھا دیتے تھے اور ایک سال تک وہ انہی پتھریوں پر پھرتا رہتا تھا جس کی وجہ سے اس کے سم پتھر کے سے [سخت] ہو جاتے تھے اور ان میں نعل لگانے ضرورت باقی نہ رہتی تھی۔ [۳۳۳]

موضع چتر میں کچھ لوگ رہتے تھے جنہیں ”سادات کھیری“ کہتے تھے۔ ان کی وجہ تسمیہ یہ تھی کہ کھیر ایک درخت

(۱) میر معصوم نے اس مقام پر ”از ہارچہ لک“ (لاکھ کے

کپڑے کی) کے الفاظ زائد تحریر کئے ہیں۔

(تاریخ معصومی ص ۱۲۹)

کا نام ہے اور ان کے بزرگوں میں سے کسی نے اس پر چڑھ کر اور چابک مار کر اسے گھوڑے کی طرح چلایا تھا۔

گنجاہ کے پہاڑوں میں سے ایک کا دامن ایوان کی طرح آگے کو پھیلا ہوا ہے (۱)۔ اس میں ایک لوہے کا ہنجرہ لٹکا ہوا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس میں ایک چتر (۲) رکھا ہوا ہے۔ [لیکن] کوئی شخص اس تک نہیں پہنچ سکتا۔ اگر پہاڑ کے اوپر سے (۳) رسہ لٹکا کر کوئی آدمی اس کی طرف جاتا ہے تو وہ وہاں سے ہٹ جاتا ہے اور اگر نیچے سے [چڑھ کر] جانا چاہتے ہیں تو [وہاں تک پہنچ نہیں سکتے کیونکہ] اس پہاڑ کی چوٹی چکنی اور ایک ہی چٹان (۴) کی ہے۔

میوی سے آس طرف گنجاہ، ہاٹ اور دریا کے کنارے تک

(۱) میر قانع کی عبارت اس موقع پر بڑی پیچیدہ ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ ”و قریب گنجاہ در دامن کوہ ایوانے پیش رفتہ“۔ لیکن تاریخ معصومی کی عبارت اس جگہ (ص ۱۳۰) یوں ہے:

”و در یکے از کوہائے گنجاہ دامن او در رنگ ایوان پیش رفتہ“

(۲) اس مقام پر تاریخ معصومی (ص ۱۳۰) میں ”چیزے“ (کوئی چیز) کا لفظ ہے لیکن میر قانع نے ”چترے“ لکھا ہے۔

واللہ اعلم بالصواب۔

(۳) اس مقام پر تحفة الکرام میں غالباً کاتب کی سہو کی وجہ سے ”از پائے کوہ“ لکھا ہے جو صحیح نہیں ہے تاریخ معصومی میں ”بالائے کوہ“ ہے۔ ترجمہ اسی پر مدار رکھتا ہے۔

(۴) تحفة الکرام میں ”یکتارہ“ لکھا ہے جس کے یہاں کوئی معنی پیدا نہیں ہوتے صحیح ”یکپارہ“ ہے جیسا کہ تاریخ معصومی (ص ۱۳۰) میں مرقوم ہے۔ ترجمہ اسی کے مطابق ہے۔

[کا علاقہ] صحرا (لقی و دق ویرانہ) ہے۔ (۱)۔ قندھار کا راسخہ [اسی] [۳۳۴] صحرا سے ہو کر جاتا ہے۔ اس کا طول دریا سے لے کر سیوی تک سو کوس اور عرض ساتھ کوس ہے۔ اس خطے کے بیشتر حصے میں گرمیوں کے زمانے میں باد سموم چلا کرتی ہے۔

مخفی نہ رہے کہ اس خطے اور پہاڑ میں کوئی بھی قابل ذکر شخص نظر نہیں آیا اس لئے اس پہاڑ کے ذکر سے روگردانی کرتے ہوئے تعلقہ بکھر کے علاحدہ علاحدہ مقامات پر رہنے والے بزرگوں کے بارے میں معلومات کے مطابق بیان کیا جاتا ہے۔ لیکن راہ تحقیق مسدود نہیں ہے جو کچھ بھی اس کے بعد علم میں آئیگا وہ کتاب میں داخل کیا جائیگا۔ دوستوں سے بھی یہی درخواست ہے کہ اگر انہیں مزید علم ہو تو اسے ان اوراق میں شامل کر کے وہ ضرور مستحق احسان اور ”عیند“ ذِکْرُ الصَّالِحِينَ تَنْزِلُ الرَّحْمَةُ“ (۲) کے ثواب کے مزید حقدار ہونگے۔ اللہ پاک پر بھروسہ ہے اور وہی میرے لئے کافی ہے۔

### بکھر

یہ بکھر تعلقہ کا ایک موضع ہے جس میں سادات روہڑی

- 
- (۱) اس مقام پر بھی تاریخ معصومی (ص ۱۳۰) کا بیان زیادہ واضح ہے یعنی ”سیوی اور گنجاہ کی زمین اس طرح ہے کہ سیتپور کے پہاڑوں کی قطار دریا کے کنارے سے ہوتی ہوئی سیوی اور گنجاہ کے ہاٹ تک چلی گئی ہے اور پھر وہاں سے نصف دائرے کی شکل میں آکر دریا کے کنارے سے مل گئی ہے۔ درمیان کا سارا خطہ صحرا ہے۔“
- (۲) ”یعنی صالحین کے ذکر سے رحمت نازل ہوتی ہے۔“

کے برادران سکونت پذیر ہیں ان کے بزرگ سید میر تھے۔

[سید میر] یہ بڑے برگزیدہ اور محتاز بزرگ تھے۔

[سید شاہ مردان] ان کے فرزند سید شاہ مردان کی کثیر اولاد

ہوئی۔ زمینداروں کے طور طریق کے ساتھ انہوں نے بڑی شہرت کی زندگی گزاری ہے۔

[میر علی شیر] ان کی اولاد میں میر علی شیر نے [بزرگوں کی عظمت کا] نشان بلند کیا۔

[سید لطف علی] اب ان کے بھتیجے سید لطف علی سر بلندی، وجاہت اور شوکت کے آئینہ دار ہیں اور با رعب زمینداری حیثیت سے زندگی گزار رہے ہیں۔ [۳۳۰]

[سید میر] سید علی شیر ابن شاہ مردان کے بھتیجوں میں سید میر بھی ایک طاقتور شخص ہیں۔ سابقہ زمانے سے ان چچازاد بھائیوں میں ان بن اور مخاصمت چلی آتی ہے اور یہ دونوں گھرانے شادی یا غمی جیسی برادری کی رسموں کے علاوہ آپس میں کوئی بھی سلوک روا نہیں رکھتے۔ دونوں فریق دو الگ الگ گروہوں میں تقسیم ہیں اور ان میں کافی مرد موجود ہیں۔

کھوٹو (کھوٹکی)

یہ بکھرے تقریباً بیس کوس کے فاصلے پر ایک قصبہ ہے۔ یہاں کے بزرگ ہیں:

[موسن شاہ]۔ جنہوں نے زمینداری اور قیصری کے ساتھ

با عزت زندگی گزاری اور اس خطے میں احکام خداوندی [کی تبلیغ] اور سنت نبوی کی ترویج میں اپنا نام چھوڑ گئے۔ احمد شاہ درانی جب اس پر گنہ میں آیا تھا تو ان کی زیارت

کے لئے بھی آیا تھا ۔ جب تک وہ حیات رہے خورد و کلاں  
سب ان کے معتقد رہا کرتے تھے ۔

[کہہڑا]

یہ روہڑی سے تقریباً بیس کوس کے فاصلہ پر اسی طرف (۱)  
ایک قصبہ ہے ۔

[قاضی عبدالرحمان] - اوامر و نواہی کے یہ بڑے پابند تھے ۔  
دینی فیصلوں کے بارے میں ہمیشہ کوشاں رہتے تھے اور احیائے  
سنت میں بڑا مبالغہ کرتے تھے ۔ ایک بڑی جماعت ان کے  
اشارے پر چلتی تھی ۔ بالآخر وہ ایک با ہدایت جماعت کے  
ساتھ [۳۳۶] مسجد میں نماز پڑھتے ہوئے حمایت اسلام میں  
شہید ہوئے اور یہیں دفن کئے گئے (۲) [۳۳۷]

(۱) یعنی ٹھٹھہ کی جانب ۔

(۲) قاضی عبدالرحمان جنہوں اب مخدوم عبدالرحمان شہید کے نام  
سے یاد کیا جاتا ہے، ان کا سلسلہ نسب حضرت رسول کریم صلی اللہ  
علیہ وسلم کے محترم چچا حضرت عباس سے ملتا ہے ۔ اس طرح :

مخدوم عبدالرحمان شہید بن مخدوم محمد بن مخدوم محمد عاقل  
بن مخدوم عبدالخالق بن مخدوم یحییٰ بن مخدوم جمال الدین بن مخدوم  
اسد اللہ بن مخدوم احمد بن مخدوم محمد بن سیدنا (یہ نام دیمک چٹ  
کٹی ہے اور پڑھا نہیں جا سکا) بن سیدنا عبید اللہ بن جمال الدین محمد  
بن عبد اللہ بن سید ابراہیم شہید بن اسحاق بن معرف بن محمد بن عبد اللہ  
بن علی بن سیدنا عبد اللہ بن سیدنا عباس عم النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ۔  
اس خاندان کے بزرگ اعلیٰ سیدنا ابراہیم شہید، خلیفہ معتصم  
باللہ عباسی کے عہد حکومت میں بغرض اشاعت دین بغداد سے سندھ  
(دیکھئے حاشیہ ص ۴۱۵)

[قاضی محمدی اور قاضی احمدی] - ان کے فرزند قاضی محمدی

اور قاضی احمدی والد کے دستور کے مطابق رسومات دین کے اجرا

(بقیہ حاشیہ ص- ۴۱۴)

تشریف لائے اور آکر حیدرآباد کے قریب جیسے پہلے نیروں کوٹ کہتے تھے، کلور نامی ایک ٹیلے پر رہائش اختیار کی اور وہیں سنہ ۱۲۳۸ میں وفات پائی۔

ان کی اولاد میں ایک بزرگ مخدوم اسد اللہ نامی اکبر کے زمانے میں سندھ کے قاضی القضاۃ مقرر ہوئے جنہوں نے سندھ کا دورہ کرتے ہوئے حدود ریاست خیبرپور کے موضع پیری میں سنہ ۱۹۶۶ میں وفات پائی۔ ان کی وفات کے بعد ان کے بڑے فرزند مخدوم جمال الدین نے پیری میں سکونت اختیار کی۔ ان کے بعد ان کے فرزند مخدوم یحییٰ نے بھی وہیں وفات پائی۔ ان بزرگوں کی مسجد اور مزارات موضع پیری میں آج تک قائم اور عوام و خواص کی زیارت گاہ ہیں۔

مخدوم یحییٰ کے فرزند مخدوم عبدالخالق نے پیری سے منتقل ہو کر شہر کھمڑہ کی سکونت اختیار کی جہاں ان کی اولاد آج تک موجود ہے۔ مخدوم عبدالرحمان شہید انہی عبدالخالق کے بڑے پوتے ہیں۔ انہوں نے علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل اپنے والد بزرگوار مخدوم محمد علیہ الرحمۃ کی خدمت میں کی اور اس کے بعد ان کے مسند پر متمکن ہو کر تبلیغ اسلام اور شرک و بدعت کی بیخ کنی میں مشغول رہے۔

”تذکرہ مخدوم کھمڑا“ کے مصنف نے مخدوم عبدالرحمان کی صلاحیت دینی اور استقامت شرع کے متعدد واقعات کا ذکر کیا ہے۔ وہ ایک جید عالم، صاحب کرامت بزرگ اور ولی اللہ تھے۔ صاحب تذکرہ نے ان کی کئی کرامتیں تحریر کی ہیں۔ سنہ ۱۱۳۵ھ میں وہ ۲۲۲ افراد کے ساتھ میان نور محمد کلہوڑا کے لشکر کے ہاتھوں شہید

(بقیہ حاشیہ ص- ۴۱۶)

کے لئے کوشاں رہے۔ اس وقت قاضی احمدی (۱) حیات میں۔  
[۳۳۸]

[عبدالرؤف منشی]۔ بعض لوگوں کے کہنے کے مطابق یہ ،  
ہیں کے اور بعضوں کے مطابق [بوضع] ہنگورجہ کے باشندہ تھے۔  
بہر حال یہ سہتہ قوم کے فرد سنے جاتے ہیں۔ فن انشا میں یہ  
[اپنے] وقت میں بے نظیر تھے۔ پہلے یہ خانپور اور سیوی کے  
حاکم بختیار خان [کے پاس ملازم رہے] اور پھر نواب خدایار خان  
کی سرکار میں ملازم ہو کر منشیوں کے سرگروہ [۳۴۹] اور وزرا  
کی فہرست میں داخل ہوئے۔ ان کی انشا آج کل بھی کتنی  
ہی جلدوں میں رائج اور منشیوں کا دستور العمل ہے۔

(بقیہ حاشیہ ص ۴۱۵)

ہوئے۔ [مصرعہ ہائے] ”کانوا غازیں“ اور ”ہٹے ہٹے ستون سندھ لتاد“  
ہے ان کی تاریخ شہادت نکلتی ہے۔ ان کی شہادت کی داستان طویل ہے۔  
مخدوم غلام محمد بگائی نے جن کے [منظوم] معجزے اور مولود آج بھی  
عام طرح کا کر روحانی سرور حاصل کیا جاتا ہے، یہ داستان سندھی  
[زبان] میں نظم کی ہے اور یہ ”میاں غلام محمد بگائی کی سندھی“  
کے نام سے سندھ میں مشہور ہے۔

(۱) مخدوم عبدالرحمان کی شہادت کے وقت ان کے فرزند اکبر، میاں  
محمدی کی عمر دو سال اور فرزند اصغر میاں احمدی کی عمر ایک سال  
کی تھی۔ تاریخ آئینہ جہاں نما کا مصنف مخدوم محمدی کے بارے میں  
لکھتا ہے کہ انہیں ظاہری و باطنی علوم اپنے والد بزرگوار کی توجہ  
سے حاصل ہوئے تھے۔ وہ اویسی سلسلے کے ایک ممتاز شیخ اور  
مادر زاد ولی اللہ تھے۔ انہوں نے اپنے والد کی شہادت کے بعد سات سال  
(دیکھئے حاشیہ ص ۴۱۷)

[عبداللہ منشی]۔ ان کی وفات کے بعد ان کے ہوتے میاں عبداللہ منشی نواب کی ملازمت میں ان کے قائم مقام ہوئے اور مراد یاب خان کے زمانے میں انتقال کر گئے۔ [۳۴۰]

(بقیہ حاشیہ ص ۴۱۶)

کی عمر میں قرآن شریف حفظ کیا۔ ان کی تعلیم کے لئے سندھ کے مشہور و معروف علامہ مخدوم ابوالمعالی نوشہروی کو تکلیف دی گئی۔ لیکن وہ کتاب کھول کر جو بھی مشکل سے مشکل مقام (سبق) نکال کر مخدوم محمدی کو پڑھانا چاہتے تو وہ فی البدیہہ (سبق پر) ایسی کافی و شافی تقریر کرتے کہ مخدوم ابوالمعالی حیران رہ جاتے۔ آخر کار انہوں نے قرآن، حدیث اور تفسیر وغیرہ جملہ علوم عقلی و نقلی کی کتابوں میں سے ایسے ایسے مشکل مسئلے بھی جن کے حل کرنے سے خود ان کتابوں کے شارح بھی معذور تھے، مخدوم محمدی سے دریافت کئے۔ انہوں نے ان مسائل کے متعلق بھی ایسی جامع و مانع تقریریں کیں کہ مخدوم ابوالمعالی کی زبان سے بے اختیار یہی نکلا کہ ”اس صاحبزادہ کو تو خضریٰ تعلیم اور اس کے مدد سے علم لدنی حاصل ہے، میرے رہنے کی کوئی ضرورت نہیں“۔ اس کے بعد رخصت لے کر نوشہرہ واپس چلے گئے۔

”آئینہ جہاں نما“ اور ”تذکرہ مخادیم کھہڑا“ میں مخدوم محمدی کی فصاحت و بلاغت اور نکتہ آفرینی کی کئی مثالیں مذکور ہیں۔ مثال کے طور پر ایک مرتبہ آپ حویلی کے اندر تشریف رکھتے تھے کہ ایک دوست نے جو ملاقات کھلنے آیا تھا [پرچہ] لکھ بھیجا کہ ”حضرت! آفتاب گرم می شود رخصت فرمایند“۔ آپ نے جواب تحریر فرمایا کہ ”تجنیس گرم (کرم) مطلوب است مبادا بہ تقلیب آن (مرگ) تاسف خورند“۔

(بقیہ حاشیہ ص ۴۱۸)



[محمد حفیظ]۔ آج کل مذکورہ میاں عبدالرؤف کے بھائی محمد حفیظ جو ایک لایق شخص ہیں، میاں غلام شاہ [کلھوڑا] کی ملازمت میں ہیں۔

(بقیہ حاشیہ ص ۳۱۷)

سندھ کے زندہ جاوید ولی اور شاعر شاہ عبداللطیف، مخدوم محمدی کے ہم عصر تھے۔ ”تذکرہ مخادیم کھہڑا“ کا مصنف لکھتا ہے کہ ایک مرتبہ سیر کرتے ہوئے شاہ بھٹائی کھہڑے کی طرف آنکلیے اور آکر شہر کے باہر میاں چنیہ کے کنویں پر منزل انداز ہوئے۔ (میاں چنیہ ذات کا ”اجن“ اور مخدوم محمدی کے والد میاں عبدالرحمان شہید کا خنیفہ تھا) اس کی اولاد آج تک شہر کھہڑے میں موجود ہے۔ مخدوم صاحب تر اس کی اطلاع ہوئی تو ایک آدمی کی معرفت انہوں نے دعوت کھلا بھرحی۔ اس پر شاہ صاحب نے یہ بیت جواب میں ارسال کی:

”اج نہ آس آء“ (اؤں) صبح ایندس سہرین  
تونی (تے) جنہن جو نانء“ (ناؤں کھٹے) کٹی بار کھین (کھین) جو“  
میں آج تو نہ اسکا میرے حبیب، لیکن کل ضرور آؤنکا، کیونکہ تم اس کے ہمنام ہو جو بے سہاروں کا سہارا ہے)

دوسرے دن صبح کے وقت شاہ صاحب مخدوم کے پاس تشریف لے گئے اور پورا ہفتہ مخدوم صاحب کے مہمان رہے۔ دونوں بزرگوں کی باہم بڑی صحبتیں رہیں اور وہ ایک دوسرے کے حال سے باخبر ہوئے۔ اس کے بعد رخصت حاصل کر کے شاہ صاحب مخدوم صاحب کو دعائیں دیتے ہوئے روانہ ہو گئے۔ مخدوم محمدی نہایت با رعب، شریعت کے جان نثار اور صاحب استغنا بزرگ تھے۔ تذکرہ مخادیم کھہڑا میں ان کے متعدد مناقب مذکور ہیں۔ ۱۱۷۳ھ میں انہوں نے وفات پائی۔ (دیکھئے حاشیہ ص ۳۱۹)

شکارپور

روہڑی کے قریب داؤد پوٹہ قوم کا آباد کردہ شہر ہے اور  
 آج کل خود مختار حکومت کا دارالحکومت ہے۔ [۳۴۱]  
 [سید محمد تقی بخاری]۔ یہاں کے لوگوں میں سید محمد  
 تقی بخاری [اپنے] وقت کے [مقتدر] بزرگ ہو گذرے ہیں۔  
 عوام و خواص ان پر بڑا اعتقاد رکھتے تھے۔ [۳۴۲]

(بقیہ حاشیہ ص ۴۱۸)

ان کی تاریخ وفات مندرجہ ذیل قطعے سے لگتی ہے۔  
 بہشتم از ربیع الاول اور رفت ز تاریخ بن ہانف چنین گفت  
 دوشنبہ چونکہ باز آمد ز حانوت مقام روح پاکش جائے لاهوت  
 (ماخذ از آئینہ جہاں نما و تذکرہ مخادیم کھمڑا)

مخدوم احمدی خدائی اپنے بزرگ بھائی مخدوم محمدی کی وفات  
 کے بعد سنہ ۱۱۷۴ھ میں مسند شریعت پر متسکن ہوئے اور ترویج  
 شریعت، سنت نبوی کی احیاء اور شرک و بدعت کی بیخ کنی کی سہم  
 نہایت شان و شوکت اور رعب و داب کے ساتھ جاری رکھی۔ انہیں  
 ظاہری و باطنی فیض سید پیر موسیٰ شاہ گھوٹکی والے سے حاصل ہوا  
 جنہوں نے مخدوم عبدالرحمان شہید سے فیض حاصل کیا تھا۔ مخدوم  
 احمدی قادری طریقت کے ایک مرشد کامل ہو گذرے ہیں۔ سندھ کے  
 ہیشمار ہاشمئے انہی کے فیض کے چشمہ شیریں سے سیراب ہوتے  
 رہے ہیں۔

سلطان احمد شاہ ابدالی ان بزرگ کا بڑا معتقد تھا اور ہندوستان  
 جاتے ہوئے دعا خواہی کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور  
 فقیروں کے اخراجات اور لنگر وغیرہ کے لئے تحصیل کڑھی یاسین ضلع  
 سکھر کے مواضع، مرزان پور، نوآباد، وکڑ اور جرم وغیرہ بطور  
 (دیکھئے حاشیہ ص ۴۲۰)

[سید ابو طالب اور سید میر محمد] - ان کے فرزند سید ابو طالب اور سید میر محمد وہاں مشہور ہیں -

(بقیہ حاشیہ ص ۱۹۴)

جاگیر عطا کئے تھے - [یہ مواضع] آج تک مخدوم صاحب کے ورثا کے تصرف میں ہیں -

راشدی پیروں کے مورث اعلیٰ حضرت پیر محمد راشد صاحب انہی مخدوم کے شاگرد تھے - سنہ ۱۲۰۰ھ کے آخر میں سلطان غازی تیمور شاہ نے پنجاب پر حملہ کیا جس کی وجہ سے شاہی لشکر کی آمد و رفت سندھ سے ہونے لگی اور ملک میں سخت قحط کی حالت پیدا ہو گئی - یہ حالت دیکھ کر مخدوم صاحب نے اس مسجد شریف کی تعمیر کا کام شروع کرادیا جس میں ان کے والد بزرگوار مخدوم عبدالرحمان شہید ہوئے تھے - اس مسجد کی چھت پہلے کچی تھی - مخدوم احمدی نے ملتان سے کاریگر بلوا کر پہلے تو جڑ تک اس کی بنیاد کھدوائی اور چوڑے گارے میں خپٹ جدید ملا کر اس مرکب سے انتہائی مضبوط بنیادیں بھروائیں اور اس کے بعد تین گنبدوں کی نہایت مضبوط مسجد تعمیر کرائی - اسی طرح اپنے والد بزرگوار مخدوم عبدالرحمان شہید کے سوا ہر بھی ایک عالیشان مقبرہ تعمیر کرایا - مسجد اور مقبرہ سنہ ۱۲۰۱ھ بن کر تیار ہوئے - ان کی تاریخ تعمیر ذیل کے قطعے سے نکلتی ہے :

دانی کہ چیست قہ چون مشعل فروزان  
نور خدا مجسم بر تربت شہیدان  
تاریخ سال تعمیر از غیب دوش جستم  
عرش خدا ہویدا هاتف بگفت انسان

۱۲۰۱ھ

(ماخوذ از تذکرہ مخادیم کھڑا)

یہ مسجد شریف اور مقبرہ آج تک (سنہ ۱۳۷۳ھ) موجود ہیں اور

(بقیہ حاشیہ ص ۱۹۴)

[حاجی فقیر اللہ]۔ یہ باہر کے ہیں لیکن طویل عرصے سے

یہاں کے لوگ انہی سے رجوع کرتے ہیں۔ پیری مریدی اور تعلیم کے سلسلے کو انہوں نے حد تک پہنچا دیا ہے۔ بے شک یہ صاحب حال اور اعلیٰ صفات سے ممتاز [بزرگ] ہیں۔ وہاں کے حاکم ان کی خدمت میں مریدانہ ارادت رکھتے ہیں۔ [۳۴۳] وہ بادشاہ کو پہچانتے ہیں (خدا شناس ہیں؟) اور اوامر و نواہی

(بقیہ حاشیہ ص ۴۲۰)

[دونوں] بارہویں صدی کی تعمیری قابلیت کے ایسے عجیب و غریب نمونے ہیں جو مغل شہنشاہوں کی تعمیرات سے ٹکر لے سکتے ہیں۔ اسی مسجد اور مقبرے [کی تعمیر] کے کام کے بہانے مخدوم احمدی نے دیگیں چڑھوا دیں اور چھوٹا بڑا، جوان بوڑھا، عورت مرد غرض جو بھی آتا اسے کھانا اور رواج کے مطابق ”روزینہ“ عطا ہوا کرتا۔ باوجودیکہ آمدنی کا کوئی ظاہری ذریعہ نہ تھا لیکن غیبی امداد ایسی ہوئی کہ مخدوم صاحب کو کبھی خرچ کی تکلیف یا کسی لاحق نہ ہوئی۔ پھر جب مسجد اور مقبرہ بن کر تیار ہو گئے تو انہوں نے بادشاہ تیمور شاہ کو عوام کی تکلیف کے بارے میں لکھ کر لوٹ مار اور بیگار وغیرہ کی جملہ تکالیف سے آزاد کر دینے کی درخواست کی۔ بادشاہ نے یہ درخواست قبول کر کے معافی کا پروانہ جاری کیا جو ”آئینہ جہاں نما“ اور ”تذکرہ مخادیم کھمڑا“ میں من و عن نقل ہے۔ مخدوم احمدی کے زمانے میں بنہاد شریف سے حضرت پیران پیر رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے دو بھائی محمد شاہ اور احمد شاہ نامی سندھ میں آئے۔ لیکن میان غلام شاہ نے انہیں نہ رہنے دیا کیونکہ اسے شک تھا کہ یہ سلطان ترکی کے جاسوس ہیں اور ملک کے حالات معلوم کرنے آئے ہیں۔ میان غلام شاہ کی وفات کے بعد وہ دونوں پیر پھر [سندھ] آئے اور آکر براہ راست مخدوم صاحب کے سپہان ہوئے۔ مخدوم میان (دیکھئے حاشیہ ص ۴۲۲)

کے لئے ہمیشہ کوشاں رہتے ہیں۔ لوگ ان کے بڑے معتقد ہیں (۱)۔ [۳۴۴]

### بہرالو

یہ رومڑی سے تقریباً آٹھ کوس کے فاصلہ پر ایک قصبہ ہے۔  
[سید صالح شاہ]۔ یہاں کے لوگوں میں سید محمد صالح  
وقت کے ایک مقتدر پیر ہو گذرے ہیں۔ ان کی توبت مرجع

(بقیہ حاشیہ ص ۴۲۱)

احمدی نے انہیں پورے سال سہ ماہی رکھنے کے بعد گنٹ اور رانی پور  
کے زمینداروں کو بلا کر اور ان سے مکانات لے کر بڑے پیر میاں محمد شاہ  
کو گنٹ میں اور چھوٹے پیر میاں احمد شاہ کو رانی پور میں آباد کیا۔  
آج تک ان دونوں پیروں کا خاندان گنٹ اور رانی پور میں موجود ہے۔  
مخدوم احمدی نے سنہ ۱۲۰۳ھ میں وفات پائی۔ ان کی وفات کے موقع  
پر وقت کے نصیح و بلخ شعرا نے بہت سے مرثیے کہے جو تذکرہ  
مخادیم کھڑا اور آئینہ جہاں نما میں موجود ہیں۔ ان کی تاریخ  
وفات "احمدی را مقام شد چنات" اور "کان ویا ملجاء الضمفاء" سے  
نکلتی ہے۔ مخدوم میاں احمدی کے ایک فرزند مخدوم محمد عاقل ناسی  
تھے جو خود بھی اپنے وقت کے جید عالم ولی کامل اور پابند شریعت  
[بزرگ] تھے۔ یہ سندھ کے مشہور و معروف ولی اللہ مخدوم محمد اسماعیل  
پربالو والے کے داماد تھے۔ کھڑے کے موجودہ مخادیم سب انہی کی  
اولاد ہیں۔

(۱) حاجی فقیر اللہ بن عبدالرحمان علوی جلال آباد کے قریب ایک  
چھوٹے سے گاؤں روقاس میں پیدا ہوئے۔ ان کا سلسلہ نسب امام محمد  
بن حنفیہ کی وساطت سے حضرت علی تک پہنچتا ہے۔ حاجی صاحب  
موصوف علوم ظاہری و باطنی کے ماہر تھے۔ انہیں شاہ محمد مسعود  
(بقیہ حاشیہ ص ۴۲۳)

خلائی ہے اور زہارت سے ہوام و خواص کی حاجتیں پوری ہوتی ہیں۔

[سید حیات شاہ]۔ مذکورہ صالح شاہ کی اولاد میں سید حیات شاہ ایک صاحب یقین بزرگ ہو گذرے ہیں۔

[سید ولایت شاہ]۔ اس وقت سید حیات شاہ کے پوتے سید ولایت شاہ اس خطے میں مشہور ہیں۔

(بقیہ حاشیہ ص ۴۲۲)

پشاور اور حاجی محمد سعید لاہوری کی جانب سے چاروں طریقوں کی اجازت حاصل تھی۔ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی سے بھی انہوں نے حدیث کی سند اور طریقت کی اجازت حاصل کی تھی۔ وہ باوجودیکہ ”وحدت الوجود“ کے عقیدے کے بانی شیخ محی الدین عربی کے حامی اور مخدوم محمد معین جیسے ”ہمہ اوست“ کا نمرہ بلند کرنے والے بزرگ کے بارگزار تھے لیکن پھر بھی آپ ”وحدت الشہود“ یعنی ”ہمہ از اوست“ کے قائل تھے۔ سندھ کے فرمانرواؤں میں میان نور محمد کلہوڑا کا فرزند میان سرفراز انہی کا مرید اور معتقد تھا۔ اسی طرح بلوچستان کی ریاست قلات کا والی میر نصیر خان بروہی بھی ان کے مریدوں کے زمرے میں داخل تھا۔ احمد شاہ ابدالی نے جب سندھ پر فوج کشی کی تو وہ بھی حاجی صاحب کے فیض اور فیاضی کی خبریں سن کر ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور ضلع سکھر کے کتنے ہی مواضع انہیں لنگر کے اخراجات کے لئے عطا کئے جو آج تک پٹہ کی صورت میں ان کی اولاد کے نام پر چلے آتے ہیں اور ان کی مالگذاری میں سے انہیں بھی حصہ ملتا ہے۔

حاجی صاحب ایک چید عالم اور قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ ان کی

(بقیہ حاشیہ ص ۴۲۳)

### کنگری یا بادشاہ پور

یہ بھراؤیسے چار کوس کے فاصلے پر ایک گاؤں ہے۔  
 [عبدالکریم] - عبدالکریم نامی ایک بزرگ وہاں پیر ہو  
 گذرے ہیں۔ [۳۴۵]  
 [عبدالعزیز]۔ ان کے فرزند عبدالعزیز تاحال اچھی حالت میں  
 بقید حیات ہیں۔

(بقیہ حاشیہ ص ۴۲۳)

تصنیفات میں سے مندرجہ ذیل کتب مشہور ہیں :  
 ۱۔ قطب الارشاد ( یہ کتاب کسی مرید نے کوئٹہ سے چھپوا کر  
 شایع کی ہے )۔

۲۔ طریق الارشاد - ۳۔ جواہر الاوراد - ۴۔ تکمیل المومنین والاولاد  
 ۵۔ فتوحات غیبیہ شرح عقاید صوفیہ - ۶۔ فتح الجمیل فی مدارج التکمیل  
 ۷۔ فتوحات الاهی - ۸۔ براہین النجات من مصائب الدنیا و العرصات -  
 ۹۔ منتخب الاصول - ۱۰۔ وثیقة الاکابر - ۱۱۔ قصیدہ مبرورہ -

ان تصنیفات کے علاوہ حاجی صاحب کے زندہ جاوید شاہکار ان کے  
 مکتوبات ہیں جنہیں ان کی اولاد میں سے ایک فرد فرید سید میر علی نواز  
 علوی نے طبع کرا کے شایع کیا ہے۔ یہ مقتدر بزرگ ۳ صفر سنہ ۱۱۳۵ھ  
 کو شہر شکارپور میں انتقال فرما گئے۔ ان شاگرد میر محمد ”وفا“ لکھوی  
 نے ایک قطعہ تاریخ کہا جو ان کے گنبد پر نقش ہے :

ولی غوث خدا حاجی فقیر اللہ

شدہ بخلد مریم نشین الی الابد

”وفا“ مہ و شب تاریخ وقت سال وصال

بگو سویم صفر و نصف لیلة الاحد

ان کا روضہ مبارک شکارپور میں ”ہاتھی در“ کے اندر عوام و خواص  
 کی زبارت کلمہ ہے۔

### ہالانی

یہ پرانا قصبہ ہے۔

[شیخ طائی]۔ یہ ”جبریہ“ قوم میں سے ہیں ان کا مزار اہل اللہ کی زیارت گاہ ہے اور اس کی زیارت ہر خواہش کے برآئے کا باعث ہے۔

[شیخ کبیر]۔ شیخ کبیر بھی وہاں کے بزرگوں میں سے ہیں۔ ان کی آرام گاہ بھی مرجع خلافت ہے۔

### [بہیلانی]

یہ قصبہ ہالانی کے سامنے واقع ہے۔

[بہر ولی]۔ یہ ایک پیر اس سر زمین میں آرام پذیر ہیں۔ بزرگان دین اور صاحبان یقین ان کے معتقد ہیں۔

[میاں عبداللہ]۔ یہ ”اکرہ“ قوم کے ایک کامل فقیر اور یہاں کے باشندے ہیں۔ سنا گیا ہے اس وقت بقید حیات ہیں۔

### فتح پور

یہ پہلے ”پنوہر“ [قوم] کا شہر تھا۔

[شیخ ترہو]۔ شیخ ترہو یہیں کے باشندے ہیں اور اپنے وقت کے کامل بزرگ اور مقتدر پیر ہو گزرے ہیں۔ ان کا سلسلہ نسب قبیلہ نبی اسد سے ملتا ہے۔ ان کا مزار، با برکت جو حضور [دِل] کی جگہ ہے، مشہور ہے۔

[قاضی برہان]۔ یہ مشہور عارف، آل عقبہ سے منسوب ہیں۔

ان کا مزار مواضع ”پہلجی“ اور ”ککڑ“ کے درمیان واقع ہے۔ اس بزرگ کی زیارت کرنے والوں کی حاجتیں پوری ہوتی رہتی

ہیں۔ [۳۴۶]



### ڈبھرو (دریہ)

یہ ایک مشہور قصبہ ہے۔

[مخدوم عثمان]۔ یہ یہیں کے باشندے ہیں۔ ان کی مرجع

اہل اللہ درگاہ دور دور تک مشہور ہے۔ انہیں رسول اطہر

[صلی اللہ علیہ وسلم] کی بارگاہ کا قاضی کہا جاتا ہے۔

حاجتمند عوام و خاص اپنی مطلب براری کے لئے الہی سے دعا

طلب کر کے فیض پاتے ہیں۔ [۳۴۷]



## پندرھواں باب

سیوستان اور دشت باران پرگنوں کے قصبے اور  
ان کے بزرگ

### سیوستان

اس کو سیوہن اور سہون بھی کہتے ہیں - ہانچویں ولایت میں ہے۔ اس کا طول البلد ”قب نہ“ (۱۵۷) اور عرض البلد ”الول“ (۶۷) ہے۔ یہ ایک قدیم شہر ہے۔ اور ”سندھ“ کی اولاد ”سوارن“ کے نام سے منسوب ہے۔ اس کا قلعہ بیان کردہ چھ قلعوں میں سے ایک ہے۔ اس کے بعد کئی بار اس کی مرمت ہوئی ہے۔ قدیم الایام سے یہ خود مختار دارالحکومت تھا اس کے بعد پھر اروڑ کے راجاؤں اور ان کے بعد ٹھٹے کے حکمرانوں کے زیر نگین رہا۔ شاہ بیگ نے اسے جام فیروز کے قبضے سے چھینا تھا اور مرزا شاہ حسن نے اسے پھر ٹھٹے سے منسلک کر دیا تھا۔ اس کے بعد جب سندھ جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کے دربار کے گورنروں کے قبضے میں آیا تو اسے پھر نئے سرے سے ایک علاحدہ تخت گاہ بنایا گیا۔ اب نواب خدا یار خان کے عہد حکومت

سے یہ پھر قدیم دستور کے مطابق سندھ میں شامل ہے۔

اس کے پہاڑ پر ایک حوض عجائبات میں سے ہے۔ اکثر مریض اس میں غسل کر کے شفا یاب ہوتے رہتے ہیں۔ وہ ہمیشہ اسی طرح لبریز [رہتا ہے] اور یہ معلوم نہیں ہوتا کہ [اس میں] پانی کہاں سے آتا ہے۔ مقررہ دنوں پر ہندو لوگ یہاں آکر پوجا کرتے ہیں۔

دوسرا [عجوبہ] یک ستونی عمارت ہے یعنی پہاڑ میں ایک بڑا حجرہ ایک ستون پر استادہ ہے۔ لوگوں کے اعتقاد کے مطابق یہ قدرتی عمارت ہے۔ یہاں لوگ سیر و صفائی [قلب] کے لئے آیا کرتے ہیں اور اس کی چھت پر چڑھ کر نظارہ کیا کرتے ہیں۔ کہتے ہیں چاروں یاروں یعنی مخدوم جلال جہانیاں، شیخ عثمان مروندی، شیخ فرید اور شیخ بہاؤ الدین نے یہاں بیٹھ کر مکاشفے کئے ہیں۔

شیخ عثمان مروندی - (۱) عرف مخدوم لعل شہباز بن سید کبیر الدین محمد بن سید صدر الدین - امام جعفر صادق علیہ السلام

(۱) میر قانع نے اپنے دستی نسخہ کے صفحہ اول پر ان کا نسب نامہ اس طرح تحریر کیا ہے :

مخدوم عثمان عرف لعل شہباز مروندی بن سید کبیر بن سید شمس الدین بن محمد یحییٰ بن سید ... بن سید محمود شاہ بن سید احمد شاہ بن سید ہادی بن سید مہدی بن سید غالب بن سید منصور بن ... بن امام الجن والانس محمد جعفر صادق علیہ السلام۔ (جن مقامات پر خلا ہے وہ دیمک کے چاٹ جانے کی وجہ سے پڑھے نہیں جا سکے)

کے فرزند اسماعیل کی اولاد اور مذکورہ چار یاروں میں سے ایک ہیں جنہوں نے مل کر سفر کیا تھا ۔ سنہ ۸۶۶۲ میں جب وہ ملتان پہنچے تو دہلی کے بادشاہ سلطان شہاب الدین کے فرزند سلطان محمد نے جو ایک عابد و زاہد نوجوان تھا ان سے وہیں [ملتان] کی سکونت اختیار کرنے کی درخواست کی لیکن آپ نے قبول نہ کیا ۔ مذکورہ سلطان محمد ، علما ، صالحین اور شعرا کا بڑا قدردان تھا ۔ شیخ بہاؤ الدین زکریا اور شیخ فرید گنج شکر اس کے مقربین میں سے تھے اور امیر خسرو اور امیر حسن دہلوی بھی اس کی ملازمت میں تھے ۔

جب وہ [شیخ عثمان مروندی] شاہ شمس بوعلی قلندر کی خدمت میں پہنچے تو انہوں نے فرمایا کہ ہندوستان میں [پہلے ہی] تین سو قلندر موجود ہیں [اس لئے] بہتر ہے کہ آپ پھر سندھ واپس تشریف لے جائیں ۔ اسی اشارہ کے مطابق انہوں نے سیوستان میں آکر اقامت اختیار کرنا مناسب سمجھا ۔ اتفاقاً جس جگہ آپ اب آرام فرما ہیں اس مقام پر فاحشہ عورتیں رہا کرتی تھیں ۔ شیخ کی آمد کا [یہ اثر ہوا کہ] جو بھی [اس دن] ان عورتوں کے پاس گیا وہ ان پر قادر نہ ہو سکا ۔ صبح کے وقت جب ان عورتوں نے شیخ کی آمد کی خبر سنی تو آکر ٹائب ہوئیں ۔

اس کے بعد شیخ نے ایک قطعہ اراضی پر آباد ہونے کا خیال کیا اور اسی خیال سے احاطہ بنانے کے لئے وہ ایک مزدور ساتھ لے آئے اور خود ڈنڈا ہاتھ میں لے کر کھڑے ہو گئے ۔ زمین کا مالک آکر منع کرنے لگا اس پر آپ نے اسے ایک ڈنڈا

## تحفة الکرام

رسید کیا جس کی وجہ سے وہ مر گیا آپ نے اسے وہیں دفن کر دیا۔  
 [یہ خبر سن کر] فوتی کے وارث شور مچاتے ہوئے ان سے باز پرس  
 کرنے آئے۔ آپ نے فرمایا کہ ”میں نے تو کتا مارا ہے دیکھ  
 لو زمین میں دفن ہے۔“ [چنانچہ جب] انہوں نے قبر کھودی  
 تو اس میں سے واقعی کتا برآمد ہوا۔ وہ سمجھ گئے کہ یہ  
 فقیر صاحب کرامت ہے چنانچہ معتقد ہو کر انہوں نے زمین ان  
 کے حوالے کر دی۔ ان کی دوسری اور کرامتیں شمار سے باہر ہیں  
 اس مختصر [کتاب] میں کتنی آسکیں گی؟۔ ان کی وفات  
 سنہ ۷۶۳ھ میں [واقع] ہوئی۔ انہوں نے مجرد اور پرهیزگار  
 رہ کر زندگی گذاری۔ ان کے جس قدر متولی ہو گزرے ہیں ان کے  
 بارے میں زیادہ تحقیق سے مجبوراً [در گذر کرتے ہوئے] بطور  
 تبرک چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے۔

مخفی نہ رہے کہ اس درگاہ کی دیکھ بھال قدیم الایام سے  
 شیوخ کے حوالے ہے جو آج تک پشت بہ پشت مسلسل [انہی کے  
 سپرد] رہتی آئی ہے۔ سادات کا بھی اس معاملے سے تعلق ان  
 کی قرابت کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔

شیخ مکھن۔ قدیمی شیوخ میں یہ درگاہ کے متولی اور کلید  
 بردار تھے۔ پیر کی ان پر بڑی توجہ تھی۔ کہتے ہیں کہ  
 سادات نے جو شیخ کے داماد تھے جب سجادہ [نشینی] حاصل  
 کرنے کے بعد کنجی کی لالچ کی اور انہوں نے مقابلے کی سکت  
 نہ پا کر کنجی ان کے حوالے کر دی تو سادات نے کتنی ہی  
 کوششیں کیں لیکن تالا نہ کھل سکا۔ [پھر جب وہ] لوہار  
 کو قفل توڑنے کے لئے لے آئے تو ایک چوٹ مارتے ہی اس کا

ہاتھ سوکھ گیا۔ یہ عجیب ماجرا دیکھ کر سادات [اپنے] کٹے پر ہشیمان ہوئے اور کنجی شیخ کے حوالے کردی۔ اس کے بعد سے کنجی پر سادات کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اور [یہاں] دو مسندیں ہو گئی ہیں جیسا کہ معلومات کے مطابق بیان ہوگا۔  
میر صلاح الدین - یہ اصل میں لکھنوی (لکی) کے سادات میں سے ہیں۔ اپنی ذاتی صلاحیت کے ذریعہ دین و دنیا کی اصلاح کی کوششوں کی وجہ سے انہوں نے بڑی شہرت پائی اور درگاہ کی سجادہ نشینی کی دولت نصیب ہوئی۔ ان کا وجود اپنے ہر کی نظر فیض اثر کی برکت سے مریدوں اور متعلقین کی جملہ اصلاحات کا باعث ہوا ”بہکے ٹھوڑے“ (شکستہ اور گنجے) ٹیلے پر ایک قلعچہ (کڑھی) ان کی یادگار ہے۔

سید پیر شاہ - ان کے فرزند رشید سید پیر شاہ ان کی قائم مقامی اور درگاہ کی سجادہ نشینی سے سرفراز ہوئے۔ وہ صاحب ریاضت بزرگ تھے۔ ساری رات عبادت میں مصروف رہا کرتے تھے۔ گرمیاں ہوں یا سردیاں، ہر بارہ رکعت نفل کے بعد وہ تازہ غسل فرماتے تھے۔ سندھ کے حکمران میان نور محمد نے ان سے بڑی محبت کے ساتھ زیارت کی درخواست کی تھی لیکن انہوں نے قبول نہ کیا۔ بالآخر وہ خود ان کی خدمت میں آیا جس پر خدام اور سادات نے انہیں بڑی مشکل سے [ملاقات کے لئے] باہر نکالا [لیکن] انہوں نے دیکھتے ہی کہا کہ اس کے بعد دنیا میں رہنے میں بہتری نہیں ہے اور پھر وہ جلد ہی انتقال فرما گئے۔

سید نور شاہ - ان کے بعد ان کے بھائی سید نور شاہ سجادہ نشین ہوئے۔ ان کا ظاہری انداز ابدالوں کی مانند غیر ذمہ دارانہ اور زندانہ تھا۔ لیکن [انہیں] حقیقت کا اس قدر [وافر] حصہ

تحفة الکرام

ملا تھا کہ جو کچھ بھی ان کی زبان سے نکلتا تھا وہ تقدیر کی مانند پورا اترتا تھا۔ پیر کا ان پر حد سے زیادہ کرم تھا۔ ہفتہ میں ایک بار باہر نکلتے تھے [لیکن] اپنے کامان ان کے ساتھ ہوتا تھا۔ ان کے کثیر اخراجات دیکھ کر لوگ ان پر کیمیا [سازی] کا شک کرتے تھے۔

[سید حیدر شاہ]۔ ان کے بعد ان کے بھائی حیدر شاہ جانشین ہوئے جنہوں نے اپنی زندگی ہی میں اپنے صاحبِ ہدایت فرزند نظر شاہ کو سجادہ نشین بنایا۔

[نظر شاہ]۔ حال و قال میں انہوں نے بڑا نصیب پایا تھا۔ اپنے والد کی زندگی ہی میں فوت ہوئے۔

[اسد شاہ]۔ ان کے بعد ان کے بھائی اسد شاہ والد کی جانب سے درگاہ معلیٰ کے سجادہ نشین ہوئے اور سید حیدر شاہ نے انتقال کیا۔

سید نہال شاہ۔ یہ ”کھاڑوٹ“ کے سادات میں سے ہیں جو سیوہن سے متعلق ایک کاؤں ہے۔ یہ اصلی متولی شیوخ سے [قبضہ لے کر] جبراً مخدوم علیہ الرحمۃ کی درگاہ کے سجادہ نشین ہوئے۔ پیر کے کثرت فیض کی وجہ سے یہ مذکورہ لکھنوی سادات کے سجادہ نشینوں سے بڑھ گئے اور انہیں درگاہ کے دروازہ کے باہر تخت پر بیٹھنے کی خصوصیت عطا ہوئی۔ یہ رسم ان کے جانشینوں میں اب تک چلی آتی ہے۔

[میر خضر شاہ]۔ ان کی وفات کے بعد پیر کی خاص توجہ سے میر خضر شاہ سجادہ نشین ہوئے۔

[سید موج دریا]۔ ان کے بعد سید موج دریا ابن ساجو شاہ

مسند نشین ہوئے۔ سنا جاتا ہے کہ ان بزرگ نے حال ہی میں وفات پائی ہے۔

مغنی نہ رہے کہ جب حضرت مخدوم کے بیان کی مناسبت سے بعض سجادہ نشینوں کا بیان ہو چکا تو [اب] پہلے اس سرزمین کے بزرگان دین کا ذکر کر کے دوسرے سادات کے کچھ حالات بیان ہونگے۔

[قاضی ابو سعید]۔ ابن قاضی زین الدین بکھری۔ یہ فضیلت اور حاضر جوابی میں اپنے عہد میں یگانہ اور اس ملک میں مشہور و معروف ہو گزرے ہیں۔

[قاضی قاضی]۔ ان کے فرزند قاضی قاضن [اپنے] وقت کے سرگروہ ہو گزرے ہیں۔ وہ ہر طرح کی فضیلتوں سے آراستہ تھے۔ اور حافظ قرآن [ہونے کے ساتھ ساتھ] علم قرات کے بھی ماہر تھے۔ فقہ، تفسیر، حدیث، تصوف، تعویذات اور انشا پرداز میں انہیں کمال حاصل تھا اور راہ سلوک میں انہوں نے بڑی سخت ریاضتیں کی تھیں۔ حرمین شریفین کی زیارت کر کے انہوں نے کافی سیر و سیاحت کی تھی۔ آخر میں یہ سید محمد جونپوری کے مریدوں کے زمرے میں شامل ہو گئے تھے جس کی وجہ سے علمائے ظاہری ان پر طعن کیا کرتے تھے۔ مرزا شاہ حسن سے بکھر کے قضا [کا منصب] حاصل کر کے یہ اپنے آبائی وطن چلے گئے جہاں طویل عمر کو پہنچ کر [خود] مستعفی ہو گئے اور [یہ منصب انہوں نے] اپنے بھائی قاضی نصر اللہ کے حوالے کیا۔ سنہ ۸۹۵ھ میں انہوں نے وفات پائی۔

[قاضی نصر اللہ]۔ قاضی قاضن کے بھائی قاضی نصر اللہ ظاہری و



معنوی کمالات سے آراستہ تھے۔ بزرگوں کا دستور یہ پوری طرح روشن رکھتے آئے اور قسمت کے دن پورے کرو کے عزت و شہرت کے ساتھ فوت ہوئے۔

[شیخ محمود]۔ یہ بہت بڑے عالم اور انتہائی متقی بزرگ تھے [اپنے] وقت میں انتہائی نامور ہو گزرے۔  
[مخدوم راہو]۔ ان کی اولاد میں قاضی شرف الدین عرف مخدوم راہو بھی اس سر زمین کے نامور [بزرگ] ہو گزرے ہیں۔

[قاضی ڈٹہ سیوستانی]۔ ان کے فرزند قاضی ڈٹہ سیوستانی بھی کتنے ہی علمائے باطنی کے صحبت میں رہ کر نگاہ فیض سے سرفراز ہوئے۔ [پہلے] کچھ مدت [انہوں نے اپنے] والد کی خدمت میں رہ کر فضیلت حاصل کی اور اس کے بعد پھر مخدوم ہلال کی خدمت میں رہ کر حدیث و تفسیر کا مطالعہ کیا۔ [اس کے علاوہ] انہوں نے مخدوم محمود فخر پوٹہ اور مخدوم عبدالعزیز ہروی سے بھی تحصیل علم کیا۔

قرآن شریف کی اٹھارہ تفاسیر کا مطالعہ کر کے انہوں نے ان کے معنی و دقائق یاد کئے۔ علم جفر اور دیگر عجیب علوم میں بھی انہوں نے دسترس حاصل کی تھی۔ حافظہ اس قدر [قوی] تھا کہ اکثر کتب من و عن پڑھ جاتے تھے۔ مرزا شاہ حسن نے ان سے تلقین پائی تھی اور انہیں مخدوم اور استاد کا لقب دیا تھا۔ موضع باغبان میں مدفون ہیں۔

[قاضی سائیں ڈنو]۔ یہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کی اولاد اور وقت کے جید عالم اور متقی تھے۔ یہ شریعت کو طریقت

سے اور طریقت کو حقیقت سے وابستہ رکھتے آئے اور سیوستان ہلکہ سارے سندھ میں مشہور بزرگ ہو گزرے ہیں۔

[شیخ میر محمد مشہور بہ "میاں میر"]۔ ان کے فرزند ارجمند

شیخ میر محمد (المعروف بہ "میاں میر") دنیا کے اولیا کے قائد اور وقت کے قطب تھے۔ فضیلت ظاہری میں ان کا کوئی ہمسر نہیں تھا۔ ان کی ولادت سنہ ۸۹۵ھ میں سیوستان میں ہوئی۔ ان کے والد جن کا ذکر بطور بالا میں ہو چکا ہے اور ان کی والدہ و ہمیشہ سبھی کشف و کرامات کی مالک تھیں۔ ساٹھ سال کی عمر کے بعد لاہور کے شہر میں رہ کر انہوں نے شیخ جعفر قادری کی مریدی اختیار کی اور اٹھاسی برس کی عمر میں سنہ ۱۱۴۵ھ میں وفات پائی ان کا مقبرہ ہاشم پور میں ہے۔ ان کے مریدوں کی ایک بڑی جماعت صاحب کرامت اور خدا رسیدہ ہے۔ دارا شکوہ نے ان کی مریدی اختیار کی تھی اور ان کے حالات پر ایک رسالہ لکھا تھا (۱) [۳۵۴]

(۱) "بادشاہ نامہ" کے، جو خاص شاہجہاں کے حالات کے بارے میں ایک تصنیف ہے، صفحہ ۳۲۹ پر "میاں میر" کا ذکر اس طرح ہے: ان کا وطن مقدس سیوہن ہے جو صوبہ ملتان کا تابع ہے۔ قادری طریقہ رکھتے تھے۔ عفتوان شباب میں دارالخلافت (لاہور) میں آکر گوشہ گمنامی میں زندگی گذاری۔ تعلقات دنیوی اور شادی کا انہوں نے قطعی ارادہ نہ کیا۔ کسی بھی شخص کو وہ اس وقت تک تلقین نہ کرتے تھے کہ جب تک وہ دنیا کی چیزوں سے متنفر نہ ہو جاتا تھا۔ شاہ جہاں ان کی خدمت میں دو بار حاضر ہوا تھا، ایک مرتبہ کشمیر جانے سے پیشتر اور دوسری مرتبہ کشمیر سے واپسی پر، جو تین ہفتوں کے ہوئی (دیکھئے حاشیہ ص ۴۳۶)

[میر سید کلان]۔ یہ کربلائے معلیٰ کے جلیل القدر سادات

میں سے ہیں۔ اس مبارک سر زمین سے نکل کر وہ پہلے قندھار گئے اور پھر سندھ فتح ہونے کے بعد آکر سیوستان کے نواح میں سکونت پذیر ہوئے۔ بیشتر وقت وہ شیخ عثمان مروندی کے سراز پر انوار پر گذارا کرتے تھے۔ زہد و تقویٰ میں بے نظیر تھے۔ ان کی کثیر اولاد ہوئی۔ میر معصوم بکھری بھی انہی کی اولاد میں سے تھے۔ [۳۵۵]

میر عبداللہ سلطان۔ عرف خان عریض ابن میر ابوالمکارم بن میر غیاث الدین (جن کا ذکر ہو چکا ہے)۔ ان کے بزرگوں نے بکھر میں ہی زندگی گذاری۔ لیکن یہ سیوستان میں پیدا ہوئے

(بقیہ حاشیہ ص ۴۳۵)

تھی۔ طویل عمر کو پہنچنے کے بعد ان کی بینائی پھر عود کر آئی تھی۔ سنہ ۱۰۴۴ھ میں انہوں نے وفات پائی۔ شاہ جہاں بار بار کہتا تھا کہ ہندوستان کے رویستوں میں سے اوج کمال پر پہنچے ہوئے میں نے صرف دو بزرگ دیکھے ہیں ایک میاں میر اور دوسرے تیخ فصل اللہ برہان پوری۔

میاں میر کی درگاہ لاہور چھاؤنی اسٹیشن کے بالکل قریب ہے۔ عام لوگ لاہور چھاؤنی اسٹیشن کو ”اسٹیشن میاں میر“ ہی کہا کرتے ہیں۔ میاں میر کا مقبرہ ایک وسیع میدان کے وسط میں سنگ مرمر کے ایک چبوترہ پر ہے۔ چاروں طرف کھلا ہوا صحن ہے۔ صحن کے چاروں طرف شالیمار باغ اور شاہی مسجد کے احاطہ کے طرز پر ایک فصیل نما احاطہ ہے۔ مغرب کی طرف چبوترے پر ایک عالیشان مسجد ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ مسجد اور احاطہ دارا شکوہ نے تعمیر کرایا تھا۔

(بقیہ حاشیہ ص ۴۳۷)

اور یہیں پرورش پائی۔ جہانگیر کے زمانے میں یہ مرزا غازی بیگ کے ساتھ تھے۔ جب شاہی نوازش سے مرزا کو ٹھٹھے کے ساتھ فندہار بھی عطا ہوا تو یہ ایلچی ہو کر بادشاہ ایران کے پاس گئے اور اسی سفر میں شاہ خراسان کی زیارت کا شرف حاصل کر کے واپس ہوئے۔ مرزا کے انتقال کے بعد یہ ٹھٹھے پر مامور ہوئے۔ [لیکن] جب تخت نشین ہو کر شاہ جہاں نے بے ادبی کی پاداش میں شریف الملک پر عتاب کیا اور [اس کی جانب سے] نواب امیر خان نے آکر [مذکورہ] نواب (شریف الملک) کے عمال کو تکلیفیں پہونچائیں تو میر (عبد اللہ سلطان) اور ان کے بھائی یہ کہہ کر [اپنے عہدوں سے] مستعفی ہو گئے کہ

(بقیہ حاشیہ ص ۴۳۶)

میان میر کے مقبرے میں صرف جنوب کی طرف ایک دروازہ ہے جس کے اوپر کچھ آیات نقش ہیں اور ایک مصرع :

”بفردوس والا میان میر شد“

ہے ان کی تاریخ وفات سنہ ۱۰۳۵ھ برآمد ہوتی ہے۔ دارا شکوہ ان کا خاص مرید تھا۔ ”مکینۃ الاولیا“ نامی ایک فارسی کتاب اس نے خاص انہی کی تاریخ و توصیف میں لکھی تھی۔ اس کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ولادت سنہ ۹۷۵ھ میں ہوئی تھی۔ ان کی والدہ کا نام بی بی فاطمہ تھا جو سندھ کے مشہور جید عالم قاضی قاضی کی صاحبزادی تھیں اور اپنے وقت کی رابعہ تھیں۔ ان کی ہمشیرہ کا نام بی بی جمال خاتون تھا۔ ان کے مرشد شیخ خضر سیوستان کے پہاڑوں میں رہتے تھے اور آپ بچپن ہی سے ان کے مرید تھے۔ آپ کی وفات ۱۰۷۱ ربيع الاول منکمل کے دن پھر دس چڑھے واقع ہوئی تھی۔

واللہ اعلم۔

”اگر نمک حلالی کا بدلہ یہی ہے تو پھر گوشہ نشینی اس سے بہتر ہے۔“ مرزا عیسوی نے انہیں بہت منایا لیکن انہوں نے یہی جواب دیا کہ ”ضعیفی آگئی ہے اس لئے اب ملازمت کی طاقت ہی نہیں رہی ہے۔“ آخر میں ملا محب علی سندھی کی معرفت، جن کا ذکر آگے چل کر آئیگا، ذریعہ معاش کے طور پر جام تماچی کی زمین سیر میں سے پچاس ہزار درم مشاہرہ لے کر اہل و عیال سمیت ٹھٹھے چلے گئے۔ وہاں انہوں نے ۱۶ شعبان سنہ ۱۰۵۴ھ میں وفات پائی۔ ان کی اولاد ٹھٹھے ہی میں سکونت پذیر ہوئی وہ اشعار اچھے کہتے تھے۔

سید عبداللطیف ابن سید عبدالرزاق بن سید اسماعیل بخاری جن کا بیان پہلے ہو چکا ہے، راقم الحروف (منصف کتاب) کے نانا سید عبداللطیف عرف سید مہتو کے جن کا بیان آگے آئیگا، دادا تھے اور سیوستان میں رہتے تھے۔ جہانگیر بادشاہ کے حضور سے سیوہن کے مضافات کا موضع کچھی انہیں جاگیر میں ملا تھا۔ ذاتی بزرگی اور اعلیٰ صفات کی وجہ سے یہ وقت کے بزرگوں میں شمار ہوتے تھے۔ [۳۵۶]

ملا داؤد سیوستانی۔ یہ صاحب علم و فضیلت بزرگ وقت کے مقتدر علما میں سے تھے۔

نور الحق۔ کہتے ہیں کہ ان کے فرزند رشید ’نور الحق بچپن میں کچھ غبی تھے۔ قرآن پڑھنے کے لئے وہ انہیں کتنا ہی مارتے تھے لیکن کوئی اثر نہ ہوتا تھا۔ ایک دن انہیں کسی تنگ کوٹھری میں بند کر دیا گیا وہ بہت روئے لیکن والد نے انہیں معاف نہ کیا۔ بالآخر روئے روئے انہیں نیند آگئی۔

[خواب میں انہوں نے دیکھا کہ] ایک نورانی بزرگ جو حضرت خضر تھے ان کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ”کتنا سوؤ گے اٹھو۔ آج کے بعد جو کچھ بھی پڑھو گے اسے نہ بھولو گے۔“ جاگنے پر انہوں نے محسوس کیا جس سبق کو یاد کرنے کے لئے والد نے انہیں سزا دی تھی وہ ان کے حافظے کی تختی پر نقش کا لہجر ہو گیا ہے۔ [چنانچہ] انہوں نے اپنے والد اور والدہ کو بلا کر قرآن پڑھنا شروع کیا۔ جب ماں باپ نے انہیں بند سے آزاد کیا اور [اس کے بعد] انہیں جو کچھ بھی تعلیم کرتے وہ فوراً حفظ ہو جاتا تھا۔ آخر کار وہ ”استاذ“ لقب کے طالب علم اور ”مشتاقی“ تخلص کے شاعر [مشہور] ہوئے۔ جس وقت مرزا صائب [اپنے] سفر ہندوستان [کے موقع پر] اس راستے سے گذرے تو انہوں نے ان سے ملاقات کی تھی اور ان کے اشعار پسند کئے تھے۔ اس وقت تک وہ نیکی اور پرہیزگاری سے مزین اور علم و فضیلت سے مرمع ایک جوان [عمر] مرد ہو چکے تھے۔ ان کی اولاد میں یہ صلاحیت، علم اور شاعری آج تک چلی آتی ہے۔ چنانچہ ان میں سے نورالحق نامی ایک با فضیلت و با صلاحیت نوجوان [تاحال] حیات ہے اور ایک دوسرا صاحب بلاغت اور شاعر مزاج شخص محمد علی نامی بھی ان کی اولاد میں باقی ہے۔

ابوبکر سیستانی۔ ان کے وقت اور حالات کے بارے میں کوئی

علم نہیں ہو سکا۔ البتہ انہوں نے اپنے نام اور مقام کی اپنے اشعار میں خود تعریف [۳۵۷] بیان کی ہے جس سے ان کی بلاغت کا اندازہ ہوتا ہے۔

میاں عبدالعلیم (۱)۔ یہ اپنے وقت کے بزرگ [تھے] اور فضیلت اور عمدہ حالت میں زندگی گزار گئے۔

[وجہہ الدین اور ان کے بھائی]۔ اور ان کے فرزند وجہہ الدین ناصر الدین اور محمد رفیع بھی اچھی حالت میں وقت گزار کر فی رسیدہ ہوئے ہیں۔

قاضی محمد وارث۔ عدلانی مخادیم میں سے یہ ایک صاحب حال بزرگ ہو گذرے ہیں۔

[قاضی امین الدین]۔ ان کے فرزند قاضی امین الدین ایک انسان دوست اور با فضیلت مرد تھے۔ حال ہی میں انتقال کر گئے ہیں۔

قاضی دین محمد۔ دکائی مخادیم میں سے بزرگانہ اخلاق اور اعلیٰ صفات کے یہ بزرگ تاحال بقید حیات اور مشہور ہیں۔ معفی نہ رہے کہ یہاں جو چند نام مذکور ہوئے وہ مسند میں سے چند قطروں کے مصداق ہیں لیکن اپنے التزام کے ساتھ جس قدر ممکن ہوسکا تبرکاً تحریر کیا گیا جو اس میں اضافہ کریگا اس کا احسان ہوگا۔

اب جب کہ اس شہر کے بیان سے فارغ ہونے میں تو اس کے مواضع اور مضامین کے بزرگوں کا بیان شروع کرتے ہیں۔ یہاں بھی جس قدر معلومات حاصل ہیں انہی پر اکتفا کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جاننے والا ہے۔

ہاٹ

یہ سیوستان کے نواح میں ایک گاؤں ہے۔

حیدر ہروی - ”تحفہ سامی“ میں ان کا لقب ”کلیجہ“ لکھا ہے۔ کیونکہ ابتدا میں یہ کلیجے پکانے کا کام کرتے تھے۔ انہیں [۳۰۸] ”کلیج“ کے لقب سے بھی پکارا جاتا تھا۔ فرہنگ رشیدی میں ”کلوج“ یعنی کاف مفتوح اور واؤ معروف سے، بمعنی بڑا کلیجہ [کلیجہ = خمیری روٹی] ہے۔ وہ ایک صاحب دیوان شاعر تھے۔ مرزا شاہ حسن کے زمانے میں اپنے ملک سے سندھ آئے اور مذکورہ گاؤں میں آکر ہمیشہ کے لئے یہیں کے ہو گئے۔

### ٹلٹی

اس شہر کا ایک گاؤں ٹلٹی بھی ہے جہاں کے :  
مخدوم ہلال - بڑے عارف اور واصل باللہ بزرگ تھے۔ علوم ظاہری میں بھی وہ بڑا مرتبہ رکھتے تھے۔ رات کو جب وہ ہانی سے بھری ہوئی ایک ناند میں بیٹھتے تھے تو ذکر کے جوش اور حال کے غلبے سے ہانی، گرداب کی طرح چکر کھانے لگتا تھا۔ صبح کے وقت وہ باہر نکل آتے تھے۔ لیکن ہانی میں بدستور جوش رہا کرتا اور جب تک اسے دریا میں نہ پھینک دیتے تب تک ساکت نہ ہوتا۔

ایک دن وہ مخدوم لعل شہباز کی زیارت کے لئے جاتے ہوئے کشتی میں سوار ہوئے۔ [کشتی کا] ملاح خرافات اور مغالطات بک رہا تھا اور کسی کے بھی - مجھائے پر خاموش نہ ہوتا تھا۔ مخدوم صاحب نے اپنی ٹوپی اس کے سر پر رکھوا دی۔ پکایک وہ پیہودہ بکواس چھوڑ کر قال اللہ اور قال الرسول میر مشغول ہو گیا۔ جب تک ٹوپی اس کے سر پر رہی تب تک اس کا یہی حال رہا۔ کشتی سے اترتے وقت جب اس کے



میر سے ٹوہی اتار لی گئی تو وہ پہلے کی طرح پھر مغلظات  
بکنے لگا۔

### کاہان

یہ ایک مشہور و معروف قصہ ہے۔

مخدوم عبدالعزیز محدث ابہری [اور ان کے فرزند] [۳۵۹]

تبختر و تحقیق کے مصر کے عزیز اور تدقیق و اقلیم علم کے شہنشاہ ،  
جام فیروز کے زمانے میں وہ شاہ اسماعیل صفوی کی بغاوت  
کی وجہ سے اپنے دونوں گویران عالی [یعنی] سراسر فضل و  
سرتا پا ہنر فرزندوں ، مولانا اثیرالدین جن کی فضیلت و کمال کا  
غلغلہ حد آسمان سے بھی اوپر تک جا پہونچا تھا اور مولانا  
یار محمد جو جامعیتِ علوم میں یگانہ روزگار تھے ، کے ساتھ  
ہرات سے موضع گاہن میں تشریف فرما ہوئے اور موالید ثلاثہ کی  
مانند اس سر زمین کو اشاعت علم سے سرور روح کا چشمہ بنا دیا۔  
پھر وہ ہمیشہ کے لئے یہیں کے ہو رہے اور کتاب حیات کے مطالعے سے  
یہیں آنکھیں بند کیں۔ شرح مشکوات شریف اور اکثر مروج  
کتب کے حواشی جیسی عجیب و غریب تصنیفات یادگار  
چھوڑ گئے۔

### دریاد

یہ مشہور مقام ہے۔

[قاضی ابراہیم]۔ یہ بڑے جید عالم ، پرمیزگار بزرگ اور

حضرت خلیل کی مانند راہ سلوک و رضا کے سالک تھے۔

[قاضی عبداللہ]۔ ان کے فرزند رشید قاضی عبداللہ نے مذکورہ

مخدوم عبدالعزیز ابہری کی خدمت میں علم حاصل کیا تھا۔

یہ راسخ پرهیزکار اور کامل متقی ۔ شاہ بیگی کی فتح کے بعد درہلہ سے باغبان منتقل ہو گئے تھے ۔ پھر سنہ ۹۳۴ھ میں گجرات اور وہاں سے مدینہ طیبہ کی طرف چلے گئے ، اور مستقل سکونت اختیار کر کے وہیں وفات پائی (۱)۔ [۳۶۰]

[شیخ رحمت اللہ]۔ ان کے فرزند ارشد شیخ رحمت اللہ کا وجود رحمت خداوندی کا مجسمہ تھا ۔ یہ فضائل و کمالات سے آراستہ اور [اپنے] عہد میں بے نظیر تھے ۔ ”مناسک الحج“ کے متعلق ان کے تیس رسالے یادگار ہیں (۲)۔

(۱) کتاب ”النور السافر فی اخبار القرن العاشر“ (ص ۳۵۷) میں مرقوم ہے کہ ”شیخ علامہ بہت سے فنون کے ماہر تھے۔ عبد اللہ بن سعد الدین مدنی سندھی سنہ ۹۸۴ھ کے ماہ ذوالحجہ میں مکہ شریف میں وفات کر گئے۔ یہ ایک زبردست عالم اور جہد و متبعر امام تھے۔ ان کی کتنی ہی تصنیفات ہیں جن میں سے ایک عوارف سہروردی کا حاشیہ ہے۔“

یہ شیخ عبد اللہ غالباً وہی قاضی عبد اللہ ہیں جن کا ذکر میر قانع نے اس مقام پر کیا ہے حالانکہ میر قانع نے ان کے والد کا نام قاضی ابراہیم لکھا ہے۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ انہی قاضی ابراہیم کو ”سعد الدین“ کے لقب سے پکارا جاتا ہو۔ واللہ اعلم۔

(۲) ”النور السافر فی اخبار القرن العاشر“ (ص ۴۴۰) میں شیخ رحمت اللہ کی وفات کا واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے: ۱۲ محرم سنہ ۹۹۳ھ کو شیخ ، فاضل ، عالم ، محدث ، فقیہ ، رحمت اللہ بن عبد اللہ السندی ، حنفی ، ساکن مدینہ نے مکہ میں وفات پائی اور یہیں دفن ہوئے۔ وہ ایک عالم با عمل اور اللہ کے صالح بندے تھے۔ کسی فاضل نے ( دیکھئے حاشیہ ص ۴۴۴ )

[شیخ حمید] - شیخ رحمت اللہ کے بھائی شیخ حمید ابن قاضی عبد اللہ مذکور، علوم عقلی و ثقلی میں لائق تعریف اور کامل تھے۔ حدیث و تفسیر میں انہیں کمال دسترس حاصل تھا۔ [۳۶۱]

وہ خان اعظم کوکہ کے ساتھ مکہ [شریف] گئے اور اہل حدیث کے پیشوا بنے (۱)۔

(بقیہ حاشیہ ص ۴۴۳)

بحساب ایجاد ان کی تاریخ وفات "رحمہ اللہ قد نال مرادہ" (خدائے تعالیٰ رحمت کرنے وہ اپنی مراد کو پہنچے) سے اخذ کی ہے۔ اس میں ہر چند دو عدد بڑھتے ہیں لیکن اگر مادہ تاریخ مناسب حال ہوتا ہے تو پھر ماہرین فن کے نزدیک یہ اضافہ جائز ہوتا ہے۔ لوگ جب انہیں دفن کر کے فارغ ہوئے تو فوراً مینہ برسنے لگا۔ ہمارے دوست شیخ فاضل محمد بن شیخ عبداللطیف جامی مکی عرف مخدوم زادہ نے ان کا ایک مرثیہ کہا ہے، جس میں اس واقعے کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں: - رحمت اللہ لاتفارق مشوی - رحمت اللہ بالحیا والغمام - (اللہ تعالیٰ کی رحمت اہر و باران کی صورت میں رحمت اللہ کے مقام سے جدا نہیں ہوتی)۔

(۱) "النور السافر" (ص ۴۴۳) میں مرقوم ہے کہ "ان کا (شیخ رحمت اللہ کا) ایک بھائی تھا جس کا نام حمید تھا اور وہ علم و بزرگی کا حامل، اعلیٰ اخلاق کا مالک، نہایت متواضع، بے حد عقلمند اور صاحب بلند مراتب و صاحب فضیلت تھا۔ آخر میں اسے بڑی عزت نصیب ہوئی۔ وہ مکہ شریف میں نو سال رہا اور سنہ ۱۰۰۹ھ میں وہیں وفات پائی۔ اسے اس کے بھائی کے برابر دفن کیا گیا۔ اس کی عمر تقریباً ۹۰ سال تھی۔ غرض وہ ملف صالح کی یادگار تھا۔ خدائے تعالیٰ

(بقیہ حاشیہ ص ۴۴۵)

[مولانا سعد]۔ [بہ بزرگ] علم میں کامل تھے اور اپنے

کمال کی وجہ سے دور دور تک مشہور تھے۔

[شیخ عبد اللہ مثنیٰ]۔ ان کے فرزند شیخ عبد اللہ متقی تفسیر

و حدیث کے علوم میں یگانہ عصر تھے۔ سنہ ۱۰۹۷ھ میں وہ

کجرات چلے گئے جہاں سے وہ مذکورہ قاضی کے ہمراہ حرمین

شریفین جا پہنچے اور اپنے باقی ماندہ دن وہیں گزارے۔

جملہ علوم میں ان کی اعلیٰ تصنیفات اور رسالے ہیں۔

[عبد اللطیف]۔ ایک قابل طالب علم تھے۔ شرح ملا [جاسی]

پر، ہرکار نامی حاشیہ انہیں کا تحریر کردہ ہے جس میں کلام کی

بحث میں۔ ”الکلام ماتضمن کلماتین حقیقۃ او حکما ای یکون

کل واحدة منهما فی ضمنہ فالمتضمن اسم فاعل هوالمجموع

والمضمن اسم مفعول کل واحد من الکلمتین فلا يلزم اتحاد

هما“۔ کی شرح ذیل کے ان دو اشعار میں کی ہے: [۳۶۲]

قام زید ہیئت مجموعیہ اسم فاعل از تضمن می شمر

ور بخواہی اسم مفعولی ازو ہیئت افرادیش راکن نظر

[لکھنوی (لکی)]

سادات کا ایک مشہور قصبہ ہے۔ یہاں کا پہاڑ سندھ کا

ایک نہایت تنگ درہ ہے۔

(بقیہ حاشیہ ص ۴۴۴)

اس پر رحمت کرے۔“ شیخ حمید عربی زبان کے ایک ممتاز شاعر تھے۔

النور السافر میں ان کے اشعار بھی نقل ہیں۔

شیخ حمید کا ذکر ”خلاصۃ الاثر“ کے ”اعیان القرن العادی عشر“

میں بھی موجود ہے۔ اس میں انہیں فاروقی لکھا گیا ہے (دیکھئے

خلاصۃ الاثر ص ۳۲ جز ثانی)۔

[سید علی بن عباس]۔ سب سے پہلے جو سید یہاں آئے وہ سید

علی بن سید عباس بن سید حسین بن سید ارشد بن سید زید بن سید جعفر بن سید عمران بن سید ہارون بن سید عبد اللہ اشرف بن قاسم بن عبد اللہ بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام تھے ، جیسا کہ بیان ہو چکا ہے ۔

کہتے ہیں کہ سید مذکور کی آمد سے کچھ بیشتر دلو رائے کے ظلم کی وجہ سے ، جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے ، اوڑ اور بھانہرا ( برہمن آباد ) کے شہر ویران اور برباد ہو چکے تھے۔ دلو رائے اپنے بھائی ”چھٹو“ بن آسری ہدایت پر افعال بد سے تائب ہو کر ہشمانی کے ساتھ آکر سید کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی بیٹی کو سید کے عقد میں دیا جس کے بطن سے چار فرزند ، ۱۔ سید محمد ۲۔ سید مرادیہ ۳۔ سید حاجی عرف بھرکیو ۴۔ سید چنگو پیدا ہوئے اور ان کے چار قبیلے بن گئے ۔ بعضوں کا کہنا ہے کہ دلو رائے کا بھائی چھٹو ولد آسر فریاد لیے کر خلیفہ بغداد کے پاس گیا تھا اور مذکورہ سید کو سامرہ کے سو عرب باشندوں سمیت لیے کر سندھ آیا تھا ۔ سوہروں کے بزرگ بھی (عرب) [کہے جاتے] ہیں ۔

مذکورہ سید علی کے فرزند سید چنگو نے سید حسین ناسی ایک فرزند چھوڑا جس سے سید محمد ، اس سے سید محدود ، اس سے سید بہاؤ الدین ، اس سے سید حسین ، اس سے سید عبید ، اس سے سید نتھو ، اس سے سید عبید ، اس سے سید ہایزد ، اس سے سید فرید ، اس سے سید یونس [۳۶۳] اور اس سے سید کمپیر پیدا ہوئے] ۔ ان بزرگوں میں سے ہر ایک کی کثیر اولاد ہے ، جن کے بارے میں عدم واقفیت کی بنا پر ذکر نہیں کیا جاتا ۔

سید کمپیر کے چار فرزند تھے۔ سید ایوب، سید فرید، سید یعقوب اور سید یحییٰ۔ سید یحییٰ کی اولاد [میں سے] سید سماہو عرف سید کمپیر ہیں۔ کہتے ہیں کہ ان دنوں کسی معمولی سی بات پر سادات میں سخت جنگ اور زبردست فساد برپا ہوا جس کی وجہ سے رنجیدہ ہو کر کتنے ہی سادات ادھر ادھر چلے گئے اور انہیں میں سے سید کمپیر ٹھٹھ جا پہنچے۔

### آمری

یہ قصبہ دلورائے کے باپ آمر کے [نام سے] منسوب تھا۔ آج کل یہ سید علی کی اولاد کے چار قبیلوں میں سے ایک قبیلے کی سکونت گاہ ہے۔

سید صدر الدین۔ عرف صدر بن سید محمد۔ یہ روشن نشانیوں اور ظاہری کرامتوں کے مالک، وقت کے ولی، زمانے کے مشائخین کے سردار، سادات کے فخر اور کل برکتوں کے جامع تھے۔ ان کی اولاد سندھ میں نجیب الطرفین اور عالی نسب ہونے کی حیثیت سے مشہور ہے۔ ان میں سے کچھ سویمتاں میں سکونت پذیر ہیں جن میں سے بعض کا ذکر کیا جا چکا ہے اور کچھ سارے سندھ میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اس مقام پر صرف یہاں کے مقامی سادات کا تبرکاً کچھ ذکر کیا جاتا ہے:

سید محمد۔ مذکورہ سید صدر کی اولاد میں یہ اپنے وقت کے کامل بزرگ تھے۔ ان کی تاریخ وفات اس مصرعہ سے برآمد ہوئی ہے ”درد خدا بر محمد بود“۔ کہتے ہیں کہ وہ روزانہ دو تین ہزار صلواتوں کا وظیفہ کیا کرتے تھے۔ کویا یہ مصرعہ تاریخ ان کے اسی شغل سے مناسبت رکھتا ہے۔ [۳۶۳]

[سید اول شاہ]۔ ان کے فرزند سید اول شاہ ایک مجذوب مالک، دربار محبوب کے واصل اور ایک بلند پایہ بزرگ تھے۔  
[سید ابوالحسن]۔ سید محمد کے دوسرے فرزند سید ابوالحسن صاحب کمال اور پابند شریعت بزرگ تھے اور مخدوم نوح علیہ الرحمۃ کے سلسلے کے مرید تھے۔

[سید عبدالرسول]۔ ان کے فرزند سید عبدالرسول نے اپنی بزرگی سے بڑوں کا نام روشن کیا اور اپنے وقت کے نامور لوگوں میں شمار ہوئے۔

سید محمد شجاع۔ مذکورہ سید صدر کی اولاد میں سے یہ نقشبندی طریقت کے اپنے وقت میں مشہور بزرگ ہو گزرے ہیں۔

سید محمد اشرف۔ یہ برگزیدہ لوگوں کی جماعت میں داخل اور لباس بزرگی سے آراستہ تھے۔

سید ابو بکر۔ یہ مقتدر سیدوں میں سے ہیں۔ شاہزادہ محمد معزالدین نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر دعا کی استدعا کی تھی اور سید کے وعدے کے مطابق جلد ہی اس کی مراد بر آئی تھی۔

سید غازی خان۔ یہ بزرگ ظاہری و باطنی کمالات کے حامل اور سادات لکھنوی کے سرگروہ تھے۔ اس بستی کے جملہ سادات ان کی رائے اور مرضی کی مخالفت جائز نہ سمجھتے تھے۔

سید حمزہ۔ اس وقت یہ مقتدر بزرگ اور سادات کے پیشوا ہیں۔

سین

یہ ایک مشہور قصبہ ہے۔

سیا حیدر۔ یہ بارہ سال کی عمر میں مولانا عمر اور مخدوم بلال کی خدمت رہ کر واضح حالات، کشف اور یقین سے فیض یاب ہوئے۔ ان کی کثیر اولاد بزرگی سے موصوف ہے۔ ان کی کرامتوں میں سے [۳۶۰] ایک کرامت یہ ہے کہ ایک دن وہ لوگوں کے ہجوم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ سبھوں کی طرف دیکھتے ہوئے انہوں نے کہا کہ خدا تک پہنچنے کے میں اتنے راستوں پر قادر ہوں کہ اگر چاہوں تو ان سب لوگوں کو علاحدہ علاحدہ راہ سے مقصود تک پہنچا دوں، اس طرح کہ کسی کو ایک دوسرے کی خبر نہ ہو۔

### بھکا

یہ ایک مشہور گاؤں ہے۔  
سید حسن شاہ بخاری۔ یہ ایک بے شری اور طریقت توحید کے مالک بزرگ ہیں۔ بزرگوں سے لیے کر یہ نیکوں اور مشائخوں کے سلسلوں میں داخل ہیں۔ حتی المقدور حاجتمندوں کی مشکل کشائی اور راہ خدا میں مشغول رہتے ہیں۔ عباسی کلہوڑوں کا گہرانہ انہی کا مرید ہے۔

### ریل

یہ سر زمین اولیا کی رہائش گاہ ہے۔ یہاں کے درویش مشہور ہیں۔ راقم الحروف معلومات کے مطابق اس بھار کی خوشبو سے زمانے کے دماغ کو معطر کرتا ہے۔

شیخ یوسی۔ یہ شیخ ابوالفضل (۱) کے ہانچوہں دادا [۳۶۱]

(۱) یہ شیخ ابوالفضل وہی اکبر بادشاہ کا وزیر، آئین اکبری اور رقعات ابوالفضل کا مصنف، شیخ فیضی کا بھائی اور شیخ مبارک کا فرزند ہے جو تاریخ ہند میں مشہور ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ شیخ ابوالفضل اور فیضی سندھی تھے۔ واللہ اعلم بالصواب۔



## تعفة الکرام

ہوں جیسا کہ اس نے خود ”کچکول“ میں لکھا ہے۔ نویں صدی ہجری میں وہ آکر یہاں سکونت پذیر ہوئے اور اپنا خاص وقت گوشہ نشینی اور یاد خدا میں گزار کر وفات پا گئے۔ [۳۶۶]۔  
[شیخ خضر]۔ شیخ خضر انہی کی اولاد میں سے ہیں۔ یہ دسویں صدی ہجری میں سیر و سفر کے ارادے سے [گھومتے ہوئے] شہر ناگور میں جا پہنچے۔ جہاں مخدوم جہانیاں کے جانشین شیخ بخاری آچوی، شیخ عبدالرزاق قادری اور شیخ یوسف کے مرید ہو کر اور ظاہر و باطن کی سیر کر کے سندھ واپس آ گئے۔ یہاں سنہ ۸۹۱ میں ان کے فرزند شیخ مبارک تولد ہوئے۔

[شیخ مبارک]۔ یہ علوم عقلی و نقلی میں متبحر درویش تھے۔ اپنی زندگی کے دن انہوں نے اکبر آباد میں گزارے۔ ان کی عمر ایک سو بیس سال کی تھی۔ یہ شیخ فیاض بخاری اور شیخ عمر ٹھٹوی کے مرید تھے ان کے دو اکمل فرزندوں شیخ فیضی اور شیخ ابوالفضل کا اپنے مقام پر بیان ہو چکا ہے۔  
درویش بچی]۔ یہ مولانا عالم بکھری کے، جن کا ذکر آچکا ہے، فرزند اور ایک بڑے ولی ہیں۔ [موضع] ریل کے قریب رہتے تھے۔ ایک رات سخت بارش ہوئی اور تاریکی چھا گئی۔ یہ درویش نماز میں مصروف تھے۔ چھت سے ہانی ٹپک کر ان کی چادر پر گوا۔ [چادر] دائی کو دے کر انہوں نے کہا کہ اسے دریا پر لیے جا کر دھوئے اور سکھا کر فوراً لے آئے۔ [دائی نے] کہا کہ رات تاریک، بارش نیز اور سورج غائب ہے میں کس طرح جا کر اسے دریا میں سکھاؤنگی۔ فرمایا کہ تو کوٹھری سے باہر نکل کر تو دیکھ کہ کیا ہوتا ہے۔ دائی

کوٹھری سے باہر نکلی تو اسے روشن دن اور سورج نظر آیا پھر جب دریا پر پہنچ کر چادر کو دھویا اور خشک کر کے گھر واپس آگئی تو اسے پہلے کی طرح وہی رات قایم اور مہینہ ہرستا نظر آیا۔

مخدوم نجیم - یہ بزرگان ریل کے سردار، مریدوں کی بڑی جماعتوں کے پیشوا اور مخدوم نوح علیہ الرحمۃ کے ہم عصر تھے۔ [۳۶۷]

درویش ابراہیم - ریل کے درویشوں کی جماعت میں یہ بزرگ صفاتِ خلیلی کے حامل اور انہی (ابراہیم خلیل اللہ) کی راہ پر کامزن تھے۔

### دشت باران

یہ سرزمین عارف باللہ بزرگوں کی کان ہے۔  
شیخ ہوتی لا کہہ۔ یہ اپنے وقت کے پیروں کے پیر تھے۔ زیادہ تر سر سے پیر تک سرخ لباس پہنا کرتے اور ہاتھ میں تیر کمان لئے رہتے۔ خانقاہوں میں یہ وجد و سماع کا غلغلہ قایم کرنے میں کوشاں رہا کرتے تھے۔ ابتدا میں جب کہ ان کی شان کا آفتاب پردہ کے بادلوں میں چھپا ہوا تھا یہ جا کر ایک گاؤں میں آئے۔ گاؤں کے رئیس کا فرزند بڑی مدت سے دور کسی مقام پر قید تھا۔ چونکہ اس طرف جانے کی اس میں طاقت نہ تھی اس لئے دعا کی پوری کے لئے اس نے اہل اللہ کی ایک جماعت کو مدعو کیا تھا۔ اتفاقاً انہوں نے بھی اس ہنگامے میں پہنچ کر کھانا طلب کیا۔ لیکن [اس] جماعت نے انہیں بڑی حقارت سے دیکھا اور ان کے کھانے کی طرف کوئی توجہ نہ

کی۔ [اس پر] شیخ نے کہا کہ ”[یہ] کھانا تم پر اسی وقت حلال ہوگا جب تم دعوت کرنے والے کے فرزند کو فوراً حاضر کر دو گے اگر تم سے یہ نہیں ہو سکتا تو پھر یہ سجدہ پر چھوڑ دو۔“ اس پر سب نے حیران ہو کر یہ مشکل امر شیخ کے حوالہ کیا۔ انہوں نے فی الفور اس لڑکے کو بازو سے پکڑ کر مجلس میں لا حاضر کیا۔ معلوم ہوا کہ لڑکا آس ملک میں تیل لینے کے لئے بازار جا رہا تھا، لیکن خداوند کریم کی قدرت سے شیخ نے آسے وہاں سے یہاں پہونچا دیا۔ اس وقت سے ان کی شہرت کا غلغلہ دنیا میں پھیل گیا۔

ان کے فوت ہونے کے بعد، ایک شخص سے جو ان کے جنازے کے ساتھ [مدفن تک] گیا تھا، روایت کرتے ہیں کہ اس نے [۳۶۸] نماز جنازہ کے وقت شیخ کو اپنے برابر دیکھ کر زبان حال سے [ان سے] سوال کیا کہ ”یہ کیا بات ہے کہ آپ خود ہی اپنے جنازے کی نماز ادا کر رہے ہیں“ جواب دیا کہ ”اس حالت پر متعجب نہ ہو اور ہمیں زندہ سمجھ۔“

ان کا مزار پر انوار دشت کے گوشہ میں ساکرہ کے کنارے موضع موریانی میں اہل اللہ کے جمع ہونے کا مرکز ہے۔

[شیخ احمد اور شیخ محمد] مذکورہ شیخ ہوتھی کے دو فرزند شیخ احمد، ”اللہ پاک کے حضور میں پہونچے ہوئے“ اور شیخ محمد، ”آزاد دائم“ سندھ کے نامور بزرگوں اور مقتدر اولیا میں ہیں۔ شیخ احمد ہمیشہ عبادت اور مجاہدے میں مصروف رہتے تھے اور ایک لمحہ بھی ذکر سے خالی نہ رہتے تھے۔ [لیکن]

شیخ محمد قرب کے مقام باطنی [کے حامل ہونے کی وجہ سے] ظاہری و نفلی عبادتوں کی طرف توجہ نہ کرتے تھے۔ دونوں بزرگواروں کی کرامتیں شمار سے باہر ہیں۔ ان کی قربتیں اسی مقام پر والد بزرگوار کے برابر ہیں۔

ہارون منگریہ۔ یہ ایک بلند مرتبہ اور کرامت کلیہ کے مالک درویش، مخدوم شیخ احمد اور شیخ محمد کے ہم عصر اور دشت "تل" کے باشندے تھے۔ [یہ بزرگ] آپس میں محققانہ اور عارفانہ صحبتیں رکھتے تھے۔

درویش ابراہیم بن ناگودر تہیہ۔ یہ بزرگ ہمیشہ اناج اور سبزیوں پر گزارہ کرتے تھے اور جملہ رائج کھانوں سے اجتناب برتتے تھے۔ پکھی کا تیار نامی ایک شخص جو ان کا سب سے بڑا خادم تھا اسے ایک دن خیال آیا کہ شیخ کی غذا تو یہ ہے دیکھوں ان کا پاخانہ کیسا ہوتا ہے؟۔ چنانچہ ایک دن وہ لوٹا لے کر ان کے ساتھ بیت الخلا تک گیا اور درویش کے فارغ ہونے کے بعد [غلاظت کی بجائے] مشک سے بھی زیادہ خوشبودار دو سفید انڈے دیکھ کر [انہیں] اٹھا کر پکڑی میں رکھ لیا۔ [۳۶۹]

کہتے ہیں کہ شیخ کے مرض الموت میں مبتلا ہونے پر ان کی زوجہ گیموں کی دو [کھی میں تلی ہوئی] میٹھی روٹیاں پکا کر لائیں کہ شاید اسے وقت میں وہ کچھ کھالیں۔ [لیکن انہوں نے دیکھ کر] کہا کہ "اب جب کہ زندگی کا روزہ موت کے تیسرے پہر تک آہونچا ہے تو وہ اس چیز سے کیسے توڑدوں گا البتہ میری جانب سے یہ اجازت ہے کہ اگر کوئی شخص ایسی

میٹھی روٹیاں پکا کر مہرے نام پر [کسی کو] دے گا تو اس کی حاجت پوری ہوگی۔ اس وقت سے اس طرف کے لوگوں میں یہ رواج ہو گیا ہے کہ حلال کے گہیوں کی ایک ٹوکری ایک ہاتھ سے پیس کر ایک سیر گڑ اور [ایک سیر] گھی میں پکا کر ان کی روح پر فحوص کے غام پر کھلاتے ہیں اور مرادیں حاصل کرتے ہیں۔

مومن نامی ان کا لڑند کسی حادثہ کی وجہ سے گہرات کے قلعے میں قید تھا۔ وفات کے وقت اسے پکار کر انہوں نے کہا کہ ”بیٹا مومن! آکر مجھے غسل دے۔“ اس نے قدرت الہی سے سپینوں کے فاصلے کے باوجود والد بزرگوار کی آواز سن کر کہا کہ ”میں یہاں قلعے میں قید ہوں کس طرح آؤں۔“ فرمایا کہ ”میرا ہاتھ تھام کر آجاؤ۔“ [چنانچہ وہ] قدرت خدا سے باپ کی خدمت میں آکر حاضر ہو گیا اور ان کی تجہیز و تکفین میں مصروف ہو گیا۔ شیخ کا مزار دشت کے موضع ”سکر باری“ میں ہے۔

پکھو کاتیار۔ یہ مذکورہ شیخ ابراہیم کے ایک بڑے خادم اور صاحب حال و کرامات بزرگ تھے۔

درویش جھکروندھو۔ یہ دشت کے ایک مقتدر ولی اور صاحب کرامت بزرگ ہیں۔ ان کی تربت آمری میں ہے۔

درویش اسماعیل۔ درویش اسماعیل بن قمر الدین ایک نامور بزرگ عارف اور صاحب حقیقت درویش ہیں۔ درویش حالی کو ان کی وصیت کے مطابق، کشف کے ذریعہ حال معلوم کر کے [انہوں نے] خود بخود ایک دن کی مسافت سے آکر موضع آمری میں غسل دیا تھا۔ [۳۷۰]

درویش ہنو ڈاریجو۔ یہ دشت کے ایک ممتاز ولی ہیں۔ ایک رات یہ اپنی جھونپڑی میں یاد الہی میں مشغول تھے کہ کچھ شریر سواروں نے آکر زبردستی انہیں راہ دکھانے کے لئے ساتھ چلنے کے لئے بیت مارے۔ درویش با دلِ ناخواستہ ان کے آگے ہوئے۔ ابھی وہ چند قدم بھی مشکل سے چلے ہوئے کہ گھوڑوں کے پیر پتھروں سے ٹکرائے لگے۔ پتھروں کی آواز سن کر سواروں نے کہا کہ ”اس زمین پر پہلے تو کبھی پتھر نہ ہوتے تھے اب یہ پہاڑ کہاں سے آگیا؟“ فرمایا کہ ”یہ زمین نہیں کوہ قاف ہے جسے تم نے سنا ہوگا۔“ یہ کہہ کر [آن] سواروں کو وہیں موت کے منہ میں چھوڑ کر آپ اپنی جھونپڑی میں واپس چلے آئے۔ سنہ ۵۹۰۰ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ ان کی قبر موضع ”ریدہ“ کے سامنے ”رہن“ ندی کے کنارے ہے۔

درویشی حالہ سہتہ۔ یہ دشت کے ایک مقتدر ولی ہیں۔ طہارت اور پاکیزگی کا بے حد خیال رکھتے تھے۔ یہ اپنے ساتھ ہمیشہ پانی کے بھرے ہوئے دو بدھنے، ایک وضو کے لئے اور دوسرا استنجے کے لئے، رکھا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ غیر ہموار زمین سے گذرتے ہوئے پانی کے یہ دونوں بدھنے ہاتھ سے گر کر اور آپس میں ٹکرا کر ٹوٹ گئے۔ انہوں نے فرمایا ”خبردار کہیں پانی نہ کرا دینا“ قدرت خداوندی دیکھنے کہ [ان کے یہ کہتے ہی وہ] نئے ہوئے بدھنے سالم ہو گئے اور پانی ایک قطرہ بھی زمین پر نہ کرا۔ فوت ہوئے پر انہوں نے وصیت کی تھی کہ [میرا بایاں پیر بچپن میں گائے

کے کوہر میں سن گیا تھا اس لئے [میت کو] غسل دیتے وقت اس پر پانی کے بیس لوٹے بھاتا - [چنانچہ] ایسا ہی کیا گیا - ان کی تربت آمری میں ہے -

درویش علاؤالدین بگہیہ - یہ دشت کے مشہور ولی تھے - ان کی زبان مقبول اور حتمی تھی - جو کہتے تھے وہ ضرور ہوتا تھا - ان کی دعا کا تیر کبھی نشانہ [۳۷۱] قبولیت پر خطا نہ ہوا - انہوں نے سنہ ۵۹۰ھ میں وفات پائی - دشت میں برہمن آباد کے قریب آرام پذیر ہیں -

قاضی مددہ ابن حماد - ان کی پشتیں سہرہ خطبہ کے قاضیوں سے ملتی ہیں - یہ دشت کے اولیا میں سے ہیں - ایک شخص کے پاس ایک ہانجہ کھوڑی تھی اس نے آکر قاضی سے اس کے گاہن ہونے کی دعا کے لئے درخواست کی اور منت مانی - ان کے ہاتھ میں اس وقت ایک لیمو تھا وہ انہوں نے کھوڑی کو کھلانے کے لئے دیا - خدائے پاک کی قدرت سے کھوڑی گاہن ہو گئی اور کچھ عرصے کے بعد اس نے ایک بے بہا بچا جنا - جس کے بڑے ہونے پر [مالک کو] اس کے لئے گراں رقموں کی پیشکشیں ہونے لگیں - اتفاقاً قاضی صاحب کا اس شخص کی طرف سے گذر ہوا اور وہ بے ایمان منت ادا کرنے کے خوف سے جو کے کھیت میں جا چھپا - قاضی صاحب نے دل کی روشنی سے اس کے چھپ جانے کا حال معلوم کر لیا - چنانچہ انہوں نے اپنی پکڑی کی ایک چندھی پھاڑ کر اس طرف ہوا میں آجھال دی اور اس چندھی نے سانپ بن کر کھوڑی کے مالک کی انگلی کو ڈس لیا - اس کے ساتھی اس سانپ کو مار کر اسے

(گھوڑی کے مالک کو) قاضی صاحب کی خدمت میں لے آئے اور وہ ان کی دعا سے اچھا ہو گیا لیکن اپنی بے ایمانی سے باز نہ آیا۔ قاضی صاحب نے اس کے دل کا حال معلوم کر کے خادم سے کہا کہ جا کر اس گھوڑی کے بچہ سے کہہ دو کہ ہماری امانت واپس کر دے۔ یہ پیغام پہنچتے ہی اس نے اپنے منہ سے وہی لہجہ بھر نکالا اور [فی الفور] مرگیا۔ اس کے بعد انہوں نے وہ مردہ سانپ لے آنے کا حکم دیا [لوگوں نے جب دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ] وہی چنڈھی ہے۔

کہتے ہیں کہ انہوں نے سمجھ لوگوں سے جو ان کے عزیز تھے رشتہ طلب کیا۔ شادی کی رات آنی تو رسم و رواج کے مطابق عورتیں مذاق چھیڑ خانی اور واہیات باتیں کرنے لگیں اور انہوں نے درویش کو بڑا تنگ کیا۔ [درویش نے] [۳۷۲] بہتیرا سمجھایا لیکن وہ نہ مانیں بلکہ پہلے سے بھی زیادہ چھیڑ چھاڑ اور کالی گفتار کرنے لگیں۔ آخر کار انہوں نے کوٹھری کا دروازہ بند کر کے انہیں بلند آواز سے تنبیہ کی [لیکن اس کے باوجود] جب وہ اور زیادہ شرارتیں کرنے لگیں تو انہوں نے غصہ میں آ کر کہا کہ ”یہ تو شاید گدھی ہیں جو ہوش مندی کی باتیں نہیں مانتیں“۔ قدرت الہی سے [یہ کہتے ہی] وہ سب عورتیں گدھی ہو گئیں اور گدھوں کی طرح ہینگنے لگیں۔ یہ [کرشمہ] دیکھ کر ان عورتوں کے خاوند آ کر قاضی صاحب کے قدموں پر گر گئے اور لاج رکھ لینے کے [خواستگار ہوئے]۔ [چنانچہ] انہوں نے ان لوگوں کی منت سماجت اور عاجزی پر رحم کی نظر فرمائی اور راتوں رات وہ عورتیں اپنی اصلی حالت میں آگئیں اور شرمندہ ہو کر اپنے اپنے گھروں کو چلی گئیں۔ ان کی وفات



سنہ ۹۰۰ء میں ہوئی اور تربت موضع ونہیری میں ہے۔

درویش رکن الدین ولد دتہ (ڈتہ) - بارگاہ الہی کے یہ بڑے مقبول ہندے تھے اور بیشتر اوقات عبادت و ریاضت میں مصروف رہا کرتے تھے۔ ایک دن یہ مسجد میں سو رہے تھے کہ مسجد کا امام نفلوں سے فارغ ہو کر تیزی کے ساتھ گھر جانے کے لئے ہلٹا اور [اسی ہڑبڑاٹ میں] اس نے [یہ احتیاطی کے ساتھ] اپنی چادر جھاڑی جس کی وجہ سے چند تینکے درویش کے منہ پر جا پڑے۔ اسی وقت امام کی ٹانگیں خشک ہو گئیں اور وہ چلنے سے معذور ہو گیا۔ [اس پر وہ] سمجھ گیا کہ یہ اس کی اسی نادانستہ بے ادبی کی ہاداش ہے۔ [چنانچہ وہ] درویش کے قدموں پر گر پڑا [اور پھر] اچھا بھلا ہو گیا۔ [لطف یہ کہ اس طرف] درویش کو [اس معاملہ کی] کوئی خبر نہ ہوئی [اور وہ بدستور معو خواب رہے]۔

کہتے ہیں کہ آخری دنوں میں وجد کے غلبے اور ذکر کے جوش سے ان کی عجیب حالت ہو گئی تھی۔ جب بھی کسی کی بلند آواز یا تیز گفتگو ان کے گوش گزار ہوتی وہ ایک دردناک آہ کرتے تھے اور اس آہ کی آواز سن کر وہ [۳۷۳] اونچی آواز کرنے والا جان بحق ہو جاتا تھا۔ ان کی وفات سنہ ۹۸۸ء میں ہوئی۔

مخدوم محمد امین - یہ اپنے وقت کے موجد، کامل بزرگ حال ہی میں دشت باران کی سر زمین میں موضع ”داسوڑی“ میں ہو گذرے ہیں۔ مخدوم میدانہ طالب علم نصرپوری انہی کے مرید تھے۔

ہویکان (ہویک)

یہ مشہور قعبہ اور اہل اللہ کا مسکن ہے۔

[مخدوم جعفر] - مخدوم جعفر ابن مخدوم میران جن کا ذکر آگے چل کر ہوگا، مخدوم نوح کے ہمعصر، جامع کمالات اور مقتدر عالم ہو گزرے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ایک دن مخدوم نوح علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ ”میں نے خداوند تعالیٰ کو ان آنکھوں سے دیکھا ہے“ [اس پر مخدوم جعفر نے] فرمایا کہ ”آپ نے ان آنکھوں سے نہ دیکھا ہوگا۔ یہ حقیقت ظاہر کرنے کے لئے آپ کو چاہئے کہ جب بھی ایسی حالت آپ پر طاری ہو تو کسی خادم کو [اپنی] آنکھیں بند کر دینے کا امر فرمائیں اور اگر اس کے بعد بھی خدائے تعالیٰ کا دیدار قائم رہے تو پھر یقین کیجئے کہ یہ آنکھ وہ [ظاہری] آنکھ اور یہ دیدار وہ [عام] دیدار نہیں ہے۔“ مخدوم نوح نے یہ تجربہ کرنے کے بعد فرمایا ”اگر نہ ہوتا جعفر تو نوح ہوتا کافر۔“ ”عجالة الطالبین“ میں یہ عجیب روایت خود انہی سے نقل ہے کہ مجھ سے، عبدالقادر بن ابراہیم بن محمد ساکن مدینہ (منورہ) نے، الف الف (ہزار ہزار) صلوٰۃ و سلام کے اسموں کی روایت سے معزم سنہ ۹۵۹ھ میں روایت کی کہ مکہ شریف کا گورنر، کوہ طور سینا کے اس مقام سے کہ جہاں حضرت موسیٰ نے اپنے رب سے [۳۷۳] ملاقات کی تھی، ایک پتھر اٹھوا لایا تھا جسے جتنا بھی نور اُجاتا اس کے اندر [کی سرخ رنگ] کی تہ پر قدرتی سفید رنگ سے ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ لکھا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ ہڑے ٹکڑے پر پورا کلمہ اور چھوٹے پر کچھ حصہ

[نظر آتا]۔ اس نے مزید بیان کیا کہ اس مقام کے سارے پتھروں کی یہی خصوصیت ہے۔ اس پر میں نے کہا کہ ”یہ شاید آیت مقدسہ - اِخْلَعْ نَعْلَيْكَ اِنَّكَ بِاَلْوَادِ الْمُقَدَّسِ طَوًى - (۱) کا ایک راز ہے ا“۔ مخدوم مذکور عجائبات روزگار میں سے تھے۔ ان کی اولاد بھی آج تک فضل و کمال سے مزین چلی آتی ہے (۲)۔

مخدوم عبدالغنی اور مخدوم نورالدین - مخدوم عبدالغنی اور  
مخدوم نورالدین جن پر فضل و کمال ختم تھا اور ہر فن میں جن کے برابر کسی کو بھی دسترس حاصل نہ تھی، [۳۷۵]

(۱) یعنی ”نم نعلین اتار دو کیونکہ طوی جیسی مقدس وادی میں ہو“۔

(۲) مخدوم جعفر نے ”حل العقود فی طلاق السنود“ نامی ایک عجیب و غریب کتاب تصنیف کی تھی جس میں سندھیوں کے طلاق دینے کے طریقے اور ان کے شرعی احکامات بیان کئے ہیں۔ یہ کتاب بعض قدیمی کتب خانوں میں موجود ہے۔ اس سے دسویں صدی ہجری کے سندھی تمدن اور زبان پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ اس کتاب کے علاوہ مخدوم جعفر کی ایک اور معرکہ الآرا تصنیف ”الفتاویٰ فی مرمۃ الخزائنہ“ ہے اس میں حنفی فقہ کی مشہور کتاب ”خزانۃ الروایات“ کی تنقیح و ترمیم ہے۔ ”مجالۃ الطالبین“ بھی مخدوم جعفر کی تصنیف ہے۔

ان بزرگ کی پیدائش اور وفات کی تاریخیں معلوم نہیں ہو سکی ہیں۔ البتہ تاریخ معصومی سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ بزرگ مرزا شاہ بیگ ارغون کے سندھ پر حملہ کے وقت بقید حیات تھے چنانچہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کی وفات سنہ ۵۹۲ کے بعد واقع ہوئی ہو۔

وہ انہی کی [مخلدوم جعفری] اولاد میں سے تھے۔ [ان میں سے] ایک [بزرگ] نے محمد مراد باب خان کے عہد حکومت میں اور دوسرے [بزرگ] نے غلام شاہ کے زمانے میں وفات پائی۔ ان کی اولاد اب تک ان کی یادگار [کے طور پر] موجود ہے۔

حکیم عثمان۔ [وہ اپنے] وقت کے تجربہ کار اور ہگانہ بزرگ تھے۔

میان عبدالواحد۔ یہ سن رسیدہ بزرگ صاحب حال اور علم نجوم و رمل کے ماہر ہیں اور یہیں کے باشندے ہیں۔ نادر شاہ کے زمانے میں [مؤلف نے] انہیں خدا آباد میں دیکھا تھا۔ مذکورہ قصبہ میں اس وقت اور عہد قدیم میں شمار سے باہر بزرگ ہونکے لیکن معلومات کے مطابق صرف اسی ہر اکتفا کی گئی جو بھی مزید تحقیقات کریگا تو ثواب سے بے بہرہ نہ رہے گا۔ [۲۷۶]

## سولہواں باب

[ہرگندہالا کنڈی کے قصبہات اور وہاں کے بزرگ]

### ہالا کنڈی (ہالا)

ایک مشہور شہر اور اہل اللہ کی آرام گاہ ہے۔ اب دوبارہ بسا ہے۔ متعدد بار دریا کے سیلاب کی وجہ سے یہاں کے باشندوں کو ہجرت کرنی پڑی ہے۔

مخدوم اسحاق - یہ بھٹی قوم کے فرد، شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی کے خاندان کے مرید، فضیلت و کمالات میں بے نظیر اور اللہ تعالیٰ کے مقتدر اولیا میں سے ہیں۔ ان کے مناقب اور کرامتیں بے شمار ہیں۔ مخدوم احمد اور مخدوم محمد انہی کے فرزند ہیں جن کا آگے چل کر ذکر آئیگا۔

مخدوم احمد - یہ ایک انتہائی بزرگ ولی ہیں۔ ہمیشہ گمنامی میں وقت گزارا کرتے تھے۔ کبھی کبھی جب وہ ذکر و سماع کی محفل میں جاتے تھے تو ان پر ایسی حالت طاری ہوتی تھی جس کا ذکر یہاں سے باہر ہے۔

ان کی ایک کرامت یہ ہے کہ ایک زمیندار کا بیٹا

مرض الموت میں مبتلا ہوا۔ اس نے مخدوم احمد کو جماعت اہل اللہ سمیت دعوت دی۔ جب کھانا سامنے لایا گیا تو مخدوم نے دو دو [افراد] کو ساتھ بیٹھنے کا حکم دیا اور خود تنہا رہ گئے۔ [پھر] آپ نے رکن نامی اپنے خادم سے فرمایا کہ ”اس دعوت کرنے والے کے بیٹے کو لے آ، تاکہ وہ میرے ساتھ کھانا کھائے۔“ قضائے الہی سے وہ لڑکا اس وقت [تک] فوت ہو چکا تھا لیکن اس کے باپ نے ان بزرگ کی تشریف آوری کا لحاظ کر کے [یہ بات] ظاہر نہ کی تھی۔ اس (خادم) نے جواب دیا کہ ”اس کی حالت سخت ہے وہ نہ آسکے گا۔“ مخدوم نے فرمایا کہ ”میں اس کے بغیر [۷۷۳] نہ کھاؤں گا۔“ [یہ سن کر] وہ (خادم) اس لڑکے [کی میت] کے پاس گیا۔ مخدوم کے پیغام پر وہ زندہ اٹھ کھڑا ہوا اور مخدوم کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے ساتھ کھانا کھایا۔ [اس نے یہ بھی] بیان کیا کہ ”میری روح قبض کر کے چوتھے آسمان تک لے گئے تھے لیکن مخدوم مجھے وہاں سے واپس لے آئے۔“

کہتے ہیں کہ آخری زمانے میں وہ نیروں کوٹ (حیدرآباد) آئے ہوئے تھے۔ یہاں اتفاقاً محفل سماع میں ایک زرگر نے انتہائی سوز و گداز کے ساتھ کچھ [ایسے] آیات پڑھ جنہیں سنتے ہی مخدوم واصل بحق ہو گئے۔ ان کا جنازہ ہالا کینڈی لے آئے۔ نقل ہے کہ راستے میں [جنازے سے] ذکر جلی بہ آواز بلند سننے میں آیا۔

علوم ظاہری و باطنی کے کچھ نکات الہوں نے مخدوم عبدالرشید کی خدمت میں حاصل کئے تھے۔ ان کی وفات

سنہ ۸۹۲۶ء میں ہوئی ۔

[مخدوم فتح اللہ] ۔ ان کے فرزند سید مخدوم فتح اللہ نے والد

کی وفات کے بعد بزرگوں کی پیروی اختیار کر کے مسند ارشاد آراستہ کی ۔

[مخدوم احمد ثانی] ۔ مخدوم فتح اللہ کے بعد ان کے فرزند

مخدوم احمد ثانی ولایت و کمالات کی مسند پر رونق افروز ہوئے اور اپنے باہرکت وقت کو ہدایت و ارشاد میں صرف کیا ۔

[مخدوم عبدالحمید] ۔ ان کے بعد ان کے فرزند عبدالحمید جو

اعلیٰ صفات میں بگائے روزگار تھے ، انتہائی خوبصورتی کے ساتھ بزرگوں کا نام روشن کرتے رہے ۔ [۳۷۸]

[مخدوم عمر] ۔ ان کے بعد ان کے فرزند مخدوم عمر

اپنے وقت کے نامور باہدایت اور راہ معرفت کے سالک بزرگ ہوئے ۔ ان کی کرامتیں بے شمار ہیں ۔ انہوں نے تین فرزند

مخدوم حسین ، مخدوم ابراہیم اور مخدوم عبدالرؤف [یادگار] چھوڑے ۔ [ان میں] مخدوم ابراہیم ، صاحبِ حال و کمال ہو گذرے ہیں ۔

[مخدوم فتح اللہ (ثانی)] ۔ ان کے (مخدوم ابراہیم کے)

زبورِ کمال سے آراستہ فرزند مخدوم فتح اللہ ، راہ بقیوں میں اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر شاہانِ شان طور پر گامزن رہے ۔

[مخدوم عبدالحمید (ثانی)] ۔ وہ فوت ہو گئے تو پھر ان کے

فرزند مخدوم عبدالحمید ثانی بزرگوں کی مسند ارشاد پر متمکن ہوئے ۔ ان کی ذات گرامی اس دور میں خالص تبرک اور

غنیمت محض تھی ۔ مخدوم عبدالرؤف کے بعد جن کا آگے

چل کر ذکر آئیگا ، عقیدت مندوں کو انہوں نے عجیب فیض پہونچایا اور مدینہ منورہ میں وفات پائی ۔

[مخدوم رحمت اللہ] - ان کے بعد ان کے فرزند مخدوم رحمت اللہ خدا کی رحمت خاص اور کمال و فیض سے سرفراز ہوئے ۔ انہوں نے ہفتواں شباب ہی میں انتقال کیا ۔

[مخدوم عبدالرؤف] - مذکورہ مخدوم عمر کے یہ فرزند اپنے وقت کے عارف کامل ہو گزرے ہیں ۔ ہوش سنبھالنے سے لے کر وفات کے وقت تک ان کے اخلاق بے حد کریمانہ رہے ۔ وہ ہمیشہ عبادت و ریاضت میں مشغول رہا کرتے تھے ۔

ان کی کرامتیں بے شمار ہیں ۔ یہاں نور محمد (کھوڑا) ان کی بے حد خدمت کرتا تھا اور ان کے ایک ایک لفظ کی اطاعت کے واسطے دل و جان سے تیار رہتا تھا [۳۷۹] سنہ ۱۱۶۶ھ میں وہ رحمت خداوندی سے واصل ہو گئے ۔ مالہ کے قاضی زادے شیخ ابراہیم نے ان کی تاریخ وفات ”کان ولیا رؤف الخلق“ (۱) سے اخذ کی ہے اور محمد بنہ ”رجا“ لکھنوی نے ان کے منتخب حالات اشعار بلیغ میں نظم کئے ہیں ۔ طوالت کے خوف سے ان کا یہاں ذکر نہیں کیا گیا ۔ انکے بعد ان کا کوئی فرزند باقی نہ رہا ۔

[مخدوم نعمت اللہ] - اب مذکورہ مخدوم عبدالحمید ثانی کے فرزند مخدوم نعمت اللہ انتہائی بزرگی اور کمال کے ساتھ بزرگوں کی مسند کی زینت اور صاحبِ حال ہیں ۔

[حاجی دین محمد] - مخدوم عبدالحمید (ثانی) کے فرزند

(۱) یعنی ”وہ خلق پر سہراں ایک ولی تھے“ ۔



حاجی دین محمد بھی کمالات انسانی سے موصوف ہیں ..... (۱) کے بڑے بھائی مخدوم عبدالحمید، مخدوم عبدالرؤف کی زندگی میں ہی اپنا وقت انتہائی بزرگی کے ساتھ گزار چکے ہیں۔

[مخدوم محمد]۔ مذکورہ مخدوم اسحاق کے یہ دوسرے فرزند

ہیں۔ [انہوں نے علوم ظاہری کی تحصیل کو اوجِ کمال پر پہنچا کر باطن کی صفائی کی کوششیں کیں۔ اکثر خلقِ اللہ کے معاملات کے سلسلے میں فی سبیل اللہ حاکموں کے پاس آیا جایا کرتے تھے۔ شرع ظاہری کی مخالفت نہ برداشت کر سکتے تھے۔ کسی حاجت مند کے کام کے سلسلے میں [ایک مرتبہ] وہ جام نظام الدین کے پاس ٹھٹھ گئے۔ جام نے کہا کہ ”آپ کے بھائی [۳۸۰] مخدوم احمد کی بڑی تعریف سنی ہے، اُن کی زیارت کا بڑا اشتیاق ہے۔ اس لئے جب تک وہ آئیں آپ ہمیں قیام کریں۔“ آپ نے فرمایا کہ ”میرے بھائی کو نہ میری پرواہ ہے اور نہ تیری۔“ یہی گفتگو ہو رہی تھی کہ مخدوم احمد بھی جام کی مجلس میں آوارہ ہوئے۔ جام نے اُن کی زیارت کر کے بڑی عقیدت کے ساتھ خدمت کی۔ واپسی پر مخدوم احمد نے بھائی سے کہا کہ ”آؤ، جیسے میں آیا تھا اسی طرح زمین کو سیکور کر ہم دونوں چل کر

(۱) اس مقام پر نسخہ ”ن“ میں ایک نام لکھا ہے لیکن اسے دیمک چاٹ گئی ہے اس لئے پڑھنے میں نہیں آیا۔ مطبوعہ نسخہ کی عبارت اس مقام پر بڑی الجھی ہوئی ہے۔ لکھا ہے کہ ”مخدوم عبدالحمید برادر بزرگ درحیات مخدوم عبدالرؤف بزرگی اتم گذشتہ بود۔“ ظاہر ہے کہ اس عبارت کا مفہوم غیر واضح ہے۔

ہالا پہنچ جائیں اور عرض کی نماز وہاں پڑھیں۔" - مخدوم محمد نے جواب دیا کہ "آپ مرضی کے مالک ہیں لیکن میں فی سبیل اللہ سفر اور محنت کی تکلیف [کا ثواب] اپنے ہاتھوں سے نہ جائے دوں گا۔"

اس بزرگ کی اولاد میں بھی راہ معرفت کے مالک اور بڑے بڑے عارف پیدا ہوئے ہیں۔

مخدوم محمد یوسف - مخدوم عبدالرؤف کے عہد کے قریب یہ بڑے صاحب کرامت بزرگ ہو گذرے ہیں۔ ایک مرتبہ انہوں نے اپنے تصرف سے دریا کو موڑ کر بازار میں بہا دیا تھا۔

[مخدوم محمد صادق اور مخدوم محمد یعقوب] - یہ دونوں

بزرگوار بھی اپنے وقت کے کامل ولی ہو گذرے ہیں۔

مخدوم عبدالرشید - یہ جیٹہ عالم اور بڑے متقی بزرگ تھے۔

[لوگوں کی ایک بڑی جماعت [ان سے] علمی و عملی کمالات کا استفادہ کر کے اپنے وقت میں با ہدایت ہوئی۔ مذکورہ مخدوم احمد اور مخدوم محمد بھی ان میں شامل ہیں۔

درویش زکریا - یہ مذکورہ مخدوم اسحاق کے بھتیجے اور راہ

ہدایت کے مالک، خدا رسیدہ بزرگ تھے۔

شیخ فخر الدین صغیر - شیخ ابونجیب مہروردی کی اولاد میں

یہ بڑے مقتدر ولی اور [۳۸۱] راہ ہدایت کے بڑے باخبر

مالک تھے۔ حالہ میں آرام پذیر ہیں۔ یہ مخدوم نوح کے پانچویں دادا ہیں۔ ان کی زیارت اہل ایمان کے لئے باعث فخر ہے۔ ان کے درگاہ میں قبولیت کا فیض اس قدر [عام] ہے کہ سوالوں کی ہر مشکل حل ہو جاتی ہے۔

شیخ ابو بکر۔ یہ حالہ کے ایک کامل اور قدیم ولی ہیں۔ اس سر زمین میں ان کا مزار اہل اللہ کی زیارت گاہ ہے۔ مخدوم نوح کے ساتویں دادا شیخ فخر الدین ثانی بھی انہی بزرگ کے مقبرے میں مدفون ہیں۔

درویش رکن بھرا۔ یہ مخدوم احمد کے خادم خاص تھے اور [خدا] کی دائمی رضا اور راہِ قرب کے واصل تھے۔

مخدوم عربی دھیانو۔ یہ پھر آسات کے بھائی ہیں جو مکلی میں آرام پذیر ہیں۔ ان کا ذکر آگے چل کر ہوگا۔

کہتے ہیں کہ انہوں نے (مخدوم عربی نے) ایک ہی جگہ بیٹھ کر قرآن شریف کے ۱۴۰ ختم پڑھے تھے۔ جب وہ تلاوت کرتے تھے تو پرند اڑنے سے اور پانی بہنے سے رک جاتا تھا۔ ایک دن وہ اپنی خانقاہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ان کا ہاتھ سمندر کی جھاگ میں بھر گیا اور پانی کے کچھ قطرے بھی ٹپک پڑے۔ ایک محرم حال خادم نے بڑی عاجزی کے ساتھ اس راز کی حقیقت دریافت کی۔ فرمایا کہ میرا فرزند بایزید سر زمین حجاز [کے قریب] میرے معتقدین کے ایک گروہ کے ساتھ سمندر میں [کشتی پر] سوار تھا کہ اچانک اس کی کشتی گرداب میں غرق ہونے لگی۔ اس جماعت نے میرے فرزند کو سفارشی بنا کر منت مانی اس لئے ہاتھ لگا کر میں نے کشتی کو گرداب سے نکال کر کنارے پر پہونچا دیا۔ کچھ مدت کے بعد وہی لوگ نذر لے کر حاضر ہوئے اور بیان کیا کہ ”جب ہم کشتی [کے بچنے] سے ناامید ہو گئے تو ایک غیبی ہاتھ نے ہماری کشتی کو گرداب سے باہر کر دیا۔“

انہوں نے سنہ ۸۹۸ھ میں وفات پائی (۱) اور حالہ میں دفن ہوئے۔ [۳۸۲]

[مخدوم ہایزید]۔ مخدوم ہایزید، مذکورہ مخدوم عربی کے فرزند ہیں۔ اپنے والد سے خاصہ فیض حاصل کر کے یہ صداقت، استقامت، ہدایت اور ارشاد کے راستے پر گامزن ہوئے اور طالبوں کو یہ حد فائدہ پہنچاتے رہے۔ اب ان کی اولاد میں محمد عالم نامی ایک شخص حیات میں، اور سید عبداللطیف تارکی کا خلیفہ اور ان کے فیروں کی جماعت میں داخل ہے۔

[مخدوم مولانا ابوبکر بن داؤد ہرید ہالائی]۔ یہ بڑے بلند مقام اور صاحبِ حال بزرگ تھے۔ مخدوم نوح نے انہی سے فیض حاصل کیا تھا۔

[سید عبداللطیف حسینی]۔ یہ یہاں کے قدیم بزرگوں میں سے ہیں۔ ان کا مرقد عام خلقی اللہ کی زیارت گاہ ہے۔ انہوں نے خاصی اولاد چھوڑی جن میں سے سید فتح محمد آج کل [ان کے] سجادہ نشین ہیں۔ ان کی باقی اولاد متفرق قصبوں اور خصوصاً موضع ”کجن“ میں سکونت پذیر ہے۔

[مخدوم نوح ولد نعمت اللہ]۔ یہ صدیقی نسب کے بزرگ ہیں۔ امام المشرقین والمغربین نے اپنی ہشتی خود اس طرح بیان کی ہیں: نوح بن نعمت اللہ بن اسحاق بن شہاب الدین بن مخدوم سرور بن شیخ فخر الدین صغیر، جو ہالا میں مدفون ہیں، بن شیخ عزیز الدین بن شیخ فخر الدین ثانی جو شیخ ابوبکر کے مقبرے میں دفن ہیں، بن شیخ ابوبکر کتابی۔ ساکن کوٹ کروڑ، بن شیخ اسماعیل بن شیخ عبداللہ بن شیخ نصیر الدین بن شیخ سراج الدین بن شیخ ابونجیب ضیاء الدین عبدالقادر سہروردی رحمۃ اللہ علیہ، جو سلسلہ سہروردیہ کے بانی ہیں

تعمۃ الکرام

اور مخدوم نوح برطریق سحروردیہ ختم ہے۔ [غرض] شیخ ابو نجیب بن شیخ ابراہیم بن شیخ وجہ الدین بن شیخ محمد عمر بن شیخ عبداللہ بن شیخ رضا الدین محمد بن شیخ مسعود بن شریف ابوالقاسم بن شیخ محمد عمر بن حضرت عبدالرحمن بن امیرالمومنین [۳۸۳] حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔

[مخدوم نوح کے عم زاد] حضرت شیخ شہاب الدین، شیخ عبداللہ بن شیخ ابراہیم بن وجہ الدین کے فرزند تھے۔ [مخدوم نوح] سات دن کے تھے کہ نماز کی اذان سن کر انہوں نے صحت زبان کے ساتھ کلمہ طیبہ پڑھا تھا۔ ان سے روایت ہے کہ ”چودہ سال کی عمر میں مجھے جو کچھ ملنا تھا وہ حضرت سے مل گیا۔“ نقل ہے کہ اٹھارہ سال کی عمر میں ایک دن وہ خانقاہ میں مخدوم عربی کے ساتھ مراقبے میں مشغول تھے۔ مخدوم عربی، قرآن پاک کی تلاوت کر رہے تھے۔ وہ اٹھائیسویں سیپارے ہی تک پہنچے تھے کہ انہیں عالم بالا کا شوق دامن گیر ہوا۔ مخدوم عربی کی تلاوت قرآن پاک کا ادب رکھتے ہوئے ظاہری جسم کو تو وہیں چھوڑا اور خود آسمان کی سیر کرنے تشریف لے گئے۔ مخدوم عربی نے ابھی ختم پورا بھی نہ کیا تھا کہ واپس آگئے۔ فقیر بہاؤ الدین گودڑیہ کہتا ہے کہ ایک دن ہم ٹھٹھے میں سید علی شیرازی کے فرزند سید جلال کے یہاں بیٹھے ہوئے تھے کہ مخدوم (نوح) نے فرمایا کہ ”حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ گذرے۔“ حضرت علی نے تیزی کے ساتھ آکر فرمایا کہ ”اٹھو، تمہیں [حضرت] محمد رسول اللہ بلاتے ہیں۔“ حضرت ابوبکر آہستہ

آہستہ آ رہے تھے۔ حکم کے مطابق جب میں روانہ ہوا تو مجھے ایسا معلوم ہوا کہ جیسے میں کوہ ”لکی“ پر چڑھ رہا ہوں۔ بالآخر جب میں مجلس میں پہنچا تو وہاں حضرت عیسیٰ کو بیٹھے دیکھا۔ اچانک ایک لکھی ہوئی تختی مجھے ہاتھ میں ملی اور میں نے حضرت عیسیٰ سے [اس کا] سبق لیا۔ [پھر جب میں نے] سر اٹھا کر دیکھا تو حضرت رسول کریم پر نظر پڑی۔ [دیکھا کہ] آپ زانو تہ کئے بیٹھے ہیں۔ میں نے آنحضرت [صلعم] کی طرف توجہ کر کے نئے سرے سے سبق پڑھا۔ حضرت ابو بکر نے فرمایا کہ یا رسول اللہ یہ میری اولاد ہے۔

کہتے ہیں کہ یہ حضرت (مخدوم نوح) کسی وقت ٹھٹھے تشریف لائے۔ علمائے ظاہر نے سنا تھا کہ یہ ناخواندہ ہوئے کے باوجود قرآن پاک کی [۳۸۴] آیات کے معانی بڑی خوبی کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ [اکٹھے ہو کر] انہیں دیکھنے کے لئے آئے۔ [اس وقت] مخدوم ایک آیت کی تفسیر میں مشغول تھے۔ راوی کہتا ہے کہ میرے ہاتھ میں تسبیح تھی اور ہر معنی پر میں دانے بدلتا جاتا تھا۔ جب انہوں نے سکوت کیا تو میں نے شمار کیا کل اسی دانے ہو گئے تھے۔

ان کی کرامات و خصائل کے بیان کے لئے ایک علیحدہ کتاب کی ضرورت ہے اس لئے اسی مختصر بیان پر اکتفا کی جاتی ہے۔ ان کی وفات ۲ ذی القعد سنہ ۵۹۹۸ھ کو جمعرات کے دن ہوئی۔ شہر ہالا میں ان کی درگاہ مشہور ہے۔

مخدوم جلال۔ ان کے فرزند رشید مخدوم جلال بزرگی اور شایستگی کی نشانیوں اور کمال کی خرابیوں میں بے مثل

ہو گزرے ہیں ۔

[میاں ابراہیم]۔ یہ ان کے بھائی تھے اور وقت کے بزرگ اور جماعت فقرا کے مرشد تھے ۔

[میاں محمد زمان]۔ اس وقت میاں محمد زمان وقت کے بہر زادے اور مخدوم مرحوم کے سجادہ نشین ہیں ۔

مخدوم صدر الدین راہوتی۔ یہ ہر گنہ ہالا کے مضافات میں موضع ”جائیہ“ میں رہتے تھے ۔ ہمیشہ وعظ فرمایا کرتے تھے جو بے حد موثر ہوتا تھا ۔ سر میں ہمیشہ پیوند لکی ٹوپی پہنا کرتے تھے ۔ ان کی بلند مقامی کا حال مشہور اور صادقین کی جماعت میں ان کے کمالات کی پگائیکی معروف ہے ۔

[مخدوم مراد]۔ ان کے فرزند رشید مخدوم مراد ایک بڑے عالم اور نہایت برہیزگار [بزرگ] تھے اور درویش حسن مفری کے (جن کا بیان آگے چل کر آئیکا) ہم عصر تھے ۔

[قاضی منور]۔ یہ مخدوم مراد کی اولاد میں سے تھے ۔ کہتے ہیں کہ ایک دن قیمتی لباس پہنے [۳۸۰] یہ راستے پر چلے جارہے تھے کہ سید عبدالکریم (ہلڑی والے) نے انہیں دیکھ کر کہا کہ ”تمہارے دادا تو ہمیشہ پیوند لکی ٹوپی پہنا کرتے تھے ، یہ [شاندار لباس] تمہیں کس سے وراثت میں ملا ہے۔“ یہ سن کر ان پر بے حد اثر ہوا اور وہ جا کر اہل ساوگ کے زمرے میں شامل ہو گئے ۔

شاہ دیوانہ ہالائی۔ یہ ایک جلیل القدر مشائخ اور مقتدر صاحب کرامات بزرگ ، مخدوم عربی کے ساتھ مدفون ہیں ۔  
درویش قاسم۔ یہ اصل میں جولاءے تھے لیکن مخدوم نوح

کی سریدی کی برکت سے کارخانہ معرفت سے بڑا حصہ پا کر حقیقت کے تانے بانے سے خوب واقف ہو گئے تھے۔

میخفی نہ رہے کہ جب خدائے پاک کی توفیق سے مالہ کی مبارک سر زمین کے بعض اہل حقیقت کے مختصر حالات [ بیان کرنے ] سے فراغت ہوئی تو اب اس کے گرد و نواح کے نصبات کے بعض منتخب اہل اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ بزرگوں کی روحوں سے توفیق و امداد کی درخواست ہے۔  
و اللہ اعلم بالصواب۔

### بہانولہ

( یہ ایک مشہور قصبہ ہے )

درویش حسن مہری : یہ اصل میں بڑھئی تھے۔ انہوں نے دل کی تختی کو صفائی کے رندے سے چمکنا کر کے اور حقیقت کے نقوش [ سے منقش کر کے ] خوب آراستہ کیا تھا۔ کہتے ہیں کہ ایک طہارت خانہ تھا جس میں وہ جب بھی وضو کے لئے جاتے تھے تو بیخود ہو جاہا کرتے تھے۔ ایک دن ان کا ایک عزیز بڑھئی ان سے ملاقات کے لئے آیا۔ اتفاق سے [ اس وقت ] درویش وضو کے لئے طہارت خانہ میں گئے ہوئے تھے۔ اس نے جب اندر جا کر دیکھا تو درویش لٹکڑے لٹکڑے نظر آئے اور وہ دہشت زدہ ہو کر باہر نکل آیا۔ ایک دن دوپہر کے وقت وہ لوٹا ہاتھ میں لے کر وضو کرنے کے لئے بیٹھے یہ ہاتھوں پر پانی ڈالتا ہی چاہتے تھے کہ اس طرف موذن نے اذان شروع کی۔ درویش بے خود ہو گئے [ ۳۸۶ ] اور مسلسل دو-رے دن کی دوپہر تک بے ہوش پڑے رہے۔ کسی کو بھی [ انہیں ]



ہوٹے میں لائے گی طاقت نہ ہوئی۔ دوسرے دن جب اسی وقت موذن نے [پھر] اذان دینی شروع کی تو انہوں نے ہوٹے میں آکر کہا کہ ”شاید ابھی تک موذن نے اذان پوری نہیں کی ہے۔“

ایک دن مخدوم مراد ابن مخدوم صدرالدین راہوٹی اُن کی زیارت کے لئے آئے اور جیسے ہی وہ سواری کا پیل باہر باندھ کر ان کی خدمت میں آئے خادموں نے ان سے بیان کیا کہ سات دن ہوئے درویش وضو خانہ میں گئے ہوئے ہیں۔ [یہ سن کر وہ] حیران رہ گئے۔ اسی اثنا میں درویش بھی باہر آ گئے۔ مخدوم نے کہا کہ ”تم نے سات دنوں کے اریضے گنوا دیئے ہیں۔“ فرمایا کہ ”تم اپنے پیل کی تو جا کر خبر لو اس پتھر میں کیوں پڑے ہو؟“ اتفاقاً [اسی وقت خادموں نے] مخدوم کو بتایا کہ ان کا پیل کم ہو گیا ہے۔ چنانچہ بڑی تلاش کے بعد پیل کو پا کر وہ اپنے گھر واپس چلے گئے اور پھر کبھی لایر پر اعتراض نہ کیا۔

### خانولہ (کھالولہ)

یہ مشہور قصبہ ہے۔ یہاں کے رہنے والے سادات اصل میں متعلوی (مٹھاری کے) ہیں۔

چاندو شاہ۔ یہ حال ہی میں راہ سلوک کے واقف اور بڑے صاحبِ حال بزرگ ہو گذرے ہیں۔ یہ نہال شاہ مداری کے معتقد اور خلیفہ تھے جو کذبے لیلے پر آرام پذیر ہیں ان کا ذکر آگے چل کر آئے گا۔

### بھٹ (بھٹ شاہ)

یہ حالہ سے تین کوس کے فاصلہ پر نشیبی خطے میں واقع ہے اور حالہ کے زیر اثر ہے۔

[سید شاہ عبداللطیف] - سید شاہ عبداللطیف کی آرام گاہ اور مزار مبارک یہاں کے عجائبات میں سے ہے۔ یہ بزرگوار سید عبدالکریم کی [۳۸۷] اولاد میں، سید حبیب شاہ کے جو "تارک" کے لقب سے [مشہور ہیں، فرزند ہیں۔ سید حبیب شاہ ایک خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ ان تاریخ وفات "الموت جسر بوصل الحبیب الی لقاء الحبیب" (۱) سے نکلتی ہے۔ اس دور میں بہ اعتبار [مقام] ولایت شاہ عبداللطیف کا کوئی ہمسر نہیں ہے۔ ان کی کرامتوں کی نشانیاں اور مناقب کے آثار، سورج سے بھی زیادہ آشکار ہیں۔ اس مختصر [بیان] میں ان کا ذکر ممکن نہیں۔ امی ہونے کے باوجود خدای تعالیٰ نے ان کے قرطاس دل پر جملہ علوم نقش کر دیئے تھے۔ کہتے ہیں کہ مرزا [مغل] بیگ ارغون جس کی دختر حضرت کے نکاح میں نہی ان کا سخت دشمن تھا۔ جب اس نے وفات پائی تو حضرت کے ایک مرید نے "بود خبیث" کے جملے سے اس کی تاریخ [وفات] نکالی تھی۔ اس عارف کامل نے جب یہ سنا تو فی البدیہہ فرمایا کہ ایسا نہ کہنا چاہئے بلکہ یہ کہو کہ "یک مغل بہ بودہ"۔ حساب کیا کیا نو ٹھیک اسی سال کی تاریخ نکل آئی۔ یہ واقعہ ہے کہ ایک امی شخص سے ایسے واقعے کا صادر ہونا کرامت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔

جس دن آپ نے اس دنیا سے رحلت فرمائی اس دن ان کے ماتم میں کتنے ہی مریدوں نے جانبیں دیں۔ ان کا مزار مقدس

(۱) یعنی "موت ایسا دل ہے جو دوست کو دوست کے قریب

تک پہنچا دیتا ہے۔"

ایسی بوٹ میں ایک عجیب روح پرور اور باصلاح مقام ہے۔ ان کی قبر پر ایک عظیم الشان مقبرہ تعمیر ہے۔ جسلمیر کے راجہ نے تقارے نذر کئے ہیں جو صبح و شام [بجائے جاتے ہیں] درگاہ پر عجیب کیفیت و سرور اور انتہائی صفا و حضور حاصل ہوتا ہے (۱)۔ [۳۸۸]

[سید جمال شاہ]۔ اب سید جمال شاہ اس ولی کے جانشین اور ظاہری و غیبی کرامات سے مخصوص ہیں۔ [ان کے علاوہ] سلسلہ نقرا میں کتنے ہی [دیگر] نامور خلفا [وجود] ہیں۔

### جسلمیر

یہ مشہور گاؤں ہے۔ جس میں :

شیخ طاہر۔ کی درگاہ عجیب باہرکت ہے۔ اس ولی کی ذات گرامی پگانہ روزگار [تھی اور وہ] عجیب انداز سے رہا کرتے تھے۔ ہندو انہیں ”لال اڈرو“ اور مسلمان شیخ طاہر کہا کرتے تھے۔ بہر حال ایک معتبر سے روایت ہے کہ یہ

(۱) مطبوعہ نسخے میں شاہ صاحب کی تاریخ وفات کے متعلق یہ قطعہ مرقوم ہے جو اس کتاب کی عبارت سے ہر چند کہ غیر مربوط ہے لیکن پھر بھی الادبیت سے معرا نہیں ہے۔

شاہ صاحب ذوالخواہب سید عبداللطیف

آنکہ قطب وقت خود بود ست از مردان حق

چون ز جام ارجعی مخمور نوش وصل شد

گفت ملہم غیب سال رحلتی رضوان حق ۱۱۶۵ھ

یہی قطعہ مسجد شریف کی ایک دیوار پر جو مقبرے کے شمال کی سمت ہے، نقش ہے لیکن یہ خبر نہیں کہ یہ قطعہ کس نے کہا ہے۔

شرابِ حلیت کے سرمست، پہلے جنگلوں میں رہا کرتے تھے۔ ایک دن کھانے کے لیے ان کے ہاتھ میں کچھ کھیرے تھے کہ اچانک ایک اونٹ قطار سے بھڑک کر شیخ کی جھولہڑی کی طرف آنکلا۔ چونکہ اللہ پاک کی ذات بے مثال کا جلوہ مخلوقات کے ہر فرد میں موجود ہے اس لیے شیخ نے بھی اس اونٹ کو نگاہِ حلیت سے دیکھا اور کہا کہ ”اے اللہ: جبکہ تو نے اس مسکین (فقیر) پر یہ احسان کیا ہے تو اب جو کچھ حاضر ہے اس کو کھانا [بھی] چاہئے۔“ اونٹ چونکہ بھڑکا ہوا تھا اس لیے نہ ٹھہرا اور یہ سینٹیں کرتے ہوئے اس کے پیچھے دوڑتے رہے۔ اسی وجہ سے وہ اس مرتبہ کو پہونچے جس پر ٹائز ہیں۔ ان کی رحلت کے بعد ان کی درگاہ [۳۸۹] خلقِ اللہ کی زیارت گاہ ہے۔ ہر سال یہاں عجیب میلہ لگتا ہے۔ سارے سندھ سے ہندو عورتیں آکر یہاں اکٹھی ہوتی ہیں اور بغیر پردے کے یہاں کے کلی کوچوں میں کھوسنی بھرتی ہیں۔ لال اڈیرو کے نام پر جو بھی انہیں لاجپنے کے لیے زور دیتا ہے وہ اپنے شوہروں اور عزیزوں کی موجودگی میں بھی اس سے انکار نہیں کرتیں۔ [مگر] دیکھنا شرط ہے سننا نہیں۔

[میر محمد منعم] :- یہاں رہنے والے سادات میں سے میر منعم زمینداری کی دولت سے مالا مال اور ایک طاقتور شخص تھے۔ مہمان نوازی، سخاوت و بخشش کے ذریعے وہ ہر آنے جانے والے کی خوشی کے طالب رہا کرتے تھے۔ اپنے وقت کے وہ ایک مشہور و معروف انسان دوست ہو گزرے ہیں۔ ان کے فرزند سید اسد اللہ بھی اپنے باپ کی [شاہانِ شان] یادگار اور آہانی

خوبیوں میں والد سے بھی زیادہ مشہور و معروف تھے۔

### کھیر

یہ ایک مشہور گاؤں ہے۔

[درویش نوح کھیرائی]۔ یہ مویشی چرانے پر گذران کرتے تھے اور صاحبِ حال و کرامت بزرگ تھے۔ ”حدیقۃ الاولیاء“ میں مذکور ہے کہ جب شیخ حماد جمالی کی دعا سے جام تماچی دہلی سے واپس ہوا تو جیسا کہ بیان ہو چکا ہے اس (درویش نوح) نے اسے موضع کھیرن میں بتایا تھا کہ تین دن سے جام تماچی کے نام کی منادی ہو رہی ہے، حالانکہ وہ جام جونہ کا زمانہ تھا۔

### انڈپور

قدیم زمانے میں یہ جام انڈ کا آباد کیا ہوا ایک قصبہ ہے۔ حال ہی میں دریائے سندھ نے یہ ساری زمین غرقاب کردی ہے۔

مخدوم ساہڑ لنجار۔ یہ بڑے آزاد منش اور وقت کے صالح بزرگ تھے۔ [۳۹۰] ہمیشہ عبادت میں مشغول رہا کرتے تھے اور رات یا دن کسی بھی وقت پروردگار کے ذکر سے خالی نہ رہتے تھے۔ ان کی مجلس میں کبھی کوئی دنیوی گفتگو نہ ہوتی تھی۔ جس پر بھی وہ توجہ کی نظر کرتے وہ ولایت کے مرتبے پر فائز ہو جاتا تھا۔ [بیان کرتے ہیں کہ] سوروں کا ایک ریوڑ حسبِ عادت ان کی زراعت کو نقصان پہونچا جایا کرتا تھا۔ مزارع ان کے پاس فریاد لیکر آئے۔ [آپ نے] خادم سے فرمایا کہ جا کر سوروں کو پیغام دے کہ اب ”ہماری زراعت

کے قریب نہ آنا"۔ [چنانچہ] اس پیغام کے بعد پھر سو رکبھی نہ آئے۔ کہتے ہیں کہ وہ جب بھی مٹیاری میں آتے تھے تو شب کو کبھی پاؤں پھیلا کر نہ سوئے تھے۔ کہا کرتے تھے ہر طرف سادات کے گھر ہیں اس لئے ادب کا تقاضا یہ ہے کہ کسی کی طرف بھی پاؤں نہ پھیلائے جائیں۔ خود ان سے روایت ہے کہ "میں نے [اپنے] پییر سے سنا ہے کہ جس انسان میں [یہ] تین صفات دیکھو اس سے ضرور فیض الہاؤں تمہارا مرشد وہی ہے۔ ایک یہ کہ اگر اس کے سامنے رہو تو تمہیں خدا یاد آئے۔ دوسرے وہ جو کچھ کہے وہ تمہارے دل میں اتر جائے۔ اور تیسرے یہ کہ اس کی صحبت سے جدا ہوتے ہوئے تمہیں دکھ ہو"۔ یہ بزرگ بھی ہمیں مدفنوں میں۔

### بوہری

یہ ایک قدیم گاؤں ہے۔

سید حمزہ۔ یہ اصلاً مٹیاری کے ہیں درہائے معرفت کے غواص اور یقین کی خوبیوں کے جامع بزرگ تھے۔ سلسلہ نقشبندی کے ممتاز رہبر ہو گزرے ہیں۔ [۳۹۱]

## سترھواں باب

[بدین، تلہار، ونکی اور ولہار وغیرہ شہروں اور  
ہران (نڈی) کے کنارے کے قصبات کے بزرگ]

### بدین

یہ صوبہ سندھ کا ایک مشہور شہر ہے۔ یہاں کے بزرگوں  
میں :

درویش بھنبھو نارنجہ - صاحب کرامت اور بڑے پرمہیزگار  
بزرگ ہیں۔ بدین کے قریب آرام پذیر ہیں۔

شاہ قادری - یہ بزرگ حضرت غوث الثقلین کی اولاد میں سے  
ہیں۔ بدین کے باہر جنوب کی طرف ان کی درگاہ مرجع اہل اللہ ہے۔  
[سید عارف شاہ] - ان کی اولاد میں سید عارف شاہ اپنے زمانے  
کے مشہور بزرگ تھے ایک دنیا ان کی عظمت کی قائل تھی۔

سید بہار شاہ - ان کے بعد سید بہار شاہ ہدایت، فضیلت اور  
سخاوت میں بے حد مشہور ہوئے۔ بزرگوں کی یہ نسبت لوگ  
ان کے زیادہ مرید ہوئے۔

سید مولیدہ - اب ان کے چچا زاد بھائی سید مولیدہ اور ان کے فرزند، پیر کے - جادہ نشین ہیں -

مخدوم طوٹھاچی - بدین کے مغرب میں ان کی درگاہ ایک مدت سے عوام کی زیارت گاہ ہے - ان کی اولاد دیہانی باشندوں کی حیثیت سے موجود ہے - [۴۱۲]

مخدوم صالح - یہ مذکورہ مخدوم طوٹھاچی کے مرید اور مقتدر بزرگ تھے - مخدوم طوٹھاچی کے مزار کے قریب دفن ہیں -  
مخدوم یوسف - ان کے فرزند مخدوم یوسف بھی بزرگوں کے راستے کے راہی اور عالم و پرہیزگار تھے -  
مخدوم عثمان - ان کے فرزند مخدوم عثمان اپنے وقت کے مشہور و معروف بزرگ ہو گزرے ہیں -

مخدوم عبدالرحیم [ان کے فرزند مخدوم عبدالرحیم شاہ جہاں کے آخری زمانے میں ٹھٹھے کے مفتی کے عہد سے ہر سرگراز ہو کر وہیں رہنے لگے -

میاں اسد اللہ] ان کے فرزند میاں اسد اللہ بدین کے مفتی ہوئے اور یہیں رہ گئے - ان کی اولاد [اب بھی] وہاں موجود ہے - مخدوم عبدالرحیم کے دوسرے فرزند محمد شفیع کا ٹھٹھے میں ذکر ہوگا -

مخدوم حاجی - ان کی درگاہ شہر کے اندر واقع ہے اور وہ قدیم زمانے کے مشہور بزرگوں میں سے ہیں -

سید میر - یہ یہاں کے مشہور مشائخین میں سے ہیں - ان کی درگاہ بدین کے جنوب میں عوام کی زیارت گاہ ہے -

سید عبداللہ] ان کے فرزند سید عبداللہ نے انتہائی بزرگی



اور عظمت کے ساتھ زندگی گزاری ہے ۔

سید محمد زمان ۔ ان فرزند سید محمد زمان آج کل ان کے مسند نشین ہیں اور ایک بڑی جماعت ان کی معتقد ہے ۔  
شاہ نور ۔ ان کی درگاہ بھی بدین میں خلیفہ اللہ کی زیارت گاہ ہے ۔ [۴۱۳]

قاضی عبدالملک ۔ انتہائی علم و عمل کی وجہ سے [یہ بھی] یہاں کے محبوب بزرگوں میں سے ہیں ۔

قاضی امان اللہ ان کے پوتے قاضی امان اللہ بڑے صاحب حال بزرگ ہو گذرے ہیں ۔

قاضی کرم اللہ آج کل قاضی عبدالملک کی اولاد میں قاضی کرم اللہ حیات میں ۔

حافظ داؤد ۔ یہاں کے باشندے حافظ داؤد ایک مقتدر ملا ہیں ۔ ان کی وفات سنہ ۱۰۳۰ھ میں ہوئی جو کسی شخص نے اس معبرہ سے دریافت کی ہے : ”داؤد بدین رلت بلردوس ابد“ ۔

سید اسماعیل اور سید عمر ۔ مخدوم جلال جہانیاں کی اولاد میں یہ سید حاجی حمید نظام الدین بخاری کے فرزند ہیں اور تحصیل بدین کے ایک قصبے ”داہر سادات“ میں آکر سکونت پذیر ہوئے تھے ۔ ان کی اولاد یہاں مشہور ہے ۔ سید عمر بارگاہ میں مدفون ہیں ۔ ان کے فرزند سید میو اور سید لدھا اپنے وقت کے نامور بزرگ ہو گذرے ہیں ۔ [اپنے بعد انہوں نے] سید میو، سید حمید اور سید احمد [فرزند] چھوڑے ۔ سید حمید کے سترہ بیٹے اور بارہ بیٹیاں ہوئیں ۔ جن میں سید عبدالرحیم نامور فرزند اور برگزیدہ ہمساندگان میں سے ہیں ۔ ان کے فرزند سید عبدالقدوس

کے ، سید پہلو ، سید امین ، سید عبدالکریم اور سید صالح ، چار بیٹے ہوئے - ان کی اور سابقہ بزرگوں کی اولادیں وہیں سکونت پذیر ہیں -

سید سلطان شاہ - یہ خواجہ خلیل خان کے ، جن کا ذکر حکمرانوں میں کیا جا چکا ہے ، بھانجے تھے - ماموں کے موقوف ہونے کے بعد یہ ان کی جاگیر میں ، ٹھہرے چلے گئے اور پھر میاں ابوالقاسم نقشبندی کی خدمت میں مرید ہو کر بلند مرتبے پر فائز ہوئے - اس کے بعد بدین میں رہائشی اختیار کی اور ایک بہت بڑے بزرگ اور [۳۱۴] صاحب کرامت [ولی] ہو گئے - لوگوں نے گروہ در گروہ ان کی مریدی اختیار کی اور ایک بڑا کاؤں ان کے نام سے موسوم ہو گیا - چند سال ہوئے کہ وہ [اپنی] با ہدایت اولاد چھوڑ کر انتقال کر گئے ہیں -

سلا قیصر - عبداللطیف نامی یہ ایک فاضل ، ہوشیار اور قابل شاعر تھے - ہر چھ ماہ میں عالمگیری کی بارگاہ میں یہ ، توارپوں کا جوڑا [آئندہ] (۱) لے جاتے تھے اور لایق اعزاز ہاتے تھے - ان کے آخری دنوں میں بادشاہ نے [اپنے] اس فاضل دوست کی ضعیفی پر رحم فرما کر معقول وظیفہ مقرر کر دیا تھا تاکہ وہ گوشہ وطن میں بیٹھ کر آرام کے ساتھ اپنی عمر پوری کریں -

شیخ اسماعیل قریشی - یہ شیخ بہاؤ الدین ملتانی کی اولاد میں سے ہیں - بدین کے قریب ایک بڑے گاؤں میں ان کا مزار ایک دنیا کی زیارت گاہ ہے - شیخ ابن شاہ جن کا ذکر آگے چل کر آئے گا انہی کی اولاد میں ہیں -

(۱) ایک خاص قسم کی نرم و نفیس چٹائی -

شیخ عالم شاہ - مذکورہ بزرگ کی اولاد میں شیخ عالم شاہ ان کے جانشین اور بڑے با ہدایت بزرگ تھے - حال ہی میں انہوں نے انتقال کیا ہے -

میاں محمد زمان - یہ مشہور مرشد میاں ابوالقاسم نقشبندی اور میاں محمد نقشبندی ٹھٹوی کے مرید تھے - بڑے با ہدایت، سلسلہ نقشبندی کے مریدوں کے مرجع اور صاحب کرامت بزرگ تھے - بدین کے قریب موضع لواری میں سکونت پذیر رہے اور ایک دنیا کو [اپنے] درپائے فیض سے سیراب کرتے رہے - لاتعداد لوگوں کا اعتقاد ہے کہ یہ اپنے عہد میں بے نظیر تھے - [بہ ظاہر] آمدنی کا کوئی ذریعہ نہ ہونے کے باوجود ان کا لنگر جاری رہتا ہے - تعجب ہے کہ ایک گروہ حقیقت کو سمجھے بغیر صرف ظاہر کو دیکھ کر ان پر طعنہ زنی کیا کرتا ہے - انہی ایام میں فضائے اہل کو جا پہنچے ہیں یعنی سنہ ۱۸۸۸ء کے آخر میں رحلت پائی ہے - [۳۱۰]

### چاچک

یہ تحصیل بدین کے تعلقہ جون کے ایک گاؤں اور [ایک] قوم کا نام ہے اور اس علاقے کو سرکار چاچکان (یا ہرگنہ چاچکان) کا لقب دیا گیا ہے - یہاں کے بزرگ مندرجہ ذیل ہیں :

شیخ موسیٰ - شیخ مغل کے بہ فرزند [اپنے] والد کے بعد ان کی مسند پر بیٹھ کر وقت کے پرہیزگار اور نامور بزرگوں میں شمار ہوئے - [شیخ مغل کا] بیان آگے چل کر ہوگا - یہ (شیخ موسیٰ) ہمیشہ اہل صفا کی میزبانی کے لئے مستعد رہا کرتے اور رسوم مہمان نوازی کی بجا آوری میں بے حد توجہ کرتے تھے - ان کی قبر موضع چاچکان میں خلق اللہ کی زیارت گاہ ہے -

### ونگو (ولنگی)

سرکار چاچکن سے آگے یہ ایک اقدیم ، مشہور و معروف گاؤں اور ایک علاحدہ خطہ ہے ۔

درویش چرکس ابن ڈنہ سرکی - یہ ایک عاشق دین اور راہ حقیقت کے سالک تھے ۔ میدان تعلیمی میں ان کا سرکسہ توفیق سب سے آگے تھا ۔ اکثر درویش ان کی نظر سے فیض پاتے تھے ۔ ایک دن انہوں نے مخدوم ہلال کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا کہ ”فرض کے ادب کا مرتبہ بلند ہے یا [انہی] مخدوم کی خدمت گزاری کا“ ۔ مخدوم ہلال نے جواب دیا کہ ”فرض کے ادب کو ترجیح [حاصل] ہے“ ۔ ظاہر ہے کہ یہ جواب ان کی مرضی کے مطابق نہ تھا ۔ [چنانچہ] ان کے جانے ہی مخدوم کے لوحِ دل سے جملہ علوم مٹ گئے اور عاجز و پریشان ہو کر انہوں نے جا کر [درویش چرکس سے] معافی طلب کی درویش کی نگاہ فیض سے ان کے لوحِ دل سے جو کچھ میٹ گیا تھا دوبارہ نقش ہو گیا ۔

ایک مرتبہ کسی شخص کی گائے کھو گئی ۔ اس نے آکر شیخ چرکس سے دعا طلب کی ۔ [انہوں نے] فرمایا ”اے خداوند! اگر [۱۶] تیری بارگاہ میں یہ بات درست ہے کہ جو بھی نذرانے کے بغیر دعا کا طلب گار ہوگا وہ مراد نہ پائے گا تو پھر گائے مہیا کر“ ۔ [یہ الفاظ ادا کرتے ہی] وہ کم شدہ گائے خود ہی واپس آگئی ۔

### ولہار

یہ بھی ایک مشہور و معروف گاؤں کا نام ہے ۔

درویش مدرائین کیراؤں ہو۔ یہ مندر کے ایک مقتدر مشائخ  
 اور برگزیدہ ولی ہیں۔ ان کے سر، چہرہ اور جسم کے کسی  
 بھی حصے میں بال نہیں تھے۔ ساری عمر یہ کنوارے اور مجرد  
 رہے۔ کسی وقت یہ ملتان گئے۔ [چلتے چلتے] جب یہ ملتان  
 کی راوی ندی کے کنارے پہنچے تو شام ہو گئی۔ بہر کی  
 زیارت کے شوق میں وہاں [رات] گزارا انہیں ناگوار ہوا۔  
 چنانچہ انہوں نے میرہو کو پکارا۔ میرہو نے دوسرے کنارے  
 سے ہی بڑ بڑانا شروع کر دیا کہ ”اس وقت کشتی لائے کا  
 کون سا وقت ہے؟“ [یہ سن کر] انہوں نے حصے میں خادم  
 کو اپنا لوٹا بھرنے کا حکم دیا۔ قدرت الہی سے وہ سارا دریا  
 اس لوٹے میں سما گیا اور خشک راستہ پیدا ہو گیا۔ درویش  
 نے اسی وقت جا کر شیخ کی زیارت کا فیض حاصل کیا۔ صبح  
 ہوئی تو دریا کا ہانی خشک ہو جانے کی وجہ سے خلق میں  
 کہرام برپا ہو گیا۔ درویش نے وہ لوٹا لاکر شیخ کی خدمت  
 میں حاضر کیا اور سارا حال بیان کر کے ہانی واپس کر دینے  
 کے بارے میں مشورہ طلب کیا۔ شیخ نے فرمایا کہ یہ ہانی  
 استعمال کر ڈالنا چاہئے تاکہ یہ کرامت یادگار رہے۔  
 [چنانچہ] اس وقت سے وہ ندی خشک پڑی ہوئی ہے۔ ایک  
 دن درویش لسو کا کڑو، شیر پر سوار ہو کر ان سے ملنے کے لئے  
 آئے۔ درویش صدر کے سامنے گائے کا ایک شیر خوار بچھڑا  
 بندھا ہوا تھا۔ درویش لسو نے کہا کہ ”میرا شیر بھوکا ہے  
 اس لئے یہ بچھڑا ایسے مہمانی کے طور پر دے دیجئے“ [انہوں نے]  
 فرمایا کہ ”اس کی ماں جنگل میں گئی ہوئی ہے جب وہ واپس

آئے کی [۳۱۷] اور اپنے بچے کو نہ ہانے کی تو پریشان ہوگی۔ وہ بولے ”کچھ بھی ہو یہ [بچھڑا] ضرور شہر کی خوراک بننا چاہئے۔“ کافی حجت مولیٰ لیکن وہ نہ مانے۔ بالآخر انہوں نے نوکر کو حکم دیا جس نے بچھڑے کو کھول کر شہر کے سامنے کر دیا۔ لیکن درویش صدر کی کرامت سے شیر اس بچھڑے کو دیکھتے ہی بھاگ کھڑا ہوا اور بچھڑا اس کا تعاقب کرتے لگا۔ کھبرا کر شہر جنگل میں جا چھوٹا اور بچھڑا واپس آکر اپنے مالک کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ ان کا مزار مذکورہ گاؤں میں ہے۔

درویش صابر ولہاری۔ یہ ذات کے ”پرند“ تھے اور شاہ عنايت صوفی کے ہم عصر تھے۔ ساری زندگی، یہ دن کو روزے رکھنے اور رات کو عبادت کیا کرتے تھے۔ [اس کے علاوہ] یہ ہمیشہ درس قرآن بھی دیا کرتے تھے۔ بے انتہا بزرگی اور پرہیزگاری کے حامل تھے۔

میاں معروف۔ ان کے فرزند میاں معروف کا مقبرہ مشہور ہے۔  
میاں مقبول۔ ان کے فرزند میاں مقبول اس وقت حیات میں اور اہل اللہ میں قبولیت کی زندگی گزار رہے ہیں۔

### کوچھو

یہ سر زمین ولگی اور ولہار کا ایک مشہور گاؤں ہے۔  
سید ساجن۔ لقب ”سوانی“۔ یہ اصل میں مٹیاری کے تھے۔  
 مخدوم نوح رحمۃ اللہ علیہ کے سرید اپنے وقت کے ایک برگزیدہ ولی ہو گذرے ہیں۔ بے حد مشہور ہونے کی وجہ سے ان کا حال اور کرامتوں کی تفصیل [یہاں] تحریر نہیں کی جاتی ہے۔ ان کی

درگاہ اہل اللہ کی زیارت گاہ ہے اور ان کی زیارت یہ حاجتمندوں کی مرادیں پوری ہوتی ہیں۔ ان کے ہوم وفات پر ہر سال بڑا میلہ لگا کرتا ہے جس میں خرید و فروخت کے لئے ہر طرف کے آدمی آیا کرتے ہیں۔ [۳۱۸]

[سید بنی لدھوا]۔ ان حضرات کے ہوتے سید بنی لدھو ذکر خدا میں اس قدر محو رہا کرتے تھے کہ جنگلی جانور یا پرند بھی ان سے نہ بھڑکتے تھے، اور شیر اور بھڑیے وغیرہ ان کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک دن وہ دریا کے کنارے سے گزرے تو انہیں دیکھ کر مینڈک ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ [اس پر وہ] کہنے لگے کہ ”شاید انہوں نے اب بھی مجھ میں غیر کو دیکھا ہے۔“ اس کے بعد وہیں بیٹھ کر آہ و زاری میں انہوں نے آٹھ گھنٹے گزار دیئے تا آنکہ مینڈک دریا سے نکل کر ان سے الگ کرنے لگے۔ کہتے ہیں کہ اپنے گھر سے لے کر دادا بزرگوار کی آرام گاہ تک، جو ایک تیر کا بھی فاصلہ نہیں ہے، وہ صبح سے شام تک چلتے رہتے تھے۔ [تب کہیں جا کر یہ مشکل پہنچتی تھی]۔ دیر کا سبب یہ ہوتا تھا کہ راستے میں جو بھی اینٹ، پتھر وغیرہ دیکھتے تھے اسے اٹھا کر دیر تک [اس کی حقیقت میں] غرق ہو جاتے تھے اور بار بار ”سبحان اللہ“ کا جملہ ادا کرتے تھے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے فرزندوں نے [ان کا] مقبرہ یا حجرہ تعمیر کرائے کے لئے سامان فراہم کیا لیکن [ان سے] اجازت نہ ملی۔

### تلہار

یہ مشہور قصبہ ہے۔ یہاں کے مندرجہ ذیل بزرگ مشہور

ہیں۔

سید منگی لدھو۔ یہ ہلڑی والے سید عبدالکریم کی اولاد میں سے ہیں۔ کسی وجہ سے بھائیوں سے الگ ہو کر یہاں آ گئے اور کافی مدت سخت ریاضتیں کرنے کے بعد اعلیٰ مرتبے پر فائز ہوئے۔ یہاں کے رئیس ارباب موسیٰ نے انہیں اپنی بیٹی کا رشتہ دیا اور انہوں نے دولت کے ساتھ فقیری اور فقیری کے ساتھ دولت خوب حاصل کی۔

[سید عالی شاہ] ان کے بعد ان کے فرزند سید عالی شاہ نے اپنے وقت کے نامور بزرگ کی حیثیت سے نہایت عزت و احترام کے ساتھ زندگی گزاری۔ [۳۱۹]

[میر حیدر] اب ان کے داماد میر حیدر ابن سید محمد صالح ان کے قائم مقام ہیں۔

### پران

یہ دریا کا نام ہے۔ اس کے کنارے کے گاؤں مشہور اور صاحبان حال و مقام کی گذرگاہ ہیں۔ یہاں شیخ بہاؤ الدین ملتانی کا لکایا ہوا ایک املی کا درخت ہے جو اہل اللہ کی مشہور و معروف زیارت گاہ ہے اس کے تنے میں کھڑکی جیسا ایک سوراخ ہے جس میں سے ہو کر مرید باہر نکل آتے ہیں اور جو واقعی مجرم (یا گنہگار) ہوتا ہے وہ اس کھڑکی سے نہیں نکل سکتا۔ یہاں ہر وقت فقیروں کی آمد و رفت رہا کرتی ہے۔ شیخ بہاؤ الدین ملتانی کے سلسلے کے فزا وداں اپنا وقت سماج اور صحبت میں گزارا کرتے ہیں۔

پیر خاکی۔ یہ ایک قدیم مشایخ ہیں اور پران کے کنارے آرام فرما ہیں۔



ابراہیم لاگورانی - یہ قوم کے تھپیہ اور قدیمی مشائخ میں سے ہیں - اس سر زمین میں ان کا مزار اہل اللہ کی زیارت گاہ ہے -

سید حسن ہاکھانو - یہ بھی ایک قدیم مشائخ ہیں اور عمرکوٹ کے قریب [ایک] میدان میں آرام پذیر ہیں -  
سید لان چھتو - یہ سر زمین میندھرا کے بیابان کے ایک قدیم پیر ہیں -

تاج محمد کھیلو - یہ قدیم فقرا کے سلسلے میں شامل ، سومی فقیر کی اولاد میں سے ہیں ، جو حسن ہاکھانی کے مقبرے میں آرام پذیر ہیں - اپنے وقت کے یہ نامور پیر تھے - حال ہی میں وفات پائی ہے اور ”مٹو تنگیچی“ میں دفن ہیں -  
مظفر درس - یہ ذات کے ”ہالیپوٹہ“ ہیں اور ہایزید سمہ کے علاقہ میں سخت ریاضت و مجاہدے کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں [۴۲۰] اپنے خطے میں بے حد مشہور ہیں - انہیں مخدوم بہا الدین کے سلسلے کی خلافت ملی ہے -

بابو - یہ ذات کے ”شکری“ ہیں - بیابان میندھرا میں آرام پذیر ہیں - قدیم مشائخ میں سے ہیں -

درس ڈاتو کچھلو - یہ اپنے وقت کے مشہور بزرگ تھے - بیابان میں ان کی آرام گاہ اہل اللہ کی عام زیارت گاہ ہے -

فقیر کھتوریہ - یہ سر زمین سومینٹھی (۱) میں آرام پذیر ہیں اور قدیم مشائخ میں سے ہیں -

حسین فقیر راہاؤ - یہ اپنے وقت کے مقتدر بزرگ تھے - حال

ہی میں وفات پائی ہے ۔ ان کا سزار مشوکے قریب ہے ۔  
بادل فقیر - اب ان کے فرزندہ بادل فقیر مریدوں کا نقطہ اجتماع ہیں ۔

درس اجر - یہ لوریہ قوم کے عہد قدیم کے بزرگ ہیں اور موضع پوہرائی میں آرام پذیر ہیں ۔

درس ہلال - کچھ دن گذرے کہ آمری کے نواح میں یہ ہران نہر [کے کنارے] سکونت پذیر تھے اور ان سے کتنی ہی کھلم کھلا کرامتیں ظاہر ہوتی تھیں ۔

میان شرف الدین - اب میان شرف الدین ان کے جانشین ہیں اور عام خلق میں محترم اور اعلیٰ صفات سے موصوف ہیں ۔  
 [۴۹۱]



## اٹھارھواں باب

[بٹھورہ اور ککرالہ ہرگنوں کے بزرگ]

### نصربہ

یہ ہرگنشدہ بٹھورہ کا ایک گاؤں ہے۔

مخدوم سدھو لانگاہ۔ یہ اپنے وقت کے بزرگ اور سب سے

بڑے پیر تھے۔ اس قدر صاحب ترک (توکل) تھے کہ رات

کو گھڑوں کا [باقیمانہ] پانی بھی گرا دیتے تھے اور کہا کرتے

تھے کہ ”نیا دن نیا رزق“۔ ان کی کرامتیں عام مسجد سے

باہر ہیں۔ ان کا مزار مذکورہ گاؤں میں ناسور بزرگوں کی

زہارت گاہ ہے۔ سادات مشہاری (جن میں سید عبدالکریم بھی

شامل ہیں) زیادہ تر مخدوم کے مرید ہوا کرتے تھے۔

[ملا آجب] ملا آجب مذکورہ مخدوم سدھو کے فرزند اور

روشن کرامتوں کے مالک تھے۔ ایک بار وہ کسی گاؤں کا قصد

کر کے نکلے اور سہ پہر کی نماز کے وقت [ایک] دریا کے کنارے

پہونچے۔ دریا کے اس پار کوئی کشتی نہیں تھی۔ خادم نے کہا کہ ”سرما کا موسم ہے [اس لئے بہتر ہے کہ] گاؤں واپس چل کر رات گزاری جائے اور کل یہاں [دن میں] آکر کھاٹ پار کیا جائے“۔ [آپ نے] جواب دیا ”کوئی بات نہیں رات یہیں گزر جائیگی“۔ پھر تھوڑی ہی رات گزری تھی کہ قدرت الہی سے دریا [کا ہاٹ] ایک چھوٹی نہر کا سا ہو گیا اور آواز آئی کہ ”اے شیخ اگر پار جانے کا ارادہ ہو تو راستہ [موجود ہے]۔ لیکن شیخ نے قبول نہ کیا۔ دریا کی یہ حالت اور ایسی آوازیں کئی بار دکوائی اور سنائی دیں لیکن انہوں نے فرمایا کہ ”ہمارا توکل خدا پر ہے تجھ سے (دریا سے) التجا نہ کریں گے“۔ بالآخر دوسرے دن وہاں سے کشتی کے ذریعے دریا پار کیا۔ [۳۲۵]

[ملا شہاب الدین]۔ یہ مذکورہ ملا آجب کے فرزند تھے اور انہی عہد کے بڑے صالح، نکتہ رس اور صاحب توفیق بزرگ تھے۔ [ملا یوسف]۔ ان کے بعد ملا یوسف ان کے جانشین ہوئے۔ یہ فقر، توکل اور معرفت میں بے حد ممتاز تھے۔

[مخدوم فضل اللہ]۔ ان کے بعد ان کے فرزند مخدوم فضل اللہ نے بزرگوں کے طریقے کو جاری رکھا۔ یہ ایک بے ریا درویش تھے اور انہوں نے اپنی حالت کو چھپاتے ہوئے زندگی گزاری۔

[شاہ عنایت اللہ صوفی]۔ ان کے فرزند رشید، حق شناس پیر، بنیاد شریعت، مرشدوں کے مرشد، ولی زمانہ، مقبول بارگاہ الہی شاہ عنایت اللہ صوفی نے ابتدا میں جستجوئے حق کے لئے بڑی سیر و سیاحت کی اور کافی مدت کے بعد دکن میں جا کر

شاہ عبدالملک سے ملاقات کی۔ انہی بزرگوں کے بزرگ [کے فیض] سے وہ اس مرتبے پر پہنچے جس کے مختصر بیان سے بھی زبان قاصر و عاجز ہے۔ انہوں نے مرشد کے حکم کے مطابق سخت ریاضت کی تھی۔ ظاہری علوم انہوں نے شاہ غلام محمد سے حاصل کئے تھے جنہوں نے ان (مرشد) کی اجازت سے شاہجہاں آباد میں مسند فقیری کو وقت کے پیروں سے بھی اعلیٰ اور افضل مقام پر پہنچا دیا تھا۔

شاہ غلام محمد کے آنے کے بعد، جن کے [علوم] ظاہری کی تحصیل کے معاوضے میں [یہ] مرشد ہو چکے تھے، انہوں نے شاہ عبدالملک کی خدمت سے معرفت کے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہوجانے کی اجازت حاصل کر لی اور کچھ عرصے کے بعد آکر ٹھہرے میں وارد ہوئے۔ شاہ غلام محمد جو ان مرشدوں کے مرشد [بزرگ] کے طفیل معراج کمال پر پہنچ چکے تھے وہ اپنے مرشد کو ظاہری معبود قرار دے کر حضرت شاہ عنایت اللہ کی خدمت میں اس قدر عاجز و نیاز کی راہ اختیار کرتے تھے کہ ٹھہرے کے علما نے انہیں تعزیر کے لئے شرعی عدالت [۳۶] میں پیش کر دیا۔ چونکہ اہل اللہ کو ہمیشہ [ظاہری] علما سے اذیتیں پہنچتی ہیں اس لئے [یہ بھی] اپنے مرشد شاہ عنایت اللہ کے سامنے سجدہ تعظیم بجا لانے کی وجہ سے اہل ظاہر کا طعنہ یعنی شرعی تعزیر برداشت کر کے حسب ارشاد جہاں آباد چلے گئے اور کافی عرصے تک وہاں خانقاہ درویشی روشن رکھنے کے بعد انتقال کر گئے۔ ان کے فیض سے ہزاروں افراد واصل باللہ ہوئے۔

اس کے بعد شاہ عنایت اللہ نے میران پور میں سکونت اختیار کر کے جو ”جھوک“ کے نام سے مشہور ہے پیری مریدی کا تحفلہ بلند کیا [یہاں تک کہ] ان کے فقیروں کی جماعت بعض سلسلوں کے پیروں کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکنے لگی۔ بالآخر اس ملک کے زمینداروں، جیسے کہ ہلیجانی زمیندار نور محمد بن منبہ بن رادھو بن بابو ہلیجو اور حمل بن لاکھ بن حمل بن لاکھ نے سید عبدالکریم علیہ الرحمۃ کے پوتوں، جیسے کہ سید عبدالواسع بن سید عبدالغنی بن سید عبداللیل بن سید دین محمد بن سید عبدالکریم سے مشورہ کر کے فقیروں سے چھیڑ چھاڑ اور جھگڑا فساد شروع کر دیا۔ اس کے بعد کسی موقع پر انہوں نے اچانک فقیروں پر حملہ بول دیا جس میں اہل اللہ کا ایک بڑا گروہ مغدوم پر قربان ہو گیا۔ شہدا کے وارث جہاں پناہ کے حضور میں فریاد لیے کر گئے اور بادشاہی قانون کے مطابق ان کی (قاتلوں کی) زمینیں ان کے حوالے کی گئیں۔ پھر کتنے ہی غریب اور دوسرے لوگ ہندوستانی عمال کے مظالم سے [بھاگ کر] فقیروں کے دامن عاطفت میں آباد ہو گئے۔ لیکن چونکہ [حدیث شریف] ”اشد البلاء علی الانبیاء ثم الاولیاء ثم امثل ثم امثل“ (۱) کے تقاضے کے مطابق اس کامل اکمل [بزرگ] کی شہادت کا وقت آچکا تھا۔ اس لئے ایک بار پھر سارے منحوس پڑوسیوں نے ٹھٹھے کے حاکم کو اپنے ساتھ [۴۷۷] ملا کر اور فقیر کی بغاوت [کا خدشہ] ظاہر

---

(۱) یعنی ”سخت سے سخت آزمائشیں انبیاء کو پیش آتی ہیں اس کے بعد اولیاء کو ان کے بعد ان جیسوں کو اور ان کے بعد انہی جیسوں کو“۔

تحفۃ الکرام

کر کے شاہی دربار سے ان کی بیع کنی کا حکم جاری کرا لیا۔  
 پھر جیسا کہ حکمرانوں کے بیان میں مذکور ہو چکا ہے، [دشمن]  
 سندھ کے سارے پرگنوں کی فوجیں جمع کر کے ان پر چڑھ آئے  
 اور [بالآخر] سنہ ۱۱۳۰ھ میں انہیں درجہ شہادت پر فائز  
 کر دیا۔ ہزارہا فقیر آکر ان کے گرد اکٹھے ہو گئے تھے اور  
 سبھی اپنے مرشد کی شمع شہادت پر پروانہ وار فدا ہو گئے تھے۔  
شاہ عزت اللہ۔ یہ انہی شیخ شہید کے نامور فرزند تھے۔  
 انہوں نے نہایت ہدایت اور بزرگی کے ساتھ زندگی گزاری اور  
 سنہ ۱۱۸۶ھ میں انہوں نے اس دار فانی سے کوچ کیا۔

شاہ غلام اللہ۔ یہ بھی اسی درخت کے پھل ہیں۔ انہوں نے  
 کتنے ہی سال بیابان و صحرا میں بغیر آذوقہ کے مستی کے عالم  
 میں ریاضتوں میں گزارے۔ چند سال ہوئے کہ کچھ ہوش  
 آیا ہے لیکن پھر بھی [انہوں نے] شہرت، پسند نہ کی، اور  
 شہروں میں قدم نہ رکھا۔ [اس کے باوجود] ان کے فدائیوں  
 کی ایک جماعت نے آرام پر تکلیف کو ترجیح دیتے ہوئے  
 ان کا دامن نہ چھوڑا۔ ان سے بڑی کرامتیں ظاہر ہوا کرتی  
 تھیں۔ جن دنوں میاں غلام شاہ خان اور محمد عطر خان، دونوں  
 بھائی ملک کے لئے آپس میں لڑ رہے تھے انہی دنوں کسی  
 شخص نے یہ حالات کہانی کے طور پر ان کے حضور میں بیان  
 کئے۔ آپ نے فرمایا کہ تاج کا مالک ”غین“ (غلام شاہ) ہے۔  
 حالانکہ اس وقت کوئی عقلمند اس پر اعتبار نہ کر رہا تھا  
 لیکن زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ غلام شاہ خان ملک کا مالک  
 ہو گیا۔ اسی طرح جو کچھ بھی ان کی زبان سے نکلتا تھا وہ

تقدیر کے عین مطابق ہوا کرتا تھا۔ کبھی کبھی کسی پوچھنے والے کے سوال کے علاوہ ان کی زبان کرامت بیان سے تنبیہ کے طور پر کچھ جملے نکل جاتے تھے جن سے آنے والے حالات کے اشارے مل جاتے تھے اور [۴۲۸] جیسا کچھ کہتے تھے ہو بہو ویسا ہی پیش آتا تھا۔ [بالآخر] تقدیر [کے فیصلے کے مطابق] اس وقت سے کچھ پہلے اپنے بھائی کی زندگی ہی میں وہ انتقال کر گئے۔

[میاں محمد زاہد] آج کل خدا آگاہ مرشد، شاہ ابراہیم صوفی کے فرزند میاں محمد زاہد شاہ، عزت اللہ کی فرزند (دامادی) کے تعلق کی وجہ سے صوفی خاندان کی شمع روشن کئے ہوئے ہیں۔

اس خامکار (مؤلف کتاب) کا قلم اس خاندان کے اوصاف بزرگی کے بارے میں کہا بیان کر سکتا ہے۔ باوجودیکہ ہزاروں مرید مرشد کی شہادت کے موقع ہر کام آنے اور اس خاندان کا کوئی فرد مشائخی کو پسند نہیں کرتا لیکن پھر بھی سندھ میں [ان کے] ظاہر و باطن ہزاروں مرید موجود ہیں اور دہکر ممالک میں بھی اس گھرانے کے فیض کی برکت سے بڑے بڑے مشائخ اور صاحب کمالات بزرگ ہو گزرے ہیں۔

### اہلان

یہ بٹھورہ پرگنہ کے مواضع میں ایک گاؤں ہے۔ یہاں کے باشندوں کو ”اہلان“ قوم کہا جاتا تھا۔ شاہ عالم برہی جس کا ذکر آئندہ ہوگا اسی سر زمین کا باشندہ ہے۔

درویش احمد۔ یہ قوم کے ”رونجہ“ تھے اور سید عبدالکرم



ہمعصر تھے۔ یہ لحاظِ کمال و بزرگی، اولیاء کے زمرے میں داخل تھے۔

### مٹری

یہ بھی ہر گنہ بٹھورہ کا ایک گاؤں ہے۔

قاضی حسن۔ یہ بڑے عالم اور صاحبِ سیر و سلوک بزرگ تھے۔ سید عبدالکریم کے ہمعصر تھے۔

درویش صابر موسوی۔ یہ مخدوم نوح علیہ الرحمۃ کی نگاہ فیض کے نوازے ہوئے بزرگ تھے اور اہل کمالات کی صفات سے متصف تھے۔ [۳۲۹]

### دبی

یہ بھی بٹھورہ ہر گنہ کے مواضعات میں سے ایک گاؤں ہے۔ درویش جونہ۔ اپنی ولایت اور بزرگی کے اعتبار سے پر حد مشہور [بزرگ] ہیں۔ سید عبدالکریم کے ہمعصر تھے۔

### راہوٹ

یہ ایک مشہور گاؤں کا نام ہے۔ مخدوم صدرالدین راہوٹی۔ یہ عاملِ کامل اور جامع العلوم بزرگ ہو گذرے ہیں۔

مولانا ضیاء الدین۔ ان کے فرزند مولانا ضیاء الدین علوم و ہنسی و درسی میں جامع اور مرزا شاہ حسن کے ہمعصر تھے۔ ابتدا میں یہ درس و تدریس [میں مشغول رہے لیکن] بعد میں گوشہ نشینی اختیار کر کے اپنے پاس لوگوں کی آمد و رفت کے دروازے بند کر دیئے اور اسی حالت میں زندگی گذار دی۔

شیخ عبداللطیف۔ علوم عقلی و نقلی کے یہ ایک متبحر عالم

ہو گزرے ہیں۔ مذکورہ مولانا ضیاء الدین کے معاصر معلوم ہوتے ہیں۔

### دائرو (دائرا)

یہ ہر گنہ درگ کے مواضع کا ایک گاؤں ہے۔  
مخدوم حسن مرہرہ۔ یہ بڑے بلند مرتبہ بزرگ تھے۔ نقل  
 ہے کہ ایک دن وجد کے عالم میں وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم  
 کے حضور میں جا پہنچے۔ [وہاں] ایک شخص نے خوشبو کا  
 ایک ٹکڑا (غالباً مشک کا) آنحضرت صلعم کو تحفے میں  
 پیش کیا۔ حضرت رسالت مآب نے اسے تقسیم کرنے کا حکم  
 فرمایا۔ [اپنے حصے کا] خوشبو کا کاغذ انہوں نے اسی وقت  
 اپنے سر میں مل لیا تھا۔ کہتے ہیں کہ آخر دم تک وہ  
 خوشبو ان کے سر میں قائم رہی۔ [۴۳۰]

### ہلڑی

یہ ایک مشہور قصبہ ہے۔  
سید ابراہیم شاہ۔ المعروف بہ ”پیر بردہ سی“ ان کی قبر ہلڑی  
 کے نواح میں ہے جس کے ارد گرد اکثر درخت ہیں [پہلے] جو  
 بھی جاندار ان کے پتوں کو ہاتھ لگاتا تھا وہ مر جاتا تھا۔  
 [ایک بار] سید عبدالکریم نے ان کی قبر پر آکر کہا کہ ”جو  
 لوگ زندہ ہیں وہ اپنے نفس کو مارنے میں لیکن تم کہ مر  
 چکے ہو زندوں کو مارتے ہو“۔ کہتے ہیں کہ اسی دن  
 ان بزرگ کا یہ جلال ختم ہو گیا۔  
سید جلال۔ یہ سید عبدالکریم کے بڑے بھائی اور عارف العصر  
 تھے۔ انہوں نے بھائی کے زندگی ہی میں وفات پائی۔ سید

تصفۃ الکرام

عبدالکریم سے نقل ہے کہ چھٹن میں وہ ان کے ساتھ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے کہ اچانک کھانے کا طشت غائب ہو گیا۔ [اس پر] میرے بھائی فوراً گاؤں کے باہر گئے درختوں کے درمیان سے وہ طشت لے آئے۔ یہ واقعہ کئی مرتبہ بھی آیا۔ ظاہری طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ طشت کو لیے جانے والا کوئی جن ہوگا۔

سید عبدالکریم - ابن سید اللہ - سادات مبارکی میں سے تھے۔ ان کی ولادت سنہ ۹۴۴ھ میں ہوئی۔ ابتدا میں انہوں نے بڑی سخت ریاضتیں کیں۔ مثلاً صبح کو مسجد میں اذان دے کر جماعت کے اکٹھا ہونے تک وظائف میں مشغول رہتے اور نماز کے بعد پھر اشراق تک اسی طرح وات گزار کر گھر تشریف لے جاتے تھے۔ گھر کے کام کاج، [دولی] پکالے اور کھلانے وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد کدائی کر کے فقرا کا پیٹ بھرتے اور پھر سر کے اوپر حل رکھ کر بیلوں کو ہٹاتے ہوئے کھیت جایا کرتے۔ سورج ڈھلنے تک [وہاں] حل چلائے میں مصروف رہتے اور پھر بیلوں کی گھاس لے کر گھر واپس آتے تھے۔ اس کے بعد بیلوں کے سامنے گھاس ڈال کر [۴۴] ظہر کی نماز کی تیاری کرتے اور اذان دے کر باجماعت نماز سے فراغت پا کر پھر حسب دستور کھیتوں میں جاتے اور بیلوں کے لئے گھاس کھود کر اور انہیں پانی ہلا کر واپس ہوتے تھے۔ [اس کے بعد] عصر، مغرب اور عشا کی نمازیں پڑھتے، گھر کے کاموں اور فقرا کو بھیک مانگ کر کھلانے سے فارغ ہو کر وہ اپنے گاؤں سے موضع ”راہوٹ“ کی طرف نکل جاتے تھے اور راستے

میں ہر گاؤں کی مسجد میں ہانی اور [استنجا کے] ڈھیلوں کا بندوبست کرنے اور سونے ہوؤں کی خدمت کرتے ٹھٹھے تک چلے جاتے۔ اس طرح مسجدوں کی دیکھ بھال کرتے ہوئے نہر ساموئی کو لہر کر، جا کے پوری مکی کی زیارت کرتے اور دستور کے مطابق مسجدوں کی نگہداشت کرتے ہوئے پھر پٹھہ کی زیارت کیا کرتے تھے۔ وہاں سے ہر ایک گاؤں کی مسجد کو اسی طرح دیکھنے بھالتے صبح عبادت کے وقت تک اپنے گاؤں واپس آ جاتے تھے اور آتے ہی سب سے پہلے مسجد میں اذان دیا کرتے تھے۔ لوگ خیال کیا کرتے تھے کہ شاہد سید کو لہند ہی نہیں آتی جو اتنے دور سے اذان دیا کرتے ہیں۔ کسی کو بھی اس سیر و ساروگ کی جو اپنی جگہ پر ایک کرامت ہے، خبر نہ ہوتی تھی۔ کئی سال اس طرح گزارنے کے بعد وہ اس مقام پر پہونچے جس پر فائز ہیں۔ تہجد کی پہلی ہی رکعت میں گریہ اور بے خودی ان پر اس قدر غالب ہو جاتی تھی کہ پو پھٹنے تک انہیں ہوش نہ آتا تھا اور دوسری رکعت ہاتھ نہ آتی تھی۔ یہ تعجب کیا کرتے تھے کہ لوگ تہجد کس طرح [مکمل] ادا کر لیتے ہیں۔ قصہ مختصر، ان کی کرامات اور اعلیٰ مقامات حد و حساب سے باہر ہیں۔ کتاب ”بیان العارفين“ اور ”تنبيه الغافلین“ ان میں سے چند سے لبریز ہے۔ انہوں نے سید محمد ہوسل رضوی بکھری، مخدوم لوح، مخدوم آدم سمیچہ، ساکن موضع کلی اور دیگر مائتد مشائخین کی صحبتوں سے فیض پایا تھا۔ [خاص طور پر] حضرت مخدوم لوح علیہ الرحمۃ سے کثیر استفادہ کر کے اور انہی کے اشارے کے مطابق مذکورہ قصے میں سکونت پذیر ہوئے تھے۔ سنہ ۱۰۳۰ھ میں

انہوں نے وفات پائی - [۴۳۲]

ان کے آٹھ فرزند تھے - [جن میں] ایک سید ابو تھے جو اپنے دادا بزرگوار کے ہمنام تھے اور مفسر سنی ہی میں فوت ہو گئے تھے - دوسرے سید عبدالرحیم تھے - میان ابراہیم بن مخدوم نوح عابد الرحمۃ نے کہا تھا کہ ان کے تولد ہونے اور بڑے ہونے پر میں خدا کا شکر بجا لاہا اور کہا کہ الحمد للہ سید عبدالکریم ثانی پیدا ہوا ہے - اتفاق سے یہ والد کی زندگی ہی میں فوت ہو گئے - بڑے بلند مرتبہ بزرگ تھے - تیسرے [فرزند] سید جلال تھے - یہ اپنے چچا بزرگوار کے ہمنام تھے جن کا ذکر ہو چکا ہے - اپنے وقت کے ممتاز عابد تھے - والد کے زندگی میں ایک دن یہ حالہ سے واپس آ رہے تھے کہ راستے میں انہیں فزاقوں نے شہید کر دیا - چوتھے [فرزند] سید برہان تھے - یہ واقعی کمالات غالیہ کے ایک برہان پیدا ہوئے تھے - خدائے تعالیٰ نے انہیں بڑی قوت عطا کی تھی - انہوں نے بھی والد کی زندگی ہی میں وفات پائی - پانچویں [فرزند] سید للو ثانی تھے - ان کا نام دادا اور بھائی کے نام پر رکھا گیا تھا - یہ ایک مجذوب سالک تھے اور سیر و سیاحت میں مشغول رہا کرتے تھے - یہ والد کے بعد کچھ عرصے تک زندہ رہے - چھٹے [فرزند] سید دین محمد تھے - والد کے زمانے میں یہ گوشہ نشینی میں بسر کرتے تھے - بعد میں انتہائی شان و شوکت اور بے نیازی کے ساتھ زندگی گذاری اور جیسا کہ آگے چل کر مذکور ہوگا والد کے بعد ان کے جانشین ہوئے - ساتویں سید محمد حسین تھے - والد نے انہیں خادم الفقرا کا لقب دیا تھا اور خدا سے کہہ دیا

تھا کہ جب بھی دعا کی احتیاج ہو انہی سے رجوع کریں۔  
 آنہویں [فرزند] سید عبدالقدوس تھے اور یہ بچپن ہی میں اپنے  
 والد کے سامنے فوت ہو گئے تھے۔ ان کے بارے میں سید عبدالکریم  
 نے کہا تھا کہ میں نے خداوند تعالیٰ سے تقاضا کیا تھا کہ  
 ایسا فرزند عطا کریں جس سے میں خدائی باتیں دریافت کروں۔  
 کہتے ہیں کہ وہ بچوں کو جمع کر کے اور حلقہ بنا کر ذکر  
 میں مشغول ہو جایا کرتے تھے۔ [۴۳۳]

[سید دین محمد] سید عبدالکریم نے وفات کے موقع پر اپنے  
 برگزیدہ فرزند دین محمد کو طلب کر کے امانتِ ولایت ان کے  
 حوالے کی۔ یہ پہلے اعلیٰ لباس کے بڑے شوقین تھے لیکن والد  
 کے بعد انہوں نے سر منڈوا کر کفنی پہنی اور شانوں پر سیاہ چادر  
 ڈال کر سجادہ نشینی کی مسند پر بیٹھے اس کے بعد انہوں نے  
 ہر طرح سے بزرگی اور عزت میں اپنے والد کا نام روشن رکھا۔  
 [سید عبدالدلیل] ان کے بعد ان کے برگزیدہ فرزند سید  
 عبدالدلیل بزرگوں کی مسند پر متمکن ہوئے اور راہِ ہدایت  
 دکھاتے رہے۔

[سید عبدالغنی] ان کے بعد ان کے فرزند رشید فقر و ہدایت  
 کی دولت کے وارث اور بزرگوں کے جانشین ہوئے۔

[سید عبدالواسع] ان کے بعد ان کے فرزند سید عبدالواسع  
 بزرگوں کے جانشین ہوئے۔

[سید محمد زمان] ان کے انتقال کے بعد سید محمد زمان دادا  
 بزرگوار کے مزار پر انوار کے لکراں ہوئے اور اپنے وقت میں  
 [انہوں نے] بڑا نام پیدا کیا۔

[سید سلیم شاہ] اُن کے بعد سید مقیم شاہ بزرگوں کے مصلیٰ کے وارث ہوئے۔

[سید عبدالواسع] اب سید واسع ابن سید محمد زمان بزرگوں کے سجادہ نشین رہے۔

سید حبیب شاہ۔ یہ سید عبدالکریم کی متبرک اولاد میں ہیں۔ ہمیشہ وجد و خال میں رہا کرتے تھے اور استغراق طاری رہا کرتا تھا۔ کہتے ہیں کہ زیادہ تر ایسا [۳۳] ہوا کرتا تھا کہ ان کے مشہور و معروف فرزند سید عبداللطیف جن کا ذکر ہو چکا ہے اُن کی خدمت میں حاضر ہو کر بات چیت کیا کرتے تھے لیکن یہ فرمایا کرتے تھے کہ ”تم کون ہو؟“ وہ (شاہ عبداللطیف) جواب دیتے کہ ”آپ کا غلام عبداللطیف ہوں۔“ [اس پر] آپ فرماتے ”میں نے تو نہیں سنا۔“ ان کی تاریخ وفات اس جملے سے نکلتی ہے ”الموت جسر یوصل العجیب الی لقاء العجیب“ (۱) یہ تاریخ مفدوم محمد صادق نقشبندی کی کہی ہوئی ہے [جس کے مطابق سنہ ۱۱۵۵ ہرآمد ہوتا ہے]۔ اُن کے برگزیدہ فرزند سید عبداللطیف ”بھٹ دھنی“ کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔

[درس محمد امین] محمد امین درس [نام]، ”نانک“ لقب۔ یہ سر زمین بہرام پور کے رہنے والے ایک پیر تھے۔ یہ بڑے صاحب کرامت و ریاضت، برگزیدہ اور نیک بزرگ تھے۔

(۱) یعنی ”موت ایک ہل ہے جو دوست کو دوست کے لڑیہ

تک پہنچاتا ہے۔“

[سید جمن نانگو] انہوں نے اپنی زندگی ہی میں اپنے بھتیجے سید جمن نانگی کو اپنا قائم مقام بنایا تھا جو بڑے صاحبِ حال بزرگ تھے ۔

[سید سماہو] مذکورہ سید امین محمد کے بھانجے سید سماہو پرکنہ روہاء کے موضع بھین میں سکونت پذیر ہیں اور مشہور کرامتوں کے مالک ہیں ۔

### کاھوٹ

یہ مشہور قصبہ ہے۔ یہاں کے [بزرگ مندرجہ ذیل ہیں]۔  
[حسن ستیو] یہ ایک ولی کامل تھے ۔ ایک مرتبہ کسی درخت کے نیچے بیٹھے تھے کہ ایک گوریٹا نے اوپر سے بیٹ کی اور وہ آکر درویشی پر پڑی ۔ [چنانچہ] گوریٹا اسی وقت مر گئی ۔ جولوگ بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے کہا کہ اس چڑیا کی موت کا سبب تم ہو ۔ [انہوں نے] کہا مجھے تو کوئی خبر نہیں لیکن خدا کا شکر ہے کہ [۳۳۵] اس نے اس ہرند کی اتنی گستاخی بھی برداشت نہ کی ۔ ایک دن انہوں نے کسی عالم سے دریافت کیا : ”کیا بہشت میں سماع ہوگا؟“ اس نے جواب دیا کہ ”نہیں“ درویشی نے کہا کہ : ”پھر بہشت ہمارے کس کام کی؟“۔

### منچہر

یہ ٹھٹھے کے زہر نگین ایک پرکنہ ہے ۔ یہاں کے بزرگوں میں سے ایک مرد (۱) نہایت کامل فقیر ہو گذرا ہے جس پر

(۱) اصل متن میں اس مرد کا کوئی نام نہیں تحریر کیا گیا ۔





### ککراہ

یہ سمندر سے ملحق ایک ساحلی خطہ "زمین کا لام" ہے جو ابتدا سے مملکت سندھ میں شامل رہا ہے لیکن بعد میں طویل مدت تک جامان سمہ کے زیر اقتدار رہا۔ اب یہاں غلام شاہ کے عہد حکومت میں یہ پھر سندھ میں شامل ہو گیا ہے۔ اس سر زمین میں متعدد بزرگ ہیں جن میں سے بعض [ذیل میں بیان کئے جاتے ہیں]۔

درویش صالح ان کی شاندار کراشیں مشہور ہیں۔ یہ سنہ ۸۱۰۰ سے پیشتر ہو گذرے ہیں۔

بیر لاکھ یہ موضع "پکھار" میں مدفون ہیں۔ جو ابھی ان کے مزار پر جھوٹی قسم کھاتا تھا، اس کے خون جاری ہو جاتا تھا۔ ایک مرتبہ سید عبدالکریم (ہلڑی والے) نے ان کی قبر پر آکر کہا کہ "اے لاکھ! لوگوں نے زندگی ہی میں غصہ اور شوخی ترک کر دی لیکن تم مرنے کے بعد بھی نہیں جھوڑتے ہو"۔ اس کے بعد سے آج تک اگر کوئی شخص پھاوڑہ ہاتھ میں لے کر ان کی قبر بھی کھودتا یا مسمار کرتا ہے تب بھی اسے کوئی گزند نہیں پہونچتا۔

[شیخ اسماعیل]۔ یہ صاحبِ روشن کرامات بزرگ اور قدیم پیر یہیں آرام فرما ہیں۔ دیرہ کے اکثر لوگوں کی قبریں بھی یہاں ہیں۔

[بیر کومین (۱)] دیرہ کے مغرب کی جانب اہل اللہ کی زیارت گاہ ہے۔

(۱) نسخہ "ن" میں یہ نام "کرمین" مذکور ہے۔

شیخ راجن - یہ شیخ بہاؤ اللہ دین ملتان کی اولاد میں ہیں۔  
ککڑالہ کے سبھی جام ان کے مرید ہیں اور ان کی اولاد میں سے  
بہتیروں کو [انہوں نے] رشتے دیئے ہیں۔ ان کی اولاد پیر زادگی  
کی ہدایت کے ساتھ [تاحال] موجود ہے۔

شیخ مغل بہین - یہ نامور اور صاحبِ روشن کرامات  
بزرگ ہیں۔ ایک دنیا ان کی مرید ہے۔ ان کا مزار دہرہ کے  
مشرق میں سات آٹھ کوس کے فاصلہ پر مشہور ہے۔ [۳۳۷]

شیخ اڑو ہالانی - یہ ایک قدیمی پیر ہیں اور موضع  
مغل بہین سے تقریباً دو کوس کے فاصلے پر ایک علیحدہ گاؤں  
میں آرام پذیر ہیں۔

پیر کچریو - [ان کا مزار] خلیج بحر کے کنارے ایک گاؤں  
میں، جو انہی کے نام سے منسوب ہے، عوام کی زیارت گاہ ہے  
جہاں عوام و خواص کی مرادیں برآتی ہیں۔

شیخ لال - یہ ساحلی علاقے کے ایک قدیمی ولی ہیں اور  
ان کی درگاہ پر مشہور میلہ لگا کرتا ہے۔

مخدوم جلال محمد - یہ جید عالم اور تقریر و تحریر کے ماہر  
بزرگ اپنے زمانے میں بے نظیر ہو گزرے ہیں۔ جملہ علوم  
میں ان جیسا جامع دوسرا کوئی نہ تھا۔ مخدوم محمد معین لکھنوی  
انہیں اکثر علما پر فوقیت دیتے تھے۔ وہ ویسے تو ہر علم کے  
زبردست عالم تھے لیکن علم طب و نجوم میں بقرطائی اور  
بوعلی اول تھے۔ اس قدر کمال حاصل ہونے کے باوجود وہ  
عام لوگوں کی طرح نہایت سادگی سے زندگی بسر کرتے تھے  
اور دولت مندوں کو کبھی بھی اپنی جالب رجوع ہونے کا

مولع نہ دیتے تھے۔ حال میں چند سال گذرے ہوئے کہ انہوں نے انتقال کیا ہے۔

مطلبی نہ رہے کہ ککراہ کے بزرگوں میں سے یہ چند نام جن کا ذکر کیا گیا ہے دریا کے اُس پار سے تعلق رکھتے ہیں [چنانچہ] اب اُس کنارے کے کچھ بزرگوں کا بطور تبرک ذکر کیا جاتا ہے :

[قاضی طوب الدین] یہ اصلاً لٹھے کے باشندے ہیں لیکن کچھ پشتوں سے ککراہ کے منصب لٹا کے مالک ہو کر دریا کے اُس پار اورنگا بندر میں رہنے لگے ہیں۔ [۴۳۸]

[قاضی محمد شریف] ان کے بعد ان کے فرزند قاضی محمد شریف مسند شریعت پر ممکن ہوئے۔

[قاضی ہدایت اللہ اور دوسرے] ان کے بعد ان کے فرزند قاضی ہدایت اللہ اور ان کے بعد ان کے بھائی قاضی محمد فاضل، شریعت کی پابندی اور انتہائی عزت کے ساتھ مذکورہ خدمت [بجا لاتے رہے]۔ یہ دونوں بزرگ خاص رنگ اور خوبیوں کے مالک تھے۔ اب وہاں قاضی محمد فاضل کی اولاد موجود ہے لیکن چونکہ قاضی فاضل کی اولاد صغیر سن تھی اس لئے وہ (فضا کی) خدمت دوسروں کے ہتھے چڑھ گئی، البتہ بعض علاقوں میں یہ برائے نام قاضی ہیں جن میں قاضی محمد فاضل کے فرزند محمد خلیل کا نام [لدیر سے مشہور] ہے۔

حاجی قائم الدین۔ یہ طویل عرصہ بغداد میں مریدوں کی خدمت میں گزار کے ایران پر کی خلافت کے توسل سے ککراہ میں آئے اور آکر اورنگا بندر میں مقیم ہوئے۔ اپنے وقت کے مقتدر

بزرگ ہو گزرے ہیں۔

[میاں کبیر محمد اور میاں پیر محمد] ان کے فرزند میاں

کبیر محمد تھے۔ ان کے بعد اب میاں پیر محمد ان کی اولاد میں باقی ہیں اور بڑے با ہدایت بزرگ ہیں۔

درویش گل شاہ۔ یہ قلندر مشرب اور صاحب ولایت بزرگ

تھے۔ [انہوں نے] اورنگا بندر میں وفات پائی۔

[شیخ رحمت اللہ] شیخ رحمت اللہ بھی بڑے سالک بزرگ

تھے۔ یہ اصلاً ہندوستان کے تھے [لیکن] بعد میں آکر اورنگا

بندر میں سکونت پذیر ہوئے اور یہیں وفات پائی۔ ان کی

ترت عوام کی زیارت گاہ تھی لیکن اب اسے دریا بہا لے گیا ہے۔

[شیخ محمود] یہ ایک نامور بزرگ تھے دریا کے اس پار

آرام فرما ہیں۔ [ان کا مزار] ابھی شاہ کے جنوب میں عوام کی

مشہور زیارت گاہ ہے۔ [۴۳۹]

سید یحییٰ۔ یہ ایک مشہور و معروف بزرگ تھے۔ اورنگا بندر

سے تقریباً چھ کوس کے فاصلے پر شمال کی طرف مدفون ہیں۔

ان کی درگاہ پر لوگوں کی حاجتیں پوری ہوا کرتی ہیں اور

ہر قسم کے امراض کے لئے تو وہ [جیسے] شفاخانہ کرامت ہے۔

ابن شاہ۔ یہ شیخ بہاؤ الدین ملتانی کی نسل سے شیخ

اسماعیل قریشی کی اولاد میں، جن کا بدین کے بزرگوں میں ذکر

ہو چکا ہے، بے حد مشہور ہیں۔ [ان کا مزار] اورنگا بندر

سے آٹھ کوس کے فاصلے پر ایک ٹیلے پر ہے جو ابھی شاہ کے

ٹیلے کے نام سے مشہور ہے۔ ان کی اولاد موضع بہاؤ الدین پور

میں سکونت پذیر ہے۔ ان میں نامور بزرگ پیدا ہوئے ہیں۔

[اولاد ابن شاہ] ان میں شیخ امام الدین، ابھن شاہ ثانی اور شیخ امام الدین ثانی برے صاحب کرامات بزرگ ہو گزرے ہیں۔ شیخ علیم الدین سے قرابت ہونے کی وجہ سے وہ (؟) کتنی ہی مدت تک ٹھہرے میں رہے اور دون فرزند، شیخ صدر الدین اور شیخ بدر الدین [یادگار] چھوڑ گئے جو بہاؤ الدین پور میں واپس آکر سکونت پذیر ہوئے۔ شیخ علیم الدین کے تیسرے فرزند شیخ بنی لدھو اس وقت اس سلسلے کے سر براہ اور مرشد کامل ہیں۔ شیخ صدر الدین کے فرزند شیخ منگی لدھو بھی ایک بلند مرتبہ اور نامور بزرگ تھے۔ حال ہی میں لا ولد فوت ہوئے ہیں۔

مخفی نہ رہے کہ جب تعاقب "یودن کے بزرگوں کے ذکر کے بعد دریا کے آس پار کے بزرگوں کے بیان سے فراغت حاصل ہوئی تو اب دریا کے اس پار ٹھہرے تک رہنے والے بزرگوں کا ذکر شروع کرتے ہیں۔ [۴۴۰]



## انیسواں باب

[مٹیاری، نیرون کوٹ، گنجہ ٹیلہ اور وہاں  
کے بزرگ]

متعلوی (مٹیاری)

یہ ایک مشہور شہر اور عالی نسب سادات کا مسکن ہے۔ یہاں کے سادات مارے سندھ میں پھیلے ہوئے ہیں اور مختلف مقامات پر آباد ہو گئے ہیں۔ ان میں سے بیشتر صاحب معرفت بزرگ ہو گزرے ہیں جیسا کہ سابقہ اور آئندہ بیانات سے واضح ہوتا ہے۔

سید حیدر۔ یہ اپنے وقت کے ایک بڑے ولی روشن نشانیوں اور کھلی ہوئی کرامتوں کے مالک تھے۔ ان کی کثیر اولادیں ہوئیں جو خاندانی نجابت اور نسب کی پاکیزگی میں مشہور ہے۔ ان میں سے بہتوں کا مختلف مقامات کی نسبت سے ذکر ہو چکا ہے۔ اب اس شہر کے سادات میں سے بعض کے نام بطور تبرک بیان

کئے جاتے ہیں۔

سید لالو۔ یہ سید عبدالکریم کے جن کا ذکر ہو چکا ہے والد بزرگوار ہیں۔ اپنے وقت میں یہ فیض خداوندی کا مرکز اور شہود دائمی کے سرچشمہ تھے۔

سید رکن الدین۔ یہ اسی مقدس خاندان یعنی مذکورہ سید کے گھرانے کے باغ کے، اپنے وقت میں مشہور [ہوں] تھے۔ انہی سے روایت ہے کہ ”نہروں کے فتراک بھرے بیٹھا ہوں، اور لگا رہا ہوں۔ یہ کسی کے کانوں سے اور کسی کے منہ سے ہار ہوتے جا رہے ہیں لیکن کسی کو سیدھا تیر نہیں لگتا کہ وہ گر جائے۔“ [۳۴۱] یہ تیر جس کو بھی [سیدھا] لگا وہ ایسا گرے گا کہ پھر نہ اٹھ سکے گا۔

سید عالی۔ یہاں کے سادات کے چار قبیلوں میں سے یہ قبیلہ کڑیہ میں سے ہیں۔ انہوں نے انتہائی بزرگی کی حالت میں زندگی گذاری ہے۔

سید لالو۔ ان کے فرزند سید لالو بڑے صاحب کمال و حال بزرگ تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ان کی ہمیشہ معصومہ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ ہمارے نسب کی صحت کا کیا ثبوت ہے؟ اور یہ بات انہوں نے اپنے بھائی سے کی۔ انہوں نے کہا کہ میں تمہیں مطمئن کر دوں گا۔ شب کو [خواب میں] وہ حضرت پیغمبر علیہ السلام کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ اشارہ ہوا کہ صحت نسب کی نشانی صبح تمہیں خود ہی مل جائیگی۔ اتفاقاً صبح کے وقت میاں عبدالباقی واعظ مسواک درود اور حاضری لے کر دروازہ پر آئے اور پکار کر کہا کہ



”آپ کے جد امجد نے مجھے آپ کے نسب کے صحیح ہونے کی نشانی عطا فرما کر آپ کی خدمت میں پہنچانے کا حکم فرمایا ہے۔“

کہتے ہیں کہ سندھ کے حاکم میاں نور محمد نے انہیں انتہائی عجز کے ساتھ بغرض زیارت مدعو کر کے ان سے نادر شاہ کی آمد وغیرہ جیسی پیشینگوئیاں معلوم کیں۔ مذکورہ شاہ صاحب نے وہاں سے واپس آکر فرمایا کہ ”شہرت ہمارا مقصد نہیں اس لئے اب اس فسادخانہ سے جلد ہی رخصت ہو جانا بہتر ہے۔ [چنانچہ] وہ جلد ہی رحلت فرما گئے۔

سید شہ میر۔ یہ یہاں کے ایک بزرگ زادے ہیں۔ بقائے سنت اور اسلامی مقصدوں کی حمایت میں بے حد مبالغہ کیا کرتے تھے۔ ہمیشہ وہ اسی امر میں متوجہ رہا کرتے اور ہر دینی کام میں طلباء کی جماعت کو ساتھ لے کر دین پاک کی [۴۴۲] ترویج کے لئے دل و جان سے کوشاں رہا کرتے تھے۔ حال ہی میں وفات پائی ہے۔

میاں عبدالباقی واعظ۔ انہوں نے میاں ابوالقاسم نقشبندی ٹھٹھوی سے، جن کا ذکر آگے چل کر آئے گا، فیض حاصل کیا تھا۔ ان کی ایک کرامت تو مذکورہ بیان سے ظاہر ہے۔ غرض ان کی صحبت و عطف کتنے ہی گمراہوں کو راہ ہدایت پر لے آتی تھی۔ مشہور ہے کہ وہ وعظ کی ہر مجلس نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب سے اجازت لے کر برہا کیا کرتے تھے اور تازہ اجازت کے بغیر وہ کبھی وعظ و نصیحت کی محفلیں منعقد نہ کیا کرتے تھے۔

میاں ابوالہقا - یہ ایک نامور طالب علم اور باعزت عالم تھے - انہوں نے حال ہی میں رحلت پائی ہے۔

### سہار

یہ ایک مشہور گاؤں ہے۔

درویش حسین - یہ مذکورہ گاؤں کے باشندے اور ذات کے دھوبی تھے۔ بڑے صاحب حال و مال بزرگ رہے ہیں۔ سید عبد الکریم (بڑی والے) کے ہم عصر تھے۔

درویش بھنبھو سہار - ایک مرتبہ لوگ سفارش کے لئے انہیں حاکم کے پاس لے گئے۔ حاکم نے دربانوں کو ہدایت کردی تھی کہ اگر درویش آئیں تو انہیں اس قدر زد و کوب کرنا کہ پھر وہ دوبارہ آنے کی جرات نہ کریں۔ چنانچہ اسی فہلے کے مطابق دربانوں نے انتہائی زد و کوب کر کے نکال دیا۔ ابھی انہوں نے تھوڑا فاصلہ بہ مشکل طے کیا تھا کہ کچھ اور لوگ جن پر جرمانے عاید کئے گئے تھے اور اس حال سے بے خبر تھے، ان سے ملے اور سفارش کرنے کی درخواست کی۔ چنانچہ وہ پھر واپس حاکم کے دروازے پر آئے۔ دربانوں نے یہ دونوں واقعات جا کر حاکم سے بیان کئے جس پر اس نے کہا کہ درویش صاحب حال ہیں۔ پھر انہیں ہلا کر اور معافی طلب کر کے وہ دونوں کام کر دیئے۔ ان کا زمانہ سید عبد الکریم کے زمانے سے پہلے کا معلوم ہوتا ہے۔ [۳۴۳]

### نیرون کوٹ (حیدرآباد)

یہ سندھ کے ایک راجہ نیرون سے منسوب ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ دیول کے قریب بدیل کے شہید ہونے

کے بعد یہاں کے حاکم نے جس کا نام سمنی تھا (۱) خود بخود حجاج سے امان لے کر اطاعت قبول کرا لی تھی۔ پھر جب جلد ہی محمد بن قاسم نے سندھ پر فوج کشی کی اور دیول فتح کرنے کے بعد اس طرف متوجہ ہوا تو اس نے اسی امان کی دستاویز کے ذریعے محمد بن قاسم کی حاضری کا شرف حاصل کیا اور پھر اس کا مشیر بنا۔ [نہرون] اس ملک کا ایک پرانا مشہور قلعہ ہے جو مدت سے مسمار پڑا ہوا تھا اور اس کی شہرت ایک چھوٹے گاؤں کی سی رہ گئی تھی۔ سنہ ۱۱۸۲ھ میں میاں غلام شاہ کلہوڑا نے اس مقام کو خاص اپنی سکونت کے لئے پسند فرما کر ایک مضبوط قلعہ اور شاندار شہر کی بنیاد رکھی۔ [کھدائی کے موقع پر] بعض لاشوں کے برآمد ہونے کے ساتھ لوگوں کو بعض عجائبات نظر آئے۔ یہاں آرام فرمانے والے کتنے ہی بزرگوں کی لاشیں، جنہیں وفات پائے صدیاں گذر گئی تھیں۔ بالکل صحیح و سلامت نکلیں ان میں سے ایک مرد اور ایک عورت کی لاشیں ایک قبر سے اس قدر تازہ برآمد ہوئیں کہ گمان ہوتا تھا کہ جیسے یہ زندہ ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے عاشق اور معشوق تھے۔ نئے قلعہ اور نئے شہر کا نام حیدرآباد تجویز ہوا۔ قلعے کی مضبوطی کا کیا بیان کیا جائے!۔ واقعی اس سے پیشتر سندھ

---

(۱) اس مقام پر بھی میر قانع نے وہی دھوکا کھایا ہے۔ فی الواقع ”سمنی“ نہرون کوٹ کے حاکم کا لقب صفاتی تھا نام نہیں۔ اس کا نام سندھ تھا جیسا کہ بدیل کی شہادت کے واقعے کے موقع پر تحریر کیا جا چکا ہے۔

میں ایسا قلعہ مشکل ہی سے دکھائی دیتا تھا۔ مندرجہ ذیل  
یہاں کے بزرگوں میں سے ہیں۔ [۴۴۴]

شیخ مکائی (شاہ مکائی)۔ یہ بڑے مقتدر ولی اور پہلے اسلامی  
حاکم ہیں جو تسخیرِ سندھ کے بعد یہاں حکمران ہوئے۔ ان  
کی درگاہِ اولیاء اللہ اور اہل معرفت کی زیارت گاہ اور مرجع ہے۔  
[شاہ بخاری] مذکورہ شہر سے تین کوس کے فاصلہ پر ان کی  
با برکت درگاہِ زائرین کا مرکز اجتماع ہے۔

### ناہاہو

یہ نیروں کوٹ کے مواضع میں سے ایک گاؤں ہے۔  
درویش بادو۔ یہ مخدوم نوح کے مرید تھے۔ کہتے ہیں  
کہ جب پہلے یہ مخدوم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں  
نے ان سے فرمایا کہ کہو ”لا الہ الا اللہ“ ”مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللہ“  
[چنانچہ] یہ کلمہ پڑھتے ہی اس طرح تڑپنے لگے کہ جیسے  
مجھلی ہانی سے نکل کر تڑپتی ہے۔ بالآخر تڑپ تڑپ کر وہ  
زمین پر مردے کی طرح ٹھنڈے ہو کر رہ گئے۔ مخدوم کے  
حکم پر انہیں حجرہ میں اٹھالے گئے جہاں وہ تین دن تک  
بے خبر پڑے رہے۔ اس کے بعد انہوں نے جو مرتبہ پایا وہ  
روزِ روشن [کی طرح عیاں ہے]۔

### رکن پور

شیخ رکن الدین ملتانی کے نام پر جس کا ذکر ہو چکا ہے یہ  
گاؤں مشہور ہے۔

شیخ ربیعان جنگلی۔ یہ ذات کے سومرو تھے اور یہاں کے  
کامل بزرگ تھے۔ شیخ رکن الدین ان کی زیارت کے لئے اس

کاؤں میں آئے تھے جس کے بعد یہ [کاؤں] ان ہی کے نام سے ہکارا جانے لگا۔

شیخ ریحان کا اصل نام چنیسر تھا۔ کہتے ہیں کہ اتفاقاً کسی وقت شیخ رکن الدین اور مخدوم لعل شہباز ادھر آنکلیے اور ان سے روٹی، دودھ اور شہد کھلانے کا اصرار کرنے لگے۔ [۴۴۰] [کہتے ہیں کہ اس موقع پر] ایک قدرتی چمکی پیدا ہوگئی جس کا ایک پاٹ اب تک موجود ہے اور [بزرگوں کی تواضع کے لئے] انہوں نے جس سینگری کے درخت سے شہد کا چہتہ اتارا تھا وہ بھی یادگار کے طور پر باقی ہے اور لوگوں کی زیارت گاہ ہے۔

شیخ قطب - ان کے فرزند شیخ قطب بھی وقت کے قطب تھے اور رکن پور میں آرام پذیر ہیں۔ یہاں ہر ماہ کی چودہ تاریخ کو اچانک بغیر کسی اہتمام کے میلہ لگ جایا کرتا ہے اور آدھی رات تک ہر قسم کے لوگ آکر اکٹھے ہو جاتے ہیں۔

[شیخ دودا] - مذکورہ شیخ محمد قطب کے بھائی شیخ دودا کی قبر بھی بھائی کے ساتھ ہے۔ کہتے ہیں کہ جب شیخ دودا شہید ہوئے تھے تو مخدوم لعل شہباز ان کی فاتحہ خوانی کے لئے آکر پتھر پر بیٹھے تھے۔ [اس موقع پر] وہ جس پھل (۱) کے درخت پر ٹیک دے کر بیٹھے تھے وہ آج تک موجود اور نیکوں کی زیارت گاہ ہے۔

[شیخ عنایت] ہشتینی دستور کے مطابق اب یہ شیخ ریحان کے سجادہ نشین ہیں اور صاحبِ حال بزرگ ہیں۔

(۱) نسخہ "ن" میں "درخت انار" ہے۔

شیخ اکرم ڈنہ، یہ شیخ قطب کے خلیفہ ہیں اور وہیں

رہتے ہیں۔

شیخ ابراہیم۔ مذکورہ شیخ ریحان جنگلی کی اولاد میں یہ اپنے وات کے ولی تھے۔ ایک دن یہ سید علی شیرازی کی زیارت کے لئے گئے۔ تسبیح ہاتھ میں تھی [جب] سید نے مصافحہ کیا تو فرمایا کہ ”آپ کے ہاتھ میں بھی تسبیح ہے۔“ [انہوں نے] جواب دیا کہ دہلے اور ضعیف گھوڑے کے اٹے تو چابک ضروری ہے لیکن تازہ اور تیز گھوڑا بھی چابک کے بغیر اچھا نہیں لگتا۔“

شیخ ریکن۔ یہ بھی مذکورہ شیخ ریحان جنگلی کی اولاد میں ہیں۔ ان کی تربت تحصیل چاکر ہالہ میں اہل اللہ کی زیارت گاہ ہے اور پرمیزگاروں کی مرجع ہے [۳۴۶]

### ذمرو منکورو

یہ ایک مشہور قصبہ ہے جہاں سادات مٹیاری کثیر تعداد میں آباد ہیں۔ یہاں اس خاندان کے کئی مشہور بزرگ پیدا ہوئے ہیں۔

سید ہارون۔ یہ ذات ہے مثال (اللہ) کے مقرب بارگاہ تھے۔ [انہی] آخری زمانے میں قزو رضا میں کثیر درویشوں کے سردار ہو کدرے ہیں۔ ان کی کتنی ہی کرامتیں روشن اور محققانہ اشعار [مشہور] ہیں۔ قصے کے باہر ان کی قبر مخلوق عام کی زیارت گاہ ہے اور عہد حاضر میں بے حد مشہور ہیں۔

سید شیر یزدان۔ یہ سادات کے مشہور سرگروہ اور شان و

شوکت، دولت، احسان اور سخاوت میں بے حد نیک نام ہیں۔  
[انہوں نے] حال ہی میں وفات پائی ہے۔

سید البہار:- زمیندار کی حیثیت سے یہ بڑے طاقتور اور  
ذاتی صفات کے مالک تھے۔ اہل اللہ کی بڑی خدمت کیا کرتے  
تھے اور نیک یادگاریں چھوڑ گئے ہیں۔ ان کا حال ہی میں  
انتقال ہوا ہے۔ کثیر اولادیں موجود ہیں۔

[سید محمد] کسانوں کے بھیس میں یہ بڑے دولت مند  
[بزرگ] ہیں اور اس علاقے میں بڑے صاحب توفیق مشہور  
ہیں۔ اس وقت بقید حیات ہیں۔

درویش زکریا:- یہ ذات کے تھیم ہیں۔ شیخ ابراہیم ابن  
ناکوریہ کے ہم عصر تھے۔ نامور بزرگ ہو گذرے ہیں۔

کنجہ ٹیلہ میں آرام پذیر (مدفون) بزرگ

اس ٹیلے کو ”کنجو ولین جو منجو“ (ولیوں کا کھٹولہ یا  
آرام گاہ) کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ چونکہ سارے بزرگوں  
کے حالات کی معلومات ناممکن ہے اس لئے جو کچھ معلوم ہے  
وہ تبرکاً مذکور کیا جاتا ہے۔

شیخ بھیرو ویرداس:- یہ ایک مجذوب موحد اور وجد و مستی  
کی راہ کے سالک بزرگ تھے۔ اصلاً برہمن ہیں۔ ہمیشہ جنگلوں  
اور پہاڑوں میں رہتے اور جنگلی جانوروں کے [۴۴۴] ساتھ بسر  
کرتے تھے۔ انسانوں سے بھاگتے تھے۔ آخری وقت میں آکر کنجہ ٹیلے  
کے دامن میں سکونت پذیر ہوئے۔ لوگ ایک ایک کر کے ان کی  
زیارت کے لئے آیا کرتے تھے اور وہ بتائے بغیر ہر ایک کا دلی

مقصد معلوم کر کے شافی جواب دیتے تھے۔ ”حدیقۃ الاولیا“ کے مصنف نے روایت کی ہے کہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ وہ ایک سندھی بیت پڑھ رہے تھے۔ میرے دل میں خیال آیا کہ معلوم نہیں یہ بیت انہی کی ہے یا کسی اور کی۔ انہوں نے میرے پوچھے بغیر فرمایا کہ یہ بیت اسحاق لوہار کی ہے۔ [اسی طرح] اور بھی کتنی ہی باتیں میں دل میں لایا اور ان کا جواب پایا۔

نقل ہے کہ ایک شخص ان کی زیارت کے لئے گیا۔ اس وقت وہ بھوکا تھا انہوں نے فرمایا کہ ”فلاں تھوڑے درخت کے نیچے رکھی ہوئی دیگچی لا کر چولہے پر رکھ“ اس نے تعمیل کی تو آپ نے ایک مٹھی پتھریاں اس میں ڈال کر ڈھکن دے دیا۔ اسی اثنا میں جنکلی سے ہرنیوں کا ایک جھنڈ آگیا جن کا انہوں نے دودھ دوا اور پھر دیگچی سے عمدہ طعام نکال کر اس شخص کو کھلایا۔ ان کی وفات سنہ ۸۹۰ھ میں ہوئی اور قبر گنجے ٹیلے کے دامن میں ہے۔

[درویش بدین] درویش بدین ولد راہو سندھ کے ایک مشائخ کامل تھے اور گنجے ٹیلے پر آرام فرما ہیں۔ وہ کثیر مالدار اولاد چھوڑ گئے ہیں جو ان بزرگ کی برکت سے بغیر کسی روزگار اور زراعت و محنت کے فارغ البالی کی زندگی گزار رہے ہیں اور پیر کی دعا سے ان کا رزق کبھی کم نہیں ہوتا۔

درویش چھتو۔ درویش بدین کی اولاد میں درویش چھتو



بڑے صاحبِ کرامت بزرگ اور مذکورہ دوویس کے جانشین تھے۔ اب ان کے فرزند مولیدنہ آن کے مسند نشین ہیں۔

نہال شاہ مداری - متاخرین میں یہ ایک مقتدر ولی کامل تھے۔  
کچھ عرصہ پہلے تک وہ اعلیٰ مناقب سے موصوف اور طالبوں کی مرادوں کا مرکز تھے۔ [۳۳۸]



## بیسواں باب

ستیار اور پلیچار پر گنوں وغیرہ کے مواضع اور  
ان کے بزرگ

رائدن

یہ اٹھ قوم کے مواضع میں سے ایک مشہور گؤں ہے ۔  
درویش راجو ستیو دل - یہ ایک مجذوب مطلق اور واصل  
باللہ بزرگ تھے ۔ ہمیشہ سروپا برہمنہ کھوسا کرتے تھے اور  
کہیں بھی سکونت نہ اختیار کرتے تھے ۔ ان کی زبان سے جو  
کچھ بھی نکلتا برہمن قاطع کا حکم رکھتا ۔ کہتے ہیں کہ  
جب انہیں کوئی معاملہ پیش آتا تھا تو وہ کھڑے ہو کر ترنم  
اور الحان کے ساتھ کوئی سندھی بیت پڑھا کرتے تھے اور جو کچھ  
کہتے تھے وہی ہوتا تھا ۔ کسی وقت سر زمین کچھ سے گذرتے  
ہونے یہ بھینسوں کے [ ایک ] ریوڑ کی طرف گئے اور کچھ  
دودھ یا دھی کا مطالبہ کیا ۔ وہاں کوئی مرد نہ تھا اور

ہورتیں ان سے بے ادبی کے ساتھ بیٹھ آئیں۔ انہیں جوش آگیا اور لغو لگا کر [آگے] روانہ ہو گئے۔ اتفاق سے وہ بھینسیں [اپنے] ان بچھڑوں سمیت جو بندھے ہوئے تھے [خود بخود] بھڑک اٹھیں اور سب کی سب کم ہو گئیں۔ پورے سال تک ان کا کوئی نشان تک دکھائی نہ دیا۔ پھر سال بھر کے بعد [جب] درویش اس طرف سے گذرے تو عورتوں نے انہیں پہچان کر اپنے مردوں کو بتایا [چنانچہ] وہ سب روتے بیٹھنے ہوئے آکر درویش کے قدموں پر گر پڑے اور اپنا حال بیان کیا۔ درویش نے ان سے کہا کہ ”[اچھا] تم بھینسوں کا ہارہ، رستے اور کھوٹے وغیرہ تیار رکھو۔ شام کے وقت ساری [۴۴۹] بھینسیں واپس آجائیں گی۔“ شام کو ایسا ہی ہوا۔ چرواہوں سے انہوں نے پوچھا کہ ”اتنے عرصے تک تم کہاں تھے؟“ انہوں نے کہا کہ ”ہم تو حسب دستور صبح کو گئے تھے اور اب شام کو واپس آ رہے ہیں۔“ ان کا سنہ وفات ۸۹۷ھ اور مزار مذکورہ نصیبے میں ہے۔

### دندی (ڈندی)

یہ مشہور گاؤں ہے۔

شیخ سوں۔ یہ شاہ جمیل کے مرید اور قدیم پیر ہیں۔ ان کا مزار یہیں واقع ہے جہاں مقررہ دن بہت بڑا میلہ لگتا ہے۔ شیخ کھور اور شیخ نظام الدین۔ یہ دونوں شہدا تعلقہ ڈندی میں آرام پذیر ہیں۔ سارے سندھ کی خواجہ قوم ان کی معتقد ہے اور مقررہ چودھویں پر [وہ لوگ] ان کے میلے میں آکر حاضر ہوتے ہیں۔

ستیار

یہ ایک ہرگنہ کا نام ہے۔

شیخ لودھی - یہ حضرت غوث الثقلین ( پیران پیر ) کی اولاد میں ہیں۔ [ ان کا مزار ] عوام و خواص کی زیارت گاہ ہے۔

مخدوم یعقوب پلجیو - یہ عارف وقت ہرگنہ ستیار کے موضع ٹاری میں سکونت پذیر ہیں۔ کہتے ہیں کہ کسی سائل نے آکر ان سے کچھ طلب کیا۔ انہوں نے کہا کہ جنگل میں جا کر میرے غلام سے ایک بھینس لے لے۔ غلام نے یہ پیغام پا کر اس کو ایک ایسی بھینس دی جو روزانہ چھ کاسہ دودھ دیا کرتی تھی۔ مخدوم نے یہ بات سن کر غلام سے کہا چونکہ تو نے بغیر مجھ سے بوجھے بہترین بھینس دے دی ہے اس لئے میں تجھے آزاد کرتا ہوں اور یہ بات جا کر فخریہ طور پر اپنی بی بی سے بیان کی جنہوں نے کہا کہ جب تم نے ایسے احسان کے بدلے میں غلام کو آزاد کیا ہے تو پھر تمہارے اوپر [ ۳۰۰ ] میرے جو حقوق ہیں وہ میں تمہیں اس توفیق کے شکرانے میں بخشتی ہوں۔

نقل ہے کہ ایک دن وہ جماعت کے ساتھ مونک کے کھیت میں گئے۔ پکانے کے لئے [ اس وقت وہاں ] مٹی کی ایک سوراخ دار ہانڈی کے علاوہ اور کوئی دیگ نہ تھی۔ انہوں نے اس کو چڑھانے کا حکم دیا۔ بخدا نے اسے چولھے پر ترچھا کر کے رکھا تاکہ اس کے سوراخ سے ہانی نہ گرے۔ آپ نے فرمایا کہ ”سیدھی کر کے رکھو کیونکہ آدمی زیادہ ہیں اور زیادہ کھانا پکانا ہے۔“ قدرت الہی ہے اس میں اس قدر

کھانا پکا کہ اس سے اس جماعت نے خوب سیر ہو کر کھایا۔  
کھانے کے بعد آپ نے کہا کہ ہر شخص پہاڑ لے کر اس  
ہانڈی کو توڑنے کی کوشش کرے لیکن وہ کسی سے بھی  
نہ ٹوٹی۔

کہتے ہیں کہ ایک ہندو اپنی بیٹی کی شادی کے لئے  
عزیزوں سے نصف خراج دھان لے کر اور ایک عاریتاً مانگے ہوئے  
بیل کی ہشت پر لاد کر اپنے گاؤں چلا جا رہا تھا۔ اتفاقاً  
جب وہ دریا سے گذر رہا تھا تو [بیل] بار سمیت پانی میں  
گر گیا اور گم ہو گیا۔ یہ دریائے معرفت کے غواص بھی اس  
طرف سے ہو کر گذرے اور اس ہندو کو بیل کے غرق ہونے کے  
غم میں بیقرار دیکھ کر اس سے فرمایا کہ ”جا کر فلاں مقام پر  
ڈبکی لگا۔ وہاں تجھے ایک دربار نظر آئے گا۔ اس دربار میں  
جو شخص تجھے سب سے ممتاز نظر آئے اس کو میرا پیغام دے۔  
پھر توجو کچھ مانگے گا وہ تجھے مل جائیگا۔“ اشارے کے  
مطابق جب اس ہندو نے ڈبکی لگائی تو اسے ایک خشک میدان  
نظر آیا۔ وہ تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ آئے ایک بڑا دربار  
نظر آیا جس میں ایک شخص کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے  
مخدوم کا پیغام پہنچایا تو اس شخص نے اپنے خدمت کاروں  
سے کہا ”دیکھا! میں نہ کہتا تھا کہ یعقوب کی جانب سے  
ابھی بیل اور اناج کا تقاضہ کرنے کے لئے آدمی آیا چاہتا ہے۔  
غرض اناج سمیت وہ بیل اس کے حوالے کیا گیا اور اس (ہندو)  
نے اچانک خود کو خشک کنارے پر پایا۔ مشہور ہے کہ  
وہ ہندو اسی اناج کی برکت سے بڑے اثر و رسوخ کا مالک  
ہو گیا [۴۱] مذکورہ مخدوم مرزا شاہ حسن ارغون کے ہم عصر تھے۔

### نورائی

یہ ایک مشہورہ گاؤں ہے۔

شیخ اسماعیل قادری - اپنے زمانے میں یہ صاحب عصر بزرگ ہو گذرے ہیں۔ [ان کی درگاہ پر] ہر سال بہت بڑا میلہ لگا کرتا ہے۔

[شیخ محمد صلاح] اب ان کی اولاد میں شیخ محمد صلاح ہشت بہ ہشت وراثت کے ذریعے سجادہ نشین ہیں۔ خاقان پر اعتقاد رکھتی ہے اور وہ انتہائی بزرگی کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں۔

مخدوم عمر - تعلقہ نورائی کے قدیمی مشائخین میں بہت بڑے ہیں۔

اسحاق فقیر - یہ اصل میں موضع کرھیلی کے باشندے ہیں لیکن انہوں نے نورائی میں وفات پائی ہے۔ اپنے وقت کے مقتدر بزرگ ہو گذرے ہیں۔ لوگوں کا ان پر بڑا اعتقاد ہے۔

علی اصغر - حضرت غوث الثقلین کی اولاد میں آج کل یہ بزرگوں سے وراثتاً ملی ہوئی عظمت و کرامت کی مسند آراستہ کئے ہوئے ہیں۔ ان کی زندگی اعلیٰ اوصاف سے مزین ہے۔

### شال

یہ ایک مشہور قصبہ ہے۔

شیخ اسماعیل قریشی - شیخ بہاؤالدین ملتانی کی اولاد میں یہ ایک ولی کامل ہیں۔ یہ قصبہ شال کے بالمقابل ٹیلے کی طرف ”منہین“ کے کھنڈرات کے کنارے آرام فرما ہیں۔ ان کے ارادے کی برکت سے ایک دنیا کی مرادیں پوری ہوتی ہیں۔

### بہنو

یہ مشہور نہر ہے ۔

سید قادر ڈنہ شاہ - یہ میاں اسحاق سکریہ کے، جن کا ذکر آگے چل کر آئیگا، مریدوں میں سے ہیں ۔ آج کل پسندیدہ حال میں زندگی گزار رہے ہیں ۔ [۴۰۲] ان کی شائدار کرامتیں دیکھ کر میاں غلام شاہ (کلہوڑا) جتنا ان کا مرید ہے اتنا کسی اور کا نہیں ہے ۔ انہوں نے حال ہی میں وفات پائی ہے ۔

### دیو

یہ پرگنہ ہلیجار کے مواضع میں سے ایک گاؤں ہے ۔

سید بہنو - یہ اپنے وقت کے پیر اور زمانے کے بزرگ ہو گذرے ہیں ۔ ان کی درگاہ ہر ادنیٰ و اعلیٰ کی زیارت گاہ اور حاجت مندوں کی مراد ہے ۔ مقررہ دن پر یہاں میلہ لگا کرتا ہے ۔

### سمیچا

یہ ایک مشہور گاؤں ہے ۔

میاں چھنو - ان کی درگاہ اس گاؤں میں اہل اللہ کا مرکز ہے ۔ اسحاق فقیر سکریو - یہ اپنے دادا سکریہ ناہر کی طرح ایک بڑی جماعت کے مرشد، نیک خصلت اور صاحب حال بزرگ ہو گذرے ہیں ۔ درویشانہ طور طریق کے یہ بیحد پابند تھے ۔ درویش ڈاتار ڈنو - یہ مذکورہ میاں اسحاق فقیر کے فرزند ہیں ۔ اور درویشی اور کرامت میں آج کل بزرگوں کے نقش قدم پر زندگی گزار رہے ہیں ۔ [۴۰۳]

## اکیسواں باب

دریائے سانگرہ کے کنارے کے متفرق مواضع  
کے بزرگ

دریائے سانگرہ کے کنارے پر آرام پذیر جملہ بزرگوں کی  
واقفیت دشوار ہے تاہم برکت کے خیال سے ان میں سے صرف  
چند پر اکتفا کی جاتی ہے۔

شیخ موسیٰ احمد علی۔ یہ اصلاً ہندوستان کے بزرگوں میں سے  
ہیں اور سلطان علاؤ الدین خلجی کے زمانے میں سندھ میں  
تشریف لائے تھے۔ ان کا مزار سانگرہ ندی کے کنارے پر ہے۔  
[کہتے ہیں کہ] ان کے انتقال کے بعد ہی ایک سوداگر  
قافلہ سے بچھڑ گیا۔ بارے لدا ہوا ایک اونٹ اس کے ساتھ  
تھا۔ [اتفاقاً] اس اونٹ کا پیر پھسل گیا اور [اس کی ٹانگ]  
ٹوٹ گئی۔ آبادی دور تھی اور یہ غریب تنہا [وہاں] رہ بھی  
نہ سکتا تھا اور آگے جانا بھی مشکل تھا۔ پریشان ہو گیا کہ



کرے تو کیا کرے۔ اچانک اسے شیخ کی قبر دکھائی دی۔  
[وہاں جا کر] اس نے التجا کی۔ رات ہو چکی تھی اس لئے  
[چارو ناچار اس نے وہ رات] وہیں گزاری۔ صبح اٹھ کر اس  
نے دیکھا تو اونٹ اچھا خاصہ تھا اور اس پر چوٹ کا کہیں  
نشان تک نہ تھا [چنانچہ] وہ بار سمیت اپنی راہ لے کر روانہ  
ہو گیا۔ کچھ عرصے کے بعد اپنے وطن پہنچ کر [اس سوداگر نے]  
اس اونٹ کو کسی مہاک مرض میں مبتلا ہونے کی وجہ سے  
نحر کیا جس سے معلوم ہوا کہ اس کی ٹوٹی ہوئی ہڈی میں  
میخ لکی ہوئی تھی۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ شیخ کی کرامت ہے۔  
محبت اہل بیت میں اس بزرگ کی بہت سی حکایتیں مشہور  
ہیں جن کے بے حد مشہور ہونے کی وجہ سے ذکر نہیں کیا  
گیا۔ [۳۹۲]

درویش ونہیون چانہبہ۔ یہ ایک مشائخ وقت، صاحب حال  
وقال اور مقتدر ولی ہو گزرے ہیں۔ حضرت رسالت مآب کی  
مجلس اقدس کے ہارباب تھے۔ ان کی کرامتیں بیان سے  
باہر ہیں۔ ان کا سال وفات سنہ ۱۰۰۱ھ۔ عربی مادہ تاریخ  
”مات فی عشق“ ہے جس کا فارسی ترجمہ ”در عشق جان سپردہ“  
[ان کی وفات کے] سال کے مطابق ہے۔ سانکرہ ندی کے کنارے  
موضع تورکی (۱) میں مدفون ہیں۔

درویش آلو۔ یہ ایک معذوب مطلق اور عارف باللہ [بزرگ]  
تھے۔ اصلاً وہ ہندوستان کے تھے مگر سندھ آنکلیے تھے۔  
خاموشی کے ساتھ گلیوں میں گھوما کرتے تھے۔ کبھی کبھی

کچھ ایسے الفاظ بھی بولتے تھے جو [لوگوں کی] سمجھ میں آجاتے تھے۔ جنگلوں میں جا کر لکڑیاں اور گھاس کے کٹھن لاکر لوگوں کو دیا کرتے تھے۔ بڑے صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے۔ ان کے وسیلے سے کتنے ہو لوگوں کی حاجتیں اور مرادیں پوری ہوتی تھیں۔ ان کا مزار سانگرہ کے کنارے پر ہے۔

درویش ہتلی۔ یہ ”سمیجہ“ ذات کے بزرگ تھے اور سانگرہ ندی کے کنارے رہا کرتے تھے۔ شیخ ہوتھی بن لاکھ کے ساتھی تھے اور بے حد خوش مزاج تھے۔ ایک دن مچھلی کے شکار کے لئے کانٹا پھینک کر وہ دیر تک انتظار کرتے رہے جب [کوئی] مچھلی نہ پھنسی تو کہنے لگے کہ ”خدا یا! دے بالے“۔ اتنے میں دریا کے کنارے کی وہ زمین جس پر وہ بیٹھے ہوئے تھے شق ہوئے لگی۔ خائف ہو کر وہاں سے ہٹے ہوئے انہوں نے کہا ”عجیب بات ہے کہ ایسے دینا تو مشکل معلوم ہوتا ہے [لیکن] لینا آسان“۔

درویش لدھا۔ جن لوگوں پر درویش ونہیہ [چانہیہ] کی نگاہ فیض ہوئی تھی ان میں یہ ممتاز شخص تھے۔ مرشد کی توجہ کی برکت سے [۳۹۳] انہوں نے بڑا مرتبہ پایا اور صاحب کشف و حضور ہو گئے تھے۔

مولانا عباس۔ یہ شیخ ونہیہ [چانہیہ] کے ایک ممتاز خادم تھے اور بڑے برگزیدہ صاحبِ حال و قال تھے۔

مخدوم آدم تہیہ۔ یہ بڑی اعلیٰ منزل پر [فائز] تھے۔ ان کی صحبت فیض سے خالی نہ ہوتی تھی۔

درویش چتھو۔ ایک اہل دل اور صاحب ولایت بزرگ تھے۔ انھوں نے کئی مشائخین سے فیض حاصل کیا تھا۔ مخدوم آدم تھیبہ کے خاص سرید تھے۔ شیخ مددو نوہریہ۔ یہ ایک عارف العصر اور شیخ ونہیہ [چانہیہ] کے همعصر تھے۔

### نصر پور

جیسا کہ بیان ہو چکا ہے، سلطان فیروز نے سنہ ۷۵۱ھ میں نصر نامی ایک امیر کو سانگرہ کے کنارے قلعہ تعمیر کرائے کا حکم دیا تھا۔ اس طرح یہ شہر آباد ہوا اور اسی کے نام سے نصر پور کہلایا جانے لگا۔ دریا کے نشب میں ہونے اور باغات کی کثرت کی وجہ سے یہ شہر ایک تفریح گاہ بن گیا ہے۔

کہتے ہیں کہ ترخانی سرداروں نے سارے سندھ میں اسی سر زمین کو اپنی سکونت کے لئے پسند کیا تھا۔ آج تک ان کی نسل یہاں موجود (۱) ہے۔ چند سالوں سے دریا اب اس طرف سے اپنا رخ بدل رہا ہے جس کے وجہ سے یہاں کے باغات ویران ہو گئے ہیں اور ان کی جگہ سییم [زدہ زمینیں] دکھائی دیتی ہیں۔ یہ خطہ [بڑا] بزرگ خیز [واقع ہوا] ہے۔

قاضی خیر الدین۔ یہ صاحب حال و قال بزرگ تھے۔ [کہتے ہیں کہ] ان کے زمانے میں کسی شخص کو مرض اسہال لاحق ہو گیا اور کسی بھی [۳۹۴] دوا سے اس کے اسہال بند نہ ہوتے تھے۔ اس کے عزیزوں نے نا امید ہو کر اسے جوار کے کھیت میں مچان پر لیٹا دیا۔ اس کا پیٹ کھلی ہوئی مشک

کی طرح ہمیشہ بہتا رہتا تھا ۔ اتفاقاً [ایک دن] وہ (قاضی خیرالدین) اس طرف سے گذرے ۔ ایسے دیکھ کر انہیں رحم آگیا ۔ جب انہوں نے اپنی نگاہ شفا اس کی طرف کی تو وہ تندرست ہو گیا ۔ حدیث الاولیاء کے مصنف نے معتبروں سے روایت کی ہے ، جس کی صحت کے وہی ذمہ دار ہیں ، کہ وہ بیمار چالیس سال تک تندرستی اور دلجمعی کے ساتھ زندہ رہا ۔ اشتہا کے مطابق جو کچھ بھی اس کے ہاتھ آتا کھاتا رہتا تھا ۔ اس کا مقام اجابت بند ہو گیا تھا اور اہل فہدوس کی مانند رفع حاجت کے تقاضے سے مطلقاً آزاد ہو چکا تھا ۔ ان کا (شیخ خیرالدین کا) مزار نصرپور کے جنوب کی طرف ایک کوس کے فاصلے پر ہے ۔

شیخ محمود معروف بہ شاہ سیستان قادری ۔ یہ بزرگ حضرت پیر دستگیر کے حقیقی پوتے مشہور ہیں ۔ قدیم زمانے میں ان کا مزار دریا کے ہر لیے کنارہ پر تھا اور کوئی بھی شخص ان کے مقبرے کے اندر نہ جا سکتا تھا ۔ ایک زمانہ گذر جانے کے بعد یہ خطہ ہانی میں خرقاب ہو گیا اور ان کی لاش کو دوسرے قطعے میں جو اب دریا کے وسط میں ہے منتقل کر دیا گیا ۔ یہاں بھی خلق اللہ زیارت کے لئے آہا کرتی تھی اور لوگ جالی کے باہر سے زیارت کیا کرتے تھے ۔ [جب] تیسری مرتبہ سیلاب آیا تو انہیں [وہاں سے لاکر] اس مقام پر دفن کیا گیا جہاں آج کل آرام پذیر ہیں ۔ اس وقت سے ان کی زیارت عام ہے اور اب جالی کے اندر جانے کی اجازت ہو گئی ہے ۔ ان کی کرامتیں قدیم الایام سے ارادت مندوں کی دیکھی ہوئی ہیں اور خیال یا قلم کے احاطے سے باہر ہیں ۔

اب میر محمد زمان رضوی بزرگوں کے وارث کی حیثیت سے اس درگاہ خلایق ہناہ کے سجادہ نشین ہیں اور نہایت بزرگ اور کامل ہیں۔ [۳۹۵]

شاہ ہاشم رضوی - یہ یہاں [سب سے] پہلے آئے تھے۔ موجودہ سادات رضویہ کے یہ بزرگوار دادا ہیں اور مشائخ اکبر اور ولی اکمل ہو گزرے ہیں۔ آج سے تقریباً تیس سال قبل [کچھ لوگ] سیلاب کی وجہ سے ان کی اور دیگر سادات کی لاشیں قدیمی مدفن سے نکال کر لیے آئے۔ جو معتبر لوگ اس کامل کی لاش کے ساتھ تھے ان سے روایت ہے کہ باوجود اس کے کہ مذکورہ سید کی وفات کو دو سو سال گذر چکے تھے پھر بھی [لاش] قبر سے صحیح و سالم برآمد ہوئی۔ ایک انگور کا پکا ہوا تازہ دانہ اور بعض نباتات کے چند دانے بھی ان کے دائیں پہلو کے نیچے سے ملے جنہیں مرید آپس میں تقسیم کر کے کھا گئے۔ دیگر کرامتیں بھی اسی [طرح] سے سمجھی جاسکتی ہیں۔

شاہ ہاشم رضوی ثانی - یہ پشت بہ پشت ان کے (شاہ ہاشم مذکور کے) پوتے اور سجادہ نشین تھے۔ ان کے حالات بھی [حد] تقریر و تحریر سے باہر ہیں۔ حیات و ممات [کے زمانے] کی کرامتیں دنیا میں مشہور ہیں۔ ان کی مریدی کے وسیلے سے ایک زمانہ دینی اور دنیوی مرادوں سے بہرہ ور ہو چکا ہے۔ انہوں نے بہت سے معقنہ اشعار [بھی] کہے ہیں۔

سید نور اللہ - ان کے بعد سید نور اللہ بھی بزرگوں کے نقش قدم پر راہ معرفت میں اپنا وقت گزار گئے ہیں۔

[بنی لدھو شاہ] ان کے بعد ان کے لرزند رشید بنی لدھو شاہ والد کی مسند پر بیٹھ کر بڑے بزرگوں کی رسموں کو اچھی طرح جاری رکھتے آئے۔

[شاہ نجم الدین] ان کے بعد ان کے بھائی شاہ نجم الدین نے کمال و مہرات کی روشنی سے بزرگوں کے ستاروں کو منور کیا اور عقیدت مندوں کے دلوں کو حقیقت و ہدایت کے زیور سے آراستہ رکھا۔ [۳۹۶]

[غلام حیدر شاہ] ان کے بعد شاہ غلام حیدر بزرگوں کے جانشین ہوئے اور آج کل اس بزرگ کی ذات پر برکات بزرگوں کے کارناموں کی یادگار کے طور پر غنیمت ہے۔

اس مبارک سر زمین میں ہم تمہارے رضوی سادات بزرگ ہو گذرے ہیں [لیکن] تبرک کے طور پر [صرف] چند پر اکتفا کی جاتی ہیں۔

شاہ خٹاٹ الدین ابن شاہ نور اللہ مذکور۔ یہ بھی بزرگی میں کامل ہو گذرے ہیں۔

[شاہ وجہ الدین] ان کے بعد شاہ وجہ الدین [مسند نشین] رہے۔ انہوں نے بزرگانہ صفات سے موصوف رہ کر زندگی گذاری۔ [سید بزرگ] آج کل بزرگی کا نگینہ سید بزرگ اپنے اجداد کی یادگار ہیں اور اعلیٰ بزرگانہ شان کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں۔

سید یار محمد رضوی۔ پہلے یہ ملازمت کرتے تھے لیکن پھر بزرگوں کی راہ فقر سے آگاہ ہو کر توکل کی بلندی پر زندگی گزارنے لگے۔ اب اعلیٰ مقام پر فائز ہیں۔

## سطح الکرام

میر محمد شاکر رضوی - موجودہ بزرگوں میں پرہیزگاری اور اجداد کی جملہ صفات سے موصوف ہیں - عوام و خواص ان کے مرید ہیں -

سید محمد ظہیر ابن سید سلطان رضوی - انسانی کمالات سے موصوف [بزرگ] ہیں -

میر محمد صدیق - انتہائی پرہیزگار طالب علم ہیں - [اس وقت] حیات ہیں -

سید عبداللہ اور سید عبدالرزاق - یہ دونوں والد و فرزند شہید ہیں - کہتے ہیں کہ شہادت کے بعد یہ اپنے سروں کو لیے کر [خود] مدفن تک آئے تھے ، اور لوگوں نے [بہ حال] دیکھ کر انہیں دفن کر دیا تھا - دونوں بزرگوں کی درگاہ مغلوق عام کی زیارت گاہ اور حاجت مندوں کی مشکل کشا ہے - [۳۹۷]

سید احمد عرف شاہ غوری - یہ حضرت پیران پیر شاہ عبدالقادر جیلانی کی اولاد میں سے ہیں - [شہر کے] جنوب میں ان کی درگاہ حاجت مندوں کے لئے کان فیض اور سر چشمہ حلال مشکلات ہے -

بی بی نور پوری - [یہ محترمہ] دہانوں کی قوم کی ایک مجذوبہ سالکہ اور کامل العصر رابعہ ثانی تھیں - ان کا مزار بازار نصرپور کے وسط میں مریدوں کے لئے جائے پناہ ہے - یہ قاضی مسعود کے زمانے میں جن کا بیان آگے چل کر ہوگا ، حیات تھیں اور ان سے بڑی کرامتیں ظاہر ہوتی تھیں -

شاہ عنایت اللہ رضوی - یہ سندھی زبان کے ایک بلند پایہ شاعر تھے - ان کے اشعار عارفوں کے ورد زباں اور یقینی

حقیقتوں کو بے نقاب کرتے ہیں۔ نصرپور کے باشندے تھے۔ ان کا مزار شیخ موسیٰ آہندانی کے مقبرے میں خلق عام کی زیارت گاہ ہے۔ ان کی اولاد موضع ”لکھنیر“ میں سکونت پذیر ہے۔

شاہ عنایت اللہ - یہ حضرت پیر دستگیر کی اولاد میں ہیں اور نصرپور میں استراحت پذیر ہیں۔ ان کی زیارت کے فیض سے زائرین کی ہر طرح کی مرادیں پوری ہوتی ہیں۔ ان کی اولاد موجود ہے۔

قاضی مسعود قریشی عثمانی - یہ علوم ظاہری و باطنی کے عالم اپنے وقت کے سب سے بڑے ولی اور مقتدر ترین پیر ہو گذرے ہیں۔ علم کے ساتھ [انہیں] فقیری بھی [حاصل] تھی۔ ان کے فرزند حافظ حبیب اللہ اور ان کے فرزند میاں عزت اللہ [دونوں] صاحب کمال [بزرگ] ہو گذرے ہیں۔ اس وقت میاں عزت اللہ کے بھتیجے محمد یار ایک با توفیق انسان ہیں۔

قاضی محمود - یہ مذکورہ قاضی مسعود کے بھائی، شہر کے ممتاز فرد اور بڑے ہا مروت بزرگ تھے۔ ان کے فرزند: [۳۹۸] میاں فتاح - بڑے متقی بزرگ اور ہاشم رضوی ثانی کے مرید تھے۔

میاں عبدالقدوس - یہ وقت کے پیر تھے اور مذکورہ قاضی محمود اور قاضی مسعود کے ہم عصر تھے۔

محمد اشرف - ان کے فرزند محمد اشرف کروڑ گیری (محکمہ چنگی) میں ملازمت کرتے تھے انہوں نے ایک اچھے انسان کی حیثیت سے زندگی گزاری۔



محمد حسن - مذکورہ محمد اشرف کے فرزند محمد حسن بزرگوں کی خویوں سے موصوف اور بے حد مشہور تھے - حال ہی میں دیوان گدو مل کے ساتھ وہ دیرہ (دیرہ غازی خان ؟) میں قتل ہو گئے ہیں -

شیخ نتھو - یہ نصرپور کے بھانرو قوم کے زمینداروں میں سے تھے - مشرق کی جانب [ایک] کوس کے فاصلہ پر دفن ہیں - ان کی درگاہ خالق اللہ کی زیارت گاہ ہے -

شیخ تودھن دیاری - یہ [انہی] وقت کے مرشد کامل تھے - ان کی درگاہ بکھیرہ کی جانب دو کوس کے فاصلے پر عوام و خواص کی زیارت گاہ ہے -

مخدوم سینھرو - یہ زمینداروں میں سے ہیں - ان کا مزار اہل دنیا کی زیارت گاہ اور اہل معرفت کی پناہ گاہ ہے -

سید دین محمد - یہ اصل میں میثاری کے باشندے ہیں [لیکن بعد میں انہوں نے] نصرپور کی سکونت اختیار کی تھی - یہ صاحبان کمال میں یگانہ بزرگ تھے -

سید محمد غوث - ان کے فرزند سید محمد غوث انہی وقت میں بزرگی کی صفات سے موصوف ہو گذرے ہیں -

سید قادر شاہ - اس وقت سید قادر شاہ ولی کامل اور بزرگوں کی بادگار ہیں -

سید عبدالصمد - یہ مذکورہ سید دین محمد کے بھتیجے اور واضح کمالات کا مجموعہ تھے - [۳۹۹]

سید انصاف - یہ اصلاً بخاری اور یہاں کے ایک مقتدر ولی ہیں - ان کی درگاہ اہل اللہ کی زیارت گاہ ہے -

سید محمد محسن - اب ان کے فرزند سید محمد محسن [ان کی ایک] جیتی جاگتی یادگار موجود ہیں -

سید ابون شاہ - یہ بھی اصلاً بخاری ہیں اور کوٹری کے بالمقابل اپنے ہی گاؤں میں ، جو ”سید ابھی جی دھ“ کے نام سے مشہور ہے ، راحت پذیر ہیں - ان کی درگاہ پر مریدوں کی حاجتیں پوری ہوتی رہتی ہیں -

سید عبدالرحمان بخاری - انہی کی اولاد میں ہیں ان کی کرامتیں مشہور ہیں اور کثیر اولادیں ہیں -

سید عنایت اللہ - یہ سید عبدالرحمان کے بھائی تھے اور صاحب حال و کرامت بزرگ تھے - حال ہی میں انتقال کیا ہے -

قاضی حاجی - یہ اس سر زمین کے قدیم بزرگوں میں سے ہیں - میان ابوالبقا محتسب ، جو دور دور تک مشہور اور اعزاز کے ساتھ حال ہی میں فوت ہوئے ہیں ، انہی کی اولاد میں ہیں - قاضی عبدالوہاب - یہ یہاں کے نامور اور برگزیدہ قاضیوں میں سے تھے - ان کے انتقال کے بعد ان کی جگہ ان کے بھتیجے قاضی ابوالحسن قضا کے عہدہ پر مامور ہوئے -

قاضی محمد میر - ان کے فرزند قاضی محمد میر اس وقت حیات میں اور قضا کے موروثی عہدے پر بحسن و خوبی سر فراز ہیں -

قاضی مخدوم عبدالرحمان - یہ ایک جیسٹ عالم اور ممتاز فاضل تھے - شاہ جہان کے زمانے سے عالمگیر کی بادشاہی کی کل [مدت] تک یہ حرمین شریفین کے نذرانوں کے متولی تھے - [اس] خدمت کے معاوضے میں انہیں ایک عمدہ جاگیر ملی تھی - [مخدوم محمد اکرم] ان کے فرزند اکبر مخدوم محمد اکرم

بڑے ہارسوت اور بافضیلت بزرگ ہو گزرے ہیں۔ [۳۰۰] [میاں مدنی] میان مدنی جو مدینہ طیبہ میں پیدا ہوئے تھے، اسی درخت کے پھل اور اسی چمن کے پھول ہیں۔ حفیظ یارخان اور عابد یارخان - یہ دونوں نامور بھائی مذکورہ قاضی عبدالرحمان کے فرزند ہیں۔

قاضی عبدالرحمان ثانی - اپنے بزرگ جد امجد کے [نام سے] منسوب ہونے کی [برکت] کی وجہ سے انہوں نے بڑی با عزت اور ممتاز زندگی گزاری اور مدینہ طیبہ میں وفات پا کر مخدوم حیات سندھی کے مقبرے میں دفن ہوئے۔ حاجی قائم سندھی جن کا ذکر آئندہ ہوگا اور میاں عبدالحمید ہالائی، جن کا ذکر ہو چکا ہے [دونوں] اسی مقبرے میں مدفون ہیں۔

قاضی روح اللہ - یہ بھی یہاں کے نامور بزرگوں میں ہیں۔ مخدوم میاں میدنہ - ان جامع کمالات، متبحر عالم، علم فقہ میں اکثر دوسرے علما سے زیادہ ماهر اور راہ سلوک سے واقف بزرگ نے حال ہی میں عمر کمال پر پہنچ کر انتقال کیا ہے۔

میاں عبداللہ - ان کے فرزند میاں عبداللہ علوم ظاہری سے پورا استفادہ کرنے کے بعد اب علم حقیقت کی طرف متوجہ ہیں۔ میاں نور محمد طالب علم - یہ مخدوم حاجی محمد قائم کے شاگرد، فقہی فضائل اور علمی کمالات میں اپنے وقت کے مقتدر رہبر ہیں۔ کچھ عرصہ تک میاں غلام شاہ خان کے لشکر میں منصب قضا پر فائز رہے ہیں۔

مخفی نہ رہے کہ اصل شہر کے باشندوں میں سے کچھ

لوگوں کے ذکر سے فراغت حاصل کرنے کے بعد اس ہاس کے لوگوں کا ذکر شروع کیا جاتا ہے۔

یہاں احمد طائی۔ نصر پور کے نواح اور تعلقہ سماواتی میں یہ صاحبِ کمال اپنے وقت کے ممتاز اور صاحبِ حال و قال بزرگ ہو گذرے ہیں۔ [۴۰۱]

[مخدوم حاجی ہارون] اب ان کے داماد حاجی مخدوم ہارون مسند بزرگی پر متمکن ہیں۔

بیر پرو۔ سر زمین روہا میں گجر کوٹ کے قریب انہوں نے حال ہی میں وفات پائی ہے۔

احمد شاہ۔ اب ان کے فرزند مسیحی احمد شاہ ان کے جانشین ہیں۔ عوام و خواص ان کے بڑے معتقد ہیں۔

### بکیرا

(نصر پور سے تین کوس کے فاصلے پر اسی طرف (ٹھنہ کی جانب یہ ایک متبرک گاؤں ہے۔)

شیخ فانیل شاہ فریشی۔ بکیرا کے باشندوں اور قطب الاقطاب شیخ بہاؤ الدین ملتانی کی اولاد میں، شیخ فانیل شاہ فریشی سنہ ایک ہزار بیس کچھ راند سال گذرنے پر سندھ میں تشریف لائے تھے اور آکر سندھ پور کاؤں میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ یہ بزرگِ کامل اور اپنے وقت کے رئیس تھے۔

کہتے ہیں کہ انہیں دنوں مخدوم نوح رحمۃ اللہ علیہ کے خادموں نے ہران (ندی) کے کنارے املی کے درخت والے ایک مقام پر قبضہ کر لیا تھا۔ یہ مقام قدرت خداوندی سے بے حد متبرک تھا کیونکہ [وہاں کے املی کے] درخت کی جڑ میں

کوڑی کی مانند ایک سوراخ بنا ہوا ہے جو شیخ بہاؤالدین ملتانی کی یادگار ہے۔ پاک دل انسان کے علاوہ اس میں سے کسی کا گذر جانا ناممکن ہے۔ قدیم الایام سے اس سلسلے کے فقیروں کا وہاں میلہ لگا کرتا تھا۔ [چونکہ] شیخ کے مریدوں کا [مخالفانہ قبضہ ہوجانے کی وجہ سے] وہاں کوئی دخل نہ رہ گیا تھا اس لئے خادموں کی ایک جماعت نے ملتان جا کر قطب الاقطاب (شیخ بہاؤالدین) کے روضے پر اسملی کے [درخت والے] میلہ کے سابقہ قبضے کی بحالی کی درخواست کی۔ انہیں الامام ہوا کہ عنقریب ہماری اولاد میں سے ایک [۳۰۲] شخص وہاں پہنچ کر تمہیں اس جگہ کا قبضہ دلا دے گا۔ [چنانچہ] اس کے مطابق جلد ہی شیخ بہاؤالدین ملتانی علیہ الرحمۃ کی اولاد میں سے ایک بزرگ۔

شیخ شہرائہ۔ اس مقام پر پہنچے۔ مذکورہ شیخ فاضل شاہ کی ایک دختر کے علاوہ کوئی اولاد نہ تھی۔ انہوں نے انہی بزرگوار کو اپنا فرزند اور داماد بنایا۔ اس عالی مرتبہ بزرگ نے اعلیٰ کرامتیں اور کھلی ہوئی نشانیاں دکھا کر اسملی کے درخت کا مذکورہ مقام حسب سابق اپنے پیر کے سلسلے کے مریدوں کو [واپس] دلوا دیا۔ ان کے شاہ سراج الدین اور شاہ قائم الدین ناسی دو فرزند ہوئے۔ قائم الدین شاہ نے کوئی اولاد نہ چھوڑی۔

[شاہ سراج الدین] پیری مریدی کے سلسلے کو ترقی دے کر شاہ سراج الدین نے بادشاہ کے دربار میں بڑا مقام حاصل کیا۔ جھوک میں انہیں نے شاہ عنایت اللہ صوفی سے جنگ کا آغاز

کہا تھا ۔ اُن دنوں وہ دہلی میں تھے ۔ اُن کے فاضل شاہ اور مہر شاہ نامی ، دو فرزند پیدا ہوئے ۔

[فاضل شاہ] مدت تک پیری مریدی کے سلسلے کو جاری رکھنے کے بعد یہ لاولد فوت ہوئے ۔

[مہر شاہ] اُن کے بعد اُن کے بھائی مہر شاہ مسند نشین ہوئے ۔ انہوں نے سلسلے کو خاصی ترقی دی ۔

[شاہ قائم الدین] اُن کے بعد اُن کے فامور فرزند شاہ قائم الدین اُن کے سجادہ نشین ہوئے اور تاحال اُن کی یادگار ہیں ۔

### کاتھار

یہ نصرپور کے مساواتی ہرگئے کے قدیمی مواضعات میں سے ہے ۔

شیخ مہرکیہ جکھو این شاہو کاتھار ۔ یہاں کے بزرگوں میں سے ہیں ۔ یہ مخدوم اسماعیلی لائی کے فرزندوں مخدوم احمد اور محمد کے ، [۲۰۳] جن کا بیان پہلے ہو چکا ہے ، معاصر تھے ۔ ابتدا میں انہوں نے سخت ریاضتیں کی تھیں ۔ کہتے ہیں کہ ایک بار انہوں نے سولہ سال کے بعد روزہ کھولا تھا ۔ سردیوں میں ایک چادر لپیٹ کر دریا کے کنارے جایا کرتے اور غسل کر کے اسی بھیگی ہوئی چادر میں نماز پڑھتے کھڑے ہو جاتے اور پھر جب وہ چادر خشک ہو جاتی تو پھر غسل کر کے [حسب سابق] بھیگی چادر لپیٹ کر نماز میں مشغول ہو جاتے ۔ [اس طرح] ساری ساری رات وہ بار بار غسل کرنے اور نماز ادا کرنے میں جاگ کر گزارا کرتے ۔ گرمیوں کے موسم میں گرم دنوں کا سارا وقت وہ سورج کے سامنے بیابان میں گزارا

کرتے کہ جہاں ذرا بھی ہوا نہ ہوئی تھی۔ آخر کار رفتہ رفتہ ان کے جسم کی ساری کھال [جھلس کر] اتر گئی۔ کہتے ہیں کہ ایک بار وہ ایک شخص کے ساتھ چیلے میں بیٹھے۔ شیخ کے لئے روزانہ ایک بڑا میٹھا پرائٹھا پکایا جاتا اور وہ اسے کھایا کرتے لیکن دوسرا شخص [مسلسل روزہ رکھتا رہا]۔ عیب جو لوگوں نے اس بات کو بڑی شہرت دی۔ [جب] چلتے ختم ہوا تو انہوں نے وہ چالیسوں پرائٹھے جو انہوں نے کھائے تھے نکال کر ثابت و سالم ان لوگوں کے سامنے رکھ دیئے اور کہا کہ ”دیکھو میں نے جو کچھ کھایا تھا وہ یہ ہے“۔ مجلس میں موجود سارے لوگوں نے ان پرائٹھوں میں سے [تھوڑا تھوڑا] کھایا۔

ایک دن ایک آدمی نے شیخ کے پاس آ کر کہا کہ ”میری بیوی کم ہے، معلوم نہیں کہ مرگئی یا کم ہیں چلی گئی۔ اس کے چھوٹے بچے اس کے لئے بیقرار ہیں“۔ [شیخ نے] ایک نوکر سے فرمایا کہ ”اس شخص کی بیوی کو جا کر لے آ“۔ وہ دروازہ سے باہر نکل کر حیراں ہو کر کھڑا ہو گیا۔ شیخ نے اسے ڈانٹ کر کہا کہ ”آگے جا“ [اس پر] خادم آگے چلتا رہا یہاں تک کہ رات ہو گئی پھر وہ جو بھی قدم آگے رکھتا [اسے ایسا محسوس ہوتا] جیسے وہ زمین سے نیچے اتر رہا ہے۔ آخر چلتے چلتے اسے زمین اپنے سر کے اوپر دکھائی دینے لگی۔ پھر اچانک اس کی نظر ایک ایسے شاہی دربار پر پڑی جس میں انواع و اقسام کے پردے، فرش اور قالینیں [م. م.] آراستہ تھیں اور ایک شخص شاہی لباس زیب تن کئے بیٹھا نظر آیا

جس کے سامنے کثیر عورتیں اور مرد قیدی بنے بیٹھے تھے۔ [یہ دیکھ کر] خادم نے اپنے پیر کی جانب سے [ان سے] اس عورت کی آزادی کے لئے عرض کیا۔ جواب ملا کہ اس عورت نے نذر ادا کرنے میں غفلت کی ہے اس لئے اسے رہائی نہ ملے گی۔ خادم نے واپس آکر یہ حال اپنے مرشد سے عرض کیا۔ شیخ اس عورت کے شوہر کو ساتھ لے کر سابقہ [بیان کردہ] طریقے سے وہاں جا پہنچے [اور جا کر انہوں نے] عورت کی واپسی کا شدید تقاضا کیا لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ اس پر انہوں نے اس عورت کے شوہر کو حکم دیا کہ ”تو اپنی بیوی کو ساتھ لے“ [حسب ارشاد] وہ اسے لے کر چل دیا۔ [یہ حال دیکھ کر] مریدوں نے اس بزرگ سے [جس نے عورت کو قید کیا تھا] کہا کہ [یہ لوگ] عورت کو بغیر اجازت لئے جاتے ہیں۔ [بزرگ نے] فرمایا کہ ”خدا کا مجذوب اور سر مست عاشق آیا ہے اگر وہ سب کو لے جائیگا تب بھی میں کچھ نہ بولوں گا۔“ یہ عجیب نقل عارف باللہ سید عبدالکریم کی زبانی رسالہ ”بیان العارفین“ اور ”تنبیہ الغافلین“ میں بیان کی گئی ہے اور ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ بزرگ جناب پیر دستگیر علیہ الرحمة تھے۔

[ایک بار لوگوں نے] ان سے (شیخ پور کیو سے) کہا کہ ”سب لوگ شیخ بہاؤ الدین ملتانی کے مرید ہیں لیکن آپ کیوں نہیں ہیں؟“۔ [یہ سنتے ہی] ہاتھ میں ایک دودھ کا پیالہ لے کر انہوں نے اسی وقت زمین میں ڈبکی لگائی اور ان واحد میں ملتان جا پہنچے۔ سجادہ نشین [شیخ بہاؤ الدین ملتانی] اس وقت اپنی ہی بی [مکرمہ] کے ساتھ خلوت گاہ میں



تھے۔ انہوں نے جا کر دودھ کا پیالہ ان کے سامنے رکھا۔ انہوں نے فرمایا کہ ”ادب پر طرف کہاں سے آگئے؟“ انہوں نے کہا کہ ”آنکھیں دوسری طرف ہیں۔“ اس کے بعد ہاتھ دے کر (بیعت کر کے) اور زمین میں غوطہ لگا کر فوراً اسی محفل میں واپس آگئے جہاں سے گئے تھے، اور لوگوں سے کہا کہ ”اب میں شیخ کی بیعت کر آیا ہوں۔“ ایک مرتبہ انہوں نے کہا کہ ”کسی موقع پر میں خدائی دیدار کے نور میں غرق تھا کہ آواز آئی ”اے بھرکیہ غلام بنو گئے؟“ میں نے کہا نہیں۔ پھر آواز آئی کہ ”اچھا ملازم بنو گئے“ میں نے پھر جواب دیا ”نہیں۔“ [۴۰:۵] توں مرتبہ اسی طرح بار بار آواز آتی رہی لیکن میں نے قبول نہ کیا۔ آخر آواز آئی کہ ”جب نہ تو غلام ہے نہ نوکر تو بتا کہ ہونا کیا چاہتا ہے؟“ عرض کیا کہ ”خداوند! نہ کچھ ہوں اور نہ کچھ ہونا چاہتا ہوں۔“ میرے یہ کہنے پر خداوند تعالیٰ نے اپنا دست قدرت میری پشت پر رکھا اور میری معرفت قبول فرمائی۔

میرن کا تیار۔ ابتدا میں ایک دن بھنگ پی کر یہ کشتی

میں سوار ہو کر [کہیں] جا رہے تھے کہ اچانک جذب الہی میں مدھوش ہو گئے۔ اور جو کچھ ملنا تھا ہا گئے۔ لوگ اس کیفیت کے بارے میں ان سے دریافت کیا کرتے تھے لیکن وہ یہ ہوشیدہ راز کسی پر ظاہر نہ کرتے تھے۔ اچانک ایک دن کسی شخص سے انہوں نے اپنا وہ حال بیان کر دیا جس کی وجہ سے اس حالت سے محروم ہو گئے۔ [پھر تو] وہ ہا گلوں کی طرح گھومتے اور کھانوں کا خوان سر پر لادے ہوئے جوگیوں اور قلندروں کی تلاش میں مارے مارے پھرا کرتے۔ سید عبدالکریم

انہیں مخدوم نوح کی خدمت میں آئے گئے جن کی نظر پڑتی ہی یہ پہلے سے بھی زیادہ معرفت کے مرتبے پر فائز ہو گئے اور پھر اس حال کو پہونچے کہ جب بھی اس کا ذکر کرتے تو یہ ہوش ہو جاتے۔ کتنی ہی بار [اس عالم میں] انہیں مردہ سمجھ کر [لوگوں نے] سورہ یسین پڑھی۔ خود انہی سے روایت ہے کہ [ہوش میں آنے کے بعد انہوں نے لوگوں سے کہا کہ] ”عزرائیل کا مجھ سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔“

مخدوم عبدالحمید قادری۔ سماواتی ہر گنہ میں کاتیار کے قریب موضع ہوجر میں یہ بزرگ حال ہی میں دو گذرے ہیں۔ اپنے وقت کے یہ کامل ولی تھے متعدد کرامتیں ان کی یادگار ہیں۔ محمد شریف۔ ان کے فرزند میاں محمد شریف بقید حیات ہیں اور اعلیٰ کمالات کے اوصاف سے موصوف ہیں۔ اپنے والد کے طریقے کے مطابق یہ ہر آنے جانے والے کی [۴۰۶] بے حد خدمت کرتے ہیں اور طالبوں کی جماعت کے ساتھ خانقاہ میں صبح و شام خفی و جلی ذکر میں مشغول رہا کرتے ہیں۔ شیخ دھانوی۔ سماواتی تعلقہ میں۔ پریوں کی بستی کے بالمقابل اوڈھیچہ قوم کے گاؤں میں ان کی شاندار درگاہ واقع ہے۔ ساری اوڈھیچہ قوم ان کی مرید ہے۔ ان کی اولاد [منصب] قضا [ہر فائز ہونے] اور ملا و پھر زادہ ہونے کی وجہ سے یہاں کے لوگوں کی مرشد ہے۔

خسرو بن محمود۔ یہ اصلاً بادشاہان غزنوی [کی اولاد] میں سے ہیں۔ ان کی عظیم الشان درگاہ اوڈھیچہ [قوم کی] سر زمین میں واقع ہے۔ خود ان کے اور ان کے خلفاء [کے مقابر]

اہل اللہ کی زیارت گاہ ہیں۔ ان کی ایک [ادنیٰ] کرامت یہ ہے کہ ان کی آرام گاہ کے قرب و جوار کے جنگل میں کسی کو لکڑی یا دوسری چیز پر دست درازی کرنے کی قوت نہیں ہوتی۔ اگر کوئی ایسی جراثیم کرے بھی تو اس کی ہاداش میں اس کا ہاتھ نہ رہے گا۔

### اگھم کوٹ

اس کا یہ نام آگھم لوہانہ کے نام پر پڑا ہے جس کا ذکر [سندھ کے ہندو] راجاؤں کے بیان میں ہو چکا ہے۔ یہاں کی سر زمین اہل اللہ کا سر چشمہ ہے۔

مخدوم اسماعیل سومرو۔ یہ ایک بڑے ولی اور مشہور بزرگ ہو گذرے ہیں۔ کہتے ہیں کہ بچپن سے ساری عمر انہوں نے ریاضتوں میں گزاری۔ یہ بڑے غنی تھے۔ حقداروں، طالب علموں اور مسافروں کو تو یہ انواع و اقسام کے کھانے اور شربت پیش کیا کرتے تھے [لیکن] خود جو کی روٹی سے افطار کیا کرتے تھے۔ ان کی کرامتیں بے شمار ہیں۔ انہوں نے سنہ ۱۹۹۸ء میں وفات پائی۔

مخدوم جدو موہیو۔ یہ ایک نامور عالم اور وقت کے رہبر بزرگ تھے اور مخدوم اسماعیل سومرو کے دوست تھے۔ [۴۰۷]

مخدوم عثمان۔ یہ اپنے وقت کے بزرگ اور مخدوم اسماعیل سومرو کے ہم عصر تھے۔ اسی گاؤں میں رہا کرتے تھے۔  
درویش داؤد اور میاں مہوں۔ یہ دونوں بزرگوار مخدوم اسماعیل کے ہم عصر تھے۔ ان میں سے ہر ایک کے مدرسے میں

تقریباً پانچ سو طلباء قرآن [ہاک] کی قرات میں مشغول رہا کرتے تھے جن کی خوراک و پوشاک کا یہ اپنی جانب سے انتظام کیا کرتے تھے۔ مرزا باقی، باوجودیکہ بخیل تھا تاہم یہ [بزرگ] جو بھی [کاشت] کیا کرتے تھے ان پر اس نے محصول و مالگذاری [وغیرہ] معاف کر دی تھی۔ [یہ بزرگ اپنی] اس قدر سخاوت کے باوجود خود جسو کی روٹی اور نمک سے افطار کیا کرتے تھے اور اپنی زمینوں کی ساری پیداوار مسکینوں اور حق داروں پر خرچ کیا کرتے تھے۔

شیخ نورالدین۔ یہ بزرگ اصل میں سیوستان (سیوہن) کے رہنے والے تھے۔ سیر کرتے ہوئے اکھم کوٹ سے ہو کر گذرے اور یہ سر زمین انہیں پسند آگئی۔ آپ نے وصیت کی کہ میں چاہے کہیں بھی وفات پاؤں لیکن مجھے یہاں [لا کر] دفن کیا جائے۔ اتفاقاً انہوں نے اپنے وطن کے قریب انتقال کیا۔ جب ان کا جنازہ اٹھایا گیا تو وہ خود بخود رواں ہو گیا اور مذکورہ سر زمین کے علاوہ اس نے کہیں بھی قرار نہ لیا۔ بالآخر اکھم کوٹ سے تین کوس باعروہ اپنی پسندیدہ جگہ پر دفن ہوئے۔ ان کی درگاہ ارادت مندوں کی زیارت گاہ ہے۔

رویش سلیمان۔ یہ مذکورہ پرگنے کے باشندے تھے۔ کہتے ہیں کہ ان کی چار بیویاں تھیں جن سے یہ بے حد محبت کرتے تھے۔ کبھی کبھی یہ غصے میں ان سے کہتے کہ ”اے اندھی! اس طرح کر“ تو وہ فوراً اندھی ہو جاتی تھیں۔ پھر رحم کھا کر یہ کہتے کہ ”تیری آنکھیں ہمیشہ روشن رہیں“ تو ان کی بینائی پھر عود کر آتی تھی۔ کئی مرتبہ ایسی

ہی [۳۰۸] حالت ہوئی تھی۔ اسی طرح ان کی زبان سے جو کچھ بھی نکلتا بالکل ویسا ہی ہوا کرتا تھا۔

[شیخ اسحاق بن سلطان بن بھلول القادری] یہ بزرگ، ابوالعناقب شیخ جمال الدین عبد اللہ کے، جو حضرت غوث الثقلین (شیخ عبدالقادر جیلانی) کی اولاد میں تھے، مرید اور خلیفہ ہیں۔ [اپنے وقت کے] نامور اولیا میں سے تھے۔ ان کی قبر موضع اکھم کوٹ میں ہے۔

درویش عمر بدلو۔ یہ ایک مجذوب مطلق اور واصل باللہ بزرگ تھے۔ پہلے یہ لوگوں سے بھاگتے تھے اور جنگلوں اور پہاڑوں میں وقت گزارتے تھے۔ [لیکن پھر] اخیر دنوں میں آکر موضع اکھم کوٹ میں رہنے لگے۔ انھیں اپنی اور اپنے سامان کی کوئی بھی خبر نہیں ہوتی تھی۔ جو شخص بھی ان کی خدمت میں جا پہنچتا تھا وہ اپنی مرادیں حاصل کر کے ہلٹتا تھا۔ درویش ونہیہ [چانہیہ] جن کا ذکر کیا جا چکا ہے ان سے مریدوں کی طرح صحبتیں کیا کرتے تھے۔ یہیں مدفون ہیں۔

حمزہ پھار۔ یہ اکھم کوٹ کے قدیم مشائخوں میں سے ہیں۔

خلیفہ محمد شریف۔ یہ اس سرزمین کے ایک قدیم ولی ہیں۔

سید یونس۔ یہ متعلوی سید ہیں۔ [خود بہ] اور ان کے

فرزند سید عبد اللہ اس وقت کے پیروں میں سے ہیں۔ دونوں بزرگوں کی قبریں نیک بندوں کی زیارت گاہ ہیں۔

سید فقیر۔ یہ متعلوی سید ڈتہ کی اولاد میں ہیں۔ حال

ہی میں ہو گزرے ہیں۔

### جون

سرکار چاچکان کا یہ ایک مشہور شہر ہے۔

درویش حاجی سورو۔ یہ ہر گنہ جون کے ایک گاؤں کے باشندے تھے اور انہوں نے مخدوم نوح، اسماعیل جاگی، سید رکن الدین اور سید عبدالکریم [۴۰۹] کی صحبتوں سے فیض اٹھایا تھا۔ کثیر آدمی ان کے مرید تھے۔

درویش موسیٰ۔ یہ جون کے نواح کے باشندے اور سندھ کے مشہور و معروف ولی ہیں۔ درویش بہاؤ الدین گودڑ یہ پہلے ان کے مرید ہوئے تھے اور بعد میں انہوں نے مخدوم نوح علیہ الرحمۃ کی خدمت سے فیض حاصل کیا تھا۔

سید حمید۔ یہ بزرگ سید محمد مکی کے، جن کا ذکر بکھر کے بزرگوں میں ہو چکا ہے، پوتوں میں سے ہیں۔ کشش آب و دانہ کی وجہ سے وہ اپنے بھائیوں سے، جو سید محمد مکی کی اولاد میں اور بکھر اور روڈڑی میں سکونت پذیر ہیں، علیحدہ ہو کر اس سر زمین میں آ رہے۔ ان کی ذات اقدس میں جملہ انسانی خوبیوں موجود تھیں۔ انہوں نے یہیں وفات پائی ان کی اولاد میں سید محمد علی اور سید محمد باقر ٹھٹھ منتقل ہو گئے جیسا کہ آگے چل کر ذکر ہوگا۔

### ورہاء

تعلقہ بھٹی اور جون ہر گنہ کا یہ ایک مشہور گاؤں ہے۔  
مخدوم نورنگ سورو۔ یہ یہاں کے ایک ولی کامل ہیں ان کی اولاد میں بزرگی موروئی طور پر [منتقل ہوئی] چلی آئی ہے۔

مخدوم عبدالحمید۔ یہ یہاں کے عارلین اور اپنے وقت کے جید [علما] اور پرہیزگاروں میں سے ہیں۔ مذکورہ مخدوم نورنگ

کے فرزند تھے۔

[مخدوم اسحاق] ان کے فرزند رشید مخدوم اسحاق، مشہور عالم و پرهیزگار مخدوم رحمت اللہ کے دادا ہیں جن کا ذکر ٹھٹھہ کے بیان میں ہوگا۔ [۴۱۰]

مخدوم الیاس - یہ بزرگ شیخ شہاب الدین سہروردی کی اولاد میں ہیں۔ بزرگی کی خوبیوں اور برگزیدگی کے اوصاف سے موصوف تھے۔ آب و دانہ کی کشش سے سندھ آکر اس گاؤں کی سکونت اختیار کی اور یہیں عمر پوری کی۔

[مخدوم عجائب] ان کے بعد مخدوم عجائب کا دور رہا جو جملہ خوبیوں کے [جامع] تھے۔

[مخدوم ہارون] ان کے فرزند مخدوم ہارون نے ٹھٹھہ کی سکونت اختیار کی، مخدوم ضیا الدین جن کا ذکر ٹھٹھہ کے بزرگوں میں ہوگا انہی کے فرزند ارشد ہیں۔ [۴۱۱]



## ہائیسواں باب

[سندھ کے غیر معلوم شہروں اور قصبات کے بزرگ]

اب سندھ کے ان نامور مشائخین اور علما کا حال بیان کیا جاتا ہے جن کے مقام سکونت اور تربت کا صحیح علم نہیں ہے لیکن کتابوں میں ان کے نام اور وطن اسی طرح درج ہیں اگر ان بزرگوں میں سے کوئی کسی خاص مقام کے باشندے ثابت ہوں تو انہیں وہیں کا شمار کیا جائے۔

ابو علی سندھی - ”نفحات“ میں ”شیخ روزبہان“ کی ”شطحیات“ کی شرح سے نقل ہے کہ یہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے استادوں میں سے ہیں۔ بایزید کہتے ہیں کہ میں نے ابو علی سے فنا اور توحید کا درس حاصل کیا اور ابو علی نے مجھ سے الحمد اور قل هو اللہ احد کا۔

شیخ عہسی سندھی - لقب جند اللہ - شیخ محمد غوث گوالیاری کے خلیفہ شیخ محمد لشکر کے مرید تھے۔ شیخ برہان شطاری برہان پوری آن کے مرید اور خلیفہ تھے۔ (ان کی تصنیفات میں



تفسیر ”انوارالاسرار“ مشہور ہے۔ وہ سنہ ۱۰۳۱ھ میں فوت ہوئے۔ ان کے فرزند شیخ عبدالستار والد کی مسند ارشاد پر ایک صاحب فضیلت و باکمال بزرگ ہو گذرے ہیں۔  
شیخ یوسف سندھی۔ اکبر کے وزیر ابوالفضل نے اپنے دادا شیخ خضر کو ان کے دیکھنے والوں میں شمار کیا ہے۔

مخدوم بندہ اور مخدوم حالہ۔ یہ دونوں مشہور عالم ہیں اور راجہ ستیہ دل کے زمانے کے ہیں۔ [۳۲۲]

حاجی ویسر۔ یہ اپنے وقت کے نامور صالح اور پرهیزگار بزرگ تھے اور شیخ بھرکیو کانیار کے ہم عصر تھے۔

درویش لسو کا کڑو۔ یہ ہمیشہ شیر پر سوار ہو کر گھوما کرتے تھے، اور درویش صدر ولد کیور کے ہم عصر تھے جن کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔

لندھو بہار۔ یہ مخدوم نوح کی نگاہِ شفقت سے سرفراز تھے۔  
درویش قطب۔ یہ مخدوم نوح علیہ الرحمۃ کے مرید تھے۔

ان کی عجیب حالت ہوا کرتی تھی۔ ایک رات یہ بوبک میں آئے۔ ایک طالب علم نے ان سے دریافت کیا کہ ”کس کے مرید ہو؟“ جواب دیا کہ ”خدا کا مرید ہوں“ [یہ سن کر طلبا نے] انہیں گھیر لیا اور مخدوم جعفر کے پاس لے جا کر تعزیر دینی چاہی۔ انہوں نے کہا کہ ”بلکہ خدا میرا مرید ہے۔“ [اس پر] وہ اور زیادہ غضبناک ہو گئے اور انہیں مخدوم جعفر کے پاس لے گئے۔ مخدوم نے دریافت کیا ”جیسا یہ کہہ رہے ہیں تم نے ایسا ہی کہا ہے؟“ انہوں نے کہا کہ ”ہاں، خدا مرید اس طرح ہے کہ وہ ہمارے حق میں جو ارادہ کرتا

ہے وہ ضرور ظاہر ہوتا ہے۔ ہمیں پیدا کرنے سے پہلے ہی اس نے ایسا ارادہ کیا تھا اور اس ارادے [کو بدلنے کی] ہم میں قطعی طاقت نہیں ہے۔ جو کچھ بھی کرتا ہے وہی کرتا ہے۔ ویسے ظاہر میں میں مخدوم نوح کا مرید ہوں۔ ایک عالم نے ان سے کہا کہ ”یہ کیا بات ہے کہ تم کوئی علم حاصل نہیں کرتے لیکن کہا کرتے ہو کہ ہماری خدا ہے دوستی ہے۔“ جواب دیا کہ ”تم نے نہیں سنا کہ ایک بادشاہ کے پاس ہزاروں حسین و جمیل کنیزیں تھیں لیکن ایک دن وہ ایک سہترانی ہر جو لوگوں کی غلاظت کا ٹوکرا سر پر اٹھائے چلی جا رہی تھی، دیکھتے ہی مفتون ہو گیا تھا۔ [بتاؤ کہ] اس میں اس نے کیا اچھائی دیکھی ہوگی؟“۔ [۳۲۳]

درویش سہرار نہریہ۔ یہ اپنے وقت کے ایک مقتدر بزرگ تھے۔ ابتدا میں ان کے ایک مرشد تھے [لیکن] جب وہ فوت ہو گئے تو کچھ عرصے کے بعد وہ سید عبدالکریم کے خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ ”کافی عرصہ گذرا ہے کہ میرا خاوند فوت ہو گیا ہے اب میں حضرت کو اپنا شوہر بناتا ہوں۔“

درویش احمد۔ یہ اپنے وقت کے یگانہ بزرگ تھے۔ انہوں نے قطب جہاں مخدوم حامد دودائی، درویش عبداللطیف، عالم کامل، مخدوم ضیاء الدین، درویش سمو، مخدوم عیسیٰ اور ان کے فرزندان، میاں عبدالقدوس اور سید عبدالکریم کی صحبتوں سے فیض پایا تھا۔ معرفت اور یقین کی منازل میں یہ بڑے بلند مرتبے پر فائز تھے۔

میاں عبدالرشید۔ یہ عالم با بصیرت اپنے وقت کے یگانہ عارف

اور مخدوم نوح کے ہم عصر تھے ۔  
 میان عبداللہ اور درویش ہارون ۔ یہ سید عبدالکریم کے دوست  
 اور ان کی نگاہ [فیض] کے نوازے ہوئے ہیں ۔  
 مخدوم یوسف طیونہ (تنبو) یہ اپنے وقت کے زاہدِ کامل اور  
 علمِ قرائت کے ماہر تھے ۔ ان کی شاندار کرامتیں زمانے میں  
 مذکور ہیں ۔ انہوں نے سنہ ۵۹۳۸ھ میں وفات پائی ۔ [۳۲۴]



## ٹیٹیسواں باب

سونڈا، کینجھر، ساموئی اور مکلی کی پہاڑی اور  
مکلی پر مدفون بزرگ

### سونڈا

اس شہر کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس خطے میں ایک  
کامل فقیر رہا کرتے تھے جو سٹر سونڈر کے راگ کو بیحد پسند  
کرتے تھے اور خوش ہو کر حاجت مندوں کی مرادیں پوری کیا  
کرتے تھے۔ چنانچہ عام لوگوں کی زبان پر یہ خطہ اسی راگ کے  
نام سے مشہور ہو گیا۔ جب چام تماچی نے اس شہر کی بنیاد  
رکھی تو اس نے بھی اس کا یہی نام رکھا۔ عوام اسے ”ر“  
کی تخفیف سے ”سونڈا“ کہنے لگے۔ زیادہ اور صحیح علم  
خدا کو ہے۔

یہ ایک مشہور شہر ہے۔ اس کے قریب قدیم زمانے میں  
ہیم کوٹ نامی ایک پرانا قلعہ تھا جو اب ہندوؤں کی تہرہ

[زہارت گاہ] ہے۔ ایک ٹہلہ سے ہائی رستا ہے۔ اس کے لیچے ”جہم“ نامی ایک قدرتی چشمہ ہے یہاں ایک پتھر ہے جس کی ہندو قوم کے لوگ ہوجا کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس شہر کے معذوموں نے کئی بار اس پتھر کو درہا میں پھینکوا یا لیکن اسے پھر اسی جگہ دیکھ کر خاموشی اختیار کر کے بیٹھ رہے۔

معذوم رضوان ویدانی۔ یہ ایک صاحب کرامات بزرگ اور نامور پیر ہو گذرے ہیں۔ [ان کا مزار] عام خلقِ اللہ کی زیارت گاہ اور خدا رسیدہ بزرگوں کا مرکز ہے۔ [۴۰۴]

معذوم ملا آری۔ یہ ایک کامل مشائخ اور سید علی شیرازی کلان کے مرید تھے جن کا ذکر آگے چل کر آئیگا۔ کہتے ہیں کہ جھیل کینجھر کے ملاح اور ماہی گیروں کی قوم گندرا، پہلے انہی کی مرید تھی لیکن جب یہ مذکورہ سید کی خدمت میں جا کر مرید ہوئے تو انہوں نے نذرانے کے طور پر اس قوم کو بھی ان کے سلسلے میں داخل کیا تھا۔ [چنانچہ] وہ قوم آج تک سید علی شیرازی کی اولاد سے تعلق رکھتی چلی آتی ہے۔

ملا آری اصلاً قوم ہند کے فرد ہیں۔ ان کا مزار ایسی مقام پر مخلوقِ عام کی زیارت گاہ ہے۔

[معذوم ملا بابزید]۔ ان کے فرزند معذوم ملا بابزید بھی بزرگی اور درویشی سے موصوف ہو گذرے ہیں اور والد کے برابر مدفون ہیں۔

[ملا ابو بکر] ملا بابزید کے فرزند ملا ابو بکر بھی اپنے والد

اور دادا کی طرح صاحب حال بزرگ ہو گذرے ہیں۔ ان سے روایت ہے کہ ”حالت وجد میں والد بزرگوار مجھ سے فرماتے تھے کہ کسی مرشد کامل کو جا کر تلاش کر اور کبھی کبھی سید عبدالکریم کا نام بھی لیا کرتے تھے۔ آخر کار ایک دن میں کشتی میں بیٹھا ہوا تھا کہ بادل نمودار ہوا اور اس میں سے ایک بزرگ نے مجھ پر اپنا سایہ ڈالا اور مجھے جو کچھ ملا وہیں سے ملا۔“

ملا نارو۔ یہ مذکورہ بزرگوں کے ہشت بہ ہشت جانشین ہیں۔ مسند سلوک پر بیٹھ کر راہ معرفت میں انہوں نے طالبین کی بڑی رہنمائی کی۔

### جھیل کنجھر

سونڈا اور سر زمین جہم کے نزدیک یہ ایک بڑی کشادہ خلیج ہے۔ اس خلیج کے کنارے پر کتنے ہی صاحب وقت درویشوں نے یاد الہی میں وقت گزارا ہے۔ یہاں جام تماچی نے اپنی محبوبہ نوری کے لئے جو گندرا قوم کی تھی [۴۰۰] ایک عالی شان محل تعمیر کرایا تھا۔ اب جام کی طرح اس کا بھی کوئی نام و نشان باقی نہیں رہا۔

### ساموئی

شہر محمد طور کی ہرادی کے بعد جو ہر گنہ درک میں سلطان علاؤالدین کے لشکر کی آمد اور سومرہ سرداروں کی طاقت ہر باد ہو جانے کی وجہ سے اپنے باشندوں سمیت ویران ہو گیا تھا، یہ شہر سنہ ۷۷۵ھ میں تعمیر ہوا تھا۔ جامان سمہ نے . . . بر اور پر ”نلعہ جو راجہ کلا کے نام سے کلا کوٹ کہلاتا تھا

اور دوسری مرتبہ دوسرے تعمیر کرائے والے یعنی جام تغلق کے نام پر تغلق آباد کہا جانے لگا تھا ، دوبارہ تعمیر کرایا لیکن اتفاقاً یہ دونوں مرتبہ ناممکمل رہا اور کچھ عرصہ تک اس کے پایہ تکمیل رہنے کے بعد دارالحکومت ٹھٹھے کو منتقل ہو گیا ۔  
البتہ قلعہ آج تک کلاکوٹ کے قدیم نام سے مشہور ہے ۔

کہتے ہیں کہ اس قلعے میں ایک بہت بڑا اژدھا رہتا ہے ۔ قدیم زمانے میں اس کا سر اس خطے میں اور دُم ہندوستان کے کسی دوسری خطے میں تھی ۔ جب تک یہ اس صورت میں رہا تب تک ہندوستان کا وہ خطہ سندھ کے زیر نگیں رہا لیکن طویل مدت گزرنے کی وجہ سے قدرت الہی سے اس اژدھے نے اپنا سر ہندوستان کی جانب اور دم اس علاقہ کی جانب کردی [چنانچہ] اُس وقت سے سندھ ہندوستان کے زیر نگیں ہے ۔  
ساموئی کے عجائبات میں سے ایک [واقعہ] سات ہا عصمت لڑکیوں کے زمین میں سما جانے کا واقعہ ہے ۔

لڑکیوں کے زمین میں سما جانے کا واقعہ ۔ کہتے ہیں کہ سومروں کی اولاد میں سے سات [بڑی] حسنین ، ہاکدامن ، تارک الدنیا اور خدا پرست لڑکیاں تھیں ۔ موضع تلہا کے شادی کی طمع رکھنے والے لوگوں کے ظلم کے خوف سے وہ اصحابِ کہف کی مانند ایک گوشہ گمنامی میں زندگی گزار رہی تھیں ۔ [۴۰۶] انہی ایام میں سید یعقوب مشہدی جن کا ذکر آگے چل کر آئے گا ، انتہائی مرشدانہ شان و شوکت ساتھ اس طرف سے گذرے اور مذکورہ ساتوں لڑکیاں دشمنوں کے خوف سے ان بزرگ کی امان میں آکر ساموئی میں رہنے لگیں ۔

اتفاقاً رئیسوں کی ایک جماعت یہاں بھی ان کی طلبگار ہو گئی۔ لیکن چونکہ یہ راضی نہ ہوئی تھیں اس لئے انہیں قید کرنے کے لئے رئیسوں نے ایک لشکر مامور کیا۔ ایک دن حسب دستور وہ جیسے ہی ہو بھٹنے سے پہلے دریا پر غسل کرنے کے لئے پہنچیں ویسے ہی ان لوگوں نے ہاس پہنچ کر اپنے مطلب کا تقاضا کیا۔ شیخ جندی ہاتنی نے حقیقت سے باخبر ہو کر [اپنی کرامت سے] ان لڑکیوں کو دریا کے پار پہنچا دیا۔ دشمنوں نے بھی اس خوف سے کہ کہیں وہ کسی جائے پناہ میں نہ جا پہنچیں ان کا تعاقب کیا۔ چونکہ عاجزوں کے لئے خدائے پاک کے سوا اور کہیں پناہ نہیں ہے اس لئے ان ہاکدامن لڑکیوں نے بارگاہِ الہی میں التجا کر کے زمین سے اپنے اندر چھپا لینے کی درخواست کی [چنانچہ] وہ زمین اسی وقت ان ساتوں لڑکیوں کو نگل گئی۔ اس دن سے یہ واقعہ دنیا کے لئے باعثِ عبرت ہے اور ان باعصمت لڑکیوں کی آرام گاہ خلق عام کی زیارت گاہ ہے۔

اب ساموئی کے بعض اولیا کا ذکر کیا جاتا ہے۔

[شیخ حماد] شیخ حماد بن شیخ رشید الدین جمالی، گج کے مشہور درویش قدوة الواصلین شیخ جمال کے، جن کا ذکر ہو چکا ہے، نواسہ تھے۔ ساموئی کے دامن میں جہاں اب مدفون ہیں، یہیں ان کی خانقاہ تھی۔ یہ ہمیشہ منہ پر نقاب ڈالے حجرے میں بیٹھے رہا کرتے تھے۔ طالبین کی جماعت حجرے کے باہر جمع ہو کر گفتگو اور کشف کے ذریعہ شیخ سے ظاہری و باطنی تعلیم حاصل کرتی تھی۔ عجم جونہ کے زمانے میں



تماچی اور صلاح الدین شاہی خاندان کے افراد اور قریبی عزیز تھے۔ دونوں باپ بیٹوں کو [۷۵۴] شیخ کی خدمت میں بڑی ارادت و قربت حاصل تھی۔ جام جونہ کو یہ خوف پیدا ہو گیا کہ کہیں شیخ دعا کے ذریعے انہیں ملک کا والی نہ بنادیں۔ [چنانچہ] اس نے خفیہ طور پر ان دونوں کو قید کر کے دہلی بھیج دیا۔ اس واقعے کے بعد تماچی کی ماں ہر روز صبح کے وقت شیخ کی خانقاہ میں جھاڑو دینے کے لئے آیا کرتی تھی۔ ایک دن شیخ کی اس ضعیفہ پر نظر پڑ گئی اور اس سے انہوں نے اس کے فرزند اور ہوتے کا حال دریافت کیا۔ اس نے روتے ہوئے حال بیان کیا اور ان کی آزادی کے لئے التجا کی۔ [یہ سنتے ہی] شیخ کی عجیب حالت ہوئی اور فی الفور سندھی زبان کے وہ اسے شوقیہ ابیات بلند آواز سے پڑھنے لگے جن میں ان کے ملک میں واپس آنے اور حکومت کے ان کے حوالے ہونے کے اشارے تھے۔ قدرت الہی سے اسی رات دہلی میں آن باپ بیٹوں کے ہاتھوں پیروں سے بیڑیاں الگ ہوئیں اور شیخ کی صورت کے ایک بزرگ نے ان کی آزادی کے رہبر بن کر انہیں وہاں سے آزاد کر دیا اور انہوں نے برق رفتار گھوڑوں پر سوار ہو کر اپنے ملک کی راہ لی۔ نگہبانوں کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے بڑا تعاقب کیا۔ لیکن پھر اٹھے پاؤں واپس آ گئے اور انہیں راستہ سجھائی نہ دیا۔ آخر کار وہ (باپ بیٹے) منزلیں طے کرتے ہوئے موضع کھیر کے نواح میں جا پہنچے اور یہاں ایک گلے سے انہوں نے ایک بھیڑ طلب کی۔ مخدوم نوح کھیرانی اس گلے کے نگران تھے۔ انہوں نے کہا کہ ”تمہیں جام تماچی کی قسم ہے

گلے کے قریب نہ آنا " تماچی نے حیران ہو کر گلہ بان سے کہا کہ "والی" ملک تو جام جونہ ہے مگر آپ یہ کس کا نام لے رہے ہیں۔" انہوں نے جواب دیا کہ "یہ تو ٹھیک ہے، لیکن تین دن سے غیب میں جام تماچی کا شہرہ سنائی دے رہا ہے۔" تماچی کو بھی جیل سے رہائی ملے تین ہی دن گذرے تھے جس میں وہ قدرت خداوندی سے اتنا [طویل] سفر طے کر آئے تھے۔

کہتے ہیں کہ جام جونہ، تماچی کے حق میں [شیخ کی] وہ دعائیہ آیات سن کر اور اس سے پریشان ہو کر شیخ کی خدمت میں پہونچا اور کہا کہ "آپ فقرا کو کاروبار [۷۵۸] حکومت سے کیا واسطہ ہے؟" یہ سن کر شیخ غضبناک ہو گئے اور انہوں نے فرمایا کہ "اس زمین کا وارث میں ہوں۔ جسے چاہوں گا اسے دوں گا۔" [اس پر] جام غمگین ہو کر واپس چلا گیا۔ [اس کے بعد] جلد ہی وہ باپ بیٹے ساموئی کے دربار کے بدلے کنارے پر پہونچے۔ بیٹے نے آکر شیخ کو اطلاع دی۔ شیخ نے کپڑے کا ایک ٹکڑا اسے دے کر کہا کہ "اسے ابک لکڑی کے سونے پر باندھ کر علم کے طور پر تماچی کے پاس لے جاؤ۔ اور خوشی سے آگے بڑھو۔" اعانت خداوندی سے اسی علم کے نہجے ابک غیبی لشکر آکر جمع ہو گیا۔ [لوگوں نے] جا کر جام جونہ کو اس کی اطلاع دی [لیکن] وہ ابھی تیار بھی نہ ہو پایا تھا کہ تماچی آکر نازل ہو گیا۔ اس کا (جام جونہ کا) لشکر [شیخ کا علم] دیکھتے ہی آکر [تماچی کا] مطیع ہو گیا۔ آخر کار [جام] جونہ نے ناکامیابی اور ذلت کے ساتھ فرار ہونے کے علاوہ اور کوئی راہ نہ پا کر [فرار اختیار کی]

اور ملک و دولت تماچی کے لئے چھوڑ گیا۔ [اس کے بعد] باپ اور بیٹے مقررہ مدت تک [اپنی] حکومت کی مرادیں پوری کرتے رہے۔

کہتے ہیں کہ جام تماچی نے ایک بڑی رقم شیخ کی خدمت میں بطور نذرانہ پیش کر کے عرض کیا کہ ”مجھے جو کچھ بھئی ملا ہے وہ صرف آپ کی توجہ کی وجہ سے ملا ہے، اب نئے سرے سے یہ کرم کیجئے کہ یہ ملک میری اولاد [کے قبضے] میں قائم رہتا آئے“ شیخ نے فرمایا ”کہ اس رقم سے میری خائفاء کے متصل ایک مسجد تعمیر کرا دے اور سندھ کی زمین اپنی اولاد میں تقسیم کر دے۔“ [چنانچہ] یہی سبب ہے کہ آج تک سارے سندھ میں، کچھ تک، بیشتر زمین سمہ قوم کے قبضے میں چلی آتی ہے۔ مکلی کی، جس کی وجہ تسمیہ آگے چل کر بیان ہوگی، مسجد وہی مسجد ہے۔

کہتے ہیں کہ اس سے پہلے سمہ لوگوں کا قبرستان پیر آر (پیر پٹھہ) میں تھا [لیکن] شیخ کے اشارے پر ہر شخص نے مکلی کی پہاڑی پر [اپنا] مقبرہ یا حجرہ بنوایا اور انہی دنوں سے یہ آئندہ کا ایک دستور بن گیا۔ [۳۵۹]

شیخ عیسیٰ سندھی برہان پوری عرف لنگوٹی (۱)۔ [یہ بزرگ]  
ساموئی کی پہاڑی کے دامن میں، جہاں [اس وقت] مدفون ہیں، قلندرانہ انداز میں [ایک] لنگوٹی باندھے بیٹھے رہا کرتے تھے۔ ان کے اور شیخ حماد کے درمیان اکثر محققانہ گفتگو رہا

(۱) یہ غلط ہے۔ شیخ عیسیٰ لنگوٹی اور ہیں اور عیسیٰ جند اللہ دوسرے بزرگ ہیں۔

کرتی تھی۔ آخری دنوں میں انہوں نے سید محمد حسین عرف پیر مراد کی ولادت کی خبر دی تھی اور پھر یوم ولادت پر ان کی زیارت کے لئے حاضر ہو کر اور سرہدی کا اقرار کر کے تیسرے دن وفات پا گئے تھے۔ ان کی وفات سنہ ۸۴۱ھ میں ہوئی۔

ملا عبدالرحمان عرف ملا لٹر۔ یہ اصلاً عباسی تھے اور ایک مقتدر مشائخ اور ولی کامل بزرگ تھے۔ چونکہ یہ خوش طبع واقف ہوئے تھے اور اپنی حالت کو چھپانے کے لئے ظرائف آمیز لطیفوں سے محفلوں کو رنگین بنایا کرتے تھے، اس لئے اس نام سے مشہور ہوئے۔ جامان سمہ ان کے بیحد معتقد تھے اور بزرگان عصر ان کی بیحد تعظیم کیا کرتے تھے۔ ساموئی کے کنارے دفن ہیں اور اہل معرفت کی زیارت گاہ ہیں۔ ان کی اولاد ابھی تک باقی ہے۔

شیخ جھنڈو ہاتنی۔ یہ سید میران محمد مہدی جونپوری کی نظر کرامت اثر سے فیض یاب ہوئے ہیں۔

کہتے ہیں کہ جب مذکورہ سید ٹھٹھے میں تشریف لائے تھے اور علمائے ظاہری کے ورغلانے پر جام نظام الدین نے ان سے عقیدت مندانہ سلوک کرنے کی بجائے دوسرے ارادے سے کشتی پر سوار کر کے روانہ کر دیا تھا جس کے مطابق ملاح ان کی کشتی کو دلدل میں جھوڑ کر چلے گئے تھے۔ اس وقت توفیق ازلٰی انہیں (شیخ جھنڈو کو) وہاں لے آئی چنانچہ یہ ان کو (سید موصوف کو) اس جائے ہلاکت سے باہر نکال کر جو کچھ بھی حاصل کرنا تھا وہ انہوں نے حاصل کر لیا۔ مذکورہ سات معصوم کنواریوں کی دعا سے بھی وہ بڑے صاحب توفیق و مرتبہ بزرگ ہو گئے تھے۔ [۴۶۰]

غرض ان کی درگاہ جائے فیض ہے۔ جو بزرگ مکلی پر زیارت کے لئے آیا کرتے ہیں وہ ابتدا یا انتہا انہی سے کرتے ہیں اور ان کی زیارت کو کاسیائی کی ابتدا یا انتہا تصور کرتے ہیں۔ شاہوٹی کے کچھ بزرگوں کا ٹھہنے کے بزرگوں میں بھی ذکر ہوگا یہاں صرف ان چند ناموں پر اکتفا کی جاتی ہے۔

### مکلی کی پہاڑی

یہ دریائے صفان (بحر عرب) کے ساحل اور کوہ مکران کو گونملانے والے ہاڑہ اور ہب وغیرہ پہاڑوں کی سب سے چھوٹی شاخ ہے۔ حالانکہ یہ [بظاہر] کم سے کمتر درجہ کا پہاڑ اور چھوٹی سے چھوٹی شاخ ہے، لیکن روحانی عظمت و سرور میں یہ سب پر فوقیت رکھتی ہے اور عجائبات روزگار میں سے ہے۔ اس میں ہر قدم پر اولیا کے مزار اور ہر گام پر پریزگروں کے مراکز ہیں۔ بزرگان دین اور صاحبان تعقیق و یقین ن اتنی کثیر تعداد میں آرام فرما ہیں کہ ہزار میں ایک کے حساب سے بھی ان کا شمار کرنا مشکل ہے۔ جامان سمہ یہاں کتنی ہی عمارتیں بادگار چھوڑ گئے ہیں۔ مثلاً تغلق آباد عرف کلاکوٹ کا قلعہ جو باوجود منہدم ہو جانے کے آج بھی اہل دل کے لئے قوت اور قوت [کے مترادف] ہے۔ یہاں کی جامع [مسجد] اپنی تعمیر کے لحاظ سے ٹھہنے کی بڑی جام [مسجد] سے ڈیڑھ گنی نظر آتی ہے۔

قدیم زمانے میں سہسہ لنگ کے تالاب پر عالیشان محلات بنے ہوئے تھے طویل زمانہ گذر جانے کی وجہ سے ان کا نام و نشان باقی نہیں رہا ہے۔ قدیم زمانے میں یہ رسم ہو گئی

تھی کہ ہر طاقتور بادشاہ ، امیر یا دولت مند شخص اس پر کوئی نہ کوئی مضبوط عمارت تعمیر کراتا تھا [چنانچہ] یہ دستور آج تک چلا آتا ہے۔ یہاں کے بے انداز اور بے شمار اولیاء کے متعلق ، جو بعضوں کے کہنے کے مطابق سوا لاکھ ہیں ، کیا بیان کیا جا سکتا ہے۔ [۴۶۱] کیونکہ سب کی تفصیلات کا علم ناممکن ہے۔ [چنانچہ] تبرک کے طور پر معلومات کے مطابق چند بزرگوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

وجہ تسمیہ - اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اہل اللہ میں سے ایک بزرگ حرمین شریفین کے ارادے سے یہاں آکر اترے اور ان پر ایسی حالت طاری ہوئی کہ فی الفور وجد میں آکر انہوں نے [محفل] سماع شروع کردی اور وجد کے جوش میں آکر کہنے لگے کہ ”ہذہ مکہ لی“ (یہ پہاڑی میرے لئے مکہ ہے)۔ چونکہ یہ الفاظ انہوں نے بار بار دہرائے اور ان کی زبان میں تاثیر تھی اس لئے عام لوگوں کی زبان پر ، اس پہاڑی کا نام [”مکہ لی“] ، تخفیف کے ساتھ ”مکلی“ جاری ہو گیا۔ بعضوں کے کہنے کے مطابق اس نام کی ایک ہاکدامن خدا رسیدہ خاتون مکلی کی مسجد کے محراب کے زہر ساہدہ دفن ہیں اور یہ نام مذکورہ شیخ حماد کے اشارے پر پہلے مسجد کا رکھا گیا تھا لیکن بعد میں ساری پہاڑی اس نام سے ہکاری جانے لگی۔ بہر حال یہ قابل دید مقام ہے۔ خصوصاً بارش کے موسم میں یہاں کے [جایجا] تالاب پانی سے لبریز ہو جاتے ہیں اور ہر طرف قدرتی ہریالی اللہ پاک کی قدرت کی نشانی کے طور پر آنے جانے والے کے لئے وقف رہا کرتی ہے۔ [۴۶۲]

## چوبیسواں باب

شہر ٹھٹھہ اور یہاں کے خاندان ، بزرگ ، عالم  
اور شاعر

### ٹھٹھہ

[شہر ٹھٹھہ کی تاریخ اور خصوصیات] یہ منتخب اور بہترین  
شہر، اہل معرفت کا مسکن اور اہل یقین کا وطن ہے۔ یہاں  
کی زمین اہل فضیلت و کمال کی کان ہے۔ یہاں کی مٹی طبعاً  
صاحبان حال و قال کی نشو و نما کے لئے سازگار ہے۔

قدیم زمانے میں یہاں کی زمین سمندر کے ہانی سے چھپی  
ہوئی تھی ایک مدت گزرنے پر سمندر کا ہانی واپس ہو گیا  
اور خشک میدان نکل آیا۔ اس کے بعد شہر اروڑ کے ہرباد  
ہونے اور دریائے سندھ کے سیوہن کی طرف رخ بدلنے کی وجہ  
سے، جیسا کہ بیان ہو چکا ہے، یہ زمین پھر غرقاب ہو گئی۔  
پھر جب شہر محمد طور سومرہ سرداروں سمیت ویران ہو گیا اور

عنان حکومت جامان سمہ کے ہاتھ آئی تو انہوں نے مکملی پہاڑی کے دامن میں نیچے شمال کی طرف باغات کے متصل ماموئی نام کا شہر آباد کیا، اور جو کھنڈر اور ہر گئے کہ اب آباد ہیں وہ بدستور آباد رہے۔ [اس کے بعد] جام نظام الدین عرف جام نندہ نے سنہ ۵۹۰ء کے آخری مہینوں میں نجومیوں کو ایک نیا شہر (دارالحکومت) آباد کرنے کے لئے ایک ایسا قطعہ اراضی منتخب کرنے کا حکم دیا جو مسرت بخش ہو، جس کے باشندے کم و بیش آرام پسند ہوں، ہمیشہ سیر و تفریح میں زندگی گذاریں اور ان کی فطرت میں کمال و لیاقت کی خوبی شامل ہو۔ [چنانچہ] انہی اوصاف و خصوصیات [۳۶۳] کے پیش نظر سر زمین ٹھٹہ کا انتخاب عمل میں لایا گیا۔ جس کے مشرق میں کچھ باغات تھے اور وسط شہر میں میر بحر (ملاح) رہا کرتے تھے۔ اس وقت ٹھٹے کی وجہ تسمیہ کے بارے میں دو باتیں مشہور ہیں۔ کچھ کہتے ہیں کہ یہ ”تہ تہ“ یعنی ”نشیبی نشیبی“ کی خصوصیت سے منسوب ہے اور کچھ کا کہنا ہے کہ یہ ”ٹھٹ“ کے لفظ سے موسوم ہے جو سندھیوں کی اصطلاح میں ”لوگوں کے جمع ہونے کے مقام“ کے معنی رکھتا ہے۔

مجھے نہ رہے کہ یہ سر زمین، جیسا کہ تواریخ سے معلوم ہوتا ہے، قدیم زمانے میں بھی ٹھٹے کے نام سے ہکاری جاتی تھی اور چونکہ سندھ کے بالائی حصہ کو عام لوگ ”میرو“ کہتے ہیں اور اس نشیبی حصہ کو ”لاڑ“ (یعنی نشیب یا ڈھال) کہا جاتا ہے اس لئے [یہی رعایت] ٹھٹے کی وجہ تسمیہ کا ایک کھلا ہوا ثبوت ہے۔



زمانے کے گزرنے اور انقلابات وقت کے حادثے پیٹھ آئے  
کی وجہ سے بھنبھور، دیول، بکار (بکھر) اور تھرڑی جیسے  
اچھے اچھے شہر، جو سر زمین ساکورہ اور اس کے متصل واقع  
تھے، ویران ہوئے لگے تو وہاں کے اکثر باشندے اس شہر میں  
ہجرت کر آئے اور اس طرح گویا کہ ”تہ تہ“ کے بمصادیق  
موجودہ آبادی انہی مذکورہ آبادیوں کا مجموعہ ہے۔

جاننا چاہئے کہ دیول چوتھی ولایت میں ہے اور اس کا  
طول البلد، ف ب ل ۱۱۲۔ اور عرض البلد، ل ی ۳۵۔ مقرر تھا اور  
ٹھٹھے کی سر زمین بھی اس سے قریب ہے اس لئے کم و بیش یہ  
بھی اسی کے حکم میں ہے۔ حکیم میر عبدالرزاق اصفہانی متخلص  
بہ ”مشرّب“، جو جملہ علوم میں اور خصوصاً علوم جفر، حکمت  
اور نجوم میں بڑی مہارت رکھتے تھے اور نواب خدا یار خان  
عرف میاں نور محمد کے بھائی داؤد خان کے پاس کتنے ہی عرصے  
تک رہنے کے بعد سنہ ۱۱۲۷ھ میں وفات پا گئے تھے، ان سے  
کئی معتبر لوگوں نے روایت کی ہے کہ سر زمین ٹھٹھے دراصل  
زمین ہونان کی شاخ ہے۔ یہی سبب ہے کہ اکثر اہل کمال  
اس سر زمین میں پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ [۳۶۴]

غرض سارے سندھ میں سیر و سیاحت کے لائق ایسی لطیف  
اور مصفاً جگہ دوسری کوئی نہیں ہے۔ یہاں کی صبح غمکین  
دلوں سے غم و اندوہ کا زندگ اتار دیتی ہے اور شام، مسافروں  
کے لئے صبح جیسی تفریح بخش ہوا کرتی ہے۔ یہاں کے نوک  
دل بہلانے کے لئے ہر مہفتہ گروہ در گروہ مکلی میں یا عات  
میں جا کر محفلیں جما یا کرتے ہیں۔ یہاں کے ایسے، معمولی

اشیاء پر بھی [قانع رہنے والے] نراغی دوست افراد کسی اور جگہ کم ہی ملینگے۔

القصد اس شہر کی خوبیاں شمار سے باہر ہیں۔ طوالت کے خوف سے اس مختصر بیان کے بعد یہاں کے بعض مقدس خاندانوں، اولیاء، علما اور دیگر باکمالوں کے کچھ حالات طبقہ وار بیان کئے جاتے ہیں۔ ابتدا اہلبیت کے برگزیدہ طبقے سے کی جاتی ہے کیونکہ وہی کتاب موجودات کی ہائے بسم اللہ ہیں۔ اس میں بھی ان کی تشریف آوری کی [ترتیب و] قدامت کا لحاظ رکھا جائیگا۔

[اس مقام پر مطبوعہ نسخے میں ”عجیبہ“

کے عنوان سے میر امین الدین خاں حسین کی کتاب معلومۃ الافاق میں سے بعض عجیب نقول مذکور ہیں۔ لیکن میر قانع کے دستی نسخے میں یہی نقول میر امین الدین کے بیان میں اس سے پیشتر درج ہیں۔ چونکہ ہم بھی انہیں وہاں درج کر چکے ہیں اس لئے دوبارہ یہاں تحریر کرنا غیر ضروری ہے۔]

### طبقہ سادات

حالانکہ اس ملک میں سادات کی آمد کا [مہیج] وقت پوری طرح معلوم نہیں ہو سکا تاہم بالفعل ان خاندانوں کا ذکر واجب ہے جن کا نشان آج تک باقی ہے تاکہ یہ پسندیدہ کتاب ان بزرگوں کے بیان کی ہرکت سے حوادث کی مصیبت سے

امان میں رہے اور بزرگوں کے حالات کی تحقیق کے فائدے سے بھی خالی نہ رہے۔ [۴۶۵]

### سادات انجوی شیرازی

۔ اس خاندان کی شرافت و نجات ، قدیم و جدید کتب میں مذکور ہے ۔

سید محمد اور سید احمد۔ یہ والد و فرزند بزرگی کی جملہ خوبیوں کا مجموعہ اور صاحب کمالات بزرگ تھے ۔ بہ ”بسم الله الرحمن الرحيم“ کے اعداد [ایجد] کے مطابق سنہ ۷۸۶ھ میں جام صلاح الدین بن تماچی کے عہد میں سندھ تشریف لائے اور ہر گنہ منچہر کے موضع ”مراد اوٹھی“ میں سکونت پذیر ہوئے ۔ [یہاں] سید محمد جو میران محمد کے لقب سے مشہور تھے زندگی کے دن پوری کرنے کے بعد ۔ ”ارجمی“ الی ربک راضیۃ مَرْضِیَّۃ“ (۱) کی ہکار کو گوش قبولیت سے سن کر تشریف لے گئے (وفات پا گئے) ۔

اس عالی مقام کی بلند مقامی کے ثبوت کے لئے بھی ایک نکتہ کافی ہے کہ جب ان کی اولاد میں سے سید علی ثانی نے مکلی پر مقبرہ تعمیر کرایا تو [وہ مقبرہ] اس وقت تک اہل اللہ کی زیارت گاہ نہ بنا اور اس میں روحانیت و طمانیت [کی کشش] پیدا نہ ہوئی جب تک کہ [اُن کے] خواب میں دیئے ہوئے حکم کے مطابق ان کی لاش موضع ”مراد اوٹھی“

(۱) یعنی ”تو اپنے رب کی طرف واپس آ جا ۔ ایسی حالت میں کہ

تو اپنے رب سے راضی ہے اور تیرا رب تجھ سے راضی ہے۔“

(— قرآن ہاک سورہ الفجر —)

سے یہاں منتقل نہ کی گئی ۔

قصہ کوتاہ ، مرحوم والد کے بعد سید احمد اہل اللہ کے زمرے میں وہیں رہنے لگے ۔ یہ خدا رسیدہ بزرگوں سے بڑی رخصت و صحبت رکھتے تھے ۔ ایک مرتبہ یہ شیخ عیسیٰ کی زیارت کے لئے ساموئی میں تشریف لائے ۔ قاضی نعمت اللہ عباسی ، وقت کا ایک جلیل القدر عالم ، ان سے پہلے ہی شیخ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا ۔ سید صاحب موصوف کی تشریف آوری کو باعث عزت تصور کرتے ہوئے شیخ ان سے بڑی تعظیم کے ساتھ پیش آئے لیکن قاضی ذرا بھی ٹس سے مس نہ ہوا ۔ پھر جب نشست [۴۶۶] پوری کر کے وہ اٹھے تو رخصت ہوتے وقت شیخ نے پہلے سے بھی زیادہ تعظیم ادا کی ۔ قاضی نے دریافت کیا کہ ” رخصت ہوتے وقت سید [موصوف] کی اس قدر غائبانہ تعظیم بجا لانے کا کیا سبب ہو سکتا ہے ؟ ” جواب دیا کہ ان کی پشت میں قطب زمانہ [کا جارہ] دکھائی دیتا ہے ۔ اگر میری حیات نے وفا کی تو میں اس کا مرید ہونگا ۔ اس طرف سید موصوف قاضی کی اس روش سے رنجیدہ ہو کر دل میں اس پر نفرین کرتے اٹھے تھے ۔ ان کی اس رنجش کی تاثیر سے قاضی ابھی گھر تک بھی نہ پہنچا تھا کہ اس کی آنکھوں کی بصارت زائل ہو گئی جس کا اسے [بد ظاہر] کوئی سبب معلوم نہ ہو سکا ۔ رات کو اس کی بیٹی فاطمہ نامی نے ایک خواب دیکھا جس کا مطلب یہ تھا کہ مذکورہ سید سے شادی کرنے پر [اس کے بطن سے] چار موتی پیدا ہونگے جن میں سے ایک اپنے بے انتہا نور سے دنیا کو روشن کرے گا ۔

قاضی نے یہ دونوں واقعات صبح کو جا کر شیخ عیسیٰ سے بیان کئے اور [شیخ کے] اشارے کے مطابق [اس نے اپنی] بیٹی کو سید کے نکاح میں دے کر اپنے گھر میں جگہ دی۔ خواب کے مطابق اپنے اپنے وقت پر سید مذکور کے چار فرزند پیدا ہوئے [جن کے نام یہ ہیں]: ۱۔ سید علی ۲۔ سید جعفر ۳۔ سید محمد شریف اور ۴۔ سید محمد حسین۔

بالآخر مخلوق عام کے دستور کے مطابق وہ بزرگ بھی حکم مع ۸۴۵ھ کو انتقال کر گئے۔ انہیں عباسی قاضیوں کے مدفن میں دفن کیا گیا جو آگے چل کر ان کی اولاد کے سادات کا مدفن مقرر ہو گیا۔

[سید علی] سید علی بن سید احمد بن سید محمد عرف سید میران محمد ایک قدیم ولی اور واصل باللہ بزرگ تھے۔ ان کے حالات و کرامات کا کوئی شمار نہیں۔ ان کے بعد ان کے دو نامور فرزند، جلال و جمال الہی کے مظہر اور بڑی نسل اور اولاد کے مالک، ان کی یادگار رہے جن میں سے ایک [کا نام نامی] سید جلال اور دوسرے [کا اسم گرامی] سید جمال تھا [۳۶۷]۔

[سید جلال] یہ مذکورہ سید علی کے فرزند تھے اور والد جیسے صاحب حال و قال بزرگ تھے۔ لوگوں کو حق و معرفت کی راہ دکھانے میں انہوں نے بڑی فیاضی سے کام لیا۔

[سید مہلی ثانی] ان کے فرزند رشید، سید علی ثانی، سیر و سلوک میں بزرگوں سے بھی زیادہ صاحب توفیق اور نہایت متقی بزرگ تھے، انہوں نے کئی بار بیت اللہ کی زیارت کی تھی۔ انہوں نے درویش آجر سے فیض حاصل کیا تھا اور مخدوم نوح

کے مرید تھے۔ ان کی کرامتیں اور بزرگی کی نشانیاں حد و شمار سے باہر ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے اچھی یادگاریں بھی چھوڑی ہیں جیسے کہ مکلی کا روشن و منور مقبرہ۔ ایک بڑی جماعت ان کی نگاہ فیض کی بدولت مرقبہ کمال پر فایز ہوئی۔ رسالہ ”آداب المریدین“ جو بزرگان دین کا دستور العمل ہے انہی کی یادگار [تصنیف] ہے۔ انہوں نے سنہ ۸۹۷ھ میں وفات پائی۔

[سید جلال ثانی] یہ ان کے نامور فرزند ہیں اور حسب و نسب کی بزرگی اور شان میں اپنے اجداد کی طرح ممتاز و مشہور ہیں۔ یہ اپنے والد اور جد امجد کے سجادہ نشین تھے۔ مرزا باقی ترخان کے فرزند مرزا صالح نے اپنی بیٹی کو ان بزرگ کے عقد میں دیا تھا اور اسی رشتہ کی وجہ سے مرزا محمد باقی نے انہیں شہنشاہ اکبر کے حضور میں بھیجا تھا۔

[سید میر محمد] ان کی وفات کے بعد ان کے فرزند سید میر محمد جلیل القدر اور مشہور بزرگ ہوئے۔ ”ترخان نامہ“ انہی کی تصنیف ہے۔

[سید بزرگ] ان کے بعد ان کے فرزند سید بزرگ، بڑوں کے قائم مقام، بزرگی کے مسند نشین اور ممتاز اہل اللہ ہو گزرے ہیں۔ [۳۶۸]

[میر زین الدین] ان کے بعد میر زین الدین عرف میر لطف اللہ ایک صاحب کمال، مرجع اہل اللہ اور صفات حمیدہ سے موصوف بزرگ ہوئے۔ یہ اپنے وقت کے سادات کے سردار اور رئیسوں کے قاید تھے۔ بے انتہا علمی لیاقت کے حامل تھے۔ ان کی تصنیف ”حرز البشر“ مشہور کتاب ہے۔ یہ مشاق استادانہ

کی طرح شعر کہتے تھے اور ”قانع“ تخلص کرتے تھے۔  
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تصنیفات حادثاتِ زمانہ کا  
شکار ہو کر ان کی ذات اقدس کی مانند روپوش ہو گئی ہیں۔  
انہوں نے سنہ ۱۱۳۰ھ (۱) میں وفات پائی اس کتاب کے مولف  
(میر قانع) نے ”رضوانہ“ کا جملہ ان کے سال [وفات کے]  
مطابق کہا ہے۔

انہوں نے دو فرزند چھوڑے۔ ایک سید غلام علی اور  
دوسرے سید عبدالولی۔ سید عبدالولی اپنے بھائی کے سجادہ نشین  
ہونے کے باوجود جب تک حیات رہے دستور بزرگی کو شان و  
شوکت کے ساتھ جاری رکھتے آئے۔ چند سال ہوئے کہ انہوں  
نے وفات پائی ہے اور ایک فرزند سید ابراہیم نامی چھوڑ گئے  
ہیں۔ سید غلام علی بزرگوں کے دستور کے مطابق سجادہ نشین  
رہے۔ اب ان کے فرزند میر لطف اللہ اجداد کے جانشین ہیں۔  
[میر علی اصغر] میر علی اصغر ابن سید فضل اللہ بن سید  
جلال ثانی دستور کے مطابق والد کی طرح اپنی کرامتوں سے  
نہمردی قوم اور دیگر پہاڑی قبائل کی فتوحات (نڈرو نیاز)  
پر متصرف ہیں۔ اس جماعت کے لئے اعانت ہاراں کے حق میں،  
جس پر ان کی زندگی کا دار و مدار ہے، ان کی عجیب و غریب  
کرامتیں آشکارا ہیں۔

کہتے ہیں کہ سید جلال ثانی نے [اپنی] لوہے کی کمان  
[اپنے] بیٹوں کے سامنے پھینکی تھی اس لئے کہ ان میں سے  
جو بھی اس کمان کا چیلہ چڑھالے گا وہ پہاڑی قبائل [۳۶۹]

(۱) نسخہ ”ن“ میں یک ہزار و صد و سی و دو (سنہ ۱۱۳۲ھ)

ہر مامور ہوگا۔ والد کے ارشاد کے مطابق سید فضل اللہ نے وہ وہ کمان چڑھا دی اور قبائل ان سے متعلق ہوئے۔ بارہن کی ضرورت کے موقع ہر بہ والد و فرزند کمال رباخت کرتے تھے۔ چونکہ ان کے کوئی اولاد [نرینہ] نہ تھی اس لئے :

[میر حسن علی] ابن سید عبداللہ بن سید میر محمد بن سید

جلال ثانی ان کے داماد ہونے کی وجہ سے کدی پر بیٹھے۔

[میر لعل میر] اب مہر حسن علی فرزند کے رشید میر لعل میر

والد بزرگوار کے قائم مقام اور بزرگی میں بے حد مشہور ہیں۔

[سید جمال] سید علی اول کے فرزند سید جمال دونوں جہان

کی بزرگی میں بے مثل ہو گزرے ہیں۔ انہوں نے دو فرزند سید

علی محمد اور سید عبدالقدوس اپنی یادگار چھوڑے۔ ان میں سید

علی محمد نے کوئی فرزند نہ چھوڑا۔ [البتہ] سید عبدالقدوس

جو قدیمی صفات اور انسانی خوبیوں کا مرکب تھے، اولادیں

چھوڑیں، جن میں سے :

[سید الہ ذلہ] عرف سید الہ بن سید شیخو (۱) بن سید احمد

بن سید عبدالقدوس مذکورہ، میر علی اصغر کے داماد تھے۔ انہوں

نے اولادیں چھوڑیں اور بزرگوں کا نام زندہ رکھنے کے

بعد مقررہ وقت میں انتقال فرما گئے۔ دوسرے :

[سید احمد] عرف سید کلاں بن سید حامد بن سید احمد

بن سید عبدالقدوس تھے۔ [انہوں نے بھی] وفات کے وقت

اولادیں چھوڑیں حالانکہ ان کی اور بھی اولاد موجود ہے لیکن

بطور تبرک، بندہ صرف یہ نام تحریر کرتا ہے۔



[سید جعفر] بن سید احمد بن سید محمد عرف میران محمد۔  
 یہ بڑی بزرگیوں اور روشن نشانیوں کے مالک اور شاندار خواہیوں  
 کے حامل بزرگ ہو گزرے ہیں۔ آب و دانہ کے مطابق انہوں  
 نے ملک گجرات کے شہر نہروالہ [۷۰۰ء] میں جا کر [سلسلہ]  
 پیری مریدی جاری کیا اور بھائیوں کی طرح اس سر زمین کے  
 مقتدر پیروں میں شمار ہونے لگے۔ وہاں انہوں نے عقد کیا  
 جس سے سید احمد نامی ایک عالی مقام فرزند پیدا ہوئے۔ جب  
 وہ بڑے ہوئے تو ان کے والد نے انہیں اپنی جگہ مسند پر  
 بٹھایا اور خود سندھ واپس آ گئے اور انتقال کیا۔ ان کی اولاد  
 وہیں ہے جن کا مختصر حال بعد دوم (۱) میں مذکور ہے۔

سید قاضی میاں۔ مذکور، سید کی اولاد میں سے اب سید قاضی  
 میاں کچھ عرصہ سے وہاں کے نظام کی قراہت اور منصب قضا  
 سے وابستگی کی وجہ سے بہروج میں مقیم ہیں۔ یہ بڑے انسان  
 دوست شخص ہیں۔

(۱) تحفۃ الکرام۔ بعد دوم صفحہ ۳۱-۳۲ پر سید احمد شیرازی  
 کا ذکر اس طرح مذکور ہے: سید احمد انجوی شیرازی، سید احمد  
 شیرازی کے، (جن کا ذکر ٹھٹھے کے بزرگوں میں ہوگا) فرزندوں سید  
 علی اور سید مراد کے بھائی سید جعفر کے فرزند ہیں۔ سید جعفر ٹھٹھے  
 سے پہلے نہروالہ اور پھر گجرات پہنچے۔ پھر وہاں اپنے فرزند رشید  
 سید احمد مذکور کو لائے، نے ہر اپنا مسند نشین بنا کر بھائیوں کے  
 پاس اپنے وطن کو واپس گئے اور یہیں وفات پائی۔ سید احمد نے گجرات  
 میں نہایت بزرگی کے ساتھ ہندی گذاری۔ ان کی درگاہ مرجع اہل اللہ  
 ہے۔ وہاں (گجرات میں) ان کی اولاد میں کئی صاحب حال و کرامت  
 بزرگ ہوئے ہیں۔

[سید حمزہ] سید احمد بن جعفر کی اولاد میں سید حمزہ نامی ایک انتہائی نورانی پیر سنہ ۱۱۶۵ھ میں سورت بندر میں نظر آئے تھے جہاں وہ سیر کرنے کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ ان کی ہیشانی سے تقدس جھلک رہا تھا۔ [۱۷۱ھ] اب بھی سنا ہے وہیں تشریف رکھتے ہیں۔ ان بزرگ کی اولاد میں دوسرے کچھ لوگ سہاویوں کے لباس میں نظر آئے۔

سید محمد شریف - ابن سید احمد بن سید محمد عرف میران محمد جن کا ذکر غوجکا ہے، خاندانی شرافت کے ساتھ شرف اور بزرگی کے مسند نشین رہ کر زندگی گزار گئے ان کی کچھ اولاد ہشت بہ ہشت رہتی چلی آرہی ہے۔

[سید لطف اللہ اور ان کی اولاد] ان کی اولاد میں سید لطف اللہ یادگار ہیں۔ ان سے سید موئید خان پھر سید محمود پھر سید لطف اللہ پھر سید محمود اور ان سے پھر سید لطف اللہ عرف میر لطن [پیدا ہوئے]۔ یہ بزرگ راہ فقر و توکل کے سالک اور حضرت شاہ عنایت اللہ صوفی کے معتقد تھے۔ شاہ اسماعیل صوفی جن کا ذکر آگے چل کر آئیگا، سے بھی ان کی مریدانہ صحبتیں روا کرتی تھیں۔ تسلیم و رضا کی منزل پر فائز ہو کر بہترین حالت میں اس جہانِ بے بقا سے رحلت کر گئے۔ ان کے بعد سید خادم عرف سید یاسین رہ گئے جن کے بعد اب سید فضل علی بزرگوں کی یادگار ہیں۔

سید محمد حسین - ابن سید احمد بن سید محمد عرف میران محمد، جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے، ان کی ولادت کی بشارت صاحب العصر شیخ عیسیٰ لنگوٹی نے دی تھی۔ اس کے علاوہ دوسرے

اولیا کو بھی جیسے کہ پیر کر گنج فلندر (۱) جن کا ذکر آگے چل کر آئیگا، اس کی خبر ہو گئی تھی۔ ان کی اولاد کے مادہ تاریخ ”قوة العین“ سے سنہ ۸۳۱ھ پر آمد ہوتا ہے۔ وہ جام فتح خان بن جام سکندر سمہ کے عہد میں پیدا ہوئے تھے۔ [۷۷۲]

کہتے ہیں کہ ولادت کے بعد یہ آنکھیں نہیں کھول رہے تھے۔ شیخ عیسیٰ کو جا کر اطلاع دی گئی تو وہ دوڑتے ہوئے زیارت کے لئے آئے اور انہوں نے شیخ عیسیٰ کے چہرہ پر آنکھیں کھولیں۔ شیخ نے کہا کہ یہ وہی شخص ہے جس کی بیعت کرنے کا مجھے انتظار تھا۔ الحمد للہ کہ مراد پوری ہوئی۔ اس کے بعد تیسرے ہی دن وہ انتقال کر گئے۔ باقی دوسری کرامتیں جو ان کے زمانہٴ حمل، شہر خوار، صفر سنی اور دیگر اوقات میں [ان سے] ظاہر ہوتی رہی ہیں وہ حاجی محمد حسین ”صفائی“ کے تالیف کردہ رسالہ ”تذکرۃ المراد“ میں مذکور ہیں۔ ان کی ذات اقدس کا ہمسرا ان کے زمانے میں تو خیر کیا، گذشتہ اور آئندہ زمانے میں بھی سندھ، سیر شاذ و نادر ہی پیدا ہوگا۔ کتنے ہی شائخین ان کے رشتہٴ مریدی پر فخر کرتے ہیں۔ ایک بڑی جماعت ان کی صحبت کے فیض سے راہ ہدایت پر جا لگی ہے اور اولیا و متقین کے سلسلے میں داخل ہوئی ہے۔ یہ بیشتر شریعت ظاہری کی پابندی، وعظ و نصیحت اور طالبین کی تلقین میں اپنے باہرکت دن گذارا کرتے تھے۔

نقل ہے کہ شیخ بہاؤ الدین ملتانی کے ہوتے شیخ صدر الدین پیری مریدی کے غلامی کے ساتھ ٹھہرے میں منزل انداز ہو کر

زہارت کے لئے ان کی خدمت آئے۔ دونوں بزرگوار مل کر بڑی جامع مسجد کی طرف، جو اب ”مسجد ولی نعمت“ کے نام سے موسوم ہے اور اصل میں بادشاہانِ سمہ کی بنوائی ہوئی ہے، روانہ ہوئے۔ شیخ نے راستے میں ایک مردہ ہلی نکو دیکھ کر اشارہ فرمایا اور وہ فوراً زندہ ہو کر الٹ کھڑی ہوئی۔ مسجد میں بیٹھ کر سید موصوف نے ایک خادم کو فرمایا کہ باہر جائے اور جو بھی آدمی نظر آئے اسے ہلا لائے۔ خادم ایک بوہمن کو لے آیا۔ وہ مسجد میں داخل ہوتے ہی فوراً منبر پر چڑھ گیا اور وعظ شروع کر دیا۔ اس نے لفظ بسم اللہ کے چودہ معانی بتائے۔ اب سید موصوف نے شیخ سے کہا کہ مردے کو زندہ کرنا ہدیت ہے۔ [۴۷۳] کیونکہ اس سے جاندار کو اذیت پہنچتی ہے اور موت کی اذیت اور تکلیف اسے بار بار مہنی پڑتی ہے لیکن مردہ دلوں کو زندہ کرنا مشائخین کا طریقہ ہے۔ اس پر شیخ نے دل سے تصدیق فرمائی کہ بے شک آپ مشائخین کی مراد ہیں اور آپ ہی سے مراد ہی حاصل ہونگی۔ اس وقت سے اس شاہِ خدا آگاہ کا لقب ”مراد“ مشہور ہو گیا۔ آپ نے اس لقب کے بدلے میں شیخ عبداللہ بن کو ”حلیم“ کا لقب عطا کیا اور یہ لقب بھی یادگار رہا۔ مسجد صفہ، سید موصوف کی یادگاروں میں سے ہے جو پہلے ہندوؤں کی ایک عالی شان مڑھی تھی اس کا ذکر رسالہ ”تذکرۃ المراد“ میں موجود ہے۔ کہنے میں کہ وہ ہتخانہ جام نندہ کے وزیر لکھسیر نامی ہندو کا تھا۔ جب اس کا گھر مسجد بن گیا تو اس نے سید بزرگوار کی خدمت میں حاضر

ہو کر مولہ نامی اپنے ہوتے کے حق میں دعا کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا کہ شہر کے شمال کی طرف آکر سکونت اختیار کرو [اس سمت] جس قدر بھی بستی ہوگی وہ تیرے ہوتے کے نام سے مشہور ہوگی۔ مولہ ٹھٹھ کی بھی غایت ہے۔

چونکہ اس دارفانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت کرنا نبیوں، ولیوں اور عام مخلوق کا دستور ہے چنانچہ یہ بھی مقررہ مدت ختم ہونے کے بعد سنہ ۸۹۳ھ میں متکئین علی الارائک (۱) کی جماعت میں جا داخل ہوئے۔ ”ساجد مخلص“ ان کی وفات کا مادہ تاریخ ہے۔

عباسی قاضیوں کے قبیلے میں شادی کرنے پر اس پرگزیدہ کے تین عالی گوھر فرزند اور تین با عصمت صاحبزادیاں بطور زینتِ زمانہ، یادگار رہیں۔ [فرزندوں کے نام نامی اور اسمائے گرامی یہ ہیں] ۱۔ سید منصور ۲۔ سید نعمت اللہ [۳۷۷] اور ۳۔ سید حماد۔ چونکہ ان میں ہر ایک کی کثیر اولاد ہے اس لئے صرف سجادہ نشینوں اور بعض دوسرے مشہور و معروف بزرگوں کا تبرکاً ذکر کیا جاتا ہے۔

[سید منصور] مذکورہ سید محمد حسین کے باہدایت فرزند سید منصور والد بزرگوار کے بعد سلسلہ پیری مرشدی میں ان کے جانشین ہوئے۔ وہ جملہ خوبیوں کے جامع اور روشن کرامات کے مالک تھے۔

(۱) یہ آیت کریمہ اہل بہشت کے لئے نازل ہوئی ہے مطلب یہ ہے کہ، اہل بہشت جنت میں گدوں پر ٹپک لگائے بیٹھے ہونگے اور ادھر ادھر کا نظارہ کر رہے ہونگے۔

[سید منصور کی اولاد] ان کے بعد ان کے نامور فرزند سید احمد مسند بزرگی پر فائز ہوئے اور بزرگوں کی روایات خوبصورتی کے ساتھ زندہ رکھتے آئے۔ اس کے بعد سید احمد کے فرزند سید محمد طاہر بزرگوں کے جانشین ہوئے۔ انہوں نے کچھ عرصے کے بعد حرمین شریفین کی زیارت کا قصد کیا۔ چونکہ [اس وقت] ان کے فرزند کمسن تھے اس لئے انہوں نے اپنے خسر سید شمس الدین بن سید حسین بن سید منصور کو اپنی مسند پر بٹھایا اس شرط پر کہ جب ان کا مذکورہ فرزند بالغ ہو جائیگا تو وہ مسند ان کے حوالے کرینگے۔ کچھ عرصے کے بعد خبر آئی کہ سید محمد طاہر وہاں انتقال پا گئے۔ اتفاقاً سید شمس الدین یہاں ان سے پہلے ہی وفات پا چکے تھے۔ اب چونکہ سید محمد طاہر کے فرزند سید عبدالرحمان هنوز کمسن تھے اس لئے سید شمس الدین کے فرزند سید حسین جانشین ہوئے آخر کار بڑے ہوئے پر سید عبدالرحمان بن سید محمد طاہر اپنے مرحوم والد کی امانت کے کے دعویدار ہوئے۔ اس پر سادات کرام نے سید حسین کی بزرگی کے ادب کے خیال اور ان کی محرومی کے خوف کی وجہ سے دو مسندیں مقرر کر دیں۔

دو مسندوں کے فیصلے کے بعد سید عبدالرحمان بن سید محمد طاہر ایوان کی نشست منت (نذر) کے گوشت کی تقسیم اور سواری میں مقدم اور اول قرار پائے اور سید حسین (۱) کے جانشین کی نشست ہائیں جانب مقرر ہوئی۔ [۳۷۵]

(۱) فارسی نسخہ مطبوعہ میں یہاں "سید علی" ہے۔ ظاہر ہے کہ

یہ سہو کتابت ہے۔

سید عبدالرحمان کی وفات کے بعد ان کے فرزند سید منصور ان کے بعد ان کے فرزند سید عبدالرحمان، ان کے بعد ان کے فرزند سید محمد طاہر اور ان کے بعد ان کے فرزند سید محمد شجاع عرف ناتھن بالترتیب بزرگوں کی مسند سے سرفراز ہوئے۔ آج کل سید محمد طاہر عرف سید میر محمد ابن سید محمد شجاع مسند اول کے سجادہ نشین اور بزرگوں کی صفات کے حامل ہیں۔

مذکورہ بیان کے مطابق مسند دوم پر سید شمس الدین کے بعد جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے ان کے فرزند سید محمد حسین سجادہ نشین ہوئے اور ان کے بعد ان کے فرزند سید محمد اور پھر ان کے فرزند سید محمد فاضل عرف سید مولن شاہ وارث ہوئے۔ انہوں نے نہایت جلال و کمال کے ساتھ زندگی گزاری۔ ان کی بہت سی کرامتیں مشہور ہیں۔ ان کے بعد ان کے فرزند سید محمد خلیل اور ان کے بعد ان کے فرزند ارجمند سید علی مسند دوم کے سجادہ نشین ہوئے۔ [مؤخر الذکر تاحال انتہائی شان و بزرگی کے ساتھ موروثی مسند پر متمکن ہیں۔

سجادہ نشینوں کے بیان سے فارغ ہونے کے بعد مذکورہ میر کی اولاد میں سے کچھ دیگر نامور افراد کا تبرکاً ذکر کیا جاتا ہے۔

میر محمد محسن - مذکورہ میر کی اولاد مکرم میں یہ بڑی بہتر حالت میں زندگی گزارتے رہے۔ حکمرانوں کے نزدیک بڑے ممتاز تھے۔ انہوں نے شیخ وقت میر مرزا جان کی صاحبزادی سے عقد کیا جن سے انہیں تین فرزند ہوئے۔ ایک میر محمد کلاں جنہوں نے میرزائی شان و شوکت کے ساتھ زندگی گزاری اور

اب ان کے فرزند میر اسد اللہ بزرگوں کی یادگار ہیں دوسرے میر ابن، جنہوں نے بہ اشتیاق خود قبیری اختیار کی اور صاحب حال رہ کر زندگی گذاری۔ ان کی اولاد میں تیسرے فرزند میر غلام علی عرف میر کھولو تھے۔ یہ اویسی مشرب اور صاحب حال و قال تھے حال ہی میں وفات پائی ہے۔ [۳۷۶] [میر عبدالقدوس] میر عبدالقدوس ابن سید حامد بن سید حسن

بن سید حامد بن سید شرف الدین بن سید حسین بن سید منصور جن کا ذکر ہو چکا ہے، وقت کے ایک مقتدر، شان بزرگی کے مالک اور اپنے ہم عصروں میں ممتاز تھے۔ ان کی تاریخ وفات سنہ ۱۱۳۶ھ جو آیت کریمہ ”هَمَّ مَكَرَتُونَفِيْ جَنَّاتِ النَّعِيْمِ“ کے مطابق ہے۔

[میر منصور علی] اب ان کے فرزند حقیقی میر منصور علی، بزرگوں کی راہ پر چلنے کی توفیق رکھنے والے ایک صالح جوان اور بزرگوں کی یادگار ہیں۔

میر محمد نعیم۔ یہ مذکورہ پیر کی اولاد میں ایک صاحب حال و ارشاد بزرگ ہوئے ہیں انہوں نے بحسن و خوبی اپنے سابقین کی راہ سلوک پر گامزن رہتے ہوئے زندگی گذاری۔ ان کے فرزند یادگار ہیں۔

### سہادات مشہدی

یہ صفت نجات میں مشہور ہیں۔

سید یعقوب اور سید اسحاق۔ یہ دونوں بزرگ بھائی جام

نظام الدین کے عہد میں سنہ ۵۹۰ھ میں مشہد مقدس سے ہجرت کر کے ساموئی میں وارد ہوئے جو ٹھہرے کا شہرہ ہونے کے باوجود



بعض ہریزان خدا کا مسکن تھا۔ سید یعقوب کی ذات والا صفات کمالات سے آراستہ تھی۔ کہتے ہیں کہ وہ شیر پر سوار ہو کر آئے تھے۔ عمرکوٹ کے نزدیک سومرہ خاندان کی سات ہاک دامن دوشیزائیں سمہ قوم کے بعض رئیسوں کے مظالم سے تنگ آ کر انہی کے سایہ پناہ میں ساموئی آ گئی تھیں جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے۔ جب سید موصوف اس طرف سے گذرے تو ”آکرہ“ قوم کے لوگ جو آکرہ کے ساکن اور لوہار پیشہ تھے آ کر ان کے مرید ہو گئے اور ان کی خدمت میں رہنے لگے۔ موضع آکر اسی قوم کے نام سے منسوب ہے۔ ان کی اولاد آج تک مذکورہ سید کی مرید ہے۔ [۴۷۷]

قصہ کوتاہ سید یعقوب اپنی زندگی کی مقررہ مدت پوری کر کے سنہ ۵۹۲۲ میں اس دنیا سے سفر آخرت اختیار کر گئے۔ ان کا مزار ساموئی میں ہے۔ انہوں نے بہت سی اولاد چھوڑی جن میں سے کچھ اب تک تعلقہ ککوالہ کے موضع داری میں سکونت پذیر ہیں اور کچھ موضع آکر میں رہ کر وہیں فوت ہو گئے۔

[سید ملوک شاہ] ٹھٹھے میں سید ملوک شاہ اپنے وقت کے ایک بڑے صاحب کمال اور صاحب حال بزرگ ہو گذرے ہیں۔ وہ قاضی سدو کے مرید تھے۔ مشہور ہے کہ ان کی قبر مذکورہ قاضی کی قبر کے برابر واقع ہے۔

[سید جلال الدین اور ان کی اولاد] سید جلال الدین ایک مشہور بزرگ تھے۔ انہوں نے بزرگوں کی راہ سلوک پر صفات حمیدہ و اخلاق جمیلہ کے ساتھ زندگی گذاری۔ ان کے بعد ان کے

دو فرزند سید خیرالدین اور سید شریف باقی رہے۔ ان میں سید خیرالدین کی اولاد میں ہشت بہ ہشت اعلیٰ اخلاق سے موصوف اور راہ فقر و رضا کے کامل بزرگ پیدا ہوئے رہے۔ اب سید محمود عرف سید بولو ان کی یادگار باقی ہیں۔ سید شریف کی اولاد میں بھی یکے بعد دیگرے مشہور بزرگ پیدا ہوتے رہے ہیں جن میں سید سائیں ڈنہ کی اولاد، سید ملوک اور ان کے بھائی، بزرگوں کی یادگار موجود ہیں۔

مذکورہ سید یعقوب کے بھائی سید اسماعیل بھی کمالات ظاہری و باطنی سے آراستہ تھے۔ بھائی کے قریب دفن ہیں۔ انہوں نے کوئی اولاد یادگار نہ چھوڑی۔

[سید احمد اور سید محمد] سید محمد عابد مشہدی کے فرزند سید احمد اور سید محمد ایران میں مذہب شیعہ کے غائبے اور غلو کی وجہ سے، [سنہ ۹۰۶ھ] مطابق اعداد لفظ ”مذہب ناحق“ میں جب کہ ایران کے اکثر شہروں کے بزرگوں میں [۳۷۸] تفرقہ اور ہجرت کی ہلچل تھی، حرمین کے قصد سے نکل کر سیر کرتے ہوئے ملک سندھ سے گذرے اور سنہ ۹۱۰ھ میں ساموئی میں منزل انداز ہو کر دریا کے [سازگار] موسم کا انتظار کرنے لگے۔ اتفاقاً [اسی عرصے میں] سید محمد نے جو کمالات ظاہری و باطنی سے آراستہ تھے، سفر آخرت اختیار کیا اور اولاد [یتیم] چھوڑ گئے۔ [اب] ان کے بھائی تنہا رہ گئے تھے وہ دل شکستہ ہو کر یہیں رہ پڑے۔ اس کے کچھ ہی عرصے کے بعد جب شاہ بیگ نے سندھ پر تصرف حاصل کیا اور ارغونوں کی ایک جماعت کو محلہ مغلوڑہ میں آباد کیا جہاں شافعی المذہب

مغلوں کی ایک جماعت پہلے ہی سے آباد تھی اور باغات اور کھلی  
ہوا کی وجہ سے یہ زمین ممتاز تھی، اس وقت [اس نے] سید  
موصوف کو بھی صفات بزرگی سے آراستہ دیکھ کر وہیں آباد کر دیا  
اور ان کے لئے لایق وجہ معاش بھی مقرر کر دی۔ دل شکستہ  
سید [احمد] اپنے بھائی کی وفات اور اس سر زمین کی ابدی کشش  
کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے یہیں کے ہو گئے۔ اہل کمال کی  
صورت میں ایک بڑی جماعت کے مرشد کی حیثیت سے انہوں نے  
اپنی عمر کا بقیہ حصہ یہیں گزارا۔

[سید احمد کی اولاد] ان کے بعد ان کے نامور فرزند سید محمد  
ان کے جانشین ہوئے اور صفات کمالیہ کے ساتھ زندگی گذاری۔  
ان کے بعد سید داؤد، سید احمد اور سید یعقوب یکے بعد دیگرے  
جانشین ہوتے آئے اور ہر ایک نے کمال بزرگی کے ساتھ  
اپنی اپنی زندگی کے دن پورے کئے۔

سید یعقوب کی اولاد میں تین بھائی سید اسماعیل، سید جلال  
اور سید جمال والد کے ساتھ ہندوستان چلے گئے اور اولاد سمیت  
وہیں جا کر سکونت پذیر ہو گئے۔

سید یعقوب کے بعد ان کے فرزند رشید سید داؤد والد کی جگہ  
مسند بزرگی پر متمکن ہوئے۔ وہ جملہ کمالات سے آراستہ تھے۔  
آخر میں انہوں نے شہادت پائی۔ [۱۷۷۹]

ان کے فرزند سید محمد علوم ظاہری و باطنی میں ممتاز درجہ  
پر فائز تھے۔ ان کے بعد سید ابوالمکارم اپنی بلند اخلاقی کی  
وجہ سے بے حد مشہور ہوئے۔ انہوں نے سید علی بن سید  
شرف الدین سے جو حضرت غوث الثقلین کی اولاد میں تھے اور

سیر و سیاحت کی غرض سے ٹھہرے آئے تھے، خلافت حاصل کی تھی۔ یہ علوم ظاہری میں اپنے وقت میں ممتاز تھے۔ جہانگیر بادشاہ نے ان کے کمال کا حال سن کر اولاد کی معاش کے لائق ان کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ پھر جب خسرو خان چرکس نے ان کی خواہی کے متصل جامع مسجد تعمیر کرائی تو اس نے انہیں کو اس کا متولی بنایا۔ ان کی تاریخ وفات، سنہ ۱۰۶۰ھ ہے جو ”ستون دین افتاد“ کے جملے سے برآمد ہوتی ہے۔ ان کے بعد ان کے فرزند سید مرتضیٰ نے جو اپنے والد کے زہور کمال سے مزین تھے علم و فضل میں شہرت کے ساتھ اپنی زندگی کی مدت پوری کی۔ درس للو، جن کا ذکر آگے چل کر ہوگا ان کے زمانے میں انہی کے محلے میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔

ان کے بعد ان کے فرزند سید محمود، دادا مرحوم کی مسند خلافت پر متمکن ہو کر مریدوں اور خدام کے مرشد ہوئے۔

ان کے بعد ان کے فرزند محمد اشرف نے انتہائی فقر و تقویٰ کے ساتھ زندگی گذاری اور سید محمود عرف سید پیر ڈنہ جنہیں کسمن چھوڑ گئے تھے اب اپنے بزرگوں کے جانشین ہیں۔

[سید محمد قاسم] سید محمد قاسم بن سید محمد بن سید داؤد شہید، جن کا ذکر کیا جا چکا ہے، مذکور سید احمد مشہدی کی اولاد میں سے طالبان حق کی فہرست میں شامل اور صاحب حال بزرگ تھے۔ وہ سید جعفر رضوی بکھری کی وساطت سے جن کا آگے چل کر ذکر ہوگا، سید عبدالکریم ہلڑی والے کے خلیفہ مقرر ہوئے تھے۔ [۳۸۰]

پیر کے محلے پر ٹھہرے کے لوگوں کو اپنے ساتھ لے جاتے اور

واپس لاتے تھے۔ ماہ شعبان میں ان کے ہاں ٹھہنے میں ایک وسیع میلہ لگا کرتا ہے جس میں گروہ در گروہ قرا آکر جمع ہوتے ہیں۔ ان کی تاریخ وفات ”فی جنتہ عالیہ“ (سنہ ۱۰۵۴ھ) کسی گئی ہے۔

[سید لطف اللہ] ان کے بھائی سید لطف اللہ عرف سید لطف بھی حسبی و نسبی کمالات سے موصوف ہو گزرے ہیں۔ ان کے بعد ان کے فرزند سید عابد وقت کے بزرگ اور آئینہ ہدایت کو منور کرنے والے ولی ہوئے۔

ان کے بعد ہسماندگان میں سید حامد شاہ رہے۔ پھر جب وہ بھی انتقال کر گئے اور ان کا کوئی لڑکا نہ رہا تو دستار خلافت ان کے شہر خوار نواسے کے سر پر رکھی گئی اور ان کے داماد سید نظر علی ابن سید محمد طاہر عرف سید میر محمد جو پیر مراد شیرازی انجوی کی اولاد اور ان کے سجادہ نشین تھے، اس سلسلے کے ہا اختیار نگران مقرر ہوئے۔ [چنانچہ] وہ دستور کے مطابق اپنے میلے اور سید عبدالکریم کے میلے پر لوگوں کو لیے جانے [کے انتظامات] کے نگران ہیں۔

سید نظر علی کے کسب فرزند دو تین سال تک نانا کے دستار کے مالک رہنے کے بعد صغر سنی میں ہی فوت ہو گئے۔ آج کل گیارہ سالہ میر نجم الدین بزرگی کے اس بار کے متحمل ہیں۔ اور ان کے دادا کی اولاد میں سید پیر ڈنہ، سید محمد حسین بن سید ابوالبقا اور سید عماد الدین بن سید ابوالبقا بن سید محمد بن سید داؤد شہید کے علاوہ اور کوئی باقی نہیں ہے۔ [۳۸۱]

## سادات شیرازی معروف بہ شکر الاهی

ان کے بزرگ حسب و نسب کی شان و بزرگی میں مشہور ہیں اور ان کی قدیم عظمت معتبر کتابوں میں مذکور ہے۔

[قاضی سید شکر اللہ] قاضی سید شکر اللہ بن سید وجہ الدین،

بن سید نعمت اللہ بن سید عرب شاہ بن امیر نسیم الدین محمد عرف میرک شاہ بن امیر عطاء اللہ جمال الدین محدث بن فضل اللہ بن میر عبدالرحمان بن عبداللطیف حسینی دشتکی۔

امیر نسیم الدین، امیر جمال الدین، ان کے چچا میر اصیل الدین اور ان کے بعض چچازاد بھائیوں کے بارے میں جس طرح کہ قاضی نور اللہ شوستری نے ”مجالس المؤمنین“ میں ”حبیب السیر“ سے نقل کیا ہے اور جس طرح کہ ”روضۃ الصفا“، ”ہفت اقلیم“ اور دیگر معتبر کتابوں میں مذکور ہے بچنسہ، ویسا ہی جلد دوم میں ذکر کیا جا چکا ہے [چنانچہ اس مقام پر] انہیں دوبارہ بیان کرنے سے احتراز کیا جاتا ہے۔

جیسا کہ تاریخ طاہری وغیرہ میں مذکور ہے، مذکورہ سید، سنہ ۸۹۰ھ میں ہرات سے قندھار اور وہاں سے شاہ بیگ کے حکم پر سنہ ۸۹۲ھ میں ٹھٹھے آئے اور مرزا شاہ حسن ابن شاہ بیگ کے زمانے میں اس نئی مفتوحہ سر زمین کے منصب قضا سے سرفراز ہوئے۔ ابتدا میں ان کی آمد تاجروں کی حیثیت سے ہوئی تھی۔ نقل۔ شاہ حسن نے امتحان کی غرض سے ایک تاجر سے کھوڑے خرید کر قیمت کی ادائیگی میں تساہل سے کام لیا۔ تاجر مایوس ہو کر عدالت شرعیہ میں دعویٰ دائر کرنے کے لئے پہنچا۔ چونکہ دین مبین کے قلعے کے مطابق دعوؤں کے

لیصلہ کے سلسلے میں شاہ و گدا برابر ہوتے ہیں اس لئے قاضی نے بادشاہ کے پاس طلب نامہ بھیجا۔ دیندار بادشاہ فوراً حاضر ہو گیا۔ ان دنوں یہ دستور تھا کہ مدعی اور مدعا علیہ کو ایک ہی مقام پر کھڑے ہو کر اپنی اپنی روئداد کہنی پڑتی تھی۔ قاضی نے اس کا انتظام بھی کر لیا تھا کہ بادشاہ مدعی سے ایک قدم بھی آگے نہ آسکے۔ چونکہ بادشاہ کا مقصد صرف امتحان لینا تھا اس لئے اس نے اسی وقت [۳۸۲] مدعی کو راضی کر لیا۔ اب قاضی نے اٹھ کر ہمیشہ کے دستور کے مطابق بادشاہ کی تعظیم کی اور اسے موزوں جگہ دی۔ کچھ دیر دوستانہ صحبت کے بعد ادھر ادھر کی باتیں کرتے ہوئے بادشاہ نے کہا کہ ”میں یہ خنجر اس لئے کمر میں باندھ لایا تھا کہ اگر آپ میری رعایت میں قانون شریعت کو نظر انداز کر دیتے یا خدمتکاروں میں سے کوئی، سیادت و بزرگی کے خیال سے چون و چرا سے کام لیتا تو میں خود اس ہتھیار سے مزا دیتا۔“ سید موصوف نے بھی مسند کے نیچے سے برہنہ تلوار نکال کر دکھائی کہ ”میں نے بھی یہ ارادہ کر رکھا تھا کہ مبادا بادشاہ خلاف شریعت قدم اٹھائے اور کوئی شخص اس کو ٹوکنے کی جرات نہ کرے تو میں خود اس تلوار سے سیاست شرمی بجا لاؤنگا۔“ یہ قصہ تاریخ طاہری میں مذکور ہے۔

قصہ کوتاہ، یہ صحبت ختم ہوئی تو اس کے کچھ دنوں کے بعد قاضی نے اس خدمت سے استعفیٰ دے کر کہا کہ ”بشری کمزوری سے کوئی بھی خالی نہیں ہے۔ میں یہ عظیم

عظیم ہوجہ نہیں آئیں سکتا۔" بالآخر الہی کی تجویز پر قاضی شیخ محمد اوچوی کو بلا کر اس منصب پر مامور کیا گیا۔

بزرگوں سے سنا گیا ہے کہ جہاں موصوف نے آکر سکونت اختیار کی تھی ان کی اولاد آج تک وہیں رہتی چلی آ رہی ہے۔ پہلے وہاں قبیلہٴ انصار کے پس ماندگان آباد تھے لیکن طویل زمانہ گزر جانے کی وجہ سے ان میں سے کوئی باقی نہ رہا۔

سید شکر اللہ کی اولاد میں سے سید محمد محسن بن سید علی اکبر بن سید عبدالواسع سے سنا گیا ہے کہ اس قبیلے کے کچھ لوگ سندھ کے دیہاتوں میں رہتے ہیں۔ ان میں سے ایک معمر شخص جب کبھی ٹھٹھے آیا کرتا تھا تو ہم لوگوں سے بھی ملاقات کیا کرتا تھا۔

قبروں کا چبوترہ، جن میں بزرگ آرام پذیر ہیں، پہلے آئیں [انصار] کا تھا۔ چند قبریں اب تک موجود ہیں۔ [۳۸۳] کہتے ہیں کہ "آکر" کے رہنے والے انصاروں کے ایک دوسرے قبیلے کا بہت آباد اور مشہور متمول ایک بڑا محلہ تھا۔ ان کے اصل گماشتے وہ خواجگان تھے جو خواجہ شکر می اولاد مشہور تھے، جن کے اجداد شیخ عیسیٰ لنگوٹی کے ساتھ برہان پور سے آئے تھے اور آخر کار خواجگان نے اپنی دولت کے زوال کے بعد ٹھٹھے کے مغربی مشہور محلے میں عروج حاصل کیا۔ کشمیں کے تاجروں نے اس معروف محلے میں [آباد ہو کر] اپنا دور ختم کیا۔

الغرض سید قاضی شکر اللہ نے [قبیلہٴ] انصار میں عقد کیا



جس سے ان کے فرزند سید ظہیر الدین پیدا ہوئے جن کا ذکر آگے آئیگا۔

کہتے ہیں کہ مذکورہ سید [قاضی شکر اللہ] کے ساتھ تین اور بھی با کمال بزرگ ٹھٹھے آئے تھے۔ ان احباب کے درمیان ایک خاص اتحاد تھا۔ وہ بزرگ [۱] سید منبہ، [۲] سید کمال اور [۳] سید عبداللہ ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کا ذکر اپنے اپنے مقام پر کیا جائیگا۔

سید شکر اللہ نے وفات کے وقت اپنے نامور فرزند کو وصیت کی تھی کہ ”اپنی اولاد کو یہ تاکید کرنا کہ انہیں اگر کوئی مشکل پیش آجائے تو وہ میرے ان [تین] دوستوں میں سے کسی سے رجوع کریں“۔ [جنانچہ] اس وصیت کے مطابق سید شکر اللہ ثانی کے دو فرزندوں، سید محمد حسین اور سید ظہیر الدین ثانی کی اولاد سید منبہ سے تعلق رکھتی آئی ہے۔ [تیسرے فرزند سید نور محمد کے بیٹے] سید نظام الدین کی اولاد سید کمال سے وابستہ رہی اور سید عبدالرحمان کی اولاد سید عبداللہ سے متعلق ہے۔

سید شکر اللہ کی قبر سید عبداللہ کی درگاہ کے مدرس میں اہل اللہ کی زیارت گاہ ہے۔

[میر ظہیر الدین] ان کے انتقال کے بعد ان کے بامدایت فرزند میر ظہیر الدین و الاسلام عرف ”جام“ والد بزرگوار کے جانشین ہوئے۔ وہ بڑے صاحب فضیلت اور صاحب حال بزرگ تھے۔ [۳۸۴] ظاہر میں وہ پریزگاری، شریعت کی پابندی اور

درس و تدریس میں مشغول رہا کرتے اور باطن میں راہِ فقر میں وہ بزرگوں کے طریقے پر عمل پیرا رہتے تھے۔ انتقال کے وقت انہوں نے دو فرزند [۱] سید شکر اللہ ثانی اور [۲] سید عبدالرحمان یادگار چھوڑے۔

سید شکر اللہ ثانی۔ یہ والد اور دادا بزرگوار کی صفات سے آراستہ تھے۔ اور [اپنے] زمانے میں عزت و شہرت کے ساتھ زندگی گذاری۔ ان کے چار فرزند ہوئے ۱۔ سید محمد حسین ۲۔ سید نور محمد ۳۔ میر ظہیر الدین ثانی اور ۴۔ سید لطف اللہ۔ سید شکر اللہ ثانی کی یادگار ان کی مشہور مسجد ہے۔

[سید محمد حسین اور ان کی اولاد] سید محمد حسین اپنے وقت کے نامور اور حسبی و نسبی کمالات سے موصوف بزرگ تھے۔ ان کے دو بیٹے ہوئے ایک سید مہر محمد اور دوسرے سید عبدالواسع۔

سید عبدالواسع کے دو فرزند ہوئے سید علی اکبر اور سید علی اصغر۔ ان میں سے ہر ایک فضیلت و حال میں بزرگوں کے طور طریق کی یادگار تھا۔ سید علی اکبر نے اپنے دو فرزند سید ابوالقاسم اور سید محمد محسن یادگار چھوڑے۔

سید ابوالقاسم کے، سید شاہ ولی نامی ایک فرزند تھے جو صفات بزرگی سے موصوف تھے اور انہوں نے فضیلت اور حالت میں اچھی زندگی گذاری۔ وہ مخدوم رحمت اللہ کے شاگرد تھے۔ ”تحفۃ المجالس“ جیسا مختلف علوم کا جامع نسخہ ان کی یادگار ہے۔ املا، انشا اور اشعار میں وہ طبع صفا اور ذہن رسا

کے مالک تھے۔ انھوں نے قاضی محمد یحییٰ کے بھائی قاضی محمد امین کی تاریخ وفات ”الحافظ لحدود اللہ“ (۱) [سنہ ۱۱۳۹ھ] کہی تھی۔ سنہ ۱۱۵۰ھ میں انھوں نے تعلقہ ککراہ میں اپنی جاگیر موضع جکت پور میں وفات پائی۔ ان کی میت کو شہر [۳۸۵] لایا گیا۔ ان کے شاگرد لطف اللہ کتابی نے ان کی تاریخ وفات ”قد فات فی عشق“ (۲) کہی ہے۔

ان کے دو فرزند ہوئے میر سراج الدین ابوالقاسم اور میر محمد ناصر۔ میر محمد ناصر دوستان قلبی کو جوانی ہی میں داغ مفارقت دے کر سنہ ۱۱۷۸ھ میں انتقال کر گئے۔ ان کے فرزند میر شکر اللہ عرف چھتن ان کی بادگار ہیں۔

میر شاہ ولی کے فرزند اکبر میر سراج الدین ابوالقاسم بزرگوں کی صفات سے موصوف، ان کی بادگار، سجادہ نشین اور خصائل حمیدہ کے مالک تھے۔ وہ اچانک ۲۳ ذوالقعد سنہ ۱۱۸۳ھ (۳) کو وفات پا گئے۔ شعر گوئی میں انھیں خاصہ ملکہ تھا۔ قرآن پاک سے مادہ تاریخ اخذ کرنے میں تو کمال دکھاتے تھے۔ اخلاص کے پیش نظر اشعار کی مشقی وہ راقم الحروف [قانع] کے پاس کیا کرتے تھے۔

[سید عبدالرحمان اور ان کی اولاد] سید ظہیر الدین والاسلام عرف میر جادم اول کے فرزند سید عبدالرحمان تین فرزند چھوڑے۔

(۱) معنی ”اللہ کی حدود کا نگہبان“ مراد ”احکامات اللہی کا نگران“۔

(۲) یعنی ”وہ اس کے (اللہ کے) عشق میں فوت ہوا“۔

(۳) نسخہ ”ن“ میں ”ہزار و صد و ہشتاد و پنج“ (سنہ ۱۱۸۵ھ) ہے۔

گئے ۔ ۱۔ سید محمد ۲۔ سید وجہ الدین اور ۳۔ سید عنایت اللہ  
سید محمد نے سید عبدالعلی نامی ایک فرزند چھوڑا جن کی  
کوئی اولاد باقی نہیں ہے۔

سید عنایت اللہ ابن سید عبدالرحمان نے وفات کے وقت  
[ایک فرزند] سید احمد اللہ نامی یادگار چھوڑا ۔ سید احمد اللہ  
کے دو فرزند ہوئے ایک سید عنایت اللہ عرف سید بولو اور  
دوسرے سید محمد جنہوں نے کوئی اولاد نہ چھوڑی ۔

سید عنایت اللہ عرف سید بولو کے بعد ان کے دو فرزند رہے۔  
ایک سید غلام شاہ اور دوسرے سید غلام اولیا ۔ سید غلام  
شاہ حال ہی میں تین فرزند چھوڑ کر فوت ہوئے ہیں ۔ [۳۸۶]  
سید غلام اولیا عنفوان شباب ہی میں علوم ظاہری و  
باطنی کی تحصیل سے فارغ ہو کر تقویٰ و پرہیزگاری کے بلند  
مرتبے پر فائز ہو چکے تھے ۔ دستور کے مطابق وہ ہمیشہ روزانہ  
سید عبداللہ کی زیارت کرنے جایا کرتے تھے اور اپنے با برکت  
اوقات ہمیشہ نیک کاموں میں صرف کیا کرتے تھے ۔ [غرض]  
وہ بڑے صاحب کرامت بزرگ ہو گئے تھے لیکن عین جوانی  
میں انہوں نے اس دار فانی سے رحلت کی اور مریدوں کی ایک  
خاص جماعت چھوڑ گئے ۔ ہر ماہ کی ۲۱ تاریخ کو، ان کی  
تاریخ وفات کے مطابق ، مریدوں کی جماعت ان کی زیارت کے لئے  
آتی ہے اور لوگ ختمہ و خیرات کر کے اپنی مشکلیں حل  
کراتے ہیں ۔

[سید نور محمد اور ان کی اولاد] سید شکر اللہ ثانی کے فرزند

سید نور محمد اپنے وقت میں علم و کمال کے مظہر کامل اور

اہل دین و یقین کے مرجع تھے ،

جب وہ انتقال کر گئے تو ان کے فرزند سید نظام الدین ان کی یادگار رہے ۔ سید نظام الدین علم و کمال میں ممتاز اور حال و قال میں صاحب توفیق بزرگ تھے ۔ انہوں نے یہ چار فرزند چھوڑے ۔ ۱۔ سید نعمت اللہ ۲۔ سید نور محمد ثانی ۳۔ سید فضل اللہ اور ۴۔ سید محمد شفیع ۔ [ ان میں ] سید نعمت اللہ فضل و کمال کے علمبردار اور بزرگی کی جملہ خوبیوں کے جامع تھے ۔

ان کے انتقال کے بعد سید عطاء اللہ ، [ اپنے مرحوم ] دادا کی اولاد میں نہایت ممتاز رہے ۔ شان و شوکت میں انہوں نے میر لطف اللہ شیرازی اور دیگر رئیسوں کے ہم پلہ زندگی گزاری ۔ یہ اپنے دو برگزیدہ فرزند سید عبد اللہ اور سید محمد ناصر یادگار چھوڑ گئے ۔

سید عبد اللہ نہایت با کمال اور سلسلہ نقشبندی کے بزرگ تھے ۔ وفات کے بعد ان کی کوئی اولاد باقی نہ رہی ۔

سید محمد ناصر اپنے عہد میں تقویٰ اور پرمیزگاری میں بے مثل بزرگ ہوئے ۔ [ ۳۸۷ ]

کہتے ہیں کہ ساری زندگی انہوں نے کسی عورت کا منہ نہ دیکھا اور حیوانوں میں نہ و مادہ کا امتیاز نہ کر سکتے تھے ۔ سلسلہ نقشبندی میں درجہ کمال حاصل کر کے وہ مریدوں کا مقصد اور حاجتمندوں کا مرجع رہے ۔

نقل ہے کہ مذکورہ سید کے زمانے میں ملک میں اچانک قحط پیدا ہو گیا ۔ لوگ گرانی اور وبا میں گرفتار ہو کر اولیا کی

قبروں پر ملتجی ہوئے۔ ایک بزرگ نے خواب میں دیکھا کہ اگر کوئی ایسا کامل پرمیزکار، جس نے عمر بھر خود اپنی برہنگی بھی نہ دیکھی ہو، باہر نکل کر نماز استسقا ادا کرے گا تو بے شک دنیا پر ابر رحمت کا کرم ہو سکے گا۔ [چنانچہ] سارے ٹھٹھے اور اس گرد و نواح میں سید موصوف کے ملاوہ ایسا کوئی اور شخص نہ مل سکا۔ ایک بزرگ نے بھی خواب میں ان کی نشان دہی کی۔ حالانکہ وہ نماہیں اور کرامتوں کی شہرت کے خوف سے جو اس خاندان کے لئے منع تھی، قبول نہ کر رہے تھے۔ لیکن ان کی والدہ محترمہ نے بھی تحریک فرمائی۔ کہتے ہیں کہ جب ان کی والدہ معظمہ انہیں [باہر نکل کر نماز استسقا پڑھنے کی] تلقین کرنے لگیں تو انہوں نے کہا کہ ”اس طرح ظاہر ہونے کے بعد شاید مجھے اس دنیا کو الوداع کہنی پڑے گی۔“ اس پر ان کی باسعادت والدہ نے فرمایا کہ ”اگر مشیت ابزدی اسی طرح ظاہر ہونی ہے تو پھر دنیا کے آرام کے مقابلے میں جو کچھ بھی اس کی رضا ہو وہی بہتر ہے۔“ تقدیر کا اتفاق دیکھئے کہ نماز استسقا کے، جو خلق سے گرائی اور وبا کی مصیبت دلع کرنے کا باعث ہوئی، تین ہی روز کے بعد سید دنیا سے رخصت ہو گئے۔ چونکہ ان کی شادی نہ ہوئی تھی اس لئے ان کی کوئی اولاد نہ رہی۔

سید نور محمد ثانی ابن سید نظام الدین، نے جن کا ذکر ہو چکا ہے، دو فرزند سید ابوالقاسم اور سید نظام الدین ثانی یادگار چھوڑے۔ [۴۸۸]

سید ابوالقاسم بزرگوں کے نقیض قدم پر بحسن و خوبی کامزن رہے اور اپنے بعد اپنے ایک فرزند سید میرک شاہ کو بادگار چھوڑ گئے۔ وہ فضیلت میں ممتاز تھے۔ انہوں نے اپنے ماموں کے ساتھ ہندوستان جا کر وہاں ذریعہ معاش اور اولاد پیدا کی۔ کچھ عرصے کے بعد انتقال فرما گئے اور کوئی فرزند بادگار نہ چھوڑا۔

سید نظام الدین ثانی [علم] فقہ میں سب سے زیادہ ہا توفیق اور دیگر علوم کے جیٹ عالم ہو گذرے ہیں۔ طبیعت کے جذبے کے تحت یہ جہاں آباد (دہلی) چلے گئے اور وہاں جا کر ”فتاویٰ عالمگیری“ کے متعلق دیگر علما کی انہوں نے کتنی ہی مشکلیں حل کیں۔ بادشاہ کے سامنے پیٹھ ہوئے اور منصب کی درخواست کی۔ بادشاہ نے اس ضابطے کے مطابق کہ اہل فضل کا نوکر ہکا را جانا پسند نہ کرتے تھے، منصب دینے سے انکار کر کے معاش قبول کرنے کے لئے کہا۔ سید صاحب اس پر راضی نہ ہوئے۔ اس کے بعد جلد ہی انہوں نے وہاں سفر آخرت اختیار کیا۔ ان کے بعد ان کے دو فرزند سید عرب شاہ اور سید احمد باقی رہے۔

سید عرب شاہ آخر میں مجذوب ہو گئے تھے۔ وفات کے وقت ان کی کوئی اولاد نہیں تھی۔

سید احمد کے ایک فرزند سید عطاء اللہ نامی موجود ہیں۔ شادی کے بعد ان کے کئی فرزند ہوئے لیکن سب کے سب فوت ہو جانے کی وجہ سے یہ عین جوانی ہی میں مجذوب ہو گئے۔

سید نظام الدین کلان بن سید نور محمد بن سید شکر اللہ ثانی

کے فرزند سید فضل اللہ کے دو بیٹے سید رحمت اللہ عرف سید مسیحو اور سید ابوالحسن نامی ہوئے۔

سید رحمت اللہ وقت کے سب سے بڑے متقی اور مقتدر ولی تھے۔ انہوں نے سید کمال کی درگاہ سے فیض حاصل کیا تھا۔ صاحبانِ کمال کی ایک بڑی جماعت کی صحبت میں رہ کر سلسلہٴ نقشبندی میں ممتاز حیثیت کے مالک ہوئے۔ [۴۸۹]

وہ راسخ العقیدہ مریدوں کی ایک جماعت چھوڑ گئے ہیں جو آج تک ہر ماہ کی پانچویں تاریخ کو ان کے یوم وفات پر ان کے مزار پر حاضر ہو کر زیارت، ختمہ اور خیرات کر کے فیض حاصل کرتی چلی آرہی ہے۔

اپنے بعد وہ سید محمد صادق کو یادگار چھوڑ گئے جو عمر طویل کو پہنچ کر اس دارفانی سے رخصت ہو گئے۔ ان کی کوئی اولاد تربتہ نہیں تھی۔

مذکورہ سید فضل اللہ کے فرزند سید ابوالحسن اپنا ایک فرزند سید ابوالبقا نامی چھوڑ گئے۔

سید نظام الدین کلاں، بن سید نور محمد بن سید شکر اللہ ثانی کے فرزند سید محمد شفیع راہ معرفت کے مالک اور شہرت سے پرہیز کرنے والے بزرگ تھے۔ انہوں نے نہایت فضل و کمال کے ساتھ زندگی گذاری۔

انہوں نے سید محمد جعفر نامی ایک فرزند یادگار چھوڑا جنہوں نے انتہائی بزرگی اور عظمت کے ساتھ زندگی پوری کی۔ ان کے بعد ان کے فرزند سید بزرگ نامی جانشین ہوئے۔ یہ عنفوانِ شباب ہی میں مجذوب ہو گئے اور کچھ مدت اسی



حالت میں رہ کر وفات پا گئے ۔

[سید میر محمد] سید میر محمد بن سید حسین بن سید شکر اللہ ثانی نے سید محمد حسین نامی ایک فرزند [یادگار] چھوڑا ۔ جن کے ایک فرزند سید محمد سعید نامی ہوئے ۔ ان کے فرزند سید محمد میر ہوئے جنہوں نے کوئی اولاد نریند [اپنے بعد] نہ چھوڑی ۔

[سید عبدالواسع بن سید محمد حسین اور ان کی اولاد] سید علی اصغر ابن سید عبدالواسع بن سید محمد حسین بن سید شکر اللہ ثانی نے تین فرزند سید حبیب اللہ عرف سید ساجو، سید فتح محمد عرف سید پھتو اور سید محمد فاضل [نامی یادگار] چھوڑے ۔

سید حبیب اللہ کے تین فرزند ہوئے ۱۔ سید محمد حسین عرف ماکرپیو ۲۔ سید صالح محمد عرف سید ٹھاریو اور ۳۔ سید منگیلہ عو ۔

سید محمد حسین عرف میر ماکرپیو نے ایک فرزند پیر قمر الدین نامی چھوڑا اور سید صالح محمد عرف سید ٹھاریو اور سید منگیلہ عو [تلحال] حیات میں ۔ [۳۹۰]

سید فتح محمد عرف میر پھتو کے چار فرزند ہوئے :

۱۔ مراد علی [عرف] پارو

۲۔ سید علی

۳۔ سید محمد فاضل

۴۔ سید فقیر محمد

[سید محمد محسن] سید محمد محسن بن سید علی اکبر

بن سید عبدالواسع بن سید محمد حسین بن سید شکر اللہ ثانی نے انتہائی بزرگی کے ساتھ بڑی عمر میں ۲۵ ربیع الثانی سنہ ۱۱۵۸ھ میں انتقال کیا اور کوئی اولاد نہ چھوڑی۔

[سید ظہیر الدین ثانی اور ان کی اولاد] سید ظہیر الدین والاسلام

عرف جادم ثانی بن سید شکر اللہ ثانی علم و عمل اور زہد و تقویٰ میں بزرگوں کی صفات کا نچوڑ تھے۔

ان کے بعد سید محمد مقیم راہ بزرگی پر مستقیم رہے۔ ان کے دو فرزند ہوئے سید محمد کاظم اور سید محمد سعید۔

سید محمد کاظم عجیب حالات کے مالک تھے۔ دو دو تین دن تک وہ عالم خواب میں کہ جسے عین بیداری سمجھنا چاہئے پڑے رہتے تھے اور لوگ ان کا ذکر قلمی سنا کرتے تھے۔ بالآخر وہ خود ہی بیدار ہو جاتے تھے۔ اسی طرح اور بھی کتنے ہی کمالات تھے جن کا شمار مشکل ہے۔ انہوں نے دو فرزند سید محمد عارف اور سید عزت اللہ [بادگار] چھوڑے۔

سید محمد عارف قوت، شجاعت اور سیر و شکار کی خوبیوں کے لحاظ سے عجائبات روزگار میں سے تھے۔ شادی کے بعد یہ عنفوان شباب ہی میں فوت ہو گئے اور کوئی اولاد نہ رہا۔

سید عزت اللہ نیکی اور پرہیزگاری میں بزرگوں کی راہ پر بحسن و خوبی گامزن رہتے ہوئے زندگی گزار گئے۔ ان کی رحلت سنہ ۱۱۶۱ھ میں واقع ہوئی۔ [۴۹۱] ”ہا رحمت یزدی ہیوست“ ان کی [وفات] کا مادہ تاریخ ہے۔ انہوں نے

چھ فرزند چھوڑے ۔ ۱۔ سید فخرالدین ۲۔ سید یار محمد  
۳۔ سید امین محمد ۴۔ ان اوراق کو سیاہ کرنے والا بندہ  
علی شیر ۵۔ محمد صلاح عرف سید محمد شاہ اور ۶۔ سید  
ضیاء الدین ۔

سید فخرالدین نے انتہائی بزرگی کے باوجود بھی بڑی سادگی  
کے ساتھ زندگی گذاری اور ۲۲ ذوالقعد سنہ ۱۱۸۳ھ (۱) کو  
جا کر رحمت خداوندی سے واصل ہو گئے ۔ انہوں نے میر حیدر  
نامی اپنا ایک صاحب توفیق فرزند یادگار چھوڑا ۔

سید یار محمد نے بزرگانہ وضع سے نہایت انسانیت اور  
حسبی و نسبی کمالات کے ساتھ زندگی گذاری ۔ انہوں نے  
۱۹ شعبان سنہ ۵۸۶ھ (۱۱۸۶ھ) کو وفات پائی ۔ ان کے دو  
فرزند میر کریم الدین اور میر عظیم الدین [باقی رہے] ۔ میر  
عظیم الدین جو ہوشمند ہوتے ہی انتہائی بلاغت اور موزون  
طبع کے حامل ہیں، تاحال حیات میں ۔

سید امین محمد (۲) اپنے دونوں فرزندوں سید صدرالدین  
اور سید محمد انور سمیت [حیات میں] ۔

راقم الحروف بندہ علی شیر بھی دو تازہ مولود فرزندوں میر  
غلام علی اور میر غلام ولی اللہ، جن کے ناموں کے اعداد ان کا  
سال ولادت ظاہر کرتے ہیں، کے ساتھ بقید حیات ہے ۔

سید محمد صلاح عرف محمد شاہ غریبانہ حال اور درویشانہ

(۱) نسخہ "ن" میں بسال ہزار و صد ہشتاد و پنج

(سنہ ۱۱۸۵ھ) ہے ۔

(۲) نسخہ "ن" میں اس مقام پر "عرف سید موتو" زائد ہے ۔

انداز میں انتہائی سادگی اور بے نفسی کے ساتھ [اپنی مقررہ عمر پوری کر کے] خدائی طلبہ کے مطابق ۲۲ جمادی الثانی سنہ ۱۱۸۶ھ میں دوستوں کو داغ منارقت دے گئے۔  
میرضیاء الدین بھی بزرگوں کی یادگاروں کی حیثیت سے بقید حیات ہیں (۱)۔ [۴۹۲]

سید محمد بن سید محمد مقیم بن سید ظہیر الدین والاسلام عرف جادم ثانی اپنا ایک فرزند سید محمد اشرف نامی یادگار چھوڑ گئے۔ سید محمد اشرف نے بزرگوں کی وضع میں نہایت سادگی اور کسر نفسی کے ساتھ زندگی گذاری اور اپنے بعد دو فرزند سید جادم اور سید محمد سعید چھوڑ گئے۔  
سید جادم عنفوان شباب ہی میں اچانک رضائے ایزدی سے واصل ہو گئے۔

سید محمد سعید نے شادی کر کے کئی اولادیں پیدا کیں [لیکن پھر] اہل و عیال سمیت اس دار بے بقا سے رحلت کر گئے اور کوئی بھی نام بزرگوں کی یادگار کے طور پر نہ چھوڑ گئے۔

سید شکر اللہ کی اولاد میں سے کچھ نام ناواقفیت کی بنا پر اس کتاب میں شامل نہیں ہو سکے ہیں امید کہ یہ تقصیر معاف کی جائیگی۔

(۱) اس مقام پر دستی اپنے نسخے میں میر قانع نے بڑی کاٹ پیٹ کی ہے اس ترجمے میں کل مضمون کو، جو کچھ تو اس کے متن میں اور کچھ حاشیے میں ہے، یہاں مربوط کر کے وضاحت کے ساتھ درج کر دیا گیا ہے۔

سید جمال اور سید کمال - یہ دونوں بزرگوار اور جملہ خویوں کے حامل بھائی اصلاً حسینی اور شیراز کے باشندے تھے اور مذکورہ سید شکر اللہ کی دوستی اور رفاقت میں لہٹے آئے تھے۔ چونکہ ان دونوں نے مجرد رہ کر زندگی گذاری اس لئے ان کے بعد ان کی کوئی اولاد نہ رہی۔

سید کمال بڑے گہرے یار تھے اور ان چار یاروں میں شامل تھے جن کا سید شکر اللہ کے بیان میں ذکر ہو چکا ہے۔ وفات کے بعد یہ اپنی رعائشی حویلی میں دفن ہوئے۔ ان کی زیارت کی برکت ممالک میں مشہور اور ان کے توسل کی کرامتیں ہوام و خواص [کے دلوں] میں مرکوز ہیں۔

سید جمال نے جب وفات پائی تو انہیں سید عبد اللہ کی درگاہ کے مغرب میں سید شکر اللہ کے قریب دفن کیا گیا۔ صاحبان دل ان کی زیارت سے فیض یاب ہوتے رہتے ہیں۔ [۳۹۳]

### سلالات ماژندرانہ عرف لودھی

ان کے بزرگ سید بدرالدین ماژندران سے ہجرت کرنے کے بعد شاندار بارگاہوں (۱) کی زیارت سے مشرف ہو کر سنہ ۹۶۷ھ میں بحر عرب کی راہ سے ہندو گاہ دیول پر اتر کر لہٹے میں سکونت اختیار کرنے کے لئے روانہ ہوئے۔ جب وہ ہر گنہ ساکورہ کے قصبہ ہالا میں پہونچے تو اس قصبے کے مشہور بزرگ سید سلطان شاہ برقعہ پوش عرف لودھی نے سید موصوف کی آمد کی خبر سن کر انہیں وہیں کی سکونت اختیار کرنے کی تکلیف دی۔ ان کی

(۱) یعنی کربلائے معلیٰ وغیرہ اہل بیت اطہار کی عراق و عجم

میں واقع درگاہیں۔

صحبت نے ان کے دل میں بھی کشش پیدا کی اور سید بدرالدین ہمیشہ کے لئے وہیں رہ گئے۔ تقدیراً کچھ عرصہ کے بعد سید سلطان شاہ انتقال کر گئے [چنانچہ] ان کی صاحبزادی کا سید بدرالدین سے عقد کیا گیا۔ ان معصومہ سے مقررہ وقت میں سید موصوف کے تین فرزند ۱۔ سید لودھی ۲۔ سید جنید اور میر کمال الدین پیدا ہوئے۔

سید لودھی اور سید جنید دونوں اسی قصبے میں فوت ہوئے۔ ان کی اور ان کی اولادوں کی قبریں، اسی قصبے میں جو ایک مدت سے ویران ہے، یادگار ہیں۔

سید کمال الدین اور ان کی اولاد۔ سید کمال الدین محمد حسن کمالات سے آراستہ بزرگ تھے۔ زیادہ تر وہ مکلی کے بزرگوں کی زیارت سے فیض یاب ہوا کرتے تھے۔ [ایک بار] وہاں انہیں سید ظہیر الدین والاسلام عرف میر جادم سے ملاقات کا اتفاق ہوا۔ وہ ملاقات، گفتگو اور دوستی سے آگے بڑھ کر، اتحاد تک جا پہنچی اور کچھ ہی عرصے کے بعد سید کمال الدین نے ٹھٹھے میں آکر مذکورہ سید کے پڑوس میں سکونت اختیار کی اور سلسلہ اتحاد کو مزید مستحکم کیا۔ انہوں نے تین فرزند میر ابوالفتح، میر مظفر اور میر عبدالخالق اپنے بعد یادگار چھوڑے۔ [۷۹۴ھ]

میر ابوالفتح نے وفات کے وقت تین فرزند سید محمد، سید محمد ہناہ اور سید محمد شاہ باقی چھوڑے [ان میں سے] میر عبدالخالق نے بھی تین فرزند میر بیگ محمد، میر جہنڈو اور

میر سید (۱) چھوڑے۔

میر سید محمد بن سید ابوالفتح بن میر کمال الدین، کے جن کا ذکر ہو چکا ہے دو فرزند میر عبدالعلی اور میر عبدالنبی ہوئے۔

میر عبدالعلی پابندی شریعت اور علمی قابلیت میں اپنے عہد میں بے حد مشہور ہوئے۔ انہوں نے محلہ سکرن میں ہندوؤں کی سہر نامی مڑھی کو جبراً مسمار کر کے مشہور مسجد تعمیر کرائی۔

ان کے بعد سید محمد عرف میر شیخو یادگار رہے۔ جن کے سید محمد مالوک سید محمد پناہ، سید محمد شاہ اور سید عالم شاہ [نامی چار] فرزند ہوئے۔

ان میں سے سید محمد مالوک کے دو فرزند سید محمد پناہ اور سید محمد شاہ [نامی] ہوئے۔ سید محمد پناہ ایک فرزند چھوڑ کر فوت ہو گئے اور سید محمد شاہ تاحال حیات ہیں۔ سید عالم شاہ عرف میر جمال الدین [کافی] عمر جہاں آباد (دہلی) میں گذار کر آخری دنوں میں روہڑی آ کر ہمیشہ کے لئے یہیں رہ گئے۔ ان کے بعد ان کے دو فرزند سید وجہ الدین اور سید محمد ثانی یادگار رہے۔

مذکورہ سید کمال الدین کی دوسری اولاد بھی اپنے وقت میں مشہور رہی ان میں سے کچھ افراد ٹھٹھے کے دوسرے محلوں میں رہتے ہیں۔

(۱) اس مقام پر صرف میر سید لکھا ہے اور اس کے آگے کوئی بھی

نام تحریر نہیں ہے۔

ایک، سید میر سنگتراشوں کے محلہ میں رہتے ہیں۔ مذکورہ سید میر کی اولاد میں سے سید بیگ اور سید ٹھارو، پتہ ہاٹ بازار کے عقب میں رہتے ہیں۔

سید بیگ محمد، مذکورہ اولاد میں سے بادگار کے طور پر باقی ہیں۔

[سید سعد اللہ] سید سعد اللہ (۱) بن سید فضل اللہ بن سید مظفر بن سید عبدالخالق، جن کا ذکر کیا جا چکا ہے، ایک نامور بزرگ ہو گزرے ہیں۔ ان کی اولاد [۴۹۰] میں سید جہندو فرزندوں سمیت اور سید مظفر موجود ہیں۔

سید عبدالنبی کی اولاد میں سے سید محمد خلیق کئی سال ہوئے مذکورہ میر والی مسجد میں گم ہو گئے ہیں ان کے فرزند سید گل نامی موجود ہیں۔

سید ہدایت اللہ بن سید عبدالنبی کے دو فرزند سید جمن اور سید ابوالبقا حیات ہیں۔

مذکورہ میر کمال الدین ماژندرائی کی اولاد میں سید محمد ملوک ایک اہل اللہ بزرگ ہیں جو دادن شاہ کی درگاہ کے قریب جمنہ کی زمین پر آرام فرما ہیں۔ حضرت پیر رحمت اللہ علیہ کے خلفا ہر سال ماہ ربیع الثانی کی ۱۱ تاریخ کو وہاں آکر جمع ہوتے ہیں۔ معتبر لوگوں سے سنا گیا ہے کہ وہ نواب لشکر خان کے عہد حکومت میں سنہ ۱۰۷۱ھ میں ہر گنہ بشورہ کی خالصہ [زمین] کے حاکم تھے اور ایک ہندو سے جو خود کو صاحب العصر اور موحد سمجھتا تھا، جنگ کرتے ہوئے



تسطہ الکرام

شہید ہو گئے۔ [لوگ] ان کی لاش وہاں سے لے آئے۔ انہوں نے وصیت کی تھی کہ جس مقام پر آکر مہری لاش ٹھہرائے مجھے وہیں دفن کیا جائے [چنانچہ] اس زمین پر آکر اسے قرار ہوا جہاں اب ان کی قبر ہے۔ یہ مقام زیارت گاہِ خلافتی ہے۔

[سید علی ماژندرانی] سید علی بن سید عبدالقدوس ماژندرانی، خط نسخ، خط ثلث اور دیگر اقسام کے خطوط میں، مشہور سید علی کے ہمسر تھے۔ وہ مخدوم الیاس خوشنویس کے شاگرد تھے جن کی شاگردی کی برکت سے کتنے ہی بزرگ خوشنویسی میں مشہور ہیں۔

عرب شاہی، سبزواری سادات میرک

جو بزرگ، عالی اور عمدگی، خصائص میں کمال مشہور ہیں۔ [۴۰۰]

[میرک شیخ محمود] میرک شیخ محمود بن میرک ابو سعید بن امیر علی شاہ سبزواری عرب شاہی: میرک ابو سعید، شیخ جلال الدین بایزید ہورانی کے نواسے ہیں۔ وہ سبزواری سے ہجرت کر کے قندھار میں آئے سکونت پذیر ہوئے تھے۔ ان کے فرزند شیخ میرک محمود، جن کا ذکر ہو چکا ہے، اور میرک بایزید، شاہ بیگ ارغون کے قندھار سے آکر سندھ فتح کرنے کے موقع پر اس کے ساتھ سندھ میں تشریف لائے تھے۔ میرک بایزید نے بکھر میں سکونت اختیار کی اور میرک محمود ٹھٹھے آکر رہے۔ فضیلت و سخاوت اور زہد و تقویٰ میں ممتاز رہتے ہوئے انہوں نے سالہا سال شیخ الاسلامی کے اعلیٰ منصب پر فائز ہونے کے باوجود کتنے ہی طالبان علم کو کامل فیض عطا کیا۔ وہ

خط نستعلیق میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ ان کی وفات محرم سنہ ۸۹۶ء میں ہوئی۔ ”رات میرک آہ آہ“ ان [کی وفات] کا مادہ تاریخ ہے۔ اپنی اولاد کے محلے میں انہوں نے ایک شاندار مسجد اور خانقاہ کی مشہور عمارت تعمیر کرائی۔ ان کے بعد ان کے تین لرزند شیخ میر محمد، میرک عبدالباقی اور میرک عبدالرحمان باقی رہے۔

شیخ میر محمد۔ یہ اعلیٰ درجے کے صفات سے موصوف اور انسانی فضائل سے مخصوص بزرگ تھے۔ انہوں نے سنہ ۸۹۰ء میں وفات پائی۔ ”جامع فتاوائے پورانی“ انہی کی یادگار ہے۔ انہوں نے ظاہری اولاد یادگار نہ چھوڑی۔

میرک شیخ عبدالباقی۔ والد کے بعد یہ شیخ الاسلامی کے منصب پر ان کے جانشین ہوئے۔ یہ جملہ علوم میں عموماً اور ہیئت و حکمت میں خصوصاً کمال دسترس رکھتے تھے۔ مولانا عبدالخالق کیلانی نے بھی جو مولانا مرزا جان اور شاہ فتح اللہ کے ہم عصر تھے، بعض علمی نکات انہی سے حاصل کئے۔ اقلیدس [جیومیٹری] میں انہیں اس قدر دخل حاصل تھا کہ انہوں نے بہت سی نئی شکلیں ایجاد کیں جنہیں سب نے پسند کیا۔ [۸۹۷]

[سید شیخ محمود ثانی اور ان کی اولاد] سید شیخ محمود ثانی ابن میرک عبدالباقی، نے والد بزرگوار کی وفات کے بعد شیخ الاسلامی کے منصب پر فائز ہو کر بزرگی کے ساتھ اپنا وقت گزارا۔ کمالات میں وہ اپنے عہد کے بے نظیر فرد تھے۔ سنہ ۱۰۲۰ء میں وفات پائی، مصرعہ ”یافت میرک مقام محمودی“

مادہ تاریخ ہے۔ تین فرزند، میرک عبدالباقی ملقب بہ سید خواجہ، میرک شاہ خواجہ اور میرک عبدالوہاب ثانی، ان کی یادگار رہے۔

میرک عبدالباقی جو سید خواجہ کے لقب سے مشہور تھے بڑے برگزیدہ اور کمالات سے آراستہ بزرگ تھے۔ انہوں نے شیخ الاسلامی کے موروثی منصب سے موصوف رہ کر زندگی گذاری۔ ان کی وفات سنہ ۱۰۵۸ھ میں ہوئی۔ ”میر عبدالباقی آسودہ بفردوس نعیم“ مادہ تاریخ ہے۔ انہوں نے دو فرزند میرک عبدالہادی اور میرک محمد مہدی یادگار چھوڑے۔

موروثی منصب شیخ الاسلامی میرک عبدالہادی کو ملا۔ وہ زندگی کے دن پورے کر کے لاولد انتقال کر گئے۔ ان کی وفات سنہ ۱۰۸۶ھ میں بیان کی جاتی ہے۔ مادہ تاریخ : ”ہادی اہل کرم یافت مقام محمود“ ہے۔

بھائی کے بعد موروثی عہدہ یعنی [منصب] شیخ الاسلامی میرک محمد مہدی نے حاصل کیا۔ ان کے فوت ہو جانے کے بعد ان کے فرزندوں میرک محمد شفیع اور میرک امیر محمد کے ہوتے ہوئے بھی مذکورہ عہدہ ان کے چچا میرک عبدالوہاب کو نصیب ہوا۔ اپنی قسمت کے دن عزت و شوکت کے ساتھ گزارنے کے بعد وہ بھی سنہ ۱۱۱۲ھ میں لاولد فوت ہو گئے۔

ان کے بعد مذکورہ میرک محمد مہدی کے فرزند میرک محمد شفیع نے بحسن و خوبی زندگی گذاری۔ ان کی بھی کوئی اولاد نہ رہی۔

میرک محمد مہدی کے دوسرے فرزند میرک میر محمد ایک

بیٹا میرک محمد افضل ”افضل“ یادگار چھوڑ کر وفات پا گئے اور وہ اپنے چچا میرک محمد شفیع [۱۷۹۸ء] کے انتقال کے بعد مسند بزرگی پر فائز ہوئے۔ سنہ ۱۱۳۵ھ میں وہ اپنے تین فرزند ۱۔ میرک محمد احسن ، ۲۔ میرک محمد محسن ، اور ۳۔ میرک عطاء اللہ کو اپنی یادگار چھوڑ کر انتقال کر گئے۔

میرک محمد احسن ایک بڑے برگزیدہ اور بزرگوں کی صفات حمیدہ کے خاتم فرد تھے۔ ابران کے بادشاہ نادر شاہ کے آنے اور شاہ دہلی کے تخت چھن جانے کے بعد سخت تکالیف برداشت کر کے یہ داغستان چلے گئے۔ پھر شیخ الاسلامی کا منصب جو مدت سے کالعدم ہو چکا تھا، اسے نئے سرے سے حاصل کر کے اور زندگی کے باقی ماندہ دن انسانیت و امتیاز کے ساتھ بے حد [اوج و] ترقی میں گزار کر انہوں نے سنہ ۱۱۶۷ھ میں انتقال کیا۔ مصرعہ ”جنت الماویٰ مقام احسن است“ سے ان کی تاریخ [وفات] برآمد ہوتی ہے۔

اب ان کے بھائی میرک محمد محسن بزرگوں کے شیخ الاسلامی کے منصب پر فائز ہیں۔ ان کے تیسرے بھائی میرک عطاء اللہ عرصہ گذرا کہ انتقال کر چکے ہیں اور ان کی کوئی اولاد باقی نہیں ہے۔

میرک شیخ محمود ثانی کے دوسرے فرزند میرک شاہ خواجہ کے دو فرزند، میرک عرب شاہ اور میرک محمد عابد نامی ہیں۔ میرک عرب شاہ سے میرک محمد وارث بزرگی کی وراثت کے وارث ہوئے۔ ان کی وفات سنہ ۱۱۵۹ھ میں ہوئی۔ ان کے فرزند میرک عبدالرزاق نے بھی حال ہی میں انتقال کیا ہے۔ ان کے فرزند موجود ہیں۔

میرک محمد عابد نے ایک نامور بیٹا میرک محمد جعفر نامی

احفۃ الکرام

یادگار چھوڑا جن کے تین فرزند میرک محمد عابد، میرک بزرگ اور میرک محمد پناہ عرف مہتہ نامی ہوئے۔

میرک محمد عابد عرف مراد علی کے چار فرزند ہوئے۔ ایک محمد تقی دوسرے میرک محمد جعفر عرف چھتو تیسرے میرک بھتو اور چوتھے میرک چاندو۔ [۴۹۹]

میرک محمد بزرگ جو سنہ ۱۱۷۹ھ میں وفات پا گئے انہوں نے دو کمسن فرزند [میرک] خیر اللہ اور میرک وراہہ اپنی یادگار چھوڑے۔

میرک محمد پناہ عرف مہتہ سنہ ۱۱۷۳ھ میں انتقال کر گئے اور ان کے بعد ان کے فرزند میر روشن علی نامی باقی بچے۔

[میر عبدالرحمان اور ان کی اولاد] میرک شیخ محمد کلان کے فرزند میرک عبدالرحمان بزرگوں کی فضیلتوں اور صالحین کی خوبیوں سے آراستہ تھے۔ انہوں نے بزرگی اور لیاقت کے ساتھ ممتاز حیثیت میں زندگی گزاری۔ ان کے دو فرزند ہوئے۔ ایک میرک عبدالواسع اور دوسرے میرک عبدالرحیم۔

میرک عبدالواسع [اپنے دور کے] بڑے فاضل اور اعلیٰ بزرگ تھے۔ وہ فن شاعری کے بھی استاد تھے۔ ان کے بعد ان کے تین فرزند رہے۔ ۱۔ میرک محمد معین عرف لالا ۲۔ میرک محمد حسین ۳۔ میرک روح اللہ۔

میرک محمد معین کے دو فرزند ہوئے۔ ۱۔ میرک محمد نعیم ۲۔ میرک محمد تقی۔

میرک محمد تقی کے ایک فرزند میرک علی احمد عرف میر الن تھے۔ وہ سنہ ۱۱۶۶ھ میں وفات پا گئے۔ ان کے فرزند میرک محمد تقی عرف ابہن اس وقت بزرگوں کی یادگار ہیں۔

میرک محمد حسین بن میرک عبدالواسع بن میرک عبدالرحمان

ایک مجذوب سالک اور صاحب کشف و حال بزرگ تھے۔ سوالیوں کے دل کا مدما معلوم کر کے، بغیر سوال کئے، ان کی غرض پوری اور مشکلیں حل کر دیتے تھے۔ کسی بھی وقت غیب کی خبروں کے اظہار کے سوا ان کی زبان [معجز بیان] سے اور کوئی حرف نہ نکلتا تھا۔ انہوں نے کوئی اولاد نہ چھوڑی۔

میرک روح اللہ نے بھی اپنی بھائی میرک محمد حسین کی مانند اپنا کوئی فرزند نہ چھوڑا۔

میرک عبدالرحیم بن میرک عبدالرحمان کے دو فرزند میرک احمد اور میرک ابو سعید ہوئے۔ یہ دونوں بھائی اپنی جاگیر موضع دھورکھہ (۱) [۵۰۰] ہی میں رہ کر وفات پا گئے۔ دونوں کی اولادیں وہاں موجود ہیں۔

[شیخ عبدالوہاب] شیخ عبدالوہاب بن شیخ بایزید بن شیخ ابو سعید مذکور شیخ میرک محمود کے بھتیجے ہیں۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، ان کے والد نے آکر بکھر کی سکونت اختیار کی تھی۔ اب تک ان کی اولاد وہاں موجود ہے اور جیسا کہ سکھر کے بیان میں ذکر ہو آیا ہے، شیخ عبدالوہاب ٹوٹے میں آکر رہے اور نہایت خوبصورتی کے ساتھ بزرگوں کے طریقے کو جاری رکھتے آئے اور جملہ علوم کے ماہر کی حیثیت حاصل کر کے سنہ ۸۹۷ھ میں انتقال کر گئے۔

### سادات عریضی سبزواری

[میر عبداللہ سلطان] میر عبداللہ سلطان بن میر ابوالکرام

بن میر غیاث الدین محمد (۱) عرف سلطان رضائی سبزواری،  
”حبیب السیر“ کے مصنف خوند میر کے پوتے اور سلطان جنید  
صفوی کے نواسے تھے۔

مذکورہ بزرگوں کا کچھ ذکر بکھر اور سیوستان کے بیان  
میں ہو چکا ہے اور جیسا کہ لکھا جا چکا ہے، میر عبد اللہ سلطان  
اپنے بھائی میر عبدالرسول کے ساتھ شاہ جہان بادشاہ کے عہد میں  
ٹھٹھے آکر ہمیشہ کے لئے یہیں رہ گئے۔ میر عبدالرسول نے وفات  
کے وقت اپنا کوئی فرزند نہ چھوڑا۔

میر عبد اللہ سلطان نے جو اپنے دور میں انسانی کمالات کے  
جامع اور مشہور شاعر تھے، پانچ فرزند چھوڑے۔ ۱۔ میر شکر اللہ،  
۲۔ میر محمد قاسم، ۳۔ میر عبد الرحمان، ۴۔ میر محمد عارف اور  
۵۔ میر محمد عالم۔

ان میں سے میر محمد قاسم اور میر محمد عالم نے کوئی  
اولاد نرینہ نہ چھوڑی۔ [۵۰۱]

میر شکر اللہ نے انتہائی بزرگی کے ساتھ زندگی گزاری اور  
اپنے بعد اپنے دو فرزند میر محمد عالم اور میر محمد ہاشم یادگار  
چھوڑے۔ ان دونوں بھائیوں نے اس دار فانی سے رخصت ہوتے  
وقت اپنی کوئی نشانی نہ چھوڑی۔

میر محمد عارف اپنے زمانے کے مشہور و معروف شخص تھے  
لیکن انہوں نے بھی کوئی اولاد نہ چھوڑی۔

[اس کے بعد] میر عبد الرحمان نے حسب و نسب کی بزرگی  
کے ساتھ اس خاندان کی شمع روشن کی۔ انہوں نے اپنے بعد

دو محرزند میر ابوالبقا اور میر علی اصغر بادگار چھوڑے۔ میر علی اصغر حرمین شریفین زاد ہوا اللہ شرفاً و تعظیماً کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے اور وہاں جا کر واصل باللہ ہو گئے۔

میر ابوالبقا عرف بہرور علی جو اس بزرگ خاندان کا تتمہ تھے وہ [اپنے عہد میں بڑے ممتاز] اور باعزت ہو گذرے ہیں۔ شاعری میں انہیں کمال دسترس حاصل تھا۔ وہ میر حیدر الدین ابوتراب کامل جیسے کامل و عامل استاد کے شاگرد تھے۔ انہوں نے محمد شاہ بادشاہ کے آخری ایام میں وفات پائی۔ ان کی تالیف میں ”تاریخ چراغ ہدایت عرف بہرور شاہی“ اور کچھ اشعار باقی ہیں۔ ایک معصومہ دختر کے علاوہ اور کوئی اولاد نہ چھوڑی۔ اب اس خاندان میں سے کوئی بھی مرد باقی نہیں ہے۔

### نسادات کاشانی

میر غوری کاشانی [اور ان کی اولاد] یہ مرزا باقی کے ہم عصر اور معتبر سید تھے۔ اسی زمانے میں آب و دانہ کی کشش سے وہ اپنا اصلی وطن چھوڑ کر ٹھٹھے میں آکر مکونت پذیر ہوئے تھے۔ جب نواب خانخانان نے سندھ کو مرزا جانی بیگ سے فتح کر لیا تھا تو حضور خلافت ہنہ (اکبر بادشاہ) [۵۰۲] نے سیوستان، لاہری بندر اور ضرب خانہ (۱۸ سال) واضح طور پر شاہی غلاموں کی تحویل میں دے کر باقی ملک مرزا جانی بیگ کے حوالے کیا تھا۔ [چنانچہ] کچھ عرصہ کے بعد وہ (میر کاشانی) جہانگیر بادشاہ کے دربار عالی کی جانب سے ضرب خانے کے داروغہ کے منصب پر سرفراز ہوئے۔ وہ اشعار



بہت خوب کہا کرتے تھے۔ اپنے اشعار کا ایک دیوان اور چند لطیف مثنویاں یادگار چھوڑ گئے ہیں۔ ان کے دو فرزند تھے ایک میر محمد منعم اور دوسرے میر جنگلی۔

والد کے انتقال کے بعد میر محمد منعم کو شاہ جہاں کے عہد میں وہی عہدہ ملا اور انہوں نے زندگی کے دن بڑی عزت کے ساتھ گزارے۔ یہ بھی عمدہ اشعار کہتے تھے جن میں ”حسینی“ تخلص کرتے تھے۔ ایک رنگین دیوان یادگار چھوڑ گئے ہیں۔ میر جنگلی نے بھی اپنی عمر عزت و حشمت کے ساتھ گذاری اور اپنے بعد تین فرزند میر رضا علی، میر کامران اور میر محمد اشرف یادگار چھوڑ گئے۔

میر کامران خاندان کی ناک تھے۔ مذکورہ عہدے پر فائز رہتے ہوئے انہوں نے زندگی کے دن نہایت امارت اور کامیابی کے ساتھ گزارے۔ ان کے دو فرزند ہوئے ایک میر علی یار اور دوسرے میر اللہ یار۔ میر علی یار حال ہی میں فوت ہوئے ہیں ان کی نشانی کے طور پر ان کے ایک فرزند موجود ہیں۔

### بکھر کے سادات رضویہ

ان کے بزرگ بکھر میں صفات حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ کے اعتبار سے مشہور اور نسبی صداقت میں معروف ہیں۔ ان میں سے :

[سید عبدالرزاق] سید عبدالرزاق بن سید جادم عرف جادو، سید محمد یوسف کے، جن کا ذکر آگے چل کر ہوگا، بھائی ہیں۔ ان کی آمد کی تفصیل معلوم نہیں ہو سکی ہے۔ وہ اپنے وقت کے

مقتدر بزرگ تھے ان کی کوئی اولاد یادگار نہیں ہے۔ ان کا مزار شیخ حماد جمالی کے مقبرے کے عقب میں قاضی [۵۰۳] عبد اللہ کے مربع کے مغرب میں عوام و خواص کی مشہور زیارت گاہ ہے۔

[میر محمد یوسف] میر محمد یوسف بن میر جادم نے سید مبارک شاہ سے فیض حاصل کیا تھا اور سید محمد جونپوری کے ایک مرید عالی شیخ دانیال کی نظر عنایت کے تربیت یافتہ تھے۔ یہ اپنے بکھر میں رہنے والے حقیقی اور چچازاد بھائیوں سے علیحدگی اختیار کر کے ٹھٹھے میں آکر سکونت پذیر ہوئے۔ زیادہ تر یہ مکلی میں اس مقام پر گوشہ عبادت میں مصروف رہا کرتے تھے جہاں میران سید محمد مہدی جونپوری آکر منزل انداز ہوئے تھے، یہ مقام سرائیوں کا مقام شادمانی ہے اور جہاں سلطان سامیو کی عبادت گاہ تھی۔

[نقل] سید عبدالکریم ہاڑی والے سے نقل ہے کہ سید ابراہیم بخاری نامی ایک ہندوستانی درویش مذکورہ گاؤں میں آئے تھے۔ میں انہیں صاحب حال دیکھ کر ان کی خدمت کیا کرتا تھا۔ ایک دن انہوں نے مجھ سے سندھ کے زندہ پیروں کے متعلق دریافت کیا۔ میں نے ہر ایک کا نام لے کر ان کی صفات بیان کیں۔ سب کے متعلق سن کر انہوں نے کہا کہ ”تم نے جو صفات بیان کی ہیں اس کے مطابق سید محمد یوسف ہی ایک مقتدر بزرگ اور ولایت معرفت کے بادشاہ معلوم ہوتے ہیں۔“ پھر کچھ عرصے کے بعد وہ مسجد سے غائب ہو گئے۔ میں نے انہیں بہت تلاش کیا لیکن کوئی پتہ نہ چلا۔ آخر اسی دن یاد آیا

اور دل میں میں نے کہا کہ وہ شاید سید محمد یوسف کی زیارت کے لئے گئے ہوں۔ [چنانچہ] میں فوراً روانہ ہوا۔ مکلی میں مذکورہ مقام پر پہنچ کر میں نے فقیر کو سید کی خدمت میں نہایت محظوظ اور باحضور دیکھا۔ چونکہ فقیر مذکور اس وقت سرو پا برہنہ تھے اور سیر و سیاحت کا عزم مصمم کئے ہوئے تھے اس لئے سید موصوف نے انہیں نعلین مبارک پہننے کے لئے دیدیئے۔ درویش نے مجھ سے فرمایا کہ ان کی ٹوہی بنوا کر لے آؤ۔ [چنانچہ] میں ٹھٹھے جا کر ٹوہی بنوا لایا۔ اسے پہن کر درویش روانہ ہو گئے۔ میں بھی [۵۰۴] پیچھے ہولیا۔ آخر وہ جا کر اس کشتی پر سوار ہوئے جو بندرگاہ سے سمندر کی طرف جا رہی تھی۔ میں نے ان سے ساتھ لے چلنے کی درخواست کی مگر انہوں نے قبول نہ کیا۔ میں نے دعا چاہی، انہوں نے فرمایا کہ ”عشریب تیرا حکم مندہ میں جاری ہوگا“۔

غرض سادات کی کرامتیں بیان سے باہر ہیں۔ ان کی درگاہ عقیدہ صادق رکھنے والوں کی مصیبتوں کے لئے ذریعہ نجات اور خدام کے لئے باعث فخر و مباہات ہے۔

عباسی قاضیوں [کے خاندان] میں شادی کر کے انہوں نے برگزیدہ اور صاحب حالی و قال اولاد چھوڑی۔ ان کی دختر محترمہ سن بلوغ کو پہنچیں تو انہوں نے اپنے بڑے بھائی میر کمال الدین کے فرزند سید اسحاق کو بکھرے بلا کر ان سے شادی کر دی۔ ان کی بھی نیکوکار اولاد یادگار رہی جن کا ذکر آگے چل کر آئیکا۔

[سید ابراہیم] میر محمد یوسف رضوی کے ہرمیزگار فرزندوں

میں سید ابراہیم ممتاز اور صاحب کرامت بزرگ ہو گزرے ہیں۔ ایک دن لڑکپن میں انہوں نے آکر والد بزرگوار کے حجرے کی زنجیر کھڑکائی۔ [انہوں نے] پوچھا ”کون ہے؟“۔ جواب دیا ”سید ابراہیم“۔ [اس پر انہوں نے] فرمایا کہ ”[صرف] فقر یا صرف ابراہیم کہنا چاہئے تھا۔ ایسا کہنے سے نہ عزت کم ہوتی ہے اور نہ ویسا کہنے سے کوئی عظمت حاصل ہوتی ہے۔“ بس اس قدر کہنے سے اس با توفیق کوراء فقر میں گامزن ہونے کی توفیق نصیب ہو گئی اور وہ بڑے بلند مرتبے پر فائز ہو گئے۔

[سید اسحاق] مذکورہ سید اسحاق بھی اپنے والد چچا اور دیگر بزرگوں کی مانند مرتبہ بزرگی میں اپنے وقت میں مشہور و معروف ہو گزرے ہیں۔ یہ اپنے چچا کے پہلو میں مدفون ہیں اور پیر ”پردہ سی“ کے نام سے مشہور ہیں۔

[سید کمال الدین] ان کے فرزند سید کمال الدین، سید محمد یوسف کے نواسے اور اپنے دادا بزرگوار کے جو بکھر میں مدفون ہیں مہنام [۵۰۵] تھے۔ یہ کمالات ظاہری و باطنی میں ممتاز تھے۔ ان کی اولاد میں سے کچھ نام بیان کئے جاتے ہیں۔

سید محمد جعفر۔ یہ سید محمد یوسف کے پوتے اور ان کی مسند کے مالک ہیں۔ سید عبدالکریم کے سلسلے میں داخل ہو کر انہوں نے پہلے زائرین کی اس جماعت کی مہمانی اپنے ذمہ لی تھی جو ٹھٹھے سے بلڑی جاتی یا آتی تھی لیکن بعد میں یہ [حدست] سید قلم مہدی کے سپرد کر دی۔

وہ بڑے صاحب کرامت [بزرگ] تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک بے بار و مددگار ضعیفہ اپنی تین نواسیوں کی شادی کی فکر میں حیران و پریشان ان کی درگاہ میں آکر ملتجی ہوئی۔ بالآخر ایک دن توجہ فرما کر انہوں نے اسے کچھ لکھ کر دیا اور فرمایا کہ ”اسے پیر دادن کے مزار کے سامنے والے خطے کی طرف لیے جا۔ وہاں تیجھے ایک آباد شہر نظر آئیگا جس میں شادی کے لئے تجھے جن چیزوں کی بھی ضرورت ہوگی وہ سب موجود ہونگی۔ وہاں سے اپنی ضرورت کے مطابق جو کچھ آٹھا سکے وہ ایک ہی مرتبہ اٹھالا اور دوبارہ کی امید نہ رکھنا۔“ [چنانچہ] اشارے کے مطابق اپنے بیٹے کے ساتھ جا کر ضعیفہ کپڑے، زیور، برتن، نقدی اور جو کچھ بھی اسے مطلوب تھا [وہاں سے لیے آئی۔ دوسری موتبہ بھی اس نے کچھ لانے کا قصد کیا لیکن [جب وہاں پہنچی] تو اسے کچھ بھی نظر نہ آیا۔

سید محمد عرف بہتو۔ سید محمد جعفر کے بعد ان کے فرزند سید محمد عرف بہتو دادا [بزرگوار] کی مسند پر متمکن ہوئے۔ فقر کے ساتھ انہیں [دولت] دنیا بھی حاصل تھی۔ بڑی عظمت کے ساتھ زندگی گذاری۔ ان کے حقانہ اشعار طالبین کے استفادہ فیض کے ساتھ یادگار ہیں۔

میر مرزائی۔ ان کے بعد ان کے فرزند میر مرزائی ملقب بہ سید محمد جعفر ثانی [اپنے] دادا کی مسند کے وارث ہوئے اور بزرگی کے ساتھ [۵۰۶] اپنی زندگی کے دن گزار گئے۔ اب سید ہلی حیدر بن میر مرزائی بزرگوں کے سجادہ نشین ہیں۔

[سید عنایت اللہ] مذکورہ سید کمال الدین کے فرزند سید عنایت اللہ خاصان خدا میں سے تھے اور عجیب کیفیات کے مالک

تھے۔ اپنے نامور فرزند میر کمال الدین احمد خان کی دولت و عزت کے ایام میں انہوں نے کبھی دنیا کی طرف رخ نہ کیا۔ بلکہ اپنی دو پاک بہنوں کے ساتھ بیٹے سے علاحدہ ہو کر ہمیشہ یاد الہی میں منہمک رہا کرتے تھے۔ یہ اپنے ہاتھوں محنت و زراعت کر کے [اپنی] روزی [خود] پیدا کیا کرتے تھے اور جو زائد [بچ] رہتا تھا اسے راہ خدا میں خیرات کر دیا کرتے تھے۔

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ان کی زراعت میں بڑی برکت ہوئی اور پیداوار دستور سے دو گنی [حاصل] ہوئی۔ [انہوں نے] فاضل رقم اپنے فرزند کو دی کہ پیر بیٹھہ جا کر اپنے مرحوم دادا کی اولاد کی دعوت کرے اور خود، بیٹے کی دنیوی شان و شوکت کے باوجود فقیرانہ لباس میں، بدھنا کاندھے پر رکھ کر، ہا پیادہ اس طرف روانہ ہوئے۔ [اس طرف] ان کے فرزند میر کمال الدین خان نے انواع و اقسام کے پُرتکلف کھانے تیار کرا کے زر نگار چینی کے برتن فراہم کر رکھے تھے۔ [انہوں نے دیکھا تو] پہلے تو ڈنڈا مار مار کے وہ سارے برتن چکنا چور کر دیئے جن کی قیمت ایک بڑی رقم تھی [اور پھر] کھانا کھانے کے وقت عادت کے مطابق وہ ایک ہی قسم کا کھانا لے کر بیٹھے اور پانی کا بدھنا جو وہ اپنے ساتھ لائے تھے اس سے پانی ڈال کر [کھانے کو] بے مزہ بنا کر کھانے لگے۔

کہتے ہیں کہ وہ اپنے فرزند کی حکومت کے ایام میں صرف دو یا تین مرتبہ ان کے گھر گئے تھے۔ [آخر میں] کشف کے ذریعہ جب انہوں نے دنیا سے [اپنی] رحلت کو قریب دیکھا

تو گھر کی چابیاں چھوٹی بہن کے [۷۰ء] حوالے کر کے [اس دار فانی کو] الوداع کہا۔ [ان کی] بڑی ہمشیرہ کو خیال ہوا کہ شاید ناراضی کی وجہ سے [انہوں نے] چابیاں میرے ہاتھ میں نہیں دیں۔ وہ اسی فکر میں غمگین رہنے لگیں۔ سید [موصوف] نے دل کی روشنی سے یہ بات معلوم کر لی اور فرمایا کہ: ”میں نے جان بوجھ کر تمہیں گھر کی دیکھ بھال کرنے کی تکلیف نہیں دی کیونکہ میرے بعد تم صرف چند دنوں کی مہمان ہو۔ چھوٹی بہن خاصی مدت تک زندہ رہے گی اس لئے اس ذمہ داری کے لئے موزوں ہے۔“ آخر کار یہی ہوا۔

[میر کمال الدین احمد خان اور ان کی اولاد] مذکورہ سید عنایت کے فرزند میر کمال الدین احمد خان، فاضل خان کی دامادی کی بدولت، جس کا ذکر آگے چل کر ہوگا، بڑی عزت نوکروں چاکروں اور اہم عہدوں کے مالک ہو کر وقت کے بیشتر بڑے آدمیوں سے ممتاز شمار ہوئے۔ وہ ظاہری لہات اچھی خاص رکھتے تھے اور کئی تصانیف کے مالک ہیں جن میں ”شرح دیوان حافظ“ اور ”اصلاحات رضویہ“ قابل ذکر ہیں۔ ان کی وفات سنہ ۱۱۳۲ھ میں ہوئی۔ ان کے سات بیٹوں میں سے تین بیٹوں کے اولاد ہیں۔

[ان میں سے] ایک میر مرتضیٰ ہیں جو تیس سال کی عمر میں کمالات کے جملہ فنون کے جامع ہوئے۔ یہ علمی فضائل کے علاوہ سپاہ گری کے جملہ فنون میں بھی بے نظیر تھے اور خوشخطی کی سات مختلف قسموں میں بھی کمال دسترس رکھتے تھے۔ مرزا صائب کے شاگرد ”آقا تہطیبا“ جب ٹھٹھے آئے تھے تو

ان کی طبع۔ [رسا] کو یہ حد پسند کر گئے انہوں نے ”الہام“ تخلص عطا کیا تھا۔

کہتے ہیں کہ ان کی تربیت ان کے نانا فاضل خان کی جانشینی کے لئے کی گئی تھی۔ فاضل خان کے رحلت بعد [بادشاہ] عالمگیر نے جانشینی کا مطالبہ کیا۔ مذکورہ میر ابھی روانگی کی تیاری ہی میں مصروف تھے کہ بادشاہ کے انتقال کی خبر ہر طرف مشہور ہو گئی۔ [چنانچہ] یہ دربار میں جا کر شاہ عالم بہادر شاہ [۵۰۸] کے حضور میں حاضر ہوئے اور طبع اقدس کو پسند آئے۔ اتفاقاً ان کی عمر کی بہار جو ابھی مائل ترقی تھی موت کے خزاں کا شکار ہو کر فنا ہو گئی۔ یہ واقعہ سنہ ۱۱۲۶ھ میں پیش آیا۔

ان کے فرزند میر ذوالفقار علی اس خاندان کے ناموروں کی حیثیت سے انتہائی بزرگی اور انسان دوستی کے ساتھ [زندگی گزار کر] حال ہی میں فوت ہوئے ہیں۔ انہوں نے کوئی اولاد نرینہ نہ چھوڑی۔

دوسرے میر غلام علی تھے۔ ان کے تین فرزند میر علی، نیاز علی اور میر راز علی [نامی] ہوئے۔ میر راز علی سنہ ۱۱۸۰ھ میں عنفوان شباب ہی میں جب کہ ان کی شادی ہونے والی تھی دوستوں کے دلوں پر داغ جدائی چھوڑ گئے۔ ان کی وفات پر ماتم عام اور دریائے غم کا طوفان آسٹھ ہڑا۔ اکثر شعرا نے درد مند دلوں میں چٹکیاں لینے والی تاریخیں کہیں۔ راقم الحروف نے [اس سلسلے میں] اس طبعزاد مصرعہ [تاریخ] پر اکتفا کی ہے۔ ع۔ ”بجوار رسول بافت مقام“۔



اب میر سہر علی اور میر نیاز علی بزرگوں کی یادگار ہیں ۔

مذکور میر کمال الدین کے [تیسرے] فرزند میر شاہ حیدر کی وفات کے بعد ان کے فرزند میر امیر علی اپنی اولاد سمیت نہایت انسان دوستی کے ساتھ محفل حیات میں رونق افروز ہیں ۔  
[میر محمد شفیع] مذکورہ میر محمد یوسف کی اولاد میں سید یار محمد کے فرزند میر محمد شفیع ملقب بہ لطف علی خان اپنی اولاد سمیت حکمرانوں کے طبقے میں مذکور ہو چکے ہیں ۔  
[یہاں] دوبارہ لکھنے کی ضرورت نہیں ۔

[میر محمد رفیع] مذکورہ سید کی اولاد میں میر محمد رفیع ایک خدا پرست بزرگ تھے ۔ یہ شہرت نا پسند کرتے تھے ۔  
اپنی زندگی کے دن پورے کر گئے ۔ [۵۰۹]

[میر نجم الدین] ان کے فرزند میر نجم الدین ، مخدوم محمد معین کے شاگرد اور بھانجے تھے ۔ استاد کی زندگی میں انہوں نے مدرسہ علمی کو انتہائی خوبی کے ساتھ آراستہ کر کے طلباء کی ایک جماعت کی تکمیل کرائی ۔ یہ عجیب [و غریب] تصانیف کے مالک ہیں ۔ منطقی کے رسالہ ”یکروزی“ کے تتبع میں انہوں نے اس سے بھی عمدہ اور بڑا رسالہ ، جس میں مختلف علوم آجاتے ہیں ، ایک دن میں تصنیف کیا ۔ فارسی میں انہوں نے نخشب سے بھی بہتر ”طوطی نامہ“ نثر میں لکھا ۔ یہ شعر بھی عمدہ کہہ لیتے تھے اور ”عزلت“ تخلص کرتے تھے ۔ ان کا دم غنیمت تھا لیکن تقدیراً زندگی نے وفا نہ کی اور وہ ستہ ۱۱۶۰ھ میں انتقال کر گئے ۔ ان کی اولاد میں میر نثار علی ایک خاص شان کے ساتھ حیات ہیں ۔

سید محمد یوسف کی اولاد میں سید محمد رضا ، سید محمد افضل ، اور سید محمد زمان وغیرہم جیسے کئی بزرگ صاحبانِ حال و قال ہو گزرے ہیں ۔ جن میں سے بہتوں کی اولاد خاندان کی شمع روشن کئے ہوئے ہے ۔ طوالت کے خوف سے اختصار سے کام لیا گیا ہے ۔

## سادات بخاری

[سید محمود بخاری] ، سید محمود بخاری بن سید حاجی حمید نظام الدین ، ارغونوں کے عہد میں کجرات سے آکر ٹھہرے کے محلہ سیٹہ میں سکونت پذیر ہوئے ۔ وہ مسجد فرخ اور عید گاہ کے امام اور خطیب تھے ۔ انہوں نے نہایت بزرگی اور فضیلت کے ساتھ زندگی گذاری ۔

سید طیب ۔ مذکورہ سید محمود کی اولاد میں یہ اپنے وقت کے نامور اور صاحب فضل و کمال بزرگ تھے ۔

[سید رحمت اللہ] ان کے بعد سید رحمت اللہ ان کی یادگار رہے ۔ کہتے ہیں کہ کمسنی میں ایک دن اپنے والد کے ساتھ وہ فرخ کی جامع مسجد میں [۵۱۰] تشریف رکھتے تھے کہ ایک ہا کمال درویش سید ابراہیم گودڑیہ نامی ، جن کے مطیع بیشتر جین تھے ، آکر مسجد کے دروازے پر بیٹھ گئے ۔ جب یہ فرزند و والد مسجد سے باہر لکھے تو انہوں نے ان کے والد سے درخواست کی کہ اپنا یہ فرزند راہ خدا میں مجھے دے دو۔ ان کے والد نے جو درویشوں پر بڑا اعتقاد رکھتے تھے فی الفور انہیں اس درویش کے حوالے کر دیا ۔ درویش انہیں اپنے ٹھکانے پر لے گئے جو مکی کے پہاڑی پر کلا کوٹ کے سامنے تھا ۔ [وہاں] کچھ مدت رہنے کے بعد جب اُس درویش نے انتقال کیا تو اپنا

کل علم [قلبی] انہیں عطا کر گئے ۔ سید رحمت اللہ دروہن کے بعد اپنی قدیمی راہ پر واپس لوٹ آئے اور پھر مریدی [کے سلسلے] کو [انتہائی وسعت و] عظمت دے کر اپنی عمر پوری کر گئے ۔

[سید جھنگل] ان کی اولاد میں سے سید جھنگل اپنے وقت کے مشہور [بزرگ] ہو گزرے ہیں ۔ سید میر جو نقارچیوں کے محلے میں رہتے تھے انہی کی اولاد میں سے تھے ۔ وہ بھی ایک ممتاز فرد تھے ۔ وفات کے وقت انہوں نے کوئی اولاد نہ چھوڑی ۔

[سید قاسم] سید قاسم بھی مذکورہ سید جھنگل کی اولاد تھے انہوں نے ابدالوں کی مانند زندگی گذاری اور لا ولد فوت ہوئے ۔

[سید لطف اللہ اور ان کی اولاد] مذکورہ سید محمود کی اولاد میں سے سید لطف اللہ موقع رانیہ میں جا کر سکونت پذیر ہوئے وہاں کے لوگ ان کے بڑے معتقد ہیں ۔ زراعت وغیرہ کا چالیسواں حصہ ان کے اور ان کی اولاد کے نام پر وقف ہے ۔ ان کے حالات عجیب و غریب بیان کئے جاتے ہیں ۔ راقم الحروف (میر قانع) کے دادا سید محمد کاظم ان کے داماد تھے ۔

مذکورہ سید لطف اللہ کے فرزند سید عبدالرزاق نے دروہشانہ و ہزرگانہ حال میں زندگی گذاری ۔ ان کے دو بیٹے ہوئے ایک سید محمد فاضل اور دوسرے سید ساجن ۔ [۵۱۱]

سید محمد فاضل شادی کے بعد مجذوب ہو گئے تھے ۔ اس حال میں ان سے بڑی بڑی کرامتیں ظاہر ہوا کرتی تھیں ۔

ارباب بولوے جو اس گاؤں کے رہنے والوں میں سب سے سین رسیدہ ہیں میں نے (قانع نے) سنا ہے کہ ”ایکبار میں نے کچھ زراعت کی تھی۔ مخدوم نوح کے فقرا میں سے ایک دوسرے سید، سید ساجن نامی ہمارے گاؤں میں رہا کرتے تھے [جنہیں ہم لوگ] ان کی بزرگی کے خیال سے بعض فصلوں کا چالیسواں حصہ اور کچھ نذرانہ پیر کے نام پر دیا کرتے تھے۔ میری کاشت کا چالیسواں حصہ مذکورہ دونوں سیدوں میں مشترک ہو گیا تھا۔ دونوں تقاضا کرتے رہے مگر اس خوف سے کہ مبادا ایک کو دوں اور دوسرے کا حق مارا جائے اور وہ ناراض ہو، خیرات کی ادائیگی میں میں ٹال مٹول کرتا رہا۔ بالآخر ایک دن عین بیداری میں ایک نورانی بزرگ نے مجھ سے فرمایا کہ ”سید محمد فاضل کا حصہ تو کیوں ادا نہیں کرتا؟“ کیا تجھے اپنی بہتری کا کوئی خیال نہیں ہے؟“ [چنانچہ] فی الفور وہ خیرات جو کل پانچ روپیہ تھی میں اپنے صافے کے کونے میں باندھ کر روانہ ہوا۔ راستے میں مجھے سید ساجن ملے اور انہوں نے کہا کہ ”میں اپنے دعوے سے دست بردار ہوا، تو سید فاضل کا حق ادا کر۔“ [یہ سن کر] میں وہیں سے سید فاضل کے گھر کی راہ ہوا۔ سید محمد فاضل پہلے ہی گھر سے باہر موجود تھے۔ [مجھے دیکھتے ہی] اپنے جذبے کے تقاضے کے مطابق انہوں نے مجھے گالی دے کر کہا کہ ”آخر کار تو نے تسلی حاصل کر لی نا، اب ہکڑی کھول اور خیرات دے۔“

مذکورہ سید عبدالرزاق کے فرزند سید ساجن بھائی کے بعد

خاص مدت تک بہتر حالت میں زندہ رہے۔ ان کی وفات کے دن راقم الحروف (قانع) معتبرین کی ایک جماعت کے ساتھ [وہاں] حاضر تھا۔ ان کی عجیب حالتیں اور کرامتیں دیکھی گئیں۔ اب ان کے فرزند سید ٹھاریو اور سید ڈاٹر ڈنہ باقی ہیں۔ [۵۱۲]

[سید محمد شجاع] مذکورہ سید بخاری کی اولاد میں سید محمد شجاع بن سید فیض اللہ بن سید فتح محمد بن سید جعفر بن سید جمال بن سید کمال، بزرگوں کے دستور کے مطابق، چالیستہ میں سکونت پذیر تھے۔ اور جامع فرخ اور عید گاہ کی امامت و خطابت کی خدمت سے سر بلند تھے۔ بزرگانہ حالت میں زندگی گزار دی۔ ان کی تاریخ وفات ”بجنت شد شجاع“ سے ایک ہزار ایک سو اڑتیس (۱۱۳۸ھ) نکلتی ہے۔

ان کے فرزند سید محمد اللہ مذکورہ خدمات کے علاوہ نہروں اور کنوؤں کی کھدائی اور ٹھٹھے کے قلمی کی تعمیر کی نگرانی کے ساتھ ساتھ بادشاہ کی جانب سے بیت المال (خزانہ شاہی) کے داروغہ کے منصب پر مامور ہو کر [اپنے] زمانے میں ممتاز رہے۔ اب ان کے فرزند سید روح اللہ اور سید علم الدین بزرگوں کی یادگار ہیں۔

[سید عبدالمجید اور ان کی اولاد]، سید عبدالمجید بن سید عبداللطیف بن سید عبدالرزاق بن سید اسماعیل بخاری۔ [ان میں سے] سید اسماعیل بخاری اور سید عبدالرزاق کا حال بیان کیا جا چکا ہے۔ میر عبداللطیف جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے سیوستان میں رہا کرتے تھے۔ سید عبدالمجید سیوستان سے ٹھٹھہ آئے اور شاہجہان کے دربار سے سیوستان کی تنخواہ کے عوض ٹھٹھہ

کی تنخواہ [کا پروانہ بھی] لیتے آئے۔ ان کی حویلی محلہ میرکان کے مشرق اور کشمشویں کے محلے کے عقب میں بیلہ کے کنارے تھی۔ بزرگی کے لحاظ سے وہ ایک بڑی جماعت کے پیر ہو گزرے ہیں۔ شیخ کالہ قریشی کی اولاد، پیر زادگان، ان کے مرید صادق تھے اور نذرو نیاز دیا کرتے تھے۔

ان کے فرزند سید عبداللطیف عرف مہتو اپنے عہد کے پکانہ روزگار اور صاحب کمال نکلیے لیکن عین شباب میں وہ انتقال کر گئے۔ راقم الحروف [قانع] ان کا حقیقی نواسہ ہے۔ ان کی کوئی اولاد نہ رہنے نہ تھی۔ فقیر [قانع] نے ان کے سال رحلت گیارہ سو چوبیس [سنہ ۱۱۲۴ھ] کے مطابق [مادہ تاریخ] آیت کریمہ — ”اللہ لطیف بعبادہ برزق من یشاء و هو الحکیم“ — (۱) [۵۱۳] سے اخذ کیا ہے۔

### سادات امیر خانی

ان کے جد امجد، میر ابوالبقا بن قاسم خان نمکین ہروی ہیں ملا میر سبزواری، نواب امیر خان کے لقب سے مشہور تھے، ان کا ذکر حکمرانوں کے بیان میں ہو چکا ہے۔

[میر ابوالکارم اور ان کی اولاد]۔ میر ابوالکارم متخلص بہ ”شہود“ بن نواب امیر خان، نے اپنے والد کے نواب ہونے کے باوجود راہ فقر اختیار کر کے کاملین کا مرتبہ حاصل کیا۔ حضرت سایمان علیہ السلام اور ہلقیس کی داستان کے متعلق ان کی

---

(۱) یعنی ”اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے، جسے چاہتا ہے رزق دیتا ہے اور وہ بڑا حکمت والا ہے۔“

ایک شاہکار مثنوی ” ہریخان سلیمان “ (۱) ہے۔ حد مشہور اور یادگار ہے۔ یہ علوم ظاہری میں بھی جامع تھے۔ سیوہن میں مدفون ہیں۔

ان کے فرزندوں میں سے میر امین الدین خان حسین جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے، حکومت ٹھٹھہ پر سر فراز ہو کر ہمیشہ کے لئے یہاں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔

میر امین الدین خان اسماعیل انہی کے فرزند تھے۔ وہ والد کے زندگی ہی میں اعلیٰ عہدوں پر فائز ہو کر ایک ممتاز رئیس ہو گذرے ہیں۔ قوت اور شان و شوکت کے اعتبار سے وہ امرا میں بے مثل تھے۔

ان کے فرزندوں میں سے میر محمد غوث، نواب خدا یار خان عرف میان نور محمد کے عہد میں عہدہ داروں کے بخشی اور ایک ممتاز بزرگ ہو گذرے ہیں۔

اب ان کے ایک فرزند میر محمد کریم الدین والد کے منصب پر فائز ہیں اور دوسرے [فرزند] میر ابوالسفاخر اسارت و بزرگی میں امتیازی زندگی گزار کر اپنا ایک فرزند یادگار چھوڑ گئے ہیں۔

نواب امین الدین خان کے فرزند میر محمد عطا نے بزرگوں کی پیروی میں بڑے اعزاز و افتخار کے ساتھ زندگی گذاری اور ان اوراق کی تحریر سے چار سال قبل دو فرزند یادگار چھوڑ گئے۔ [۱۰۸۰] میر محمد گدا بن نواب امین الدین خان حال ہی میں وفات پائی ہے۔ ان کے ایک فرزند ان کی یادگار ہیں۔

مذکورہ میر ابوالکارم ”شہود“ کے فرزند میر رضی الدین محمد اعلیٰ صفات سے موصوف تھے۔ اپنے وقت کے شاعر کامل ہو گزرے ہیں۔ ”قدائی“ تخلص کرتے تھے۔ صاحب دیوان ہیں۔ زمانہ ان کے اشعار سے ظاہری و باطنی کیفیات محسوس کرتا ہے۔ سنہ ۱۱۲۰ھ میں وفات پائی۔ اس کتاب کے موافق [میر قانع] نے لکھتے وقت یہ بیت ان کی تاریخ وفات کے مطابق کہی ہے:

بسکہ ہفتوں ہمہ کردند ہمتے  
”ہمتے رضی الدین“ شدہ تاریخ فتنے

ان کے فرزند رشید میر حیدر الدین ابو تراب متخلص بہ ”کامل“ ایک پرهیزگار، معبد اور معنی بزرگ ہو گزرے ہیں۔ ان کے کمالات [کی تفصیل] کے لئے دفتر درکار ہیں۔ کتنے ہی اہل دل ان کی صحبت ظاہری و باطنی کو سرمایہ فیض تصور کرتے تھے۔ اکثر رؤیا ان سے ارادتمندانہ سلوک رکھتے تھے لیکن انہوں نے دنیا کی طرف قطعی توجہ نہ کی اور ”کن فی الدنیا کانک غریب او ما بر سبیل“ (۱) کے حکم پر عمل کرتے ہوئے اپنی طویل عمر گزاری۔ ہندی اور سندھی ابہام، دوڑے اور کتبیت نیز فارسی میں ان کے فی البدیہہ کہے ہوئے [اشعار] مشہور ہیں۔ رالم الحروف (قانع) نے انہی استاد کامل کی خدمت میں مشق سخن کی ہے۔

میر حفیظ الدین بن میر حافظ الدین بن میر ابوالکارم ”شہود“ اس وقت کے ہاکمال اور صاحبان حال و قال میں برگزیدہ ہیں۔

(۱) یعنی ”دنیا میں اس طرح رہ کہ گویا تو ایک مسافر یا راہی ہے۔“



نثر و نظم میں ان کا [ترکہ] [۵۱۵] ذو معنی، سہ معنی بلکہ اس سے بھی زائد ایہام کے حکم میں موجود ہے۔ نگاہ کی کمزوری اور سماعت کا بھاری پن اگر انہیں معذور نہ رکھتا تو شعر و انشا میں وہ میر حیدر الدین ابوتراب کامل کے ثانی ہوتے۔ [یہ بھی] استاد کی مانند ہرہیزگار اور مجرد رہ کر زندگی گزار رہے ہیں۔ اگرچہ اس خاندان میں اور بھی بزرگ اور بزرگ زادے ہو گزرے اور موجود ہیں لیکن بندہ اپنی پابندی کے مطابق مذکورہ چند ناموں ہی پر اکتفا کرتا ہے۔

[سادات قاسم خانی] ان کے دیگر چچا زادوں کا قاسم خانی نام سے ایک بڑا مقتدر خاندان ہو گزرا ہے۔ انہوں نے زیادہ تر عہدیداروں کی حیثیت سے زندگی گزاری ہے ان میں :

قاسم خان نمکین کی اولاد میں سے میر محمد رحیم جن کا ذکر بکھر کے بیان میں ہو چکا ہے بڑے صاحب حال تھے۔

ان کے بعد میر محمد کریم بزرگوں کی پھروی میں اعلیٰ صفات سے موصوف رہتے ہوئے اپنا وقت پورا کر گئے اور کوئی اولاد یادگار نہ چھوڑی۔

مذکورہ قاسم خان کے پوتے ابوالنصر بھی بزرگوں کے طریقے پر زندگی گزار گئے۔

میر شیر افکن ان کے جانشین ہوئے۔ یہ اپنے وقت کے مقتدر بزرگ ہو گزرے ہیں۔ اپنے بعد وہ میر محمد عابد نامی اپنا ایک باہدایت فرزند چھوڑ گئے اور انہوں نے اپنی وفات کے بعد اپنی کوئی نشانی یادگار نہ چھوڑی۔

مذکورہ میر محمد قاسم خان کے پوتے میر محمد اسلم نے بھی

بڑی انسانیت کے ساتھ زندگی گزاری ۔ ان کے بعد میر محمد کامل کی باری آئی ۔ انہوں نے نیکو کاروں کے طریقے پر زندگی گزاری اور لاولد رہے ۔ [۵۱۶]

میر محمد نعیم بھی مذکورہ قاسم خان کے پوتوں میں بزرگوں کے ہرور رہے ۔ ان کے بعد میر محمد صالح عرف میر قلندر باقی رہے جنہوں نے ایک فرزند چھوڑ کر اس دنیا کو الوداع کہا ۔ اب بھی فرزند اس گھرانے کی [واحد] یادگار ہیں ۔

### سادات متفرق

اگرچہ آزاد منشوں کی اس سر زمین میں لا تعداد بزرگ ہو گذرے ہیں لیکن راقم الحروف نے تبرک کے طور پر چند ناموں پر اکتفا کی ہے ۔

سید محمد [اور ان کی اولاد] ۔ ان بزرگ کے اصلی وطن کے بارے میں کچھ نہیں معلوم ہو سکا اور ان کی اولاد میں بھی سوائے ذکر کردہ ناموں کے اور کسی کا ہتہ نہیں چل سکا ۔ البتہ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اپنے وقت کے ناموروں میں سے تھے ۔

ان کے فرزند سید محمد ہاشم ، مرزا جانی بیگ ترخان کے ہم عصر تھے ۔ انہوں نے مرزا موصوف کی مدح میں شاندار قصائد کہے ہیں ۔ ان کی تالیفات میں ایک نسخہ ”سیرالسلطین“ جو بہت خوب لکھا گیا ہے اور مرزا جانی کے نام پر موشح ہے ، یادگار [کے طور پر باقی] ہے ۔

مذکورہ سید محمد قاسم کے فرزند سید عبدالقادر اپنے دور کے ممتاز اور نامور بزرگ تھے ۔ سندھ کے اولیا کے بیان میں رسالہ

”حدیث الاولیا“ انہی کی یادگار (تصنیف) ہے۔

## سادات استر آبادی

[سید محمد باقر اور سید محمد طاہر] سید محمد باقر عرف اکرائی

اور سید محمد طاہر دلوال عرف ..... (۱) دونوں سید حسین صحرائی بن میر حیدر استر آبادی کے فرزند ہیں۔ ٹھٹھے میں شاہ منبہ کے مزار کے مغرب کی طرف محلہ بھائی خان میں اس مقام پر سکونت پذیر تھے جہاں بعد میں مرزا شاہ حسن کی حویلی اور اس کے بعد انگریزوں کی کولہی قائم ہوئی۔ [۵۱۰]

[سید محمد حسن اور ان کی اولاد] سید محمد حسن، مرزا باقی

کے ہم عصر اور اس سے متعلق تھے۔ میر طاہر متخلص بہ ”لسیانی“ انہی کے فرزند ہیں اور ”تاریخ طاہری“ ان کی مشہور تصنیف ہے۔ بہت دنوں سے ان کی اولاد [میں سے کچھ افراد] ایک حویلی میں سکونت پذیر ہیں اور باغائی و صحرائی ان کے لقب ہیں۔ ان کے بزرگوں کے مزار کی خاتقاہیں عبداللہ شاہ کی درگاہ کے عقب میں شمال کی طرف یادگار ہیں۔

[سید عبدالغفور اور ان کی اولاد] سید عبدالغفور جامع

کمالات بزرگ اور ممتاز افراد کی فہرست میں شامل ہیں۔ ان کے گھرانے کی تحقیقات نہیں ہو سکی ہے۔ ان کے دو فرزند سید عبدالرشید اور سید عبدالرؤف مشہور معروف ہیں۔

سید عبدالرشید اپنے دور کے علامہ تھے۔ عالمگیر کے عہد میں جہاں آباد (دہلی) میں انہوں نے بڑا نام پیدا کیا۔ ان کی تصنیفات میں دو فرہنگ عربی اور فارسی، منتخب ہیں اور

(۱) اس مقام پر خلا ہے اور کوئی عرفیت تحریر نہیں ہے۔

فن مناظرے پر ایک نسخہ ”رشیدی“ نامی مشہور ہے۔ وفات کے وقت ان کے کوئی اولاد نہیں تھی۔

سید عبدالرؤف اپنے عہد میں ممتاز تھے۔ انہوں نے بھی اپنے بعد کوئی اولاد نرینہ نہ چھوڑی۔ سید محمد شریف شیرازی کی اولاد میں سے میر لطف اللہ عرف میر لطف ان کے حقیقی نواسے ہیں۔

[میر محمد اور ان کی اولاد]۔ ان بزرگ کی اصلیت کی بھی اچھی طرح تحقیق نہیں ہو سکی۔ صرف اس قدر [معلوم ہو سکا ہے] کہ ان کے فرزند میر محمود، سادات قاسم خانی میں عقد کر کے قاسم خانی مشہور ہو گئے تھے۔ قصہ کوتاہ میر محمد بڑے مقتدر بزرگ ہو گزرے ہیں۔

ان کے فرزند میر محمود عرف میر محمودی اعلیٰ عہدیداروں کے زمرے میں شامل تھے اور انہوں نے بزرگوں کی صفات حمیدہ کے ساتھ زندگی گذاری۔ [۵۱۸]

ان کے بعد میر محمد بزرگ ان کے جانشین ہوئے۔ یہ اوصاف بزرگی میں ایک دنیا میں متعارف تھے۔ نہایت آسودہ حال رہ کر اور طویل عمر کو پہنچ کر انہوں نے انتقال کیا اور کوئی اولاد یادگار نہ چھوڑی۔

[سید محمد علی اور سید محمد باقر اور ان کی اولاد] موضع جون کے ساکن سید حمید کے فرزند سید محمد علی اور سید محمد باقر اصل میں بکھر کے رہنے والے تھے۔ ان کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ دونوں بزرگ آب و دانہ کے مطابق موضع جون سے ترک سکونت کر کے ٹھٹھے میں آکر بکھر کے سادات رضویہ کے محلے میں

اقامت پذیر ہوئے ۔

سید محمد باقر اپنے بعد میر عبدالستار کو [اپنی نشانی] چھوڑ کئے جنہوں نے اپنی مقررہ عمر، مذکورہ محلے میں گزار کر وفات پائی اور کوئی اولاد نہ چھوڑی ۔

سید محمد علی جو میر محمد فاضل کے جانشین ہوئے وہ اس محلے سے اُٹھ کر محلہ مسواک کشان میں جا کر رہنے لگے ۔ یہ خوشنویسی اور دیگر کمالات میں اپنے عہد میں ممتاز تھے ۔ ان کے بعد ان کے دو بیٹے رہے ۔ ایک سید محمد بزرگ اور دوسرے سید نظام الدین ۔ یہ دونوں بھائی عالمگیر کے ابتدائی زمانے میں دربار میں حاضر ہو کر شاہی عہدیداروں کے زمرے میں شامل ہوئے ۔

میر محمد بزرگ حافظ قرآن، طالب علم اور خوشنویس تھے اور شاہ ہند کے خوشنویس محمد شفیع کے شاگرد تھے ۔ مذکورہ کمالات کے اظہار کے بعد بادشاہ کے منظور نظر ہو کر حکم کے مطابق وہ کچھ مدت تک ہدایت اللہ ”زرین رقم“ کے شاگرد رہے ۔ سید نظام الدین، بادشاہ کی ہمرکابی میں دکن میں فوت ہو گئے ۔

قصہ کوتاہ، سید محمد بزرگ اکیس سال ہمرکب اور شاہزادہ محمد کام بخش کی مشق کے استاد رہ کر دین پرور بادشاہ کے فوت ہونے کے بعد ٹھٹھ چلے آئے اور سنہ ۱۱۰۲ھ تک نہایت بزرگی اور عزت کے ساتھ وقت گزار کے اسی برس کی عمر میں انتقال کر گئے ۔ [۵۱۹]

اب سید محمد بزرگ کے پوتے میر منور بن سید اعظم، فتح باغ

میں اقامت گزری ہیں۔

مذکورہ میر بزرگ کے چچا زاد بھائی سید عبدالرحیم بھی بڑے صاحبِ حال بزرگ ہو گزرے ہیں۔

ان کے بعد سید جلال نے پسندیدہ حال کے ساتھ زندگی گزاری اور اب سید جلال کے فرزند سید حامد مذکورہ محلے میں اس خاندان کی یادگار باقی ہیں۔

[سید میر محمد]۔ یہ ظاہراً ساداتِ مٹیاری میں سے ہیں۔ بزرگی اور عزت کے اعتبار سے یہ اپنے زمانے میں مشہور اور نشانیوں اور کرامتوں کی دنیا میں بے حد معروف تھے۔ یہ خواجہ محلے میں رہا کرتے تھے۔ موضعِ ببالائی کے باشندے جو زیادہ تر سومرہ ہیں، ان کے راسخ العقیدہ مرید ہیں۔ وفات کے وقت انہوں نے بھی کوئی اولاد نہ رہنے نہ چھوڑی۔

[سید سعد اللہ]۔ مذکورہ سید میر محمد کے نواسے سید سعد اللہ بن سید بیگ محمد ماؤندرائی، ان کی مسندِ بزرگی پر فائز ہو کر ہمیشہ تقویٰ، توکل اور تعبد کے ساتھ روپوش رہتے ہوئے، مریدوں کی ایک بڑی جماعت کے مرشد رہتے آئے۔ انہوں نے اسی برس کی عمر میں سنہ ۱۱۶۷ھ (۱) میں وفات پائی۔ اب ان کے خاص مرید عبدالکریم عرف مرزا کریم بیگ بن مرزا قلی بیگ سجاده نشین ہیں۔

### بزرگانِ علوی جامی

یہ باغِ بزرگی کے ماحصل، اور سرمایہ شرافت کی ماحصل

(۱) نسخہ ”ن“ میں ”در سال ہزار و صد و ہشتاد و ہفت“

(سنہ ۱۱۸۷ھ) ہے۔

ہیں۔ ان میں کے بزرگ [مندرجہ ذیل ہیں]۔

[خواجہ محمد اور ان کی اولاد] بیروں کے پیر، احمد جام

جن کی بزرگی قلم کی تحریر اور سمجھنے سمجھانے سے بالاتر ہے اور  
جن کا ذکر جلد دوم میں مشائخین کے بیان [۵۲۰] میں مذکور ہے،  
خواجہ محمد بن خواجہ احمد انہی کی اولاد میں سے ہیں۔ یہ  
بزرگ اتفاقاً اپنے وطن جام نگر سے آکر ٹھہرے میں منزل انداز  
ہوئے اور پہلے تو رشتہ داری کی وجہ سے قاسم خانیوں کے پاس  
مقیم رہے اور بعد میں آٹھ کر اس محلے میں چلے آئے جہاں  
آج کل رہتے ہیں۔ ان کی عظمتوں کا کمال ہر قائل کی قال  
سے بلند ہے۔ چونکہ تیموری خاندان کے بادشاہ شروع سے اس  
گہرانے کے مرید ہیں اس لئے جہانگیر کے عہد میں ٹھٹھ شہر  
میں رہ کر یہ بزرگ انتہائی محترم بلکہ اکثر مقتدر افراد کے  
پیشوا ہو کر رہے۔

ان کی وفات کے بعد ان کے فرزند خواجہ احمد والد بزرگوار  
کے قائم مقام ہوئے۔ انہوں نے مقتدر ترین بزرگوں اور برگزیدہ  
ترین درویشوں کے سلسلے میں رہ کر زندگی گزاری اور دو فرزند  
خواجہ عطا اللہ اور خواجہ امان اللہ نامی یادگار چھوڑ گئے۔

خواجہ عطا اللہ انتہائی طاقت اور بزرگی کے ساتھ ساتھ بے حد  
سخی بھی ہوئے ان کی سخاوت دلی و دستی کے بارے میں بہت  
کچھ قصے مشہور ہیں۔

کہتے ہیں کہ ایک دن وہ اپنے گھر کے دروازے پر بیٹھے  
ہوئے تھے کہ ایک عورت بازار سے ہوتی ہوئی آدھرا آنکلی اور  
خواجہ کے دیکھتے ہی اس نے اپنے منہ پر چادر ڈال لی۔

خواجہ نے خوش طبعی کے طور پر کہا کہ ”اے نیک عورت! بازار سے تو یونہی تو منہ کھولے ہوئے گذر کر آئی ہے لیکن اب کیا ہو گیا ہے کہ مجھے دیکھتے ہی منہ ڈھانپ لیا؟“ اس نے جواب دیا کہ جن کے سامنے میں منہ کھولے پھری ہوں وہ [دائرہ] انسانیت سے باہر تھے لیکن آپ کو ایک حقیقی انسان دیکھ کر پردہ کیا ہے۔“ خواجہ اس نیک عورت کے اس جواب سے بے حد خوش ہوئے۔ اتفاقاً اسی وقت ان کی جاگیر ”کھاٹ“ سے تقریباً سو رخسار غلہ آیا ہوا تھا۔ انہوں نے کماشتوں کو حکم دیا کہ یہ سارا غلہ اس عورت کے گھر لے جاؤ کیونکہ اس نے مجھے انسانوں کے گروہ میں شمار کیا ہے۔ [۵۲۱]

ان کی وفات کے بعد ان کے نامور فرزند خواجہ محمد ہاشم ان کے جانشین ہوئے اور آج کل ان کے فرزند خواجہ رحمت اللہ اور خواجہ فتح اللہ حیات ہیں۔

خواجہ امان اللہ بزرگی کی اعلیٰ صفات کا مجموعہ اور صاحبان کمال کے مرجع تھے۔ انہوں نے وادی شعر میں بھی اپنے جھنڈے کاڑ دیے ہیں۔ ان کی تصنیفات میں ”بہمن نامہ“ جس میں سات داستانیں نظم ہیں اور ”ہفت اختر“ جس میں سات کہانیاں ہیں ان کی باقیات سے ہیں۔ انہوں نے اپنے بعد تین فرزند چھوڑے۔

ایک خواجہ خیر اللہ : اب ان کے فرزند محمد خلیل موجود ہیں۔ دوسرے خواجہ فضل اللہ : ان کے تین فرزند خواجہ سیف اللہ، خواجہ سعد اللہ اور خواجہ شہر اللہ نامی میاں عبدالملک کی اراضی میں پیرزادوں کے پاس رہتے ہیں۔ تیسرے [فرزند] خواجہ عنایت اللہ تھے۔ اور ان کے فرزند خواجہ اسد اللہ تھے اور اب



## تحفۃ الکرام

خواجہ اسد اللہ کے فرزند خواجہ امیر اللہ موضع ”کھچہ“ میں وہاں کے پیرزادوں کے پاس رہتے ہیں جو ان کے ماموں ہیں۔

[خواجہ شہاب الدین اور ان کی اولاد] خواجہ [عبید اللہ] احرار

کی اولاد میں خواجہ شہاب الدین بن خواجہ میر کمال الدین، علوی بزرگ ہیں۔ چونکہ ہمایوں بادشاہ نے ایران سے واپس ہوتے وقت اپنے سابقہ ارادے کے مطابق خواجہ میر کمال الدین کی زیارت کا شرف حاصل کر کے اعانت دعا کی درخواست کی تھی اس لئے جلال الدین محمد اکبر بادشاہ نے قدیمی مریدی اور والد کی عقیدتمندی کے حقوق کے خیال سے مذکورہ خواجہ کمال الدین سے زیارت کی استدعا کی تھی۔ انہوں نے اپنی ضعیفی کا عذر پیش کر کے اپنے فرزند خواجہ شہاب الدین کو بادشاہ کے حضور میں روانہ کیا [چنانچہ] وہ کافی عرصہ تک شاہی دربار میں رہنے کے بعد والد کی خدمت میں واپس آ گئے۔ [۵۲۲]

پھر ایک مدت کے بعد خواجہ میر شہاب الدین جو میر محمد حسین گیلانی کی صاحبزادی سے منسوب تھے، عقد کرنے کے ارادے سے والد بزرگوار سے اجازت لے کر اس طرف آئے اور مراد حاصل کر کے آب و دانے کی کشش کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے یہیں رہ گئے یعنی ایک عرصے تک شان و شوکت کے ساتھ زندگی گزار کر انتقال کر گئے۔ [مذکورہ] میر محمد حسین، شاہ بیگ کے ساتھ آ کر ٹھٹھے میں رہ پڑے تھے۔

خواجہ کمال الدین مذکور بھی ہرات سے ہجرت کر کے ارغونوں کے ساتھ ٹھٹھے آئے تھے۔ جاگیر کی وجہ سے انہوں نے کلان کوٹ کی رہائش اختیار کی اور وہیں فوت ہوئے۔ ان کا

مزار فتیحی کے ٹیلے پر ہے جو فتیحی نگر [کے نام سے] مشہور ہے۔ ان کے بعد ان کے چار فرزند رہے۔ ایک خواجہ میر نجم الدین دوسرے خواجہ میر شمس الدین تیسرے خواجہ میر رضی الدین اور چوتھے خواجہ میر شہاب الدین جن کا ذکر کیا گیا۔

ان کے (خواجہ شہاب الدین کے) بعد خواجہ میر ابو تراب ان کی یادگار رہے۔ وہ زیادہ تر اپنی جاگیر میں نیروں کوٹ رہا کرتے تھے۔ ان کے نام کا ایک باغ ہے جس کا اب صرف نام باقی ہے۔ وفات کے بعد وہ وہیں دفن ہوئے۔

ان کے بعد ان کے فرزند خواجہ میر قاسم نے اپنے برگزیدہ خصائل سے ٹھٹھے میں بزرگوں کا نام روشن کیا۔

ان کے بعد خواجہ محمد میر بزرگوں کی مسند پر بیٹھے اور فضیلت و بزرگی کے ساتھ زندگی گذاری۔

ان کے بعد خواجہ محمد شریف نے بزرگوں کے چراغ کو خوب روشن کیا۔ خوشنویسی میں [خاص طور پر] وہ اپنے زمانے میں مشہور رہے۔ میر سید علی خوشنویس کے شاگرد تھے۔

پھر ان کے بعد خواجہ مرتضیٰ نے قابلیت اور انسانیت میں مشہور ہو کر اپنی موروثی بزرگی کا نشان روشن رکھا۔ آغاز ولادت سے لے کر اس وقت تک وہ [۵۲۳] نامور افراد کے زمرے میں شامل اور حیات میں۔ یہ پہلے، صاحبزادہ محمد داؤد خان کے پاس ملازم تھے، اس کے بعد میاں نور محمد کی ملازمت میں اور ان کے بعد محمد مراد یاب خان کی بارگاہ میں منسلک رہے۔ اس کے بعد انھوں نے میاں غلام شاہ کی ملازمت اختیار

کی اور اب محمد سر فراز خان فرمائوئے سندھ کے حضور میں ایک معتمد ملازم ہیں۔ یہ مثل خوشنویس ہیں۔ ساتوں خطوط میں ان کا کوئی ثانی نہیں۔ طبابت میں یہ میر عبدالرزاق متخاص بہ ”مشرّب“ کے شاگرد ہیں۔ ان کا ہاتھ امراض کی شفا میں تبرک کا حکم رکھتا ہے۔

### سادات حسینی کا طبقہ

[سیر محمد حسین ایران کی اولاد]۔ میر محمد حسین گیلانی

ہروی، انہیں میں سے ہیں۔ یہ کمال و بزرگی سے مزین بزرگ ہرات سے ہجرت کر کے شاہ بیگ کے ساتھ ٹھٹھ آئے تھے اور آکر اس محلے میں سکونت پذیر ہوئے تھے جہاں اب خواجہ محمد مرتضیٰ کی سکونت ہے۔ خواجہ سیر شہاب الدین جن کا ذکر کیا جا چکا ہے ان کے داماد تھے۔

ان کی وفات کے بعد ان کے فرزند میر عبد اللہ سلق بہ نازک، والد کے جانشین ہوئے۔ ان کے بعد میر عبد اللطیف اہلی نازک طبعی اور پاکیزہ خصائل میں مشہور ہوئے۔ ان کے بعد میر عبدالعزیز اپنے وقت کے عزیز ہو گزرے اور ان کے بعد سید عبد اللہ ثانی نے کمال عزت کے ساتھ بزرگوں کا نام زندہ رکھا۔

ان کے بعد اس خاندان کے خاتم سید محمد رضا نے بزرگالہ حال میں زندگی گذاری۔ ان کی وفات ٹھٹھ کے گورنر خواجہ محمد خلیل کے ایام میں ہوئی تھی۔ ان کے بعد ان کی اولاد میں کوئی باقی نہ رہا۔ پہلے جس طرح کہ خواجہ میر شہاب الدین میر محمد حسین کے داماد ہوئے تھے۔ اسی طرح بزرگوں کی یہ رسم ہمسالہ گان میں بھی چلی آتی ہے اور خواجہ

محمد شریف ، میر محمد رضا کے داماد ہوئے اور اب خواجہ میر محمد مرتضیٰ ، میر محمد رضا کے نواسے ہیں ۔ [۵۲۴]

[سید نور شاہ اور ان کی اولاد] اس کے بعد پیران پھر کی اولاد میں سے سید نور شاہ نواح ٹھٹھہ میں تشریف لائے ۔ پہلے وہ نادرہ (۱) میں رہے اور اس کے بعد خاصی مدت تک ”کھچہ“ میں اقامت اختیار کی ۔ ان کے مکانات ٹھٹھہ کے محلہ شورہ میں مشہور ہیں ۔ ٹھٹھہ کے اکثر خلفا ان کے سرداری کے قایل ہیں ۔ ان کی وفات کے بعد ان کے فرزند خلیفہ برخوردار ، علم و معرفت کے برخوردار دار بن کر والد کے جانشین ہوئے ۔ ان کے بعد خلیفہ ہر شاہ نے بزرگی کے ساتھ اپنا دور گزارا ، جن کے بعد سید نور شاہ بزرگوں کے وارث ہوئے ۔ اب سید پینی لدھو اس نامور خاندان کے بزرگوں کی یادگار ہیں اور ”کھچہ“ میں رہائش رکھتے ہیں ۔ [شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی کی اولاد مقدس کے گہرائے کا

طبقہ : یہ سارے سندھ کے بزرگوں میں سب سے قدیمی اور سادات کرام کے بعد سب سے زیادہ با عزت ہیں ۔

[پیر شیخ عالی اور ان کی اولاد] پیر شیخ عالی ، شیخ بہاؤ الدین ملتانی کے پوتوں میں سب بڑے پیر ہیں ۔ تورخانی عہد میں یہ درویشوں کی مانند تنہا سیر کرتے ہوئے ٹھٹھہ آکر اس مقام پر منزل انداز ہوئے جہاں اب ان کی اولاد سکونت پذیر ہے ۔ [پہلے] وہاں میر سید علی شیرازی کا باغ تھا ۔ رھٹ کی آواز سن کر شب ہاشی کے ارادے سے وہ ایک

(۱) بمبئی کے مطبوعہ نسخے میں اس مقام پر ”نارہ“ ہے ۔ صحت میر مراد علی خان کے مذکورہ نسخہ کے مطابق کی گئی ہے ۔

درخت کے نیچے ٹھہر گئے تھے۔ باغبان شام کے وقت رھٹ کے پیل کھول کر شہر کی طرف چلا گیا۔ لیکن چونکہ رھٹ کی آواز سے شیخ کے دل کا تعلق پیدا ہو گیا تھا اس لئے قدرت خداوندی سے بیلوں کے بغیر رھٹ ساری رات چلتا رہا۔ صبح کو باغبان نے آکر دیکھا تو [اسے معلوم ہوا کہ] رھٹ ساری رات چلتا رہا ہے اور ہانی کیاریوں [۵۲۰] کی ضرورت سے زیادہ بچہ جانے سے بعض پودوں کو نقصان پہونچا ہے۔ وہ درویش پر رھٹ چلانے کی تہمت لگا کر سید علی کی خدمت میں فواد لے کر گیا کہ یہ حرکت کر کے درویش نے کتنے پودوں کو نقصان پہونچایا ہے۔ سید موصوف نے نوکروں کو درویش کے نکال باہر کرنے کا حکم دیا۔ اس سختی پر جب درویش باغ سے باہر چلے تو وہ درخت جس کے سایہ میں وہ بیٹھے تھے اور پھولوں کا وہ کنج جس کے دیدار میں وہ مشغول تھے درویش کے ساتھ ساتھ کھسکنے لگا۔ لوگوں نے درویش کا یہ کرشمہ دیکھ کر سید علی سے بیان کیا۔ سید موصوف خود بھی صاحب دل تھے اور درویشوں کی خدمت کو سرمایہٴ سعادت تصور کرتے تھے۔ یہ خبر پاتے ہی وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور بھاگتے ہوئے آکر درویش سے محققانہ ملاقات کی۔ اس قطعہٴ باغ سے درویش کا دلی شوق ملاحظہ کر کے وہ ساری اراضی انہیں نذرانے کے طور پر بخش دی۔ اس کے بعد شیخ کا غلغلہ بلند ہوا اور ایک دنیا نے ان کی مریدی کی سعادت حاصل کی۔ وہ اپنا بیشتر وقت اسی قطعہ میں گزارا کرتے تھے جس میں اب دفن ہیں۔ کچھ عرصے کے بعد انہوں نے

شادی کی جس سے ان کے چار فرزند ہوئے ۔

۱۔ ابو محمد ۔ ان سے کمسنی ہی میں بڑی کرامتوں ظاہر ہوا کرتی تھیں ۔ کہتے ہیں کہ ایک دن وہ بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ان کی ہنڈلیاں کیچڑ اور مٹی سے سنی ہوئی نظر آئیں ۔ خادموں کے دریافت کرنے پر انہوں نے بتایا کہ ایک خادم کشتی میں سوار چلا جا رہا تھا کہ وہ کشتی دلدل اور کیچڑ میں پھنس گئی ۔ اس نے مجھے یاد کیا ۔ اس وقت میں اس کی کشتی کو نکال کر آ رہا ہوں ۔ کچھ عرصے کے بعد اسی خادم نے آکر وہی حال اس تاریخ کے مطابق بیان کیا ۔ انہوں نے والد کی حیات ہی میں انتقال کیا ۔

۲۔ صالح محمد عرف فاضل ۳۔ ولی محمد ۔ یہ دونوں بھائی بھی والد کی زندگی ہی میں فوت ہوئے ۔ [۵۲۶]

۳۔ شیخ محمد واصل ۔ یہ والد بزرگوار کے کالات سے موصوف ہوئے ۔ والد کے ہوم وفات پر درویشوں کے دستور کے مطابق یہ میلہ منعقد کیا کرتے تھے ۔ جو تین دن تک جاری رہا کرتا تھا ۔ سید علی شیرازی کے فرزند سید جلال نے اس رشک کی وجہ سے یہ میلہ بند کرادیا کہ ان کا میلہ سید علی کے میلہ سے پہلے ہوا کرتا تھا اور فقرا ان کے میلے سے ہو کر پھر سیدوں کے میلے میں پہنچا کرتے تھے ۔ سیدوں کی ممانعت کی وجہ سے فقرا ان کے میلے میں حاضر نہ ہوئے لیکن اتفاق ایسا ہوا کہ وہ فقرا جو دوسرے دیہاتوں سے آکر میلہ جمایا اور سماع [منعقد] کیا کرتے تھے ، وہ سیدوں کے میلے میں بھی نہ آئے ۔ اس پر سید جلال فکر مند ہو گئے اور مراقبہ کر کے انہوں نے

معلوم کیا کہ فقرا کے نہ آنے کا سبب صرف پیر شیخ عالی کے میلے کی بندش ہے۔ [تب] انہوں نے شیخ محمد واصل سے دوستی کی راہ ہموار کر کے دستور کے مطابق انہیں میلے کی اجازت دیدی تو اسی دن سارے فقرا آ پہنچے۔ انہوں نے جب فقرا سے تاخیر کا سبب دریافت کیا تو فقیروں نے بیان کیا کہ ہم سارا دن سفر کرتے تھے مگر رات کو پھر اسی مقام پر ہوتے تھے [جہاں سے چاتے تھے]۔ راہ اور نشان تلاش کرنے کی بے حد کوشش کی لیکن تل برابر بھی فرق نہ معلوم ہو سکا۔ لیکن آج بغیر کسی پریشانی کے تین دن کا بلکہ اس سے بھی زیادہ کا فاصلہ طے کر کے یہاں پہنچے ہیں۔ اس وقت سے لے کر دونوں پیروں کے درمیان دوستی کا رشتہ قائم ہو گیا اور وہ ایک دوسرے کے میلے میں فقیروں سمیت حاضر ہوا کرتے تھے۔ یہ رسم اب تک قائم ہے۔

شیخ محمد واصل کی صاحبزادی کا عقد شاہ عبد اللہ قریشی ملتانی کی اولاد میں سے ایک فرد شیخ ضیا الدین (۱) کے ساتھ کیا گیا جس سے شیخ محمد ملوک (۲) نامی ایک فرزند پیدا ہوئے اور صفر سنی ہی میں انتقال کر گئے۔ [اس کے بعد] شیخ ضیا الدین خود بھی سیر کی غرض سے ہندوستان چلے گئے اور پھر واپس نہ ہوئے۔ [۵۲۷]

[شیخ محمد رضا اور ان کی اولاد] ان کے بھائی شیخ محمد رضا یہیں رہے اور شیخ محمد واصل کی وفات کے بعد ان کی اپنی

(۱) نسخہ ”ن“ میں ”بہاؤ الدین“ ہے۔

(۲) نسخہ ”ن“ میں صرف ”محمد“ ہے۔

اولاد نہ ہونے کی وجہ سے پیر شیخ عالی کی مسند کے وارث ہو کر انہوں نے بزرگانہ خصوصیات سے موصوف رہتے ہوئے اپنی زندگی گذاری ۔ [موضع] کھارا تعلقہ ککراالہ کے قریشی پیرزادگان ان کے چچا زاد اور دادا کی اولاد میں ہیں ۔

شیخ محمد رضا کے بعد ان کے فرزند شیخ زین العابدین عرف شیخ مشہن مسند بزرگی پر فائز ہوئے ۔ ابتدا میں انہوں نے بڑی کرامتیں ظاہر کیں لیکن آخری زمانے میں خود کو اس سے باز رکھ کر پردہ کرنے کی کوشش کرتے رہے ۔ بالآخر طویل عمر پا کر نہایت عزت و احترام کے ساتھ انہوں نے وفات پائی ۔

اب ان کے فرزند دائم شاہ بزرگوں کے جانشین ہوئے ۔ دائم شاہ کے بعد ان کے فرزند میاں بھورو اور کچھ برسوں کے بعد شیخ زین العابدین عرف میاں متن کے دوسرے فرزند میاں ورباہ مسند نشین ہوئے ۔ سنہ ۱۲۰۱ھ میں میاں ورباہ نے وفات پائی اور مذکورہ شیخ کے تیسرے فرزند شیخ غلام شاہ سجادہ نشین ہوئے ۔

شیخ کالہ قریشی [ اور ان کی اولاد ] شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی کی اولاد میں یہ ، صاحب مناقب ، دریائے کرامت اور یگانہ روزگار بزرگ توخانو کے عہد حکومت میں ٹھٹھہ آئے ۔ چونکہ سندھ کے بیشتر لوگ اسی خاندان کے مرید تھے اس لئے خورد و کلاں سب ان کی تشریف آوری کو تبرک تصور کرنے لگے ۔ خسرو خان چرکس نے جس کا ذکر کیا جا چکا ہے اپنی بیٹی کو عقد میں دے کر ان بزرگ کو اپنا گھر داماد بنالیا ۔



یہی سبب ہے کہ شیخ کی اولاد خسرو خان کی حویلی میں رہتی ہے۔

ان کی وفات کے بعد ان کے خدا آگاہ فرزند شاہ عبد اللہ ان کے جانشین ہوئے۔ [۵۲۸]

ان کے بعد ان کے حقیقت شناس اور عارف کامل فرزند شیخ رحمت اللہ [سجادہ نشین] رہے۔ اپنی مقررہ عمر پوری کرنے کے وقت انہوں نے دو نامور فرزند چھوڑے۔

ایک شیخ عبدالباقی ہیں۔ انہوں نے خسرو خان جرحس کے عہد میں شان سے وقت گزارا۔ پہلے تو نصرپور کے حاکم ہو کر نوکر چاکر، غلاموں اور خدمتکاروں کے مالک ہو کر رہے اور آخر میں بزرگوں کی راہ اختیار کر کے اس دارالفنا سے دارالبقا کی جانب رحلت کر گئے۔

ان کے بعد شیخ عماد الدین نے شان کے ساتھ دین و دنیا دونوں کو ہاتھ میں رکھا۔

ان کی وفات کے بعد ان کے فرزند شیخ عبدالرزاق، حال اور عمدہ اخلاق کے مالک ہو کر زندگی گزار گئے۔ ان کے بعد ان کے فرزند شیخ محمد شفیع بزرگوں کی پیروی میں بڑے صدق و استقلال کے ساتھ قائم رہے۔ اب ان کے فرزند شیخ ضیاء الدین [موضع] بہاؤ الدین پور میں وہاں کے پیر زادوں کے ساتھ جو ان کے عزیز ہیں، رہتے ہیں۔

[شیخ رحمت اللہ کے] دوسرے فرزند عبد اللہ ہیں۔ یہ بزرگوں کے اخلاق کے حامل، بڑے با اثر اور خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ رحلت کے وقت انہوں نے بھی دو فرزند چھوڑے۔

[اُن میں] پہلے ، شیخ سلام اللہ ہیں ۔ وہ راہ فقر اختیار کر کے ہدایت و ارشاد کے سالک اور ریاضت و کرامات کے مالک ہوئے ۔ یہ سید عبدالکریم ہلڑی والے کی اولاد اور سجادہ نشین ، سید عبدالغنی کے ہم صحبت اور مرید تھے ۔ ان پیروں کے میلے کے دن چراغ جلانے کی خدمت خاص ان کے سپرد تھی ۔ آج تک یہ ذمہ داری ان کی اولاد میں چلی آتی ہے ۔ سید عبدالکریم کے مرید صادق اللہ ڈنہ زرگر کی بھی ٹھٹھے میں زیارت کر کے انہوں نے بڑا فیض حاصل کیا تھا ۔ ان کے تین بیٹے ہوئے ایک شاہ مراد دوسرے شاہ عبداللہ اور تیسرے شاہ رحمت اللہ ۔ ان میں سے ہر ایک اپنے وقت کا مقتدر بزرگ تھا ۔ [۵۴۹]

ان میں شاہ رحمت اللہ آدمیت و انسانیت کا مرقع ہو گذرے ہیں ۔ انہوں نے میان درگاہی نامی اپنا ایک نامور فرزند چھوڑا جو خود بھی بزرگوں کی مانند صاحب تصرف ہو گذرے ہیں ۔ اب ان کے فرزند گرامی میان موتھو شاہ بزرگوں کے قائم مقام ہیں اور ورثے کے مطابق شاہ عبدالکریم (ہلڑی والے) کی درگاہ کی روشنی کی خدمت بجا لاتے ہیں ۔ زیادہ تر وہ موضع کھارا میں رہا کرتے ہیں ۔

[شیخ رحمت اللہ کے فرزند عبداللہ کے] دوسرے فرزند شیخ عزت اللہ ہیں ۔ انہوں نے مشائخین جیسے کمالات کے ساتھ زندگی گذاری ۔ زیادہ تر موضع کھارا میں سکونت پذیر رہا کرتے تھے ۔ ان کے بعد ان کے دو فرزند میان راجن شاہ اور شیخ عبدالباقی یادگار رہے ۔

نبیاں راجن شاہ نے بزرگوں کی پیروی میں زندگی گذاری اور ایک با ہدایت فرزند فقیر محمد نامی چھوڑ گئے جن کی کوئی اولاد نہ رہی ۔

شیخ عبدالباقی نے جب موروثی کمالات کے ساتھ زندگی گزار کر اس دار فانی سے عالم جاودانی کا سفر اختیار کیا تو وہ میان ٹھارو نامی اپنا ایک نامور فرزند چھوڑ گئے ۔ اب ان کی نشانی میان صالح محمد ، بزرگوں کا نام زندہ رکھنے کے لئے شہرت کے ساتھ حیات ہیں ۔

### قاضیوں کا طبقہ

اپنے فضل و کمال کی وجہ سے یہ لوگوں میں مشہور اور عوام و خواص کے مرجع تھے ۔

[ قاضی نعمت اللہ ] اور ان کی اولاد [ قاضی نعمت اللہ ان قدیم

قاضیوں میں سے ہیں جن کا نسب حضرت عباس کی اولاد سے ملتا ہے اور جو عباسی گورنروں کے جانے بعد باقی ماندہ رہ جانے والوں میں سے ہیں ۔ یہ جام تماچی کے زمانے میں علما کے پیشوا اور پرهیزکاروں کے رہبر تھے ۔ جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے ۔ یہ احمد شیرازی کی ان کی صاحبزادی سے شادی ہوئی تھی اور ان سے چار بلند بخت فرزند پیدا ہوئے تھے ۔ [ ۵۳۰ ]

ان کے فرزند قاضی سائیں ڈنہ جید عالم اور مقتدر پرهیزکار تھے ۔ جامع کمالات [ ہونے کی حیثیت سے ] وہ بے نظیر اور صاحب فضیلت [ ہونے کی حیثیت سے ] بے مثل تھے ۔

قاضی نعمت اللہ ثانی ان کے فرزند ہیں ۔ یہ وقت کے ممتاز عالم اور زمانے کے مقتدر علامہ تھے ۔ اپنے زمانے میں وہ علما

کے مرجع اور عارفوں کی معرفت کے سرچشمہ تھے۔ مرزا عیسیٰ اور مرزا باقی ان کے ہم عصر تھے۔ ان کے فرزند رحمت اللہ بزرگوں کے کمالات میں آپ اپنی نظیر تھے۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے فرزند شیخ عبدالشہید کلان بزرگوں کی مسند نشینی کے شرف سے مشرف ہوئے۔ سہاواتی ہرکنے میں کھارا نامی گاؤں انہی کی یادگار ہے۔

ان کے فرزند شیخ عطاء اللہ بزرگی میں دور دور تک مشہور ہو گزرے ہیں۔ ان کے بعد شیخ عبدالشہید ثانی بزرگوں کی مسند کے جانشین ہوئے۔ ان کے بعد شیخ احمد بزرگوں کی عظمت کے وارث ہوئے۔ ان سے شیخ ابوالحسن پیدا ہوئے جو اس خاندان کا تتمہ تھے۔ اپنی عمر کی مقررہ مدت پوری کر کے جب انہوں نے اس جہاں پر بقا کو الوداع کہا تو ہمساندگان میں انہوں نے کوئی فرزند اپنی یادگار نہ چھوڑا۔

قاضی حماد [اور ان کی اولاد] عباسی گورنروں کا دور ختم ہونے کے بعد یہ بھی باقی ماندہ ان قاضیوں کی اولاد میں سے ہیں جن کا سلسلہ نسب حضرت عباس کی اولاد سے ملتا ہے، فضیلت و کمال میں انتہائی کامل اور تقویٰ و پرہیزگاری میں بڑے برگزیدہ تھے۔

ان کے فرزند قاضی صدو بڑے پرہیزکار اور عوام و خواص کی ارادتمندی کا مرکز تھے۔ علمی و عملی کمالات کی وجہ سے یہ مقتدر بزرگوں کے پیشوا ہو گئے تھے۔ انہوں نے بہتیرے خدا رسیدہ بزرگوں کی خدمت سے فیض حاصل کیا تھا اور صاحبان حال کے ایک بڑے گروہ کو درجہ کمال پر فائز کر دیا

تھا۔ ان کا مزار سادات شیراز [۵۳۱ھ] کے مدفن میں جو ان کے بزرگوں کا قدیمی قبرستان تھا، صاحب دل انسانوں کے لئے مراد بخش درگاہ کی حیثیت سے مشہور ہے۔

علامہ قاضی محمود [اور ان کی اولاد] یہ قاضی نعمت اللہ ثانی کے چچازاد بھائی اور مرزا عرسلی و مرزا باقی کے ہم عصر اور علامہ دوراں تھے۔ فضیلت و کمال میں بے نظیر اور جامع العلوم ہونے کی حیثیت سے آپ ہی اپنے ثانی تھے۔ یہ کثیر تصانیف کے مالک تھے مثال کی طور پر ”تذکرۃ الاولیاء“ اور کتب درسی کے حواشی۔ ان کے بعد ان کے دو فرزند یادگار رہے۔

ایک، قاضی عبداللطیف نامی، نزاکت طبع میں ان کا کوئی مشکل ہی سے ہمسر تھا [ساتھ ہی ساتھ وہ ایک] جید فاضل بھی تھے۔ انہوں نے کوئی اولاد نہ چھوڑی۔

دوسرے، قاضی قطب الدین تھے۔ یہ عالم و عمل کے دائرے کے قطب اور فضیلت و کمال میں بے مثل تھے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے فرزند شیخ عبدالمجید موروثی عظمت کے ساتھ بڑے پرہیزگار ہو گزرے ہیں۔ ان کے بعد ان کے فرزند شیخ محمد زاہد بزرگوں کا نام روشن کرنے والے اور صاحب صدق و استقلال بزرگ ہو گزرے ہیں۔ ان کے بعد شیخ ابوتراب بزرگوں کے دستور اور رواج کے مطابق بڑے اثر و رسوخ کے مالک ہوئے۔ پھر شیخ محمد زمان ان کے جانشین ہوئے۔ یہ ایک خوش خاق اور سلیقہ شعار انسان تھے۔ ایک فرزند چھوڑ کر فوت ہوئے۔ قاضی وجہ الدین۔ یہ بگائے روزگار، ترخانی حکمرانوں کے ہم عصر اور مذکورہ عباسی خاندان کے فرد تھے۔ تقدیراً وفات

کے وقت انھوں نے کوئی اولاد نہ چھوڑی۔

قاضی عتیق اللہ عباسی۔ یہ سیوہن کے رہنے والے تھے۔ مرزا جانی بیگ ترخان کے زمانے میں ٹھٹھے میں آکر انھوں نے ملا محمد علی دیوان سے رشتہ حاصل کیا۔ یہ ایک ہا کمال صاحب حال [دنیا سے] بیگانہ اور [۵۳۲] اور خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ ان کے فرزند شیخ عزت اللہ بن انشا میں بے نظیر تھے۔ شیخ عبدالرشید۔ یہ مذکورہ قاضی عتیق اللہ کے خاندان کے صاحب حال و قال طالب علم تھے۔ قاضی ابراہیم جن کا ذکر آگے چل کر آئیگا انھی کے شاگرد ہیں۔

قاضی عبداللہ بن تاجو۔ یہ قاضیان سیوہن اور عباسی گورنروں کے بعد [سندھ میں] رہ جانے والے قبیلوں کے بزرگوں میں سے ہیں۔ یہ علم و تقویٰ کے منبع و مرکز تھے۔ کہتے ہیں کہ دین کے ان بزرگ کی لاش، جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے، جام نظام الدین کے زمانے میں غیبی طور پر مکلی کی پہاڑی پر آکر نمودار ہوئی اور صاحبان دل کو خواب کے ذریعہ اس کا علم ہوا۔ اب ان کا مزار شیخ حماد جمالی کی خانقاہ کے عقب میں عام لوگوں کی زیارت گاہ بلکہ حاجتمندوں کی حاجت روائی کا ذریعہ ہے۔ طالبان علم مسلسل سات جمعراتوں کو ان کی زیارت سے سرفراز ہو کر حصول کمال کی درخواست کرتے ہیں اور اپنی مرادیں حاصل کرتے ہیں۔

قاضی شیخ محمد اچوی [اور ان کی اولاد] یہ آل جعفر (۱) سے منسوب اور وقت کے مشہور علما میں سے ہیں۔ پہلے یہ ہرات

سے آج تشریف لائے تھے۔ جام نظام الدین کے زمانے میں جب سید میران مہدی جونپوری ٹھنڈ آئے تھے اور علمائے وقت نے ان پر کفر کا فتویٰ صادر کیا تھا تو اس وقت انھی قاضی نے اس ولی کامل کی تکفیر سے تعلق رکھنے والے علمائے ظاہری کے دلائل کا نہایت مناسب رد [پہن کیا] تھا۔ کیونکہ یہ خود حقیقت سے باخبر اور اہل حال کے مقام سے واقف تھے۔ سید میران مہدی نے ان کے حال پر توجہ فرما کر ان کی اولاد میں بزرگی اور سرسبزی [۵۳۳] کے دائم و قائم رہنے کے لئے دعا کی تھی۔ یہی سبب ہے کہ مختلف حادثوں کے باوجود اس خاندان پر [کسی] انقلاب کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

قصہ کوتاہ، آج اور ملتان میں بدانتظامیاں پیدا ہو جانے کے بعد مذکورہ قاضی بکھر میں آکر رہنے لگے لیکن سابقہ شہرت کے بنا پر آج سے منسوب رہے۔ جب قاضی سید شکر اللہ شیرازی ٹھنڈ کے منصب قضا سے مستعفی ہوئے، جیسا کہ بیان کیا چکا ہے، تب مرزا شاہ حسن نے مذکورہ قاضی سید شکر اللہ کی تجویز کے مطابق، جن سے ان کے قدیمی وطن ہرات ہی سے خاندانی تعلق تھا اور اسی تعلق کی بنا پر یہاں بھی ایک دوسرے سے سلسلہ اور رابطہ پیدا ہو گیا تھا، مذکورہ قاضی کو بلا کر اس معزز منصب پر سرفراز فرمایا۔

قدیمی نجابت اور میران سید محمد جونپوری کی دعا کی برکت سے یہ منصب موروثی طور پر ان کی اولاد کے لئے وقف ہے۔ مرزا عیسیٰ ترخان کے عہد حکومت کی ابتدا میں ان کا دفتر حیات تہ ہو گیا۔ انہوں نے شیخ احمد اور شیخ فرید نامی دو عالی گوہر

فرزند یادگار چھوڑے۔

شیخ قاضی احمد بڑے فاضل و کامل [بزرگ] تھے۔ نیک  
 عاقبت والد کی وفات کے بعد یہ منصب قضا پر سرفراز ہوئے۔  
 ان کے بعد ان کے بھائی شیخ قاضی فرید جو جملہ علوم کے  
 جامع اور یگانہ روزگار تھے عدالت شرعیہ کی مسند اعزاز پر  
 متمکن ہوئے۔ انہوں نے شیخ علی محمد اور شیخ نور محمد نامی  
 دو فرزند یادگار چھوڑے۔

والد کے بعد قاضی شیخ علی محمد مسند شریعت کے وارث  
 ہوئے۔ انہوں نے بھی دو فرزند قاضی محمد حسین اور شیخ  
 فرید ثانی یادگار چھوڑے۔

شیخ فرید ثانی کے تین بیٹے ہوئے۔ جن میں سے ایک شیخ  
 علی اکرم ہیں۔ یہ جملہ معززوں میں ممتاز تھے۔ ان کے  
 فرزند [۳۴ء] شیخ زین الدین بڑی بزرگی کے ساتھ زندگی گزار کے  
 اور طویل عمر کو پہنچ کر فوت ہوئے۔ لیکن بیٹوں اور پوتوں  
 کے بعد ان کی نسل میں سے کوئی بھی باقی نہ رہا۔

قصہ مختصر، قاضی شیخ علی محمد کے بعد ان کے بھائی  
 قاضی شیخ نور محمد کچھ عرصہ تک بزرگوں کے قائم مقام رہنے  
 کے بعد انتہائی کمال کو پہنچ کر فوت ہوئے۔

ان کے بعد قاضی شیخ علی محمد کے فرزند قاضی محمد حسین  
 شان و شوکت کے ساتھ مسند نشین ہو کر اپنا وقت بزرگی اور  
 عزت کے ساتھ گزار گئے۔

ان کے بعد ان کے فرزند قاضی محمد یحییٰ نے، جنہیں وہ  
 اپنی زندگی ہی میں اپنی بصارت میں، ضعف آجانے کی وجہ سے



قائم مقام مقرر کر چکے تھے ، مسند شریعت پر متمکن ہو کر بزرگوں کے طور طریق کو خوبی کے ساتھ اپنایا۔ شیخ عبدالباسط ٹھٹوی نے ان کی تاریخ جلوس ”نافذ الامر“ (سنہ ۱۱۰۳ھ) کہی ہے۔

ان کی کامرانی کے دن پورے ہوئے تو پھر ان کے بھائی قاضی محمد امین ان کے جانشین ہوئے ، جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے۔ میر شاہ ولی نے ان کی مسند نشینی کی تاریخ ”الحافظ لحدود اللہ“ (سنہ ۱۱۳۸ھ) سے اخذ کی تھی۔ انہوں نے منصب قضا کے ساتھ ساتھ کچھ عرصہ تک دیوان شاہی کی نیابت بھی کی۔ بالآخر وہ سنہ ۱۱۶۰ھ میں انتقال پا گئے اور اب ان کے دو فرزند شیخ عبداللہ اور شیخ عبدالرؤف ان کی یادگار ہیں۔

اس کے بعد بزرگوں کی میراث مذکورہ قاضی محمد یحییٰ کے فرزند قاضی محمد محفوظ کو ملی۔ وہ اعلیٰ خویوں اور عمدہ خصائل کے ساتھ زندگی کی مدت پوری کر کے سنہ ۱۱۷۳ھ میں وفات پا گئے۔

اب ان کے فرزند گرامی قاضی محمد یحییٰ مسند قضا پر رونق افروز ہوئے۔ [لیکن] تقدیراً ۹ محرم سنہ ۱۱۸۸ھ کو وہ بے وقت ، سفر آخرت پر روانہ ہو گئے اور اپنے دو کمسن فرزند محمد حسین اور محمد حفیظ یادگار چھوڑ گئے۔ آج کل [۵۳۰] مذکورہ قاضی محمد امین کے فرزند قاضی عبداللہ بزرگوں کے مسند نشین ہیں۔

قاضی محمد حسین کے تیسرے فرزند شیخ محمد باقر نے علمی و عملی کمالات کے ساتھ ساتھ درویشوں کی صحبت اختیار کی

اور مجذوب مدالک ہو گئے ۔

ان کے فرزند شیخ غلام علی بھی تحصیل علم کے بعد، وقت کے ایک کاسل بزرگ ہو کر، جذبہ کی حد کو جا پہنچے اور اپنی [باقی ماندہ] زندگی مجذوبوں کے زمرے میں رہ کر گزاری۔ اب میان مہر علی ان کی یادگار ہیں ۔

حالانکہ اس خاندان میں اور بھی نامور پیدا ہوئے ہیں لیکن اختصار کی وجہ سے اتنے پر ہی اکتفا کی گئی ہے۔

علماء، پرهیزگار اور صالحین کا طبقہ

یہ طبقہ ”علماء امتیّی کما نبیاء بنیّی اسرائیل“ (۱) کے فرمان کے مطابق عرصہ کائنات میں سب پر فائق ہے۔ اور آیت کریمہ ”ان اکرمکم عیند اللہ آتہکم“ (۲) کے بمصداق جملہ اقوام و انساب سے برتر ہے۔

شیخ صدرالدین - یہ جید عالم اور مقتدر پرهیزگار بزرگ، جام نظام الدین کے معاصر تھے۔ اس قدر جامع العلوم تھے کہ انہوں نے ہزارہا طلباء کو علم کے کمال پر فائز کر دیا تھا۔ سید میران محمد جونپوری کی تشریف آوری کے موقع پر پہلے تو یہ ان کے مخالف ہو گئے لیکن بالآخر زیارت کے بعد ان کے راسخ العقیدہ مرید ہو گئے تھے۔ ان کی اصل و نسل کے بارے میں حقیقت کا عالم نہیں ہو سکا ہے۔ [۵۳۶]

(۱) یعنی ”میری امت کے عالم بنی اسرائیل کے نبیوں جیسے ہیں۔“

(۲) یعنی ”میں شک تم میں سے اللہ کے نزدیک وہی زیادہ معزز ہے جو زیادہ سے زیادہ پرهیزگار ہے۔“

تصفۃ الکرام

مخدوم رکن الدین عرف مخدوم مٹو - یہ ٹٹلی کے مخدوم ہلاول کے، جن کا ذکر کیا جا چکا ہے، خلفا کی فہرست میں شامل تھے۔ ہمیشہ عبادات و وظائف میں مشغول رہا کرتے تھے۔ راہ زہد و تقویٰ کے شائق اور ہدایت و ارشاد کے طریقے کے طالب ان کے بڑے معتقد اور مرید ہوا کرتے تھے۔ یہ علم حدیث میں بھی کمال دسترس رکھتے تھے۔ ”شرح اربعین“، ”شرح کیلانی“ اور ان کے دیگر تصنیف کردہ رسائل مشہور ہیں۔ انہوں نے خلد آشیانی (بادشاہ ہمایوں) کے پریشانی کے ایام میں ٹھٹھے میں سنہ ۹۴۹ھ میں وفات پائی اور مکلی پہاڑی پر دفن ہوئے۔

[مخدوم میران] مخدوم میران بن مولانا یعقوب علوم معقولی و منقولی میں جامع تھے۔ مرزا شاہ حسن کو بھی انہوں نے کچھ عرصے تک درس دیا تھا۔ اکثر طلباء انہی کی طبع روشن کے فانوس سے نور علم حاصل کیا کرتے تھے۔ انہوں نے سنہ ۹۴۹ھ میں وفات پائی۔ ”علامہ وارث الانبیا“ ان کا مادہ تاریخ ہے۔ ان کا مزار مکلی کی پہاڑی پر ہے۔

مولانا عبدالرحمان - یہ علوم نقلی میں بے نظیر تھے۔ زندگی کے دن یہ اعانت دین ہی میں صرف کیا کرتے تھے۔ مرزا عیسیٰ اور مرزا باقی کے ہم عصر تھے۔

مولانا کریم الدین - یہ فضیلت و کمالات کے جامع، بدعتوں اور برائیوں کی بیخ کنی کرنے والے اور زہد و تقویٰ میں دوستوں میں نامور تھے۔ مذکورہ مولانا عبدالرحمان کے ہم عصر ہیں۔

[مخدوم فضل اللہ اور ان کی اولاد] - مخدوم فضل اللہ وقت

کے مقتدر عالم، قدسی فضائل کے جامع، علوم انسانی کے ماہر اور تقویٰ و پرهیزگاری کے زیور سے آراستہ تھے۔ ہمیشہ درس علم میں مشغول رہا کرتے تھے۔ مرزا عیسیٰ اور مرزا باقی کے ہم عصر ہیں۔

ان کی اولاد میں مخدوم ابوالخیر اپنے دور کے ایک کامل طالب علم پیدا ہوئے۔ یہ فتاویٰ عالمگیری کے مسائل کے انتخاب میں شریک رہے۔ [۵۳]

ان کے فرزند ملا اسحاق جامع الکمالات بزرگ تھے۔ جن کے فرزند کمال الدین حال ہی میں لا ولد فوت ہوئے ہیں۔ [مخدوم فیروز اور ان کے ہمساندگان]۔ مخدوم فیروز اپنے عہد کے کامل ترین بزرگ تھے۔ بزرگی و کمالات علمی ان کی اولاد میں موروثی طور پر [منتقل ہوئے] چلے آئے ہیں۔ [چنانچہ] مذکورہ مخدوم کے پوتے قاضی ابراہیم بھی ظاہری و معنوی عظمتوں کا مجموعہ ہوئے۔ شاہ جہاں کے دربار میں با عزت منصب سے ترقی کر کے وہ جہاں آباد (دہلی) کے مفتی اور لشکر کے قاضی مقرر ہوئے۔ [پھر] کچھ مدت کے لئے وہ ٹھٹھے کے امین مقرر ہو کر یہاں آئے۔ کہتے ہیں کہ ان کی حویلی [کی تعمیر] پر ڈیڑھ لاکھ روپے خرچ کئے گئے تھے۔ لیکن جب یہ آئے تو انہیں [وہ حویلی] پسند نہ آئی۔ ٹھٹھے کا حاکم جو ہفت ہزاری امیر تھا ہفتے میں ایک دن ان کے گھر پر آکر دربار عام [منعقد] کیا کرتا تھا۔ یہ خود بھی نواب کے آنے کے عوض ایک دن اس کے گھر تشریف لے جایا کرتے تھے اور دو پہر سے لے کر شام تک وہاں رہا کرتے تھے۔ محمد بختاور

مخان نے عالمگیر کی دس سالہ [تاریخ] میں قاضی موصوف کی عجیب روایتیں نقل کی ہیں۔ راقم الحروف (قانع) بھی ان اوراق کو ان لطائف سے نیا حسن بخشا ہے۔

مذکورہ قاضی سے نقل ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ایک دن فقیر (یعنی خود) میرک شیخ کے، جو بادشاہ دین پناہ کے آخری ایام میں صدارت مطلق کے منصب پر سرفراز تھے، در دولت پر حاضر ہوا۔ اتفاقاً [وہاں] علما کی مجلس منعقد تھی۔ جب میں وہاں جا کر بیٹھ گیا تو اچانک ایک شخص سادہ لباس اور پیچنار عمامہ سر پر رکھے، مجلس میں داخل ہوا۔ میرک شیخ نے اس کی آمد پر جملہ علما سے زیادہ تعظیم کی۔ ۱۰ پھر [ان کے] جانے کے وقت بھی میرک شیخ [ان کی کمال] تعظیم بجا لائے۔ حاضرین مجلس نے ان کے متعلق دریافت کیا تو جواب دیا کہ ”یہ شخص علوم نادرہ کا واقف اور دنیا بے حیثیات کا مرشد ہے۔“ میں یہ سن کر ٹیزی کے ساتھ مجلس سے اٹھ کھڑا ہوا اور اس بزرگ کی خدمت میں [۵۳۸] پہنچ کر ملاقات کا ملتجی ہوا۔ وہ مجھے اپنے گھر کا ہتہ دہتے ہوئے چلے گئے۔ تین چار دن کے بعد میں ان کے گھر کی طرف روانہ ہوا۔ اطلاع ملنے پر وہ بالاخانہ سے جو ان کی خلوت گاہ تھا، نیچے آئے اور حال معلوم کر کے کہا کہ ”بندہ کو کچھ کام [لاحق] ہے۔ کچھ ساعت بالاخانہ پر قدم رنجہ فرمائیں تو فارغ ہو کر میں خدمت کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔“ میں ابھی دو چار زینے بھی مشکل سے چڑھا ہونگا کہ مجھے ایک شاندار محفل آراستہ دکھائی دی۔ مجھے دیکھ کر سبھوں نے میرا استقبال کیا اور مجھے [لے جا کر] محفل کے صدر پر بٹھایا۔ ان میں سے تین چار آدمیوں کے

ہاتھوں میں کتابیں تھیں اور ایک [شخص] وسط میں کتاب مطول کھولے بیٹھا تھا۔ ان دنوں ایک طالب علم نے ملا<sup>۱</sup> سعد الدین پر اعتراض کیا تھا۔ جب اس جماعت میں اس شخص نے کتاب مطول کھولی تو وہی مقام زیر بحث آیا [چنانچہ] بڑھنے پڑھانے اور سننے والوں نے اسی اعتراض کو حل کرنے کے لئے مباحثہ شروع کر دیا۔ میں نے بھی کچھ دخل دیا۔ ہر علم کی بحث اور دلیل یہی ہوئی۔ یہ مجلس پھر دن تک جاری رہی۔ اچانک صاحب خانہ نمودار ہوئے اور ساری جماعت نے اٹھ کر ان کا استقبال کرنے کا ارادہ کیا۔ میں شوق استفادہ کے غلبے میں سب سے پہلے ان کے سامنے جا پہنچا۔ [انہوں نے] فرمایا کہ ”بڑی تکلیف آٹھائی۔ [آپ کو] بڑا انتظار کرنا پڑا۔“ میں نے جواب دیا کہ ”ان عزیزوں کی صحبت سے میں نے بہت فائدہ حاصل کیا ہے۔“ فرمایا کہ ”کن عزیزوں سے؟“ [اس پر] میں نے پیچھے ہٹ کر دیکھا تو مجھے کوئی بھی نظر نہ آیا۔ فی الفور میرے جسم میں رعشہ پیدا ہو گیا اور میں بیہوش ہو گیا۔ شیخ نے ہانی پر دم کر کے میرے منہ پر چھینٹے لگائے تو مجھے ہوش آیا۔

انہی قاضی سے روایت ہے کہ جب میں اعلیٰ حضرت جنت مکانی (المکیر) کے پوتے کا معلم تھا تب ایک دن شیخ ناصر جواہر نے وقت کی ایک عجیب و غریب شخصیت تھے، [۵۳۹] کتب خانہ میں در آئے۔ میں نے سلطان کو شیخ سے کچھ طلب کرنے کا اشارہ کیا۔ سلطان نے نہایت عجز کے ساتھ شیخ سے تبرک کی درخواست کی اور انہوں نے مسکراتے ہوئے

ہاتھ بڑھا کر فرش کے نیچے سے کچھ کنکریاں اٹھا کر ہاتھ میں تین بار پھرائیں۔ اب یہ کنکریاں، کچھ آبدار عقیق میں، کچھ پے بہا لعل میں، کچھ مرجان میں اور کچھ موتی میں تبدیل ہو گئیں۔ اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز [بات] یہ کہ پھر یہ سب [انہوں نے] داڑھی کے بال کی نوک سے ایک ایک پرو کر سلطان کو دیئے۔

قصہ کوتاہ، مذکورہ قاضی کے دو نامور فرزند ہوئے۔ ایک شیخ امان اللہ تھے جو ہر گنہ ستیاری میں اپنی جاگیر کے علاقے میں رہ کر لاولد فوت ہوئے اور دوسرے شیخ عنایت اللہ انہوں نے بھی جاگیر کی وجہ سے باہر دیہاتوں میں رہ کر زندگی گذاری۔ اب نواسوں کے علاوہ قاضی ابراہیم کی اور کوئی اولاد [باقی] نہیں ہے۔ قاضی محمد یحییٰ، قاضی محمد اسین اور شیخ محمد باقر، تینوں بھائی ان کے حقیقی نواسے ہیں۔

قاضی ابراہیم کے بھائی محمد کریم جاگیر کی وجہ سے نیروں کوٹ میں رہے اور وہیں وفات پا گئے۔ مذکورہ قاضی ابراہیم کے بھتیجے قاضی محمد اکرم ہر گنہ بشوہرہ کے منصب قضا سے سرفراز ہوئے۔

قاضی ابراہیم کے بھائیوں کی اولاد میں سے قاضی عبدالجلیل جا کر پٹنہ کے [منصب] قضا پر فائز ہوئے اور انتہائی اعزاز کے ساتھ زندگی گزار کر وہیں فوت ہوئے۔

میاں ابوالمعالی ٹھٹے کے نواح کے جزیہ اور عدالت کے داروغہ، مخدوم فیروز کی اولاد میں سے ایک نامور شخص ہو گذرے ہیں۔

ان کے فرزندوں میں سے شیخ محمد یار ٹھٹھے میں با ہدایت بزرگ اور ایک بڑی جماعت کے مرشد ہو گزرے ہیں اور میاں عبدالواسع نے جو ابوالفتح قابل خان میر منشی کے بھانجے بھی تھے ، دربار عالمگیری میں اعلیٰ منصب پر [۵۴۰] فایز ہو کر نوابی اور رفرازی کے ساتھ زندگی گذاری ۔ ان کی انشا دنیا میں مشہور ہے۔

[مخدوم عثمان اور ان کی اولاد] مخدوم عثمان بن مخدوم ہاشم الدین بن میان ساجن صدیقی جن کا ذکر ہو چکا ہے ۔ اصل میں آج کے ۵۰ھ کے والے تھے ۔ مرزا جانی بیگ کے زمانے میں یہ ٹھٹھے آئے اور مرزا محمد علی دیوان کے داماد ہو کر تحویل خزانہ کی ملازمت حاصل کی ۔ مرزا کے گرفتاری کے بعد وہ اس کے ساتھ اکبر بادشاہ کے دربار میں بھی گئے تھے ۔ جب مرزا جانی بیگ کو ملک واپس ملا تو ہر چند ان کے سابقہ عہدے پر ان کی بحالی لازمی تھی ، لیکن پیرانہ سالی کا عذر پیش کر کے اور ٹھٹھے کی اس سبب بیکہے زمین پر قناعت کر کے جو انہیں گزارہ کے لئے ملی تھی ، وہ ٹھٹھے واپس آ گئے اور پھر یہیں انتقال کیا ۔ ان کے چار فرزند ، ۱۔ محمد امین ، ۲۔ عبدالواسع ، ۳۔ عبدالجلیل اور ۴۔ عبدالملک ان کی یادگار رہے ۔

شیخ محمد امین بڑے با فضیلت فرد تھے ۔ وہ جملہ صوبیداروں کے مستوفی (مالیات وصول کرنے والے) مامور رہے۔ ان کے بعد ان کے تین فرزند محمد شفیع ، محمد مراد اور محمد رفیع ان کی یادگار رہے۔

محمد شفیع ، اپنے وقت کے برگزیدہ بزرگ اور صاحب تصنیفات



تھے۔ ان کے فرزند محمد امان جہان آباد (دہلی) میں لا ولد فوت ہوئے۔

محمد مراد عہدیداروں کی حیثیت سے اپنی عمر پوری کر گئے۔ ان کے فرزندوں میں محمد صالح، محمد عاقل اور محمد رفیع میں سے ہر ایک شاہی عہدوں پر مامور ہوا۔

محمد عاقل کی اولاد میں محمد احسن خان بڑے انسان دوست اور صاحب فضیلت تھے۔ یہ شاہی منصب دار تھے اور ٹھٹھے کے جواہر خانے کی خدمت ان کے سپرد ہوا کرتی تھی۔ اب [انہوں نے] سنہ ۱۱۸۵ھ میں اولاد یادگار چھوڑ کر وفات پائی ہے۔ [۵۴۱]

مذکورہ مخدوم عثمان کے دوسرے فرزند شیخ عبدالواسع اپنے چچا زاد بھائی جعفر خان شاہجہانی کے حتیٰ کی وجہ سے کچھ عرصے تک منشی رہے۔ خوش نویسی میں وہ آپ اپنی نظیر تھے۔

ان کے فرزند عبدالہادی لاہری بندر کے شاہ بندر (۱) کے مشہور منشی تھے۔ ان کے فرزند اور بزرگوں کی یادگار محمد محسن نے حال ہی میں انتقال کیا ہے۔

مخدوم عثمان کے [تیسرے] فرزند شیخ عبدالحلیل مذکورہ جعفر خان کے ہاں میر منشی کے عہدے پر سرفراز ہوئے اور ایک ماہ بعد انتقال کر گئے۔ ان کے فرزند محمد محسن اور عبدالعلیم تھے۔ عبدالعلیم پہلے ہر گنہ ٹھٹھے کے خزانے کے نگرانی پر مامور

(۱) شاہ بندر کے لفظی معنی ہیں۔ بندر گاہ کا بادشاہ۔ عہد مغلیہ میں بندر گاہ کے سب سے بڑے افسر کو شاہ بندر کہا جاتا تھا۔

تھے۔ پھر موقوف ہونے پر دونوں بھائی دکن چلے گئے۔  
 آئندہ دربار سے عائدہ ہوتے ہی عبدالعلیم اچانک انتقال کر گئے  
 اور ان کے بھائی محمد محسن نے جب یہ خبر سنی تو ایک آہ  
 کر کے وہ جوی جان بحق ہو گئے۔ محمد ظہور اور محمد  
 عبدالرشید، عبدالعلیم کے فرزند ہیں۔

عبدالرشید کو [بزرگوں کے] حق کے مطابق [خزانے کی]  
 نگرانی کا عہدہ ملا اور انہوں نے سنہ ۱۱۴۶ھ میں وفات پائی۔  
 مذکورہ مخدوم محمد عثمان کے [چوتھے] فرزند عبدالماک  
 نے محمد آقی نامی ایک بیٹا اپنی یادگار چھوڑا جو حرمین  
 شریفین زاد ہما اللہ شرفاً و تعظیماً کی زیارت سے واپس ہو کر  
 سورت بندر میں سکونت پذیر ہوئے اور اچھی حالت میں زندگی  
 گزار کے وہیں فوت ہوئے۔ اب ان کے فرزند محمد اسعد نامی  
 وہاں موجود ہیں۔

مخدوم حامد [اور ان کی اولاد]۔ مخدوم حامد برکاتہ صفات  
 کے مالک اور ایک جلیل عالم ہو گزرے ہیں۔ یہ  
 گرہر (۱) کے قاضی تھے۔ ان کے [۱۴۲ھ] فرزند مخدوم صابر،  
 والد کے بعد مذکورہ منصب پر مامور ہوئے۔ ان کے بعد ان  
 کے فرزند مخدوم ابوالبقا بزرگوں کے منصب کی مسند پر متمکن  
 ہوئے۔ پھر ان کے فرزند رشید مخدوم حامد والد کی جگہ مسند  
 شریعت پر بیٹھے۔ ان کے بعد ان کے فرزند قاضی محمد امین  
 اور ان کے بعد موجودہ مسند نشین قاضی حامد بزرگوں کی  
 یادگار ہیں۔

(۱) شاید ”گروہڑ“ جسے پہلے گرہل یا کرہل بھی کہا جاتا تھا۔

قاضی محمد قاسم [اور ان کی اولاد]۔ یہ ایک مشہور شخص تھے اپنے عہد کے ممتاز اور با فضیلت بزرگ ہو گذرے ہیں۔ ان کے فرزند قاضی قاضی بلند مرتبہ، متقی اور اہل معرفت کی فہرست میں داخل تھے۔ ان کے چار فرزند ہوئے۔ ایک محمد یعقوب دوسرے عبدالغفار تیسرے محمد شفیع اور چوتھے محمد صالح۔ ان میں سے محمد یعقوب بکھر کے قاضی ہونے کی وجہ سے اپنے وقت میں مشہور و معروف ہو گذرے ہیں۔ انہوں نے تین فرزند چھوڑے، ۱۔ محمد اشرف ۲۔ محمد رضا اور ۳۔ محمد خلیل۔

محمد اشرف بڑے لایق و فاضل تھے۔ انہوں نے خاصی عمر دہلی میں گزاری۔ نامور اور ممتاز خوشنویس تھے [خصوصاً] خط ”شان شفیعا“ (۱) کے استاد تھے۔ شعر بھی اساتذہ کی مانند کہا کرتے تھے اور ”بہجت“ تخلص کرتے تھے۔ ایک رنگین دیوان ان کی یادگار موجود ہے۔

ان کے فرزند محمد افضل نے ٹھٹھے کے مشہور و معروف لوگوں میں علمی قابلیت میں [ممتاز رہتے ہوئے] زندگی گزاری۔ کچھ عرصہ تک وہ بادشاہ کے بخشی (خزانچی) بھی رہے تھے۔ اب ان کے فرزند میاں عبدالجلیل اور میاں غلام حسین حیات میں ہیں۔

مذکورہ محمد یعقوب کے [دوسرے] فرزند محمد رضا ایک معزز عہدیدار تھے۔ جملہ شاہی کاروبار کی امانت کی ملازمت ان کے حوالے تھی۔

ان کے بعد ان کے فرزند مفتی محمد نعیم، مفتیوں کے زمرے

میں اپنے وقت میں مشہور و معروف ہوئے۔ وہ حال ہی میں دو فرزند، مولوی عبدالرحیم [۱۸۷۳ء] اور محمد باقر، [اپنی] یادگار چھوڑ کر فوت ہوئے ہیں۔ ان میں سے مولوی عبدالرحیم نے والد کی زندگی میں یورپ کا سفر اختیار کیا اور وہاں سے تحصیل علم کر کے ٹھٹھہ واپس لوٹ آئے اور مشہور علما میں ممتاز ہوئے۔ پھر دو حج کرنے کے بعد وہ جدہ ہی میں فوت ہوئے اور وہیں مدفون ہیں۔ قاضی محمد رضا، میاں نور احمد اور محمد نعیم نامی ان کے تین فرزند تھے۔

محمد رفیع نے [خاصی] عمر جہان آباد (دہلی) میں گذاری اور ”خانی“ کے خطاب کا شرف حاصل کیا۔ احمد شاہ (اہدالی) کے ہنگاموں کے بعد وہ راجپوتانے میں رہنے لگے۔ پھر وکیل کی حرثیت سے میاں غلام شاہ خان کے پاس آئے، پھر کچھ عرصے تک ٹھٹھے کو دیکھ بھال کر واپس چلے گئے اور آخر میں آکر یہیں کی سکونت اختیار کی۔ وہ تقویٰ اور فضیلت کے زیورات سے آراستہ اور مفتی کے منصب پر بھائی کے جانشین ہیں۔

مذکورہ محمد یعقوب کے [تیسرے] فرزند محمد خلیل، مذکورہ مخدوم محمد حامد کی اولاد قاضی ابوالبقا کی قرابت کی وجہ سے کچھ عرصے گھر کے قاضی رہے [اور پھر] خاصی مدت [تک] جہان آباد (دہلی) میں خلق میں مشہور اور ممتاز رہ کر فوت ہوئے۔

مذکورہ قاضی قاضن کے [دوسرے] فرزند مخدوم عبدالغفار، علم و فضل کے ایک بحر بے پایاں ہونے کی وجہ سے ”اسدالعلماء“ کے لقب سے سرفراز ہوئے اور نہایت شان و وقار کے ساتھ اپنی

زندگی کے دن گزار گئے - انہوں نے محمد ظہیر اور محمد قیوم [ناسی اپنے] دو فرزند [یادگار] چھوڑے۔

قاضی ظہیر ایک فاضل کامل بزرگ تھے - کچھ عرصہ تک ٹھٹھے کے قضا اور صدارت کے منصب پر مامور رہ کر یہ پھر لاہور کے عہدہ قضا پر فائز ہوئے - آخری دنوں میں اورنگ آباد کے قضا اور احتساب کے اعزاز سے سرفراز ہوئے - [۱۸۴۷ء] آخر میں انہوں نے لاہور میں وفات پائی - درسی کتب پر ان کے کچھ حواشی یادگار ہیں - ان کی نسل سے میاں عبدالحی ایک جید عالم پیدا ہوئے جنہوں نے ٹھٹھے میں وفات پائی - ان کے فرزند میاں عبدالصمد نے بھی ٹھٹھے ہی میں انتقال کیا جن کے فرزند محمد ظہیر جہان آباد میں ہیں -

محمد قیوم مشہور و معروف شخص کی حیثیت سے [اپنی] زندگی گزار گئے - ان کے دو بیٹوں میں سے میاں عبدالرزاق اور ان کے دو بیٹے میاں محمد اور محمد حفیظ سورت بندر میں فوت ہوئے اور میاں عبدالملک کچھ عرصہ تک ٹھٹھے کے قضا کے منصب پر فائز رہے - حال ہی میں جب نادری دور آیا تو اسی عہدے پر، قاضی محمد امین کے ساتھ سرفراز رہتے ہوئے، انہوں نے انتقال کیا -

<sup>۱</sup> مخدوم حاجی سبزواری [یہ ٹھٹھے کے مشہور و معروف شخص ہیں - ان کے فرزند مخدوم محمد یوسف کے پانچ بیٹے ہوئے جن میں سے ۱۔ ایک فضیلت کا دریا اور کمال میں بے نظیر تھا - [ان کے نام یہ ہیں]: ۱۔ قاضی شیخ احمد ۲۔ مولانا میر عدل ۳۔ قاضی حاجی محتسب ۴۔ مخدوم داؤد مفتی اور ۵۔ قاضی

مخدوم عماد الدین ؑ

ملا احمد (۱)۔ یہ شاہ فتح اللہ شیرازی کے شاگرد، ابوالفضل و فیضی کے ہم سبق اور عہد اکبری میں مشہور و معروف تھے۔ کچھ عرصہ تک وہاں کے قاضی بھی رہے ہیں۔ مکی پر ان کی مشہور خانقاہ یادگار ہے۔

مخدوم محمد۔ یہ ٹھٹھے کے صدر اور وقت کے اکثر ممتاز افراد کے پیشوا رہے۔ انہوں نے کوئی اولاد نہ چھوڑی۔

مخدوم عماد الدین [اور ان کی اولاد] کمالات علمی میں یہ زمانے میں مشہور تھے۔ میر عدل کے عہدے پر مامور ہو کر یہ بزرگی کا معیار تصور کئے جانے لگے۔ انہوں نے دو بیٹے محمد یوسف اور ابوالفضل، یادگار چھوڑے۔ [۵۴۵]

محمد یوسف بزرگی میں مشہور اور حلقہ احباب میں انسانیت کے مصر کے عزیز ہو گذرے ہیں۔ انہوں نے دو بیٹے چھوڑے۔ ایک محمد حسن اور دوسرے میاں عبید اللہ۔

محمد حسن صدارت اور میر عدل کے عہدوں پر فائز ہو کر انسانیت کی معراج کے ساتھ ساری خلق میں ممتاز ہوئے۔ وہ ٹھٹھے کی صدارت کے متمتع تھے۔ ان کی شخصیت کی بزرگی احاطہ تحریر و تقریر سے باہر ہے۔ نادری دور میں فوت ہوئے اور کوئی اولاد نہ چھوڑی۔

میاں عبید اللہ ایک بزرگ، عاقل اور اعلیٰ صفات سے موصوف شخص ہو گذرے ہیں۔ ان کے فرزند محمد نصیر نامی ایک لایق و فایق شخص پیدا ہوئے۔ اب ان کے فرزند میاں

غلام محمد جو مذکورہ خاندان کا تتمہ ہیں، موجود ہیں۔  
 مولانا داؤد مفتی [اور ان کی اولاد] یہ مقتدر ترین عالم تھے۔  
 ان کے فرزند مخدوم ابوالقاسم طالب علم اور صاحب مدرسہ  
 ہوئے۔ کتنے ہی طلباء کو انہوں نے مکمل فیض پہنچایا۔  
 عالمگیر بادشاہ نے انہیں اپنی جانب سے شرعی وکیل مقرر کیا  
 تھا۔ انہوں نے سنہ ۱۱۱۳ھ میں وفات پائی۔ مخدوم رحمت اللہ  
 طالب علم نے ”ذہب العیلم“ مین السند یسقیناً کے  
 جملے سے ان کی تاریخ نکالی ہے۔

ان کے فرزند میاں عبد اللہ عرف چھانکھ یعنی چھ انگلیوں  
 والے، اپنے وقت میں مشہور تھے ان کے فرزند محمد امین بزرگوں  
 کی یادگار ہو گزرے ہیں۔ ان کے فرزند میاں یار محمد ایک  
 سیدھے سادے صالح آدمی تھے۔ حال ہی میں وہ اولاد چھوڑ کر  
 انتقال کر گئے ہیں۔

[ملا احمد] قاصی نصر اللہ کے فرزند ملا احمد،  
 ”مجالس المومنین“ کے بیان کے مطابق ایک پاک دین والے  
 بزرگ تھے۔ لاہور میں فوت ہوئے۔ ان کا مزار میر عبید اللہ  
 کے احاطے میں ہے۔ [۵۴۶]

مخدوم ابوالخیر [اور ان کی اولاد] - مخدوم ابوالخیر ایک  
 مقتدر عالم تھے اور اپنے وقت میں مشہور و معروف ہو گزرے  
 ہیں۔ نواب قباد خان عالمگیری ان کے شاگرد تھے۔

ان کے فرزند میاں کرم اللہ اپنے وقت میں نامور ہو گزرے  
 ہیں۔ ان کے بعد ملا عبدالشکور خلیق عام میں مشہور رہے  
 اور ان کے فرزند محمد صلاح مثنوی خان شہرت پا رہے تھے

کہ حال ہی میں وفات پا گئے۔ انہوں نے کوئی اولاد نہ چھوڑی۔

ملا محمد جھانگیری۔ یہ قاضی ملا احمد اکبری کے چچازاد بھائیوں میں سے ہیں۔ کہتے ہیں کہ جب یہ حضور میں جا رہے تھے تو [راستے میں] وطایہ مخدوم نے انہیں نوازا تھا۔ جس کے بعد مسکین حال ہونے کے باوجود جلد ہی کمال علمی کی وجہ سے وہ بے حد مشہور و معروف شخص ہو گئے اور بیگم نور جہان کے معلم مقرر ہوئے۔ آخر میں یہ مہابت خان کی مخالفت اور کسی خطا کے صادر ہو جانے کی وجہ سے زیر عتاب آکر قتل ہو گئے۔ وصیت کے مطابق ان کی لاش ٹھٹھ لائی گئی۔ انہوں نے کوئی اولاد نہ چھوڑی۔

ملا محمد دماغی شاد جہانی۔ شہزادہ شاہجہان جب ایام شاہزادگی میں ٹھٹھے آیا تو انہوں نے اس کی امامت کی تھی اور شاہزادے کو تخت نشینی کی بشارت دی تھی۔ چنانچہ شاہجہان کی بادشاہت کے زمانے میں اتنے بلند مرتبے پر پہنچے۔ انہوں نے کوئی اولاد نرینہ نہ چھوڑی۔

مخدوم علی محمد قاری [اور ان کی اولاد]۔ یہ بڑے صاحب فضیلت اور فن قرائت کے ماہر تھے۔ مرزا جانی بیگ کے عہد میں ٹھٹھ آئے تھے۔ ان کے فرزند عبدالمجید فضیلت و بلاغت میں ممتاز ہو گزرے ہیں۔ انہوں نے دو فرزند عبدالحئی اور [۷۴۵] عبدالرؤف یادگار چھوڑے۔

عبدالحئی نے پیشہ تجارت اختیار کیا اور ان کے فرزند منعم خان قابل خان کے داماد بن کر بڑے اوج کو پہنچے جن کی نسل



سے میاں اسد اللہ عرف کھنگی ایک عجیب و غریب شخص پیدا ہوئے۔ وہ ”روشن“ تخلص کرتے تھے اور بے ربط و بے وزن اشعار کہا کرتے تھے لیکن اس کے باوجود ان کی صحبت رنگیں اور بہت پُر لطف ہوا کرتی تھی۔ انہوں نے حال ہی میں انتقال کیا ہے اور یادگار چھوڑ گئے ہیں۔

عبدالرؤف، متصدی (اسر خزانہ) ہوئے۔ ان کے فرزند محمد باقر بھی ابوالفتح قابل خان میر منشی کی داسادی کی برکت سے بڑے معزز ہوئے۔ آخری دنوں میں ان پر جذبے کا غلبہ ہو گیا، گھر بار اور مال متاع لٹا کر وہ راہ معرفت کے سالک ہو گئے اور مجنون سالکوں کی مانند زندگی بسر کرنے لگے۔ وہ ”جوہا“ تخلص اور ”شاہی“ لقب سے مشہور تھے۔ ان کے اشعار [اعلیٰ] مذاق سے معرّا نہیں ہیں۔ ایک مشہور دیوان ان کی یادگار ہے۔ ان کے فرزندوں، محمد زاعد اور محمد عارف عرف دکئی، نے اپنی زندگی کا دور آرام کے ساتھ گزارا۔

مخدوم عبدالجمیل [اور ان کی اولاد]۔ یہ اصلاً لاہری بندر کے رہنے والے تھے اور اپنی فضیلتوں کی وجہ سے ملک ملک میں مشہور تھے۔ انہوں نے ابوالفتح، محمد شریف اور مخدوم محمد شفیع نامی تین فرزند یادگار چھوڑے۔

ابوالفتح: شاہجہاں بادشاہ کے زمانے میں جب شہزادہ اورنگ زیب نے ملتان میں آکر لاہری بندر کے، جو اس کی والدہ کی جاگیر میں تھا، شاہ بندر کو حساب کتاب [پیش کرنے] کے لئے طلب کیا، تو ابوالفتح، شاہ بندر کے منشیوں کے سلسلے میں شاہزادے کے حضور میں پیش ہوئے تھے۔ دفتر کی جانچ

ہڑتال کے بعد، چونکہ قسمت ان کی مدد کرنا چاہتی تھی، اس لئے انہوں نے شہزادہ اورنگ زیب کے سامنے ذریعہ معاش کے لئے عریضہ پیش کیا۔ اس پر یہ منشیوں کے زمرے میں داخل ہوئے اور [۵۳۸] اپنے علمی جوہر اور انشا کی قابلیت کی بنیاد پر شہزادے کی توجہ اپنی طرف ملتفت کر کے روز بروز ترقی حاصل کرتے گئے رفتہ رفتہ [شہزادے کی] بادشاہت کے زمانے میں وہ میر منشی اور مدار المہام بن کر ”قابل خاں“ کے خطاب سے سرفراز ہوئے۔ ان کی انشا دنیا میں مشہور اور ہر خورد و کلاں کے لئے دستور العمل ہے۔

محمد شریف نے بھی با کمال ہونے کی وجہ سے بھائی کے بعد، جنہوں نے کسی وجہ سے گوشہ گمنامی اختیار کر لی تھی، ان کا قائم مقام ہو کر ”قابل خاں“ کا خطاب حاصل کیا۔ بھائی کی طرح ان کی انشا بھی دنیا میں یادگار ہے۔

محمد شفیع بھی فضیلت اور فنون علم کا مجموعہ پیدا ہوئے۔ سلوک میں بھی انہیں بڑی مہارت حاصل تھی۔ [بادشاہ] عالمگیر ان کا امتحان لے کر بڑا محظوظ ہوا اور انہیں اعلیٰ مرتبے پر ترقی دی۔

مخدوم فیض اللہ۔ یہ اپنے وقت کے مقتدر بزرگ اور سید

علی شیرازی کے علوم ظاہری کے استاد تھے۔ مذکورہ سید کے فرزند سید جلال نے بھی ان کی شاگردی کی تھی۔ سید علی کی اولاد ان مخدوم کی اولاد کا بڑا ادب کیا کرتی تھی اور تبرک کی غرض سے تعلیم کی تختی سب سے پہلے انہی کی اولاد سے لکھایا کرتی تھی۔ وہ [موضع] ”آکر“ میں رہا کرتے تھے۔

نقل ہے کہ سید علی کے پوتے سید علی اصغر اس جانب پیر پھیلا کر نہ سویا کرتے تھے۔

مخدوم حمزہ واعظ۔ یہ [اپنے] وقت کے بڑے عالم و کامل [بزرگ] تھے۔ ان کی کرامتوں میں مشہور ہے کہ آخوند محمد باقر طالب عالم، جن کا آگے چل کر ذکر ہوگا، کے دادا کی اولاد میں سے ایک شخص حاجی حمزہ نے طویل مدت تک حرمین شریفین میں رہ کر بارہ حج کئے تھے۔ وطن کی محبت انہیں ٹھٹھے کی طرف کھینچ رہی تھی لیکن موقع نہ ملتا تھا اسی جد و جہد میں دس سال گذر گئے۔ آخر ایک شخص نے انہیں بتایا کہ ایک شخص [۴۴۹] بیت الحرام کے فلاں مقام پر [روزانہ] آدھی رات کو آکر تہجد کی نقلیں ادا کرنا شروع کرتا ہے۔ اگر وہ شخص تجھے مل جائے اور تو اس کے دامن سے چمٹ جائے تو وہ ضرور تجھے تیرے وطن پہنچا دیگا۔ اسی نشاندہی پر حاجی حمزہ نے ان بزرگوار کو تلاش کرایا جو مخدوم حمزہ واعظ تھے۔ انہوں نے (مخدوم حمزہ نے) کتنی ہی لاعلمی ظاہر کی لیکن انہوں نے ان کا دامن نہ چھوڑا۔ بالآخر انہوں نے کہا کہ ”اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے اور تیرے تیرے پیروں پر رکھ کر آنکھیں بند کر۔“ چنانچہ ایسا کرتے ہی انہوں نے (حاجی حمزہ نے) خود کو ٹھٹھے کی عیدگاہ میں پایا۔ یہاں [مخدوم حمزہ نے ان سے] فرمایا کہ ”یہ رہا تیرا وطن۔ لیکن خبردار کسی سے اس کا ذکر نہ کرنا ورنہ تیرا ایمان تجھ سے چھن جائیگا۔“ انہوں نے عرض کیا ”آخر انسان ہوں۔ اگر آپ کی عمر پہلے ختم ہو جائے تو اس کے بعد

تو اس کی اجازت دیجئے۔“ چنانچہ اسی شرط پر انہیں اجازت مل گئی اور وہ خاصی مدت تک [یہ بات] چھپائے رہے۔

کہتے ہیں کہ ایک دن صبح کے وقت ایک شخص مکیلی پر زیارت کرنے کے لئے گیا۔ اس طرف سے وطایہ مجذوب پہاڑی سے واپس آ رہے تھے اور ایک دوسرے مجذوب پہاڑی کی طرف جا رہے تھے۔ وطایہ نے اس دوسرے مجذوب سے کہا کہ کدھر جا رہے ہو؟ آج مخدوم حمزہ کا انتقال ہو گیا ہے اور جناب رسالت مآب ان کی (نماز جنازہ کی) امامت کے لئے تشریف فرما ہو رہے ہیں۔ چلو تو ہم بڑی وہاں پہونچیں۔“ چنانچہ [زیارت کے لئے جانے والا] شخص بھی ان مجذوبوں کے پیچھے پیچھے شہر میں پہونچا اور دیکھا کہ واقعی مخدوم حمزہ انتقال کر گئے ہیں۔ وہ جنازہ کے قریب جا پہونچا اور صفیں استوار کرنے کے موقع پر اگلی صف میں کھڑا ہو گیا۔ امام کے تکبیر کہنے کے وقت اسے پہلے غیب سے ایک تکبیر سنائی دی۔ مولانا معصوم طاہر [اور ان کی اولاد] یہ شہراز سے ٹھٹھے آئے تھے۔ بڑے با فضیلت اور صاحب علم بزرگ تھے۔ ان کے تین فرزند ہوئے۔ ایک ابوطالب دوسرے عبدالغنی اور تیسرے ابوالفضل۔ [۵۵۰]

ابوطالب ایک نامور طالب علم کی حیثیت سے مشہور فرد ہو گذرے ہیں۔ ان کے فرزند شیخ عنایت اللہ نے حاکم کی حیثیت سے بڑی آبرو کے ساتھ زندگی گذاری۔ نواسوں کے علاوہ انہوں نے کوئی اولاد نہ چھوڑی۔ راقم الحروف [قانع] کے برادران علانی اور ککراہ کے قاضی، قاضی محمد فاضل (جن کا

نصفۃ الکرام

سرور چکا ہے) کے فرزند انہیں میں سے ہیں۔

مولانا محمد طاہر کے فرزند ابوالفضل ایک ممتاز عہدیدار ہو گذرے ہیں۔ ان کے فرزند محمد حسن (۱) نے طویل عمر جہاں آباد میں گذاری اور عالمگیر کے زمانے سے لے کر محمد شاہ کے زمانے کے آخر تک جواہر خانہ کے نائب کی حیثیت سے با اختیار اور باعزت رہے۔ ٹھٹھے کے لوگوں میں ان سے زیادہ با اخلاق شخص مشکل ہی سے کوئی جہاں آباد میں رہا ہوگا۔ طویل عمر پا کر انہوں نے سنہ ۱۱۷۱ھ میں وفات پائی۔ ان کے فرزند محمد یار وہیں ہیں۔

مخدوم لقمان [اور ان کی اولاد] یہ بڑے صاحب فضیلت اور اپنے وقت کے مشہور و معروف شخص تھے۔ مرزا جانی بیگ کے زمانے میں یہ بکھر کے احتساب پر مامور تھے۔ ان کے پوتے عبدالجلیل عرف خرداری اعلیٰ فضیلت اور اچھی حالت کے مالک ہوئے جن کے فرزند محمد سلیم نے والد کے وظیفے پر زندگی گذاری۔ ان کے بعد محمد اکرم اور اب عبدالواحد اس خاندان کی یادگار ہیں۔

مخدوم اسحاق۔ یہ اصل گجرات کے باشندے تھے۔ پھر قلعہ اگہم میں آکر یہ مخدوم اسماعیل سومرو کے مرید ہوئے اس کے بعد ٹھٹھے آئے۔ علمی و عملی کمالات میں یہ ملک ملک میں مشہور تھے۔ وفات کے وقت انہوں نے دو فرزند میاں احمد اور میاں عباس نامی یادگار چھوڑے۔ [۱۰۰ھ]

میاں احمد، عجیب و غریب حال و کمال کے مالک تھے۔

(۱) نسخہ ”ن“ میں ”محمد حسین“ ہے۔

جناب حضرت رسول مختار [صلی اللہ علیہ وسلم] کی جانب سے [خواب میں] انہیں ”احمد کتابی“ کا لقب ملا تھا۔

مخدوم ضیاء الدین سے نقل ہے کہ ”[ایک مرتبہ] انہیں ان کے [میاں احمد کے] حجرے کی دیوار پر بہت سا خرن نظر آیا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ [وہ خون] میاں احمد کے اس گریہ کی نشانی ہے۔ جو وہ آخری زمانے میں خوف خدا سے کیا کرتے تھے۔ غرض فضیلت ظاہری میں وہ اپنے وقت کے پیشوا تھے۔ مخدوم عنایت اللہ، جن کا ذکر آگے آئیگا، انہی کی شاگردی کے طفیل نامور طالبان علم کی جماعت کے معلّم ہوئے۔ [ظاہری] فضیلت کے ساتھ یہ معرفت کی بھی اعلیٰ منزل پر فائز تھے۔ ان کی بے شمار کرامتیں مشہور ہیں۔

ان کے فرزند میاں محمد ایک با فضیلت درویش پیدا ہوئے۔ انہوں نے مدرسہ علمی کو نہایت خوبصورتی کے ساتھ آراستہ رکھا۔ ان کے بعد میاں احمد جانشین ہوئے۔ بزرگوں کی پوری میں یہ بھی راہ علم و عمل کے سالک رہے۔ مخدوم ضیاء الدین کی شاگردی کی بدولت ہم عصروں میں ممتاز رہے۔

کہتے ہیں کہ حالانکہ مخدوم [ضیاء الدین] ان کے استاد تھے لیکن چونکہ وہ ان کے [میاں احمد کے] دادا کے شاگرد مخدوم عنایت اللہ کے شاگرد تھے، اس وجہ سے وہ [میاں احمد کے سامنے] بڑے ادب کے ساتھ اٹھا بیٹھا کرتے تھے۔ آخری دنوں میں عین عالم جوانی میں جب کہ وہ موضع جھجھہ میں اپنے دادا کے خادم میر منعم سے نذرانہ لینے کے لئے گئے ہوئے تھے۔ قضائے الہی سے وہیں اپنی امانت حیات واپس

کی - (وفات پا گئے) -

مذکورہ مخدوم اسحاق کے [دوسرے] فرزند محمد عباس دنیا داروں کی صورت میں اپنا وقت گزار گئے - وہ میرک شیخ عبدالوہاب ثانی کے ہم صحبت اور اپنے بھائی کے مرید تھے - ان کے جانشین شیخ محمد تقی نے دنیا میں معتبر لوگوں کی حیثیت سے زندگی گذاری - اب ان کے فرزند حیات ہیں - [۵۵۲]

[مخدوم فضل اللہ اور ان کی اولاد] مخدوم فضل اللہ ، بن شیخ ابوبکر بن شیخ محمد اشرف بن شیخ شرف الدین بن شیخ عماد الدین ثانی بن عبداللہ خرابانی بن شیخ عماد الدین محمد بن شیخ رکن الدین بن شیخ اسماعیل سمرقندی بن شیخ صدر الدین چاچی بن شیخ علم الدین محمد بن شیخ اسماعیل شہید بن شیخ صدر الدین بن شیخ الشیوخ ، شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی ، مقتدر ترین صاحب فضیلت اور اپنے وقت کے مشہور و معروف بزرگ تھے - ان کے تین فرزند ہیں ایک ابوالفتح دوسرے محمد حسین اور تیسرے عنایت اللہ -

ابوالفتح نے وطن سے جا کر بادشاہ کی خدمت میں اپنی قابلیت کا مظاہرہ کیا اور پہلے گجرات کے ایک ہرگنہ اکلیمہر کے قاضی ہوئے اور پھر عالمگیر کے ابتدائی زمانے میں سورت بندر کے قاضی ہوئے اور وہیں وفات پائی - انہوں نے کوئی اولاد نہ چھوڑی -

مخدوم فضل اللہ کے [دوسرے] فرزند ایک برگزیدہ شخص اور حافظ قرآن تھے - انہوں نے کثیر طالبین کو فیض پہنچایا - ان کے دو بیٹے حافظ عبدالرحیم اور حافظ عنایت اللہ یادگار رہے -

حافظ عبدالرحیم ایک متبحر عالم ہوئے۔ یہ سورت بندر کے علما کے قائد رہے ہیں۔ ان کی کوئی اولاد نہ رہی۔  
حافظ عنایت اللہ بن محمد حسن ایک نیک بزرگ تھے۔ ان کے فرزند حافظ سعد اللہ ارسوں حیدر آباد میں رہے اور وہیں فوت ہوئے۔ ان کے تین فرزند محمد رضا، عزت اللہ اور فتح محمد ٹھٹھے میں موجود ہیں۔

مخدوم محمود [اور ان کی اولاد] - یہ عالیم کامل اور مالکِ عامل بزرگ تھے۔ انہوں نے اچھی حالت میں زندگی گزاری۔ [موضع] آکر میں رہا کرتے تھے۔ ان کے فرزند مخدوم حامد والد کے کمالات کے حامل پیدا ہوئے۔ انہوں نے دو فرزند چھوڑے۔ [ایک] مخدوم صالح محمد واعظ جنہوں نے بڑے تقدس کے ساتھ ساری عمر مسجد قمری میں وعظ کر کے گزاری [اور دوسرے] ملا عبدالکریم - [۵۰۳] یہ بڑے عالم اور با برکت بزرگ تھے۔ انہوں نے [موضع] آکر میں بزرگوں کے مکان میں رہ کر زندگی گزاری۔ ان کے فرزندوں میں سے محمد شا کر دکن میں حیات ہیں۔

مخدوم عبدالرشید - یہ ایک با بصیرت طالب علم صاحبِ حال و قال اور اپنے وقت کے مشہور و معروف بزرگ ہو گذرے ہیں۔ ان کی اولاد کا کوئی پتہ نہیں معلوم ہو سکا۔  
[مخدوم آدم اور ان کی اولاد] - مخدوم آدم بن مخدوم اسحاق والد کی جانب سے صدیقی اور ننہال کی جانب سے فاروقی الاصل ہیں۔ یہ ایک متقدر ولی، عاملِ کامل، صاحبِ حال اور کھلی ہوئی کرامتوں کے مالک بزرگ ہیں۔ [جب] یہ



حرمین شریفین زاد ہما اللہ شرفاً و تعظیماً کی زیارت کے لئے گئے  
 تو مکہ شریف میں [انہوں نے] عورتوں اور مردوں کو حرم  
 شریف میں ایک ہی مقام سے داخل ہونے دیکھا۔ [اس پر]  
 انہوں نے شرفائے مکہ سے درخواست کی کہ یہ رسم بند ہونی  
 چاہئے۔ چونکہ یہ رسم قدیم الایام سے چلی آرہی تھی  
 اس لئے شرفائے مکہ اسے ختم کرنے میں تامل کرنے لگے۔  
 [بالآخر] حضرت رسالت [مآب صلی اللہ علیہ وسلم] کی جناب  
 سے اشارہ پا کر کہ مخدوم کے مشورے کے مطابق آئندہ سے  
 عورتوں اور مردوں کے لئے علحدہ علحدہ دن مقرر کئے جائیں،  
 وہ رسم بند ہو گئی۔ مذکورہ مخدوم ٹھٹھے میں صاحب حال  
 مشائخ کی صورت میں ظاہری طور پر شریعت کے فتاویٰ میں  
 مشغول رہا کرتے تھے۔ ان کی وفات سنہ ۱۰۶۶ھ میں ہوئی۔  
 ان کے برگزیدہ فرزند میاں ابوبکر حدارت کے عہدے پر فائز  
 ہوئے۔ وہ اعلیٰ درجے کے فاضل تھے۔ ان کی اولاد ایک بڑا  
 خاندان بن گئی تھی لیکن اب ان کے ہسماندگان میں ایک دو  
 آدمیوں سے زیادہ کوئی نہیں دکھائی دیتا۔ انہوں نے سنہ  
 ۱۰۸۵ھ میں وفات پائی۔

مخدوم علی احمد عرف قمری [اور ان کی اولاد]۔ مخدوم  
 علی احمد عرف قمری مذکورہ مخدوم آدم کے بھائی تھے۔  
 خوش الحان [۵۵۴] ہونے کی وجہ سے انہیں ”قمری“ کا  
 لقب ملا تھا۔ یہ فضیلت و کمال کے زیورات سے آراستہ تھے۔  
 مشہور طالب عالم مخدوم رحمت اللہ جو بڑی عظمت اور انسانی  
 خوبیوں سے موصوف گذرے ہیں انہیں کے فرزند تھے جن کے

فرزند مخدوم عبدالجمیل ہیں۔ یہ بھی اپنے وقت کے مشہور و معروف فاضل اور اعلیٰ درجے کے ذکی و فہیم تھے، مخدوم ضیاء الدین کے داماد تھے۔ سنہ ۱۱۵۳ھ میں فوت ہوئے۔  
میاں محمد صادق اور مخدوم نعمت اللہ انہی کے فرزند ہیں۔

میاں محمد صادق نے عنفوان شباب میں کمالات علمی حاصل کئے اور حرمین شریفین کی زیارت کا شرف حاصل کر کے ٹھٹھے واپس لوٹ آئے۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد جونا گڑھ کا سفر کیا اور بڑی عزت و تکریم کے ساتھ [کچھ دن وہاں] گزار کر واپس آ گئے۔ [اس کے بعد] دوسری مرتبہ پھر اُس طرف گئے اور سر زمین کچھ کے موضع ٹڑی میں زندگی کی امانت مالک الارواح کے حوالے کی۔ ان کے فرزند میاں عبدالجمیل عرف میاں متو حیات ہیں۔

مخدوم عبدالجمیل کے [دوسرے] فرزند مخدوم نعمت اللہ زمانے کے لئے ایک نادر تحفہ پیدا ہوئے۔ بیس سال کی عمر میں انہوں نے نہایت خوبی کے ساتھ مدرسہ علمی آراستہ کیا۔ علوم نقلی میں وہ اپنے نانا مخدوم ضیاء الدین اور علوم عقلی میں مولوی محمد صادق کے، جن کا ذکر آگے آئیکا، شاگرد تھے۔ کچھ ہی عرصے میں صلاحیت، تقویٰ اور علمی جامعیت کے لحاظ سے وہ کتنے ہی علما پر فوقیت پا گئے اور راہ فقر کے سالک بنے۔ وہ سید یار محمد کے، جن کا آگے ذکر آئیکا، مرید ہو کر اس مرتبے پر فائز ہوئے جس کے بیان سے زبان قاصر ہے۔ اگر ان کی حیات وفا کرتی تو آج ان کا قدم سارے با کمالوں سے آگے ہوتا۔ والیٰ سندھ میاں غلام شاہ خان کے صاحبزادے میاں محمد سرفراز خان ان سے بڑی عقیدت رکھتے تھے اور مریدوں

کی طرح پیش آیا کرتے تھے [۵۵۵] تقدیراً سنہ ۱۱۷۹ھ میں وہ حرمین شریفین کی زیارت کے لئے روانہ ہوئے اور مکہ شریف کے اسی طرف ساتویں منزل پر سر زمین حجاز کے بندر کافہ میں اسی سال کی ۱۸۔ ذوالقعد کو منزل مقصود کو جا پہنچے (فوت ہو گئے)۔ راقم الحروف [فانح] کو دونوں بھائیوں کی شاگردی کا شرف حاصل ہے۔ ان مرحوم کی تاریخ میں یہ مصرعہ کہا ہے: ”وارث الانبیاء شد از دنیا“۔

مذکورہ مخدوم علی احمد قمری کے دوسرے فرزند شیخ عبدالباسط تھے۔ وہ ایک جید عالم تھے۔ عالمگیر کے حضور میں حاضر ہو کر [انہوں نے] تاریخ فتح قلعہ خیرا رحمن بخش اس آیت کریمہ ”هَذَا عَطَاُ نَا فَاْمِنِ اَوْ اْمْسِكْ بِغَيْرِ حَسَابٍ“ (۱) سے نیکالی تھی۔ قدر شناس بادشاہ نے اس کے انعام میں اور ان کے کمالات علمی کے پیش نظر انہیں ٹوٹے کی عدالت کے عہدے کے ساتھ ساتھ ”صدی“ کا منصب بھی عطا کیا۔ آخری دنوں میں یہ حج اور زیارت کا شرف حاصل کر کے ٹھٹھ واپس لوٹ آئے۔ ضعف پیری اور سن رسیدگی کے باوجود یہ شاگردوں کو درس دینے میں مشغول رہا کرتے تھے۔ اب ان کے فرزند محمد اشرف، میاں سرفراز خان کی صاحبزادی کے زمانے سے، ان کے منشیوں میں داخل ہیں۔

شیخ محمد شاکر [اور ان کی اولاد] یہ بڑے لایق و فایق شخص تھے۔ عہدیداروں کی حیثیت سے انہوں نے عزت و شہرت

(۱) یعنی ”یہ ہماری عطا ہے اب چاہے تو بخش دے اور چاہے تو اپنے پاس بغیر حساب کے رکھ لے“۔

کے ساتھ اپنی زندگی گزاری۔ ان کے فرزند میاں غلام احمد ان کی یادگار رہے۔

مذکورہ شیخ محمد شاکر کے بھائی شیخ محمد کریم ایک سلیقہ مند، قابل اور زیور انسانیت سے آراستہ شخص تھے۔ کافی عرصے تک تقسیم معاش کی خدمت پر مامور رہے۔ حال ہی میں انہوں نے انتقال کیا ہے۔ یہ لاواہ ہی فوت ہوئے۔ [۵۵۶]  
میاں آدم متقی۔ تقویٰ میں یہ اہل معرفت کے متقیوں کے امام اور علم میں یہ صاحبان یقین کے پیشوا تھے۔ مخدوم آدم کے ہم عصروں میں سے ہیں۔

میاں عبد النبی "خائف"۔ یہ بڑے فاضل بزرگ تھے اور اہل اللہ کی طرح رات دن خوف خدا میں گریہ و زاری کیا کرتے تھے۔ گاہے گاہے ان سے بڑی کرامتیں بھی ظاہر ہوا کرتی تھیں۔ میاں آدم متقی کے ہم عصر تھے۔

میاں عبدالرحیم۔ یہ، ذات کے ونازری، با کمالہ مرد اور صاحب مدرسہ تھے۔ صلاحیت اور تقویٰ ان کی اولاد میں موروثی طور پر چلا آتا ہے۔ ان کی اولاد میں بعض نیکی اور پرمیزیگاری کے زیورات سے آراستہ بزرگ پیدا ہوئے۔

مخدوم رحمت اللہ [اور ان کی اولاد] یہ ایک مشہور و معروف صدر اور مدرس اور علمی و عدلی کمالات کا مجموعہ تھے۔ عالمگیر بادشاہ نے بڑے اشتیاق سے انہیں طلب کیا اور امتحان لے کر انہیں بے حد پسند کیا۔ بادشاہ نے سنا تھا کہ وہ مثنوی مولانا روم کا بڑا عمدہ درس دیتے ہیں۔ چنانچہ امتحان کی خاطر اس نے پوچھا کہ "ملا، مولانا نے بیت، "جون گرسند...."

الخ ، کس طرح کہی ہے۔ " حالانکہ مولانا کے کلام میں مقصود [ سامع سے ] خطاب ہے لیکن انہوں نے ادب کی رعایت سے اپنے نفس کو خطاب کر کے [ یوں ] سنا یا :

"چون گرسنه می شوم سگ می شوم

سخت بد اندام بدرگ می شوم" - (۱)

بادشاہ ان کا یہ [ لحاظ ] ادب دیکھ کر بڑا خوش ہوا اور کہا کہ "میں نہ سمجھتا تھا کہ ملا" عیام ادب سے اس قدر بہرہ ور ہے۔" بالآخر منصب صدارت سے سرفراز ہو کر اور بڑا اعزاز پا کر وہ ٹھٹھے واپس ہوئے۔

ان کے فرزند رشید محمد عابد صدر بھی اپنے والد کے کمالات سے موصوف ہو کر زمانے میں مشہور ہو گزرے ہیں۔ [ ۱۷۵۰ ]

ان کے فرزند شیخ کمال الدین والد کی وفات کے بعد سن شعور کو پہنچتے ہی جہاں آباد جا پہنچے اور وہاں جا کر ایک لایق طالب علم اور با کمال شاعر بنے۔ پھر جب ترقی کے قریب ہوئے تو اچانک چیچک کا مرض انہیں راہ فنا کی جانب لیے گیا۔ شاہ عبدالغفور ہالائی کا واقعہ جو فی الواقعہ زمانے کے لئے ایک [ مرقع ] عبرت تھا۔ اس کی تاریخ [ انہوں نے ]

(۲) حضرت ظل سبحانی [ عالمگیر ] نے زبان مبارک سے فرمایا

کہ مثنوی کی بیت جو "چون گرسنه" سے شروع ہوتی ہے اگر یاد ہو تو پڑھو۔ [ انہوں نے ] معاملہ کو سمجھ کر اور بادشاہ کے ادب کو ملحوظ رکھ کر [ بیت کی ردیف ] "شوی" کو (جو سننے والے سے خطاب ہے) "شوم" سے تبدیل کر کے پڑھا۔ (مقالات الشعراء ص ۲۴۶)

آیہ کریمہ ”فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْأَلْبَابِ“ (۱) سے دریافت کی تھی۔

میاں لطف اللہ مدرس۔ یہ ایک مرد کامل، اپنے وقت کے مشہور جامع العلوم اور زمانے کے ایک مقتدر عالم ہو گذرے ہیں۔

مخدوم برہان [اور ان کے فرزند]۔ یہ ایک فاضل کامل اور وقت کے علامہ تھے۔ اعلیٰ فضائل کے ساتھ یہ افضل حال کے بھی مالک تھے۔ انہوں نے بڑی برکت کے ساتھ زندگی گزاری اور طالبین کی جماعت کو ظاہری و باطنی فیض سے سرفراز کیا۔ یہ میاں ابوالقاسم وکیل شرعی کے ہمعصر تھے۔ ان کی اولاد میں مولوی محمد کریم طالب عام باقی ہیں۔

مخدوم عنایت اللہ۔ یہ مذکورہ میاں احمد کتابی کے شاگرد اور جید عالم و مقتدر متقی تھے۔ [علم کے] دو روشن ہرچم، علامہ مخدوم ضیاء الدین اور مخدوم محمد معین ان کے شاگرد تھے۔ دوسرے بھی کتنے ہی شاگرد ان بزرگوار کی خدمت سے فیض حاصل کر چکے ہیں۔ اپنے وقت کے یہ ایک صاحب ارشاد معلم ہو گذرے ہیں۔ انہوں نے سنہ ۱۱۱۳ھ میں وفات پائی۔

شیخ عبدالواسع [اور ان کے فرزند]۔ یہ ایک صوفی، جید عالم، طریقت صوفیا میں اپنے عہد میں یگانہ اور عجیب و غریب تصنیف کے مالک نواب میر امین الدین خان کے استاد ہیں۔ جنہوں نے ”رشدات الفنون“ اور [۵۵۸] ”معلومت الافاق“ کو انہیں کے فانوس طبع سے روشنی حاصل کر کے قلمبند کیا تھا۔

(۱) یعنی ”اے اہل بصیرت! عبرت حاصل کرو“۔

”مخزن الاسرار“ کی شرح [انہوں نے] قاضی ابراہیم سے بہتر کی ہے۔

مذکورہ صوفی شیخ عبدالواسع کے فرزند محمد علی جملہ چودہ علوم میں کمال دسترس رکھتے تھے۔ اکثر علوم میں ان کی تصانیف مشہور ہیں۔ یہ تصوف سے واقف اور مذہب امامیہ (شیعہ) کے پیرو تھے۔ اشعار بڑے عمدہ کہتے تھے لیکن ایک ہی تخلص نہ رکھتے تھے۔ اکثر غزلوں میں کہیں عشقی، کہیں، مذہب، اور کہیں دیسی، انیسی، بقائی اور قنائی دیکھا گیا ہے۔

مخدوم طالب اللہ مدرس۔ یہ موضع بدین کے ساکن شیخ عبداللہ کے فرزند ہیں۔ بڑی فضیلت اور اچھی حالت کے مالک تھے۔ اپنے فرزند بیگ محمد کو انہوں نے اپنی جانب سے عالمگیر بادشاہ کے حضور میں بھیجا تھا۔ جہاں سے وہ دس ہزار درم اولاد کے معاش کے لئے اور ایک روپیہ ہومیہ مدرسہ کے خرچ کے لئے، لے کر واپس ہوئے تھے۔ طویل عمر پا کر وہ اس بے سود دنیا سے رخصت ہوئے۔

شیخ عبدالرحمان حقانی۔ یہ علمیت کے صاحب کمال، انسانی خوبیوں کا مجموعہ، بے خودی اور تقویٰ کی صفات سے موصوف اور اہل اللہ بزرگ ہو گذرے ہیں۔ ان کے فرزند حامد خان ممتاز افراد کی فہرست میں شمار کئے جاتے تھے۔

میاں ابوالحسن۔ یہ وقت کے کامل بزرگ اور علم و عمل کے مالک تھے۔ عقاید اسلامی اور فرائض ایمانی کے بارے میں ان کی نظمیں، جو عوام و خواص کا ورد ہیں، ان کی یادگار ہیں۔

ایک دنیا ان کی بزرگی کی قائل ہے۔ ان کی ایک کرامت یہ ہے کہ آخری ایام میں جب ضعیف ہو کر یہ کمر خمیدہ ہو گئے تو ایک دن انہوں نے اپنی بیوی کے بھانجے میاں عبد اللہ واعظ عرف میاں موربہ کو اس حالت میں کہ ابھی ان کی مسیں بھی نہ بھینگی تھیں کہا کہ ”بیٹا! اب مجھ میں امامت کی طاقت نہیں رہی ہے تو جلد باہرے ہو جا اور میری [۵۵۹] امامت کر“ دوپہر کے وقت یہ کہہ کر انہوں نے رخساروں پر ہاتھ پھیر تھا، کہ قدرت خداوندی سے تیسرے پھر تک داڑھی کے نشانات [ان کے چہرے پر] ظاہر ہو گئے اور انہوں نے جا کر امامت کی۔

کہتے ہیں کہ ان کے ایک مرید نے کسی دن آکر ان سے فریاد کرتے ہوئے کہا کہ ”نواب کا ملازم رات کو نشے میں چور ہو کر جبراً میرے گھر میں داخل ہو جاتا ہے اور میری بیوی کے ساتھ بیٹھ کر جو اس کا جی چاہتا ہے کرتا ہے۔“ اس کے حال زار پر رحم فرماتے ہوئے انہوں نے فرمایا کہ ”تم ذرا صبر کرو میں اس کا تدارک سوچتا ہوں۔“ اس کے بعد انہوں نے اپنی بیوی کے بھانجے میاں عبد اللہ سے کہا کہ ”پھر ہٹھ کی خدمت میں جا کر میرا سلام دینا اور پھر اس ظالم کے تدارک کا پیغام پہنچانا“ انہوں نے جا کر [حسب ہدایت] درخواست کی اور صبح کو واپس آکر کیا دیکھا کہ وہ شخص، [حسب عادت] اس مرید کے گھر کی طرف جاتے ہوئے راستے میں پیشاب کرنے کے لئے ایک دیوار کی اوٹ میں بیٹھ رہا تھا کہ اچانک اس کا پاؤں پھسلا اور وہ ایک کھونٹے پر پیٹ



کے بل جا گرا جو زمین پر گڑا ہوا تھا، اس کا پیٹ پھٹ گیا،  
آنتیں باہر نکل آئیں اور وہ مر چکا تھا۔

میاں عبدالقادر [اور ان کی اولاد] یہ مذکورہ میاں ابوالحسن  
کے ایک چچازاد بھائی اور برگزیدہ شخص تھے۔ یہ دونوں  
بزرگ ایک دوسرے کے ہم زلف بھی تھے۔ انہوں نے دو فرزند  
محمد حفیظ اور عبد اللہ یادگار چھوڑے۔

میاں محمد حفیظ بڑے صالح اور متقی کامل بزرگ تھے۔  
خداوند تعالیٰ نے ان کی ذات کو کرامات کا مجموعہ بنایا تھا۔  
جو بھی ذمی (کافر) ان کا چہرہ دیکھتا تھا فوراً داخل اسلام  
ہوتا تھا۔ اس طرح کتنے ہی مشرکوں نے ان کی زیارت کی  
برکت سے اسلام کا شرف حاصل کیا تھا۔ مسجد اسلام پور انہی  
کے نام سے مشہور ہے۔ مکلی پہاڑی کے دامن میں کالکان [۵۶۰]  
کے نزدیک جو گمراہ ہندوؤں کے میلے کی جگہ تھی انہیں نے  
مسجد کی بنیاد رکھی تھی۔

میاں عبد اللہ واعظ عرف میاں موریہ بھی ایک باصفا عالم  
اور بزرگی و برکت میں مشہور فرد ہو گذرے ہیں۔ وہ اپنا  
وقت سعید ہمیشہ وعظ و نصیحت میں صرف کیا کرتے تھے۔  
ان کی اولاد میں عبدالقادر حال ہی میں حرمین شریفین کی زیارت  
سے مشرف ہو کر آئے تھے اور اپنے والد کی مسند وعظ آراستہ  
کر کے سنہ ۱۴۱۸ھ میں فوت ہوئے ہیں۔

مخدوم ہارون [اور ان کی اولاد] یہ شیخ شہاب الدین  
سہروردی کی اولاد میں، مخدوم عجائب بن مخدوم الیاس کے  
فرزند تھے۔ ان کے بزرگوں کا، موضع وریاہ کے بزرگوں میں،

ذکر ہو چکا ہے۔ مذکورہ موضع (وریاء) سے وہ نہایت فاضل اور جامع [العلوم] کی حیثیت میں ہجرت کر کے ٹھٹھہ آ گئے اور زندگی کے باقیماندہ دن یہیں اہل علم کی حیثیت سے گزارے۔ (۱) ان کے فرزند مخدوم ضیاء الدین، مخدوم عنایت اللہ کی شاگردی کی بدولت اہل فضل و کمال کے ایک بڑے گروہ کے معلم بنے۔ وہ سنہ ۱۰۹۱ھ میں پیدا ہوئے اور جید عالم ہونے کے باوجود راہ فقر کے مالک اور بڑے منکسر المزاج تھے۔ اپنے ہمعصروں میں بڑی ہدایت اور فیض کے ساتھ زندگی گزار کر سنہ ۱۱۷۱ھ میں ۸۰ برس کی عمر میں وفات پا گئے۔

ان کے فرزند میاں یار محمد انتہائی صالح، پڑھیزگار اور با فضیلت انسان تھے۔ ان کے فوت ہو جانے کے بعد اب ان کے فرزند مخدوم شلام محمد، غیر معدولی [۵۶۱] علمی فضیلت اور انتہائی انسانیت کے ساتھ بزرگوں کی یادگار اور دادا بزرگوار کے قائم مقام ہیں۔

مخدوم رحمت اللہ [اور ان کی اولاد]۔ یہ مخدوم اسحاق بن مخدوم عبدالحمید کے فرزند ہیں جن کا ذکر موضع وریاء کے بزرگوں میں کیا جا چکا ہے۔ مذکورہ مخدوم کشش آب و دانہ کی وجہ سے ٹھٹھے میں آکر سکونت پذیر ہوئے اور اہل علم کی فہرست میں داخل ہوئے۔ اپنی زندگی انہوں نے یہیں پوری کی۔

(۱) نسخہ ”ن“ میں اس مقام پر مندرجہ ذیل عبارت زائد ہے :

”ان کے فرزند مخدوم ابراہیم نے اہل فضیلت اور صالح انسانوں کی جماعت میں رہ کر زندگی گذاری۔“

ان کے فرزند مخدوم آدم نے والد کے بعد درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا اور علما کے طبقے میں بزرگوں کا نام روشن کیا۔

ان کے بعد مخدوم رحمت اللہ ان کے قائم مقام ہوئے۔ یہ مقتدر عالم و فاضل تھے۔ ہمعصروں میں یہ استاد کے لقب سے مشہور اور صفات بزرگی سے آراستہ تھے۔ مخدوم ہایزید کے نامور شاگردوں میں سے تھے جن کا ذکر آگے چل کر ہوگا۔ ان کے فرزندوں میں سے میاں محمد ذا کر اب تک جہان آباد میں حیات منے جاتے ہیں محمد عالم وہیں فوت ہوئے اور محمد ناصر حرمین شریفین جا رہے تھے کہ باسی بندر (۱) کے قریب دوسری دنیا کا سفر اختیار کر گئے۔ اس خاندان کا تتمہ، مخدوم مذکور کے چوتھے فرزند میاں محمد عاظم ٹھٹھے میں بزرگوں کی یادگار کے [طور پر] حیات ہیں۔

مخدوم ابو مصطفیٰ۔ یہ ایک مقتدر عالم، مخدوم نوح کے ہمعصر اور ان کے مرید و شاگرد اور ولی زمانہ سید اللہ کے نواسے تھے۔ ان کی اقامت گاہ پہاڑی پر شیخ عالی کے متصل مشہور ہے۔ ان کے ایک برگزیدہ فرزند پیدا ہوئے جن کا نام مخدوم ہایزید تھا۔ [۵۶۲]

مخدوم ہایزید [اور ان کی اولاد]۔ وہ اپنے وقت کے کامل اکمل طالب علم تھے۔ جامع العلوم ہونے کی حیثیت سے وہ

(۱) مولف کے دستی نسخے اور میر محمد خان والے قلمی نسخے میں یہ لفظ ”باسی“ ہے اور نسخہ مطبوعہ بمبئی میں ”عباسی“

اپنے ہم عصروں میں استاد تسلیم کئے جاتے تھے۔ یہ بڑے با صفا اور ہرگزیدہ بزرگ تھے۔ والد کی جانب سے ان کا نسب سادات سے ملتا ہے۔

ان کے فرزند میاں محمد حافظ جہد عالم تھے۔ وہ موضح ”ہنی“ میں سکونت پذیر تھے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے فرزند میاں علی اکبر نے والد کے قاہم مقام ہو کر نام پیدا کیا اور زندگی کی مدت پوری کر کے وفات پا گئے۔ انہوں نے کوئی اولاد نہ چھوڑی۔

مخدوم محمد امین۔ یہ تعلقہ روپاہ اور میدان باران کے گاؤں ”ڈائی“ (۱) میں رہا کرتے تھے اور دکل لاکھ قوم کے فرد مخدوم طالب اللہ کے فرزند تھے۔ یہ بزرگوں کے وطن سے منتقل ہو کر ٹھٹھے میں اقامت پذیر ہوئے اور فضیلت میں اپنے وقت میں مشہور تھے۔ فاضل خان ان کے والد مخدوم طالب اللہ کا مرید تھا اسی وجہ سے انہیں اپنی بیٹی کا رشتہ دیا۔ اس تقرب سے یہ بڑے صاحبِ شان و شوکت ہو گئے اور انہوں نے بہت اچھی طرح زندگی پوری کی۔ ان کے فرزند :

[مخدوم محمد معین]۔ یہ مذکورہ مخدوم عنایت اللہ کے شاگرد ہیں۔ خداوند تعالیٰ نے اس ذات ستودہ صفات کو اپنے وقت کے جملہ فنونِ کمال کا جامع پیدا کیا تھا۔ [علوم] معقول و منقول میں وقت کے علاوہ اور زمانے میں لا جواب تھے اور اس قدر علمی کمالات کے ہوتے ہوئے بھی راہ سلوک سے آگاہ تھے۔ کتنے ہی بزرگانِ دین سے ان کی صحبتیں رہیں۔ یہ میاں

ابوالقاسم نقشبندی سے ، جن کا ذکر آگے آئیگا ، بڑی عقیدت رکھتے تھے ۔ آخری دنوں میں ان کا جناب کرامت نصاب سید عبداللطیف مقلب بہ ” تارک ” سے بڑا یارانہ اور عقیدتہندانہ سلسلہ رہا ۔ [ ۵۶۳ ] ان کے اور مخدوم حاجی محمد ہاشم کے درمیان ہمیشہ مباحثہ رہا کرتا تھا ۔ ان کی کئی تصانیف بھی ہیں ۔ حکام بڑے احترام کے ساتھ ان کی زیارت کے لئے آیا کرتے تھے اور یہ بھی دیگر صاحبان تحقیق کی بہ نسبت ان سے بہتر ملاقات کیا کرتے تھے ۔ ” السماع ” ” معراج ” ” لا ولیا ” کے مقولے کے مطابق یہ سماع پسند اور علم موسیقی سے واقف تھے ۔ اس دارالفنا سے دارالبقا کی جانب ان کی رحلت بھی محض موسیقی کی سماعت کے ذریعے ہوئی ۔ اشعار محققانہ کہا کرتے تھے ۔ فارسی میں ” تسلیم ” اور ہندی میں ” پیراگی ” تخلص کرتے تھے ۔ ان کی وفات جو سنہ ۱۱۶۱ھ میں ہوئی فی الواقع صاحبان حال کے لئے [ باعث ] ماتم تھی ۔ کتنے ہی صاحبان ذوق نے ہستندیدہ قطعات کہے اور عجیب عجیب مادہ ہائے تاریخ دریافت کئے ۔ مثلاً محمد محسن [ ” محسن ” تنوی ] نے ” قطرہ در بہ بحر واصل شد ” اور ” معین دین احمد رفت صد حیف ” [ کے مصرعہ ] کہے ، میرے ( قانع کے ) استاد حضرت مخدوم نعمت اللہ نے فرمایا ” شفیع تو رسول ” اور محمد ہناہ رجانے ” ناجی شد او کہ آل محمد معین اوست ” کہا ۔ غرض ان کی بلند مقامی کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ صاحب العصر جناب سید عبداللطیف ” تارک ” ( بھٹائی ) نے اپنے گاؤں میں خد ” ام سے فرمایا کہ ” چلو تو اپنے یار کے آخری دیدار

کے لئے چلیں ” یہ کہہ کر آپ ٹھٹھہ آئے اور محفل موسیقی منعقد کی ۔ مخدوم موصوف بھی اس صحبت میں شامل ہوئے۔ عین گرمیٰ محفل میں وارفتگی ذوق میں وہ آٹھ کر اندر گئے اور فوراً جان بحق ہو گئے ۔ مذکورہ سید نے ( شاہ بھٹائی نے ) جنازے میں شمولیت کے بعد گاؤں واپس ہوتے ہوئے کہا کہ ” انہی کی وجہ سے ٹھٹھے میں آنا ہوا کرتا تھا بس آج سے یہ بند ہوا ۔“

مخدوم عنایت اللہ [ اور ان کی اولاد ]۔ یہ صاحبِ حال اور بے مثال کرامتوں سے موصوف تھے ۔ نابینا ہونے کے باوجود حافظہ بے حد [ قوی ] تھا ۔ بچپن سے لے کر جبکہ وہ نابینا ہوئے تھے ، فوت ہونے تک ، جبکہ [ ۵۶۳ ] طویل عمر کو پہنچ کر وہ کمر خمیدہ ہو چکے تھے ، ساری عمر انہوں نے عوام کو فیض پہنچائے میں صرف کی ۔ ان کی محفل وعظ پُر اثر ہوا کرتی تھی ۔ شغل باطنی بھی پوری طرح [ انجام ] دے کر انہوں نے بڑی جلائے [ قلب ] حاصل کی تھی ۔ کتنے ہی [ بزرگ ] ان کی توجہ سے فیض یاب ہوئے۔

ان کے فرزندوں میں میاں محمد سعید واعظ ، درویشی میں مشہور اور فضیلت سے موصوف رہتے ہوئے نہایت بزرگی کے ساتھ اپنی عمر پوری کر گئے ۔

دوسرے [ فرزند ] مولوی محمد صادق ، جو مخدوم محمد معین کے شاگردوں میں سب کی ناک تھے ، علامہ وقت اور لایق و فایق استاد ہو گزرے ہیں ۔ انہوں نے کتنے ہی شاگردوں کو درجہ کمال تک پہنچایا ۔ معقولات میں وہ اپنے وقت میں

بے نظیر تھے۔ مذکورہ سید عبداللطیف (بھٹائی) کے مرید تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی انتہائی بے تکلفی کے ساتھ پیری مریدی کی رجوعات سے بے نیاز رہتے ہوئے باطنی وظائف میں مشغول رہ کر گزاری اور وفات پائی۔

مخدوم حاجی محمد ہاشم [اور ان کی اولاد] یہ عبدالغفور

سندھی کے فرزند اور اصلاً دیہات کے رہنے والے ہیں۔ مخدوم ضیاء الدین کی شاگردی کی ہرکت سے یہ علما وقت سے افضل اور مشہور ہوئے اور اقبال و انتظام میں اکثر [مقتدر] علما سے بازی لے گئے۔ حالانکہ مخدوم محمد معین وغیرہم جیسے علمائے وقت سے ان کی مخالفت رہا کرتی تھی لیکن اس کے باوجود مذہب سنت و الجماعت کی تقویت اور دین متین کی رسومات کے احیا میں اپنی نظیر آپ تھے۔ ان کے زمانے میں ان کی کوششوں سے ایسے بڑے بڑے کام سر انجام ہوا کرتے تھے جو دین حق کی تائید کا سبب ہوتے تھے۔ ان کے وقت میں کم از کم صدہا ذسی (کافر) ایمان سے مشرف ہوئے۔ یہ نادر شاہ بادشاہ اور احمد شاہ (ابدالی) جیسے فرمانروایان وقت سے خط و کتابت کی راہ کھلی رکھتے تھے اور ان کی درخواستوں پر تقویت دین کے متعلق خاطر خواہ [۵۶۵] احکامات جاری ہوتے اور خوبی کے ساتھ عمل میں آیا کرتے تھے۔ غرض ان کا وجود غنیمت تھا۔ ہر علم میں ان کی تصنیفات موجود ہیں۔ سنہ ۱۱۷۴ھ میں انہوں نے وفات پائی۔ ان کے فرزندوں میں سے حاجی عبدالرحمان حال ہی میں، جو ناگزیر میں انتقال کر گئے ہیں۔

اب مخدوم عبداللطیف [اپنے] والد کے جانشین ہیں۔

والد کے دستور کے مطابق ہر جمعہ کے دن صبح کے وقت وہ جامع خسرو میں محفل وعظ منعقد کیا کرتے اور روزانہ تیسرے پھر کو اپنی مسجد میں درس حدیث کا شغل جاری رکھتے [کے باوجود وہ] اپنے مشہور مدرسہ کی روزی قائم رکھتے آئے۔ اس سال یعنی سنہ ۵۸۷ (۱۱۸۷ھ) میں جبکہ وہ خود میاں محمد سرفراز خان کے لشکر میں منصب قضا پر مامور ہوئے ہیں، اس لئے ان کے فرزند ارجمند میاں ابراہیم عرف مولیٰ ذنہ والد اور دادا بزرگوار کے کام سنبھال رہے ہیں۔

حاجی عبدالرحمان کی اولاد میں بھی میاں محمد نامی ایک با توفیق نوجوان علم و صلاحیت کا مالک اور بزرگوں کا پیروکار [موجود] ہے۔

حاجی محمد قائم [اور ان کے شاگرد] یہ اصل میں مضافات کے رہنے والے تھے اور بڑے عالم کامل، بہترین فاضل، عقلی و نقالی علوم کے جامع اور کسبی و وہبی فیوض کے مرکز تھے۔ یہ مخدوم رحمت اللہ کے، جن کا ذکر ہو چکا ہے، شاگرد اور مذکورہ حاجی محمد ہاشم کے مد مقابل تھے۔ علمی مباحثوں میں علما سے ان کی کئی صحبتیں ہوئیں جن میں یہ اپنی ذکاوت اور فراست کی بدولت کتوں ہی سے بازی لے گئے۔ ہر روز سہ پہر کے وقت یہ حدیث نبوی علیہ السلام کا بیان کیا کرتے تھے اور کتنے ہی صاحبان توفیق کوراء سلوک کی ہدایات دیا کرتے تھے۔ سنہ ۱۱۴۵ میں ایک بار حج کو جا کر [بغیریت تمام] واپس آئے۔ [۵۶۶] پھر دوسری مرتبہ اہلیہ [محترمہ] سمیت جا کر وہیں سکونت پذیر ہو گئے اور اس با برکت سر زمین میں



درس حدیث میں جملہ علما میں مشہور ہوئے۔ سنہ ۱۱۵۷ھ میں انہوں نے وفات پائی۔ اس مسودہ کے راقم [قانع] نے آیتہ کریمہ ”فی جنّات تجرّی“ [ان کے مال وفات کے مطابق دریافت کی ہے۔

ان کے شاگردوں میں ملا محمد باقر واعظ انتقال کر چکے ہیں اور مخدوم نور محمد نصرپور میں مشہور و معروف اور موجود ہیں۔

آخوند محمد باقر واعظ۔ یہ خلیفہ محمد رضا کے فرزند، حاجی محمد قائم کے شاگرد اور زہد و تقویٰ میں اپنے وقت میں بے نظیر تھے۔ ان کی بزرگی احاطہ تحریر سے باہر ہے۔ آمدنی کم اور ضرورت کے زیادہ ہونے کے باوجود یہ ہمیشہ دروازے بند کر کے زندگی گزارتے رہے اور اہل دنیا کی فتوحات و رجوعات قبول نہ کیا کرتے تھے۔ شیخ شکر اللہ ان کے لئے میاں نور محمد کی سرکار سے، کچھ وجہ معاش مقرر کروا لائے لیکن انہوں نے قطعی قبول نہ کیا اور اختیاری درویشی و مسکینی میں زندگی گزارتے ہوئے انتہائی فضیلت و کمال کے ساتھ اس عالم پر بقاء سے رخصت ہو گئے۔

میاں غلام محمد۔ یہ ایک جید عالم تھے۔ انہوں نے فضیلت میں مشہور اور اپنے ہم عصروں میں ذکاوت طبع سے مخصوص رہ کر زندگی گذاری۔ عین شباب میں اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ اب ایک خورد مال فرزند ان کی یادگار ہے۔

آخوند محمد باقر خجہ آخوند عبدالواسع کے فرزند اور حاجی

حمزہ کی اولاد میں سے تھے جن کا ذکر مخدوم حمزہ واعظ کے بیان میں ہو چکا ہے۔ فضیلت میں انتہائی کامل اور فقہ کے بہت بڑے عالم تھے۔ پوری اور شہرت کو پسند نہ کرتے تھے۔ فقہ میں ان کے وقت میں کوئی ان کا ہمسر نہیں تھا۔ حافظہ بے حد قوی تھا۔ بزرگ ان کی خدمت تبرک سمجھتے تھے اور جب تک یہ حیات [۵۶۷] رہے نہایت مناسب طریقے پر ان سے فیض حاصل کیا کرتے تھے۔ تقریباً آٹھ برس بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ عمر پا کر مجرد اور پرهیزگار رہتے ہوئے انتقال کر گئے۔

[ملا محمد ناصر]۔ ان کے بھائی ملا محمد ناصر ایک صاحب حال اور مشہور مرد تھے۔ وفات کے وقت یہ اولاد چھوڑ گئے۔ حاجی بولو۔ یہ اپنے وقت کے نامور طالب علم اور مضافات کے باشندے تھے۔ کچھ عرصے تک ٹھٹھے میں طالبین کو فیض پہنچا کر انتقال کر گئے۔

[آخوند محمد شفیق]۔ آخوند محمد شفیق جو ایک برگزیدہ ملا اور جامع مسجد کے نائب امام تھے انھیں (حاجی بولو) کے شاگرد تھے۔ تحصیل علم کے باوجود یہ میاں سومار باٹھاری کی، جو فقرا کی ایک جماعت کے مرجع تھے، صحبت سے بے حد فیض حاصل کر کے صاحب دل ہو گئے تھے۔ وفات کے وقت یہ بھی اولاد چھوڑ گئے۔

میاں عنایت اللہ طالب علم۔ یہ مخدوم محمد معین کے مدرسے کے نائب تھے اور ان کی وفات کے بعد کتنے ہی سالوں تک شاگردوں کی خدمت اور تدریس میں مشغول رہنے کے بعد فوت ہوئے۔

نعمۃ الکرام

میان ٹھہریو طالب علم - یہ [لوگوں کے] رجوع کو ناپسند اور گوشہ نشینی کو پسند کرنے والے بزرگ، اناج بازار کے عقب میں مغرب کی جانب مسجد میں سکونت پذیر ہیں اور چند طالبین علم کو درس دیا کرتے ہیں۔

اہل سلوک، اہل اللہ اور حضرت پیر علیہ الرحمۃ کے خلفا کا طبقہ

جو دنیا کی عزت اور آخرت کی بہتری کے ساتھ حسی و نسبی بزرگی کے مالک، کسبی و وہبی فیوض کے آقا، زمانے کے لئے تبرک اور یقین و معرفت کے باغ کے خوبصورت پھول ہو گذرے ہیں۔ حالانکہ گذشتہ صفحات میں [۵۶۸] اس برگزیدہ گروہ کے بعض بزرگوں کا ذکر ہو چکا ہے۔ تاہم اس باب میں ان برگزیدوں کے حالات کے متعلق کچھ کلمات خاص طور پر درج کئے جاتے ہیں۔

ملا شیخ اسحاق [اور ان کی اولاد]۔ یہ اصلاً آج کے رہنے والے تھے اور مشائخین کرام کی صورت میں ٹھٹھے آئے تھے۔ بڑے باہدایت بے شمار کرامتوں کے مالک اور سید علی شیرازی کے ہم عصر تھے۔ وفات کے بعد مکملی پہاڑی کے مقام معلوم پر دفن ہو کر عوام و بلند مراتب خواص کی زیارت گاہ بنے۔ ان کی صحبت کے طفیل کتنے ہی بزرگ مقصد حاصل کر کے برگزیدہ ہوئے۔ ان کی اولاد میں خلافت اور بزرگی چلی آتی ہے۔ ہر ہفتہ بدھ کی رات عموماً اور ہر ماہ کے پہلے بدھ کی رات خصوصاً ان کے مقبرہ پر زائرین کا میلہ ہوا کرتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ پیر اسحاق اربعائی (بدھواری) کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کی اولاد

میں سے بعض خاندان میں حضرت پیر کی خلافت پشت بہ پشت رہتی آئی ہے۔ چونکہ وہ خود تسخیرِ جنات میں مشہور تھے اس لئے آج تک ان کے ہسماندگان موروثی طور پر دفعِ آسیب میں کمال دسترس رکھتے ہیں۔ ان میں سے جو ان کے مقبرے کے پشت بہ پشت متولی اور ان کی آرام گاہ کے مجاور ہیں ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔

مذکورہ پیر کے فرزندوں میں شیخ محمد صالح، والد کے بعد بڑے با ہدایت بزرگ ہو گذرے ہیں۔ ان کے بعد یہ نعمت شریعہ نعمت اللہ کو نصیب ہوئی اور ان کے بعد خلیفہ اسد اللہ بزرگوں کے با عزت جانشین رہے۔ اب آج کل خلیفہ اسد اللہ کے دو فرزند خلیفہ نعمت اللہ اور خلیفہ جان محمد بزرگوں کے سجادہ نشین ہیں اور دونوں بزرگوار درگاہ کے متولی ہونے کے کے داعی کی حیثیت سے مشہور ہیں۔

ملا محمود راہوتی۔ یہ مذکورہ شیخ اسحاق کے رفیق معتقد اور فیض یافتہ ہیں۔ کہتے ہیں کہ حضرت غوث الثقلین کے حکم [۵۶۹] پر شیخ اسحاق نے عمامے میں رکھنے کے لئے انہیں کوئی تعویذ لکھ کر دیا تھا جس کے اثر سے جو بھی انہیں دیکھتا تھا ان کے ہاتھ پر بیعت کر لیتا تھا۔ آخر کار جب وہ لوگوں کے کثیر انبوہ سے عاجز آ گئے تو انہوں نے وہ تعویذ اپنے عمامے سے علیحدہ کر دیا۔ پھر کوئی نیا شخص ان کا مرید نہ ہوا البتہ سابقہ مرید ان کے سلسلہٴ ارادت میں قائم رہے۔ انہیں جناب حضرت غوث الثقلین کی خلافت حاصل تھی جو اب تک ان کی اولاد میں چلی آئی ہے۔

خلیفہ ابوالبرکات [اور ان کے ہمساندگان] یہ کجرات کے رہنے والے، حضرت غوث الثقلین کی اولاد اور شاہ حافظ اللہ کجراتی کے مرید تھے۔ کہتے ہیں کہ شاہ حافظ اللہ نے انہیں اور شیخ یعقوب کو، جن کا ذکر آگے ہوگا، اشارہ فرمایا کہ ”ہمارے چچا زاد بھائی سید عبد اللہ ٹوٹے میں مکلی پہاڑی پر آرام فرما رہے ہیں اور ان کا مزار بہت دن گذر جانے کی وجہ سے سمار ہو گیا ہے [وہاں] جا کر اسے درست کر آؤ۔“ اس پر یہ مذکورہ شیخ (یعقوب) کے ساتھ ٹھٹھے آئے اور آکر اس ولی کا مزار دیکھ کر اسے ظاہر کیا (مرمت کردی)۔ غرض خلیفہ ابوالبرکات روشن نشانیوں اور کھلی ہوئی کرامتوں کے مالک ہو گزرے ہیں۔

ان کے فرزند ارجمند خلیفہ محمود والد کے بعد ایک کامل بزرگ ہو کر شاندار کرامتوں کے مالک ہوئے۔ ان کے بعد خلیفہ حامد بزرگوں کی مانند اولیا کی صفات کے سرچشمہ بنے اور اب خلیفہ محمد سعید مذکورہ بزرگوں کے جانشین اور بزرگانہ صفات سے موصوف ہیں۔ ایک معتبر سے سنا گیا ہے کہ ابھی خلیفہ محمد سعید طفل شیرخوار تھے کہ میں خلیفہ حامد کی زیارت کے لئے گیا۔ وہ اس وقت کھڑے اندر تھے ان کے فرزند جبرے میں مجو خواب تھے، [۷۰۵] اور ان شیرخوار کی زبان پر ذکر جہری (۱) جاری تھا۔ جب خلیفہ حامد آئے تو انہوں نے پیر [کے اشارہ] سے انہیں بیدار کیا اور راوی سے کہا کہ

(۱) ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کے زور سے ورد کرنے کو ذکر جہری

بزرگ زادگان کے مقامات کی کرید نہ کرنی چاہئے۔ قصہ مختصر  
خلیفہ محمد سعید ایک برگزیدہ صالح، جہاں کے موجد اور صاحب  
کرامات بزرگ ہیں ان کا وجود تبرک ہے۔

خلیفہ داؤد [اور ان کی اولاد] خلیفہ داؤد بن شیخ زین العابدین  
بن شیخ داؤد بن شیخ ایوب بن خلیفہ عبدالرشید، اصلاً صدیقی  
ہیں۔ ان کے بزرگ اس سر زمین پر اولین قادری خلفا ہیں اور  
کوئی بھی ان کی جائز خلافت کا منکر نہیں ہے۔ وہ بزرگانہ  
طریقے اور شان و شوکت کے ساتھ مقتدر صالح اور کامل منتقی  
ہو گذرے ہیں۔

ان کے بعد ان کے فرزند خلیفہ عبدالرشید جانشین ہوئے اور  
یہ بھی والد کی مانند کمال بزرگی کے ساتھ ہم عصروں میں ممتاز  
اور مشہور ہوئے۔

ان کے بعد خلیفہ زین العابدین صلاح و تقویٰ کے زیورات سے  
آراستہ پیدا ہوئے۔ یہ ہمیشہ خاکی سے دور جھونپڑے کے  
کوشے میں دروازہ بند کر کے وقت گزارا کرتے تھے۔ اکثر لوگ  
نذرانے اور تحائف لے کر ان کے دروازے پر آیا کرتے تھے  
لیکن یہ صرف ان چیزوں کو قبول کرتے تھے جن کے حلال  
ہونے کی انہیں اپنے دل کو نور سے خبر مل جاتی تھی باقی  
لوگ واپس کر دیئے جاتے تھے۔ ان کی زبان سے نیازمندانہ  
مناجات کے اشعار سننے میں آیا کرتے تھے۔ انہوں نے  
سنہ ۱۱۳۸ھ میں وفات پائی۔

شاہ ابوالقاسم [اور ان کی اولاد] یہ ہرات کے ساکن شیخ عبداللہ  
انصار کی اولاد میں سے ہیں۔ ٹھٹھہ تشریف لا کر انہوں نے بڑی

بزرگی کے ساتھ زندگی گذاری۔ [۱۷۰ھ] ان کے ہا ہدایت فرزند شاہ محمد یعقوب کمالات اعلیٰ سے مرصع ہو کر ان کے جانشین ہوئے اور زندگی کے دن ہزرگوں کے طریقے کے مطابق حسن و خوبی کے ساتھ گذار گئے۔ ان کے بعد ان کے فرزند محمد یوسف کمالات کے مصر کے عزیز ہوئے۔ یہ اہل تصوف کے حلقے میں زہد و تقویٰ میں ممتاز تھے۔ ان کے بعد میاں نعمت اللہ ما سوا سے بے تعاقی مرذ خدا آگاہ اور معزز کی حیثیت سے اپنے وقت میں مشہور و معروف ہوئے۔ ان کے دو نیک بخت فرزند پیدا ہوئے۔ ایک شاہ عزت اللہ اور دوسرے شاہ اسد اللہ۔

شاہ عزت اللہ عالمگیر کے حضور میں جا کر ملازموں کے سلسلے میں داخل ہوئے اور بادشاہ کے ہمرکاب بردہاں پور جا کر وہاں شادی کی اور صاحب اولاد ہوئے۔ ان میں سے شاہ حسن اللہ اپنے چچا شاہ اسد اللہ کی طلبی پر ٹھٹھہ چلے آئے اور ہمیشہ کے لئے یہیں رہ گئے۔ چونکہ شاہ اسد اللہ عرف شاہ اسماعیل، ان کے پہونچنے سے پیشتر ہی انتقال کر گئے تھے اس لئے راہ سلوک کے اشتیاق میں وہ، شاہ مسعود کے ساتھ جن کا آگے ذکر آئیگا، جہاں آباد چلے گئے اور وہاں جا کر شاہ غلام محمد کی صحبت اختیار کی۔ وہاں سے وہ پھر ٹھٹھہ واپس آ گئے اور اب درویشوں کی صورت میں خلق اللہ کے علاج معالجے میں وقت گزار رہے ہیں اور برکت سے خالی نہیں ہیں۔

شاہ اسد اللہ عرف شاہ اسماعیل صوفی حضرت شاہ عاشق اللہ کے مرید تھے، جو ہندوستان سے تشریف لائے تھے اور جناب شاہ عنایت اللہ صوفی کے، جن کا ذکر ہو چکا ہے، مریدی تھے۔

ٹھٹھے میں ان جیسا باکمال اس زمانے میں اور کوئی پیدا نہ ہوا۔ اس قاصر (قانع) کی زبان کتنی ہی [توصیف] بیان کیوں نہ کرے، پوری نہ ہوگی۔ ان کی کراستیں مشہور و معروف ہیں۔ ایک دن سبھی پڑھتے ہوئے ان کی حالت متغیر ہو گئی اور، ان کے سارے جسم پر بید کے نشانات ابھر آئے۔ اس حال کو چھپانے کے لئے انہوں نے [۷۰۲ھ] گودڑی منگا کر اوڑھ لی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اس وقت کوتوالی میں کسی شخص کو سزا دینے کے لئے بید مارے گئے تھے جن کا اثر شیخ کے جسم پر ظاہر ہوا تھا۔ ظاہراً وہ خاقی اللہ کے علاج معالجہ میں بڑا کمال دکھاتے تھے۔ حیرت اس بات پر ہے کہ نامردوں اور مرتے ہوئے لوگوں کو وہ ایسی حقیر اور عقل میں نہ آنے والی چیزوں سے تندرست کر دیتے تھے کہ حکیم تو دور رہا کوئی عامی بھی ایسی دوائیں تجویز نہ کریگا۔ ہمیشہ یہ عالم استغراق میں رہا کرتے تھے۔ ان کی خدمت میں مولانا رومی کے درس کے وقت عجیب کیفیت پیدا ہو جاتی تھی۔ ان کے مزار پر ہر سال میلہ لگا کرتا ہے اور وہ اہل اللہ کی زیارت گاہ ہے۔ انہوں نے کوئی اولاد نہ چھوڑی۔

شاہ محمد مسعود ولہاری - یہ شاہ اسماعیل عرف شاہ اسماعیل

کے خاص مرید اور فیض یافتہ ہیں۔ پہلے انہوں نے مخدوم حاجی محمد قائم کی خدمت میں رہ کر علوم ظاہری کی تحصیل کی اور پھر عظمت و شہرت حاصل کر کے راہ سلوک کی جانب مائل ہوئے۔ اس کے بعد انہوں نے مشنوی کا، جو واصلین کے لئے ایک شاہراہ عام ہے، درس شروع کر کے مکمل ذوق حاصل کیا۔



مذکورہ شاہ کی رحلت کے بعد ان کے اشارے کے مطابق انہوں نے جہان آباد جا کر باقی ماندہ مقصد شاہ غلام محمد کی خدمت رہ کر حاصل کیا۔ اب سلسلہ صوفیا میں ٹھٹھے میں ان جیسا دوسرا کوئی بزرگ نہیں ہے۔ مثنوی کا بڑا معقول درس دیتے ہیں۔ ایک جماعت کو انہوں نے پیرسود واہموں اور واہیات خیالوں سے آزاد کیا ہے۔ گوشہ خلوت میں وقت گزارا کرتے ہیں اور [مخلوق کی] رجوع سے بیزار ہیں۔

[عبداللطیف صوفی]۔ یہ تصوف میں ایک جماعت کے مرشد اور مذکورہ شاہ اسماعیل صوفی کے دوست تھے۔ انہیں شہرت [قطعاً] پسند نہیں تھی ان سے کبھی کبھی بڑی حیرت انگیز کرامات ظاہر ہوا کرتی تھیں [۵۷۳] ایک بار مخدوم محمد معین ان کی زیارت کے لئے آئے۔ گفتگو ہوتے ہوئے موسیقی کے سڑوں کا ذکر چھڑ گیا۔ آپ نے مخدوم سے کہا کہ ”میں خود بھی کبھی کبھی اس راہ پر گامزن ہوا کرتا ہوں“ اور یہ کہہ کر ایک راگ شروع کیا جس نے حاضرین کے دلوں پر اثر پیدا کر کے ایک عجیب حالت پیدا کر دی۔

شیخ محمد یعقوب۔ یہ شاہ حافظ اللہ گجراتی قادری حسنی کے مرید تھے۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے، انہوں نے خلیفہ ابوالبرکات کے ساتھ ٹھٹھے آکر مرشد کے اشارے کے مطابق مکلی پر شاہ عبداللہ کا مزار ظاہر کیا تھا۔ غرض یہ فقر و فنا کے کمال میں اولیائے اللہ کے گروہ کے سردار تھے۔ ان کی مریدی اور صحبت کے برکت سے ان کے تین نامور اور نیک یار، عالی مرتبت اہل اللہ کی جماعت میں مشہور و معروف ہوئے۔ ان میں

سے ہر ایک کا اپنے مقام پر ذکر ہوگا۔ ان بزرگوار کی اولاد کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔ ان کا مزار شاہ عبد اللہ کے حجرے میں پائنتی کی جانب عام لوگوں کی زیارت گاہ ہے۔

شیخ عثمان [اور ان کی اولاد] - یہ مذکورہ شیخ محمد یعقوب کے یاروں اور فیض یافتوں میں سے ایک ہیں۔ ان کے بزرگ، امرا کی خدمت میں - ”بقاولی“ (باورچیخانے کے داروغہ) کی حیثیت سے مشہور تھے۔ جب انہیں خوان معرفت ملنے کو ہوا، انہیں طلب حق دامن گیر ہوئی اور انہوں نے شمع اشتیاق روشن کر کے پیر کی خدمت سے کمال حاصل کیا اور ”مشائخ بقاولی“ کے لقب سے سرفراز ہوئے۔ وہ بڑے اہل کرامت بزرگ تھے۔

ان کے فرزند میاں ملوک شاہ ان کی ولایت کے وارث ہو کر شان مشائخی سے مخصوص ہوئے۔ ان سے کتنے ہی کاملین جیسے مناقب اور مشائخین جیسی کرامات ظاہر ہوا کرتی تھیں۔ عید گاہ میں اماموں کی جلوہ گاہ [۷۷۴ھ] انہی کی قائم کردہ ہے۔ ان کے بعد ان کے فرزند میاں شیریں محمد قائم مقام ہوئے۔ پھر ان کے فرزند میاں عبدالمخالق بزرگوں کے جانشین رہے۔ اب ان کے بعد میاں عبدالواحد بزرگوں کی یادگار، مقرر جماعت کے مرشد اور بزرگوں کی راہ سلوک سے واقف اور موجود ہیں۔

درس لئو [اور ان کی اولاد] - یہ ہر گنہ ساکرہ کے شہر سول آباد کے ساکن خلیفہ بابزید کی اولاد ہیں۔ بیشتر کوهستانی باشندے ہشتہا ہشت سے شیخ بابزید کے مرید ہیں۔ مذکورہ

درس ، جناب غوث الثقلین کے اشارے کے مطابق ٹھٹھ آئے ۔  
 یہاں انہوں نے خوجہ قوم کی ایک جماعت کو اسلام میں داخل  
 کیا اور کچھ عرصہ اسی قوم کے محلے میں ، جو محلہ نورسیہ  
 کے نام سے مشہور ہے ، اس مسجد کے اندر ، جو ٹھٹھے میں نہایت  
 قدیم کہی جاتی تھی اور اب حاجی محمد قائم کے نام سے  
 مشہور ہے ، میدان ”جملہ پیر“ کے سامنے ، سکونت پذیر رہے ۔  
 کہتے ہیں کہ شیخ یعقوب اور شیخ عثمان ، جن کا ذکر  
 ہو چکا ہے اور درس للو اور درس امین محمد جن کا ذکر آگے  
 چل کر ہوگا ، اسی میدان میں باہم ملاقات کیا کرتے تھے ۔  
 اس وجہ سے یہ میدان خلق عام میں ”جملہ پیر“ کے نام سے  
 مشہور ہو گیا اور اس کی زیارت سے عقیدت مندوں کی مرادیں  
 پوری ہوتی ہیں ۔ قصہ کوتاہ ، اس کے بعد درس للو وہاں  
 سے [محلہ] مغلاوڑہ میں آگئے اور اس مقام پر آکر مقیم ہوئے  
 جہاں اب ان کی اولاد رہا کرتی ہے ۔ پھر وہ بڑی بزرگی کے  
 ساتھ زندگی گزار کر فوت ہو گئے ۔

ان کے بعد ان کے فرزند شیخ ابراہیم ، دلکش کرامتوں کے  
 ساتھ والد کے جانشین ہوئے جن کے بعد ان کے فرزند میاں احمد  
 بزرگوں کی مسند پر متمکن ہوئے ۔ ان کے بعد خلیفہ بکھر بن  
 خلیفہ احمد نے بزرگوں کا سجادہ آراستہ کیا اور اب ان کی اولاد  
 میں خلیفہ چھتو ارادت مند جماعت کے مرشد ہیں ۔ [۷۰۵ء]

درس امین محمد ۔ یہ مذکورہ شیخ یعقوب سے فیض یافتہ  
 ایک صاحب دل بزرگ اور مذکورہ بالا چار پاروں میں سے  
 ایک پار ہیں ۔

اعلیٰ کرامتوں اور بزرگانہ صفات میں یہ دور دور تک مشہور ہیں۔ ان کا مزار مکلی کے دروازے کے باہر کی سر زمین میں مشہور ہے اور ہر عید (۱) کے دن وہاں اہل اللہ کا میلہ ہوا کرتا ہے۔

حاجی محمد حافظ [اور ان کی اولاد] - یہ ”ڈوبی“ کے لقب سے مشہور اور درویشوں کی دنیا میں بے نظیر ہیں۔ ان کے بزرگ علاقہ بکھر کے موضع ”ڈوبی“ کے باشندے تھے۔

ان کی اولاد میں میاں محمد شفیق طویل عرصے تک ملک مالک کا سفر کر کے اور اکثر علما سے کمال حاصل کر کے حکمت اور طبابت کے علم تشریح میں بقرط ثانی ہوئے۔ کچھ عرصہ وہ اسی علم کی تصنیف میں مشغول رہے۔ آنکھوں کے امراض کی تشریح اور علاج [کے ضمن] میں انہوں نے ایک ضخیم جلد تصنیف کی تھی جو ابھی مکمل نہ ہونے پائی تھی کہ سنہ ۱۱۷۴ھ میں نسخہ حیات کے مطابق انہوں نے آنکھیں بند کر لیں۔

مذکورہ میاں شیخ محمد کے چچا زاد بھائی میاں نور محمد، مشہور واعظ میاں عبد اللہ عرف میاں موربہ کی شاگردی کی ہرکت سے دس بارہ سال تک میاں ملوک شاہ کی مسجد میں موثر طور پر واعظ کرتے رہے اور آخر سنہ ۱۱۷۶ھ میں وفات پا گئے۔

مذکورہ حاجی محمد حافظ کے دوسرے چچا زاد بھائی میاں محمد فاضل اور میاں صابر اور ان کے (میاں صابر کے) فرزند

(۱) نسخہ ”ن“ میں ”عید الضحیٰ“ ہے۔

میاں محمد قاسم بڑے باکمال درویش پیدا ہوئے۔ وہ سنہ ۱۱۰۵ھ کے لگ بھگ انتقال کر گئے۔

حاجی محمد طاہر - یہ ایک صاحب معرفت اور کامل بزرگ اور سید رحمت اللہ عرف سید مہتہ شیرازی شکر الہی کے یار اور ہم عصر تھے۔ [۵۷۶ھ] چنانچہ ان دونوں خدا رسیدہ بزرگوں کے مرید آج بھی آپس میں متفق ہیں۔ ان کے نواسوں کی اولاد موجود ہے۔

مخدوم آدم نقشبندی - عرف مخدوم آدو۔ یہ مذکورہ مخدوم آدم کے ہم عصر ہیں۔ چونکہ ان دنوں مذکورہ مخدوم آدم کا بڑا غلغلہ تھا اس لئے کسر نفسی کی وجہ سے انہوں نے لوگوں کو حکم دیا تھا کہ مجھے ”آدو“ کہا کرو کیونکہ ایک شہر میں ایک ہی وقت میں دو آدم کیسے موجود رہیں گے۔ اس زمانے کے بیشتر بزرگ اپنے عہد کے اس مشہور شخصیت کی برتری معرفت کے قائل ہیں۔ سلسلہ نقشبندیہ میں یہ ایک عجیب باکمال بزرگ پیدا ہوئے۔ ان کے مناقب شاندار ہیں۔ یہ حضرت ایشان سرہندی (۱) کے مرید تھے۔

کہتے ہیں کہ آخوند یوسف نامی ایک ملا ان کے محلے کی مسجد کے امام تھے۔ ہمیشہ ان کے آنے سے پہلے وہ تکبیر نہ کہا کرتے تھے۔ ایک دن مخدوم آدم کے، جن کا ذکر

(۱) خواجہ محمد معصوم سرہندی کو حضرت ایشان ثانی کے لقب سے پکارتے تھے۔ مخدوم آدم بھی خواجہ محمد معصوم کے مرید تھے جیسا کہ آگے چل کر مہاں کبیر محمد نقشبندی کے ذکر میں بیان ہوگا۔

آچکا ہے، فرزند میاں ابوبکر صدر نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں آئے تو انہوں نے دیکھا کہ نماز پہلے ہی پڑھی جا چکی ہے۔ اس پر انہوں نے ملا کو دھمکاتے ہوئے کہا کہ ”تم کسی دوسرے کو موجود ہی نہیں سمجھتے۔ آج کے بعد میں تمہیں اس مسجد کی امامت سے موقوف کرتا ہوں۔“ ملا یوسف نے مخدوم کے خدمت میں جا کر یہ حال بیان کیا اور خوب روئے۔ [انہوں نے] فرمایا ”کوئی فکر نہیں۔ تم اپنے بالاخانہ پر جا کر تلاوت قرآن میں مشغول ہو جاؤ، خود صدر تمہارے دروازے پر آئیگا لیکن خبردار اپنا کام پورا کرنے سے پہلے صلح نہ کرنا۔“ ملا حکم کے مطابق جا کر تلاوت میں مشغول ہوا۔ اس طرف میاں ابوبکر کے پیٹ میں سخت درد شروع ہوا [جس پر وہ] [۷۷۰] فوراً مسجد گئے کہ یہ کسی کا دیا ہوا ہے اور کسی رنجش کا نتیجہ ہے۔ [چنانچہ] انہوں نے صلح کا پیغام بھیجا لیکن اس کا کوئی جواب نہ ملا۔ [بالآخر] بے اختیار ہو کر وہ خود ہالکی میں سوار ہو کر ملا کے دروازے پر آئے اور زار زار رونے لگے۔ ملا حسب سابق بالاخانہ پر تلاوت کلام پاک میں مشغول رہا۔ آخر کار جب [میاں ابوبکر صدر نے] انتہائی عجز کے ساتھ نذرانہ، خلعت اور نئی سند کے ساتھ امامت کا چھ ماہ کا پیشگی مشاہرہ بھی ادا کر دیا تو اس نے صلح کر کے پلٹی ہر دم کمرے اسے دیا جس کے ہتھے ہی صدر کو شفا حاصل ہوئی۔

مخدوم کی وفات کے بعد ان کے فرزند محمد اشرف ان کے جانشین ہوئے اور [انہوں نے] بڑی بزرگی کے ساتھ زندگی گزاری۔

یہ مصرعہ ان کا سجع تھا ”محمد اشرف اولاد آدم“۔  
ان کے بعد مخدوم محمد والد اور دادا بزرگوار کی عظمتوں  
کے آئینہ کو روشن کرتے رہے۔

مخدوم محمد صادق نقشبندی۔ یہ مذکورہ محمد اشرف کے  
داماد، عالم کامل، جناب سید عبداللطیف تارک (بھٹائی) کے،  
جن کا ذکر کیا جا چکا ہے، معتقد اور [ایک] مقتدر  
بزرگ تھے۔

[مخدوم ابوالحسن صغیر]۔ ان کے فرزند میاں غلام حسین  
عرف مخدوم ابوالحسن [صغیر] نے حرمین شریفین، زاد ہما اللہ  
شرفاً و تعظیماً، میں جا کر بڑا نام پیدا کیا۔ اب مخدوم محمد  
حیات سندھی کی، جن کا مدینہ منورہ میں ایک مدرسہ تھا اور  
آس سرزمین میں مقتدر عالم اور ممتاز فاضل شمار ہوتے تھے،  
وفات کے بعد وہ ان کے جانشین، با کمال محدثین کے سرگروہ  
اور مدرسین صاحبِ حال و قال کے سرکردہ ہیں۔

مخدوم ابراہیم نقشبندی [اور ان کی اولاد]۔ یہ روہڑی کے  
ساکن اور شاندار کرامتوں کے مالک تھے۔ محاسبینِ عقل اور  
حساب کنندگانِ فہم ان کی [۵۷۸] [عقل و فہم کے] کسی  
حصے [کی خوبیوں] کا بھی شمار نہ کر سکیں گے۔ ان کے فرزند  
رشید، میاں ایوب کو عرف چنگو بھی اعلیٰ مرتبہ بزرگ ہو گذرے  
ہیں۔

کہتے ہیں کہ ایک دن کوئی مست ان کی مسجد میں  
داخل ہوا۔ جماعت اسے روکنے لگی آپ نے فرمایا کہ  
”جس کا دل چاہے وہ بے شک آئے روکنا نہ چاہئے“۔ اجازت

ان بزرگ کے اس کلام کی تاثیر سے اس پر عقل مست ہر ایسی عجیب کیفیت طاری ہوئی اور [اسے] ایسی توفیق نصیب ہوئی کہ پھر اس نے کبھی مسجد سے باہر قدم نہ رکھا اور کامل بن گیا۔ ان کے ایسے تصرفات پر شمار ہیں۔

جو لوگ ان کے جنازے کے ساتھ گئے تھے ان سے روایت ہے کہ شہر سے لے کر مکلی تک اس بزرگ کے جنازے کے اوپر عجیب شکل اور آواز کے ہرندوں کا اس قدر ہجوم تھا کہ [جنازے کے ساتھ] چلنے والے ہزاروں افراد کو سورج کی معمولی تابیں بھی محسوس نہ ہوئی۔

اب مذکورہ میاں ابو بکر کے چھوٹے بھائی میاں گل محمد بزرگوں کے خاندان کا چراغ روشن کرنے والے اور بزرگوں کی [اعلیٰ صفات] سے موصوف ہیں۔

میاں ابوالقاسم نقشبندی [اور ان کی اولاد] - یہ درس ابراہیم کے، جو بزرگوں سے شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی کے خاندان کے مرید رہتے آئے ہیں، فرزند تھے۔ پہلے میاں ابراہیم ٹھٹھہ آئے تھے اور بزرگی کے ساتھ رہ کر یہاں انتقال کر گئے تھے۔ ان کے بعد ان کے فرزند رشید، میاں ابوالقاسم، علمی و علمی کمالات کے ساتھ مقتدر ترین صاحب حال و قال پیدا ہوئے، جنہوں نے ایک دنیا کو بے اندازہ فیض پہنچایا۔ ان کی صحبت گمراہوں کو شاہراہ ہدایت پر لے آتی تھی۔ ان کی خدمت سے کتنے ہی بزرگوں نے مقصود حاصل کیا۔ ان کی کرامتیں اور مناقب حد تحریر [۷۹۰] و تقریر سے باہر ہیں۔ ان کے ظہور کی ایک دنیا شاہد ہے۔ اس خاندان علم کے خدام و یقین



میں مشہور ہیں ۔

ان کی اولاد میں میاں احمد بن ابراہیم بن میاں ابوالقاسم، نامی ایک نوجوان پیدا ہوئے جن کی پیشانی پر نور ہدایت روشن تھا ۔ وہ عنفوان شباب ہی میں رحمت الہی سے واصل ہو گئے ۔ اس قلیل زندگی ہی میں ان سے کئی کرامتیں ظاہر ہوئیں جو دوستوں کی مجالس میں مذکور ہیں ۔ اب اس بزرگ دین اور سالک راہ یقین کی اولاد میں سے کوئی بھی باقی نہیں ہے البتہ ان کے نواسے بزرگانہ عظمت کے ساتھ یادگار ہیں ۔

میاں کبیر محمد نقشبندی [ اور ان کی اولاد ] پہلے یہ اور مخدوم آدو، خواجہ محمد معصوم نقشبندی سرہندی کی خدمت میں، جنہیں ”حضرت ایشان“ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، مشغول رہے، لیکن جب وہ بزرگوار انتقال کر گئے تو سرہند جا کر اور باقیماندہ مقصود حاصل کر کے ٹھٹھے واپس آ گئے اور بڑی ہدایت کے ساتھ بعض طالبین کو کافی فیض پہونچایا ۔ ان کے بعد دو فرزند میاں محمود اور میاں محمد زمان ان کی یادگار رہے ۔

میاں محمد زمان مسند ارشاد پر والد کے جانشین ہوئے اور کتنے ہی طلباء کو اپنے فیض سے فائز المرام کیا ۔ اب ان کی اولاد میں سے میاں احمد نامی ایک باتوفیق نوجوان بزرگوں کا جانشین ہے ۔

درس عبدالرحیم ۔ یہ میاں محمد زمان نقشبندی کے صحبت یافتہ ہیں ۔ اس کے علاوہ بھی انہوں نے بہت سے بزرگوں سے فیض حاصل کیا ۔ ان کی ظاہری حالت ملامتیہ سے ملتی جلتی تھی ۔ عجیب حالات کے مالک تھے ہمیشہ اچھے کاموں میں وقت گزارا

کرتے تھے۔ ان کے اوامر کی تفصیل طولانی ہے۔ بہر حال اس زمانے میں ان جیسے لوگ ناپید ہیں۔ چند سال ہوئے کہ انہوں نے وفات پائی ہے۔ [۵۸۰]

میر مرزا جان۔ یہ بڑے مقتدر صاحب معرفت اور راہ یقین کے کامل سالک تھے۔ ان کی ذات فیوض کا مجموعہ اور ان کی شخصیت صاحبانِ کمال کا مرجع تھی۔ ان کی کرامتیں سورج سے بھی زیادہ روشن ہیں۔ کتنوں ہی نے ان سے فیض پایا۔ باوجودیکہ ان کا کوئی فرزند نہیں تھا۔ ان کی خانقاہ پر آج تک زائرین کا ایک ہجوم رہتا آیا ہے اور لوگ ان کے نواسوں سے فیض حاصل کرتے رہتے ہیں۔

یوسف سہتہ۔ یہ اپنے وقت کے ایک ممتاز صاحبِ حال و قال درویش، سندھی زبان کے مشہور شاعر اور مشائخین کی کرامتوں سے موصوف بزرگ ہو گذرے ہیں۔ ان کی خانقاہ پر سندھی شعرا کا میلہ لگا کرتا ہے اور ان کے مریدوں کی ایک بڑی جماعت موجود ہے۔

سید یار محمد [اور ان کے جانشین] یہ سادات لکھلوی (لکھنوی) میں سے سید سمیاء عرف کدھر کے، جن کا ذکر ہو چکا ہے، ہوتے اور نورانی کے پیرزادوں کے نواسے ہیں۔ اپنے والد کے گاؤں میں سکونت پذیر رہے۔ شاہ عبداللہ ہندوی جو کتاب کشکول کے مصنف شاہ کلیم اللہ کی بیعت میں تھے، ان کے مرشد تھے۔ یہ کامل بزرگ راہ یقین کے سالک اور ایک جماعت کے مرشد تھے۔ انہوں نے کتنے ہی عقیدت مندوں کو شغل باطنی کے ذریعہ حقیقت کی شاہراہ دکھائی اور ۱۳ رمضان سنہ ۱۱۷۷ھ

کو اس جہاں فانی سے رخصت ہو گئے۔

ان کے حقیقی بھائی میر عزت اللہ کے فرزند میر چھٹن ان کے سجادہ نشین ہوئے۔ ان کے بعد اب میر یار محمد مرحوم کے تیسرے بھائی سید شاہ نواز کے فرزند سید محمد افضل آج کل بزرگوں کے قائم مقام، راہ ہدایت کے مالک اور صاحب توفیق [بزرگ] ہیں۔

[میاں محمد کریم] میاں عبد اللہ واعظ عرف میاں موربہ کے نواسے میاں محمد کریم بھی مذکورہ سید کے فیض کی برکت سے ایک با توفیق نوجوان [۵۸۱] راہ سلوک کے پیشوا اور ایک خاص جماعت کے مرشد ہیں۔

درس عبدالکریم۔ یہ ایک باصلاحیت اور مقبول القول بزرگ تھے۔ جس امر کی طرف بھی توجہ کرتے وہ تقدیر کے مطابق ضرور پورا ہوتا تھا۔ انہوں نے حال ہی میں وفات پائی ہے۔

بعض نامور اور ممتاز افراد کا طبقہ

جو کسی نہ کسی حال و کمال سے مخصوص ہو گذرے ہیں اور ان میں سے بعض کے کھرانے مشہور ہیں۔ حالانکہ مذکورہ بیان میں بھی ایک قسم کے مشہور و معروف افراد کا ذکر ہو چکا ہے لیکن اس گروہ کے کچھ نام یہاں علیحدہ بیان کئے جاتے ہیں تاکہ ناظرین مراتب کا فرق محسوس کرسکیں۔

آقائے محمد تاشقندی [اور ان کی اولاد]۔ یہ ایک بالیاقت

معجم انسانیت نامور مرد تھے اور مرزا جانی بیگ ترخان کے زمانے میں ٹھٹھہ آکر [یہاں کے] قبیلہ مزنگ سے گھل مل گئے تھے۔

ان کے فرزند محمد رضا بیگ اپنے وقت میں بڑی اچھی حالت کے مالک ہو گذرے ہیں اور ان کے فرزند محمد بیگ بھی بزرگوں کی مانند اپنے وقت میں ممتاز رہے ہیں۔

شیخ موسیٰ [اور ان کی اولاد] - یہ اصلاً ہندو معصبہ [مخد؟]

کے باشندے اور شیخ جمال الدین محدث صدیقی کی اولاد میں تھے۔ انہوں نے بڑی اچھی حالت میں اپنی زندگی گذاری ان کے فرزند تاجروں کی حیثیت سے اپنے وقت میں مشہور و معروف ہو گذرے ہیں۔ ان کے فرزند شیخ عبدالخالق شاہجہاں کے زمانے میں ٹھٹھے کی کروڑ گیری، امانت اور شرفی جیسے عہدوں پر سرفراز رہے، اور عالمگیر کے زمانے میں طویل عمری کے ضمیمہ کی وجہ سے ان سے مستعفی ہو گئے اور دس ہزار درم وظیفے پر قناعت کر کے وفات پا گئے۔ ان کے پانچ بیٹے ہوئے۔ [۵۸۲] پہلے [فرزند] شیخ محمد امین تھے۔ ان کے تین فرزند ہوئے جن میں سے محمد تقی اور محمد منیر، نواب سیف اللہ خان کے زمانے میں صفوی شاہزادوں کے ساتھ جہان آباد چلے گئے اور وہیں فوت ہوئے اور باقی ماندہ محمد انور یہاں ۱۱۷۹ھ میں پچاس سال سے زیادہ عمر ہو جانے کے باوجود بغیر شادی کئے انتقال کر گئے۔

دوسرے [فرزند] شیخ محمد جواد تھے۔ انہوں نے چار بیٹے چھوڑے جن میں سے ہر ایک اپنی عمر کی مقررہ مدت پوری کر کے فوت ہو گیا اور کسی نے اولاد باقی نہ چھوڑی۔ تیسرے [فرزند] شیخ محمد نعیم تھے۔ یہ ایک بالیاقت اور باسلیقہ شخص پیدا ہوئے۔ حکام کی ملازمت میں پیشتر

عمر گذار کے وہ سنہ ۱۱۳۵ھ میں خدا آباد میں انتقال کر گئے۔ چونکہ انہوں نے بھی شادی نہ کی تھی اس لئے کوئی اولاد نہ چھوڑی۔

چوتھے [فرزند] شیخ محمد مکرم تھے یہ بچپن ہی میں انتقال کر گئے۔

شیخ عزیز اللہ، [مذکورہ شیخ عبدالخالق کے] ہانچویں [فرزند] تھے۔ یہ عجیب صفات کے حامل، نہایت جرات مند اور با ہمت انسان تھے۔ درویشوں کو بڑا عزیز رکھتے تھے۔ زیادہ عمر سفر میں گذار کر وہ آخر سنہ ۱۱۵۲ھ میں سفر آخرت اختیار کر گئے۔ انہوں نے بھی کوئی اولاد نہ چھوڑی۔

شیخ عبدالخالق کے یہ تینوں فرزند راقم الحروف (مولف، میر قانع) کے نانا کے حقیقی بھائی ہیں۔

شیخ عبدالغنی [اور ان کی اولاد]۔ یہ ایک لایق شخص اور اپنے وقت میں مشہور و ممتاز ہو گذرے ہیں۔

ان کے فرزند مخدوم نور محمد علوم مروجہ میں بڑے مشہور اور صاحب فضیلت ہو گذرے ہیں۔ ان کے بعد ان کے فرزند عبدالغنی ایک با عزت عہدیدار اور ہزرگوں کی یادگار رہے۔ عالمگیر کے عہد سے لیکر فرخ سیر کے زمانے تک تصحیح کی خدمت ان کے حوالہ رہی اور یہ بڑی شان و شوکت کے ساتھ زندگی گزارتے رہے۔ فن شاعری میں یہ اپنے وقت کے استاد تھے۔ رؤسائے ٹھٹھہ کی ایک جماعت، جیسے کہ مہرک محمد افضل اور میر کاسران وغیرہم، [۵۸۳] ان کی خدمت میں زانوئے ادب تہہ کر کے استفادہ درس کیا کرتے تھے۔ ان کے

بھائی شیخ محمد سعید بھی انسانی کمالات کی مختلف اقسام سے موصوف تھے عزت کے ساتھ جہان آباد میں عمر گزار کر وہیں فوت ہوئے۔

شیخ ابوطالب [اور ان کی اولاد] - یہ اصلاً قریشی و صدیقی نسب تھے۔ اور بڑے لایق اور فنون انسانی ماہر ہو گزرے ہیں۔ ان کے فرزند شیخ ابوالفتح جنہیں ”داسی“ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، جاگیروں کی رقوم کی تقسیم اور امانت کے عہدوں پر ممتاز رہتے ہوئے عزت و شہرت کے ساتھ زندگی گزار گئے۔ کہتے ہیں کہ ان کی مہر کے ساتھ کوئی کاغذ شاہجہان کی نظر سے گذرا۔ مہر کے الفاظ کچھ مشکوک نظر آنے چنانچہ حکم ہوا کہ اگر یہ [واقعی] شیخ ابوالفتح کی مہر ہے تو مشکوک کیوں ہے لیکن اگر کسی دوسرے شخص نے جعل سازی کی ہے تو اسے گرفتار کرنا چاہئے۔ غرض وہ طویل عمر پا کر عزت و شہرت کے ساتھ فوت ہوئے۔

شیخ محمد زاہد جو اس وقت مشہور و معروف اور موجود ہیں وہ مذکورہ شیخ ابوالفتح کے حقیقی ہوتے اور شیخ عبدالخالق کے نواسے ہیں۔

داروغہ گھر [اور ان کی اولاد] - یہ ترخانی عہد کے ایک مشہور و معروف شخص اور ان کے ملازمین کے زمرے میں ممتاز تھے۔ محمد علی دیوان جس کا ذکر ترخانی گورنروں میں کیا جا چکا ہے، ان کا داماد تھا۔ ان کا گہرانہ بڑا اور بڑی اچھی حالت میں تھا۔

ان کے فرزند عبدالواسع بھی اپنے وقت کے مشہور فرد

ہو گذرے ہیں۔ ان کے بعد رضا محمد اس خاندان کی یادگار رہے۔ وہ سید شاہ عبدالکریم (ہلڑی والے) کے مرید تھے۔ رسالہ ”بیان العارفین اور تنبیہ الغافلین“ جو انہوں نے مذکورہ شاہ کے حالات اور ملفوظات کے متعلق سنہ ۱۰۸۳ھ میں تصنیف کئے، [۵۸۳] ان کی یادگار باقی ہیں۔ اب اس خاندان کا کوئی نشان باقی نہیں ہے۔

ملا حسین [اور ان کے ہمسازگان] یہ ایک برگزیدہ ملا، صاحب افادہ اور اپنے وقت کے مشہور و معروف شخص تھے۔ شیرازی شکر اللہ علی سادات کے محلے میں سکونت پذیر تھے۔ کتنے ہی ارادت مند ان کی خدمت سے فیضیاب ہوئے ہیں۔

ان کا بیٹا ملا سروری بھی والد جیسی برگزیدہ صفات کا حامل ہو گذرا ہے۔ اس کے بعد مولانا محمد حسین عرف ملا جانباڑ کرامتوں میں مشہور اور ایک بلند مرتبہ شاعر ہوئے۔ کہتے ہیں کہ یہ ایک حسین صورت لڑکے سے عشق حقیقی رکھتے تھے جو لوگوں کی شرم کی وجہ سے ان کا جانی دشمن ہو گیا اور بالآخر انہیں شہید کر دیا۔ اپنا یہ حال دو تین دن قبل ہی وہ اپنے اشعار میں بیان کر چکے تھے۔ انہیں فوت ہوئے تقریباً ایک سو بیس سال گذرے ہونگے۔

ملا بلال [اور ان کے جانشین] یہ اصلاً مشہدی، اچھی حالت کے مالک اور مشہور و معروف شخص ہو گذرے ہیں۔ ان کا بیٹا ملا طاہر ملائیت میں اپنے وقت میں یگانہ تھا۔ ان کے بعد ملا اللہ ڈنہ ان کے جانشین ہوئے۔ یہ انتہائی متوکل اور ظریف الطبع شاعر تھے۔ کہتے ہیں کہ رات کے وقت جو کچھ

بھی ان کے گھر میں بیچ رہتا تھا وہ سب راہ خدا میں خیرات کر دیا کرتے تھے۔ چونکہ وہ ہلکا (مچھلی) کے سوا اور کچھ نہ کھاتے تھے اس لئے انہیں ”ہلکا قلی“ کا لقب دیا گیا تھا۔ مولانا محمد حسین جو علمیت میں اپنے وقت میں مشہور ہو گذرے ہیں انہی کے فرزند ہیں۔ ان کا بیٹا محمد صادق بھی ایک لایق مرد اور شیخ عبدالغنی کا شاگرد تھا۔ اس کی اولاد باقی ہے۔ [۵۸۵]

عبدالرؤف منشی [اور ان کے بیٹے]۔ یہ قوم کے بڑھئی تھے۔ لیکن انہوں نے تختی، فصاحت کو بلاغت کے رندے سے خوب ہموار کر کے اسے نقوشِ کمال سے منسج کیا تھا۔ شاہجہانی عہد کے آخری زمانے اور عالمگیری عہد کی ابتدا میں ٹھٹھے کے حکام کے ہاں یہ منشی گری میں مشہور و معروف ہوئے۔ وہ بڑے اچھے خوشنویس تھے۔ ان کے فرزند محمد عطوف بھی والد کے فن کو اجاگر کرتے رہے۔

حافظ ابراہیم۔ یہ لاکھاوٹ قوم کے فرد تھے۔ علمی فیض میں یہ اس قدر بلند مرتبے پر فائز ہوئے کہ شاہجہان بادشاہ کے فرزند دارا شکوہ کے معلم مامور ہو کر زمانے میں مشہور ہوئے۔

شیخ عبدالرحمان [اور ان کا بھتیجا]۔ یہ مخدوم نور محمد بکھری کی، جن کا ذکر ہو چکا ہے، اولاد میں سے ہیں۔ اپنی اعلیٰ فضیلت اور قابلیت کی بدولت وہ مفتیوں کی جماعت شمار ہونے لگے تھے۔ ان کے بھتیجے میاں قوالدین، جو نادر شاہ کے زمانے



تحفۃ الکرام

میں تقسیم معاش کے عہدے پر مامور تھے ، اپنے وقت کے نامور فرد ہو گزرے ہیں ۔ وفات کے وقت وہ اولاد چھوڑ گئے ۔

عبدالرحمان سیفی قادری [ اور ان کا بھتیجا ] - علوم

تعویذات میں یہ اپنے عہد میں یگانہ تھے ۔ بادشاہ عالمگیر نے سنتا وغیرہ کافروں کے قتل کے بارے میں ان کے عجیب و غریب عملیات اور احکام دیکھ کر انہیں ”سیف الرحمان سنتاکش“ کا لقب دیا تھا ۔

ان کا بھتیجا میاں محمد رفیع بھی اس فن کا

علمبردار ہو کر بزرگی کے ساتھ اپنی زندگی گزار کیا ۔

محمد شریف بن میاں بیگ محمد - یہ علم تعویذات کے مشہور

استاد اور لایق و فایق شخص ہو گزرے ہیں ۔ انہیں اپنی شہرت پسند نہ تھی اسی وجہ سے حالت مسکینی میں یہ دنیا سے رخصت ہوئے ۔ مذکورہ میاں قمرالدین ان کے نواسے

تھے ۔ [۵۸۶]

فاضل خان - اصل نام ملا عثمان ، ساکن موضع کھلی ،

ذات سمیجہ ۔ یہ مذکورہ مخدوم محمد معین کے دادا مخدوم طالب اللہ کے مرید تھے ۔ جب یہ سین شعور کو پہنچے تو ٹھٹھے آگئے اور یہاں تعلیم مکمل کی ۔ اس کے بعد جہان آباد چلے گئے ۔ قابل خان میر منشی کے فوت ہونے کے بعد یہ صدرالصدور اور میر منشی کے مدارج پر ترقی پا کر نہایت عزت و احترام کے ساتھ اپنی زندگی گزار گئے ۔ نواسوں کے علاوہ انہوں نے

کوئی اولاد نہ چھوڑی ۔

محمد شفیع [اور ان کی اولاد] - یہ مخدوم عبدالرحیم بدینوی، (جن کا ذکر کیا جا چکا ہے)، کے فرزند اور اپنے وقت کے ایک با فضیلت اور ممتاز شخص تھے۔ شہر ٹھٹھہ کے مفتی کے عہدے پر سرفراز ہو کر اور اپنا نائب یہاں چھوڑ کر جہان آباد چلے گئے۔ وہاں ان کے دو بیٹے پیدا ہوئے۔ ایک شیخ نعمت اللہ اور دوسرے شیخ غلام حسین۔ یہ دونوں بھی مفتی اور وہاں کے قاضی القضاۃ کے نائب ہوئے۔ ٹھٹھہ میں یہ اپنے دوسرے دو فرزند شیخ عطاء اللہ اور شیخ عنایت اللہ نامی کمسن چھوڑ گئے تھے۔ بڑے ہو کر یہ بھی ٹھٹھہ کے مفتی ہوئے۔ اب شیخ عطاء اللہ کے بعد ان کے فرزند محمد کریم مفتی ہیں۔ شیخ عنایت اللہ بذات خود حیات اور مذکورہ منصب پر اپنے عہد میں مشہور ہیں۔

شیخ عبدالحمید [اور ان کی اولاد] - یہ ایک با کمال اور بے نیاز شخص تھے۔ جناتِ عالم ان کے تابعدار تھے جس کی وجہ سے ”جنائٹی“ (جناتی) کے لقب سے مشہور ہوئے۔ ان کے بیٹے شیخ محمد میر جوانی ہی میں کجرات چلے گئے اور وہیں عزت و شہرت کے ساتھ رہ کر فوت ہوئے۔ ان کے بعد دو فرزند، شیخ محمد مرید اور شیخ محمد کریم نامی باقی رہے۔ یہ دونوں سنہ ۱۱۵۶ھ میں سورت بندر میں دیکھے گئے تھے جہاں میر کرنے کی غرض سے جانا ہوا تھا۔ کچھ عرصے کے بعد محمد مرید فوت ہو گئے اور اب صرف شیخ محمد کریم حیات میں۔ [۵۸۷]

شیخ موسیٰ - یہ نصرپور کے ایک نو مسلم تھے۔ ٹھٹھہ کے

## تحفۃ الکرام

عہدیداروں میں یہ برگزیدہ اور ممتاز افراد کی فہرست میں شمار کئے جاتے تھے۔ یہ شاہ عنایت اللہ صوفی کی جنگ میں قتل ہوئے۔ ان کی اولاد باقی ہے۔

شیخ محمد زمان۔ یہ ایک باعزت عہدیدار اور باتوفیق شیخ تھے اور ممتاز افراد کی فہرست میں شامل تھے۔ ان کے فرزند کاظم خان اور قاسم حسن خان اپنے وقت کے نامور افراد میں سے تھے۔ ان میں سے کاظم خان بادشاہ کے دیوان کے مرتبے پر فائز ہوئے۔ اب ان کے نواسے میاں محمد رفیع ایک صالح جوان اور محمد اعظم ایک لایق شاعر اور بزرگوں کی یادگار ہیں۔

قاسم حسن خان اعلیٰ خدمات کی بدولت ممتاز افراد کی فہرست میں شامل ہیں اور ایک خوش اطوار و خلیق نوجوان ہو گذرے ہیں۔ میاں محمد نامی ایک کمسن فرزند ان کی یادگار ہے۔

[شیخ عبدالعزیز] یہ موضع ہالا کنڈی (ہالا) کے باشندے

اور ایک قابل و ہوشیار شخص تھے۔ نواب امیر خان کی خدمت میں مامور تھے۔ آخر عمر میں ہالہ سے اٹھ کر انہوں نے ٹھٹھے کی سکونت اختیار کی تھی۔

انہوں نے شیخ عبدالہادی اور شیخ عبدالسلام نامی دو فرزند چھوڑے۔ شیخ عبدالہادی کے بعد ان کی کوئی یادگار نہ رہی۔ شیخ عبدالسلام ہندوستان جا کر لاہور کے خالصہ علاقہ کی دیوانی [کے عہدے] پر سرفراز ہوئے۔ ان کے بعد ان کے پانچ بیٹے رہے۔ ۱۔ شیخ عبدالرزاق، ۲۔ شیخ محمد سعید، ۳۔ شیخ عبدالرحمان، ۴۔ شیخ عبدالعزیز اور ۵۔ شیخ محمد شفیع۔

[ ان میں سے ] عبدالرزاق اور محمد سعید علم و تقویٰ کے زیورات سے آراستہ تھے اور شیخ عبدالرحمان جامع الکملات تھے۔ انہوں نے اپنی عمر نواب نظام الملک کی خدمت میں دکن میں گزاری۔ شیخ عبدالعزیز عالمگیر کے زمانے کی [ ۵۸۸ ] ابتدا میں ہندوستان جا کر ”دو صدی ذات“ کے مرتبے سے سرفراز ہوئے اور بہادر شاہ کے زمانے میں حضور میں درخواست کر کے یہ منصب اپنے ایک عزیز شیخ محمد حسن کو بخش دیا۔ [ اس کے بعد ] دوبارہ ہندوستان جا کر ”دو صدی ذات“ ”بخشی گری“ اور سیوستان کی ”واقعہ نگاری“ کے مناصب حاصل کئے۔ شیخ محمد شفیع نے بھی عالمگیر کے زمانے میں ہندوستان جا کر ”دو صدی ذات“ کا منصب حاصل کیا تھا اور آخر عمر میں اپنے بھائی عبدالعزیز کی جانب سے ”بخشی“ اور سیوستان کے ”قائم نگار“ کے عہدوں کے نائب بھی رہے۔ انہوں نے اپنے بعد دو فرزند چھوڑے۔ ایک شیخ محمد رفیع اور دوسرے محمد اعظم۔ محمد رفیع فرخ سیر کے زمانے میں ”چہار صدی ذات“ کے منصب پر جا پہنچے اور محمد اعظم اپنے والد کے بلاوے پر نادر شاہ کے زمانے میں والد کے منصب پر فائز ہوئے۔ ”تحفۃ الطاہرین“ انہی کی تالیف ہے۔ یہ دونوں بھائی، جیسا کہ بیان ہو چکا ہے، کاظم الدین خان کے نواسے ہیں۔

مرزا شاد کام [ اور ان کے فرزند ] یہ نو مسلم تھے اور شاہی عہدیداروں کی فہرست میں ایک مشہور و معروف شخص اور نیک صفات سے موصوف ہو گذرے ہیں۔ ان کے فرزند محمد سرفراز ایک قابل شخص ہوئے ان کی وفات سنہ ۱۱۶۹ھ میں ہوئی۔

تحفۃ الکرام

شیخ محمد مرید [اور ان کی اولاد] یہ ایک نو مسلم رائے زادے تھے اور سیوستان میں رہا کرتے تھے۔ عالمگیر کے زمانے میں ٹھٹھے کی قانون گوئی کا منصب حاصل کر کے وہاں کی سکونت اختیار کی اور اپنی زندگی کی مدت نہایت انسانیت اور اعلیٰ صفات سے مزین رہ کر ممتاز افراد کی حیثیت سے گذاری۔ ان کے فرزند شیخ محمد محفوظ ایک لایق، انسان دوست شخص اور موجودہ دور میں بے نظیر ہیں۔ ان کی دلکھ شخصیت میں بزرگوں [۵۸۹] جیسی صفات اور نیکو کاروں جیسی خوبیاں موجود ہیں۔ سالہا سال سے یہ نواب غلام شاہ خاں کی خدمت میں ملازم اور شاہی درباروں میں وکیل بنا کر بھیجے جاتے ہیں۔ فن شاعری میں کامل استاد ہیں اور ”سرخوش“ تخلص کرتے ہیں۔

ان کے فرزند قمر الدین ہر طرح بزرگوں کی خوبیوں کا مجموعہ ہیں۔ یہ جوانی ہی میں لایق و فایق ہو کر حکام کی محفل میں آمد و رفت کا سلیقہ بحسن و خوبی حاصل کر کے شاہی لشکر کی وکالت کے منصب پر سرفراز ہوئے اور کئی سال سے بادشاہ کے لشکر میں رہتے چلے آ رہے ہیں۔ سنہ ۱۱۸۸ھ میں سندھ کے حکمران کی جانب سے انھیں ”خانی“ کا خطاب اور دیرہ غازی خان کی گورنری کا اعزاز ملا۔ طبع موزوں کے حامل ہونے کی وجہ سے کبھی کبھی خاندانی شوق کے مطابق وہ ایات و غزل میں بھی فکر کیا کرتے تھے اور ”عشرت“ تخلص کرتے تھے۔

شیخ بیگ محمد [اور ان کے فرزند] یہ فاضل خان صدر الصدور

کے نواسے اور میر منشی تھے۔ انہوں نے بڑی عزت و شہرت کے ساتھ زندگی گزاری۔ ان کے فرزند شبخ محمد رفیع اپنے وقت کے معنی اور ممتاز افراد شمار کئے جاتے تھے۔ اپنے بعد انہوں نے اچھا نام چھوڑا۔

منشی محمد عارف۔ یہ نصیرانی قبیلے کے ایک مخدوم زادے ہیں۔ خوشخطی اور اس کی برجستگی میں ممتاز ہیں۔ نواب صادق علی خان کے زمانے سے یہ حکام کے منشی ہیں۔ آج کل والی سندھ میاں غلام شاہ خان کے فرزند سرفراز خان کی سرکار میں میر منشی اور بزرگانہ خوبیوں کے جامع ہیں۔

میاں محمد افضل نامی ان کے فرزند عنفوان شباب ہی میں بڑی لیاقت حاصل کر کے سنہ ۱۱۷۸ھ میں وفات پا گئے۔ ان کا ایک شیرخوار بیٹا [۵۹۰] محمد معظم نامی اب ان کی یادگار ہے۔ راقم الحروف (قانع) نے ان کی تاریخ وفات اس مصرع میں دریافت کی ہے ”باد آن جہان نزد محمد افضل“۔ (سنہ ۱۱۷۸ھ)۔ مذکورہ محمد عارف سنہ ۱۱۸۸ھ میں فوت ہوئے۔

محمد صالح۔ علم سیاق (جفر) میں ایک رسالہ ”دستورالسیاق“ نامی ان کا تالیف کردہ مولف [قانع] کی نظر سے گذرا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ددھیال کی جانب سے یہ قاضی ڈتہ سیوستانی کی اولاد میں سے ہیں اور ان کی پیدائش و پرورش ٹھٹے میں ہی ہوئی ہے۔ چونکہ یہ کمالات سے معرّی نہیں ہیں اس لئے ضرور اپنے وقت کے نامور افراد کے زمرے میں رہے ہونگے۔

ملا یوسف [اور ان کے فرزند]۔ یہ اپنے وقت کے ایک نامور ملا تھے۔ ان کے فرزند ملا عبدالرسول علم بلاغت میں مشہور

تھے۔ ان کی تصنیفات میں سے ایک متبرک نسخہ ”نفائس الافکار فی عرائس الابکار“ نامی مولف [قانع] کی نظر سے گذرا ہے۔ یہی نسخہ ان کی بلاغت کے ثبوت کے لئے کافی ہے۔

محمد عارف - شرعی وکیل - انہوں نے زیادہ مدت ہندوستان میں گذاری - [چونکہ] یہ نواب، مہابت خان کاظم کے لڑکپن میں ان کے معلم رہے تھے اس لئے مذکورہ نواب کی گورنری کے زمانے میں ٹھٹھے آکر انہوں نے بڑے اچھے حال میں وقت گذارا۔

آخوند محمد یعقوب - المشہور بہ فارسی خواندہ - معلمی میں یہ اپنے وقت کے بیشتر علما پر فوقیت رکھتے تھے - ساری زندگی مجرد رہ کر گزارنے کے بعد یہ بہت ضعیف العمر ہو گئے تھے لیکن مین رسیدگی اور ضعف کے باوجود یہ روزانہ رات کے آخری پہر بیدار ہو کر صبح کی نماز جا کر پیر پٹھہ میں پڑھا کرتے تھے اور صبح ہوتے ہوتے گھر واپس آ جایا کرتے تھے - ان کا وجود تبرک تھا - اس کتاب کی تالیف سے چند سال پیشتر فوت ہوئے ہیں - [۵۹۱]

ملا محمد فاضل - یہ مولہ ٹھٹھہ میں رہا کرتے تھے اور اپنے وقت کے ایک برگزیدہ ملا ہو گذرے ہیں - کبھی کبھی اشعار میں بھی فکر کیا کرتے تھے اور حق سخن کماحقہ بجا لاتے تھے -

### خوشنویسوں کا طبقہ

اگرچہ بیانات بالا میں بھی اس فن کے کافی ممتاز افراد کا ذکر ہو چکا ہے لیکن یہاں صرف اس برگزیدہ فن میں مشہور

و معروف افراد کا ذکر مقصود ہے۔

حافظ رشید خوشنویس۔ جام نظام الدین اور جام فیروز کے زمانے میں یہ مہارت خوشنویسی کے علمبردار تھے۔ ان کا شمار وقت کے ممتاز افراد میں ہوا کرتا تھا۔

سید حسن خوشنویس۔ یہ ترخانی دور میں فن خوشنویسی کے ماہر تھے۔ ان کے فرزند سید محمد طاہر بھی مشہور ساتوں خطوط میں جامع اور بڑے ممتاز افراد میں شمار ہوتے تھے۔  
مخدوم الیاس خوشنویس۔ یہ مخدوم محمد یوسف کے فرزند تھے۔ اور خطوط نسخ و نستعلیق میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ اپنے وقت کے یہ مشہور استاد تھے۔ سید رشید جیسے شاگردان رشید ان سے استفادہ کر کے فن کے کمال کو پہنچ گئے تھے۔

سید رحمت اللہ۔ یہ سید ابوالقاسم بیگلار کے فرزند تھے۔ خط نستعلیق میں یہ اپنے وقت میں بڑے مشہور و معروف ہو گزرے ہیں۔

شیخ محمد فاضل۔ یہ شیخ محمد یوسف کے فرزند اور شاہجہان بادشاہ کے ہم عصر تھے۔ خط ثلث کی کتبہ نویسی میں اپنے عہد میں یگانہ تھے۔

شیخ محمد بن شیخ محمد فاضل بھی اپنے والد کی طرح کتبہ نویسی میں ماہر تھے۔

شیخ عبدالواسع خوشنویس۔ خط نستعلیق میں یہ اپنے وقت میں مشہور و معروف ہو گزرے ہیں۔ شاہ جہاں بادشاہ کے حضور میں [۵۹۲] حاضر ہو کر یہ فرامین اور نشانات رقم کرنے پر مامور ہوئے۔ ان کے سات فرزند ہوئے۔ ۱۔ شیخ



عبدالسمیع، ۲۔ شیخ عبدالشکور، ۳۔ شیخ عبدالغفور، ۴۔ شیخ محمد معین ۵۔ شیخ عبدالحق، ۶۔ شیخ محمد شریف اور ۷۔ شیخ عبدالرؤف۔ ان میں سے ہر ایک والد کی طرح فن خوشنویسی کا ماہر ہوا، اور والد کی جگہ پر اس بارگاہ کی منشی گری پر فائز ہوا جہاں سلاطین زمانہ بھی سجدہ ریز ہوا کرتے تھے۔

سید علی۔ یہ ایک نامور استاد، مہارت کاملہ کے مالک اور فنون خوشنویسی میں جامع تھے۔ ان کے اکثر شاگرد اوج کمال پر جا پہنچے ہیں۔ سید مہدی مرحوم، جو ان کے فوت ہونے کے بعد ان کی مسند آباد کئے رہے، خواجہ محلے میں رہنے والے، سید احمد، ان کے پوتے ہیں۔

میاں شیخ محمد۔ یہ مذکورہ سید علی کے شاگرد ہیں۔ ساتوں خطوط میں مشہور و معروف تھے۔ ان کے فرزندوں میں سے شیخ ابوالفضل خوشنویسی میں مشہور ہو گزرے ہیں۔ شیخ محمد پناہ بھی کمالات خوشنویسی میں جامع اور اکثر خوشنویسوں پر فرقیت رکھتے تھے۔ اتفاقاً یہ عین جوانی ہی میں انتقال کر گئے۔ ان کے فرزند محمد عالم بے مثال خوشنویس اور اس فن کے منفرد ماہر ہیں۔

سید نعمت اللہ۔ یہ بھی اپنے وقت کے بے نظیر خوشنویس ہو گزرے ہیں۔

میر محمد بزرگ رضوی۔ جن کا ذکر ہو چکا ہے، اپنے والد اور شاہ بندر کے خوشنویسوں، محمد شفیع اور ہدایت اللہ زریں رقم کے شاگرد تھے۔ یہ فن خوشنویسی کے ایک بڑے استاد اور اپنے وقت میں مشہور و معروف ہو گزرے ہیں۔

خواجہ میر شریف - یہ خواجہ میر شہاب الدین کی، جن کا ذکر آچکا ہے، اولاد میں سے، سید علی کے شاگرد اور ایک مشہور خوشنویس ہیں۔ ان کے فرزند [۵۹۳] خواجہ میر مرتضیٰ جن کی صفات بیان کی جا چکی ہیں، اب اس فن کے اساتذہ میں انہی وقت کے مشہور و معروف فرد ہیں۔

میاں حبیب اللہ - یہ مذکورہ سید علی کے شاگرد اور ساتوں خطوط میں کامل ہو گزرے ہیں۔ ان کے فرزند میاں تاج محمد آج کل انہی وقت کے مشہور خوشنویس اور ان کی یادگار ہیں۔  
درویش علی بیگ - یہ مغل قوم کے فرد اور نامور خوشنویس تھے۔ ان کے پوتے درویش علی بیگ نامی بھی دادا کی طرح اس فن کے ماہرین کی صف میں تھے۔

سید میر محمد - یہ سید علی کے ایک شاگرد ہیں۔ خط ثلث ایک خاص طرز میں لکھتے ہیں اور نسخ میں بھی مہارت رکھتے ہیں۔ کتنے ہی عرصے تک حجاز اور یمن میں رہ کر ٹھٹھے واپس لوٹ آئے تھے لیکن پھر وہیں چلے گئے اور اب مدینہ منورہ میں سکونت پذیر ہیں۔

### شاعران بلاغت نشان کا طبقہ

جو بلاغت میں انہی زمانے میں مشہور ہیں۔  
مذکورہ صفحات میں اس گروہ کے بھی بہترے افراد کا ذکر آچکا ہے لیکن یہاں اس طبقے کے صرف مشہور و معروف افراد کا حال بیان کیا جاتا ہے۔

محمد مقیم - یہ ترخانی عہد میں، میدان سخن میں مہارت کا ہرچم بلند رکھتے آئے۔ مرزا جانی بیگ کے ساتھ یہ دربار

تعفة الکرام

اکبری میں بھی گئے تھے۔ مومل اور میندھرا کی عشقیہ داستان ”ترنم عشق“ کے نام سے ان کی یادگار ہے۔

ملا عبدالرشید۔ یہ لاہری بندر کے رہنے والے تھے اور انہی وقت میں فقہ اور فن شاعری میں مشہور و معروف تھے۔ مرزا غازی بیگ نے ان کی صحبت اور ان کے اشعار پسند کر کے خطیر مالی امداد عطا کرنے کے بعد انہیں ان کے اصلی وطن سے بلا کر ”خانی“ کے خطاب سے سرفراز کیا تھا۔ [۵۹۴]

عبدالقیوم لطیفہ گو۔ یہ خوش طبع اور روشن مزاج شاعر، [شمشہا] جہانگیر کے ہمعصر اور میر معموری مظفر خان کے ایک رفیق تھے۔ خوش طبعی کا مرقع ”شہر آشوب“ ان کی یادگار ہے۔

دالشور۔ تخلص ”شہرتی“، یہ ٹھٹھے کے ایک بہت بڑے شاعر اور میر عبدالرزاق مظفر خان معموری کے ہمعصر ہیں۔ مکمل شاعرانہ وضع رکھتے تھے۔ عالمگیر کے زمانے میں [سندھ کے] پہلے حاکم قباد خان کے ایام تک حیات رہے۔ مشہور دیوان کے مالک ہیں۔

ملا محب علی۔ یہ بڑے فاضل و کامل اور جلیل القدر شاعر تھے۔ علم صرف (۱) میں عام لوگ ان پر بڑا اعتماد رکھتے تھے۔ انہوں نے جہانگیر اور شاہجہاں کے دربار میں رہ کر

(۱) یہاں اصل متن میں ”علم تصریف“ ہے جس کے معنی ہیں ”علم صرف“ جیسا کہ ترجمہ میں رقم کیا گیا ہے۔ لیکن اس کا مفہوم رقوم کا تبادلہ، روپے کی لین دین اور صرافہ بھی ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔

بڑے اعتبار اور امتیاز کے ساتھ زندگی گزاری ۔

ملا محمد صوفی - یہ مرزا غازی "وقاری" کے زمانے کے جلیل القدر شاعر تھے ۔ یہ زیادہ تر انہی کے ساتھ بزم مشاعرہ منعقد کیا کرتے تھے اور ان کے ایک بلند مرتبہ ندیم تھے ۔

غوری عرف شکر - یہ ایک صاحب دیوان شاعر ہیں ۔ میر لطف اللہ شیرازی انجوی کے والد میر بزرگ کی وفات پر انہوں نے ایک عمدہ قطعہ تاریخ کہا تھا جس میں مادہ تاریخ یہ تھا ۔  
"سروش گفت نمائندہ بشهر تنہ بزرگ"

یہ میان عبداللہ کے فرزند ، قبیلہ مغلیہ کے فرد ، میر محمد حسین کے ہم عصر اور ضرب خاندہ (ٹکسال) میں سکے نقش کرنے کے کام پر مامور تھے ۔ سکھ شکن پر یہ بہت خوب نقاشی کیا کرتے تھے ۔ انہیں حضرت پیر علیہ الرحمۃ [۵۹۵] کی خلافت کی اجازت بھی حاصل تھی ۔ ان کا دیوان متداول ہے ۔ مشہور مہر ساز محمد فیاض انہی کا نواسہ ہے ۔

شہرتی - یہ اپنے وقت کے مشہور ترین شاعر ہیں ۔ ان کی اولاد باقی نہیں رہی ۔

محمد فاضل - یہ مذکورہ شیخ علی محمد خوشنویس کے فرزند اور برجستہ شاعر تھے ۔

حبرتی - یہ ایک نامور شاعر اور شہرتی کے ہم عصر تھے ۔  
ملا سلامی اور ملا عبدالحکیم - یہ دونوں بھائی وقت کے مشہور و معروف اور خوش طبع شاعر تھے ۔ ملا سلامی کے عجیب اور مزاحیہ اشعار زباں زد عوام ہیں ۔ یہ دونوں خواجہ عطاء اللہ قاضی محمد حسن اور شیخ میرک عبدالوہاب کے ہم عصر ہیں ۔

تبعۃ الکرام

ملا عبدالحکیم - تخلص ”عطا“ - یہ اخلاق حمیدہ کے جامع اور تقویٰ و پرہیزگاری میں کامل تھے - پورے تیس سال تک ، راتوں کو عبادت اور دن کو روزے اختیار کر کے ، عشا کی نماز سے لے کر فجر تک ایک ہی وضو میں ، یہ نعت رسول اور حضرت علی و امامین کی منقبت رقم کرنے میں مشغول رہا کرتے تھے - اس طرح انہوں نے ایک لاکھ شعر پورے کئے تھے اس کے علاوہ دو تین دیوان دو تین مثنویاں بھی ہیں - ان کا کلام متقدمین کے طرز پر فصیح و سلیس ہے - [انہوں نے] عمر طبعی پائی - ہمیشہ سبز لباس پہنتے تھے - عوام و خواص ان کے بڑے معتقد رہا کرتے تھے - ان کی اولاد بھی زیور شاعری سے آراستہ رہتی آئی ہے -

محمد ضیا - یہ مذکورہ ملا عبدالحکیم ”عطا“ کے بھتیجے تھے اور شاعری میں ان سے افضل ہونے کے علاوہ شہرت و عزت میں بھی ان سے زیادہ ممتاز ہوئے - سن شعور کو پہنچتے ہی انہوں نے جہان آباد کا سفر [۵۹۶] اختیار کیا اور مرزا بیدل کی خدمت اختیار کی جنہوں نے انہیں ”قیامت“ تخلص عطا کیا - کچھ عرصہ کے بعد نواب مہابت خان کاظم کے ہمراہ یہ بڑے اعزاز کے ساتھ ٹھٹھہ واپس آئے - مذکورہ نواب نے انہیں اپنا ندیم خاص بنایا اور ان کی سکونت کے لئے خورشید باغ میں مشہور حویلی تعمیر کرائی - وہ ایک رنگین دیوان کے مالک ہیں -

مسکین - یہ مذکورہ ملا عبدالحکیم کے فرزند ”ضیا“ کے بعد ان کی مسند کے قائم مقام ہوئے - اشعار میں یہ والد اور ”ضیا“ کی تقلید کرتے تھے اور توکل کے ساتھ وقت گزارا کرتے تھے -

ان کی اولاد موجود ہے۔

محمد میر۔ عرف میاں ہاشو بن میاں داؤد۔ انہوں نے عربی کی خاص تعلیم حاصل کی تھی۔ فکر اشعار میں یہ میاں محمد ضیا کے ہم خیال تھے۔ منصب احتساب کی امید پر نواب اعظم خان کے ساتھ وہ جہان آباد چلے گئے تھے۔ لیکن وہاں سے پھر بکھر واپس آئے ہی تھے کہ محتسب اجل نے ان کا حساب حیات پر باقی کر دیا۔

”خادم“۔ ملا یار محمد نام۔ اپنے وقت کے یہ ایک مشہور اور صاحبِ بلاغت شاعر تھے۔

محمد رضا۔ تخلص ”ہاشمی“۔ عالمگیر کے عہد میں یہ ایک مشہور ظریف شاعر تھے۔

”شوقی“۔ نام محمد حسین بن ملا عبدالرؤف۔ یہ ایک لایق عالم تھے۔ عمر کا طویل حصہ جہان آباد میں گزار کر کچھ عرصہ کے لئے ٹھٹھہ آکر یہاں کی صدارت اور احتساب کے عہدوں پر فائز ہوئے۔ مذکورہ شیخ عبدالباسط ان کے نائب ہوا کرتے تھے۔ یہ محمد ہاشم رضوی نصرپوری کے مرید اور میر شاہ شکر الہی کے بار غار تھے۔ شیخ بہائی کے ”نان حلوی“ کے تتبع میں انہوں نے ایک مختصر مثنوی ”نغمات شوقی“ کے نام سے نظم کی جو تصوف کے مذاق اور سلوک کی چاشنی پر مشتمل ہے۔ اس میں انہوں نے مذکورہ دونوں [۷۹۵ھ] بزرگوں کی مریدی اور رفاقت کا حق بھی ادا کیا ہے۔ [اس کے علاوہ] ایک دوسری مثنوی ”ناز و نیاز“، چند دیگر مثنویاں، غزلیات اور جملہ اقسام کے اشعار ان کی یادگار ہیں۔ نثر میں بھی وہ

خاص سلیقہ رکھتے تھے ۔

شیخ عبدالشکور - یہ بلند مرتبہ شخصیت کے مالک تھے اور سلیقہٴ اشعار میں مشہور ہو گزرے ہیں ۔ اپنے والد کی وفات کے وقت انہوں نے، تاریخ میں، فی البدیہہ یہ فقرہ جو میثیت کو قبر میں اتارتے وقت کہتے ہیں کہا تھا، ”بسم اللہ و علی ملہ رسول اللہ“ (تمہیں اللہ کے نام کے ساتھ قبر میں رکھتے ہیں اور رسول اللہ کے طریقے پر خدا کے حوالے کرتے ہیں) ۔

”عیشی“ - نام عاقبت خان اصلاً راجکمار - یہ ایک معزز عہدیدار اور اپنے وقت کے نامور افراد میں سے تھے ۔ ان کا دیوان مروج ہے ۔ انہوں نے انشا میں بھی ایک عجیب یادگار چھوڑی ہے ۔

آخوند محمد شفیع - یہ اپنے وقت کے مشہور فارسی دان اور استاد میر عبدالقدوس شیرازی کے رفیق ہیں ۔ ان بزرگ کی ضعیفی میں ان کی زیارت کی کئی اور قصائد عرفی و عروض سیفی کے کچھ حصے ان کی خدمت میں سنے گئے ۔ بڑے اعلیٰ طبع کے مالک تھے ۔ تاریخ کہنے میں تو معجزہ دکھاتے تھے ۔ ٹھٹھے کے اکثر حکام اور معزز افراد ان کی تعظیم و تکریم کا بڑا خیال رکھتے تھے ۔

میر محمود - یہ اصلاً سادات استرآبادی میں سے ہیں ۔ نواب سیف اللہ خان کے ایام میں سنہ ۱۱۴۰ھ میں بلند مراتب درگاہوں کی زیارت سے واپس آکر ٹھٹھے میں سکونت پذیر ہوئے ۔ یہاں آکر انہوں نے شادی کی جس سے اولادیں ہوئیں ۔ یہ زیور بزرگی سے اچھی طرح آراستہ تھے ۔ ”صابر“ تخلص کرتے تھے ۔

امامین کی شان اور منقبت میں دفتر کے دفتر نظم کرتے تھے۔ صاحب حال بزرگ تھے۔ چند ماہ ہوئے کہ انتقال کیا ہے۔ [۵۹۸]

محمد محسن [اور غلام علی مداح] یہ نور محمد بن ابراہیم بن یعقوب کے فرزند تھے۔ ان کے بزرگ کچے سوت کا کاروبار کرتے تھے لیکن یہ صاحب علم و فہم ہو کر رنگین طبع ہو گئے تھے۔ سن شعور کو پہنچتے ہی انہوں نے میر لطف علی خان کی خدمت میں تربیت پا کر مذاق شاعری اور اس کے بعد بعض با کمالوں کی صحبت اختیار کر کے کمال حاصل کیا۔ ٹوٹے میں لطافتِ سخن اور ملاحتِ کلام میں اس پایہ کا کوئی اور شاعر پیدا نہ ہوا۔ منقبتِ اہلیت میں ”عقد دوازہ گوہر“، حضرت صاحب الزمان (امام مہدی) کی ولادت کے بیان میں ”طراز دانش“ [اس کے علاوہ] ”اعلام ماتم عرف حملہ حسینی“ اور اشعار و قصائد کا دیوان وغیرہ ان کی نظم کی یادگار ہیں۔ ان میں سے ہر ایک میں انہوں نے حق شعر کا حقہ ادا کیا ہے۔

ان کے فرزند میاں غلام علی متخلص بہ ”مداح“ نے آج کل والد کی شاعری کے علاوہ [زبان] عربی کی تحصیل میں سے بھی خاصہ حصہ پایا ہے۔ یہ ایک ذہنِ عاقل اور طبعِ کامل کے مالک ہیں۔

محمد پناہ - تخلص ”رجا“۔ شعر میں یہ، جناب میر حیدر الدین ابو تراب متخلص بہ ”کامل“ کے شاگرد ہیں اور لطافت طبع



وجدت طبع کی وجہ سے اشعار میں باریکی نکات بیان کرنے اور تاریخ کہنے میں عجیب فکر کے مالک ہیں۔ یہ بڑے دلچسپ اور مجالس کی رونق مشہور ہیں۔ درویشوں اور اہل اللہ سے عقیدتمندانہ روش رکھتے ہیں۔ آج کل ٹھٹھے کے شعرا میں ان کا دم غنیمت ہے۔

”وائی“۔ نام آقائے محمد صالح، اصلاً تبریزی۔ سورت بندر پیدا ہوئے اور ٹھٹھے میں پروان چڑھے اور ممتاز افراد کی صف میں زندگی گذاری۔ آقائے محمد کریم اصفہانی کی وفات کے بعد نادری دور میں یہ رعایا کے وکیل تھے۔ اس کے بعد انہوں نے ساری عمر ممتاز حیثیت میں بسر کی۔ یہ ایک برجستہ [۵۹۹] مذاق شاعر، مصور، طراح اور بے نظیر خوش نویس ہو گزرے ہیں۔ محفل امرا و شرفا میں بزرگانہ گفتگو کے دلکش انداز میں یہ آپ اپنے ثانی تھے۔ انہوں نے سنہ ۱۱۷۹ھ میں وفات پائی۔

”فائز“۔ نام شیخ عبدالسبحان بن شیخ مرتضیٰ اور تخلص ”فائز“ ہے۔ شیخ مرتضیٰ اور ان کے بھائی شیخ شجاع شاہی عمال میں سے تھے اور عہدوں پر سرفراز رہ کر اپنی زندگی گڈاؤ گئے اور یہ ایک ظریف اور لطیفہ گو شاعر پیدا ہوئے۔ ایہام اور حاضر جوابی میں بے حد مشہور ہیں۔ محبت اہلیت بے حد رکھتے تھے۔ زیادہ تر انہوں نے مناقب میں آزمائی کی ہے۔ میاں نور محمد کے عہد حکومت کے آخر میں اہلیت کی محبت میں غلو کرنے کی وجہ سے حاسدین کی جماعت نے ان کی

بڑی بے عزتی کی لیکن اسے انہوں نے عین سعادت سمجھا۔ ان کے مولود بے حد مقبول اور ہر خورد و کلاں کی زبان پر جاری ہیں۔ فقیر (مولف میر قانع) نے ان کی وفات پر ایک قطعہ تاریخ کہا ہے جس میں مصرعہ ”فائز رحمت سبحان شد گفت“ سے تاریخ نکلتی ہے۔

ان کے بھائی محمد رفیق بھی اب گاہے گاہے بھائی کی طرح فکر سخن کیا کرتے ہیں۔ یہ ایک سیدھے سادھے اور سلیقہ مند انسان ہیں۔

آخوند فیض اللہ۔ تخلص ”طپش“۔ یہ بڑے با سعادت ملا تھے۔ اشعار خیالی کے [مطالب] حل کرنے میں انہیں کمال دسترس حاصل تھی۔ ان کی نثر ایک خاص طرز رکھتی ہے اور نظم بھی مذاق [اعالیٰ] سے معرا نہیں ہے۔

اسد اللہ۔ تخلص ”تابع“، یہ ٹھٹھے کے ایک مخدوم ہیں اور محمد منعم جو ”نرائی“ کے اقب سے مشہور ہیں، ان کے فرزند اور محمد محسن کے شاگرد ہیں۔ طبع خاص کے مالک ہیں۔ کافی عرصے سے سورت ہند کی طرف اقامت پذیر ہیں۔ [۶۰۰]

غلام محمد۔ یہ آخوند محمد احسن کے فرزند، درس فارسی میں وقت کے تبرک اور اس زمانے کے جملہ شاگردوں کے استاد ہیں۔ کبھی کبھی تاریخ اور قطعات کہنے میں بھی برجستہ فکر کیا کرتے ہیں۔ یہ ایک روشن طبع نوجوان اور ملائیت میں نہایت فایق ہیں۔

”سومن“۔ نام مرزا غلام علی، اللہ وردی بیگ گاذرونی کے

ہوتے ، لایق اور مجسم انسانیت نوجوان اور حال کے شاعر ہیں ۔  
پہلے مذکورہ شیخ قمرالدین کے خدمت میں بادشاہی لشکر  
میں رہا کرتے تھے ۔ آج کل والی 'سندھ کے حضور میں ملازم  
ہیں ۔ [ ۶۰۱ ]



## پچیسواں باب

[شہر ٹھٹھہ کے اہل اللہ اور گرد و نواح کے اولیا،  
سالکین اور مجذوبوں کا طبقہ]

(شہر ٹھٹھہ کے مشہور و معروف اہل اللہ کا طبقہ)

اس میں تین باب ہیں - پہلے باب میں بعض ان ممتاز اہل  
اللہ کا بیان ہے جو شہر میں یا اس کے گرد نواح میں آرام  
پذیر ہیں -

سید کمال شیرازی - سید ملوک ماژندرائی اور شیخ یعقوب  
کے تین یاروں میں سے ایک یار درس امین ، جو اس سے  
پہلے مناسب مقام پر مذکور ہو چکے ہیں ، ٹھٹھہ اور نواح کے  
بزرگوں میں شامل ہیں - لیکن خواہ مخواہ بات کے دھرانے  
میں کوئی فائدہ نہیں اس لئے سابقہ بیان ہی پر اکتفا کی گئی -  
سید شاہ منبہ - یہ غوث الثقلین ( پیران پیر ) کی اولاد میں سے  
ہیں - یہ بزرگوار ، سید کمال شیرازی ، جن کا بیان آچکا ہے ،  
اور سید شاہ عبد اللہ حسین ، جن کا ذکر آگے ہوگا ، کے ساتھ  
شاہ بیگ ارغون کے زمانے میں سید شکر اللہ شیرازی کی معیت

میں ٹھٹھ آئے تھے۔ ان چاروں بزرگوں کے درمیان بڑی محبت تھی۔ ان میں سے ان بزرگوار کی قاضی سید شکر اللہ کے ساتھ خصوصی صحبت رہا کرتی تھی۔ پڑوس کی قربت کے خیال سے، یہ اسی جگہ جہاں کہ آج کل آرام پذیر ہیں، ایک مرید کے گھر میں آکر مقیم ہوئے اور تہجد اور پڑھنے کی زندگی کے ساتھ اپنی عمر گزار کئے۔ [۶۰۲]

ان کی کرامتیں روشن اور ان کے مناقب کی نشانیاں مشہور ہیں۔ ان کی زیارت عام خلق اللہ کی حاجت روائی کی ضامن ہے۔ جس ماں، بیٹے کے گھر میں یہ بزرگ رہا کرتے تھے، اور جو ان کے خادم تھے، ان دونوں کی قبریں بھی ان کی پابندی موجود ہیں۔

پیر بدر۔ یہ ایک مقتدر ولی تھے اور ارغونوں کی فوج کشی کے وقت شہید ہو گئے تھے۔ محلہ جتان میں مشہور و معروف ہیں۔ ان بلند مرتبہ بزرگ کی عجیب و غریب داستانیں مشہور ہیں۔ آج تک ان کی زیارت کرامت سے خالی نہیں ہوتی۔

پیر عباس۔ یہ درویش آجر کے ایک ہمعصر بزرگ ہیں جن کا ذکر آگے چل کر ہوگا۔ ان کے حالات عجیب اور کرامات بے نظیر ہیں۔

پیر شاہی۔ چٹوک ملک امان کے سامنے جہاں اب مدفون ہیں، اسی جگہ ان کا گھر تھا۔ مرزا عیسیٰ کے زمانے میں فرنگیوں کے حملے میں شہید ہو گئے تھے۔

شاہ مسکین۔ یہ ایک درویش کامل اور بعض لوگوں کے

کہنے کے مطابق ایک عالی نسب سیّد تھے۔ جہاں اب دفن ہیں اسی جگہ ان کا تکیہ تھا۔ فرنگیوں کے فساد کا شکار ہو کر شہر ٹھٹھہ کے باکمالوں کے ساتھ آرام فرما ہیں۔ یہ بزرگی کی برتری اور کمالات کی فوقیت میں مشہور ہیں۔ میاں ابوالقاسم نقشبندی کہا کرتے تھے کہ ٹھٹھہ میں ان جیسا کامل بزرگ دوسرا کوئی مدفون نہیں ہے۔ بے شک ان کی زیارت سے ہر قسم کی مرادیں پوری ہوتی ہیں۔

سیّد محمود۔ سراہیوں (سرائیوں) کے محلے میں یہ ایک مقتدر مشائخ اور افضل ولی ہیں۔

کہتے ہیں کہ پہلے ان کی قبر دکھائی نہیں دیتی تھی۔ ایک شخص نے وہاں مکان تعمیر کرنے کا ارادہ کر کے زمین کھودی تو وہاں ایک [۶۰۳] صبح و سالم جسم مدفون نظر آیا۔ اس پر رات کو اسے خواب میں معلوم ہوا کہ یہ بزرگ سیّد محمود نامی ایک اہل اللہ ہیں۔ اسی وقت سے [ان کی قبر] خلق اللہ کی زیارت گاہ ہے۔

سیّد محمود۔ یہ ایک مقتدر ولی تھے۔ اناج بازار کے مشرق میں ان کا مزار زیارت گاہ [عوام] ہے۔ مذکورہ سیّد محمود [کے ہمنام] دوسرے بزرگ ہیں۔ قاضیوں کا عملہ [خاص طور پر] ان کا بڑا مرید ہے۔

بیر لاکھ۔ یہ قوم کے کمہار تھے مگر بڑے صاحبِ حال بزرگ کہے جاتے ہیں۔ لوگ تبرک کے خیال سے ان کی زیارت بجا لاتے ہیں۔

محمد مکائی نیروں کوٹی۔ یہ اناج بازار میں آرام پذیر ہیں

اور وقت کے ایک بڑے بزرگ کہے جاتے ہیں۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ یہاں انہی شیخ مکائی کا ظہور ہے جن کی درگاہ نیرون کوٹ (حیدرآباد) میں مشہور ہے۔ بہر حال ان کی زیارت حاجت مندوں کی مرادیں پوری ہونے کا ایک عجیب وسیلہ ہے۔

بہر لدھو۔ یہ زمانہ قریب کے ایک ولی ہیں۔ [زندگی میں]

یہ گدّا بازار کے ایک دوکاندار تھے اور روٹی بیچا کرتے تھے۔ دوکان کے پر اپنے سامنے یہ ہمیشہ مٹی کے کچھ ٹکڑے (ڈھیلے) رکھا کرتے تھے۔ جو بھی مریض یہ مٹی کھا لیتا تھا وہ شفا یاب ہو جاتا تھا۔ اس وقت کے اہل اللہ ان کی صحبت سے مرادیں حاصل کرتے تھے۔ حال ہی میں انتقال کیا ہے۔ آج سے چند سال قبل تک ان کے ہم نشینوں میں سے کچھ بزرگ نظر آجایا کرتے تھے۔ قصہ کوتاہ، جب انہوں نے وفات پائی تو ان کی وصیت کے مطابق انہیں اسی دوکان میں دفن کیا گیا۔ تقدیراً اس سال بارش قطعی نہ ہوئی جس پر بدفال لوگوں نے حاکم سے کہا کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ان بزرگ کے شہر کے اندر دفن ہونے کی ہی وجہ سے بارش بند ہوئی ہے۔ چنانچہ حکم ہوا کہ ان کی لاش کو وہاں سے پہاڑی کی طرف منتقل کیا جائے۔ اتفاقاً جس صبح کو [۶.۴] ان کا مزار مسمار کرنے کے لئے مزدور مستعد ہوئے اسی کی شب کو اتنی اچھی بارش ہوئی کہ بدفال لوگوں کی زبان بند ہو گئی۔ اس کے بعد کسی نے ان بزرگ کے ساتھ چھیڑ چھاڑ نہ کی۔ اب ان کی زیارت حاجت مندوں کی حاجت روائی کا ذریعہ ہے۔

سید ابراہیم۔ تحقیق کے مطابق یہ سید راجو قتال کے پوتے

ہیں۔ کہتے ہیں کہ ان کے والد کے پاس بزرگوں کی میراث میں لکڑی کا ایک پیالہ تھا، جسے ہانی یا کھانے سے بھرا جاتا تو اس سے ہزاروں آدمی سیر ہو جایا کرتے تھے۔ [ان کے والد کی] وفات کے بعد خدام وہی پیالہ ان کے پاس لے آئے۔ انہوں نے یہ پیالہ لے کر توڑ ڈالا۔ [خدام نے] ہوجھا کہ ”یہ آپ نے کیا کیا؟ یہ تو بزرگوں کی یادگار تھا“ [انہوں نے] جواب دیا کہ ”مجھے یا تمہیں اس سے شہرت کے علاوہ اور کیا حاصل ہوتا۔“ اس کے بعد وہاں سے سفر کر کے وہ ٹھٹھ آئے اور یہاں وفات پا گئے۔ کئی بزرگ ان کی زیارت سے فیضیاب ہوئے ہیں۔

شاہ کرکچ۔ یہ ایک مست درویش تھے۔ [محلہ]، مغلوڑہ کے شمالی جھنڈ کے کنارے پر جہاں اب ان کا مزار ہے، یہیں ان کا درویشانہ تکیہ تھا۔ سید احمد شیرازی بڑی عقیدت کے ساتھ ان کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ [درویش موصوف نے] انہیں قطب وقت سید محمد مراد کی ولادت کی خبر دی تھی اور خود کو اس طفل کا مرید ظاہر کیا تھا۔ ’ معتبرین سے روایت ہے کہ جب سید احمد ان کی خدمت میں آیا کرتے تھے تو یہ بڑے انکسار کے ساتھ ان کی تواضع کرتے تھے۔ پھر جب سید محمد مراد کا نطفہ، رحم مادر میں منتقل ہو گیا تو یہ اپنی جگہ سے [ان کی تعظیم میں] ہلتے بھی نہ تھے اور کہا کرتے تھے کہ میری تعظیمات اس قطب وقت کے لئے ہوا کرتی تھیں جو اب تمہاری پشت سے نکل چکا ہے، آخری ایام میں یہ [۶۰۵] سیاحت کرتے ہوئے شہید ہو گئے تھے اور اپنا



سر لائے خود ہی آکر اس مقام پر گرے تھے ، جہاں اب مدفون ہیں ، چنانچہ لوگوں نے انہیں وہیں دفن کر دیا ۔ ان کی وفات کے بعد رات کے آخری پھر ایک شیر آکر اپنی دم سے ان کے آستانے پر جھاڑو دیا کرتا تھا ۔ یہاں کے باشندوں او زائرین نے کتنے ہی دنوں تک اس معاملے کا مشاہدہ کیا ہے ۔

شاہ شمس ۔ یہ ایک واصل باللہ اور کامل مطلق بزرگ تھے اور بڑی بے نیازانہ اور قلندرانہ زندگی گزارا کرتے تھے ۔ محبت الہی کے جوش کے غلبے کی وجہ سے انہیں کسی ایک جا قرار نہ آتا تھا ۔ عالم جذب میں ان سے عجیب کرامتیں ظاہر ہوا کرتی تھیں اور مکاشفے کے ناباب راز بے پردہ ہوا کرتے تھے ۔ یہ شاہ کرکنج کے ہم جلیس اور ہم عصر تھے ۔ نقل ہے کہ وہ (شاہ کرکنج) کہا کرتے تھے کہ یہ شمس تو شمس تبریز سے بھی ایک قدم آگے ہیں ۔ ان کا مزار شاہ کرکنج علیہ الرحمۃ کے پڑوس میں ہے ۔

پیر چھٹو ۔ میان لال چھٹو ، شاہ وجیہ الدین کے فرزند ، جن کا ذکر آگے آئیگا ، اور شاہ جمیل کے مرید ہیں ۔ جیسا کہ بیان ہوگا انہوں نے جہتے جی خود کو دریا میں پوشیدہ کر دیا تھا ۔ یہ ایک قدیم اور مشہور بزرگ ہیں ۔ ان کا مزار ٹھٹھے کے مشرق میں مشہور و معروف ہے ۔ ان بزرگ کا کتنے ہی شہروں میں بلکہ خود ٹھٹھے ہی میں دو تین مقامات پر ظہور ہے ۔ ان میں سے ایک ٹھٹھے کے مغرب میں ”تندسر“ کے کنارے پر ہے ۔ بعضوں کا کہنا ہے کہ (تندسر کے کنارے والے) بزرگ اسی نام کے دوسرے بزرگ ہیں ۔ اسی وجہ سے وہاں ایک علیحدہ میلہ

لگتا ہے ۔

پیر ابو۔ اصلی نام مارکھ ہے۔ جام نظام الدین کے داماد تھے۔  
 یہ ظاہر ہے اس بت خانے کو مسمار کرنے سے باز رکھنے کے  
 لئے آئے تھے جس کی جگہ پر مسجد صفہ تعمیر کی گئی ہے۔  
 انہوں نے سید مراد شیرازی کے مرید ہو کر دنیا کو  
 مکمل [۶۰۶] طور پر ترک کر دیا تھا۔ ایک دن مذکورہ  
 سید نے، اسی مقام پر کھڑے ہو کر جہاں وہ اب مدفون ہیں،  
 ایک نیلو کی جڑ کی مسواک لانے کا حکم دیا۔ انہوں نے  
 وہاں پہنچ کر جس جگہ سے بھی زمین کھودی وہاں ایک بڑا  
 خزانہ نظر آیا۔ [اس طرح] دو تین مقامات پر کھودنے سے  
 جب انہیں خزانوں کے علاوہ اور کچھ نہ دکھائی دیا تو پیر  
 کی خدمت میں واپس آ کر یہ حال عرض کیا۔ [اس پر]  
 انہوں نے (پیر موصوف نے) فرمایا کہ ”جو کچھ دکھائی دیا وہ  
 کیوں نہ لے آئے؟“۔ عرض کیا کہ ”جب میں اسے ترک  
 کر چکا ہوں تو اب وہ میرے کس کام کا“۔ [چنانچہ] اسی پر  
 انہیں ”ابو“ یعنی بے طمع کا خطاب عطا کیا۔ قصہ کوتاہ،  
 پیر کے فیض اور اتنی طلب حقیقی کی برکت سے یہ بلند مرتبے  
 پر فائز ہوئے۔ پیر کی حیات ہی میں انہوں نے وفات پائی اور  
 اہل اللہ کی زیارت گاہ بنے۔ سید مراد رحمۃ اللہ علیہ ان کی  
 زیارت کے لئے زیادہ تر جایا کرتے تھے۔

پیر بابو۔ اصل نام کچھ اور ہوگا۔ درویشوں کی صورت میں  
 اسی مقام پر تکیہ میں رہا کرتے تھے جہاں اب دفن ہیں۔  
 کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ سادات بخاری میں سے ہیں اور

کچھ کا کہنا ہے کہ سادات متعلوی (مٹھاری) سے منسوب تھے۔  
 [بہر حال] یہ ایک نامور اور صاحب کمال بزرگ تھے۔ ایک  
 دن انہیں خبر ملی کہ سید مراد شیرازی پیر البوکی زیارت کے  
 لئے جا رہے ہیں اور اس راستے سے واپس ہونگے۔ یہ ان کے  
 راستے پر جا کر بیٹھ رہے۔ اتفاقاً سید مذکور اس راستے سے  
 واپس نہ ہوئے اور وہ پورا ہفتہ وہیں بیٹھے رہے۔ اس کے بعد  
 جب دوبارہ سید مذکور پیر البوکی زیارت کر کے اس راستے سے  
 واپس ہوئے اور انہیں بتایا گیا کہ وہ سات دن سے ان کی  
 دیدار کی آرزو لئے ہوئے بیٹھے ہیں تو انہوں نے ان پر نگاہ  
 توجہ کرتے ہوئے ان کے معاملے کو پایہ تکمیل پر پہنچایا  
 اور فرمایا کہ ”تم واقعی سچے بابو ہو“ یعنی بابو جیسے ہو  
 جو ایک مشہور ریاضت کرنے والے [ہندو جوگی] تھے۔ قصہ  
 کوتاہ، تکمیل مقصد کی غرض سے موصوف سید نے انہیں کچھ  
 سیر و سیاحت کی ہدایت فرمائی [چنانچہ] [۶۰۷] وہ بظاہر  
 سر زمین ککراہ میں سیر کر رہے تھے کہ کہیری قوم کی  
 ایک جماعت نے انہیں شہید کر دیا۔ وہاں سے وہ اپنا سر  
 خود ہی ہاتھ میں لئے دوڑتے ہوئے آرام گاہ تک آئے۔ وہاں  
 پہنچنے پر شہر کے کسی آدمی نے یہ [ماجرا] دیکھ کر دوسروں  
 سے بیان کیا جس پر [لوگوں نے آکر] انہیں دفن کیا۔ ان کی  
 درگاہ زائرین کا مقصد اور عشاق کا مطلب ہے۔

پیر دادن۔ یہ ایک جلیل القدر پیر اور ولی کامل ہیں اور  
 برہنہ سر پہراگندہ مو اور تکیہ دار درویش تھے۔ کچھ کہتے  
 ہیں کہ یہ سید محمد یوسف رضوی کے ہم عصر تھے اور کچھ

لوگوں کا کہنا ہے کہ ان سے پہلے ہو گذرے ہیں۔ بہر حال مذکورہ سید کا اپنی اولاد کو حکم ہے کہ اگر کسی مشکل میں مجھ تک نہ پہنچ سکو تو پھر دعا کے لئے ان سے رجوع کرنا۔ یہ شک ان کی درگاہ حاجتمندوں کی مراد پوری کرتی ہے۔

سید ابراہیم - یہ بڑے عظیم المرتبہ بزرگ اور مرشدوں کے مرشد ہیں۔ ظاہراً [سادات] بخاری میں سے تھے۔ تندیس کے آریے کنارے پر [ان کا مزار] خلق عام کی زیارت گاہ ہے۔ یہ بڑے رسا [بزرگ] مشہور ہیں۔

حاجی شیخ بہاؤ الدین - یہ شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی کی اولاد میں ہیں۔ سمہ قوم کے عہد اقتدار میں حج سے واپس آنے پر انہوں نے ٹھٹھ پہنچ کر انتقال کیا۔ فضیلت ظاہری میں یہ درجہ کمال پر فائز تھے اور مقتدر مشائخ میں شمار ہوتے تھے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ سید علی شیرازی کے مریدوں میں سے ہیں۔ صاحبان صریحت و فضیلت ان کی زیارت کو بے حد عزیز رکھتے ہیں اور مرادیں حاصل کرتے ہیں۔

پیر لونگ - یہ ایک ممتاز مشائخ اور ولی کامل تھے۔ مشرق کی جانب ایک کوس کے فاصلے پر ”بہ لائی“ گاؤں میں رہا کرتے تھے۔ [۶۰۸]

ان کا مزار اسی مقام پر واقع ہے جو مریدوں کی مرادیں پوری کرنے والا اور سائلوں کی مشکلیں حل کرنے والا ہے۔ بعض لوگ انہیں شیخ جمیل کا فرزند شمار کرتے ہیں اور اور اس شیخ کے سجادہ نشین اپنا نسب انہی سے ملاتے ہیں۔

لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ شاہ جمیل کے منہ بولے بیٹے (یا کود لئے ہوئے ہالک) تھے، جیسا کہ مذکور ہوگا۔ ان کی قبر بھی وہیں ہے اور یہاں ان کی جائے ظہور ہے۔

درویش آچر۔ یہ صاحب کمال بزرگ [موضع] بہ لائی کے قریب مشائخانہ خصوصیات کے حامل ہو گذرے ہیں۔ [ان کا مزار] زائرین کا حاجت روا ہے۔

مستغنی نہ رہے کہ ٹھٹھے کی آباد سرزمین اور اس کے گرد و نواح میں اس قدر بزرگ آباد ہیں کہ ہزار میں ایک کے حساب سے بھی ان کا بیان کرنا آسان نہیں ہے۔ قصہ کوتاہ شہر کے وسط کی بیشتر قبریں شہدا کا مدفن ہیں۔ چنانچہ جامع فرخ کے باہر جو گنج شہیداں ہے اس میں تیرہ سو سے زیادہ افراد [مدفون] ہیں جو سب کے سب نیک، غیر اللہ سے بیزار اور فرنگیوں کے ہاتھوں واصل بالحق ہوئے ہیں۔ بازار امیر بیگ کا گنج شہیداں بھی تقریباً کچھ سو افراد کا مدفن ہے۔ یہاں کے اہل اللہ بھی زیادہ تر اسی فساد میں شہید ہوئے ہیں۔ اسی طرح شہر اور گرد و نواح کی دوسری ساری قبریں بھی اہل اللہ ہی کی ہیں۔ لیکن راقم الحروف (مولف میر قانع) نے ان سب کے حالات کی تحقیق نہ ہونے کی وجہ سے بزرگوں کے ناموں میں سے صرف اسی قدر ہر اکثفا کی ہے۔ اگر کسی عزیز کو مزید توفیق حاصل ہو تو اسے اس کتاب میں داخل کر کے ”عیندہ ذکر الصالحین تنزل الرحمۃ“ (صالحین کا ذکر کرنے وقت رحمت نازل ہوتی ہے) کے مطابق ثواب حاصل کرے اور مولف کو ممنون فرمائے۔ [۶۰۹]

## مکلی پر آرام فرما اولیاء اللہ میں سے چند کے بیان میں

حالانکہ ساموئی کے بیان کی ابتدا سے لے کر مکلی پہاڑی اور ٹھٹھے کے متعلق سابقہ بیانات اسی شاندار پہاڑی سے منسوب ہوں بزرگوں کے ہیں ، لیکن یہاں پر صاحبان حال اور بزرگان پاکمال کے کچھ [مزید] نام تبرکاً ذکر کئے جاتے ہیں ، حالانکہ ظاہر ہے کہ اس سرچشمہ رحمت پہاڑی اور اس کے گرد و نواح میں آرام فرمانے والے بزرگوں کے بارے میں نوک قلم اور اشارہ زبان سے کبھی بھی خاطر خواہ بیان نہ کیا جاسکے گا ۔ لیکن اس کے باوجود بقول ”مَالَا یُتَدْرَکُ“ کلمہ لایِتْرَکُ کلمہ (جو بات پوری طرح حل نہ کی جاسکے اسے پوری طرح چھوڑ بھی نہ دینا چاہئے) جس قدر بھی تحقیق ہوسکی ہے اسی پر اکتفا کی گئی ہے ۔ اگر کسی باسعادت کو مزید تحقیق کی سعادت نصیب ہو تو اسے اس ثواب میں داخل ہونا چاہئے ۔

شیخ نعمت اللہ - یہ شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی کی اولاد میں سے ایک مقتدر بزرگ ہیں ۔ ان کا وجود مسعود انتہائی کمال اور اعلیٰ کرامتوں کی یرکت سے خدا کی ایک نعمت خاص تھا ۔ یہ سہ قوم کے عہد حکومت میں ٹھٹھہ آئے اور یہیں فوت ہوئے ۔ ان کی درگاہ شمال کی جانب ان کے فرزند رشید شیخ ”جیو“ کی درگاہ کے عقب میں اہل اللہ کی زیارت گاہ ہے ۔

شیخ جیو - یہ شیخ نعمت اللہ کے فرزند ، مقتدر ولی اور عارف کامل ہیں ۔ کرامت کی کثیر شعاعوں اور ہدایت کی وافر تجلیوں کی وجہ سے ان کا خطاب ”مکلی کا دیا“ ہے ۔ ہر ماہ کے پہلے سوموار کی شب کو ان کی درگاہ پر بڑا اجتماع ہوا کرتا ہے اور

ہر سال مذکورہ تاریخ پر عجیب میلہ منعقد ہوا کرتا ہے۔ شہر اور دیہات کے خدام رات وہاں عبادت میں گزارتے ہیں اور قرا وجد و سماع کی محفلیں جمانے میں جس کی وجہ سے [۶۱۰] وہاں عجیب رونق دکھائی دیتی ہے۔ نورانیت کے اعتبار سے یہ درگاہ پوری مکلی پہاڑی پر سب سے ممتاز ہے۔ زائرین ان کی دعا کے طفیل ہر قسم کی مرادیں حاصل کرتے ہیں۔

میان لال۔ یہ ایک بڑے با کمال بزرگ ہیں اور شیخ جیو کے مشرق میں مدفون ہیں۔ کہتے ہیں کہ مخدوم عثمان عرف لعل شہباز مروندی کے یہ بھائی یا چچا زاد بھائی ہیں۔ صاحبان [ذوق] بڑے نیاز کے ساتھ ان کی زیارت کیا کرتے ہیں۔

شیخ مغل چاچک۔ یہ ایک جلیل القدر ولی، اہل دل اور کشف و کرامت میں کامل بزرگ تھے۔ کہتے ہیں کہ مرزا شاہ حسن ارغون نے نصرپور کے ایک رئیس کو قید کر لیا تھا۔ اس کے عزیز پہلے شیخ مغل کے مرید تھے [لیکن اس موقع پر] انہیں بھلا کر وہ شیخ بھوکیہ کے پاس جا کر ملنے لگے۔ انہوں نے ان لوگوں کو بچہ والی گائے لانے کی تاکید کی۔ [چنانچہ] وہ اپنے گاؤں سے گائے ہٹائے لئے چلے جا رہے تھے کہ دریا کے کنارے پر، شیخ مغل نے، اس مقام پر جہاں وہ روزانہ غسل کرنے کے لئے جایا کرتے تھے، ان لوگوں کو دیکھا اور ان کے حال سے باخبر ہو گئے۔ اگرچہ انہوں نے [زبان سے کچھ] ظاہر نہ کیا لیکن دل میں انہیں بڑا ملال ہوا۔ چنانچہ وہ لوگ جب شیخ بھوکیہ کے پاس

آتے تو انہوں نے ان سے کہا کہ میں نے جو طلسم تیار کیا تھا اسے راستے میں تم سے ملاقات کر کے شیخ مغل نے توڑ دیا ہے اور اب اس قیدی کے لئے موت کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ بالآخر ایسا ہی ہوا۔ شیخ کا مزار مکلی کی پہاڑی پر اہل اللہ کی زیارت گاہ ہے۔

شیخ طلحہ۔ یہ شیخ بہاؤ الدین ملتانی کی اولاد میں سے ایک ولی کامل تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک دن یہ سید مراد شیرازی کی زیارت کے لئے گئے اور دریافت کیا کہ ”پیر کسے کہنا چاہئے؟“ اتفاقاً کچھ دور پر ایک بلی مری پڑی تھی سید مراد نے [۶۱۱] نے [اس کی طرف] اشارہ کر کے کہا ”اے“ وہ فوراً فوراً اٹھ کھڑی ہوئی، چنانچہ انہوں نے کہا کہ پیری یہ ہے۔“ اس کے بعد شیخ سے انہوں نے دریافت کیا کہ ”شیخیت کیا چیز ہے؟“۔ ان کے (شیخ طلحہ) حکم پر [بازار میں] ایک دکان پر بیٹھے ہوئے کافر کو لے آئے جسے انہوں نے منبر پر بیٹھنے کا حکم دیا اور وہ دینی وعظ کرنے میں مشغول ہو گیا۔ انہوں نے [سید موصوف سے] کہا کہ ”شیخیت اسے کہتے ہیں“۔ یہ قصہ سید عبدالکریم کی زبانی ان کے رسالے میں دیکھا گیا ہے۔ ”تذکرۃ المراد“ میں واقعہ اس کے برعکس بیان کیا گیا ہے جس میں شیخ طلحہ کی بجائے شیخ بدرالدین حایم کا ذکر ہے۔ بہر حال ہا کمالوں کے یہ مراتب ظاہر ہیں اور حقیقی موافقت و ازلی اتحاد کی وجہ سے ایک کی کرامت کو دوسرے کی کرامت کہا جاسکتا ہے۔ مکلی کی پہاڑی پر شیخ طلحہ کا مزار اہل اللہ کی



زیارت گاہ ہے۔

شیخ حسین سومرو۔ یہ سید محمد حسین عرف پیر مراد شیرازی کے مریدان خاص میں سے ہیں۔ ایک دن (سید مذکور) سیر کر رہے تھے، ان پر مہربان ہو کر انہوں نے اپنے وضو کا بچا ہوا پانی پینے کے لئے دیا [اس کے پیتے ہی] ان پر ایسی جالت طاری ہوئی کہ وجد میں آکر کہنے لگے کہ ”وہ حالت میرے ہاتھ آئی ہے کہ شیخ بہاؤ الدین ملتانی کے علاوہ کوئی بھی اس سے واقف نہیں ہے۔“ قبیلہ ”کلا“ انہی کی اولاد ہے، اور اس وقت سے لے کر وہ سید مذکور کے گھرانے کے مرید ہیں۔

درس بھنبھو۔ یہ سید علی شیرازی کے ایک کامل مرید ہیں اور مقبرے کے مشرق کی طرف آرام فرما ہیں۔

شیخ حماد نیروں کوٹی۔ یہ ایک مشہور و معروف ولی ہو گذرے ہیں ان کا مزار سید علی شیرازی کی آرام گاہ کے قریب ہے۔ [۶۱۲]

مراد پلیجو۔ یہ ذات کے پلیجو تھے اور موضع نورائی میں رہا کرتے تھے۔ یہ با کمال بزرگ، سید علی شیرازی کے مرید تھے اور انہی کی درگاہ میں آرام پذیر ہیں۔

پیر آسات [اور ان کی اولاد]۔ یہ مجذوب مالک اور محبوب واصل، مخدوم عربی ہالائی کے بھائی ہیں اور سید میران محمد مہدی جونپوری کی خدمت میں شرف مریدی سے فیضاب ہوئے تھے۔ اہل اللہ کی ایک جماعت نے انہیں بیشتر مشائخین سے قدیمی شمار کیا ہے۔ ان کا مزار مشہور ہے۔

ان کی اولاد میں محمد حسین نامی ایک بزرگ صاحب حال درویش ہو گزرے ہیں۔ جن کے فرزند احمد اور محمد ٹھٹھے میں مشہور رہ چکے ہیں۔ ان میں سے احمد، جہان آباد میں شاہ غلام محمد صوفی کی خدمت میں رہا کرتے تھے اور فقرا کے لنگر کا انتظام ان کے حوالے تھا۔ انہوں نے بڑی اچھی حالت میں زندگی گذاری۔

میاں مٹھو فقیر۔ یہ مخدوم نوح کے مرید اور باکمال بزرگ تھے۔ زیادہ وقت جامع فرخ میں گزارا کرتے تھے۔ آکر میں ان کا حجرہ مشہور ہے۔ میر سید علی شیرازی کے میلے سے فارغ ہو کر فقرا یہاں آکر جمع ہوتے ہیں۔ یہ پیر آسات کی سیڑھی کے نیچے مدفون ہیں۔ ان کے ملفوظات میں سے ہے کہ ”جب میرا سر بلندی کی جانب مائل ہوتا ہے تب میں مٹھو یعنی درد ناک اور بد حال ہو جاتا ہوں، اور جب خودی کے احساس کے ساتھ سر اوپر اٹھاتا ہوں تب مٹھو یعنی کھوٹا ہو جاتا ہوں لیکن جب کسر نفسی سے کام لے کر اپنا سر، نیاز کے ساتھ نیچے جھکاتا ہوں تب [لوگ] مجھے مٹھو (میٹھا، شیرین) کہتے ہیں اور پسند کر کے (عزیز اور پیارا سمجھ کر) کھاتے ہیں۔“

فقیر بہاؤ الدین گودڑیہ۔ یہ مخدوم نوح کے مقتدر ترین مرید اور کرامات ظاہری میں مشہور ہیں۔ ان کا مزار مذکورہ درویش کے قریب ہے۔ [۶۱۳]

سلطان کھمر۔ یہ، جناب مخدوم نوح کے مریدوں میں سے ایک درویش ہیں۔ آکر میں ان کا حجرہ مشہور ہے۔ میاں

مٹھو درویش کے حجرے کی طرح یہاں بھی سید علی شیرازی کے میلے سے فارغ ہو کر فقرا آ کر جمع ہوا کرتے ہیں ۔

جمن جمنی۔ یہ سموں کے زمانے کے مشہور و معروف بزرگ ہیں ۔ جہاں آج کل مدفون ہیں اسی مقام پر ان کا تکیہ تھا ۔ انہوں نے مجرد رہ کر زندگی گذاری ۔ ان کی کرامتیں سورج سے بھی زیادہ روشن ہیں ۔

مخدوم جمعہ۔ یہ ایک مقتدر ولی ، کامل منتقی ، فضل و کمال میں مشہور ، حال و قال سے موصوف اور سید علی شیرازی کے ہم عصر بزرگ ہیں ۔ ان کی درگاہ مکی میں مشہور ہے ۔

درویش آچر۔ اصلاً یہ ٹھٹھے کے بھڑبھونچے ہیں ۔ ان کے کمالات بے شمار ہیں ۔ سید علی شیرازی ثانی ان کے مریدوں میں سے تھے ۔ کہتے ہیں کہ ایک دن یہ اپنی دکان پر سوئے ہوئے تھے اور سید علی شیرازی ثانی ان کے پیروں پر دبانے میں مشغول تھے کہ درویش حلیم ، جن کا ذکر آگے چل کر آئیگا ، ادھر سے گذرے اور [ یہ حال دیکھ کر ] کہنے لگے کہ ”وہاں وہ طریقہ اور یہاں یہ روش ؟“ ۔ [ اس پر ] درویش آچر نے نیند ہی میں جو عین بیداری تھی سراٹھا کر کہا کہ ”ویسے تو بہت ہیں ، اور ایسے بہتوں میں کم ، اور یہ تو کم سے کم ہیں“ ۔ درویش حلیم نے یہ جواب سن کر مزید کچھ نہ کہا اور چلے گئے ۔ سید نے دریافت کیا ”یہ کیسی گفتگو ہوئی جو میری فہم ناقص میں نہ آئی“ ۔ فرمایا کہ درویش حلیم کے ”وہاں“ کے لفظ میں یہ اشارہ تھا کہ پیغمبر صلعم کی خدمت میں اس قدر با ادب رہتے ہو اور خدمت

بجالاتے ہو اور ”بہان“ ان کی اولاد مبارک سے خدمت لیتے ہو۔ اس پر میں نے یہ جواب دیا کہ ایک گروہ ایسا ہے جو دوسروں سے زیادہ اپنا نفع چاہتا ہے ایسے لوگ بہت ہیں۔ دوسرا طبقہ وہ ہے جو اپنے سے زیادہ دوسروں کا فائدہ چاہتا ہے۔ ایسے لوگ بہتوں میں کم ہیں۔ [۶۱۴] لیکن کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنا نقصان قبول کر کے دوسروں کو فائدہ پہنچاتے ہیں، ایسے لوگ کم سے کم ہیں۔

کہتے ہیں کہ شہر کے سادات نے اس حسد کی وجہ سے کہ ان کے فرزند مرید ہو کر درویش کے ساتھ شامل ہوتے جاتے تھے انہیں شہر سے باہر نکال دیا جس پر وہ گجرات چلے گئے۔ سید علی مذکور ان کا ہتہ لگا کر اس وقت ان کے پاس جا پہنچے کہ جب وہ سکرات میں مبتلا تھے چنانچہ وہ کل امانت سید مذکور کو دے کر وفات پا گئے۔ حالانکہ وہ (سید موصوف) آخری زمانے میں مخدوم نوح کے مرید ہوئے تھے۔ لیکن انہیں جو کچھ بھی ملا تھا وہ انہی درویش کے فیضِ توسل سے ملا تھا۔ معرمان راز کہتے ہیں کہ مخفی طور پر درویش کی لاش مکلی میں [لا کر دفن کی گئی] ہے لیکن علم غیب کے بغیر کسی کو اس حقیقت کا کشف نہیں ہوتا۔

میاں احمد اور میاں محمد۔ یہ اصلاً بغداد کے رہنے والے اور بڑے صاحبِ کرامت بزرگ تھے۔ میرکون کے مدفن کے مشرق میں دفن ہیں۔ صاحبانِ معرفت ان کی بزرگی دیکھ کر ان کی زہارت کو بڑی کامیابی تصور کرتے ہیں۔

سید شاہ عبد اللہ حسنی۔ یہ، قطب الاقطاب، غوث الثقلین

حضرت پیر دستگیر علیہ الرحمۃ کی اولاد میں سے مذکورہ [چار] یاروں یعنی سید منیبہ، سید کمال اور سید قاضی شکر اللہ، میں سے ایک مقتدر یار تھے۔ یہ بزرگوار شاہ بیگ ارغون کے زمانے میں گجرات سے ٹھٹھہ آئے اور خفیہ طور پر پہاڑی کے اس مقام پر آکر گوشہ نشین ہو گئے جہاں اب ان کا مزار واقع ہے۔ ساری زندگی انہوں نے مجرد رہتے ہوئے یاد الہی میں بسر کی۔ اتفاقاً طویل مدت گزرنے کی وجہ سے ان کی قبر منہدم ہو گئی تھی اور جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کافی عرصے کے بعد سید حافظ اللہ گجراتی نے شیخ یعقوب اور خلیفہ ابوالبرکات کو [۶۱۰ھ] مکی ہجرت پر جا کر ان کے منہدم نشانات ظاہر کرنے کا اشارہ کیا تھا۔ اس وقت سے لے کر ان کا مزار ہرگزیدہ ہندوں کا مقصود کامل اور یادگار ہے۔ مکی کی پہاڑی پر آنے جانے والوں کو جو فیض ان بزرگ سے حاصل ہوتا ہے قلم میں اس کے بیان کرنے کی طاقت نہیں ہے۔

درویش بھرکیہ لنگ۔ مکی کے دامن میں ان کا تکیہ تھا، کچھ مدت یہ نقارہ بجایا کرتے تھے۔ شہر کے لوگ ان کی خدمت میں جانا فرض سمجھتے تھے۔ انہوں نے پہاڑی پر سموں کے قبرستان کی اکثر عمارتیں خصوصاً ”بھسی لنگ“ کی حویلیاں مسمار کر کے، ان کے پتھروں سے گارا اور چونا بنا کر ایک بڑا مینار تیار کرایا تھا۔ رات کو وہ اس میں چراغ جلا کر لیتے تھے۔ بحر عرب میں سوداگر سندھ کی بندرگاہوں کی راہ اسی [مینار] کی روشنی سے متغین کیا کرتے تھے اور ان کی خدمت میں آکر نذرانے پیش کیا کرتے تھے۔ ان کے پاس اس قدر

کثیر دولت تھی کہ سندھ کا فرمانروا مرزا باقی ان سے حسد کرنے لگا تھا۔ انہوں نے یہ [دستور] مقرر کر دیا تھا کہ جو بھی چھوٹا یا بڑا ان کے پاس آئے اسے ان کی خدمت کرنی پڑے گی۔ سنا گیا ہے کہ ایک دن سید علی شیرازی جب ان کی زیارت کے لئے گئے تو انہیں بھی خدمت کی تکلیف دی گئی۔ یہ بات سن کر مخدوم نوح کو دلی صدمہ ہوا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جلد ہی مرزا باقی نے انہیں شہید کرادیا۔

### ٹھٹھے کے گرد و نواح کے اولیا

سید احمد غوث۔ یہ ایک مشہور و معروف بزرگ اور بڑے با کمال و صاحب کرامت درویش ہو گذرے ہیں۔ فتحی ٹیلہ پر ان کا مشہور مزار [زیارت گاہ عوام و خواص] ہے۔ کہتے ہیں ہر سال ماہ محرم میں شہادت کی شب [۶۱۶] یہاں شہداء کا روحانی میلہ لگا کرتا ہے۔ کتنے ہی صاحب بصیرت یہ میلہ اپنی روحانی آنکھوں سے ملاحظہ کر چکے ہیں۔

میر کمال الدین ابو اسحاق۔ یہ حضرت علی کی اولاد مقدس میں ہیں اور اس پہاڑی پر دفن ہیں۔ ان کی پتھر کی قبر مغرب کی طرف واقع ہے۔

میاں ابو بکر۔ یہ ایک با کمال درویش ہیں اور سید محمد میران مہدی جونپوری کے مرید اور انہی کے فرض یافتہ ہیں۔ ان کی قبر اسی پہاڑی (فتحی) پر ان کے نام سے مشہور اور صاحبان حضور کی ایک مشہور و معروف زیارت گاہ ہے۔

درویش الہ ڈٹہ لوہر۔ یہ سید عبدالکریم (ہلڑی والے) کے مرید اور صاحب کرامت درویش تھے۔ عید گاہ کے جنوب میں

آرام فرما ہیں۔ اہل ارادت کے لئے ان کی زیارت تبرک ہے۔  
پیر لاکھہ [اور ان کی اولاد] یہ ایک کامل سید اور مشہور  
 و معروف ولی ہیں۔ انہوں نے ساری زندگی خود کو پوشیدہ  
 رکھتے ہوئے گذاری اپنے آپ کو سید نہیں کہلاواتے تھے۔  
 ان کی خانقاہ پہاڑی پر، پیر شیخ عالی کے آرلی طرف، مشہور  
 ہے۔

مخدوم با یزید جو ایک نامور عالم اور کامل ہو گذرے  
 ہیں ان کے حقیقی نواسے ہیں۔

سید ابراہیم جن کا مزار کمہاروں کے گاؤں کے کنارے  
 زائرین کا مرکز ہے [وہ بھی] انہی کی اولاد کے نامور بزرگوں  
 میں سے ہیں۔

سید ابراہیم۔ یہ عجیب کمالات کے مالک اور بے نظیر  
 صاحبِ حال بزرگ تھے۔ ہمیشہ گودڑی اوڑھے ہوئے  
 کلان کوٹ میں گوشہ نشینی میں وقت گزارتے تھے۔ جنات  
 کے گروہ ان کے مطیع تھے۔ سید ابراہیم عرف کذا، جنہیں  
 عام لوگ جنوں کی ٹولیوں سے مخصوص جانتے ہیں، وہ یہی  
 بزرگ ہیں۔ [۷۶۱] ان کا مزار کلان کوٹ کے قلعے کی دیوار  
 کے نیچے بحرمان راز کی زیارت گاہ ہے۔

درویش داؤد عرف داد درس۔ یہ ایک با کرامت اور مشہور  
 و معروف بزرگ ہیں۔ کہتے ہیں کہ ایک دن وہ اپنے مریدوں  
 کے ساتھ، اس جھیل میں جو کلان کوٹ کے اوپر [کی جانب]  
 انہی کے نام سے مشہور ہے، اور جہاں اب وہ مدفون ہیں۔  
 ”ڈہی مار“ کا کھیل کھیلتے میں مشغول تھے اور جیسے کہ

رسم ہے ایک دوسرے کو پکڑنا اور وہ پکڑا جانے والا ("چور") دوسروں کے پیچھے دوڑتا ، دوسرے بھاگنے لگتے اور وہ ان کے پیچھے دوڑ کر جس کو پکڑ سکتا پکڑ لیتا ۔ [ اور پھر اسے ہانی میں غوطہ دیتا ] ۔ اتفاقاً [ اسی طرح ] درویش کی باری آگئی اور سب بھاگنے لگے ۔ [ بالآخر ] درویش جسے پکڑ ہاتے اسے ہانی میں غوطہ دے کر بحر حقیقہ کا غواص بنا دیتے اس طرح کتنے ہی با نصیبوں کو انہوں نے ہانی ہی میں واصل باللہ بنا دیا ۔ وہ سید مراد شیرازی کے ہم عصر بنے جاتے ہیں ۔ برسات کے موسم میں یہاں ایک خصوصی میلہ لگا کرتا ہے ۔

درویش سید حلیم ۔ یہ بڑے ہاکمال بزرگ تھے اور مذکورہ درویش آجر کے ہم عصر تھے ۔ ان کا مزار مذکورہ درویش داؤد عرف داد درس کی درگاہ کے قریب اہل اللہ کی مشہور زیارت گاہ ہے ۔

شیخ پٹہ دیولی (دیہلی) [اور ان کے سجادہ نشین] ۔ ان کا نام حسین بن راجپار بن لاکھ بن سخیرہ اور ان کی والدہ کا نام سلطانی بنت مراد بن شرفوہ ہے ۔ یہ اہلان قوم کے فرد تھے ۔ قاضی محمود علامہ کی تحقیق کے مطابق وہ ایک قدیم ترین ولی اور راہ حق کے بزرگ ترین واصل تھے ۔ ان کی تعریف کیا بیان ہو سکتی ہے ۔ کیونکہ شان عالیہ کے عشر عشر کے بیان کے لئے بھی [۶۱۸] دفتر کافی نہ ہوگا ۔ ان جیسا صاحب کمال سارے سندھ میں شاذ و نادر ہی پیدا ہوا ہوگا ۔ ابتدا میں یہ بزرگ اسی پہاڑی کے ایک غار میں ، جس میں اب مدفون ہیں ، اس طرح چھپے رہتے تھے کہ جیسے لعل کان میں چھپا رہتا ہے ۔



## تفخۃ الکرام

شیخ بہاؤالدین ملتانی اپنے مشہور و معروف یاروں سمیت جب اس طرف سے گذرے تو انہوں نے اپنے دل کے نور سے معلوم کر لیا کہ اس شاندار پہاڑی میں ایک لعل پوشیدہ ہے۔ چنانچہ انہوں نے انہیں گوشہٴ گمنامی سے نکال کر اور اپنا مرید بنا کر، ظاہر کیا۔ اسی دن سے ان کی ہدایت اور مرشدی کی پیشانی کا نور دنیا والوں پر جلوہ فگن ہوا۔ انہوں نے سنہ ۱۰۴۶ھ میں وفات پائی۔ ان کی درگاہ سارے سندھ میں ممتاز بلکہ ہر طرف مشہور ہے۔

یہاں کے سجادہ نشین کمال بزرگی میں مشہور ہیں۔ آج کل شیخ صابو کے انتقال کے بعد شیخ ساجن، مرشد کی نگاہ کی برکت سے خورد و کلاں کے مرجع ہیں۔ بارہ ربیع الاول کو میلے کے دن وہ شیخ [پٹھہ] کی دستار سر پر رکھ کر مریدوں کے انبوه کشیر کے ساتھ خانقاہ سے مینار تک، جس کے درمیان خاصا فاصلہ ہے، بڑی نورانیت کے ساتھ جایا کرتے ہیں۔ [اس موقع پر] عجیب روحانیت نظر آتی ہے۔ [مرشد کی] کرامت کی وجہ سے مذکورہ دستار، باوجودیکہ طویل مدتیں گذر چکی ہیں، ایک نرالی رنگ میں جلوہ افروز اور نور فگن رہا کرتی ہے۔ بے شک یہ بھی انہی بزرگ کی کرامت تصور کی جاسکتی ہے۔

شیخ جمیل - سید عبدالہادی بن سید ابوالعطاس، امام موسیٰ کاظم کی اولاد میں سے۔ کہتے ہیں کہ یہ آہن گری کے کام میں مشہور تھے۔ بہر حال یہ بڑی طاقت (دسترس) کے مالک تھے۔ سر زمین سورٹھ (جونہ گڑھ) کرنار پر پہاڑ کے سامنے ان کی چلہ گاہ

سے ایک دنیا طرح طرح کا فُض پا رہی ہے۔ ان کی کرامتیں مشہور ہیں۔ [۶۱۹] ان کے بیان کی ضرورت نہیں ہے۔ پیر پٹھ کی استدعا پر یہ مذکورہ پہاڑی پر آئے اور یہیں دفن ہوئے۔ ان کے چار خلفا تھے۔ ایک شاہ وجیہ الدین، جن کا ذکر آگے آئیگا اور جو مذکورہ جمیل شاہ کے احاطے میں پائنتی کی جانب آرام پذیر ہیں۔ دوسرے شیخ زکریا، تیسرے شیخ ممون اور چوتھے شیخ کرم جو پیر کی نعلین کے قریب مدفون ہیں۔

کہتے ہیں کہ شیخ جمیل نے سكرات کے وقت وصیت کی تھی کہ دو آدمی ایک چھانگا (چھانکلیوں والا) لڑکا لے آئیں گے اور وہی میرا جانشین ہوگا۔ [چنانچہ] ان کی وفات کے بعد دو افراد ”پالہ لونگ“ نامی ایک لڑکے کو لے کر آئے۔ یہی وہ لڑکا تھا جسے شاہ جمیل نے اپنا بیٹا کہا تھا۔ مسند نشین [اسی وجہ سے] اپنا سلسلہ نسب ان سے ملاتے ہیں۔ اب شیخ براق کے انتقال کے بعد شیخ ممون مریدوں کے مرکز اور پیر کی کمال شفقت سے معروف ہیں۔

ملا خلیفہ ہندی - یہ سومروں کے شہر محمد طور کے، جو پرگنہ درک میں واقع تھا، ایک ممتاز باشندے تھے اور ممون کے زمانے میں ساکرہ میں آکر آباد ہو گئے تھے۔ [یہ لوگوں کو] جناب شیخ المشائخ شیخ بہاؤ الدین ملتانی کی جانب سے مرید کہا کرتے تھے۔ اپنے وقت کے بڑے کامل بزرگ اور کمالات کے اعلیٰ شرف کے مالک ہو گذرے ہیں۔

شاہ وجیہ الدین [اور ان کی اولاد] - یہ سید فتح شاہ کے

فرزند، امام محمد تقی بن امام علی موسیٰ رضا کی اولاد اور شاہ جمیل کی نگاہِ فیض کے فیض یافتہ تھے۔ ان کا مزار شاہ جمیل کی درگاہ کے ہائنتی کی جانب اہل اللہ کی زیارت گاہ ہے۔ ان کے چار فرزند ہوئے، جن میں سے ایک شاہ حسن کوہستان سے چار کوس [کے فاصلہ] پر ”ہنور“ میں آرام فرما ہیں اور دوسرے شاہ کمہور جھول میں۔ ان کی اولاد نے ایک بڑا گاؤں بسایا ہے، شیخ [۶۲۰] امروز ان کے سربراہ ہیں۔ تیسرے [فرزند] شاہ آرے، شاہ جمیل کی درگاہ کے شمال کی طرف نشیبی زمین میں مدفون ہیں۔ کہتے ہیں کہ کلہاڑی ان کے حوالہ رہا کرتی تھی۔ پیر کے بعد انہوں نے خود کو زندہ درگور کر دیا تھا۔ ان کی قبر کے قریب مسواک میں سے ایک پیلو کا درخت پیدا ہو گیا ہے جو یادگار کے طور پر موجود ہے۔ [شاہ وجیہ الدین کے] چوتھے فرزند شاہ لال چھٹو تھے۔ ان بزرگ کی قبر مقرر نہیں ہے۔ لوگوں نے کتنے ہی شہروں میں جہاں کچھ سراغ ملا ہے ان کی قبر بنا رکھی ہے۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے خود کو دریا میں پوشیدہ کر دیا تھا۔ ان کا مزار ”تندسر“ کے کنارے مشہور ہے۔

درس علاؤالدین سوسرو۔ یہ سید علی شیرازی ثانی کے ہم عصر

تھے۔ دونوں بزرگوں کے درمیان، سندھی آیات میں بہت سے سوال جواب مشہور ہیں۔ آخر کار انہوں نے سید علی مذکور کو ایک ایسا نشان دیا کہ وہ دعویٰ ترک کر کے آکر ان کے مرید ہو گئے۔ یہ، شیخ بہاؤالدین ملتانی کے سلسلے کے مرید ہیں۔ ان کی کرامتیں شمار سے باہر ہیں۔ ان کا مزار شیخ

جمیل اور پیر پٹھ کے درمیان میں اہل اللہ کی زیارت گاہ ہے ۔  
شیخ عبدالوہاب - یہ محمد طور کے ساکن اور عباسی خلفا  
 میں سے ایک مقتدر ترین خلیفہ ہیں۔ مرزا باقی کے زمانے میں  
 ٹھٹے کے نواح میں یہ ایک گاؤں میں رہا کرتے تھے۔ درندے و  
 چرندے جانور ان کے مطیع تھے ۔ یہ خلفا کے سلسلے کے سردار  
 تھے ۔ مرزا باقی نے ان کے جانب لوگوں کا بے حد رجوع  
 دیکھ کر حسد سے محمد خلیل مہر دار کے ہاتھوں انہیں قتل  
 کرا دیا تھا ۔

شیخ ابو تراب عرف حاجی ترابی۔ یہ عباسیوں کے گورنر تھے  
 اور سندھ کے بعض علاقوں کے حاکم اور تیغ تابع مشہور تھے ۔  
 جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے یہ شہدا میں ہیں ۔ ان کا مزار  
 موضع کھچی میں ، جو ”نارا“ [۶۲۱] اور ”لنہ“ شہر کی  
 بجائے آباد ہوا ہے ، اور موضع کھوڑا کے ، جو رسول آباد یا محمد طور  
 کی جگہ آباد ہوا ہے ، وسط میں واقع ہے ۔ ٹھٹے سے ان کا مزار  
 تقریباً چار کوس کے فاصلے پر ہے ۔ اس کے گنبد پر سنہ  
 تعمیر ۱۷۱۱ھ نقش ہے ۔

شیخ سند قندرانسی ، لال جوان ، پیر دادن ، قبول حبشی ،  
مشائخ چغتو اور پیر کپور، یہ تمام نامور بزرگ بھی ، شہید  
 شیخ ابو تراب کے قریب مدفون اور اہل اللہ کی زیارت گاہ ہیں ۔  
 حاجت مند [ ان میں سے ] ہر ایک کی زیارت سے فیض اٹھاتے  
 ہیں ۔

شیخ جاڑیہ - یہ قدیم زمانے کے بزرگ ہیں ۔ ان کا مزار  
 مشہور ٹیلے پر جو ”شیخ جاڑا کا ٹیلہ“ کہلاتا ہے ، نیک  
 بندوں کی زیارت گاہ ہے ۔ ان کی قبر پر [ ایک کتبہ میں یہ

تحفة الکرام

عبارت نقش ہے]، ”سید حسین سلطان جاڑیہ بن امام سید ابو احمد عبداللہ اکبر بن امام سید ابوصالح موسیٰ بن امام ابی عبداللہ نے ۷ رجب سنہ ۸۶۶ھ کو رحلت کی۔“

بہرِ کریم - یہ قدیمی بزرگ اور شاندار کرامتوں کے مالک درویش سر زمین ساکرہ میں مشہور ہیں۔ گیدڑ ان بزرگوار کے بے حد مطیع ہیں اور بوقت ضرورت ان کے مجاوروں کے حکم پر آکر حاضر ہو جاتے ہیں۔ ان کی وفات سموں کے عہد [اقتدار] کے وسط میں [واقع] ہوئی تھی۔

[لال انس] اسی طرح لال انس بھی ساموئی کے شمال میں دریا کے کنارے ایک ٹیلے پر آرام فرما اور مشہور ولی اللہ ہیں۔

درس دریو - یہ عہد قدیم کے بزرگ ہیں اپنے وقت میں بے حد مشہور تھے ان کا مزار نیکوں کی زیارت گاہ ہے۔ ان کی اولاد میں نامی گرامی درویش ہوتے آئے ہیں۔ ہر ماہ کو سوموار کے دن ان کی مرقد پر میلہ لگا کرتا ہے۔

ملا موج دریا - شکر گھاٹ کے اولے کنارے پر بندر لاہری کے قریب، جو عہد قدیم میں [۶۲۲] دیول بندر کے نام سے مشہور تھا، اہل اللہ کا ایک بڑا مرکز ہے ان کی اولاد [کے اکثر بزرگ] جو اپنے وقت میں ملا کے لقب سے مشہور تھے، زیادہ تر دھاراجہ بندر میں سکونت پذیر رہے ہیں۔

سید محمود شیرازی - یہ ممتاز اور مشہور بزرگ لاہری بندر کے جنوب میں مشہور ہیں۔

بلو خان لودھی - یہ کرامات اور نشانیوں کے مالک بزرگ

دیول بندر عرف لاہری بندر کی ساحلی زمین پر مدفون ہیں -  
قدیم زمانے کے یہ جلیل القدر پیر تھے -

شیخ نورالدین دریائی۔ یہ مشہور و معروف بزرگ ، اعلیٰ کرامتوں کے مالک اور مقتدر صاحب تصرف ، دھاراجہ بندر پر بحر عرب کے کنارے مدفون ہیں - [ان کی درگاہ] مقام صفا و حضور ہے جس سے اہل اللہ بڑی ارادت رکھتے ہیں -

لعل موسیٰ۔ یہ ، مخدوم لعل شہباز علیہ الرحمۃ سے فیضیاب ہیں - سمہ حکمرانوں کے دور کی ابتدا میں آئے تھے -

مخفی نہ رہے کہ لاہری بندر جو قدیم زمانے میں دیول بندر کے نام سے مشہور تھا - سادات کرام اور فضلاء زمانہ کا ایک عجیب مسکن تھا - اب کچھ برسوں سے حادثات [زمانہ] سے یہ شہر اپنے باشندوں سمیت برباد [ہو گیا] ہے اور وہاں کی باقیماندہ آبادی دھا راجہ [بندر] کی قربی اراضی کی طرف منتقل ہو گئی ہے - دھا راجہ بندر ایک قدیمی بندر گاہ اور نکاسرہ قوم کا پایہ تخت تھا - یہاں قدیم الایام سے پشت بہ پشت نامور سردار پیدا ہوتے رہے ہیں جن میں :

[رانا عبید] عجیب حالات کے مالک ہو گذرے ہیں - جس کا ذکر کیفیت سے خالی نہیں ہے بلکہ عجائبات الہی میں سے [۶۴۳] ایک عجوبہ کی حیثیت رکھا ہے اس لئے یہاں درج کیا جاتا ہے :

رانا عبید نکاسرہ ، والی دھا راجہ سنہ ۱۰۰۰ھ میں حیات تھا اور ککوالہ کے فرمانروا جام جرار کا ہم عصر تھا - بیان کرتے ہیں کہ ایک دن جام جرار کی آنکھوں میں

سخت تکلیف پیدا ہو گئی رانا [موصوف] ان کی عبادت کو آئے۔  
 باہم یہ حد الفت ہونے کی وجہ سے جام جرانے ان کے زانو پر سر  
 رکھ کر کہا کہ مجھے کوئی سچی کہانی سناؤ مبادا اسی کی برکت  
 سے خدائے تعالیٰ میری آنکھوں کی تکلیف رفع کر دے۔ [اس پر]  
 رانا نے کہا کہ: صداقت کا شاہد خدا کافی ہے۔ فلاں دنوں  
 میں میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ سمندر کی سیر کر کے  
 ہرے کنارے کا حال معلوم کروں۔ چنانچہ کچھ رسد اور  
 ساز و سامان سے بھرپور جہاز ساتھ لے کر میں سمندر کے سفر پر روانہ  
 ہو گیا۔ طویل مدت سفر کرنے کے بعد میں ایک ایسی جگہ  
 پہونچا جہاں اس سے پہلے کوئی شخص نہ پہونچا تھا۔ میں  
 نے [دل میں] کہا کہ ہمیں اب اور آگے جانا چاہئے تاکہ  
 شاید دوسرے کنارے کا کچھ پتہ چل جائے۔ اتفاقاً ہمارا گذر  
 اس گرداب کی طرف ہوا جیسے ظلمات کہتے ہیں [چنانچہ]  
 سارے جہاز اس گرداب میں غرق ہو گئے۔ جب میرے چہاز  
 نے بھی اس طرف رخ کیا تو میں کنارے پر ایک بڑا درخت  
 دیکھ کر جست لگا کر اس [کی شاخوں] سے چمٹ گیا۔ اس درخت  
 پر ایک بہت بڑے پرند کا آشیانہ تھا۔ رات میں نے درخت ہی  
 پر گزاری۔ صبح کے وقت میں اس پرند سے چمٹ گیا جو مجھے  
 ایک پہاڑ کے کنارے تک اڑا لایا۔ میں حیران تھا کہ کہاں  
 سے کہاں آ پہونچا ہوں۔ اللہ پاک نے اس پرند یعنی سحرخ  
 کی مدد سے مجھے اس جگہ سے آزاد کیا تھا اب میں آبادی کی  
 تلاش میں دوڑنے لگا۔ اچانک مجھے ایک عبادت گاہ کی  
 زیارت کا شرف حاصل ہوا اور جناب، حسنین رضی اللہ عنہما کی  
 روحانیت کے دیدار سے فیضیاب ہوا جنہوں نے مجھے سلامتی کی

خوشخبری دی۔ [چونکہ] میں ٹھکا ہوا تھا اس لئے مجھے  
وعیں نیند آگئی۔ [۶۲۴] [اس اثنا میں] ہریوں کا ایک  
گروہ ادھر آنکلا اور مجھے اپنے ساتھ لے گیا۔ خدا ہی جانتا  
ہے کہ میں [پھر] کیسی [اچھی جگہ] رہا۔ ناز و نعم کی  
مجھے کوئی کمی نہ تھی۔ [لیکن] کچھ عرصے کے بعد وطن  
کی محبت اور دوستوں کی یاد میں میں غمگین رہنے لگا۔ میری  
یہ حالت دیکھ کر ہریوں کی رئیسہ نے دلدہی کی خاطر  
مزاج ہرسی کی۔ میں نے اسے بتایا کہ غربت میں مجھے بے شمار  
دن گذر چکے ہیں۔ معلوم نہیں کہ میرے متعلقین کا کیا حال  
ہوگا۔ اس نے کہا اگر واپس آنے کا پختہ وعدہ کرو تو میں  
تمہیں وہاں ہمونچادوں۔ میں نے اس سے وطن میں آٹھ دن  
قیام کرنے کا وعدہ کیا۔ اس پر انہوں نے آن واحد میں مجھے  
میرے گاؤں کے باہر لا کر چھوڑ دیا۔ [جاتے وقت] انہوں نے  
کہا کہ آٹھ دن کے بعد فلاں وقت ہم یہاں آئینگے تم یہاں  
موجود رہنا۔ میں آکر اپنے اہل و عیال سے ملا اور اس وعدے کو  
دل سے بھلا دیا پھر قدرت خداوندی سے وعدے کا ایفا مجھے نصیب  
نہ ہوا۔ اب اس بات کو طویل عرصہ گذر چکا ہے۔ لیکن ان  
لذتوں کی یاد آج بھی دامن دل کو [اس طرف] کھینچ رہی  
ہے اور مجھے حیرت میں مبتلا کئے ہوئے ہے۔ لیکن اب وقت  
ہاتھ سے جا چکا ہے۔ کہانی کو یہاں تک بیان کر کے انہوں  
نے کہا کہ اگر میری یہ کہانی سچی ہے تو خداوند تعالیٰ  
تمہاری آنکھوں کی تکلیف دفع کرے! قدرت الہی سے  
جام جرار، جو کہانی کے شروع ہونے ہی [تکلیف میں] فرق



مخسوس کر رہا تھا بالکل اچھا بولا ہو کر اٹھ کھڑا ہوا اور خدا کا شکر اور میری تعریف کرنے لگا۔

### مجدوبان سالک کے بیان میں

چونکہ اس گروہ کے کالی بزرگوں کا مذکورہ بیانات کے ضمن میں مختلف مقامات پر ذکر ہو چکا ہے اور یہ گروہ اہل ظاہر کی آنکھوں سے پوشیدہ ہے جن میں سے چند کو بہت کم لوگ جانتے ہیں اس لئے یہاں چند ناموں پر [۶۲۵] اکتفا کی جاتی ہے۔ اگر کوئی عزیز اس میں اضافہ کرے گا تو شکریہ کا مستحق ہوگا۔

وطایہ۔ یہ مجذوب اور سالک کامل اپنے وقت کے مجذوبوں میں بڑے اہل معرفت ہو گزرے ہیں۔ ان کے بلند مرتبے کا کچھ ذکر مخدوم حمزہ واعظ کے بیان میں ہو چکا ہے۔ انہی سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا تھا کہ شریعت، طریقت کے زیرناف ہے۔ یعنی جس طرح مرد کی بلوغت کی نشانی زیرناف ہوتی ہے اسی طرح شریعت کی پابندی مرد سالک کو راہ طریقت میں بالغ بناتی ہے۔

مجدوب مٹو۔ یہ مجنونوں کے گروہ میں ممتاز، غیب سے واقف اور راہ یقین کے رہنما تھے۔ کہتے ہیں جب ملا محمد جہانگیری نے انتہائی مفلسی سے مجبور ہو کر حضور میں (جہانگیر کے دربار میں) حاضر ہونے کا مصمم ارادہ کیا تو مکلی کے مزارات سے رخصت ہونے کے لئے اس طرف گیا۔ حسن اتفاق سے واپسی پر اس نے دیکھا کہ پہاڑی کے دامن

میں وہ (مجنوب مٹو) ایک دوسرے مجنون کے ساتھ ایک لاش کے گرد کھڑے ہوئے ہیں اور دونوں اس (لاش) کے پیٹ سے کوئی چیز نکال کر کھا رہے ہیں۔ مٹو مجنوب کی نظر جب اس ملا ہز پڑی تو اس لاش کے کیڑوں کی ایک مٹھی بھر کر وہ اس کی طرف دوڑے اور آتے ہی اس کے منہ میں انہیں ڈال کر کہنے لگے کہ کھا جا۔ ملا پر بھی بخت مہربان تھا اور وہ اس گروہ کا بے حد معتقد تھا چنانچہ بغیر کسی کراہت اور جھجھک کے وہ ان کیڑوں کو چبانے لگا۔ یہ حال دیکھ کر دوسرا مجنوب بھاگتا ہوا آیا اور کہنے لگا ”اے مٹو! شاید دونوں جہاں ملا کو عطا کر رہے ہو؟“ یہ کہہ کر دونوں ہاتھوں سے ملا کے جیڑوں کو کھول کر باقیماندہ کیڑے جنہیں وہ نہیں نگل پائے تھے جبراً منہ سے نکال لئے۔ انہی کیڑوں کے کھانے کی ہرکت سے [جہانگیر کے] حضور میں پہنچ کر ملا مشہور مرتبے پر نایز ہوا۔ [۶۲۶]

نو۔ یہ مجنوب سالک اور صاحبِ یقین مذکورہ مٹو کے مددگار تھے۔ ان کا کل حال کرامتوں سے بھرپور ہے۔ کبھی کسی سے گفتگو نہ کرتے تھے۔ حاجت مند [محض] ان کی حرکات و سکنات سے اپنے مطلب کا نتیجہ اخذ کر لیا کرتے تھے اور جیسا سمجھتے تھے ویسا ہی ہوا کرتا تھا۔ ایک دن انہیں کسی گاؤں کے قریب [لوگوں نے] بھاگتے ہوئے دیکھا لیکن کوئی نہ سمجھ سکا کہ یہ کیوں بھاگ رہے ہیں۔ تقدیراً جلد ہی نہر دیوں کی ایک فوج اس گاؤں میں نازل ہوئی اور بے خبری کی حالت میں [اس نے] گاؤں والوں کو قتل و

غارت کیا ۔

کائن مجذوب ۔ ان کے بزرگ لوہار تھے ۔ یہ خود کو طلب کی بستی میں تپا کر صحراؤں میں وقت گزارا کرتے تھے ۔ کبھی کبھی جب وہ رات یا دن کے وقت کسی گاؤں میں آنکلتے تھے تو وہاں کے لوگوں کو ضرور کسی نہ کسی قسم کی خوشی پہونہجتی تھی چنانچہ کتنے ہی لوگ انہیں اپنے گاؤں میں آنے کی دعوت دیا کرتے تھے لیکن جب تک خود بخود ان کے دل میں وہاں جانے کا خیال نہ پیدا ہوتا تھا وہ قبول نہ کرتے تھے ۔ سائل کا جواب اگر جی چاہتا تھا تو کبھی کسی سندھی بیت میں دے دیا کرتے تھے جو تقدیر سے بالکل پورا اترتا تھا ۔

مجنوب موٹیو ۔ یہ اپنے وقت کے ایک مشہور و معروف مجنون تھے ۔ کہتے ہیں کہ ٹھٹھے کے حاکم کو نہ مردیوں کی قوم کو نصیحت دینے کے لئے کوہستان جانا پڑا ۔ حقیقت حال دریافت کرنے کی غرض سے وہ انہیں پہاڑ کے دامن میں تلاشی کرنے لگا ۔ بالآخر ایک گروہ نے انہیں خسرو خاں کے تالاب کے قریب پا لیا ۔ انہوں نے دیکھا کہ مجذوب درخت کی ایک شاخ پر سوار ہو کر اسے چابک لگا رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ اے درخت تجھ پر ایک [شخص] سوار ہے تجھ میں اس کی طاقت ہے کہ نہیں ۔ اچانک درخت کی ایک موٹی شاخ ٹوٹ کر زمین پر آ رہی ۔ وہ درخت سے اتر آئے اور اس گروہ کی [۶۲] طرف منہ کر کے کہنے لگے کہ اس درخت کی یہی [ایک] بڑی شاخ تھی کہ جسے میں نے سوار ہو کر توڑ دیا

ہے۔ حاکم کے لوگ اس سے ٹیک فال لے کر واپس چلے گئے۔ حسن اتفاق سے جب وہ حاکم سوار ہو کر دشمن کے گاؤں میں پہنچا تو اچانک ان کا سردار سرگیا۔ سارے گاؤں سے کوئی شخص مقابلہ کرنے کے لئے باہر نہ نکلا اور ان سے جو کچھ بھی کہا گیا وہ انہوں نے قبول کر لیا۔ اسی طرح جسے بھی کوئی مشکل درپیش آتی تھی وہ اس مجذوب کی گفتگو سے شکون لے کر اپنے مقصد کی راہ پاتا تھا۔

مجذوب صابر۔ یہ ذات کے دھوبی سنے جاتے ہیں۔ عجیب حال کے مالک تھے۔ لوگوں کے دروازے پر جا کر خود ہی آواز لگاتے تھے اور جیسا کہتے تھے ویسا ہی ہوا کرتا تھا۔

سجن۔ یہ خود سے بے خبر سالک تھے۔ جب بھوک لگتی تھی تو جو کچھ بھی زمین پر نظر آتا وہ کھا لیا کرتے تھے۔ لوگ دل میں منتیں مانگ کر بہترے کھانے ان کے سامنے لے جایا کرتے تھے اور یہ جس کی بھی چیز قبول کر لیتے تھے اس کی مرادیں ضرور پوری ہوا کرتی تھیں۔

شاگر۔ یہ ایک مست مخدوم زادے ہیں۔ [زیادہ تر] خاموشی میں اپنا وقت گزارا کرتے تھے۔ جس کسی پر ناراض ہو کر کچھ کہتے تھے وہ تقدیر کے عین مطابق ہوا کرتا تھا۔ ماوک۔ یہ ایک مخدوم کامل اور صاحبِ حال بزرگ تھے۔

حبیب شاہ۔ یہ ڈاھری قوم کے فرد ہیں۔ ابتدا میں ان کے والدین نے اچھی حالت میں ان کی شادی کی۔ لیکن شبِ عروسی میں بیوی سے ایک صحبت کے بعد وہ غائب ہو گئے اور بارہ سال

بعد مستوں کی وضع میں سروپا برہنہ شہر میں واپس آئے۔ زیادہ تر وہ پیر منبہ میں وقت گزارا کرتے تھے۔ [۶۲۸] دلوں کے راز سے وہ بے حد واقف تھے اور سائل کے مقصد بیان کرنے سے پہلے ہی، وہ شافی جواب دے دیا کرتے تھے۔ کبھی کبھی وہ کسی شخص سے کوئی چیز مانگ لیا کرتے تھے جو اس شخص کے پاس ضرور ہوا کرتی تھی اور وہ دے دیا کرتا تھا۔ ایک دن میر حیدر الدین ابو تراب کامل امیر خانی کے ساتھ وہ کھانا کھا رہے تھے۔ روٹی کے ساتھ مچھلی کا سالن بھی تھا۔ میر مذکور نے مچھلی کا کچھ حصہ کھانا چاہا لیکن انہوں نے اسے روک دیا۔ پھر جب ان کی نظر دوسری طرف ہوئی تو میر نے مچھلی کا ایک ٹکڑا توڑ کر منہ میں ڈال لیا لیکن فوراً ہی انہوں نے وہ ان کے منہ سے نکال لیا اور باقیماندہ مچھلی اٹھا کر باہر پھینک دی۔ وہاں ایک ہلٹی بیٹھی ہوئی تھی اس نے اسے کھایا اور تڑپ کر ٹھنڈی ہو گئی۔

ایک دن میر محمد عطا امیر خانی کی ڈیوڑھی پر وہ بغیر ہلائے آئے اور آکر چادر تان کر سو رہے۔ تین دن اور تین رات تک وہ مسلسل ویسے ہی سوتے رہے اور کروٹ تک نہ بدلی سید عبداللطیف ”تارک“ (بھٹائی) اس ڈیوڑھی کے بالاخانہ پر ٹھیرے ہوئے تھے انہوں نے مجذوب کی نیند کا یہ حال سنا تو نیچے آئے اور ان کے سرہانے بیٹھ کر فرمایا کہ ”اے دیوانے! یہ نیند تجھے کہاں سے نصیب ہوئی جو کچھ تجھے اس نیند میں حاصل ہے وہ ہمیں بیداری میں بھی حاصل نہیں۔“

نادر شاہی مغلوں کی آمد کے زمانے میں وہ شہر سے غائب ہو گئے اور پھر پتہ نہ چل سکا کہ وہ زندہ ہیں یا فوت ہو گئے۔

عبدالقدوس۔ یہ عدلائی مخدوموں میں سے ہیں۔ ان کی عجیب حالت رہا کرتی تھی۔ خاضوشی کے ساتھ گھومتے رہتے تھے اور بھنگیوں سے لوگوں کے پاخانے صاف کرایا کرتے تھے۔ باوجودیکہ انہوں نے ایک دن بھی شہر سے باہر قدم نہ رکھا تھا اور ہر روز لوگ انہیں [یہیں] دیکھتے تھے لیکن پھر بھی کچھ لوگوں نے، جو بیت اللہ کی زیارت کو گئے ہوئے تھے، انہیں وہاں دیکھا تھا۔ بعض معتبرین کا تو اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ وہ ہر روز صبح کی نماز میں بیت اللہ کی جماعت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ [۶۲۹]

مجنوب عنایت۔ یہ، مجذوب سالکین کے سلسلے میں، باخبر تھے۔ ان سے بہت سی کرامتیں صادر ہوا کرتی تھیں اور ان کے توسل سے کتنے ہی حاجتمندوں کی مرادیں پوری ہوتی تھیں۔ سید قاسم۔ یہ راہِ حق کے ایک پیخود سالک تھے۔ مدت تک جامع فرخ کی محراب کی عقبی اراضی پر رہا کرتے تھے۔ ان سے بہت سی کرامتیں ظاہر ہوا کرتی تھیں۔

مجنوب سناسی۔ یہ عجیب مجذوب اور پیخود سالک تھے۔ مادر زاد برہنہ گھوما کرتے تھے اور زبان سے کچھ کہتے بھی رہتے تھے جو کسی کی بھی سمجھ میں نہ آتا تھا۔ کبھی کبھی کسی شخص پر توجہ فرماتے تھے تو خلوت میں اسے

نطفۃ الکرام

تسلی دیا کرتے تھے اور کتنی ہی مشکلوں جل فرمایا کرتے تھے۔ نادر شاہی مغلوں کی آمد کے زمانے میں وہ غائب ہو گئے تھے۔

نور شاہ۔ یہ ہندوستانی ہیں۔ ان سے عجیب اسرار کا مریدوں کے مشاہدے میں آنا سنا جاتا ہے۔ قصہ مختصر، مجذوبوں کی وضع میں یہ ایک باخبر دانا تھے اور کدائی پر گذارہ کرتے تھے۔ ان کی گفتگو اکثر مہمل ہوا کرتی تھی لیکن فی الحقیقت بہتوں کو فیض پہنچاتی تھی۔ جذبے کی حالت میں نیک کرامتوں کا ظہور ان کی یادگار ہے۔

بولو کھیدو۔ یہ اپنے وقت کے مشہور مجذوب سالک ہیں۔ لوگ ان کے بڑے معتقد ہیں۔ ان سے بہت سی کرامتیں دیکھی گئی ہیں۔ حال ہی میں حاجی ہانڈی کی درگاہ پر انہوں نے دیا لے کر قبر پر گرا دیا تھا اس پر ایک ماہی فروش نے انہیں گالیاں دے کر سرزنش کے لٹے پیر سے جوتا اتارا۔ انہوں نے غصے میں آکر کہا کہ ”اے کلامی، گردن زدنی“ اسی روز اس شخص کی زبان سے ایسا کلام صادر ہوا جس کی وجہ سے جلد ہی اس کی گردن اڑا دی گئی۔ [۶۳۰]

مجذوب دوسو۔ یہ کبھی باہوش اور کبھی مدہوش رہا کرتے تھے۔

یارو اور یارو۔ یہ دونوں صاحبانِ حال مجذوب ہو گذرے ہیں۔

مجذوب جیو۔ یہ بھی بڑی مستیوں کے مالک اور فیض بخش

مجنولوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔

**چھٹو۔** یہ مجذوب، سالکین میں سے ہیں۔ ایک بڑی جماعت ان سے ارادت رکھتی ہے۔ اگرچہ یہ ہر ایک آدمی سے نہیں ملا کرتے لیکن ان سے کبھی کبھی بڑی کرامتیں ظاہر ہوا کرتی ہیں۔

**مجنوب لونگ۔** کہتے ہیں کہ یہ باشندگان موضع ہنی میں سے ہیں۔ جب یہ مادر شکم میں تھے تو ان کے والدین حج کو گئے تھے۔ تقدیراً ان کی والدہ دو ماہ کے حمل سے فوت ہو گئیں جنہیں دفن کر دیا گیا اور ان کے والد وہیں رہ گئے۔ دو سال کے بعد کوئی شخص ان کی والدہ کی قبر کے قریب سے گذرا تو اسے ایک بچہ قبر سے نکلتے اور اسے دیکھ کر پھر قبر میں داخل ہوتا دکھائی دیا۔ اس شخص نے جب کئی مرتبہ یہ حال دیکھا تو اس نے اس کی تحقیق کی۔ اسے معلوم ہوا کہ قدرت الہی سے ایک فوت شدہ عورت کے بچہ پیدا ہوا ہے اور اس کی دو انگلیوں میں دو سوراخ ہیں جن سے وہ دودھ پی رہا ہے۔ بہر حال کسی نہ کسی طرح ان کے والد انہیں کھلے گئے۔ بڑے ہونے پر وہ مجذوب ہو گئے اور حال و کرامت کے مالک ہو کر مستوں کی مانند زندگی گزار رہے ہیں۔ وہ کسی شخص کی جانب متوجہ نہیں ہوتے۔ بعض حاجتمند [البتہ] ان سے کبھی کبھی فیض پاتے رہتے ہیں اور مریدوں کی سی روش رکھتے ہیں۔

**لائق ڈلہ۔** یہ ایک صاحب حال مجذوب ہیں۔ ان کے



تذفۃ الکرام

۷۷۸

عجب حالات دیکھ کر لوگ ان کے بڑے معتقد ہو گئے ہیں۔  
یہ اکثر لوگوں کے دلوں کا حال بیان کرتے اور ان کی خفیہ  
مشکلات حل کیا کرتے ہیں۔ [۶۳۱]



## چھبیسواں باب

خاتمہ : ٹھٹھہ اور سندھ کا مغربی کوہستانی علاقہ  
اور وہاں کے بزرگ

حالانکہ عجائبات کوہستان بے شمار ہیں لیکن ان حروف کا جامع (مہر قانع) نمونے کے طور پر [اس] انبار کی ایک مٹھی پیش کرتا ہے تاکہ جس طرح دوسری آبادیوں کے حالات بیان ہو چکے ہیں اسی طرح کوہستان کی کچھ حقیقت بھی معلوم رہے۔ اس کے بعد جسے اضافے کی توفیق ہو وہ فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

### کوہِ مہر

اس کے گرد و نواح میں ایک بہت بڑا پہاڑ ہے جس کی ایک بڑی چٹان سے قدرتی طور پر ایک حجرہ جیسی عمارت بن گئی ہے اس میں سے قطرہ قطرہ ہو کر پانی ٹپکتا رہتا ہے اور نیچے ایک چھوٹے حوض میں جمع ہوتا رہتا ہے۔ یہ پانی ایک ایک قطرے کی شکل میں مسلسل ٹپک کر حوض میں

## نصف الکرام

تقریباً ڈیڑھ مشک [کی مقدار میں] جمع رہتا ہے نہ اس سے کبھی بڑھتا ہے اور نہ کم ہوتا ہے۔ ایک بڑی بستی کے لوگوں اور مویشیوں کی سیرابی اسی پر منحصر ہے۔ یہ پانی اصل میں کہاں سے آتا ہے اس کی کوئی خبر نہیں۔

اس حجرے کے ایک گوشے میں ایک دیگ لٹک رہی ہے۔ مشہور یہ ہے کہ یہ جنات کی بنائی ہوئی ہے اور بعض افراد کے اعتقاد [۶۳۲] کے مطابق اس میں خزانہ ہے۔ لیکن کسی انسان کا دست کوشش اس تک نہیں پہنچ سکا اس لئے حقیقت کا علم نہیں ہو سکا۔

کوہ مہر کے قریب بالائی پہاڑوں سے پانی کا ایک نالہ بھی نیچے تک بہتا ہے اور نشیبی پہاڑ پر ایک کچھا بنی ہوئی ہے جس میں متعدد کھمبے ہیں۔ اور اسی میں پتھر کا ایک حوض بن گیا ہے جس میں ہمیشہ کمر برابر پانی اور کبھی کبھی آدمی کے سر سے ایک دو ہاتھ زیادہ پانی موجود رہا کرتا ہے۔ کوہستانی باشندوں کا عقیدہ ہے کہ یہ جنوں اور دیوؤں کا بنایا ہوا ہے۔

کوہ مہر پر اس کے علاوہ پتھر کے تین حوض اور بنے ہوئے ہیں جو ہمیشہ بارش کے پانی سے لبریز رہا کرتے ہیں۔ ان کا پانی بڑا شفاف اور میٹھا ہوتا ہے۔ اس پہاڑ پر لوگ مشکل ہی سے جا پاتے ہیں کیونکہ اس کا راستہ بڑا خطرناک ہے۔

## کوہ ہب

یہ مقام صفا و حضور ہے۔ اس پر آم اور انجیر کے خود رو بے شمار درخت ہیں۔ درہ رائینک میں دو صاف حوض ہیں

جن کا عمق بے انتہا بھاٹ گیا جاتا ہے۔ وہاں ایک کامل ولی اللہ شاہ بلاول کی درگاہ دعا کنندوں کی قبولیت گاہ اور زندگی آلود دلوں کی جائے جلا مشہور ہے۔

اس پہاڑ کے ایک ٹیلے پر تقریباً چار ہانچ رھٹوں جتنا پانی رسا کرتا ہے جس پر کیلے، آم، ناریل اور انار کے کثیر درخت ہیں۔

### لاہوت

کوہ ہب میں یہ عجیب مقام ہے۔ پہاڑ کے اندر ایک قدرتی حجرے میں کھڑکی بنی ہوئی ہے جس میں پتھر کے دو کڑے (حلقے) بنے ہوئے ہیں۔ درویشوں نے ان میں سے باندھ دیئے ہیں جنہیں [۶۳۳] تھام کر اندر جاتے ہیں۔ اندر ایک کمرہ سا ہے جس کی چھت گائے کے تھنوں کی شکل کی ہے۔ مشہور ہے کہ قدیم زمانے میں ہر تھن سے دودھ ٹپکا کرتا تھا۔ آج کل ان میں سے چند پانی کے قطرات ٹپکا کرتے ہیں۔ ہر تھن کے نیچے پتھر کے فرش پر چھوٹے چھوٹے گول گڑھے سے بن گئے ہیں جو ہمیشہ پانی سے بھرے رہتے ہیں ان میں نہ تو پانی کم ہوتا ہے اور نہ زیادہ۔

اس کمرے کے اندر ایک غار ہے جس کا راستہ بنا ہوا ہے اور اس کی کوئی انتہا یا حد نہیں ہے۔ کہتے ہیں کہ اس راہ سے ڈھائی دن کے عرصے میں حجاز کی سر زمین تک پہنچا جا سکتا ہے۔ کچھ لوگ سات دن کہتے ہیں۔ قدیم زمانے میں درویشوں نے اس راستے کی سیر کی ہے۔

اسی کمرے میں ایک طشت کا سا پتھر بھی رکھا ہوا ہے۔

کہتے ہیں کہ قدیم زمانے میں اہل اللہ میں سے چالیس فقرا تیل کا ایک دانہ اس میں ہمیں کر سب کے سب شکم سیر ہوئے تھے ۔

### منگھ کا طوق

یہ مشہور پہاڑ ہے ۔ حاجی منگھا نامی ایک اہل اللہ بزرگ شیخ بہاؤ الدین ملتان کے ہمعصر یہاں مدفون ہیں ۔ یہ مقام بزرگوں اور صاحب توفیق باہدایتوں کے لئے حضور، صفا اور دعاؤں کی مقبولیت کا مقام ہے ۔ اسی وجہ سے یہ پہاڑ ”طوق منگھ“ کے نام سے مشہور ہے ۔ پہاڑ کے دامن میں ایک حوض ہے جس میں تقریباً دو ہزار سو جتنا گرم پانی رہتا ہے ۔ اس میں ”مور“ نامی ایک مگر مچھ رہتا ہے اور ایک کے مرنے کے بعد دوسرا اس کی جگہ لیتا رہتا ہے اور اسے بھی اسی لقب سے پکارا جاتا ہے ۔ عقیدت مند لوگ بھیڑ اور بچھڑوں جیسے نذرانے لاکر وہاں قربان کرتے ہیں اور گوشت کا پہلا ”مور“ کے سامنے پیچھ کرتے ہیں اگر وہ اسے کھا لیتا ہے تو نذرانہ قبول [سمجھا جاتا ہے] اور اگر نہیں کھا تا تو [نا پسند مانا جاتا ہے] ۔ [۶۳۴]

اسی حوض کے برابر ایک اور چشمہ ہے ۔ دونوں چشموں کے درمیان میں ایک پتھر ہے ۔ اگر گرم حوض کا پانی اس پتھر پر گرا کر نیچے کسی برتن میں روکا جائے تو وہ بڑا ٹھنڈا محسوس ہوگا ۔ ان دونوں چشموں کا پانی زیادہ تر ایک ہی گڑھے میں جاتا ہے جس میں ہزاروں مگر مچھ رہتے ہیں ۔ اس کے دونوں جانب باغات ہیں ۔

ان چشموں کے قریب ایک پتھر کا کنواں بنا ہے۔ اس کا پانی مذکورہ دونوں [چشموں کے] پانی سے مختلف، نہایت ٹھنڈا اور میٹھا ہے۔ اس کنویں میں بھی ایک مگرہ چھ رہتا ہے جسے ”ہنج“ کہتے ہیں۔ اس کنویں کو حاجی ”منگھا کا لوٹا“ کہتے ہیں۔

حاجی منگھا کے پہاڑ میں مخدوم لعل شہباز کی ”کندری“ (پیراگن) نامی ایک نہر ہے جس کے دونوں کناروں پر خوشگوار باغات اور درویشوں کے ہر سکون تکٹے ہیں۔

### تاریخ

شکرِ خدا کہ تذکرہ تحفۃ الکرام  
اندر صہ جلد یافتہ تزئین اختتام  
ہر جلدِ اوست روضہ اخبارِ دلکشا  
نظارِ کیوں مفت شود دیدہ شاد کام  
”قانع“ اگرچہ نیست مزافارِ ذکرِ خیر  
لیکن بفیضِ اہل خبر یافت این مرام  
باشد کنند اہلِ دلہن یاد بعدِ مرگ  
یعنی کہ یادگارِ نکوماند مستہام [۶۳۵]  
سال تمامیت چو نمود از خرد سوال  
”ایںک چہ منتخب“ ز دل آمد مرا پیام

۱۱۸۱ھ

\* \* \*

شکرِ خدا کہ یافتہ تزئین انتخاب  
”این تحفۃ الکرام“ بآذین انتخاب

تذقۃ الکرام

۸۸

سالِ تمامیت چو نمودم ز دل سوال  
هاتف زده ندا کہ ”نواآئین انتخاب“

۱۱۸۱

[۶۳۶]

تم تم  
تم



## فہرست اسماء کتب

وہ کتابیں جن کے مصنف نے حوالے دیئے ہیں

[ذیل میں دیئے گئے صفحات کے نمبر وہ ہیں جنہیں  
اس اردو ترجمہ میں مربع قوسین میں دیا گیا ہے]

تحفة الکرام - ۱۳۳ - ۱۴۳	اکمال فی اسماء الرجال ۱۲۱
چچ نامہ ۱۲۱	بیگ لار نامہ ۱۴۸ - ۱۶۸ - ۱۴۵
چنبر نامہ ۲۰۳ - ۲۲۳	۱۸۳ - ۱۸۴ - ۱۸۶ - ۱۸۹ - ۲۲۲
رشحات الفنون ۲۳۵	تاریخ طاہری ۱۳۳ - ۱۳۷ - ۱۳۹
طبقات اکبری ۱۳۲ - ۱۳۸	۱۴۳ - ۲۲۶
عجائب الحيوانات - ۲۳۶	تاریخ فرشتہ ۱۳۱ - ۱۳۲
عن الحیات منتخب حیات الحيوان	تاریخ فیروز شاہی ۲۲ - ۱۲۸ -
۲۳۶	۱۲۹
کافہ ۱۴۶	تاریخ معصومی ۱۲۲ - ۱۲۹ - ۱۳۰
کتاب الابرار ۱۴۲	۱۳۱ - ۱۳۳ - ۱۳۶ - ۱۳۸ - ۱۳۹
کتاب تذکرہ ۱۴۲	۱۳۹ - ۱۵۰ - ۱۵۵ - ۱۵۸ - ۱۶۰
مبارک شاہی تاریخ ۱۲۲	۱۶۲ - ۱۶۳ - ۱۷۲ - ۱۷۶ - ۱۷۸
معلومة الافاق ۲۳۵	۷۹
منتخب التواریخ ۲۲۳ - ۲۳۲	



## فہرست اسماء الرجال و قبائل

[ فہرست کتب کی طرح اس فہرست میں دیئے گئے صفحات کے نمبر بھی وہی ہیں جنہیں ترجمہ میں مربع قوسین میں دیا گیا ہے ]

آسر (برادر دلورائے) ۳۳۱-۳۶۳

### الف مقصورہ

ابا خان ۱۳۲

ابراہیم بن یعقوب ۵۵۹

ابراہیم بن میان محمد ۲۵۷-۲۵۷

ابراہیم بن محمد ۳۷۳

ابراہیم، حافظ ۵۸۶

ابراہیم خلیل اللہ ۲۶۸

ابراہیم خان، نواب ۲۵۲

ابراہیم، درویش ۳۶۸-۳۶۹

ابراہیم، سید ۳۰۳-۳۱۳-۳۳۷

۳۳۱-۳۶۹-۵۰۳-۵۰۵-۶۰۵

۶۱۷-۶۰۸

ابراہیم، سید ثانی ۳۱۲

ابراہیم، سید گودڑیہ ۵۱۱

ابراہیم شاہ ۴۲۹

ابراہیم عرف بولاڈنہ ۵۶۶

ابراہیم، شیخ ۱۳۷-۲۸۹-۲۹۳

۳۰۷-۳۸۰-۳۸۳-۳۸۴

۳۳۶-۳۳۷-۵۷۵

### الف ممدوہ

آتش خان ۲۰۳

آجر، درویش ۳۶۸-۶۱۳

آجن، ملا ۳۱۵

آجر، درویش ۶۰۹

آدم تھبہ، مخدوم ۳۹۳

آدم شاہ ۲۵۷-۲۵۷

آدم متقی، میان ۵۵۷

آدم، مخدوم ۵۵۳-۵۵۵-۵۵۶

۵۵۷-۵۶۲

آدم، مخدوم صبیحہ ۴۳۲

آدم، مخدوم نقشبندی ۵۷۷

آسات، پیر ۳۸۲-۶۱۲

آسو سومرو ۲۸۹

آلہ، درویش ۳۹۳

آلہ للی، دیوان ۲۰۶

آمر ۱۲۹

آمر آمرانی ۱۳۳-۱۵۱

ابو بکر، ملا ۳۵۵	ابراہیم، قاضی ۳۶۰-۵۳۳-۵۳۸
ابو بکر، میان ۵۷۹-۶۱۷	۵۵۹-۵۴۰
ابوالبرکات، خلیفہ ۵۷۰-۵۷۳-۶۱۵	ابراہیم، مخدوم ۳۷۹-۵۶۱-۵۷۸
ابو تراب، شیخ ۵۳۲-۶۲۹-۶۳۲	ابراہیم، مرزا ۱۶۸-۱۷۸
ابوالحسن، سید ۳۶۵-۳۸۹-۳۹۰	ابراہیم، میان ۳۸۵-۳۳۳-۵۷۹
ابوالحسن، شیخ ۵۳۱	۵۸۰
ابوالحسن صغیر، مخدوم عرف میان	ابراہیم ناگوری ۴۲۰
غلام حسین ۵۷۸	ابڑوسہ ۱۱۹-۱۲۰
ابوالحسن، قاضی ۴۰۰	ابڑو، شیخ ۴۳۸
ابوالحسن، میان ۵۵۹-۵۶۰	ابن بطوطہ ۱۲۳-۱۲۴
ابوالخیر، قاضی (قاضی قاضن	ابن شاہ ۴۳۹-۴۴۰
سیستانی) ۳۰۷-۳۲۰	ابن، سہر ۴۷۶
ابوالخیر، مخدوم ۵۳۷-۵۴۷	ابو احمد عبد اللہ اکبر ۶۲۲
ابو سعید، قاضی ۳۵۲	ابوالبقا، میان ۴۰۰-۴۴۳
ابو سعید، شیخ ۵۰۱	ابوالبقا امیر خان، نواب ۲۳۴-۲۳۶
ابو سعید میرک ۳۲۸-۳۹۷-۵۰۰	۳۱۶-۳۸۱-۴۹۰-۴۹۶
ابو طالب ۵۵۱	۵۰۲-۵۱۳-۵۳۳
ابو طالب، سید ۳۴۳	ابوالبقا بن محمد حسین ۴۸۱
ابو طالب، شیخ ۳۰۴-۵۸۳	ابوبکر بن مخدوم آدم ۵۵۴
ابو صالح موسیٰ ۶۲۲	ابوبکر، شیخ ۲۵۰-۲۹۰-۳۸۲
ابو عقیل ۳۱۳	۳۸۳-۵۵۲
ابوالعطاس، سید ۶۱۹	ابوبکر سیستانی ۳۷۷
ابوالغوث، میر ۳۱۶	ابوبکر، سید ۲۶۵
ابوالفتح ترخان ۱۹۳-۱۹۸-۲۰۰	ابوبکر صدیق رضہ ۲۹۰-۳۸۳
ابوالفتح، شیخ ۵۵۳-۱۶	ابوبکر، مخدوم ۳۸۳

ابوالناصر، میر ۵۱۶	ابوالفتح قابل خان ۵۴۸-۵۴۰
ابوالنجیب، شیخ ۳۸۲	ابوالفتح، میر ۳۹۵-۳۹۴
ابو نصرت خان، نواب ۲۴۳-۲۴۱	ابوالفضل، شیخ ۵۹۳-۳۶۷-۳۶۶
ابی عبد اللہ، امام ۶۲۲	ابوالفضل بن محمد طاهر ۵۵۱-۵۵۰
اجر، درس ۴۲۱	ابوالفضل بن عماد الدین ۵۴۵
احسان علی، میر ۳۳۰	ابوالفضل، وزیر ۴۲۲
احمد ۶۱۳	ابوالقاسم ۸۵
احمد اکبری، ملا ۵۴۷	ابوالقاسم، سلطان سید بیگلار
احمد، سید ۳۲۷	۱۹۳-۱۹۹-۲۰۳-۲۰۶
احمد بن جعفر، سید ۴۷۹-۴۷۱	۲۰۸-۲۲۱-۲۳۵-۲۷۳
احمد بن ہاشم ۳۱۸	۳۸۵-۳۸۸-۴۸۹-۵۷۱
احمد بیگ، احمد سلطان ۱۹۹-	۵۹۲
۲۱۳-۲۱۱-۲۰۶	ابوالقاسم، مخدوم ۵۴۶
احمد ترخان ۱۴۳	ابوالقاسم نقشبندی ۴۱۵-۴۱۳
احمد ثانی مخدوم ۳۷۸	۴۴۳-۵۵۸-۵۶۳-۵۷۹-۶۰۳
احمد جام ۵۲۰	ابو محمد ۵۲۶
احمد، خلیفہ ۵۷۵	ابو محمد، شیخ ۲۸۹
احمد، خواجہ ۵۲۱	ابو محمد عبد اللہ عرف قطب العالم
احمد، درویش ۴۱۳-۴۲۹	۲۹۹
احمد مزنگ اعتماد خان ۲۳۱	ابو محمد، مرزا ۱۳۶
احمد، سید ۴۴۳-۴۴۹-۵۰۲-۴۲۰	ابو مصطفیٰ، مخدوم ۵۶۲
۴۶۶-۴۶۷-۴۷۱-۴۷۲	ابوالمعالی، مخدوم ۲۳۹
۴۷۵-۴۷۸-۴۸۰-۴۸۹	ابوالمفاخر، میر ۵۱۳
۵۲۰-۵۹۳-۶۰۵	ابوالکارم زید، حید ۲۲۰-۳۱۳
احمد شاہ ابدالی ۲۷۳-۲۸۹-۳۳۶	۳۳۸-۳۸۰-۵۱۳-۵۱۵
۳۰۱-۳۳۳-۵۴۴-۵۶۵	

اسحاق، شیخ ۳۰۹-۵۶۹-۵۷۰	احمد، شیخ ۳۶۹-۵۳۱-۵۳۵
اسحاق، فقیر ۳۵۲-۳۵۳	احمد غوث، سید ۶۱۶
اسحاق، مخدوم ۳۷۷-۳۸۰-۳۸۱	احمد عطائی، میان ۳۰۱
۳۱۰-۵۵۱-۵۵۲-۵۵۳-۵۶۲	احمد کبیر، سید ۲۹۷-۳۰۳
اسحاق، ملا ۵۳۸	احمد، مخاوم ۳۳۷-۳۷۷-۳۸۱
اسحاق، ملا، بکھری ۳۲۱	۳۸۲-۳۰۳
اسحاق، حالائی ۳۰۳	احمد ملک ۱۸۵-۱۸۳
اسد ۲۹۰	احمد، ملا ۵۳۵-۵۳۶
اسد اللہ ۶۰۰	احمد میان ۵۵۱-۵۵۲-۵۵۸
اسد اللہ، خلیفہ ۵۶۹	۵۷۰-۵۸۰-۶۱۵
اسد اللہ شاہ ۳۵۲-۳۹۰	احمد میرک ۵۰۰
اسد اللہ شاہ عرف اسماعیل شاہ	احمدی، قاضی ۳۳۸
۳۸۶-۵۷۲-۵۷۳	احمدی، مخدوم ۳۳۸-۳۳۹-۳۴۳
اسد اللہ، مخدوم ۳۳۷	۳۹۱
اسد اللہ، میان ۳۱۳-۵۳۸	احمد یار خان ۲۳۷-۲۷۵-۲۷۶
اسد اللہ، میر ۳۲۳-۳۳۰-۳۷۶	۲۷۸-۵۷۷
اسفندیار ۱۳۸	ادرائی بیگلار ۲۲۳
اسلام خان ۲۶۳	اڈیرواہل (ملاحظہ ہو طاہر، شیخ)
اسماعیل ۳۱۳	ارباب تماچی ۲۶۹
اسماعیل، امام ۳۴۹	ارباب موسوی ۳۱۹
اسماعیل، بٹھارو ۱۶۵	ارشد بن زید، سید ۳۶۳
اسماعیل، باکی ۳۰۹	ارشد خان ۲۳۴
اسماعیل خان بروہی ۲۶۷	ارغون ۱۴۲-۲۵۳
اسماعیل، درویش ۳۷۰	ارغون خان ۱۴۲-۱۴۳
اسماعیل سومرو، مخدوم	اسحاق ۳۳۷-۳۸۳
۳۰۷-۳۰۸-۵۵۱	اسحاق، سید ۳۰۰-۳۷۷-۳۷۸
	۵۰۵

۲۶۳-۲۶۲	الله بخش خان	۳۰۶-۳۰۳	اسماعیل بغاری، سید
۳۱۹	امیر خان بن میر قاسم	۳۱۳-۳۵۶-۳۱۴	
	امیر خسرو	۵۱۳-۳۷۹	
	امیر علی سبزواری	۳۷۲-۳۲۰	اسماعیل شاه، صوفی
	امیر علی، میر	۵۷۳	
	امین الدین	۳۰۷-۲۹۱-۲۹۰	اسماعیل، شیخ
۵۱۴-۳۶۵	امین الدین، میر	۵۵۲-۳۳۷-۳۸۲	
	امین الدین، قاضی		اسماعیل، قادری
	امین الدین، داؤد پوٹہ	۳۵۲-۳۱۵	اسماعیل، قریشی
۵۱۵-۲۳۴	امین الدین، میر نواب		اعتماد خان
۵۵۸		۵۹۷-۲۴۹	اعظم خان، نواب
	الله بخش، بیان		اعظم، سید
	الله ڈتہ، زرگر		افغان
	الله ڈتہ لوہار، درویش		اکبر جلال الدین محمد، بادشاہ
	الله ڈتہ، ملا	۱۶۰-۱۸۱-۱۸۲-۱۸۸	
	الله ڈتہ، میر	۱۹۰-۱۹۴-۱۹۷-۲۰۴	
	الله یار خان	۲۰۵-۲۲۰-۲۲۲-۲۲۹	
	الله یار، سید	۲۳۲-۲۳۳-۲۳۵-۳۰۵	
	الیاس لنگراج، شیخ	۳۰۹-۳۱۲-۳۱۸-۳۳۳	
۵۶۱-۳۹۶-۳۱۱	الیاس مخدوم	۳۳۷-۳۳۸-۳۶۶-۳۴۲	
۵۹۲	الیاس، مخدوم (خوشنویس)	۳۶۸-۵۰۲-۵۲۲-۵۴۱	
	الیاس، میان	۵۴۵-۵۹۴	
	امام الدین		اکبر شاه، میر
	امام الدین جوہو، ملک		البو، پیر
	امام الدین، سید		التماس خان، بروہی
	امام الدین، شیخ		الغ خان

ایسوی ۲۸۲	امام علی نقی ۳۱۶
ایوب، سید ۳۶۴	امان الله، خواجه ۵۲۱-۵۲۲
ایوب، شیخ ۵۷۱	امان الله، شیخ ۵۴۰
پ	امان الله، قاضی ۴۱۳
بابا حسن ابدال ۳۱۸	امیر الله، خواجه ۵۶۲
بابا علی، دکن ۲۰۴	امیر بیگ ۲۳۱-۶۰۹
بابا طالب ۲۰۵	امیر بیگ، خواجه ۲۰۶
بابر بادشاه ۱۳۸-۱۳۶-۱۳۸-۱۳۸	امیر حسن، دهلوی ۳۴۹
۲۸۹-۱۵۱	امیر حسنی ۲۹۰
بابو پلیجہ ۴۲۷	امیر خان ۲۵۳
بابو، پور ۶۰۷	امین شاہ، سید ۳۲۲-۴۱۳
بابو شکوریہ (شکوریہ) ۴۲۱	امین محمد ۵۷۶
بادل، فقیر ۴۲۱	امین محمد، سید ۴۹۲
بادو، درویش ۴۴۵	انژ، جام ۱۳۴
بازونی (قبیلہ) ۲۶۶	اوڈھانی، میان ۲۵۵
باقر، سید ۳۰۳-۳۰۴-۳۰۹	اوڈھجہ (قبیلہ) ۲۵۵
بانہنیہ، جام ۱۲۶-۱۲۸-۱۳۳	اورنگ زیب عالمگیر ۲۳۵-۲۳۹
بایزید ۳۸۲	۲۳۰-۲۳۶-۲۴۷-۲۵۸
بایزید، بخاری ۲۳۴	۲۸۹-۲۹۳-۳۲۱-۳۲۶
بایزید، بسطامی ۴۲۲	۳۰۰-۵۱۸-۵۱۹-۵۳۸
بایزید، خلیفہ ۵۷۵	۵۴۰-۵۴۶-۵۴۸-۵۵۱
بایزید، سمہ ۴۲۰	۵۵۳-۵۵۶-۵۵۷-۵۵۹
بایزید، سید ۳۶۳	۵۷۲-۵۸۳-۵۸۶-۵۸۸
بایزید، شیخ ۳۰۹-۵۰۱	۵۸۹-۵۹۷
بایزید، مخدوم ۳۸۳-۳۵۵-۵۶۲	اوزبک ۲۳۲-۲۳۳
۶۱۷-۵۶۳	اول شاہ ۳۶۵

بازید، سیرک ۳۲۸	بزرگ، میرک ۳۹۹
بجار، جوکھیہ ۲۷۱	بقراط ثانی ۳۸۸
بخاری، شاہ ۳۳۵	بلال، درس ۳۲۱
بخاری، شیخ ۳۶۷	بلال، سید ۵۲۷
بچہرا ۳۳۳	بلال، مخدوم ۳۵۹-۳۶۵-۳۱۶
بلا اور خان ۲۶۲-۲۶۳-۵۳۹	۵۳۷
بختاور، فقیر ۲۶۱	بلال، ملا ۵۸۵
بختیار خان ۳۳۹	بلاول شاہ ۳۸۳
بخشو لالکھ ۱۶۳	بلاول فقیر گورار ۲۷۰
بدر، پیر ۶۰۳	بلبل، ان ۱۸۸
بدرالدین، سید ۲۹۷-۳۹۸	بلقیس ۵۱۳
بذرا، بن، شیخ ۳۳۰-۶۱۲	بلو خان، لودھی ۶۲۳
بدیل ۳۳۳	ب: و (بندہ)، مخدوم ۳۲۲
بدیع الجمال ۱۱۳-۱۱۴	بو علی اول ۳۳۸
بدین، درویش ۳۳۸	بو علی سندھی ۳۲۲
براق، شیخ ۳۲۰	بو علی، قلندر ۳۸۹
بروہی (قبیلہ) ۲۶۲	بولو (بولہ)، ارباب ۵۱۲
برہان الدین، سید ۲۹۹-۳۰۲	بولو (بولہ)، حاجی ۵۶۸
برہان، سید ۳۳۳	بولو (بولہ) خان جاکھرہ ۲۷۰
برہان شطاری ۳۲۲	بہادر خان ۲۶۹-۲۷۹
برہان، قاضی ۳۳۶	بہادر شاہ، بادشاہ ۲۳۷-۲۷۵
برہان، مخدوم ۵۵۸	۵۸۹-۵۰۹
بری شاہ، خلیفہ ۵۲۵	بہادر شاہ، سید ۲۶۱-۲۷۰-۳۱۲
بزرگ، سید ۳۶۸-۳۹۰	بہاؤ الحق، شیخ ۲۸۹
بزرگ، میر (بن خوارزم شاہ)	بہاؤ الدین، سید ۳۱۳-۳۶۲
۳۱۹-۳۱۸	بہاؤ الدین، جام، سید ۱۲۹

بیرم خان ۱۹۰-۱۹۱-۳۰۵-۳۱۲

بیگ محمد ۵۵۹

بیگ محمد، سید ۴۹۵-۵۲۰

بیگ محمد، شیخ ۴۹۰

بیگ محمد، میان ۵۸۶

ت

تاتار خان ۱۲۵

تاج الدین، میر ۳۲۳

تاجو فقیر ۲۶۱

قرخان (قبیله) ۱۶۷-۲۵۴

قرهو (ترهه)، شیخ ۳۴۶

تغلق، جام ۱۲۸-۱۳۱-۱۳۲

تقی الدین، میر ۳۱۸-۳۲۸-۳۳۰

تقاجی، جام ۱۲۵-۱۲۸-۱۳۰

۱۳۴-۳۵۶-۳۹۰-۳۵۴

۵۳۰-۳۵۸-۳۵۷

تیمی ۱۱۹

تودمن دیناری، شیخ ۳۹۹

تولی خان ۱۴۲

تیمور، امیر صاحبقران ۱۳۱-۱۶۷

۳۱۶

تیمور ارغون ۱۶۸

تیمور شاه غازی ۴۴۱

ط

طهارو خدمتگار ۲۶۵-۴۶۹

بهاؤ الدین فقیر گودزیه ۳۸۴-۴۱۰

بهاؤ الدین، مخدوم ۴۱۵-۴۳۰

۵۴۱

بهاؤ الدین زکریا ملتانی، شیخ

۲۱۰-۲۳۰-۲۳۸-۲۸۹

۲۹۳-۲۹۷-۲۹۸-۳۴۹

۳۱۹-۳۰۳-۳۱۵-۳۱۷

۳۲۱-۳۲۱-۳۳۷-۳۴۰

۵۲۵-۵۲۸-۵۵۳-۵۷۹

۶۱۰-۶۱۲-۶۱۹-۶۴۴

ابوبکر، ملا ۱۷۶-۲۲۶

ابولقادر، ۴۰۹

ابول، اولهانی ۴۵۵

بهاون شاه ۴۹۲

بهاؤی خان ۱۹۷-۱۹۸-۲۰۲

۲۱۵-۲۱۳-۴۲۰۶

بهاؤی، شیخ ۵۹۷

بهرکیه، شیخ ۴۱۳-۴۲۳-۶۱۱

بهرکیه لنگ درویش ۱۷۹-۶۱۶

بھلو (بھله)، سید ۴۱۴

بھنبھو بن انژ ۱۲۷

بھنبھو، درس ۶۱۲

بھنبھو، درویش ۴۴۳

بھنبھو، نارنجہ ۴۱۲

بھورو، میان ۵۲۸

بھدل، مرزا ۵۹۶



پیر شاہی ۹۰۳

پیر محمد راشد ۳۸۱

پیر محمد سرزا ۱۳۱-۳۱۶

پیر محمد، میان ۴۳۹

پیر منبہ ۳۰۸

پیرن، سید ۴۸۱

ج

جادو (جادہ)، سید ۵۰۳

جادو (جادہ)، فقیر ۲۶۱

جاڑیو (جاڑیہ)، شیخ ۶۲۲

جاسی، ملا ۳۶۲

جان بابا ترخان ۱۶۸-۱۶۹-۱۷۵

۱۷۶-۲۲۲-۲۲۶-۲۳۵

جان شاہ رضوی ۳۲۲

جان محمد، خلیفہ ۵۶۹

جان میر، شیخ ۶۷۶

جانی بیگ ترخان ۱۷۸-۱۸۲

۱۸۵-۱۸۶-۱۸۸-۱۸۹

۱۹۰-۱۹۱-۱۹۲-۱۹۳

۱۹۵-۱۹۶-۱۹۷-۱۹۸

۲۰۰-۲۰۳-۲۲۲-۲۲۵

۲۲۸-۲۲۹-۲۳۰-۲۳۱

۵۰۲-۵۰۳-۵۱۷-۵۳۲

۵۴۱-۵۴۴-۵۵۱

جت (قبیلہ) ۱۴۹

ٹھارو، میان ۵۴۰

ٹھاریو، سید ۵۱۲

ٹھاریو، میان ۵۶۸

پا

پانندہ بیگ ترخان، سرزا

۱۸۱-۱۸۵-۱۸۸-۱۹۳-۱۹۶

پانندہ محمد ترخان ۱۴۵

پٹھان (قوم) ۲۶۸

پریہ ویرداس، شیخ ۴۴۷

پکھہ کاتیار، درویش ۳۷۰

پلی، درویش ۳۹۳

پنھوار، میر ۲۶۰-۲۵۸

پنھور (پنھور قبیلہ) ۲۶۰-۲۵۸

۲۶۲

پتئی (قبیلہ) ۲۶۴

پنی لدھو، سید ۳۹۶-۴۱۹-۵۲۵

پنی لدھو، شیخ ۴۴۰

پنیو نارینجو (پنیہ نارینجہ)، درویش

۳۷۱

پتھو، سید ۴۵۳

پتھو، شیخ ۳۲۶

پیر چھٹو ۶۰۶

پیر پٹھہ، شیخ ۵۶۰-۶۱۸-۶۲۰

۶۲۱

پیر شاہ، سید ۳۵۱

۳۷۷-۳۷۸-۳۷۹-۵۲۰

۵۳۹

جلال، سید "جلال سرخ"

۳۱۶-۲۹۷

جلال، سید شیرازی ۱۸۰-۱۸۱

جلال محمد، مخدوم ۳۵۳-۳۸۵

۳۳۸

جلالتر ۲۶۹

جمال الدین، امیر ۳۸۲

جمال الدین، دیوان ۱۹۷

جمال الدین صدیقی ۵۸۲

جمال الدین عبدالله، شیخ ۳۰۹

جمال الدین، فقیر ۳۲۷

جمال الدین محمد ۳۳۷

جمال الدین، مخدوم ۳۳۷

جمال الدین، ملک ۱۸۵

جمال الدین، مولانا ۱۸۳

جمال خاتون ۳۵۵

جمال، سید ۳۸۹-۳۶۷-۳۷۰

۵۱۳-۳۷۹

جمال، شیخ ۳۰۷-۳۰۸-۳۵۷

جمشید ۱۲۱

جمعه، مخدوم ۶۱۴

جمن لالکو (لانگه)، سید

۳۳۵-۳۹۶

جمن، شیخ ۳۰۵

جتوئی (قبیلہ) ۱۵۶

جرار، جام ۶۲۳

جعفر بن ابی بکر ۲۹۰

جعفر بن عمران ۳۶۳

جعفر بن محمد ۲۸۹-۳۱۸

جعفر خان وزیر ۲۳۰-۵۳۲

جعفر، سید ۲۹۳-۲۹۷-۲۹۹

۳۱۳-۳۶۷-۳۷۰-۳۷۱

۵۱۳-۳۸۰

جعفر، مخدوم ۳۷۳-۳۷۶-۳۷۷

جعفر صادق، امام ۳۳۹

جعفر علی ارغون ۲۰۳-۲۰۷-۲۰۸

جعفر سهر ۳۲۱

جکھرو لندھو (جکھره نندھه) ۳۷۰

جلال الدین بایزید پورانی

۳۲۸-۳۹۷

جلال الدین جہانیاں، مخدوم

۲۹۷-۳۰۳-۳۱۲-۳۱۳

۳۳۱-۳۳۹-۳۶۷-۳۱۳

جلال الدین، سید ۲۹۸

جلال ثانی، سید ۳۶۸-۳۶۹-۳۷۰

جلال خان اڑو ۲۵۸

جلال، سید ۲۰۳-۳۰۷-۳۱۰

۳۸۳-۳۳۱-۳۶۷-۳۶۸

۳۶۹-۳۷۰-۳۷۱-۳۷۲

۳۷۳-۳۷۴-۳۷۵-۳۷۶

چ

چاچک مغل ۶۱۱  
چاکر بلوچ ۲۵۶  
چانڈو شاہ ۳۸۷  
چانڈیہ (قوم) ۱۴۹-۲۵۷  
چتن میر ۲۳۱  
چراغ شاہ ۳۲۹  
چرکس خان، درویش ۲۲۸-۳۱۶  
چنگا، سید ۳۶۳  
چنگیز خان ۱۴۲-۲۲۸  
چنہ ۱۱۴  
چنی رائی ۲۵۶  
چنیہ (بزرگان اوڈھانی میں سے)  
۲۵۵-۲۵۶

چوچک بیگم ۱۶۴  
چولیہ (خاتون) ۲۵۶  
چٹھو امرانی ۱۱۴-۱۱۶-۳۳۱  
چٹھو، خلیفہ ۵۷۵  
چٹھو، درویش ۳۹۴-۴۴۷  
چٹھو (برادر دلو رالے) ۳۶۳  
چٹھو، مہاں ۳۵۳-۶۲۲

ح

حاجی سومرو، درویش ۴۰۹  
حاجی، سید (عرف بھرکیمہ) ۳۶۳  
حاجی میر سیستانی ۳۰۵

جمیل شاہ ۳۵۰-۶۲۰-۶۲۱

جمیل ہاتنی، شیخ ۳۵۷

جنید ۱۵۵

جنید، سید ۴۹۴

جنید صفوی سلطان ۲۲۰-۵۰۱

جونہ دھاریجہ ۱۵۵

جونہ بن بابینہ، جام ۱۲۵-۱۲۸-

۱۲۹-۳۱۰-۳۵۷-۳۵۹

جونہ بن خیرالدین، جام ۱۲۷

جونہجہ ۲۲۱

جوہر مرزا ۱۶۸-۱۷۸

جہان خان، سردار ۲۷۱-۲۸۱-

۲۸۲

جہان، شیخ ۲۶۰

جہانگیر بادشاہ ۲۰۹-۲۱۲-۲۱۸-

۲۲۵-۲۳۲-۲۳۵-۳۵۶-

۳۸۰-۵۰۳-۵۲۱-۵۶۵

جہانگیر ہاشمی، شاہ ۳۱۷

جھنگلی، سید ۲۰۰-۱۱۰-

جھنگلی، میر ۵۰۳

جھنڈہ ہاتنی، شیخ ۴۶۰

جھنڈہ، سید ۴۹۶

جھنڈہ، میر ۴۹۵

جینندہ اپڑو، ملا ۲۶۵

جیٹو (جیٹا)، شیخ ۶۱۰

حسن، سید ۳۶۶-۳۵۹۲-۶۲۰	حاجی، قاضی ۴۰۰
حسن، قاضی ۲۴۲-۴۲۹	حافظ الدین، میر ۵۱۵
حسن مقری ۳۸۵-۳۸۶	حافظ اللہ شاہ کجراتی ۵۷۰-۵۷۴
حسن علی، میر ۴۷۰	۶۱۵
حسنین ۶۲۴	حافظ میر قادری، خلیفہ ۳۲۵
حسنین ۳۱۸	حامد، سید ۴۷۰-۴۷۷-۴۸۱-۵۲۰
حسین بن راجپار ۶۱۸	حامد قتال، سید ۳۰۶
حسین بن رشد ۳۶۳	حامد، مخدوم ۵۴۲-۵۵۳
حسین بن علی (امام) ۱۴۲	حامد، خلیفہ ۵۷۰-۵۷۱
حسین، درویش ۴۴۳	حامد، قاضی ۵۴۳
حسین، ملا ۵۶۵	حامد گنج بخش، سید ۲۹۳
حسین خان، خواجہ ۲۶۳	حامد الحسن بخاری، سید ۳۰۵
حسین سلطان جاڑیہ ۶۱۲	حامد کوئی ۳۳۱
حسین سلطان (بن قطب الدین لنگاہ)	حبیب اللہ، حافظ ۳۹۸
۳۰۷-۲۸۸	حبیب اللہ، سید ۳۹۰
حسین سلطان بن سلطان محمود ۲۸۸	حبیب اللہ، میان ۵۹۴
حسین سومرو، شیخ ۶۱۲	حبیب شاہ، سید ۲۸۸-۳۳۴-۶۲۸
حسین سید ۳۶۳-۳۷۷-۵۲	حبیب فقیر ۲۸۳
حسین، سید (بن بہاؤ الدین) ۳۶۳	حجاج ۴۴۴
حسین فقیر رباؤ ۴۲۱	حسام الدین، مخدوم ۲۹۳
حسین قلی رضوی، میر ۳۲۳	حسن، مخدوم ۴۳۰
حسین، مخدوم ۳۷۹	حسن ۳۱۸
حسین مرزا ۵۱۷	حسن اللہ شاہ ۵۷۲
حفظ اللہ خان، نواب ۲۴۳	حسن پاکھاؤ، سید ۴۲۰
حقیق یار خان ۴۰۱	حسن دہلوی ۳۴۹
حق بروی بیگ ۲۱۹-۲۱۰	حسن ستیہ ۴۳۵

## خ

حلیم، درویش ۶۱۸-۶۱۴

خادم ۳۷۲-۵۹۷

حماد ۳۷۲

خاکی ۴۲۰

حماد جمالی، شیخ ۱۲۹-۱۳۵

خالطمان، میرزا ۱۹۰-۱۹۱-۱۹۲

۳۹۰-۳۵۷-۳۶۰-۳۶۲

۱۹۳-۱۹۴-۱۹۵-۱۹۶

۵۰۳-۵۳۳

۱۹۷-۲۰۶-۲۲۲-۲۲۵

حماد، قاضی ۵۳۱

۲۵۶-۲۶۲-۳۱۸-۵۰۲

حماد قریشی ۳۰۷-۳۰۹

خان زمان ۲۲۲

حماد، حید ۴۷۵

خان، میان ۲۵۶

حمزہ پرهیاز ۴۰۹

خان، لاهر ۳۰۹

حمزہ، سید ۳۱۳-۳۶۵-۳۷۱-۳۷۲

خالہ زاد خان، ثواب ۲۴۱

حمزہ، حاجی ۵۴۹-۵۵۰-۵۶۷

خداداد خان، صاحبزادہ ۲۶۷

۶۲۶

حمل بن لاکھ ۴۲۷

خدا یار خان ۲۵۰-۲۵۴-۲۶۴

حمل جت ۲۳۶

۲۸۶-۳۲۳-۳۲۶-۳۳۹

حمید، سید ۳۰۳-۳۱۰-۳۱۴-۵۱۹

۳۴۰-۳۴۸-۳۶۴-۵۱۴

حمید نظام الدین، سید ۳۱۳-۳۱۴-۴۱۴

خسرو خان چوکس ۱۸۵-۲۰۶

۵۱۰

حمید، شیخ ۲۲۶-۳۶۱

۲۱۴-۲۱۵-۲۱۶-۲۱۸

حیات شاہ ۳۰۵

۲۲۲-۲۲۵-۲۲۸-۲۳۰

حیدر الدین، ابو تراب ۵۰۲-۵۱۵

۲۳۲-۲۳۸-۳۰۷-۵۲۴

۵۱۶-۵۲۰-۵۹۹

۵۲۸-۶۲۷

خضر خان ۱۵۵

حیدر حقانی، سید ۳۱۴-۳۶۵-۴۴۱

خضر، حضرت ۳۵۷

حیدر (ملزم شاہ بیگ) ۲۱۱-۲۱۴

خضر شاہ، میر ۳۵۲

حیدر، میر ۳۲۱-۳۲۰-۳۹۲-۵۱۷

خضر قادری، شیخ ۳۵۴-۳۵۵

حیدر قلیچ ہروی ۳۵۸

۳۶۷

حیرتی (شاعر) ۵۹۶

داؤد، درویش ۴۰۸  
 داؤد پوٹہ (لبیلہ) ۲۵۶-۲۶۴  
 ۲۶۵-۲۶۶  
 داؤد پوٹہ، عقر بن محمد ڈاکٹر،  
 ۱۲۲-۱۲۸-۱۳۳-۱۳۶  
 ۱۳۸-۳۳۲  
 داؤد بن آدم شاہ ۲۵۷  
 داؤد، درویش (عرف داد درس) ۶۱۸  
 داؤد، مفتی مخدوم ۵۴۵  
 داؤد برہد حالائی ۳۸۳  
 داؤد، ملا، سیوستانی ۴۵۷  
 داؤد، میان، عربی ۵۹۷  
 درگاہی شاہ ۵۳۰  
 دریا خان ۱۳۶-۱۳۷-۱۳۸-۱۳۹  
 ۱۴۰-۱۴۱-۱۴۳  
 دریا خان (خدمتگار عرب کوکہ)  
 ۲۰۴-۲۰۶-۲۰۷-۲۰۸  
 دریائی آبدار ۱۸۵  
 دلشاد وزیر ۱۳۳-۱۴۰-۱۴۱  
 دلورائے ۱۱۳-۱۱۴-۱۱۹-۱۲۳  
 ۳۳۱-۳۶۳-۳۶۴  
 دلیر دل خان، نواب ۲۵۳  
 دودائی ۱۳۹-۲۹۳  
 دودا، شیخ ۴۴۶  
 دولت خان لودھی ۱۹۷-۲۶۴  
 دولت خان پٹی ۲۶۰

خلیل خان، خواجہ ۴۱۴  
 خلیل خدمتگار ۱۷۷  
 خلیل، خواجہ ۲۳۹-۲۴۸  
 خلیل سہرदार ۱۸۵-۱۸۹  
 خمسہ، قاضی ۱۶۹-۱۷۹-۲۹۹  
 خواجہ کلان، سید ۳۰۹  
 خوارزم شاہ ۳۱۸  
 خوند میر ۳۲۰  
 خوش محمد ارغون، میر ۱۵۷  
 خیر الدین بن تماچی، جام  
 ۱۲۶-۱۲۷-۱۲۸-۱۲۹-۱۳۵  
 خیر الدین، میر ۳۱۵  
 خیر الدین قانی ۳۹۴-۴۹۵-۴۹۸  
 خیر اللہ شاہ ۳۱۰-۳۲۷-۵۰۰-۵۲۲  
 ۵  
 دادن، میر ۵۰۶-۶۰۸-۶۲۲  
 دارا شکوہ ۳۰۱-۳۵۴-۳۵۵  
 دانشور ۵۹۵  
 دانیال، شیخ ۵۰۴  
 دائم شاہ ۵۲۸  
 داؤد، جام ۲۰۵  
 داؤد بخان ۲۵۶-۲۰۱۳-۲۶۵  
 داؤد بن لعل ۲۵۷  
 داؤد بخاری، سید ۳۰۳-۳۰۴  
 ۳۰۸-۳۰۹-۳۷۹-۳۸۰-۵۸۱

راجو قتال، سید ۲۹۲-۲۹۹-۳۰۲

۳۰۴-۳۰۵-۳۰۶-۳۱۳-۶۰۵

راجو، سید ۳۰۳

راجو فقیر ۲۶۲

راجو لیکھی ۲۷۵

راجو دل ۴۴۹

راجپار بن لاکھ ۶۱۸

راحہ ۱۴۷

رادھو بن بابو ۴۷۷

راز علی سہو ۵۰۹

رانہ، میان ۲۵۶

رانہ ورسہ ۲۲۱

راہو، مخدوم، شرف الدین قاضی

۳۵۳

رائجہ بیگم ۱۷۶

رائے ڈنہ، جام ۱۳۲-۱۳۳

رائے ڈیاج ۱۵۶

رائے ساہسی ۲۹۴-۳۰۸

رائے سنگھ ۲۱۶

رائے سیہرہ سردار ۲۸۸

رتن سنگ ۱۲۳-۱۲

رتو ۱۱۴

رحمت اللہ ۵۳۱-۵۵۵

رحمت اللہ، خواجہ ۵۲۲

رحمت اللہ، سید ۴۸۹-۵۱۰-۵۲۹

۵۹۲-۵۴۰

دھتی (لہیتی) ۲۵۶

دین محمد بن نصیر محمد

۲۶۰-۲۶۱-۲۶۲

دین محمد سرائی ۲۴۳

دین محمد، قاضی ۳۵۸

دین محمد، حاجی ۳۸۲

دین محمد، سید ۳۹۹-۴۰۲-۴۰۳

۴۳۴

ڈ

ڈاتار ڈنہ، درویش ۴۵۳

ڈاتو ڈنہ، سید ۵۱۲

ڈاتو (ڈاتہ) کچھیلہ ۴۲۰

ڈتہ (دیتہ) ۳۷۳

ڈتہ، قاضی، سیوستانی ۳۵۳

ڈنہ سرکی ۴۱۶

ڈھڑ (قوم) ۱۴۸

ڈھرو ہلال ۲۵۵

ڈھسر، جام ۱۷۶-۲۰۵-۲۷۹

ذ

ذوالفقار علی ۲۴۹-۴۹۱-۵۰۹

ذوالنون ارغون ۴۳-۱۴۵

ز

راجن شاہ ۳۱۰-۵۳۰

راجن، شیخ ۴۳۷

رکن الدین ، مخدوم ۵۳۷	رحمت اللہ ، شیخ ۴۳۶-۴۳۷
رکن بہرا ، درویش ۳۸۲	۵۲۹-۴۹۳
رکن ، خادم ۳۷۷-۳۷۸	رحمت اللہ ، مخدوم ۲۵۰-۳۷۹
رمضان ویدانی ، مخدوم ۳۵۳	۳۱۰-۳۸۵-۵۳۶-۵۵۵
رند بلوچ (قوم) ۱۳۸-۱۳۹	۵۵۷-۵۶۲-۵۶۶
روح اللہ ، سید ۵۱۳	رحمت اللہ ، میان ۵۷۶
روح اللہ ، شیخ ۱۳۹-۳۰۹	رحمہ ڈھڑ ۱۰۹
روح اللہ ، قاضی ۳۰۱	رحیم خان ہرانکو ۲۶۳
روح اللہ ، مخدوم ۳۳۱	رستم بیگ ۱۸۷
روح اللہ ، مہرک ۵۰۰	رستم ۱۳۸
روز بہان ، شیخ ۳۲۲	رستم مرزا ۲۳۲-۲۳۳
روشن علی مہر ۵۰۰	رشید بن قاضی محمد محفوظ ۳۷۳
ریاض الاسلام ، ڈاکٹر ۱۲۲	رشید الدین ، شیخ ۳۵۷-۶۱۰
ربعان ، شیخ ۳۳۵-۳۳۶	رشید خوشنویس ۱۳۷-۵۹۲
ر	رضا بیگ ۲۶۹
زبردست خان ، نواب ۲۳۳	رضا الدین ، شیخ ۳۸۳
زکریا ، درویش ۳۸۱	رضی الدین ، شیخ ۲۹۰
زکریا ، سید ۳۳۲	رضی الدین محمد ، میر ۳۲۸
زکریا ، شیخ ۲۹۰	رضی الدین مہر ، خواجہ ۵۲۳
زکریا ، مہر ۳۳۰	رضی محمد خان ۲۵۱-۳۵۲
زین الدین ، شیخ ۵۳۵	رفیق ۱۶۵
زین الدین ، قاضی ۳۵۲	رکن الدین ، درویش ۳۷۳
زئی ، سید ۳۲۹	رکن الدین ، سید ۳۱۷-۳۱۸
زید بن جعفر ، سید ۲۹۶-۳۶۳	۳۰۹-۳۳۱
زین العابدین ، سید ۳۰۵	رکن الدین ، شیخ ۲۹۷-۲۹۹
	۵۵۳-۳۳۵



سراج الدین شاہ ۴، ۳	زین العابدین ، شیخ مٹھن
سراج الدین ، شیخ ۲۹۰	۵۷۱-۵۵۲۸-۳۰۷
سراج الدین ، میر ۳۲۳	س
سراج عقیف ۱۲۹-۱۲۸-۱۲۲	ساجن ، ارباب ۲۶۹
سرائی (قوم) ۲۶۰-۲۶۲-۲۶۶	ساجن ، سید ۵۱۲-۵۱۱-۳۱۸
۲۸۸-۲۷۳-۲۶۸	ساجن ، شیخ ۶۱۹
سردار خان ، نواب ۲۴۱	ساجو شاہ ۳۵۲
سرفراز ، میان ۲۷۶-۳۲۲-۳۳۳	سارنگ خان ۱۳۱-۱۳۷
۵۹۰-۵۵۶	سالار خان ۱۱۹
سرور ، مخدوم ۳۸۳	سام بن عمر بن ہشام ۱۲۱
سدھو (سدھہ) فقیر ۳۲۷	سام بن نوح ۱۲۲
سعادت خان ، نواب ۲۴۱	سامیہ ، سلطان ۵۰۴-۲۷۰-۲۶۸
سعادت اللہ خان ۲۴۳	سانگی قوم ۲۵۷
سعادت اللہ ، خواجہ ۵۲۲	ساہر لنجاری ، مخدوم ۳۹۰
سعادت اللہ ، سید ۵۲۰-۵۱۳-۳۹۵	سائیں ڈنہ ، سید ۴۷۸
سعادت اللہ ، مرزا ۲۰۸	سائیں ڈنہ ، قاضی ۵۳۱-۳۵۴
سعید الدین ۳۶۰	سائیں ڈنہ ، هندو خان ۲۱۵-۲۱۴
سعید خان ۳۱۴-۲۳۴	ستار ڈنہ ، سید ۴۳۶
سعید خان ، نواب ۲۰۵-۲۰۶-۲۰۸	سپہر شکوہ ۲۳۹
۲۴۷	سجن ۶۲۸
سعید رضوی ۳۲۱	سجن صدیقی ۵۳۱-۳۰۷
سعید قریشی ۲۹۳	سچیدنہ ، سید ۴۷۰
سعید محمد ۵۱۷	سخوہ ۶۱۸
سعید ، مولانا ۳۶۲	سراج الدین ۳۸۳
سکندر بن فتح خان ، جام	سراج الدین ، ابوالقاسم ۴۸۶
۱۲۹-۱۳۰-۱۳۲-۳۷۲	

سمه (قوم) ۱۲۰ ۱۲۱ ۱۲۲ ۱۲۳	سلام ، میر جادم ۳۸۳
سمابه ، سید ۳۳۵-۵۸۱	سلام الله شاه ۳۲۸
سمابه کبیر ، سید ۳۶۳	سلام الله ، شیخ ۵۲۹
سمندر بیگ ۱۵۸	سلامی ، ملا ۵۹۶
سمیجہ (قوم) ۱۴۵-۱۴۶-۲۰۰	سلطان بن بہاول ۶۰۹
۳۵۳	سلطانی بنت مراد ۶۱۸
سمیری (قوم) ۱۲۲	سلطان احمد ۲۹۹-۳۰۰
سنجر ، جام ۱۳۲-۱۳۳-۱۳۴	سلطان جذیمہ ۲۹۰
۳۲۰-۱۳۷	سلطان خواجہ ۱۷۹
سندر راجہ سمنی ۳۳۳	سلطان حسین ۲۹۰
سنجر خان داؤد پوٹہ ۲۶۳	سلطان ، سید ۳۹۷
سنگھ سن ، راجہ ۲۳۳	سلطان شاہ ، سید ۳۱۰-۳۱۳
سوڈھا (قوم) ۱۳۳-۱۴۶-۲۰۰	سلطان شاہ لودھی ۳۹۳
سورج مل ۲۶۱	سلطان طرفہ ۲۹۰
سومار ۵۶۸	سلطان قلی بیگلار ۱۳۳
سومرا (قوم) ۱۱۹-۱۲۰-۱۲۲	سلطان کھنر ۶۱۴
سید الله ۳۳۱	سلطان محمد ۱۳۶
ستہ دل ، راجا ۳۲۲	سلطان محمد مہردار ۱۳۵
سید قاضی بیان ۳۷۱	سلطان محمود بکھری ۲۱۹-۲۲۳
سیف الله ، خواجہ ۵۲۲	۲۳۲
سیف الله ، نواب ۲۵۲-۵۸۲-۵۹۸	سلطان محمود خان کوکلتاش
سیف الملوک ۱۱۳-۱۱۳	۱۳۹-۱۵۵-۱۵۶
سینہرہ ، مخدوم ۳۹۹	۱۵۷-۱۶۶-۱۷۰-۱۷۱
سیور علی ، سویم علی ۱۹۹	۱۷۳-۱۷۳-۱۸۱
ش	سلطان محمود لانگہ ۱۳۹-۱۵۰
شاد کام ، مرزا ۵۸۹	۱۵۱-۲۲۳
	سلطان مقیم بیگلار ۱۳۳
	سلیمان درویشی ۳۰۸-۵۱۳

شاہ حسن نگہری ۱۵۲-۲۲۵	شاہ نور خان، لواب ۲۶۴-۲۴۷
شاہ خواجہ، میرک ۱۷۹-۳۹۸	شاہکر، مخدوم زادہ ۶۲۶
۳۹۹	شاہ بیگ ارغون ۱۳۶-۱۳۷-۱۳۸
شاہ دیوار ہالائی ۳۸۶	۱۳۹-۱۴۱-۱۴۲-۱۴۳
شاہ رخ ترخان ۱۸۲-۱۸۳-۱۸۸	۱۴۵-۱۴۷-۱۴۹-۱۵۱
۱۸۹	۲۱۹-۲۲۳-۲۲۵-۳۱۲
شاہ طہماسپ ۲۱۹	۳۲۰-۳۲۸-۳۵۰
شاہ عالم بہادر شاہ ۲۵۱-۳۲۹	۳۷۵-۳۸۲-۳۹۷
شاہ عباس صفوی ۲۱۳	۵۲۳-۶۰۲-۶۱۵
شاہ علی ۲۵۷	شاہجمان ۲۳۳-۲۳۴-۲۳۶-۲۳۹
شاہ قاسم ارغون ۱۷۶-۱۷۷-۱۸۳	۲۴۰-۲۴۳-۲۵۵
۱۸۶-۱۹۱-۱۹۷-۲۰۲	۳۵۶-۳۰۰-۳۱۳-۵۰۱
شاہ قاسم (ابوالقاسم) بیگلار	۵۱۳-۵۳۸-۵۴۷
۲۱۱-۲۱۶-۲۲۰-۲۲۱	۵۸۳-۵۸۶-۵۹۲-۵۹۵
شاہ قلی خان (رجوع کیجئے:	شاہ چراغ ۳۰۶
میان نور محمد کلہوڑہ)	شاہ حاجی دریائی ۳۱۳
شاہل محمد، میان ۲۵۷	شاہ حیدر، میر ۵۰۹
شاہ مراد ۵۲۹	شاہ حسن، میرزا ۱۴۳-۱۴۴-۱۴۶
شاہ مردان، سید ۳۳۵-۳۳۶	۱۴۷-۱۴۹-۱۵۰-۱۵۲
شاہ محمد ۲۵۷-۲۵۷	۱۵۳-۱۵۵-۱۵۶-۱۵۷
شاہ محمد ارغون ۱۵۹-۱۶۳	۱۵۸-۱۵۹-۱۶۰-۱۶۱
شاہ محمد بن غازی خان ۲۶۳	۱۶۲-۱۶۳-۱۶۵-۱۶۸
شاہ محمد (چتر پاری) ۲۵۷	۱۷۲-۱۹۰-۲۱۹-۲۲۱
شاہ محمد، سید ۲۹۵	۲۲۳-۲۲۵-۲۸۹-۲۹۶
شاہ آراز ۲۵۱-۳۱۳-۵۸۱	۳۰۷-۳۱۷-۳۳۸-۳۵۳
شاہ وردی خان (رجوع کیجئے)	۳۵۳
غلام شاہ میان)	

شمس الدین امیر خانی ۲۳۸	شاہ والی، سید ۳۸۵
شمس الدین، خواجہ ۱۵۱	شاہ ولی، میر ۵۳۵-۳۸۶
شمس الدین، سید ۲۹۶-۳۷۵	شاہ و کاتیار ۳۰۳
۵۳۲-۳۷۶	عجاج بخاری، شیخ ۳۰۷-۱۵۰
شنبه ۱۶۵	۶۰۰-۳۰۹
شورا (قوم) ۲۰۷	شرف الدین، سید ۵۵۳-۳۸۶-۳۷۷
شہاب الدین ۳۸۳	شرف الدین، میان ۳۲۱
شہاب الدین سہروردی ۳۱۱	شرفو ۶۱۸
شہاب الدین، شیخ ۲۹۰-۳۱۳	شرفو، میر ۲۳۱
۳۱۵-۳۳۰-۳۸۳-۳۲۶	شریف، سید ۳۷۸
۵۶۱-۵۲۲	شریف ابوالقاسم ۳۸۳
شہاب الدین، میر خواجہ	شریف خان (شریف الملک)
۳۱۲-۳۲۳	۲۳۴-۲۳۵-۲۳۶-۲۵۶
شہباز خان ۱۹۹-۲۱۵	شریف خواجہ ۵۳۹
شہداد خان ٹالپر ۲۶۳	شکر اللہ شیرازی، سید ۳۸۲-۳۰۳
شہر اللہ، شیخ ۲۹۱-۳۳۰-۵۲۲	۳۸۳-۳۸۵-۳۸۷-۳۸۹
شہسیر، سید ۳۴۲	۳۹۰-۳۹۱-۳۹۳-۵۳۳
شہیان بن عثمان لکھی ۳۳۱	۵۷۶-۵۸۵-۵۹۷-۶۰۲
شیخ مغل ۳۱۶	۶۰۳
شیخو، سید ۲۷۰-۳۷۰	شکر اللہ، شیخ ۲۷۰-۲۷۱-۲۸۶
شیرازی ۳۸۲-۳۹۳-۵۵۰	۲۹۶-۳۸۳-۳۸۶-۵۰۱
شیر افکن ۵۱۶	۵۰۲
شیر خان سوری ۱۵۷-۱۵۸-۲۲۵	شمس شاعر ۲۱۷
شیر قلندر، سید ۳۱۸	شمس شاہ تبریزی ۳۹۱-۳۰۶
شیرین محمد میان ۵۷۵	شمس کاشمیری ۱۸۲
	شمس الدین ۱۸۵-۳۳۹

ص

صابر سومرو ۴۲۹

صابر، مجذوب ۶۲۸

صابر، مخدوم ۵۴۳

صابر، میان ۵۷۶

صابو ولہاری ۴۱۸

صابو، شیخ ۶۱۹

صاحب ۲۵۶

صادق خان ۱۹۱

صادق عباسی ۱۷۹

صادق علی، سید ۳۲۱

صادق علی خان، لواب

۵۹۰-۲۵۴-۲۵۳

صادق محمد خان ۱۸۹-۱۸۸

صالح خان ۲۷۸-۲۷۲-۲۷۳

صالح، درویش ۴۳۷

صالح، سید ۴۱۳

صالح شابی ۳۱۵

صالح شاہ ۳۳۶-۳۳۵

صالح محمد سیال ۵۳۰

صالح محمد ٹھارو، سید ۴۹۰

صالح محمد فاضل محمد ۵۶۲

صالح محمد واعظ، مخدوم ۵۵۳

صالح، مخدوم ۴۱۳

صالح مرزا ۱۷۰-۱۷۱-۱۷۵

۱۷۸-۱۸۰-۲۲۶-۴۶۸

صالح، ملا ۱۹۸

صدر، درویش ۴۱۷-۴۱۸-۴۲۳

صدرالدین راہوتی، مخدوم

۴۸۵-۳۸۷-۴۳۰

صدرالدین، سید ۳۱۶-۳۱۹-۳۶۴

۳۶۵-۴۹۲

صدرالدین، شیخ ۲۹۰-۲۹۱-۲۹۲

۳۴۳-۳۴۳-۳۴۰-۲۹۷

۵۵۳-۵۳۶

صدرالدین ثانی، شیخ ۲۹۱

مخدوم قاضی ۳۷۲-۵۳۱

مخدوم نرہید، شیخ ۳۹۴

صدیق اہڑو، جام ۲۵۸

مخدوم موحید، مخدوم ۴۰۷

صفائی، سید ۳۱۸

صفر ارغون، میر ۱۵۹

صفی الدین، سید ۲۹۵

صفی الدین، شیخ ۲۹۴-۲۹۵

صلاح الدین، جام ۱۲۸-۱۲۹

۱۳۴-۱۳۹-۱۳۷-۱۳۳

۱۵۱-۳۵۷-۴۶۶-۵۳۰

صلاح الدین، میر ۲۵۱

ض

ضیاء الدین، سید ۴۹۲

ضیاء الدین، شیخ ۳۸۳-۵۲۷

ع

- عادل خواجہ ۲۱۸  
عارف بلوچ ۳۰۳  
عارف شاہ، سید ۳۱۲  
عاشق اللہ ۵۷۲  
عاقل شاہ ۳۲۹  
عالم بکھری ۳۱۹-۳۶۷  
عالم شاہ، سید ۳۹۵  
عالم شاہ، شیخ ۳۱۵  
دالمکیر (رجوع کیجئے :  
اورنگ زوب)  
عالی شاہ، سید ۳۱۹-۳۴۲  
عالی، شیخ ۵۲۵-۵۶۲  
عامل، مجذوب ۶۲۷  
عباس پیر ۶۰۳  
عباس بن عبدالمطلب ۲۵۵-۳۳۷  
۵۳۰-۵۳۱  
عباس، مخدوم ۵۵۱-۵۵۲  
عباس، مولانا ۳۹۳  
عباسی ۲۵۵  
عبدالباسط ۵۳۵-۵۵۶  
عبدالباقی، شیخ ۲۱۵-۵۲۹-۵۳۰  
عبدالباقی، میرک ۳۲۸-۳۹۷  
۳۹۸  
عبدالباقی واعظ ۳۴۲-۳۴۳

ضیاء الدین عباسی ۳۱۷

ضیاء الدین، مخدوم ۳۱۳-۵۵۲

۵۵۵-۵۵۸-۵۶۵-۵۶۱

ضیاء الدین، مولانا ۳۳۰

ط

طالب آملی ۲۱۷

طالب اللہ، مخدوم ۵۵۹-۵۶۳

۵۸۷

طائی بن محمد، ۳۳۶-۳۳۷

طاہر ۲۵۶

طاہر، سید ۱۳۶-۱۵۳-۱۶۹

۵۱۸-۲۷۳-۲۲۶-۱۸۳

طاہر، شیخ، اڈیرولعل ۳۸۹-۳۹۰

طاہر صدر ۱۵۸

طاہر، ملا ۵۸۵

طفی غلام ۱۶۶

طلحہ ۶۱۱-۶۱۲

طوغاجی ۲۶۹-۳۱۲

طہماسپ قلی خان ۲۶۹

طیب، سید ۳۱۷-۵۱۰

ظ

ظفر خان، ثواب ۲۳۹

ظفر اللہ، شیخ ۲۷۳

ظہیر الدین، سید ۳۸۳-۳۸۶-۳۹۱

۳۹۳-۳۹۴

عبدالرحمان سیفی ۵۸۶  
عبدالرحمان، شیخ ۵۵۹-۵۸۶  
۵۸۸  
عبدالرحمان، قاضی ۳۰۷-۳۳۶  
۳۰۱-۳۰۰-۳۳۱  
عبدالرحمان علوی ۳۳۳  
عبدالرحمان، ملا لٹر ۳۶۰  
عبدالرحمان، مولانا ۵۳۷  
عبدالرحمان میرک ۱۷۹-۳۹۷  
عبدالرحیم بن عبدالرحمان ۲۹۰  
عبدالرحیم، حافظ ۵۵۳-۵۵۴  
عبدالرحیم درس، مخدوم  
۵۸۷-۵۸۰  
عبدالرحیم، سید ۳۱۳-۳۳۳  
۵۲۰-۳۳۶  
عبدالرحیم، میان ۵۵۷  
عبدالرحیم، میرک ۵۰۰  
عبدالرزاق، میان ۵۴۵  
عبدالرزاق، میرک ۳۹۹  
عبدالرزاق معموری، میر  
۲۰۹-۲۳۲-۲۳۸-۳۰۶  
۳۹۵-۳۹۷-۳۶۳-۵۰۳  
۵۱۱-۵۱۳-۵۲۳  
عبدالرزاق، شیخ ۳۶۷-۵۲۹-۵۸۸  
عبدالرسول، سید ۳۶۵-۵۰۱  
عبدالرسول، ملا ۵۹۱

عبدالجلیل، شیخ ۵۳۴-۵۳۱  
عبدالجلیل، قاضی ۵۳۰  
عبدالجلیل، میر ۲۴۶  
عبدالجمیل ۵۴۳  
عبدالجمیل، مخدوم ۵۵۵-۵۴۸  
عبدالحق، شیخ ۲۹۵-۵۹۳  
عبدالحکیم، ملا ۵۹۶-۵۹۷  
عبدالعلیم، سید ۳۴۶  
عبدالعلیم، میان ۳۵۸  
عبدالحمید ۲۸۹-۲۹۴  
عبدالحمید ثانی ۳۷۹-۳۸۰  
عبدالحمید، شیخ ۵۸۷  
عبدالحمید، مخدوم ۳۸۷-۳۰۶  
۵۶۲-۳۱۰  
عبدالحمید حالائی ۳۰۱  
عبدالحنی ۵۴۵-۵۴۷-۵۳۸  
عبدالخالق، سید ۳۹۳-۳۹۵  
عبدالخالق، شیخ ۵۸۲  
عبدالخالق گیلانی ۳۹۷  
عبدالخالق، مخدوم ۳۳۷-۳۳۸  
عبدالخالق، میان ۵۷۵  
عبدالذلیل ۳۲۷-۳۳۳  
عبدالرحمان بن عیاض ۲۹۰-۳۲۴  
عبدالرحمان حاجی ۵۶۶  
عبدالرحمان، سید مور ۳۷۵-۳۸۲  
۳۸۳-۳۸۵-۳۸۶-۵۰۰  
۵۰۲-۵۰۱

عبدالعزيز ابهرى ۲۶۰  
عبدالعزيز بن عبدالکريم ۳۳۶  
عبدالعزيز، شيخ ۵۸۸-۵۸۹  
عبدالعزيز، مخدوم ۳۵۳-۳۵۹  
عبدالعزيز، مير ۵۲۳  
عبدالعلي، سيد ۳۸۶-۳۹۵  
عبدالعليم ۵۳۲  
عبدالغفار ۵۳۳-۵۳۴  
عبدالغفار، مرزا ۲۵۲  
عبدالغفور سندهى ۵۶۵  
عبدالغفور، سيد ۵۱۸  
عبدالغفور شاه ۲۵۲  
عبدالغفور شاه هالائى ۵۵۸  
عبدالغفور، شيخ ۵۹۳  
عبدالغنى بن محمد طاهر ۵۵۰  
عبدالغنى، سيد ۳۲۹-۳۳۳-۳۳۴  
عبدالغنى لهوى، شيخ ۲۳۳-۵۸۲-۵۸۳  
عبدالغنى، مخدوم ۳۷۵  
عبدالقادر بن ابراهيم ۳۷۳  
عبدالقادر جيلانى، سيد  
۲۹۳-۲۹۵-۲۹۶-۳۲۷  
۳۳۳-۳۹۵-۳۹۸-۴۰۵  
۳۰۹-۳۱۲-۳۳۹-۳۵۰  
۳۵۲-۳۸۰-۳۹۶-۵۱۲  
۵۲۰-۵۲۵-۵۹۶-۵۶۹  
۵۷۵-۶۱۵

عبدالرشيد، خليفه ۵۷۱  
عبدالرشيد، سيد ۳۱۳-۵۱۸  
عبدالرشيد، شيخ ۵۳۳  
عبدالرشيد، مخدوم ۳۷۸-۳۸۱-۵۵۳  
عبدالرشيد، ملا ۵۹۳  
عبدالرشيد، ميان ۳۱۳  
عبدالرؤف ۳۳۱-۵۳۷  
عبدالرؤف، حكيم ۳۲۶  
عبدالرؤف، سيد ۵۱۸  
عبدالرؤف، شيخ ۵۴۵-۵۹۳  
عبدالرؤف، مخدوم ۳۶۹-۳۷۹-۳۸۱-۳۸۰  
عبدالرؤف، ملا ۵۹۷  
عبدالرؤف، منشى ۳۳۹-۵۸۶  
عبدالسبحان ۶۰۰  
عبدالستار، شيخ ۳۳۲  
عبدالستار، مير ۵۱۹  
عبدالسلام، شيخ ۵۸۸  
عبدالسمع خان ۲۵۲  
عبدالسمع، شيخ ۵۹۳  
عبدالشكور، شيخ ۵۹۳-۵۹۸  
عبدالشكور، ملا ۵۳۷  
عبدالشهيد، شيخ ۵۳۱  
عبدالصمد، سيد ۳۹۹  
عبدالصمد، ميان ۵۳۵  
عبدالعزى ۲۹۰



- عبد اللہ خان ، ۲۶۷  
عبد اللہ ، خواجہ ۱۳۶-۵۲۲  
عبد اللہ سلطان ، ۲۱۳-۲۹۰-  
۵۲۳-۵۰۱-۳۵۶  
عبد اللہ ، سید ۳۹۷-۴۰۹-۴۱۳-  
۴۹۳-۴۸۷-۴۸۴-۴۷۰  
عبد اللہ ثانی ، سید ۵۲۴  
عبد اللہ شاہ ۵۱۸-۵۲۸-۵۲۹-  
۵۸۱-۵۷۴-۵۷۰  
عبد اللہ حسین شاہ ۶۰۲-۶۱۵  
عبد اللہ ، شیخ ۲۹۰-۳۶۲-۳۸۳-  
۵۳۵-۵۲۹-۳۸۸-۳۸۴  
۵۵۹-۵۵۳  
عبد اللہ العطری ۲۹۸  
عبد اللہ ، قاضی ۱۳۵-۳۶۰-۳۶۱-  
۵۳۶-۵۰۳-۳۶۲  
عبد اللہ قریشی ۵۲۷  
عبد اللہ لاہوری ۳۰۵  
عبد اللہ ، منشی ۳۴۰  
عبد اللہ ، مفتی ۳۰۹  
عبد اللہ ، میان ۳۴۶-۴۰۱-۴۱۳-  
۵۹۵-۵۶۱-۵۶۰  
عبد اللہ واعظ ۵۵۹  
عبد اللطیف (مرزا غازی کا غلام)  
۲۱۷  
عبد اللطیف ، درویش ۴۱۳
- عبد القادر ، سید بن محمد ہاشم ۵۱۷  
عبد القادر ، بیان ۵۶۰-۵۶۱  
عبد القدوس ، سید ۴۱۴-۴۳۳-  
۵۹۸-۴۹۶-۴۷۷-۴۷۰  
عبد القدوس ، میان ۳۹۹-۴۱۴  
عبد القیوم ۳۹۵  
عبد الکریم ۲۵۲-۳۴۵  
عبد الکریم بلڑی والی ۳۸۶-۳۸۸-  
۴۰۵-۴۰۶-۴۱۰-۴۱۴  
۴۱۵-۴۱۹-۴۲۷-۴۲۹  
۴۳۱-۴۳۳-۴۳۴-۴۳۷  
۴۴۱-۴۴۳-۴۵۵-۴۸۰  
۵۰۴-۵۰۶-۵۲۹-۵۳۰  
۶۱۷-۶۱۷  
عبد الکریم ، دوس ۵۸۲  
عبد الکریم ، سید ۳۲۲  
عبد الکریم مرزا کریم بیگ ۵۲۰  
عبد الکریم ، ملا ۵۵۳  
عبد اللہ سندھی ۳۶۱  
عبد اللہ بروہی ، خان قلات ۲۶۹  
عبد اللہ اشرف ، سید ۳۶۳  
عبد اللہ بن اسیر ۲۹۰  
عبد اللہ بن تاجو ۵۳۳  
عبد اللہ بن عباس ۳۳۷  
عبد اللہ بن سعد اللہ ۳۶۰  
عبد اللہ بن محمد ۳۳۷

عبد الواسع ، شيخ ۵۴۳-۵۵۸	عبد اللطيف بهائى ، سيد
۵۵۹-۵۷۶-۵۹۲	۳۳۹-۳۴۰-۳۵۶-۳۸۳
عبد الواسع ، مير ۲۶۵	۳۸۷-۳۸۸-۳۸۹-۳۳۵
عبد الواسع ، ميرک ۵۰۰	۵۶۳-۵۶۴-۵۶۵-۵۷۳
عبد الولی ، حید ۲۱۸-۳۶۹	۵۷۸
عبد الوهاب ۲۹۵	عبد اللطيف حسینی ۳۸۳
عبد الوهاب ، شيخ ۱۷۳-۳۲۶	عبد اللطيف بن عبد الرزاق ، سيد
۵۰۱-۵۵۲-۶۲۱	۵۱۳
عبد الوهاب عیامی ۱۷۹	عبد اللطيف سيوستانی ، سيد ۳۰۶
عبد الوهاب ، ميرک ۱۷۹-۳۹۸	عبد اللطيف ، قاضی ۵۳۲
۵۹۶	عبد اللطيف ، مخدوم ۵۶۱
عبد الهادی ۵۴۲	عبد اللطيف ، مير ۵۲۴
عبد الهادی ، حکيم ۳۲۳	عبد اللطيف ، شيخ ۳۶۱-۳۶۲-۳۳۰
عبد الهادی ، سيد ۶۱۹	عبد المجيد ۵۴۷
عبد الهادی ، شيخ ۵۸۸	عبد المجيد ، سيد ۵۱۳
عبد الهادی ، ميرک ۳۹۸	عبد المجيد ، شيخ ۵۳۲
عبيد ، رانه ۶۲۴	عبد الملك ۵۴۱-۵۴۲
عبيد ، سيد ۳۶۳	عبد الملك شاه ۴۲۶
عبيد الله ۵۴۶	عبد الملك ، قاضی ۴۲۴
عبيد الله ، شيخ ۵۷۱	عبد الملك ، ميان ۵۲۲-۵۳۵
عبيد الله ، سيدنا ۳۳۷	عبد النبي خائف ۵۵۷
عتيق الله ۵۳۲-۵۳۳	عبد النبي ، سيد ۴۹۵-۴۹۶
عثمان ثقفی ۳۳۱	عبد الواحد ۵۵۱
عثمان ، حکيم ۳۷۶	عبد الواحد ، ميان ۳۷۵-۵۷۶
عثمان ، سيد ۳۰۳-۳۰۴-۳۰۸	عبد الواسع ۵۴۰-۵۴۱-۵۸۳
عثمان ، شيخ ۲۶۶-۵۷۷-۵۷۵	عبد الواسع ، سيد ۳۲۷-۳۳۴-۳۸۳
	۳۸۵-۴۹۰-۴۹۱

عزیز اللہ ، شیخ ۵۸۳	عثمان ، مخدوم ۳۱۲-۳۰۸-۳۳۷
عزیز اللہ عباسی ۳۰۵	۵۴۳-۵۴۱
عزیز اللہ ، میر ۲۲۹	عثمان سروندی (قلندر شہباز)
عطاء اللہ جمال الدین ۳۸۲	۲۹۵-۳۳۹-۳۵۵-۳۵۹
عطاء اللہ ، خواجہ ۵۲۱-۵۹۶	۳۳۵-۳۳۶-۶۱۱-۶۲۳
عطاء اللہ ، سید ۳۸۷-۳۸۹	۶۳۵
عطاء اللہ ، شیخ ۵۳۱-۵۸۷	عثمان ، ملا (فاضل خان)
عطاء اللہ ، میرک ۳۹۹	۵۸۷-۵۹۰
عطر خان ، نواب ۲۳۸-۲۳۹-۲۶۹	عجائب ، مخدوم ۳۱۱
۲۷۱-۲۷۵-۲۷۶-۲۷۸	عدل ، مولانا ، میر ۵۳۵
۲۸۱	عدی بن حاتم ۲۱۹
عظیم الدین ، میر ۳۹۲	عرب شاہ ، سید ۳۲۸-۳۸۲-۳۸۹
عظیم خان ۳۶۱	عرب شاہ ، میرک ۳۹۹
عقیل ، سید ۳۱۳	عرب کوکہ ۱۸۷-۱۹۷-۱۹۸
عکرمہ بن عصام ۱۲۱	۲۰۳-۲۰۶-۲۰۸
علاؤ الدین بن دریا خان ۱۳۱	عربی دھیانو ، مخدوم ۳۸۲
علاؤ الدین ، خواجہ ۲۲۰	عربی گامی ۱۶۵
علاؤ الدین ، درس ۶۲۱	عزالدین ، شیخ ۳۸۳
علاؤ الدین ، سلطان ۱۱۹-۱۲۵	عزالدین محمد ، میر ۳۲۸
۳۹۲-۳۵۶	عزت اللہ بن عنایت اللہ ۵۵۳
علاؤ الدین بن سید محمد مکی	عزت اللہ ، سید ۳۲۸-۳۲۹-۳۹۱
۳۱۸-۳۱۲	۵۸۱-۵۷۲
علی بن جعفر ۳۱۸	عزت اللہ ، شیخ ۵۳۰-۵۳۲
علی احمد ، مخدوم ۵۵۳-۵۵۶	عزت اللہ ، میان ۳۹۸
علی احمد ، میرک ۵۶۰	عزت خان ، نواب سید ۲۳۰-۲۳۱
علی امیر ۳۵۲	عزت علی ، میر ۳۳۰

۳۰۲-۳۲۵-۳۳۳-۳۳۴

۲۳۵-۲۳۹-۳۳۳-۳۶۵

۳۹۱-۵۸۳-۶۰۰

علی شیرازی، سید ۱۴۸-۱۸۰

۲۳۶-۲۶۴-۳۸۴-۳۴۶

۳۵۵-۵۲۷-۵۶۹

۶۱۲-۶۱۳-۶۱۴-۶۱۶

علی شیر کوکھ ۱۸۲

علیکھ ارغون ۱۴۳-۱۵۲-۱۵۵

۱۵۶-۱۵۹-۲۲۵

علی محمد، سید ۴۰

علی محمد، شیخ ۵۳۴-۵۳۵-۵۹۶

علی محمد، مخدوم ۵۴۷

علی محمد کوکلتاش ۱۵۹

علی بن ملا بہبود، میر ۲۲۶

علی موسوی رضا ۳۱۳-۳۲۰

علی نواز ۳۴۵

علی یار، میر ۵۰۳

علیم اللہ شاہ ۵۸۱

علیم الدین، سید ۵۱۳

علیم الدین، شیخ ۴۴۰

عماد الدین، سید ۴۸۱

عماد الدین، شیخ ۵۲۹

عماد الدین اسماعیل، شیخ ۲۹۲

عماد الدین ثانی، شیخ ۵۵۳

عماد الدین محمد، شیخ ۵۵۳

علی اصغر، سید ۴۸۵-۴۹۰-۵۴۹

علی اصغر، میر ۴۶۹-۴۷۰-۵۰۲

علی اکبر، سید ۴۸۳-۴۸۵-۴۰۶

۴۹۱

علی اکبر، میان ۵۶۳

علی اکرم ۵۴۴

علی ایگ ۵۹۰

علی ثانی، سید ۴۶۶-۴۶۸-۶۲۱

علی پوٹھ (قبیلہ) ۱۷۷

علی مرتضیٰ بن ابو طالب

۱۴۲-۲۲۰-۲۸۹-۳۴۴

۳۸۴-۵۹۶-۶۱۱

علی حیدر، سید ۵۰۷

علی خان کوکھ ۱۸۲-۱۸۶

علی خان وکیل ۱۸۵

علی، سید ۲۹۴-۲۹۵-۲۹۷-۳۱۸

۳۶۷-۳۶۸-۴۷۰-۴۷۱

۴۷۵-۴۷۶-۴۸۰-۴۹۱

۴۹۶-۵۲۶-۵۴۹-۵۹۲

۵۹۳-۶۰۸-۶۱۵

علی شاہ ۱۲۴

علی شاہ، میر ۳۲۸

علی شیرین جام تماچی ۱۳۰-۱۳۱

علی شیر قانع ۱۳۳-۱۳۸-۱۴۵

۱۴۹-۱۷۰-۱۷۶-۱۷۸

۱۸۳-۱۸۹-۲۲۳

۳۶۷-۳۶۸-۳۷۲-۳۷۳

۳۸۳

عیسیٰ بن عبدالوہاب ۳۰۶

عیسیٰ ، مخدوم ۳۱۳

عیسیٰ ترخان ، مرزا ۱۲۸-۱۳۳

۱۵۲-۱۶۱-۱۶۲-۱۶۵

۱۶۶-۱۶۷-۱۶۸-۱۷۰

۱۷۳-۱۷۸-۱۸۷-۲۰۰

۲۰۳-۲۲۲-۲۲۶-۲۲۸

۲۳۵-۲۵۶-۵۳۱-۵۳۲

۵۳۷-۵۳۸

غ

غازی بیگ ترخان ، مرزا

۱۹۷-۲۰۲-۲۰۳-۲۰۶

۲۱۳-۲۱۶-۲۱۷-۲۲۲

۲۲۶-۲۲۹-۲۳۰-۲۳۵

۳۵۶

غازی خان ۱۵۰-۲۶۳-۳۶۵-۳۶۸

غازی (غازان) خان ۱۳۲

غازی ، مرزا ۳۲۱-۵۹۳-۵۹۵

غالب ، سید ۳۳۹

غالب (مرزا) ۱۶۸-۱۷۸

غروری کاشانی ، میر ۵۰۲-۵۰۳

غضنفر بیگ ارغون ۲۲۵

غضنفر خان ، نواب ۲۳۰

غضنفر علی ، میر ۲۳۹

عماد الدین ، مخدوم ۵۳۵

عماد الملک سرتیز ۱۲۳

عماد بن میر بزرگ ۳۱۸

عمران بن سعید ہارون ۳۶۳

عمر بن علی ۲۸۹

عمر ہودلہ ، درویش ۳۰۹

عمر شاہ ۳۲۳-۳۱۳

عمر شیخ ٹھٹھوی ۳۶۷

عمر فاروق رضہ ۳۵۳

عمر ، مخدوم ۳۷۹-۳۵۲

عنایت خان پٹھان ۲۳۶

عنایت شاہ ۲۵۸

عنایت ، شیخ ۳۳۶

عنایت اللہ شاہ ۳۲۲-۳۳۰-۳۹۸

۳۰۰-۳۰۳-۳۱۸-۳۲۶

۵۰۷-۵۰۸-۳۸۶-۳۲۷

۵۱۲

عنایت اللہ ، شیخ حافظ ۵۳۰-۵۵

۵۵۳-۵۸۷

عنایت اللہ صوفی ۲۵۰-۳۷۲

عنایت اللہ ، مخدوم ۵۵۲-۵۵۸

۵۶۱-۵۶۳-۵۶۸

عیاض ۲۹۰

عیسیٰ نبی ۳۸۳

عیسیٰ ، شیخ ۳۲۲-۳۶۰-۳۶۶

غلام علی ، میر (میر گولہ) ۴۷۱

غلام محمد ، آخوند ۶۰۱

غلام محمد بگائی ، مخدوم ۳۳۸

غلام محمد سکھانی ۲۶۳

غلام محمد شاد ۳۲۶-۵۷۲-۵۷۳

غلام محمد شاه ، صوفی ۶۱۳

غلام محمد ، شیخ ۲۵۴-۲۶۷

۲۷۱

غلام محمد ، مخدوم ۵۶۱

غلام محمد ، میان ۵۴۶-۵۶۷

غلام ولی اللہ بن علی شیر قانع

۳۹۲

غوری (گہرانہ) ۲۵۷

غیاث الدین شاہ ۳۹۷

غیاث الدین ، سلطان ۳۴۹

غیاث الدین ہروی ، قاضی ۱۴۲

غیاث الدین محمد سبزواری

۳۲۰-۳۲۸-۵۰۱

غیب ، حاجی ۳۱۵

غیوری عرف شکر ۵۹۵

## ف

فاضل بیگ ۲۶۹

فاضل شاہ ۴۰۲-۴۰۳

فاضل شاہ قریشی ۴۰۳

فاضل کوکلتاش ، میر ۱۴۵

غزنوی (گہرانہ) ۲۵۵

غزنین (قوم) ۲۴۷

غفور شاہ ۳۶۶

غلام احمد ۵۵۶

غلام اولیا ، سید ۳۸۶-۳۸۷

غلام حسین ۵۴۳

غلام حسین ، شیخ ۵۸۷

غلام حیدر شاہ ۳۹۷

غلام شاہ ، سید ۳۸۶

غلام شاہ ، شیخ ۵۲۸

غلام شاہ ، نواب ۵۹۰

غلام مرتضیٰ شاہ ، میر ۳۲۲

غلام شاہ ، میان ۲۶۸-۲۷۱-۲۷۴

۲۷۸-۲۸۰-۲۸۲-۲۸۶

۳۰۸-۳۲۲-۳۲۶-۳۳۱

۳۴۳-۳۴۶-۴۰۱-۴۲۸

۴۳۷-۴۴۴-۴۵۳-۵۲۴

۵۴۴-۵۵۵

غلام عبدالقادر ۳۲۳

غلام علی آزاد ، میر ۲۳۴

غلام علی شاد ۵۹۹

غلام علی ، سید ۴۶۹

غلام علی ، شیخ ۵۳۶

غلام علی ، نورزا ۶۰۱

غلام علی مسہر ۵۰۹

غلام علی بن علی شیر قانع ۳۹۲

۳۹۰-۳۸۹-۳۸۷-۳۸۶

۳۹۵

فضل اللہ، شیخ ۳۵۳-۳۰۷

فضل اللہ، مخدوم ۵۳۷-۴۲۶

۵۵۳

فضل علی ۴۷۲

فقیر ۵۱۳

فقیر اللہ، حاجی ۳۳۵-۲۳۳

فقیر محمد ۵۳۰

فقیر محمد، سید ۴۹۱-۴۸۱

فیاض، شیخ ۳۶۷-۳۰۷

فیروز سہ، جام ۱۳۱-۱۳۹-۱۳۶

۳۳۸-۱۳۷-۱۳۵-۱۳۳

۵۹۲-۳۵۹

فیروز شاہ سلطان دہلی ۱۲۷-۱۲۶

۳۹۴-۲۹۸

فیروز، مخدوم ۵۳۸-۵۳۰

فیروز ویر، فقیر ۲۶۰-۲۵۹

فیض اللہ، آخوند ۶۰۰

فیض اللہ، سید ۳۱۳-۳۱۲-۳۰۳

۵۱۳

فیض اللہ، مخدوم ۵۴۹

فیضی ۵۴۵

فیضی، شیخ ۳۶۷-۳۶۶

ق

قابل خان ۵۸۷-۵۴۸

لاطیف ۴۶۷-۳۳۵-۱۱۶-۱۱۵

فتح، میان ۳۹۹

فتح اللہ بن لطف اللہ ۲۳۰

فتح اللہ، خواجہ ۵۲۲

فتح اللہ شاہ شیرازی ۵۴۵-۵۹۷

فتح اللہ، مخدوم ۳۷۹-۳۷۸

فتح اللہ بن بہائی خان ۲۱۵

فتح خان سہ، جام ۱۳۱-۱۳۰

۴۷۲-۳۲۳-۱۶۸

فتح شاہ ۶۲۰

فتح محمد ۵۵۳

فتح محمد، سید ۴۹۱-۴۹۰-۳۸۳

۵۱۳

فخر الدین، سید ۴۹۲

فخر الدین، شیخ ۳۸۳-۳۸۱-۲۹۰

فرخ ارغون ۲۲۴-۱۶۸

فرخ سیر بادشاہ ۵۸۳-۲۵۱-۲۴۸

۵۸۹

فرخ، میر ۱۵۶-۱۵۲-۱۴۸

فرید بہاگت ۲۵۹

فرید خان ۲۶۶

فرید شکر گنج، شیخ ۲۹۷-۲۶۶

۵۳۴-۳۳۹-۳۰۸-۲۹۹

فضل اللہ بن میر عبدالرحمان ۲۸۲

فضل اللہ، خواجہ ۵۲۲

فضل اللہ، سید ۳۶۹-۳۱۳-۳۰۳

قزلباش ۲۲۶	قادر ذنبه شاه ۴۵۲
قصی بن کلاب ۲۹۰	قادر شاه ۳۹۹
قطب الدین بن سید ابراهیم ۳۱۳	قادری شاه ۴۱۲
قطب الدین سلطان (ملاحظہ ہو	قاسم بن عبداللہ ۳۶۳
رائے سپہرہ)	قاسم بیگ، مرزا ۱۵۶
قطب الدین، قاضی ۵۳۲-۳۳۸	قاسم حسن خان ۵۸۸
قطب الدین محمد، شاہ ۳۱۷-۳۱۸	قاسم چرکس ۲۱۰
قطب المصطفیٰ ۳۰۹	قاسم، درویش ۳۸۶
قطب، شیخ ۲۴۶	قاسم خان لمکین، ہروی، میر
قلندر، میر ۵۱۷	۳۱۹-۵۱۳-۵۱۶
قلندر شیر بن میر علی ۳۱۸	قاسم علی سلطان ۱۸۲
قلندر علی، میر ۳۲۳	قاسم، تنہد ۳۱۳-۵۰۶-۵۱۱
قلی بیگ ۵۲۰	قاسم طغانی، مرزا ۱۵۸
قلی بیگ، میرزا سلطان ۱۵۹	قاسم کیبکی، میر ۱۳۷-۱۳۸
قمر الدین ۳۷۰	قاسم، خواجہ میر ۵۲۳
قمر الدین، شیخ ۵۹۰-۶۰۱	قاسم وکیل ۲۶۱
قمر الدین، میان ۵۸۶	قاسم، قاضی ۱۳۹-۱۴۷-۳۵۳
قنذرانی، شیخ ۶۲۲	۳۵۵-۵۴۳-۵۴۴
قنبر خان بروہی ۲۶۰	قائم الدین سندھی، حاجی
قوام الدین ۳۲۸	۴۰۱-۴۳۹
قیمصر پنہور ۲۶۲	قائم الدین، شیخ ۴۰۳
قیمصر مکی ۲۶۶	قائم خان نہار ۲۶۳
قیمصر، ملا عبداللطیف ۴۱۵	قباد خان، نواب ۲۴۰-۵۴۷-۵۹۵
ک	قبول حبشی ۶۲۲
کاشی پٹھان ۲۱۹	قبولہ (دریا خان) ۱۴۰
	قرہ خان، مرزا ۲۱۱



کریم ، پیر ۶۲۲	کاظم الدین خان ۵۸۸-۵۸۹
کریم الدین ، سید ۴۹۲	کا کر بروہی ۲۶۷
کریم الدین ، مولانا ۵۳۷	کالا خان بلوچ ۲۶۶
کریم ڈنہ ، سید ۴۳۶	کالہ ملتانی ، شیخ ۲۱۰-۲۳۰
کریم ڈنہ ، شیخ ۴۴۶	کالہ قریشی ۳۲۸-۵۱۳
کلا راجہ ۴۵۶	کام پخش مغل ۲۳۰
کلاب ۲۹۰	کامران ، مرزا ۱۵۷-۱۶۳-۱۶۹
کلمتی ۱۵۶	۲۸۹
کلہوڑہ ۲۵۵-۲۵۶	کاسوان ، میر ۵۰۳-۵۸۴
کمال الدین ، سید ۴۸۴-۴۸۹	کان شکر ۲۹۹
۴۹۳-۴۹۴-۴۹۶-۵۰۵	کاھو بن تماچی ۱۲۴
۵۰۷-۵۰۹-۵۲۲-۵۲۳	کبیر الدین محمد ، سید ۴۴۹
۶۰۲-۶۱۷	کبیر ، شیخ ۴۴۶
کمال الدین ، شیخ ۵۵۸	کبیر محمد نقشبندی ، میان
کمال الدین بن ملا اسحاق ۵۳۸	۴۴۴-۵۷۷-۵۸۰
کمال اللہ ، میر ۴۳۶	کہور ، پیر ۶۲۲
کورائی (قبیلہ) ۱۳۹	کہور ، شیخ ۴۵۰
کوسن پیر ۴۳۷	کجرپو (کجرپہ) ، پیر ۴۳۸
کہور شاہ ۶۲۰	کچ سنگھ بھٹی ، راجہ ۲۶۱
کہور ، سید ۳۶۳	کہوکنج شاہ ۶۰۵
کہور (قبیلہ) ۲۵۷	کرم اللہ ، شیخ ۳۲۶
کہتوریہ ، فقیر ۴۲۰	کرم اللہ ، قاضی ۴۱۳
کہنگار ۱۴۳-۱۴۴-۱۵۱-۱۵۲	کرم اللہ ، میان ۵۴۷
۱۵۵-۱۶۹	کرم شاہ ، میر ۳۲۹
کہہریہ ، رائے ۱۸۸	کرم ، شیخ ۶۲۰
کہہڑا ۴۳۶-۴۴۳	کرن سمہ ، جام ۱۲۹-۱۳۰

کیبک ارغون ۱۳۷-۱۴۳-۱۶۸

ک

گدا علی، ملا ۱۸۷-۲۳۰

گوجر (قوم) ۲۵۵

گدومل ۲۷۲-۳۹۹

گکر (قوم) ۱۶۴

گردیز شاہ ملتانی ۲۹۳

گلاب شاہ، میر ۳۲۹

گل شاہ، درویش ۴۳۹

گل محمد ۵۷۹

گل محمد خان خراسانی

۲۸۳-۲۷۲-۲۷۱

کھرام لاشاری ۲۶۶-۲۶۰

ل

لاشار ۲۵۶

لاشاری ۲۵۶

لاکھا ۱۷۶

لاکھہ بن حمل ۴۲۷

لاکھہ بن سغیرہ ۶۱۸

لاکھہ بن پهل ۱۵۳-۱۵۴

لاکھہ، پیر ۴۳۷-۶۰۴-۶۱۷

لاکھہ، شیخ ۳۹۳

لال میان ۶۱۰

لال عیسن ۲۵۷

لالن، سید ۴۴۲

لدۃ بہار ۴۲۳

لدۃ، پیر ۶۰۴

لدۃ، درویش ۳۹۳

لدۃ، سید ۴۱۴

لدۃ شورو ۲۶۹

لسہ کا کڑہ ۴۱۷-۴۲۳

لشکر خان، نواب ۲۴۰

لطف اللہ ۲۱۳-۲۱۵-۲۳۰

لطف اللہ سلطان ۲۰۶

لطف اللہ، سید ۳۲۳-۳۲۹-۳۳۰

۴۶۹-۴۸۱-۴۸۷-۵۱۱

۵۱۸-۵۹۵

لطف اللہ، میان ۵۵۸

لطف علی، سید ۳۳۵

لطف علی، میر ۲۴۶-۵۰۹-۵۹۹

لعل الدین، میر ۴۸۲

لعل الن ۶۲۲

لعل جوان ۶۲۲

لعل چٹھہ، سید ۴۲۰-۴۲۱

لعل شہباز [رجوع کیجئے

عثمان مروندی]

لعل، شیخ ۴۳۸

لعل میر ۴۷۰

لقمان ۵۵۱

لکدیر (لکسیر) ۱۴۰-۱۴۱-۴۷۴

لکھو، درس ۴۸۰

محب علی ، ملا ۳۵۶-۵۹۵

مختسب ، قاضی ۵۴۵

محراب خان ۲۶۲

محمد احسن ۵۴۱

محمد احسن ، اخوند ۶۰۱

محمد احسن ، میرک ۳۹۹

محمد اسام ۵۱۶-۵۴۲

محمد اسماعیل خان ۲۷۲

محمد اسماعیل ، مخدوم ۳۴۳

محمد اشرف ۳۹۹-۴۰۰-۵۴۳

۵۷۸-۵۵۶

محمد اشرف ، سید ۳۶۵-۴۹۳

محمد اشرف ، شیخ ۵۵۳

محمد اشرف ، میر ۵۲۳

محمد اعظم ۵۸۹

محمد افضل ، سید ۳۲۴-۳۲۵

۳۲۸-۳۹۸-۵۱۰-۵۴۳

۵۸۱-۵۸۳

محمد اکرم ، قاضی ۵۴۰

محمد اکرم ، مخدوم ۴۰۰-۵۵۱

محمد اکرم ، میر ۳۲۳

محمد امان بن محمد شفیع ۵۰۱

محمد امان ترخان ۱۹۳-۲۱۳-۲۳۱

محمد امین ، درس ۴۳۵

محمد امین ، شیخ ۵۸۳

محمد امین ، قاضی ۴۸۵-۵۳۵

۵۴۳-۵۴۵-۵۴۶

لنگو ، سید ۴۳۳-۴۰۱

لنگو ۴۴۹

لودھی خان ۲۳۸

لودھی ، شیخ ۴۵۰

لونگ ہالہ ۶۲۰

لونگ پیر ۶۰۸

لہیا ماچھی ۲۶۶

## م

ماچھی (قوم) ۱۴۴-۱۴۸-۲۶۶

مانک چند بن رائے کھوریہ

۲۱۶-۲۱۵-۲۱۳

مانک وزیر ۱۴۷

ماہ بیگم ۱۷۳-۱۷۸

مالدیو راجہ ۱۶۰

مبارک دربان ۱۳۲

مبارک خان داؤد پوٹہ ۱۴۱-۲۲۰

۲۶۷-۲۶۴

مبارک ، سید ۳۱۳

مبارک شاہ ۵۰۴

مبارک ، شیخ ۳۶۶-۳۶۷

مستو (مستہ) ، شیخ ۳۲۶

مستو (مستہ) ، مجذوب ۶۲۶-۶۲۷

مٹھو فقیر ۶۱۳-۶۱۴

مجاہد خان ۱۸۱-۲۲۰

معیت خان ۲۵۸

محب علی خان ۲۱۹-۲۲۰

محمد بن عمر ۲۸۹	محمد امین ، مخدوم ۳۷۴-۵۴۱
محمد بن غیاث الدین سلطان ۳۴۹	۵۴۶-۵۶۶
محمد بن قاسم ۱۲۱-۲۷۷-۳۳۱	محمد انور ، سید ۴۹۲
۳۳۳-۳۴۳	محمد اول ، میرک ۳۲۸
محمد بن محمد حسین ۶۱۳	محمد باقر ، آخوند ۵۴۹-۵۶۷
محمد بن موسیٰ ۳۳۱	محمد باقر ، سید ۳۰۶-۴۱۰-۵۱۷
محمد بن ہارون ۳۱۸	۵۱۹
محمد بیگ ۲۰۴-۲۱۵-۲۷۲-۵۸۲	محمد باقر ، شیخ ۵۳۶-۵۴۰
محمد تاشقندی ۵۸۲	محمد باقر بی عبدالرؤف ۵۴۸
محمد تغلق ، سلطان ۲۹۸	محمد باقی ، مرزا ۱۶۸-۱۶۹-۱۷۱
محمد تقی ۵۴۲-۵۸۳	۱۷۴-۱۷۶-۱۷۷-۱۷۸
محمد تقی ، سید ۳۱۳-۳۲۲-۳۴۲	۱۸۰-۱۸۲-۱۸۷-۱۸۸
۶۲۰	۲۱۲-۲۱۲-۲۱۵-۲۲۶
محمد تقی ، شیخ ۵۵۲	۲۲۸-۳۶۸-۵۳۱-۵۳۲
محمد تقی ، میرک ۴۹۹-۵۰۰	۵۳۷-۵۴۷-۶۱۶-۶۲۱
محمد ثانی ، سید ۴۹۵	محمد بزرگ ، سید ۵۱۹-۵۲۰
محمد پناہ "رجا" ۳۸۰-۵۶۴-۵۹۹	محمد بزرگ ، میرک ۵۰۰
محمد پناہ ، شیخ ۵۹۳	محمد بن احمد ۳۱۸
محمد پناہ ، میرک ۴۹۹-۵۶۰	محمد بن ہایزاد ۳۰۸
محمد جعفر چغتہ ، میرک ۴۹۹	محمد بن جعفر ۳۱۸
محمد جعفر ، سید ۴۹۰-۵۰۶	محمد بن چنیہ جام ۲۵۵
محمد جواد ۵۸۳	محمد بن حسن ۳۱۸
محمد حافظ ، میان ۵۶۳-۵۷۶	محمد بن حنفیہ ۳۴۴
محمد حامد ۵	محمد بن شیبان ۳۳۱
محمد حسین ابن محمد اشرف	محمد بن عبد اللہ ۲۸۹-۳۳۷
۳۹۹-۵۴۶-۵۵۱	محمد بن علی ۳۳۷

محمد خلیل ، قاضی ۳۳۹-۵۴۳	محمد حسن ، شیخ ۵۸۹
۵۴۴	محمد حسین ، میر ۲۴۹
محمد خلیل ، سید ۳۷۶	محمد حسین پدر مراد شیرازی
محمد خلیل مسہر دار ۶۲۱	۶۱۲-۳۶۰
محمد خواجہ بن احمد خواجہ	محمد حسین ، سید ۳۳۳-۳۶۷
۵۲۱-۵۲۰	۳۸۱-۳۷۶-۳۷۵-۳۷۲
محمد داؤد خان ۲۶۴-۵۲۲	۳۹۱-۳۹۰-۳۸۵-۳۸۴
محمد دماغی ۵۴۷	۵۱۸
محمد ذاکر ۵۶۲	محمد حسین شوئی ۵۹۷
محمد راشد ، پیر ۳۲۷	محمد حسین صفائی ۳۷۳
محمد رحیم ۵۱۶	محمد حسین ، قاضی ۳۸۸-۵۳۳
محمد رسول اللہ صلعم ۱۴۲-۲۹۷	۵۳۵-۵۳۶-۵۳۷-۵۵۳
۳۰۳-۳۰۵-۳۰۶-۳۱۲	۶۱۳
۲۳۶-۲۴۷-۲۸۴-۲۹۳	محمد حسین ، سرزا ۲۵۲
۳۳۰-۳۴۲-۳۴۳-۵۵۰	محمد حسین ، مولانا ۵۸۵
۵۵۲-۵۵۳-۶۱۴	محمد حسین ، میر ۳۲۹-۵۲۳
محمد رضا بیگ ۵۸۲	۵۲۳-۵۹۵
محمد رضا ، خلیفہ ۵۶۷	محمد حسین ، میرک ۵۰۰
محمد رضا ، سید ۵۲۴	محمد حفیظ ۳۳۱-۵۳۵-۵۴۵
محمد رضا ، شیخ ۳۲۶-۵۲۸	۵۶۰
محمد رضا ، قاضی ۵۱۰-۵۴۳	محمد حیات ، سید ۵۷۸
۵۴۴-۵۵۳-۵۸۴	محمد خان بن دریا خان ۱۴۱
محمد رضا ، مخدوم ۳۲۴	محمد خان بن یار محمد ۲۶۲
محمد رضا ہاشمی ۵۹۷	محمد خداداد خان ۲۷۰-۲۷۱
محمد رفیع ، شیخ ۳۵۸-۵۴۱	محمد خلیل خان ، نواب ۲۴۸
۵۴۴-۵۸۶-۵۸۹	محمد خلیل ، خواجہ ۵۲۲

محمد شاه بادشاه ۱۲۶-۲۵۱-۳۳۰	محمد رفیع ، میر ۵۰۹
۳۳۶-۳۴۳-۵۰۲-۵۵۱	محمد رفیق ۶۰۰
محمد شاکر بن ملا عبد الکریم	محمد زاهد ۵۳۲-۵۵۴
۵۵۴	محمد زاهد بن شاه عنایت اللہ ۴۲۹
محمد شاکر وضوی ۳۹۷	محمد زکریا ، میر ۳۲۷
محمد شاکر ، شیخ ۵۵۶	محمد زمان ، سید ۴۱۳-۴۳۳-۵۱۰
محمد شاه ، سید ۴۹۵	محمد زمان ، شیخ ۳۸۵-۴۱۵
محمد شجاع ، سید ۳۱۳-۳۶۵	۵۸۸-۵۸۰
۵۱۳-۴۷۶	محمد زمان ، مرزا ۲۲۴
محمد شریف ، حافظ ۱۴۰	محمد بن سام غوری ، سلطان ۲۸۸
محمد شریف ، خواجہ ۵۲۳	محمد سرفراز ۵۶۶-۵۶۹
محمد شریف ، سید ۴۶۷-۴۷۲	محمد سعید ، خلیفہ ۵۷۰
۵۱۸	محمد سعید ، سید ۳۲۲-۴۸۶-۴۹۰
محمد شریف ، شیخ ۵۸۶-۵۹۳	۴۹۳-۴۹۱
محمد شریف ، مخدوم ۴۰۶-۴۰۹	محمد سعید ، شیخ ۵۸۳-۵۸۸
۵۳۹-۵۴۸-۴۳۹	محمد سعید لاہوری ۳۴۴
محمد شفیع ، آخوند ۵۶۸-۵۹۸	محمد واعظ ، سید ۵۶۵
محمد شفیع ، سید ۴۸۷	محمد سلطان ، میرک ۲۱۶
محمد شفیع ، شیخ ۵۸۸-۵۸۹	محمد سلیم ۵۵۹
محمد شفیع ، مخدوم ۴۱۳-۴۲۰	محمد ، سید ۳۲۹-۳۳۰-۳۴۳
۵۴۸-۵۴۳-۵۴۱-۵۲۹	۴۴۶-۴۳۶-۳۶۵-۳۶۳
۵۹۳	۴۷۲-۴۶۸-۴۶۷-۴۴۷
محمد شفیع ، میر ۲۴۸-۵۰۹	۴۸۵-۴۸۰-۴۷۹-۴۷۸
محمد شفیع ، میرک ۴۹۸-۴۹۹	۵۲۰-۵۱۹-۴۹۰-۴۸۶
محمد ، شیخ ۳۶۱-۳۶۹-۵۹۲	۵۹۴

محمد ظہیر، سید ۳۹۷	محمد، قاضی شیخ
محمد ظہیر، شیخ ۵۴۴-۵۴۴	۵۳۳-۴۸۳
۵۴۵	محمد، شیخ میرک ۵۶۰
محمد عابد، سید ۲۸۱	محمد صادق، آقا ۲۵۲
محمد عابد، مخدوم ۵۵۷	محمد صادق خان ۱۹۰
محمد عابد مشہدی ۳۷۸	محمد صادق، سید ۳۹۰
محمد عابد، میر ۵۱۶	محمد صادق، مخدوم ۳۸۱-۳۳۵
محمد عابد، میرک ۳۹۶	۵۷۸-۵۵۵
محمد عارف، سید ۴۹۱	محمد صادق، ملا ۵۸۵
محمد عارف، مخدوم ۵۳۸-۲۳۰	محمد صادق، مولوی ۵۶۵
۵۹۱-۵۹۰	محمد صالح ۵۹۱-۵۴۱-۳۲۰
محمد عارف، میر ۵۰۲-۵۰۱	محمد صالح، آقا ۵۹۹-۲۷۲
محمد عاقل، مخدوم ۳۳۲-۳۳۷	محمد صالح، شیخ ۵۶۹
۵۴۱	محمد صالح، سرزا ۱۶۹-۱۶۸
محمد عالم ۵۹۳-۵۶۲-۳۸۳	محمد صالح، میر ۵۱۷
محمد عالم، میر ۵۰۲-۵۰۱	محمد صدیق، میر ۳۹۷
محمد عبدالرشید ۵۴۲	محمد صلاح، قاضی ۵۴۳
محمد عثمان ۳۰۷	محمد صلاح، شیخ ۴۹۲
محمد عطاء، میر ۵۱۴	محمد صلاح، مثنوی خان ۵۴۷
محمد عطر خان، میان ۲۷۶-۲۷۳	محمد صوفی ۵۹۵
۴۲۸-۲۷۹-۲۷۷	محمد ضیاء ۵۹۷-۵۹۷
محمد عطوف ۵۸۶	محمد طاہر ۳۲۲
محمد علی، دیوان ۵۸۳	محمد طاہر، حاجی ۵۷۶
محمد علی سلطان کابلی ۱۹۹-۱۹۵	محمد طاہر، سید ۴۷۶-۴۷۵
۲۰۴-۲۰۳	۵۹۲-۵۱۷-۳۸۱
محمد علی، سید ۵۱۹-۲۱۰	محمد طاہر، مولانا ۵۵۱-۵۵۰

محمد کاظم ، سید ۳۹۱-۵۱۱	محمد علی سیوستانی ۳۵۷-۵۵۹
محمد کاظم ، مرزا ۳۲۸	محمد علی ، شیخ ۳۰۸
محمد کاظم ، میان ۵۶۲	محمد علی ، ملا ۲۳۰-۵۳۱-۵۳۱
محمد کام بخش ۵۱۹	محمد عمر ، شیخ ۳۸۳
محمد کامل ، میر ۵۱۶	محمد غوث ، شیخ ۲۹۰-۲۹۲-۲۹۳
محمد کریم ، آقا ۲۶۸-۲۶۹-۵۹۹	۲۹۴-۲۹۵-۲۹۶-۳۲۵
محمد کریم ، شیخ ۵۳۰-۵۵۶	۳۲۲
۵۸۷-۵۸۱	محمد غوث ، سید ۲۹۵-۲۹۶-۲۹۷
محمد کریم ، مولوی ۵۵۸	۵۱۳-۳۹۹
محمد کریم ، میر ۵۱۳-۵۱۶	محمد فاضل ، سید ۳۷۶-۳۹۱-۳۹۱
محمد کوکد ، ملک ۱۳۵	۵۱۹-۵۱۲-۵۱۱
محمد لشکر ، شیخ ۳۲۲	محمد فاضل ، شیخ ۵۷۶-۵۹۲
محمد محسن ، سید ۳۰۰-۳۸۳	۵۹۶
۳۹۱-۳۸۵	محمد فاضل ، قاضی ۳۲۳-۳۲۹
محمد محسن شاه ۳۲۹	۵۵۱
محمد محسن ، مخدوم ۵۳۲-۵۶۲	محمد فاضل ، ملا ۵۹۲
۶۰۰-۵۹۹	محمد فیاض ۵۹۶
محمد محسن ، میرک ۳۹۹	محمد قاسم ، سید ۳۸۰-۳۸۱
محمد محفوظ ، شیخ ۵۸۹	محمد قاسم ، شیخ ۵۷۶
محمد محفوظ قاضی ۲۷۳-۵۳۵	محمد قاسم ، قاضی ۵۳۳-۵۳۵
محمد مخدوم ۳۳۷-۳۳۸-۳۷۷	محمد قاسم ، ملا ۲۳۰
۳۸۰-۳۸۱-۳۰۳-۵۷۸	محمد قاسم ، میر ۵۰۱
محمد مراد ۵۳۱	محمد قائم ، حاجی ۵۶۶-۵۶۷
محمد مراد ، سید ۳۰۳-۶۰۵	محمد قائم ، کوکلتاش ۲۷۹-۲۸۳
محمد مراد یاب خان ۲۶۷-۲۶۸	محمد قائم ، مخدوم ۵۷۳-۵۷۵
۲۷۱-۲۷۲-۲۷۳-۲۷۴-۲۷۵	محمد قیوم ۵۳۳-۵۳۵
۳۳۰-۳۳۱-۳۷۶-۵۲۳	



محمد ملا جہانگیری ۵۴۷-۶۲۶  
 محمد ملوک، سید ۳۹۵-۳۹۶  
 محمد ملوک، شیخ ۵۲۷  
 محمد منعم خان خانان ۲۵۱  
 محمد منعم، مخدوم ۶۰۰  
 محمد منعم، میر ۳۹۰  
 محمد سہدی جونپوری، سید  
 ۱۳۱-۲۵۶-۳۵۳-۳۷۴  
 ۳۳۶-۳۶۰-۳۶۶-۵۰۴  
 ۵۲۳-۵۳۴-۵۳۷-۶۱۳  
 ۶۱۷  
 محمد سہدی، میرک ۳۹۸  
 محمد میان ۲۵۶-۵۳۵-۵۶۶  
 ۵۸۸-۶۱۵  
 محمد میر ۵۸۳-۵۹۷  
 محمد میر، خواجہ ۵۲۵  
 محمد میر، شیخ ۵۸۷  
 محمد میر، قاضی ۳۰۰  
 محمد ناصر، سید ۳۸۶-۳۸۷  
 محمد ناصر، ملا ۵۶۸  
 محمد نصیر خان ۷۷۷  
 محمد نصیر، مخدوم ۵۴۶  
 محمد نعیم، شیخ ۵۸۳  
 محمد نعیم، قاضی ۵۴۳-۵۴۴  
 محمد نعیم، میر ۳۷۷-۵۰۳-۵۱۷  
 محمد نعیم، میرک ۵۰۰  
 محمد نقشبندی ۳۱۵-۵۵۲

محمد مرتضیٰ، خواجہ ۵۴۴  
 محمد مرزا ترخان ۱۸۲  
 محمد مرید، شیخ ۵۸۷  
 محمد مسعود شاہ ولہاری ۵۷۳  
 محمد مسعود پشوری ۳۴۴  
 محمد معزالدین ۲۴۳-۲۶۱-۳۶۵  
 محمد معصوم، خواجہ ۵۸۰  
 محمد معصوم، مخدوم ۳۲۵  
 محمد معصوم بکھری، میر  
 ۱۲۱-۱۲۵-۱۲۷-۱۳۲  
 ۱۳۶-۱۴۶-۱۴۸-۱۵۱  
 ۱۷۰-۱۷۶-۱۸۳-۱۸۹  
 ۱۹۰-۳۱۲-۳۱۸-۳۱۹  
 ۳۲۷-۳۲۹-۳۳۳-۳۵۵  
 محمد معظم ۵۹۱  
 محمد معین بن سلطان کابلی ۱۹۹  
 محمد معین، شیخ ۵۹۳  
 محمد معین، مخدوم ۳۴۴-۳۴۸  
 ۵۱۰-۵۵۸-۵۶۳-۵۶۵  
 ۵۶۸-۵۷۳-۵۸۷  
 محمد معین، میرک ۵۰۰  
 محمد مقیم، سید ۳۹۱-۳۹۳  
 محمد مقیم، ملا ۲۳۰-۵۹۴  
 محمد مکرم، شیخ ۵۸۳  
 محمد مکئی (مکائی)، سید  
 ۳۱۱-۳۱۳-۳۱۰-۳۴۵-۶۰۳

محمد يوسف ، مخدوم ۳۸۱-۵۳۵-

۵۳۶-۵۹۲

محمد يوسف بکھری ، میر ۲۳۸

محمدی ، قاضی ۳۳۸-۳۴۰

عمود بخاری ، سید ۵۱۰

عمود بن طیب شاه ۳۱۷

عمود ثانی ، سید ۳۹۸

عمود خان ، ملک ۲۱۸

عمود ، خلیفہ ۵۷۰

عمود راہوتی ۵۶۹

عمود سلطان بن فیروز لانگہ

۲۸۸-۳۰۲-۳۰۴

عمود ، سید ۳۱۲-۳۱۳-۳۶۳

۳۷۲-۳۷۸-۳۸۰-۵۹۸

۶۰۳-۶۰۴-۶۲۳

عمود شاہ کجراتی ، سلطان

۷۵-۱۵۵-۱۶۱-۱۶۵

۲۱۸-۲۵۱-۲۵۲-۳۰۹

۳۱۲-۳۱۸-۳۲۱-۳۳۹

عمود ، شیخ ۳۲۸-۳۳۱-۳۵۳

۳۳۹-۳۹۷-۵۵۳

عمود غزنوی ، سلطان ۲۸۸

عمود ، قاضی ۳۹۸-۳۹۹-۵۳۲

۶۱۸

عمود ، ملا ۱۶۸

عمود نبیان ۵۸۰

محمد نواز ۳۰۸

محمد وارث ۳۵۸

محمد واصل ۵۲۷-۵۲۸

محمد وفا لکوی ۳۳۵

محمد ہاشم بن حافظ میر ۳۲۵

محمد ہاشم ٹھٹھوی ، مخدوم

۵۶۳-۵۶۴-۵۶۵

محمد ہاشم رضوی ۵۹۷

محمد ہاشم ، سید ۵۱۷

محمد ہاشم عباسی ۱۸۰

محمد ہاشم اصفہانی ، میر

۴۳۲-۵۰۲

محمد یار ، شیخ ۵۳۰

محمد یحییٰ ، قاضی ۳۳۹-۳۸۵

۵۳۰-۵۳۵-۵۳۸

محمد یعقوب ، قاضی ۵۳۳-۵۳۴

محمد یعقوب ، آخوند ۵۹۱

محمد یعقوب ، شاہ ۵۷۲

محمد یعقوب ، شیخ ۵۷۳

محمد یعقوب کشمیری ۲۳۸

محمد یعقوب ، مخدوم ۴۸۱

محمد یعقوب ، میر ۴۴۰

محمد یوسف ، سید ۳۴۲-۵۰۳

۵۰۳-۵۰۶-۵۰۹-۵۱۰-۵۰۸

محمد یوسف بن شاہ محمد یعقوب

۵۷۲

مرزا بیگ ترخان ۴۲۵	مخدوم، میر ۵۱۸
مرزا جانی بیگ ۱۹۷	مخدوم، میرک ۵۱۱
[رجوع کیجئے: جانی بیگ ترخان]	محبی الدین بن العربی، شیخ ۳۴۲
مرزا خان بی ۲۶۰-۲۵۸	مخدوم جعفر بوہکانی ۱۳۸
مرشد، ملا ۲۱۷-۲۱۵	مخدوم جہانیاں ۲۹۸-۲۹۹-۳۰۲
مرید بلوچ ۱۷۰-۱۷۱	۳۰۷-۳۰۷
مرید خان، نواب ۲۴۳-۲۴۲	مخدوم حاجی سبزواری ۵۴۵
مرید کوکہ ۱۹۸	مخدوم حیات ۴۰۱
مستی خان جوہو ۲۶۸	مدنی میان ۴۰۱
مسعود، سید ۲۹۵	مراد بخش ۲۹۳
مسعود شاہ ۵۷۲	مراد بات شرفو ۶۱۸
مسعود، شیخ ۲۹۰-۳۸۳	مراد پلیجو ۶۱۳
مسعود، قاضی ۳۹۸-۳۹۹	مراد، سید ۳۰۱-۳۱۷-۶۰۷
مسکین ترخان ۱۵۰-۱۵۱-۲۲۴	مراد شیرازی ۱۳۵-۳۸۱-۶۰۶
مسکین شاہ ۶۰۳	۶۱۸-۶۱۱
مستوفی فقیر ۲۷۰	مراد علی، سید ۵۲۵-۹۱
مصطفیٰ خان، مرزا ۲۳۳-۲۳۴	مراد علی، میر ۱۲۲
مصلح الدین ۱۴۲	مراد کلتیری ۲۶۶
مظفر خان ۵۹۵	مراد، مخدوم ۳۸۵-۳۸۷
مظفر خان جہانگیری ۲۳۸	مراد، مرزا ۲۳۳
مظفر، دوس ۴۲۰	مراد یہ میربحر ۱۷۷-۱۸۰
مظفر، سید ۴۹۴-۴۹۵-۴۹۶	مراد یہ، سید ۳۶۳
مظفر شاہ کجراتی، سلطان	مرتضیٰ، خواجہ ۵۲۳
۳۰۰-۲۹۹-۱۴۳-۱۳۵	مرتضیٰ، سید ۳۱۸-۳۸۰
مظفر شاہ ۳۲۳	مرتضیٰ، شیخ ۶۰۰
مظفر علی خان ۲۶۹	مرتضیٰ، میر ۳۲۱-۵۰۸

ملوک ، مخدوم ۶۲۸	مظفر موزا ترخان ۱۸۹-۱۶۹-۱۸۹
ملوک شاه ، سید ۵۰۲-۳۷۸-۵۰۲	۱۸۵-۱۸۷-۲۳۳
۵۷۶-۵۷۳	معتصم بالله ۳۳۷
ممنون ، شیخ ۶۲۰-۲۹۶-۳۵	معروف بن محمد ۳۳۷
منبه بن زادهو ۳۲۷	معروف ، قاضی ۳۲۰-۳۱۸
منبه ، میر ۶۲۸	معزالدین جهاندار شاه ۲۶۳-۲۳۸
منبه ، سید ۶۱۵-۶۰۲-۳۸۳	معین الدین ، میر ۵۶۳-۳۲۳
منصور ، سید ۳۷۵-۳۷۳-۳۳۹	مغل بیگ ارغون ۳۸۸
۳۷۷-۳۷۶	مغل امین ، شیخ ۳۳۷
منعم بیگ ۲۳۱	مغل خان ، نواب ۲۳۹
منعم خان ۵۳۸	مقبول میان ۳۱۸
منعم ، میر ۵۵۲	مقصود شاه ۳۱۵
منگيلدهه ، سید ۳۹۰	مقصودو ۲۶۱-۲۷۵-۲۷۷-۲۷۷
منگيلدهه ، شیخ ۳۳۰-۳۱۹	۲۸۱-۲۷۹
منشور ، قاضی ۳۸۵	مقیم سلطان ۲۲۳-۲۱۶-۲۰۲
منشور ، میر ۲۳۱	مقیم شاه ، سید ۳۳۳
موج دریا ، سید ۳۵۲	مکین ، شیخ ۳۵۰
موج دریا ، سلا ۶۲۲	مکسی (قوم) ۱۳۸
مودودی مسکن ۳۰۹	ملا آری ، مخدوم ۳۵۵
مودی خان ۲۰۹	ملا جانی بندری ۲۲۸
موسوی ، آخوند ۳۲۵	ملا خلیفه سندھی ۶۲۰
موسوی بن طائی ۳۳۱	ملا سروری ۵۸۳
موسوی بن یعقوب ۳۳۱	ملا میر سبزواری ۵۱۳-۳۱۹
موسوی ، درویش ۳۱۰	ملفت خان ۲۳۸
موسوی ، سید ۳۱۲	ملک تاج کافوری ۱۲۵
	ملک محمد فراخی ۱۸۵

میر بابا ۲۴۹	موسلی شاہ ۳۳۶-۳۴۱
میر، سید ۳۳۵-۳۳۶-۳۴۵	موسلی، شیخ ۲۹۳-۳۶۶-۳۹۲
میر سید کلان ۳۵۵	۳۱۶-۵۸۲-۵۸۸
میرک پورانی، شیخ ۱۵۸	موسلی کاظم ۳۶۳-۶۱۹
میرک شاہ، سید ۳۸۹	موسلی لی ۳۷۳
میر محمد ۲۶۱-۲۶۲-۲۶۳-۳۲۹	مولو دولت رائے ۱۹۱-۳۷۳
۵۱۸-۵۹۳	مولیدلہ (مولادلہ)، سید
میر محمد ساریان ۱۴۵-۱۵۹	۳۱۲-۳۸۸
میر محمد، شیخ ۳۵۴-۳۹۷	سومن ۳۷۰
میر محمد گدا ۵۱۵	موہو (موہو)، جام ۲۷۰
میر محمد میر ۵۰۲	موید خان، سید ۳۷۲
میر محمد، میرک ۳۹۸	سہابت خان ۲۵۱-۵۳۷-۵۹۱
میر مرتضوی، خواجہ ۵۹۴	۵۹۷
میر مہران ۳۱۴-۳۲۱	سہتر غسل ۲۳۰
میر نواب ۳۹۸	سہیان امیری ۲۶۶
میرن شاہ ۲۶۰	سہدی، سید ۳۳۹-۵۹۳-۵۹۹
میرن کاتیار ۴۰۶	سہر، جام ڈیسر ۱۷۸
مہرو بلدی ۲۶۶	سہر دین ۶۲۷
مہرو ولد ۲۶۶	سہر، سید ۳۱۳-۵۱۱
میو (میان)، سید ۴۱۴	سہر شاہ ۴۰۳
	سہر علی میر ۵۰۹-۵۳۶
	سہین خان، نواب ۲۴۷-۲۴۸
	میان میر ۳۵۵-۴۰۱
	میر افضل شاہ ۳۲۴
	میران محمد [رجوع کیجئے:
	محمد سہدی، سید]
ن	
نادر شاہ ۲۶۷-۲۷۱-۲۸۹	
۳۱۲-۳۲۵-۳۷۶-۴۴۲	
۴۹۹-۵۸۶-۵۸۹	
نارائن داس (شجاعت خان) ۲۱۶	

۳۸۹-۳۸۸-۳۸۷-۳۸۴

۵۱۹-۳۹۰

نظام الدین، شیخ ۳۵۰

نظام الملک، نواب ۵۸۸

نظر شاه ۳۵۲

نظر علی، سید ۳۸۱

نعمت اللہ، سید ۳۸۷-۳۸۲-۳۷۴

۵۹۳

نعمت اللہ، شیخ ۵۶۹-۵۸۷-۶۱۰

نعمت اللہ، قاضی ۲۲۷-۳۶۷-۳۶۷

۵۳۲-۵۳۰

نعمت اللہ، مخدوم ۳۸۰-۳۸۳

۵۶۳

نکامہ (قوم) ۲۳۶

نندہ جام [رجوع کیجئے:

نظام الدین، جام]

نوبهار، سید ۳۰۳

نوح کھیرائی ۳۹۰

نوح بکھری ۳۱۵

نوح، مخدوم ۱۹۱-۳۲۷-۳۵۶

۳۸۲-۳۸۲-۳۷۴-۳۶۷

۳۸۴-۳۸۶-۳۰۲-۳۰۶

۳۰۸-۳۰۹-۳۱۰-۳۱۴

۳۱۸-۳۲۳-۳۲۹-۳۳۲

۳۳۳-۳۳۵-۳۳۸-۵۱۲

۵۶۲-۶۱۳-۶۱۴-۶۱۵

۶۱۶

نارو، ملا ۳۵۵

ناصر، شیخ ۵۳۹

ناصر الدین، میان ۳۵۸

ناصر الدین بکھری، سید ۳۱۷

ناصر الدین محمود، سید ۲۹۹-۳۱۲

ناصر الدین قباچہ ۲۹۳

ناگودر تھیبہ ۳۶۹

ناگورہ تھیبہ ۳۳۷

نبی بخش خان بلوچ ۱۲۲

نہو، سید ۳۶۳

نجم الدین شاہ ۳۹۶

نجم الدین، میر ۳۸۱-۵۱۰-۵۲۳

نجم الدین، مخدوم ۳۶۷

نسیم الدین ۳۸۲

نصیر اللہ، قاضی ۳۵۳-۵۳۶

نصیر الدین، شیخ ۳۸۳

نصیر الدین دھلوی، شیخ ۳۹۸

نصیر الدین، سید ۳۰۸

نصیر خان بروہی ۳۳۳

نصیر محمد ۲۶۰

نظام الدین سمہ، جام

۱۲۹-۱۳۰-۱۳۳-۱۳۷

۱۳۰-۱۳۱-۳۸۰-۳۸۱

۳۶۰-۳۶۳-۳۷۴-۳۷۷

۵۳۳-۵۳۶-۵۹۲

نظام الدین، سید ۳۰۲-۳۱۳-۳۱۷

نول غوری ۳۰۹	نور احمد ۵۴۴
نوناصل الدین ۳۰۴	نور الحق ۳۵۷
نہار (قوم) ۲۶۳	نور اللہ شاہ ۳۹۶-۳۹۷
نہال شاہ ۳۵۲-۳۵۷-۳۴۸	نور الدین ، شیخ ۲۹۰-۴۰۸-۹۲۲
نیاز علی ۵۰۹	نور الدین ، مخدوم ۳۷۵
و	نور الدین ، میر ۳۲۳
وامل بن عطا ۲۳۸	نور اللہ ، قاضی ۳۰۴-۳۰۵-۳۸۲
وٹو (وٹہ) ، مجذوب ۶۲۷	نور ہری ۳۹۸
وجہ الدین ، سید ۳۸۲-۳۸۶-۳۹۵	نور جہاں بیگم ۵۴۷
وجہ الدین شاہ ۳۹۷	نور شاہ ، سید ۳۵۱-۵۲۵
وجہ الدین ، شیخ ۲۹۰-۳۸۳-۳۸۴	نور محمد بن ابراہیم ۳۲۷-۵۹۹
وجہ الدین ، قاضی ۵۳۲	نور محمد ہلیجو ۲۵۰
وجہ الدین شاہ ۶۰۶-۶۲۰	نور محمد ، سید ۳۲۲-۳۸۱-۳۸۵
وجہ الدین ، میان ۳۵۸	۳۸۷-۳۸۸-۳۹۰
ورایہ ، سید ۳۰۴	نور محمد ، شیخ ۵۳۴-۵۳۵
ورایہ ، میرک ۵۰۰	نور محمد ، مخدوم ۵۶۲-۵۶۷
ورزو ، پسر ۴۰۲	۵۸۳-۵۸۶
وریہ ۵۲۸	نور محمد ، ملا ۳۲۴
وطاہو (وطاہہ) ، مجذوب	نور محمد کلہوڑہ ، میان
۵۵۰-۵۴۷-۲۲۶	۲۵۳-۲۶۲-۲۶۵-۲۷۳
ولایت شاہ ۳۴۵	۱۷۹-۳۰۶-۳۲۳-۳۲۴
ولی محمد ۵۲۶	۳۲۸-۳۴۴-۳۵۱-۴۰۱
ونہیون (ونہیہ) ، شیخ	۳۴۲-۵۶۷-۶۰۰
۳۰۹-۳۹۴	نور محمد واعظ ۵۷۶
ویسر ، حاجی ۴۲۳	نورنگ ، مخدوم ۴۱۰
ویرمال ، رائہ ۱۶۰	نوری ۱۲۹-۴۵۵

هوتی جام ۲۷۰	۵
هوتی، شیخ ۳۶۸-۳۶۹-۳۹۳	ہاجرہ بی بی ۲۹۹
ہوندو (ہوندا) شورو ۲۶۹	ہادی، سید ۳۴۹
ہیت خان ۱۴۳	ہارون بن عبد اللہ، سید ۴۶۳
ی	ہارون، سید ۳۱۸-۳۳۷
یادگار مرزا ۱۵۹-۱۶۰-۱۸۷	ہارون، مخدوم ۳۰۲-۳۱۱-۵۶۱
یار محمد، سید ۳۰۹-۳۹۷-۴۹۲	ہارون منکرہ ۳۶۹
۵۸۱-۵۵۵-۵۰۹	ہاشم بن امام ہمام ۳۱۸
یار محمد، مولانا ۳۲۱-۳۶۰	ہاشم چند ۲۵۶
یار محمد، ملا ۵۹۷	ہاشم شاہ ثانی ۳۹۶-۳۹۹
یار محمد، میان ۲۶۱-۲۶۳-۵۳۶	ہاشم، مخدوم ۵۶۵
۵۶۲	ہالہ، جام ۲۰۵
یحییٰ بکوری ۳۱۹	ہالہ سبتہ ۳۷۱
یحییٰ، شیخ ۳۰۷	ہالہ، مخدوم ۴۹۲
یحییٰ، مخدوم ۳۳۷	ہدایت اللہ ۵۱۹-۵۹۳-۴۳۹
یعقوب ۵۹۹	ہلاکو خان ۱۴۲
یعقوب بن طائی ۳۳۱	ہمایون بادشاہ ۱۵۵-۱۵۷-۱۶۰
یعقوب پلیجو ۳۵۰-۳۵۱	۱۶۲-۱۶۳-۱۶۵-۲۲۱
یعقوب علی ۱۸۷-۱۹۸	۲۲۴-۲۲۵-۳۰۵-۳۱۲
یعقوب، سید ۳۲۱-۳۶۳-۴۴۰	۳۱۶-۳۲۱-۵۲۲-۵۳۷
۴۷۹-۴۷۷-۴۵۷	ہمت دلیر خان ۲۵۳
یعقوب، شیخ ۵۷۰-۵۷۵-۵۷۶	ہمون، میان ۴۰۸
۶۱۵-۶۰۲	مذلو خان، ساتھن ڈلہ
یعقوب، ملا ۱۹۸	۲۱۶-۲۱۸-۲۳۲
یعقوب، مولانا ۵۳۷	ہوت خان ۲۶۴



یوسف ، مخدوم ۳۱۳-۳۱۴	یمقوب ، میر ۲۵۹
یوسف ، ملا ۵۹۲-۵۹۷-۳۲۶	یوسف خان ، نواب ۲۴۷
یونس ارغون ، میر ۲۲۴	یوسف سہتہ ۵۸۱
یونس ، سید ۳۶۳-۳۰۹	یوسف ، شیخ ۲۸۸-۲۹۱-۳۶۷
	۳۲۲

## فہرست اسمائے اماکن

[ذیل کی فہرست میں دیئے گئے صفحات کے نمبر بھی وہی ہیں جنہوں میں اردو ترجمہ میں مربع قوسین میں واضح کیا گیا ہے۔]

احمد آباد ۲۹۹-۳۰۰-۳۰۲	الف
ادھے اور ۲۶۱-۲۵۶	آباد (قلعہ) ۲۸۰
ادھیجا ۳۰۷	آب (قلعہ) ۱۲۶
اردن ۲۸۷	آریسر (تحصیل) ۲۶۹
اروڑ ۱۱۳-۱۱۴-۱۳۳-۳۱۱	آکر (موضع) ۳۷۸-۳۸۳-۵۴۹
۳۱۴-۳۱۹-۳۳۰-۳۳۸	۵۵۳-۵۵۴-۶۱۳-۶۱۴
۳۶۳-۳۶۴	آگرہ ۲۳۳
اصفہان ۲۱۸	آمری ۳۶۴-۳۷۰-۳۷۱-۳۰۲
اکبر آباد ۳۶۷	۳۰۳-۳۲۱
اکڑی ۱۳۶	ابھا (نزد کوٹری) ۳۰۰
اکلیسر (برگنہ) ۵۵۳	اپلان ۴۲۹
اکھم کوٹ ۱۳۵-۲۶۸-۳۰۷	آج ۱۴۹-۲۱۹-۲۶۱-۲۸۷-۲۹۴
۵۵۷-۳۰۹	۲۹۷-۳۰۸-۳۳۱-۵۳۳
الہ آباد ۲۳۳	اچاوڑو (آچاوڑہ) ۱۴۳-۱۴۸-۲۷۹

ہستہ بندر ۲۸۰-۲۸۲  
ہنداد ۳۲۷-۳۳۳-۳۳۷-۳۲۷  
۶۱۵  
ہکار ۳۳۵-۳۳۳  
ہکیرا ۳۹۹-۳۰۲  
ہکھر ۱۲۳-۱۲۵-۱۳۲-۱۳۳  
۱۵۰-۱۳۸-۱۳۵-۱۳۰  
۱۵۶-۱۵۸-۱۵۹-۱۶۱  
۱۶۳-۱۶۵-۱۶۷-۱۷۰  
۱۸۱-۲۰۸-۲۱۳-۲۳۳  
۲۴۰-۲۵۸-۲۶۰-۲۶۱  
۲۶۳-۲۶۵-۲۶۳-۳۱۸  
۳۲۰-۳۲۱-۳۲۳-۳۲۳  
۳۲۶-۳۳۰-۳۳۲-۳۳۵  
۳۳۶-۳۵۲-۳۵۶-۵۰۱  
۵۰۳-۵۰۴-۵۰۵-۵۰۶  
۵۲۳-۵۳۳-۵۵۱-۵۵۸  
ہلڑی ۲۵۰-۳۱-۵۰۶  
ہلوچستان ۳۳۳  
ہمبئی ۲۷۳-۵۲۵  
ہنگالہ ۱۵۷  
ہوکان ۳۷۳-۳۲۳  
ہوہری ۱۹۰-۳۹۱  
ہوار ۲۳۳  
ہواوالدین پور ۵۲۹

الہ آباد (سندھ) ۲۷۷-۲۷۵  
اسرکی ۲۷۶-۳۱۵  
امیر پور ۲۳۹  
انڈپور ۱۹۱-۳۹۰  
اوٹھوال ۲۶۱  
اوجہ ۲۷۴  
اورنگا بندر ۲۷۷-۳۳۹-۳۴۰  
۵۳۳  
ایران ۲۸۹-۳۵۶-۳۷۸-۵۲۲  
پ  
بارگاہ واہ ۲۰۰  
بازار امیر بیگ ۱۷۲-۲۳۱  
باسی بندر ۵۶۲  
باشبان ۱۳۳-۳۵۳-۳۶۰  
بیتالائی ۵۲۰-۶۰۸-۶۰۹  
بٹوہ (گجرات) ۳۰۱-۳۰۲  
بٹھورہ ۱۵۸-۱۶۱-۱۶۵-۲۳۷  
۲۵۰-۳۱۵-۳۲۹-۳۳۰  
۵۳۰-۳۹۹  
بھارا ۳۰۵  
بدین ۱۶۹-۱۸۲-۱۸۵-۱۸۶  
۲۷۰-۳۱۲-۳۱۶-۵۵۹  
برلس (برلس) ۲۵۵  
برہان پور ۳۸۳-۵۷۲  
برہمن آباد ۱۱۳-۳۷۲

پکھار (گوٹ) ۴۳۷	پہرام پور ۱۲۴-۲۳۷-۴۳۵
پلیجار ۲۳۷-۴۵۳	پہلطور (قلمہ) ۳۳۳
پنجاب ۴۴۱	پہاول پور ۲۶۶
پوہرائی ۴۲۱	پہاج (کوه کاجھی میں) ۲۵۶
پوچر گوٹ ۴۰۶	پہانپہرا ۱۱۴-۲۳۱-۳۶۳
پورہ ۲۶۹	پہانٹوٹھ ۳۸۶
پہلی (پہلی) پرکنہ ۲۶۶	پہائی خان محلہ (ٹھٹہ میں) ۲۳۰
پہٹہ ۴۵۲	پہٹ شاہ ۳۸۷
پہکا ۳۶۶	پہٹی ۲۱۹-۴۱۰
پہلجی ۴۴۶	پہج ۲۸۰
پہر پدر ۲۳۴	پہرالو ۲۵۶-۴۴۵
پہر پٹھہ ۲۳۱-۲۷۵-۴۳۲-۴۵۹	پہکے ٹھوڑہ ۳۵۱
۵۹۱	پہنپہور ۴۶۴
	پہیا گوٹھ ۴۳۵
	پہیلانی ۳۴۶
ت	پ
تاین پرکنہ ۲۶۶	پاٹ (پانر) ۱۵۹-۱۶۴-۳۳۴-۳۵۸
تیریز ۱۴۲	پب کوه ۴۶۱-۶۳۳
تغلق آباد (کلان گوٹ)	پٹ باران ۲۶۴-۳۷۴
۱۴۸-۱۹۶-۲۴۲-۲۴۳	پٹن ۲۹۹
۲۵۶-۴۶۱	پٹنہ ۲۳۳
تلہار ۲۵۷-۲۶۸-۲۷۲-۴۱۲	پٹن ۱۵۵-۱۵۶
۴۵۶-۴۱۹	پہری ۳۳۷
ترمذ ۲۲۱	پُران (دریا) ۴۰۲-۴۱۲-۴۲۰
تورکی (موضع) ۲۲۱-۳۴۳-۳۹۳	۴۲۱
تہوڑہ ۲۶۴	
تہر ۲۵۸-۲۷۲-۲۷۵	

تھرزی (تھری) ۴۶۴

ٹ

ٹلی ۱۳۱-۲۵۹-۵۳۷

ٹھارو منگورو ۲۷۲

ٹھٹھ ۱۲۵-۱۲۷-۱۳۲-۱۳۴

۱۳۶-۱۴۰-۱۴۳-۱۴۷

۱۴۸-۱۵۱-۱۵۶-۱۵۹

۱۶۱-۱۶۵-۱۶۶-۱۶۹

۱۷۱-۱۷۳-۱۷۶-۱۷۹

۱۸۲-۱۸۷-۱۹۳-۱۹۶

۱۹۷-۲۰۱-۲۰۲-۲۰۴

۲۱۰-۲۱۲-۲۱۴-۲۱۶

۲۱۸-۲۲۵-۲۲۹-۲۳۲

۲۳۴-۲۳۶-۲۳۹-۲۴۱

۲۵۱-۲۵۳-۲۵۴-۲۶۷

۲۶۹-۲۷۱-۲۷۳-۲۷۸

۲۷۹-۲۸۳-۳۰۷-۳۱۱

۳۱۲-۳۱۹-۳۲۴-۳۲۶

۳۲۸-۳۳۶-۳۳۸-۳۵۶

۳۶۴-۳۸۰-۳۸۴-۴۰۲

۴۱۰-۴۱۱-۴۱۳-۴۱۴

۴۲۶-۴۲۸-۴۳۲-۴۳۶

۴۳۸-۴۴۰-۴۵۶-۴۶۰

۴۶۱-۴۶۳-۴۶۴-۴۷۱

۴۷۳-۴۷۷-۴۷۸-۴۸۰

۴۸۲-۴۸۴-۴۸۸-۴۹۳

۴۹۴-۴۹۷-۵۰۱-۵۰۲

۵۰۴-۵۰۶-۵۰۸-۵۱۰

۵۱۳-۵۱۴-۵۱۷-۵۱۹

۵۲۱-۵۲۳-۵۲۵-۵۲۸

۵۲۹-۵۳۲-۵۳۴-۵۳۷

۵۳۸-۵۴۱-۵۴۷-۵۵۱

۵۵۴-۵۵۶-۵۵۷-۵۶۱

۵۶۳-۵۶۸-۵۷۰-۵۷۲

۵۷۴-۵۷۹-۵۸۰-۵۸۲

۵۸۷-۵۹۱-۵۹۲-۵۹۴

۵۹۵-۵۹۷-۵۹۹-۶۰۲

۶۰۳-۶۰۵-۶۰۸-۶۱۰

۶۱۲-۶۱۵-۶۲۱-۶۲۲

۶۲۷

ٹھٹھ ۳۶۹

ج

جازہ کوہ ۲۸۰

جانیہ ۳۸۵

جتونی ۲۶۵

ججو واہن ۲۱۹

جرم دیہہ ۳۴۱

جکت پور ۳۸۵

جلال آباد ۳۴۴

چنیہ بیلہ ۲۵۶

ح

حاجی منگھہ کا لوٹہ (کنوان)

۶۳۵

حیبانی ، چایبانی ۲۵۸

حجاز ۱۶۰-۳۱۷-۳۸۲

حجام ۲۶۳

حرمین شریفین ۳۱۲-۳۱۳-۳۵۳

۳۶۲-۳۶۲-۵۰۲-۵۵۶

۵۷۸-۵۶۲

حسام پور ۲۹۳

حویلی ، برگنہ ۳۰۱

حیدرآباد ۲۸۱-۳۳۷-۵۵۳

خ

خان پور ۲۶۳-۲۶۵-۲۸۰-۳۳۹

خانلوٹہ ۳۸۷

خداآباد ۲۶۲-۲۶۳-۲۷۱-۲۷۵

۲۷۶-۲۷۹-۳۷۶-۵۸۳

خراشان ۱۳۲-۲۳۲-۳۱۷-۳۳۲

۳۵۶

خورد ۲۷۳

خورسکان ۲۱۸

خوشاب ۲۳۷

خیر پور میرس ۳۳۷

جلو گیر ۱۳۶

جنپور ۱۶۳

جودہ پور ۱۶۰

جون ۱۶۱-۳۰۹-۳۱۰-۳۱۶

جویہ ، قلعه ۲۷۹

جہان آباد (دھلی) ۳۸۹-۳۹۵-۵۱۸

۵۳۳-۵۳۱-۵۳۸-۵۳۸

۵۴۵-۵۵۱-۵۵۸-۵۶۲

۵۷۲-۵۸۳-۵۸۳-۵۸۳

۵۹۷-۵۹۷-۶۱۳

جہیجہ ۲۲۱-۳۸۹-۵۵۲

جہم ۳۵۳-۳۵۵

جھوک میران پور ۲۵۰-۳۶۵

جھول ۶۲۰

جھونا کڑہ (جونا کڑہ)

۵۵۳-۵۵۶-۶۱۹

جیسلمیر ۱۶۰-۲۷۲-۳۸۸

چ

چاچک ۱۳۷-۲۶۳-۲۷۷-۳۱۶

چاچکان ۱۸۲-۱۹۳-۲۲۹-۲۸۹

چانڈوکی ۱۳۶-۲۵۵-۲۵۷-۲۵۷

چتر (موضع) ۳۳۳

چتر بار ۲۵۷

چتور ۱۵۵

د

داسوڑی ۲۷۴

داهر سادات ۴۱۴

دائرہ (موضع) ۴۳۰

دہلی، دہلی ۲۶۵

دبو ۴۵۳

دہی ۲۵۶-۲۶۴-۴۳۰

دجلہ ۱۴۲

دریہ ۱۴۸-۱۷۳-۲۶۳-۳۰۶

درک برگتہ ۱۲۰-۲۳۰-۶۲۰

درہ سوئی ۲۵۷

دشت باران ۳۳۸-۳۶۸-۳۶۹

۳۷۱-۳۷۲

دکن ۴۲۶-۵۴۲

دلاور قلعہ ۱۵۰-۱۶۰

دورنگ، موضع ۲۶۴

دہلی ۱۲۵-۱۲۶-۱۲۸-۱۲۹

۱۳۱-۱۴۸-۱۵۵-۲۲۹

۲۳۰-۲۸۸-۲۸۹-۳۹۰

۳۹۹-۴۰۳-۴۰۷-۴۵۸

۵۴۳-۵۸۷

دھاراجہ ۲۳۶-۲۶۲-۶۲۳-۶۲۴

دھاراجی ۲۶۹

دھانی ۲۵۶

دھورکھہ ۵۰۱

دیبال کانگری ۲۵۵

دیہ ۲۶۰-۲۷۴

دیہ غازی خان ۱۱۴-۲۸۱-۲۸۲

۳۰۸-۵۹۰

دیہ ۲۶۴-۲۸۰-۲۸۱-۴۳۷

دیول بندر (دیبل) ۴۴۴-۴۶۴

۴۹۴

ڈ

ڈبھرو ۲۵۷-۳۴۷

ڈھاڈھار ۲۶۶

ڈھورو ہنگورو ۴۴۴

ڈنڈہ ۲۶۴

ڈوبہ (موضع) ۵۷۶

ر

راجپوتانہ ۵۴۴

رادھن پور ۱۵۵-۱۵۶

رانی پور ۳۴۳

راور برگتہ ۲۳۲

راھوٹ ۴۳۰-۴۳۲

رائلڈن (موضع) ۴۴۹

رہڑی ۲۸۸

رجب (موضع) ۲۶۴

رسول آباد ۵۷۵-۶۲۲

رفیان ۱۷۳

سانکرہ ۲۲۳-۲۵۶	زکن پور ۴۴۵-۴۴۶
سانوہ ۲۶۲	روہاء ۲۶۵-۴۳۵-۵۶۳
ساعتی پرگنہ ۲۵۹	روہڑی ۱۴۴-۱۵۷-۱۷۰-۲۵۶
سبزوار ۳۲۸	۲۷۶-۳۱۱-۳۱۴-۳۱۶
ستیار ۴۴۹-۴۵۰	۳۱۹-۳۲۳-۳۲۶-۳۳۵
سرو ۲۵۶	۳۳۶-۳۴۵-۴۹۵
سرواہ ۳۳۳	رینہ (موضع) ۳۷۱
سکریاری موضع ۳۷۰	ریل (موضع) ۳۶۶-۳۶۷-۳۶۸
سکھر ۲۵۷-۳۱۱-۳۱۹-۳۲۶	رین تلی ۳۷۱
۳۲۷-۳۳۰-۳۳۸-۳۴۱	
۵۰۱-۳۴۴	
سلطان پور ۳۰۵	زیدی (موضع) ۲۶۲
سماواتی ۲۶۴-۴۰۱	
سمرقند ۲۲۱	سن
سن ۱۲۶-۱۷۶-۳۶۵	سابرمی ۳۰۰
سنبل پرگنہ ۲۳۳	سادہ پیلہ ۱۶۵
سندری قلعہ ۲۸۰	ساگرہ ۱۳۹-۲۰۱-۲۰۴-۲۵۶
سندیچہ (قصبہ) ۱۳۹	۲۷۸-۲۷۹-۴۲۰
سندھ ۲۰۲-۲۰۹-۲۲۱-۲۶۱	ساکورہ ۴۶۴-۴۹۴
۲۶۸-۲۷۱-۲۷۳-۲۷۶	سانکرہ دریا ۳۶۹-۳۹۴
۲۷۸-۲۸۷-۲۹۱-۲۹۲	سالوج قلعہ ۳۳۳
۳۰۴-۳۱۱-۳۱۵-۳۱۷	ساموئی ۱۲۰-۱۲۷-۱۳۶-۲۰۷
۳۲۰-۳۲۷-۳۲۸-۳۳۰	۳۳۲-۳۵۴-۳۵۶-۳۵۷
۳۳۱-۳۳۹-۳۴۷-۳۴۱	۳۵۹-۳۶۰-۳۶۱-۳۶۳
۳۴۳-۳۴۸-۳۵۰	۳۶۶-۳۷۷-۳۷۸-۳۷۹
۳۵۵-۳۵۹-۳۶۳-۳۶۴	۶۱۰-۶۲۲

۳۶۴-۳۰۸-۵۰۱-۵۰۲

۵۱۳-۵۸۹-۵۹۱

سیوہن ۱۲۴-۱۲۵-۱۲۷-۱۳۲

۱۴۳-۱۷۳-۱۸۹-۲۰۹

۲۱۳-۲۲۵-۲۷۹-۳۴۰

۳۶۳-۵۳۲-۵۳۳

سیوی ۱۳۶-۱۳۵ ۱۳۸-۱۳۶

۱۴۸-۲۱۳-۲۵۷-۲۵۸

۲۶۰-۲۶۳-۲۶۴-۲۶۶

۲۶۸-۳۳۱-۳۳۲-۳۳۳

۳۳۴-۳۳۵

ش

شال ۱۴۳-۱۴۵-۱۴۶-۲۱۹

۳۵۲

شالیمار باغ ۳۵۵

شاہ بندر ۲۷۷-۲۷۹-۲۸۱-۵۴۴

شاہ پور ۲۷۹-۲۸۱-۳۲۳

شاہجہان آباد ۳۲۶-۳۲۷

شاہ اکبر ۱۹۳-۲۲۳-۲۷۷

شاہی مسجد (لاہور) ۳۵۵

شکار پور ۲۶۰-۲۶۲-۲۶۳-۲۶۵

۲۶۷-۳۲۶-۳۳۱-۳۳۵

شکر گھاٹ ۶۲۲

ط

طور سینا ۳۷۴

۳۶۷-۳۶۹-۳۷۵-۳۹۰

۳۹۲-۳۹۳-۴۰۲-۴۱۰

۴۱۲-۴۱۷-۴۲۲-۴۲۸

۴۲۹-۴۳۱-۴۳۷-۴۴۲

۴۴۳-۴۴۵-۴۵۹-۴۶۴

۴۶۶-۴۷۱-۴۷۹-۴۸۳

۴۹۷-۵۰۲-۵۰۳-۵۰۵

۵۲۴-۵۲۵-۵۲۸-۵۳۳

۵۹۰-۶۰۱-۶۱۶-۶۱۹

سوختہ گھاٹ ۲۴۰

سورت بندر ۴۶۹-۵۴۲-۵۴۵

۵۵۳-۵۹۹-۶۰۰

سونڈا ۳۵۴-۳۵۵

سہار ۳۴۳

سہسہ لیگہ (تالاب) ۱۶۴

سیسم ۳۳۳

سیتپور ۱۱۴-۲۸۷-۳۰۹-۳۲۱

۳۳۳-۳۳۴

سیری ۳۳۸

سیوستان ۱۱۹-۱۲۴-۱۲۵-۱۳۴

۱۳۸-۱۵۹-۱۶۱-۱۷۲

۱۸۱-۱۸۲-۱۸۵-۱۸۸

۱۹۰-۱۹۱-۱۹۷-۲۱۲

۲۲۹-۲۵۵-۲۶۱-۲۶۷

۲۷۶-۲۹۸-۳۳۱-۳۳۳

۳۳۸-۳۳۹-۳۵۴-۳۵۶



فہرست

۸۴۶

۲۱۱-۲۱۳-۲۱۷-۲۲۵

۲۳۰-۲۳۳-۲۶۷-۳۱۸

۳۲۸-۳۳۳-۳۵۵-۳۵۶

۳۸۲-۳۹۷

ک

کاہل ۱۶۳-۲۱۲

کاتیار ۲۰۱-۳۰۳-۳۰۶

کاکاراج ۳۳۱

کانجی قلعہ ۲۷۰

کاہان (گاہا) ۱۳۷-۱۴۱-۳۵۹

کجو ۲۷۳-۲۷۷-۳۸۳

کچھ ۱۱۸-۱۱۹-۱۴۳-۱۴۷

۱۵۲-۱۵۵-۱۶۹-۳۱۷

۱۸۷-۲۰۰-۲۲۵-۳۸۲

کدیار ۲۶۲

کراچی ۲۶۹-۳۲۷

کرہلا ۱۴۲-۳۵۵

کرتہ (قلعہ) ۲۶۷

کرنال (گرنار) ۱۳۵-۱۵۶

کرہیلہ ۳۵۲

کشمیر ۳۵۵

کعبہ اللہ ۱۱۳

ککوالہ ۱۷۶-۱۷۸-۲۰۵-۲۳۶

۲۶۸-۲۷۰-۲۷۳-۲۷۹

۳۳۶-۳۳۹-۳۴۱-۳۴۸

ع

عالیخان نمر ۱۳۹-۱۸۵-۲۰۱

۲۴۷

عجم ۲۳۳-۳۲۰-۳۹۳

عراق ۱۶۱-۱۶۳-۲۳۳-۳۲۰

۳۹۳

عمر کوٹ ۱۶۰-۱۶۱-۲۰۰-۲۱۱

۲۲۱-۲۳۵-۲۶۸-۲۷۳

۳۷۷-۳۷۷

غ

غازیہ، غازی واہ (نمر) ۲۵۰

ف

فتح باغ ۲۰۶-۲۰۷-۲۰۸-۵۲۰

فتح پور ۲۶۰-۲۶۲-۳۳۶

فتحی نگر ۵۲۳-۶۱۶

فراٹ ۱۴۲

فرشتہ (بکھر لہو) ۱۵۰-۲۱۵

فرید آباد ۶۷۷

ق

قہجاق ۲۲۸

قلات ۲۶۲

قندائیل (قندائیل) ۳۳۳

قندھار ۱۴۶-۱۵۷-۱۶۱-۱۶۲

کیچ مکران ۲۵۵-۳۱۷  
کینجھر ۱۲۹-۳۵۴-۳۵۵

۳۸۵-۵۴۸-۵۵۱-۶۰۸  
۶۲۴

گ

گاج (نالہ) ۲۶۱

گاجریلہ ۱۳۲

گاجی جو گوٹہ (گاجی کا کاؤں)

۲۲۱

گاڑھو دڑو (لال ٹیلہ) ۲۵۹

گاہن ۲۶۲

گاہوٹ ۳۳۵

گاہی جمشیدہ (کاؤں) ۲۶۲

گاہیلہ ۲۶۰

گاجر کوٹ ۳۰۲

گجرات ۱۲۶-۱۳۱-۱۳۳-۱۳۶

۱۳۸-۱۵۱-۱۵۷-۱۶۰

۱۶۱-۲۹۹-۳۰۲-۳۶۰

۳۷۰-۵۱۰-۵۵۱-۵۷۰

۵۵۳-۵۷۰-۵۸۷-۶۱۵

گجیرہ ۲۶۲

گرناہ ۱۵۵

گروہڑ ۵۴۲

گنٹ ۳۴۳

گنجاہ (گجواہ) ۲۱۳-۲۱۶

۲۴۴

گنجا ٹیلہ ۳۸۷-۳۴۱-۳۴۷

ککڑ ۳۴۶

کلان کوٹ [رجوع کیجئے :

تغلق آباد]

۱۹۳-۳۵۶-۵۱۱-۵۲۳-۶۱۸

کلفتہ بندر ۵۵۶

کلور (ٹیکری) ۳۳۷

کنہرن جو گوٹہ (کمہاروں

کا کاؤں) ۶۱۷

کنڈھی ۱۳۳

کنرو (تھمیل) ۲۶۹

کنکانی ۲۶۶

کنگری (بادشاہ پور) ۲۴۵

کوٹری ۳۰۰

کوٹ کروڑ ۳۸۳

کوٹ ماچھی ۱۳۶

کوچھو (کوچھہ) ۴۱۸

کوداریہ ۲۷۳

کورھرہ ۲۷۲

کوهستان ۶۲۰-۶۲۷

کوه قاف ۳۷۱

کوٹنہ ۳۴۴

کسمارہ ۲۶۷

کسیر، تحصیل ۲۶۹

کھوڑی جو ۶۲۲

م  
ماہیلہ ۱۳۲-۲۶۱-۲۸۷-۳۰۹  
سارکھپور ۲۶۲  
ماژندران ۳۹۴  
شیاری ۳۸۷-۳۶۱-۳۴۹-۳۱۵  
۳۱۸-۳۳۱-۳۴۱-۵۲۰  
۶۰۷

محال بھاگناڑی ۲۶۶  
محال شورا ۲۶۶  
محال کچھی ۲۶۶  
محصبہ بندر ۵۸۲  
محمد آباد ۲۷۱-۲۷۲-۲۷۵-۷  
۳۲۳-۳۲۳  
محمد طور ۱۱۹-۱۲۰-۳۵۶-۳۶۳  
۶۲۲-۶۲۱-۶۲۰  
محمود آباد ۱۵۶  
مدینہ منورہ ۳۶۰-۳۶۹-۴۰۱  
۵۹۳-۵۷۸

مراد آباد ۲۴۷-۳۳۰  
مرزاپور (مرزا پور) ۳۴۱  
مرگ پور ۲۶۰  
مرنہ (گاؤں) ۲۵۸  
مستونگ ۲۱۹  
مسجد صفہ ۴۷۴  
مسجد فرخ (ٹھٹھہ) ۵۱۰  
مسقط ۲۷۱-۲۷۳

گوا بندر ۱۷۲  
گھارو (گھارہ) ۱۵۰-۲۶۰  
گھاڑو (گھاڑہ) ۲۵۸  
گھاڑو (نہر) ۲۵۷  
گھڑا ۳۳۸-۳۴۰  
گھوٹو (گھوٹکی) ۳۳۶

## ل

لاڑکانہ ۲۵۷-۲۶۲-۲۶۷-۲۶۸  
۲۷۸  
لاکھاٹ ۲۵۹  
لاہری بندر ۱۷۲-۱۷۳-۱۹۶  
۱۹۷-۲۰۹-۲۲۹-۵۰۳  
۵۴۲-۵۴۸-۵۹۴-۶۲۲  
۶۲۳

لاہوت ۶۳۳  
لاہور ۱۹۰-۲۱۲-۲۴۷-۲۵۱  
۲۸۹-۳۰۵-۳۱۹-۳۵۴  
۳۵۵-۵۴۴-۵۸۸

لٹی (قصبہ) ۶۲۱  
لکڑی ۲۶۴  
لکٹی (کوہ) ۱۴۳-۱۶۶-۱۸۹  
۱۹۰-۳۵۱-۳۶۳-۳۶۵

لکھپت بندر ۲۸۰-۲۸۲  
لنجاری ۲۷۴  
لواری ۳۱۵  
لوع ۲۵۶

۳۳۰-۳۳۱-۳۳۹-۳۵۳

۴۰۲-۴۰۵-۴۱۷-۵۳۳

۵۳۸

سنائی (تحصیل) ۲۶۹

منچہر جھیل ۲۶۲-۳۳۳-۳۳۶

منگھے کا طوق (بہار) ۶۳۸-۶۳۵

موتنگیچی ۴۲۰

مورو (قلمہ) ۲۸۰

مہران ۱۱۳-۱۱۹-۱۸۹-۳۳۰

مٹو ۱۴۹-۳۰۸-۴۲۱

میران ۲۷۳

میران پور [ملاحظہ ہو جھوک

میںدھرا پٹ] ۴۲۱

ن

نارو (نارو) ۵۳۱-۶۲۱

نایاھو (نایاھہ) ۴۴۵

نرکار (کاؤن) ۲۶۷

نصرو پور ۱۳۲-۱۴۶-۱۵۵-۱۸۲

۲۰۰-۲۰۱-۲۱۵-۲۱۶

۲۶۸-۲۷۸-۲۹۳-۳۹۵

۳۹۸-۴۰۱-۴۹۹-۴۰۳

۵۲۹-۵۶۷-۵۸۸-۹۱۱

نکر کوٹ ۱۲۶

نلی، تلی ۲۷۹

نورآباد ۳۰۰

مشکن باغ ۲۳۹

مشہد ۳۷۷-۳۱۳

مصر ۵۳۶

مغل بھمن ۴۳۸

مغل واڑہ ۴۷۹-۵۳۵-۴۶۱

مکران ۱۷۳-۱۷۶-۱۷۳

مکلی ۱۲۹-۱۳۵-۱۴۱-۱۷۳

۱۸۳-۱۹۸-۲۲۸-۲۳۳

۲۳۷-۲۵۰-۳۳۲-۴۴۳

۴۵۴-۴۶۱-۴۶۳-۴۶۳

۴۶۵-۴۶۸-۴۶۸-۵۰۳

۵۱۱-۵۲۳-۵۳۷-۵۵۰

۵۶۰-۵۶۹-۵۷۳-۵۷۳

۵۷۶-۵۷۹-۶۱۰-۶۱۲

۶۱۴-۶۱۵-۶۱۶-۶۲۶

مکن موری ۲۵۹

مکہ شریف ۱۴۶-۱۶۶-۲۲۱

۲۶۸-۳۱۳-۳۲۷-۳۶۱

۳۶۲-۳۷۳-۵۵۳-۵۵۶

ملتان ۱۲۴-۱۲۵-۱۳۱-۱۳۳

۱۴۶-۱۴۸-۱۴۹-۱۵۱

۱۶۳-۲۱۲-۲۱۳-۲۲۳

۲۳۲-۲۳۹-۲۴۷-۲۵۵

۲۵۷-۲۶۳-۲۶۴-۲۶۶

۲۸۱-۲۸۷-۲۹۱-۲۹۳

۲۹۵-۲۹۷-۳۰۷-۳۲۳

ہاڑہ بھاڑ ۴۶۱	نور ٹی ۳۵۱-۶۱۲
ہاشم پور ۳۵۴	نوشہرہ ۲۵۹-۲۷۱-۲۷۵-۲۷۸
ہالا کنڈی (مالہ) ۱۴۸-۱۵۸	۳۳۹
۱۹۱-۲۱۷-۲۵۲-۳۷۷	نہاران ۲۶۶
۳۷۵-۳۸۱-۳۸۰-۳۷۸	نہال دریا ۲۳۹
۵۸۸-۴۹۴-۴۳۳-۳۸۶	نہروالہ ۴۷۱
ہالائی ۳۴۶	نٹوالہ ۳۴۱
ہانسی پرگنہ ۲۶۶	نیتک (کاؤن) ۲۶۲
ہنڑی ۲۵۶-۲۵۸-۲۶۳-۴۲۹	نیرون کوٹ ۱۸۲-۲۱۴-۲۸۱
ہرات ۱۴۶-۳۱۹-۳۲۱-۴۸۲	۳۷۸-۴۴۴-۵۲۳
۵۲۳-۵۲۴-۵۳۳-۵۳۴	۵۴۰
ہرمز ۱۷۹	نیلوفر جھیل ۲۳۵
ہزارہ ۱۶۴	و
ہنگورجہ ۳۳۹	وریہ ۴۱۰-۵۶۱
ہندوستان ۲۶۷-۲۷۱-۲۸۸-۲۸۹	ویسر ۲۶۴
۲۹۵-۳۰۵-۳۴۱-۳۴۹	وکڑ دیہہ ۳۴۱
۳۵۵-۳۵۷-۳۹۲-۳۹۳	ولہار ۴۱۲-۴۱۷-۴۱۸
۴۲۷-۴۳۹-۴۵۶-۴۷۹	وند ۲۸۲
۴۸۹-۵۷۲-۵۷۷-۵۸۸	ونگہ ۴۱۲-۴۱۶-۴۱۸
۵۸۹	ونہیری ۳۷۳
ہنور ۶۲۰	ہ
ہیمکوٹ ۴۵۴	ہاتھی در (شکار پور) ۳۴۵
ی	
بشرب ۲۲۱	

# سنڌي ادبي بورڊ پاران شايع ٿيل ڪجهه ڪتاب

260/=	پروفيسر وي.اي.رينوف ڊاڪٽر نبي بخش قاضي	عالمي تاريخ جو مختصر خاڪو
120/=	ايڇ. ٽي. لئمبرڪ/مترجم: سليم احمد	سنڌ- هڪ عام جائزو
160/=	ايڇ. ٽي. لئمبرڪ/سومار علي سومرو	سنڌ مسلمانن جي فتح کان اڳ
100/=	خان بهادر خداداد خان	لُڀ تاريخ سنڌ
	مترجم: حافظ خير محمد اوچدي	
100/=	پير حسام الدين راشدي	ڳالهيون منهنجي سنڌ جون
	مترجم: غلام محمد لاکو	
120/=	ميجر جنرل ڊبليو. ايف. پي نبيپٿر	سنڌ جي فتح [پاڳو - 1]
	مترجم: سومار علي سومرو	
120/=	ميجر جنرل ڊبليو. ايف. پي نبيپٿر	سنڌ جي فتح [پاڳو - 2]
	مترجم: سومار علي سومرو	
80/=	ايس - اين رٽڪس	ٿر ۽ پارڪر جو احوال
	مترجم: ڊاڪٽر نواز علي شوق	
125/=	سيد مير محمد بن سيد جلال نٿوي	تَرَخان نامو
	مرزا عباس علي بيگ	
260/=	سيد حسام الدين راشدي	مير محمد معصوم بکري
200/=	سيد حسام الدين راشدي	مڪلي نامه
470/=	منشي عطا محمد شڪارپوري	تازن معرڪن جي تاريخ
	مترجم: حڪيم نياز همايوني	
120/=	محمد عبدالغفور	نٿي جا ڪاتب
	مترجم: عطا محمد ڀنڀرو	
260/=	ڊاڪٽر احمد حسن داني	نٿي جا قديم اسلامي يادگار
	مترجم: عطا محمد ڀنڀرو	
225/=	علي ڪوفي/مترجم: مخدوم امير احمد	فتح نامه سنڌ عرف ڇڄ نامو
	محقق ۽ مصحح: ڊاڪٽر نبي بخش خان بلوچ	
170/=	رائڇند هريجن	تاريخ ريگستان [پاڳو - 1]
205/=	رائڇند هريجن	تاريخ ريگستان [پاڳو - 2]

